فاتحِ اعظم
صلاح الدین ایوبی

خان آصف

فاتح اعظم

صلاح الدین ایوبی

خان آصف

القریش پبلی کیشنز

سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

فون: 042-7668958, 042-7652546

www.alquraish.com E.mail:info@alquraish.com

باراوّل .... مئی 2009ء
مطبع .... نیئر اسد پریس لاہور
کمپوزنگ .... کلاسکس گرافکس
قیمت .... -/400روپے

پیش لفظ

گیارہویں صدی عیسوی کے آخر (1091ء) سے صلیبی جنگوں کا آغاز ہوا اور یہ سلسلہ تیرہویں صدی عیسوی کے آخر (1091ء سے 1291ء) تک جاری رہا۔ دوسو برس سے زائد اس معرکہ آرائی میں جرمنی، فرانس، برطانیہ اور یورپ کے تمام عیسائی حکمرانوں نے حصہ لیا۔ ان صلیبیوں کا مقابلہ والئ موصل عمادالدین زنگی، سلطان نورالدین زنگی اور سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے مجاہدوں نے کیا۔ ایوبی خاندان کے بعد مملوک (ترک) صلیبیوں سے نبرد آزما رہے۔ اس طرح کل سات بڑی صلیبی جنگیں ہوئیں۔ صلاح الدین کا تعلق کرد قوم سے تھا۔ وہ 19 ستمبر 1138ء میں تکریت کے مقام پر پیدا ہوا۔ اس کا نام یوسف رکھا گیا۔ صلاح الدین نے سلطان نورالدین زنگی کے زیرِ سایہ تربیت پائی۔ 1160ء (555ھ) میں جب صلیبیوں کو صلاح الدین نے مصر سے نکال باہر کیا تو خلیفہ العاضد الدین اللہ نے یوسف کو ملک الناصر صلاح الدین ایوبی کا نام عطا کیا۔ اس وقت صلاح الدین ایوبی کی عمر 22 سال تھی۔

سلطان نورالدین زنگی کی طرح صلاح الدین ایوبی کو بھی بیت المقدس سے عشق تھا۔ بیت المقدس (یروشلم) یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے لئے خاص اہمیت کا حامل شہر ہے۔ یہودی اسے یوں مقدس سمجھتے ہیں کہ یہاں حضرت سلیمان علیہ السلام نے عظیم الشان عبادت گاہ (ہیکل سلیمانی) بنائی تھی۔ عیسائی اسے اس طرح اہم جانتے ہیں کہ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا تھا...... اور مسلمانوں کے لئے یہ شہر اس لئے مقدس ہے کہ اس قبلہ اوّل سے سرورِ کونین آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سفرِ معراج کیا تھا۔

> ''پاک ذات ہے وہ، جو اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو راتوں رات مسجد حرام (مسجد کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے گیا جس کے اردگرد کو ہم نے بابرکت بنا رکھا ہے تاکہ اُن (بندہ) کو ہم کچھ اپنے عجائب (قدرت) دکھائیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب سننے والا اور سب دیکھنے والا ہے۔'' (سورہ بنی اسرائیل۔ 1/17)

638ء میں خلیفہ ثانی امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس (یروشلم) فتح

کیا۔اس فتح کے نتیجے میں مسلمان اور عیسائی یہاں پُر امن طور پر رہنے لگے۔ یہودی، عیسائی اور مسلمان دیگر علاقوں سے یہاں زیارت کے لئے آتے رہے۔ پھر 1099ء میں عیسائی فوج نے بیت المقدس (یروشلم) پر قبضہ کرلیا۔ وہاں کے باشندوں کا بے دردی سے قتل عام کیا۔ بیت المقدس کی آزادی کے لئے جب صلاح الدین ایوبی نے تلوار اُٹھائی تو تمام عیسائی دنیا صلاح الدین ایوبی کے خلاف صف آرا ہوگئی۔ صلیبی فوج کی تعداد دس لاکھ سے زائد تھی جبکہ صلاح الدین ایوبی کا لشکر چالیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ صلیبیوں کے پاس جدید ترین اسلحہ تھا اور باعمل اہلِ ایمان کے پاس صرف برہنہ تلواریں تھیں اور اللہ کی ذات پر غیر متزلزل یقین۔ یہ وہ ہتھیار تھے جن کے بھروسے صلاح الدین ایوبی نے تیسری صلیبی جنگ (1187ء) میں وہ عظیم الشان فتح حاصل کی جس کی سوزش سے آج بھی عیسائی دنیا کے سینے جلتے ہیں۔ زخموں کی اس جلن کو مٹانے کے لئے عیسائی دنیا نے دوبارہ صلیبی جنگوں کا آغاز کر دیا ہے۔ افغانستان اور عراق اس کی تازہ مثالیں ہیں۔ ان صلیبی جنگوں سے نمٹنے کے لئے ایک مرتبہ پھر فاتح اعظم صلاح الدین ایوبی جیسے مجاہد اسلام کی ضرورت ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو اُلٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے، وہ شیر پھر آشکار ہو گا

(محمد علی قریشی)

آج سے ڈیڑھ ہزار سال قبل...... دنیا کے نقشے پر دو عظیم طاقتیں موجود تھیں۔ ایک روم...... اور دوسری ایران۔ موجودہ سیاسی اصطلاح میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ دونوں ماضی کی سپر پاورز تھیں۔
روم پر عیسائیوں کی حکمرانی تھی۔

اور ایران مجوسیوں (آتش پرستوں) کا مرکز تھا۔ ان کے عقیدے کے مطابق آگ ہر شے کو جلا دینے کی طاقت رکھتی تھی، اس لئے اسے خدا کا درجہ دے دیا گیا۔ ایران کے تمام چھوٹے بڑے معبدوں میں ہر وقت آگ روشن رہتی تھی۔ اور پجاری بھڑکتے ہوئے شعلوں کے سامنے سجدہ ریز رہتے تھے۔ اور صدیوں سے یہ مخصوص دعا مانگتے تھے۔

"اے ہمارے معبود...... جس طرح تو لازوال و عظیم ہے، اسی طرح اپنے نام لیواؤں کو بھی عزت وجلال عطا کر۔ ہمیں ہمارے دشمنوں پر ایسا غلبہ بخش دے جیسے ذبح ہونے والے جانور بے دست و پا نظر آتے ہیں۔ اہلِ زمین کے دلوں میں ہماری ایسی ہیبت ڈال دے کہ وہ سوتے میں بھی ہم سے خوفزدہ رہیں...... اور "دُرفشِ کاویانی" کو اتنا بلند کر کہ وہ آسمان کو چھونے لگے۔"

(دُرفشِ کاویانی، آتش پرستوں کا مقدس پرچم تھا۔ ایرانی افواج اور عوام اس بات پر پورا یقین رکھتے تھے کہ جس میدان جنگ میں یہ متبرک جھنڈا لہرائے گا، وہاں دشمن شکست فاش سے دوچار ہوگا اور مجوسیوں کو عظیم الشان فتح حاصل ہوگی)

پھر جب اسلام کی شکل میں حق نمودار ہوا تو باطل فرار ہوگیا۔ مقدس پرچم اٹھانے والے ہاتھ کاٹ دیئے گئے۔ اور "دُرفشِ کاویانی" جسے فتح و نصرت کا نشان سمجھا جاتا تھا، بدبختی کی علامت بن کر اس طرح خاک میں مل گیا کہ اس کا ایک تار تک باقی نہ رہا۔

یہ 14 ہجری کا تاریخ ساز اور یادگار سال تھا، جب صدیوں سے روشن آتش کدے بجھا دیئے گئے۔ آگ کے پجاری کہا کرتے تھے یہ شعلے کبھی سرد نہیں ہوں گے۔ اور انہیں بجھانے والی مخلوق آج تک پیدا نہیں کی گئی۔ مگر جب ایمان کی تیز ہوائیں فاران کی چوٹیوں سے اتر کر ایران کے میدانوں

میں داخل ہوئیں تو پھر سب کچھ خس و خاشاک کے مانند اڑنے لگا۔ نوشیرواں کی نادر و قیمتی یادگاریں مٹی کے کھلونوں کی طرح حقیر اور ارزاں ٹھہریں۔ جس طرح کعبے میں رکھے ہوئے بُت۔ منہ کے بل گر کے ہواللہ احد کہتے تھے۔ اسی طرح ایوان کسریٰ کے بلند اور سنگی مینارے زمیں بوس ہو کر اللہ کی کبریائی بیان کر رہے تھے۔ مغرور شاہوں کے نسب نامے ورق ورق ہو کر بکھر گئے۔ ان کے اٹھے ہوئے سر انسانی ٹھوکروں اور گھوڑوں کے سموں سے پامال ہونے لگے۔ ہڈیاں چیخ کر ٹوٹنے لگیں۔ اور پھر راستوں کا غبار بن کر رہ گئیں۔ یہاں تک کہ ان کی آخری نشانیاں تلاش کرنے والا ابھی کوئی باقی نہ بچا۔ اتنی قدیم و طاقتور سلطنت کی بساط یوں الٹی کہ مرثیہ خواں تک نہ رہے۔ ماتم گساروں کو بھی مکافات عمل کے قانون نے کھا لیا۔ موت کا خونی دہن اپنے پورے طول و عرض کے ساتھ کھلا ہوا تھا۔ اور ایران کی فضاؤں میں بہت دن تک یہ ہولناک صدا گونجتی رہی۔

"ہے کوئی اور...... ہے کوئی اور۔"

پھر جواب میں وقت کے نقیب نے پکار کے کہا۔ "کوئی نہیں۔ کوئی نہیں۔ سوائے اللہ کے۔"

یہ آواز سنتے ہی حضور اکرم ﷺ کے محترم ماموں اور لشکر اسلام کے سالار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شمشیر اپنی نیام میں چلی گئی۔

اور نہ جانے کتنی راتوں سے کرب کے عالم میں جاگنے والے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قرار آ گیا۔

یہ تھا جنگ قادسیہ کا مختصر حال، جس نے ایرانیوں کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ اور شہنشاہ یزدگرد کسی زخمی بھیڑیے کی طرح اپنی ہی زمین پر پناہ ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ اہل ایمان کی یلغار جاری رہی۔ یہاں تک کہ مجاہدین اسلام کے گھوڑوں نے مدائن، خوزستان، اہواز، نہاوند، اصفہان، ہمدان، رے، کرمان، سیستان اور خراسان کو روند ڈالا۔ شہنشاہ یزدگرد فرار ہو کر ترکستان چلا گیا۔ مسلم سالار احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے ایران کا سارا خزانہ مال غنیمت کے طور پر امیر المومنین کی خدمت میں مدینہ منورہ بھیج دیا۔ زر و جواہر کے اس انبار کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے۔

پھر آپ نے مسجد نبوی ﷺ حاضر ہو کر اہل ایمان کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"معبود حقیقی کے نام لیواؤں کو خوشخبری ہو کہ آج مجوسیوں (آتش پرستوں) کی سلطنت برباد ہو گئی۔ اب ان کے ملک کی زمین کا ایک ٹکڑا بھی ان کے قبضے میں نہیں رہا۔ خوب جان لو کہ اب آگ کے پجاری وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے والوں کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اور یہ بھی سن لو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زمین، ان کے ملک اور ان کی دولت کا وارث تمہیں اس لئے بنایا ہے کہ تمہاری آزمائش کی جا سکے۔ خبردار تم اپنی حالت نہ بدل لینا۔ ورنہ اللہ بے نیاز ہے۔ وہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو بدل دے گا۔ مجھے اس امت کیلئے خود اس کے افراد سے خوف ہے۔"

......{......☆......}......

ایرانیوں کی شکست فاش اور مسلمانوں کی عظیم الشان فتح کی خبریں قیصر روم کے دربار میں بڑی

حیرت کے ساتھ سنی گئیں۔ قیصر کے ایک دور اندیش وزیر لوقس نے اپنی نشست پر کھڑے ہو کر بصد احترام عرض کیا۔

"اے ہرقل اعظم! مسلمانوں کی یہ پیہم فتوحات عیسائیوں کیلئے نیک شگون نہیں ہے۔ اس سے پہلے کہ یہ خونی سیلاب ہمارے سرسبز و شاداب علاقوں کو بہا کر لے جائے، ہمیں ایک مضبوط حصار بنا لینا چاہئے۔"

اس سے پہلے کہ وزیر لوقس اپنی بات مکمل کرتا، بوڑھا پادری شہرام اپنی جگہ سے اٹھا اور انتہائی متکبرانہ لہجے میں ہرقل اعظم (قیصر روم) کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"شہنشاہ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ایرانی آتش پرست تھے۔ اس لئے آگ کی خوراک بن گئے۔ مگر ہم اہل صلیب ہیں اور صلیب ہی ہماری محافظ و نگہبان ہے۔"

شہرام کے بعد دوسرے پادریوں نے بھی دربار میں پُر جوش تقریریں کیں۔

"آسمانی باپ اپنے مقدس بیٹے کے صدقے میں مسیحیوں پر کبھی آفات و مصائب نازل نہیں کرے گا۔"

قیصر روم مکمل طور پر پادریوں کے زیر اثر تھا۔ اس لئے اس نے اپنے سیاسی مشیر لوقس کی باتوں پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ چند سال پہلے بھی ان ہی پادریوں نے اس وقت ہنگامہ آرائی کی تھی، جب قیصر کو سرکار دو عالم ﷺ نامہ مقدس موصول ہوا تھا۔ جس میں پیغمبر اسلام ﷺ نے اسے دین حق قبول کرنے کی دعوت دی تھی۔ قیصر روم، سرور کونین ﷺ دعوت سے متاثر ہو چلا تھا۔ مگر جب اس نے پادریوں کی جماعت کو غضب ناک حالت میں دیکھا تو اسلامی وفد کو اپنے دربار سے اٹھا دیا۔

اللہ کے آخری رسول ﷺ دنیا سے رخصت ہوئے صرف چار سال کا مختصر ترین عرصہ ہوا تھا۔ دنیا کے بڑے بڑے کاہن، نجومی، سیاست اور جنگ کے ماہرین سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ پیغمبر اسلامؐ کے نام لیوا صحرا کے دامن سے نکل کر ایران جیسی عظیم طاقت کی بساط الٹ کر رکھ دیں گے۔ وہ ایرانی جو خود کو دنیا کی سب سے مہذب اور طاقتور قوم سمجھتے تھے۔ جب پہلی بار مسلمان سفیر حضرت عبداللہ بن حذافہؓ حضور اکرم ﷺ نامہ مقدس لے کر ایرانی شہنشاہ خسرو پرویز کے دربار میں ایک خاص ادائے بے نیازی اور جلال ایمانی کے ساتھ داخل ہوئے تھے تو ایرانی شہنشاہ نے صحابی رسول ﷺ بڑی نفرت و حقارت کے ساتھ دیکھا تھا۔ پھر خسرو پرویز نے نامہ رسول ﷺ چاک کرتے ہوئے پوری عرب قوم کو انتہائی ذلت آمیز لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

"اے سوسمار (چھپکلی نما جانور) کا گوشت کھانے والو...... اور اے اونٹ کا دودھ پینے والو۔"

پھر جب ناکام سفارت کے بعد حضرت عبداللہ بن حذافہؓ نے رسالت مآب ﷺ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر نامہ مبارک سے چاک کرنے کا واقعہ سنایا تو سرور کونین ﷺ نے فرمایا۔

"خسرو نے میرا خط چاک نہیں کیا، اپنی حکومت کے ٹکڑے کر دیئے۔"

چند روز بعد ہی خسرو پرویز کے بیٹے شیرویہ نے بڑی بے رحمی کے ساتھ اپنے باپ کو قتل کر ڈالا۔ پھر

چند سال بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایرانی سلطنت کے مضبوط ترین ستونوں کو کسی بوسیدہ کتاب کے اوراق کی طرح ہوا میں اڑا دیا۔

قیصر روم کا وزیر لوقس اس واقعے سے باخبر تھا، اسی لئے اس نے بھرے دربار میں مسلمانوں کی فتوحات اور یلغار کے سلسلے میں اپنے خدشات ظاہر کئے تھے۔ لوقس کا شمار اپنے وقت کے ذہین ترین افراد میں ہوتا تھا۔ اس کی جاگنے والی آنکھوں نے نوشتۂ دیوار پڑھ لیا تھا کہ اب مسلمانوں کو رومیوں کی حریف طاقت بننے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ لوقس بار بار قیصر روم کو صورتحال کی سنگینی کا احساس دلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

پادری شہرام کے جاسوس محل کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے تھے۔ جب ان جاسوسوں نے قیصر روم اور وزیر لوقس کی خفیہ ملاقاتوں کی اطلاع دی تو پادری شہرام گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے وزیر لوقس کو سیاسی منظر نامے سے ہٹانے کی تدبیر سوچ لی۔ اس وقت روم عیش پرستیوں کا مرکز تھا۔ بادشاہ، وزیر و امیر اور خواص و عوام رقص و سرود اور شراب نوشی کو انسانی زندگی کا ایک لازمی حصہ سمجھتے تھے۔ کیف و نشاط کی زندگی گزارنے پر کوئی قانونی اور اخلاقی پابندی عائد نہیں تھی۔

اپنے اسی ماحول کے زیر اثر وزیر لوقس بھی کیف و نشاط کا دلدادہ تھا۔ پادری شہرام نے اس کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھایا۔ ایک رات جب لوقس خوبصورت عیسائی رقاصہ سوسن کا ہوشربا رقص دیکھ رہا تھا تو مسلسل شراب نوشی کے اثر سے اس کے ہوش و حواس زائل ہوتے جا رہے تھے۔ پھر اسی کیفیت میں لوقس نے سوسن سے رات کا آخری جام طلب کیا۔

سوسن بصد ناز و ادا لہراتی ہوئی آگے بڑھی۔ اور اس نے دوسری زرنگار صراحی سے لوقس کا جام لبریز کیا۔ اس صراحی میں پادری شہرام کے منصوبے کے مطابق ایک خاص زہر شامل کر دیا گیا تھا۔ جسے بڑے سے بڑا طبیب بھی آسانی کے ساتھ نہیں پہچان سکتا تھا۔

شراب حلق سے اترتے ہی لوقس کی حالت غیر ہونے لگی۔ وہ شدید کرب کے عالم میں فرشی نشست سے اٹھا۔ اور لڑکھڑاتی زبان میں رقاصہ سے پوچھنے لگا۔

”سوسن! آج تو نے مجھے کیسی شراب پلا دی ہے کہ میرے دل کی دھڑکنیں قابو میں نہیں ہیں۔“

سوسن کے احمریں ہونٹوں پر قاتلانہ تبسم ابھر آیا۔ ”سلطنت روم کے عظیم وزیر۔ ساقی بھی وہی ہے۔ جام و پیمانہ اور صراحی بھی وہی۔ شاید یہ موسم بہار اور چاندنی رات کا اثر ہے کہ شراب میں تیزی آ گئی۔ اور نشہ عام دنوں سے زیادہ گہرا ہو گیا۔“

لوقس کچھ اور کہنا چاہتا تھا۔ مگر اچانک اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے دل کو پکڑ لیا۔ وزیر سلطنت کا چہرہ پسینے سے تر ہو گیا پھر وہ شدید اذیت کے عالم میں چند قدم آگے بڑھا اور لڑکھڑا کر فرش پر گر پڑا۔

لوقس کی یہ حالت دیکھ کر رقاصہ سوسن مسلسل مسکرائے جا رہی تھی۔

وزیر لوقس بڑی مشکل سے اٹھ کر بیٹھا۔ پھر اس نے پوری طاقت سے چیخ کر کہا۔ ”جاہل اور ریاکار

پادریو! تم نے اس شخص کو قتل کر ڈالا جو روم کا دماغ تھا۔ اب تمہیں خداوند خدا کے قہر سے کوئی نہیں بچا سکتا۔“ یہ کہہ کر لوقس نے ایک بار پھر کھڑے ہونے کی کوشش کی لیکن وہ اپنے قدموں کا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ اور دوبارہ اوندھے منہ قالین پر گر پڑا۔ پھر چند لمحوں بعد اس کی حرکت قلب بند ہو گئی۔

رقاصہ سوسن تیزی سے جھکی۔ اس نے کئی بار لوقس کو آوازیں دیں۔ مگر جب وزیر سلطنت کے جسم کو ہلکی سی جنبش بھی نہیں ہوئی تو اس نے کسی طبیب کی طرح لوقس کی کلائی پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ وزیر سلطنت کی نبض ڈوب چکی تھی۔ لوقس کے عشرت کدے میں رقاصہ سوسن کا تیز قہقہہ گونجا۔ مگر جب یہ گونج ختم ہوئی تو اس کے کانوں میں پادری شہرام کے الفاظ کی صدائے بازگشت ابھرنے لگی۔

”اگر تو نے عیسائیت کے ایک بڑے دشمن لوقس کو مار ڈالا تو مقدس باپ اور بیٹا تجھ سے راضی ہو جائیں گے۔ تیرے سارے گناہ دھو دیئے جائیں گے۔ اور تو پارسا عورتوں کی طرح جنت میں داخل ہو جائے گی۔“

پھر جب رقاصہ سوسن وزیر سلطنت لوقس کے کمرے سے نکل کر محل کی راہداری سے گزر رہی تھی اس کے دل و دماغ پر سرشاری کی عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ سوسن کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جنت کی کسی وادی میں محو خرام ہو۔

دوسرے دن قیصر روم اپنے مشیر خاص کی لاش پر اداس کھڑا تھا۔ شاہی طبیب تمام تر کوششوں کے باوجود اس زہر کی نشاندہی نہ کر سکے جسے پادری شہرام نے بڑی ذہانت کے ساتھ لوقس کے جسم میں داخل کرایا تھا۔

......}......☆......{......

پھر وہی ہوا جس کی پیش گوئی لوقس نے اپنی موت سے پہلے کی تھی۔ اب اسلامی لشکر عیسائی سلطنت کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔ پھر کچھ دن بعد ہی امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کی قیادت میں اسلامی فوج نے دمشق، اردن و حمص پر قبضہ کر لیا۔ یہ تمام عیسائی علاقے قیصر روم کی حدود سلطنت میں شامل تھے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے جزیہ لے کر تمام عیسائیوں کو مکمل امان بخشی۔ اور برابری کے حقوق ادا کئے۔ نہ کسی عورت کی آبروریزی کی گئی۔ نہ کسی بوڑھے اور بچے کو قتل کیا گیا اور نہ ان کے مکانوں کو آگ لگائی گئی۔ مسلمانوں کے اس طرز عمل کو دیکھ کر عیسائی عورتیں اور مرد آپس میں گفتگو کیا کرتے تھے۔

”یہ کیسے فاتح ہیں کہ جنہوں نے ہماری عزت و آبرو کے پیراہن کو چاک نہیں کیا۔ ہمیں سامان رسوائی کے ساتھ بازاروں میں نہیں پھرایا۔ اور ہمارے مال و متاع کی طرف دیکھنا تک گوارا نہیں کیا۔ زندگی کی یہ رعایتیں، یہ امن و سلامتی، یہ عدل و انصاف اور یہ مساوات تو ہمیں ہرقل اعظم (قیصر روم) نے بھی نہیں بخشا تھا۔“

دمشق، اردن اور حمص کی فتوحات نے رومی عیسائیوں کو بدحواس کر دیا تھا۔ پھر مقامی باشندوں کی ایک بڑی جماعت قیصر روم کے دربار میں اس طرح داخل ہوئی کہ ان کے بال بکھرے ہوئے تھے اور

گریبان چاک تھے۔ وہ سب کے سب سر سے پاؤں تک درد کی تصویر بنے ہوئے تھے۔

قیصر روم نے ان شکستہ حال لوگوں کی طرف بڑی حیرت سے دیکھا۔ اور پھر انتہائی نرم لہجے میں پوچھا۔ "اے یسوع مسیح کے ماننے والو۔ آخر تم پر کیا افتاد پڑی ہے؟"

دمشق اور اردن کے عیسائیوں نے رو رو کر کہا۔ "اے ہرقل اعظم ...... اے عیسائیت کے نگہبان۔ ہم پر افتاد نہیں پڑی ہے۔ بلکہ قیامت ٹوٹی ہے۔ ہماری فریاد سن اور ہمارے دکھوں کا مداوا کر۔"

فریادیوں کی یہ گریہ وزاری دیکھ کر قیصر روم کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور اس نے انتہائی تند و تیز لہجے میں فریادیوں سے پوچھا۔ "وہ کون ہے جس نے تم پر یہ قیامت توڑی ہے۔ میں اسے عبرتناک سزا دوں گا۔ اور تمہارے تمام دکھوں کا ازالہ کروں گا۔"

"وہ عرب کے مسلمان ہیں جنہوں نے ہماری زمینوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور ہمارے گھروں کو آگ لگا دی ہے۔" ایک فریادی نے زار و قطار روتے ہوئے کہا۔

"بوڑھے اور بچے قتل کئے جا رہے ہیں۔" دوسرے فریادی نے ہچکیوں سے روتے ہوئے دنیا کا سب بڑا جھوٹ بولا۔ "اے ہمارے بادشاہ...... صلیب کی بیٹیاں بے اماں ہیں۔ وہ مسلمانوں کی ہوس کا نشانہ بن رہی ہیں۔"

فریادی نے عیسائیوں کی بربادی کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا کہ قیصر روم غضب ناک ہو کر اپنے تخت پر کھڑا ہو گیا اور قہر آلود لہجے میں بولا۔ "میں نے صلیب کے بندوں کی فریاد سن لی۔ تم سے میرا وعدہ ہے کہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا، جب تک تمہیں تمہاری زمینیں واپس نہیں مل جائیں گی۔ آج سے تم انطاکیہ میں ہمارے مہمان خاص ہو۔"

اس وقت انطاکیہ قیصر روم کا دارالحکومت تھا۔ فریادی خوشی خوشی دربار سے چلے گئے۔ مسلمانوں کے سلسلے میں ان کی مکارانہ چال کامیاب ہو گئی تھی۔

قیصر روم رات بھر سکون سے نہیں سو سکا۔ بار بار اس کی آنکھ کھل جاتی تھی۔ اور نظروں کے سامنے وزیر سلطنت لوقس کا چہرہ ابھر آتا تھا۔ "تم سچ کہتے تھے لوقس کہ مسلمانوں کی یلغار ایران کی حدود تک نہیں ٹھہرے گی۔" قیصر روم بڑے حسرت زدہ لہجے میں اپنے مرحوم سیاسی مشیر کو غائبانہ مخاطب کر کے کہتا۔ "کاش تم زندہ ہوتے اور مشورہ دیتے کہ ایسی نازک صورتحال میں مجھے کیا حکمتِ عملی اختیار کرنی چاہئے۔"

الغرض اسی کشمکش میں پوری رات گزر گئی۔ پھر صبح ہوتے ہی قیصر روم نے ایک خفیہ اجلاس طلب کر لیا۔ اس اجلاس میں عمائدین سلطنت کے ساتھ شہر کے معزز اور دانشمند افراد بھی شریک تھے۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو قیصر روم نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"عیسائی اپنی تعداد میں عربوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ ان کے ہتھیار پرانے اور جنگی وسائل بھی تم سے کہیں کم ہیں۔ دیگر ساز و سامان میں بھی تم لوگ مسلمانوں پر فوقیت رکھتے ہو۔ مگر جب میدان جنگ میں ان کے مقابل صف آرا ہوتے ہو تو شکست کھا جاتے ہو۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟" قیصر روم کے

لہجے سے شدید ناگواری کا رنگ جھلک رہا تھا۔

ہرقل اعظم کا سوال سن کر سب نے سر جھکا لیا۔ حاضرین میں انطاکیہ کا سب سے بڑا پادری شہرام بھی شامل تھا۔ اس کی گردن بھی جھکی ہوئی تھی۔ اور وہ بھی ہرقل اعظم سے نظریں چرا رہا تھا۔

قیصر روم نے پادری شہرام کی اس کیفیت کا اندازہ کر لیا۔ اور پھر بلند آواز میں اسے مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "عیسائیوں کے عظیم مذہبی پیشوا! آپ خاموش کیوں ہیں؟ دمشق، اردن اور حمص کے محاذوں پر صلیب ہماری مدد کو کیوں نہیں آئی؟ اس نے اپنے نام لیواؤں کو بے یار و مددگار کیوں چھوڑ دیا؟"

پادری شہرام نے اپنے شہنشاہ کی طرف دیکھا اور بجھے ہوئے لہجے میں بولا۔ "ہرقل اعظم! کبھی کبھی سچے اور ایماندار لوگوں کو بھی شکست ہو جاتی ہے۔ خداوند خدا اپنے کاموں کو خود ہی جانتا ہے۔"

"محترم پیشوا...... آپ کے اس جواب سے نہ میرا دل مطمئن ہوا اور نہ دماغ۔ کہیں کوئی نہ کوئی خرابی ضرور موجود ہے۔ جس پر مصلحت اور خاموشی کا پردہ ڈالا جا رہا ہے۔"

قیصر روم کی بات سن کر حاضرین کی گردنوں کا خم کچھ اور نمایاں ہو گیا۔ کچھ دیر تک دربار کی فضا پر گہرا سناٹا طاری رہا۔

پھر ایک شخص اپنی نشست پر کھڑا ہوا۔ یہ انطاکیہ کا ایک معزز اور نیک نام عیسائی ایمن تھا۔ اس نے باوقار لہجے میں قیصر روم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "آپ نے سچ فرمایا کہ ہم میں کہیں نہ کہیں کوئی خرابی موجود ہے۔ جس کی وجہ سے یہ ذلت اور شکست ہمارا مقدر بنی ہے۔"

"آج میں اس خرابی کو اس مجلس خاص میں سننا پسند کروں گا۔" قیصر روم کے لہجے سے بدستور تلخی جھلک رہی تھی۔

"ہرقل اعظم اس بات کا یقین دلائیں کہ مجھے سچ بولنے کی سزا نہیں دی جائے گی۔" ایمن کے چہرے سے ہلکا سا خوف جھلک رہا تھا۔

"آج تمہاری زبان پر کوئی پابندی نہیں۔" قیصر روم نے پُر جلال لہجے میں کہا۔ "جو کچھ تمہیں کہنا ہے بے خوف ہو کر کہہ ڈالو۔ تمہارے لئے امان ہے، سلامتی ہے۔"

قیصر روم کی طرف سے اجازت ملتے ہی ایمن نے انتہائی پرسوز لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "ہرقل اعظم کو معلوم ہونا چاہئے کہ دمشق، اردن اور حمص سے آنے والے عیسائیوں کی جماعت کا ہر فرد جھوٹا ہے۔" یہ کہہ کر ایمن چند لمحوں کیلئے خاموش ہو گیا اور حاضرین مجلس کی دلی کیفیات کا جائزہ لینے لگا۔

اس خفیہ اجلاس میں موجود ہر فرد کے چہرے پر ایمن کیلئے نفرت کا رنگ جھلک رہا تھا۔ مگر قیصر روم کے چہرے پر غیر معمولی سنجیدگی طاری تھی۔ اس نے بڑے تحمل کے ساتھ اپنا دایاں ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔ "ایمن...... تم اپنا بیان جاری رکھو۔"

"دمشق اور اردن میں میرے بھی کچھ قریبی عزیز اور دوست رہتے ہیں۔ ان میں خوبصورت جوان عورتیں اور نوخیز دوشیزائیں بھی شامل ہیں۔ دو ہفتے پہلے ہی میرا ایک دوست انطاکیہ آیا تھا۔ اس نے

مقدس باپ اور بیٹے کی قسم کھا کر بتایا کہ ان علاقوں میں تمام عیسائیوں کی جان و مال و عزت و آبرو مکمل طور پر محفوظ ہے۔"

ایک بار پھر حاضرین مجلس کے چہروں کے رنگ بگڑ گئے۔ وہ ایمن کی زبان سے مسلمانوں کی وحشت و درندگی کے فرضی افسانے سننا چاہتے تھے مگر جب ایمن نے اپنے ایک دوست کے حوالے سے مقدس باپ اور بیٹے کو درمیان میں لا کر مسلمانوں کی بے مثال رواداری اور کریمانہ عمل کا ذکر کیا تو ان کے سینوں میں نفرت و عصبیت کی آگ کے شعلے بھڑکنے لگے۔ اس کے برعکس قیصر روم کے چہرے پر حیرت و سکوت کا رنگ نمایاں تھا۔

ایمن نے مختصر سے سکوت کے بعد دوبارہ سلسلۂ کلام جوڑتے ہوئے کہا۔ "ہرقل اعظم..... میں نہایت اذیت و کرب اور ندامت کے ساتھ اس حقیقت کا انکشاف کر رہا ہوں کہ ہم میں سے اکثر لوگ شراب پیتے ہیں۔ دن رات بدکاریوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ وعدہ کر کے بڑی بے حیائی سے اسے توڑ دیتے ہیں..... ضعیفوں کو ستاتے ہیں اور کمزوروں پر ظلم ڈھاتے ہیں۔ اس کے برعکس مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ جب کسی سے عہد کر لیتے ہیں تو اسے نبھانے کیلئے اپنی جان تک دے دیتے ہیں۔ ان کا اخلاق ہم سے کہیں زیادہ بلند اور ان کا سلوک ہم سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ وہ رات کو عبادت کرتے ہیں اور دن میں روزہ رکھتے ہیں۔ وہ کسی پر ظلم نہیں ڈھاتے بلکہ اپنے بدترین دشمنوں کو بھی معاف کر دیتے ہیں۔ ان کے یہاں رنگ و نسل اور قبیلہ و خاندان کی کوئی تفریق نہیں۔ وہ سب آپس میں برابر ہیں۔ اسی لئے مسلمانوں کے ہر کام میں جوش اور استقلال ہوتا ہے۔ اگر ہم نے دمشق، اردن اور حمص کی شکست سے سبق حاصل کر کے اپنے کردار نہیں بدلے تو....." ایمن نے جان بوجھ کر اپنی بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ مگر قیصر روم کے ساتھ تمام حاضرین مجلس بھی سمجھ گئے تھے کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔

☆

پھر وہی ہوا جس کی طرف ایمن نے اشارہ کیا تھا۔ رومی عیسائیوں نے اپنی عادتیں نہیں بدلیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حکومت بدل ڈالی۔ مسلمانوں کی مسلسل فتوحات کی خبریں سن کر قیصر روم گھبرا گیا۔ اور پھر اس نے بڑی عجلت کے ساتھ شام چھوڑ کر قسطنطنیہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ جب انطاکیہ اور گرد و نواح کے عیسائیوں کو بادشاہ کے ارادے کی اطلاع ملی تو وہ قطار در قطار محل کے صدر دروازے پر جمع ہو کر گریہ و زاری کرنے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر قیصر روم کی مذہبی غیرت نے جوش مارا۔ اور پھر اس نے مسلمانوں سے مقابلے کا اعلان کر دیا۔ فوراً ہی برق رفتار قاصد ان علاقوں کی طرف روانہ ہو گئے جو قیصر روم کے زیر نگیں تھے۔ ہرقل اعظم نے تمام عیسائی حاکموں کے نام ایک ہی فرمان جاری کیا تھا۔

"عیسائیت کو مسلمانوں سے شدید خطرہ لاحق ہے۔ صلیب تمہیں پکار رہی ہے۔"

قیصر کے اس فرمان نے عیسائیوں کے مذہبی جذبات میں آگ لگا دی۔ اور وہ طوفان برق و باد کی

طرح انطاکیہ پہنچ گئے۔

رومیوں کی پرجوش جنگی تیاریاں دیکھ کر لشکر اسلام کے سالار حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنے تمام فوجی افسروں کو طلب کر کے ان سے مشورہ کیا کہ اس صورتحال میں کیا حکمت عملی اختیار کی جائے۔ ہر افسر نے اپنے ذہن کی رسائی کے مطابق مختلف رائے پیش کی۔ بالآخر طویل بحث و تمحیص کے بعد امور جنگ کے سارے ماہرین اس بات پر متفق ہو گئے کہ مختلف محاذوں پر تعینات مسلمان سپاہیوں کو ایک مقام پر جمع کر لیا جائے۔ نتیجتاً تمام مجاہدین اسلام دمشق میں یکجا ہوئے۔

اس کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ نے مقبوضہ علاقوں کے عیسائی مردوں کو ایک طویل و عریض میدان میں جمع کر کے ان سے مختصر خطاب کیا۔

"ہمیں افسوس ہے کہ ہم اپنی بے پناہ مصروفیات کے باعث تم لوگوں کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لے سکتے۔ اس لئے جزیئے (حفاظتی ٹیکس) کی ساری رقم واپس کی جاتی ہے۔"

حضرت ابوعبیدہؓ کی تقریر سن کر تمام عیسائی رونے لگے۔ پھر جب لشکر اسلام دمشق چھوڑ کر اردن کی طرف جانے لگا تو سارے عیسائی اشکبار آنکھوں کے ساتھ یہ دعا کر رہے تھے۔

"خداوند خدا تمہیں حفاظت کے ساتھ واپس لائے کہ تم اس زمین پر بسنے والوں کیلئے امن و سلامتی کا سائبان ہو۔"

حضرت ابوعبیدہؓ نے اردن پہنچ کر رومیوں کا مقابلہ کرنے کیلئے "یرموک" کا میدان منتخب کیا۔

یرموک کے قریب ہی ایک مقام "دیرالجبل" ہے۔ یہاں رومی فوج جمع ہو رہی تھی۔ ان کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ تھی۔ اس کے برعکس مسلمان سپاہیوں کی تعداد بیس اور تیس ہزار کے درمیان تھی۔ پہلا معرکہ رجب 15ھ میں ہوا جس میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ رومیوں نے کچھ دنوں کیلئے جنگ روک دی اور مصالحت کی تجویز پیش کی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے سیف اللہ حضرت خالد بن ولیدؓ کو سفیر بنا کر قیصر روم کے پاس بھیجا۔ مگر یہ سفارت ناکام رہی۔

رومی دوبارہ میدان جنگ میں نمودار ہوئے۔ اب کی بار ان کا جوش و خروش وحشت کی حدوں کو چھو رہا تھا۔ عیسائیوں کے وہ مقدس راہب جنہوں نے برسوں سے آسمان نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنی عبادت گاہوں سے نکل کر عام سپاہیوں میں شامل ہو گئے تھے۔ کچھ پادریوں پر جنونی کیفیت طاری تھی۔ وہ ہاتھوں میں صلیبیں اٹھائے عیسائی لشکر کے آگے آگے تھے۔ اور چیخ چیخ کر اپنے ہم قوموں کی ہمت بندھا رہے تھے۔

"آگے بڑھو اور صفحۂ ہستی سے مسلمانوں کا نام و نشان تک مٹا ڈالو۔ آج دنیا کی کوئی طاقت تمہارے مقابل نہیں ٹھہر سکتی، اس لئے کہ تمہیں حضرت یسوع مسیح کی تائید حاصل ہے۔"

تین ہزار رومی سپاہیوں نے اپنے پیروں میں بیڑیاں پہن رکھی تھیں تاکہ میدان جنگ سے فرار ہونے کا خیال بھی ان کے دل میں نہ آئے۔ رومیوں کے یہ تیور اور انداز دیکھ کر حضرت خالد بن ولیدؓ نے نئے سرے سے اسلامی فوج کو ترتیب دیا۔ اور مجاہدین کو 36 حصوں میں تقسیم کر دیا۔ پھر ایسی

خونریز جنگ ہوئی کہ یرموک کا میدان انسانی لاشوں سے پٹ گیا۔ اس معرکہ آرائی میں ایک لاکھ کے قریب رومی سپاہی قتل ہوئے۔ اور تین ہزار اہل ایمان نے جام شہادت نوش کیا۔

جب قیصر روم کو اس عبرتناک شکست کی خبر ملی تو شدت غم سے اس کا سرخ وسفید چہرہ دھواں ہو گیا۔ پھر وہ انتہائی حسرت و یاس کے عالم میں سینہ کوبی کرتا ہوا شام سے قسطنطنیہ چلا گیا۔

حضرت ابوعبیدہؓ کا بھیجا ہوا قاصد فتح عظیم کا مژدہ لے کر برق رفتاری کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ جنگ قادسیہ کی طرح جنگ یرموک کا نتیجہ جاننے کیلئے کئی راتوں سے جاگ رہے تھے۔ پھر جب قاصد نے لشکر اسلام کی سربلندی اور سرخروئی کی خبر دی تو حضرت عمر فاروقؓ مضطرب ہو کر مسند خلافت سے اتر کر سجدے میں چلے گئے۔ معبود حقیقی کا شکر ادا کرنے کے بعد جب حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اور زبان مبارک پر یہ مقدس کلمات جاری تھے۔

”سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ......“

......}......☆......{......

ایران کے بعد دوسری عظیم طاقت روم کا غرور بھی خاک میں مل گیا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فلسطین کی جنگی مہم حضرت عمرو بن العاصؓ کے سپرد کی تھی۔ مگر درمیان میں جنگ یرموک چھڑ جانے سے وہ مہم ادھوری رہ گئی تھی۔ قیصر روم کے اقتدار کا خاتمہ ہوتے ہی حضرت عمرو بن العاصؓ نے آگے بڑھ کے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ عیسائی قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرتے رہے۔ اس دوران میں حضرت ابوعبیدہؓ بھی اپنے لشکر کے ساتھ بیت المقدس میں پہنچ گئے۔ عیسائیوں نے کچھ دنوں تک مدافعت کی۔ مگر ان کی عسکری قوت بکھر چکی تھی۔ اس لئے مسلمانوں سے صلح پر آمادہ ہو گئے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ شرط بھی رکھ دی کہ خود امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ یہاں آ کر صلح کا معاہدہ تحریر کریں۔

یہ بڑی عجیب شرط تھی مگر حضرت ابوعبیدہؓ نے فوراً ہی قاصد کو ایک خط دے کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ کیا۔ خط میں یہ عبارت درج تھی۔ ”اگر امیر المومنین بنفسِ نفیس یہاں تشریف لے آئیں تو بیت المقدس جنگ وجدل اور خونریزی کے بغیر مسلمانوں کے قبضے میں آ سکتا ہے۔“

حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ کا خط پڑھا۔ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ سے مشورہ کر کے بلا تاخیر فلسطین کے سفر پر روانہ ہو گئے۔

آسمان کی آنکھ نے ایسا منظر نہ پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ آئندہ کبھی دیکھے گی۔ حضرت عمر فاروقؓ اس حالت میں مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے کہ ستوؤں کا ایک تھیلا، ایک اونٹ، ایک غلام اور ایک لکڑی کا پیالہ آپ کا سامانِ سفر تھا۔ نہ چھتر شاہی، نہ فوج کثیر، نہ طبل و علم اور نہ محافظ ونقیب۔ قیصر و کسریٰ کے تاج جس کے قدموں کا غبار بن چکے تھے، یہ اس عظیم فاتح کا سفر تھا۔ کبھی غلام اونٹ کی مہار پکڑ کر چلتا اور حضرت فاروق اعظمؓ اونٹ کی پشت پر سوار ہوتے۔ اور کبھی غلام اونٹ پر سوار ہوتا اور حضرت فاروق اعظمؓ اونٹ کی مہار پکڑ کر آگے چلتے۔ یہ 18 ہجری رجب کا مہینہ تھا۔

جابیہ کے مقام پر اسلامی فوج کے اعلیٰ افسروں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استقبال کیا۔ اس وقت یہ فوجی افسر ایران کے قیمتی ریشمی کپڑوں کی قبائیں پہنے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ غضبناک ہو گئے۔

”تم لوگوں نے اتنی جلدی اسلامی سادگی کو چھوڑ کر عجمیوں کی عادتیں اختیار کر لیں؟“

فوجی افسران نے ریشمی قباؤں کے دامن اٹھا کر دکھائے جن کے نیچے جنگی ہتھیار موجود تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ خاموش ہو گئے۔

بیت المقدس کے عیسائی رئیس بھی جابیہ پہنچ گئے۔ پھر اسی مقام پر وہ تاریخ ساز معاہدہ تحریر کیا گیا جس کی تفصیلات حسب ذیل ہیں۔

”یہ وہ امان ہے جو اللہ کے غلام امیر المومنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کیلئے ہے۔ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت اختیار کی جائے گی اور نہ وہ ڈھائے جائیں گے۔ یہاں تک کہ ان کے احاطے اور چار دیواریاں بھی محفوظ رہیں گی۔ نہ ان کی صلیبوں کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ اور نہ ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں ان پر کوئی جبر نہیں کیا جائے گا۔ واضح رہے کہ ایلیا میں ان لوگوں کے ساتھ یہودی رہنے نہیں پائیں گے۔ ایلیا والوں پر فرض ہے کہ وہ دوسرے شہروں کی طرح جزیہ ادا کریں۔ اور یونانیوں کو اپنے علاقے سے نکال دیں۔ ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان ومال کی حفاظت کی جائے گی۔ جب تک کہ وہ اپنی جائے پناہ پر نہ پہنچ جائے۔ اور ان میں سے جو ایلیا ہی میں سکونت اختیار کرنا چاہے تو اس کیلئے بھی امان ہے مگر اسے ایلیا والوں کی طرح جزیہ دینا ہوگا۔ ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان ومال لے کر یونانیوں کے ساتھ نکل جانا چاہے تو وہ بھی مامون ومحفوظ ہے۔ اس تحریر پر اللہ، رسولؐ، خلفاء اور مسلمانوں کا ذمہ ہے۔ بشرطیکہ یہ لوگ مقررہ جزیہ ادا کرتے رہیں۔ اس معاہدے پر خالد بن ولیدؓ، عمرو بن العاصؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور معاویہ بن ابوسفیانؓ گواہ ہیں۔ یہ معاہدہ 18 ہجری میں تحریر کیا گیا۔“

(ایلیا خلیج عقبہ کے شمالی سرے پر واقع ایک ساحلی شہر ہے)

اس معاہدے کی تکمیل کے بعد حضرت عمر فاروقؓ بیت المقدس کی جانب روانہ ہوئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ اور دیگر فوجی افسران نے شہر کے باہر نکل کر امیر المومنین کا استقبال کیا۔ اسلام کے عظیم فاتح کا لباس اتنا معمولی اور فرسودہ تھا کہ اسے دیکھ کر مسلمان فوجیوں کو شرم سی محسوس ہونے لگی۔ اس خیال سے کہ امیر المومنین کو اس لباس میں دیکھ کر عیسائی کیا کہیں گے، حضرت ابوعبیدہؓ نے ترکی گھوڑا اور قیمتی پوشاک حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کی۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا۔ ”اللہ نے جو ہم کو عزت بخشی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور وہی ہمارے لئے کافی ہے۔“

پھر فاتح ایران و روم بھی بوسیدہ لباس پہنے ہوئے بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے

مسجد اقصیٰ میں حاضر ہوئے اور چند آیات قرآنی پڑھ کر محراب داؤدؑ کے قریب طویل سجدہ ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا تھا کہ اگر تم مومن ہو تو پھر تم ہی دنیا پر غالب رہو گے۔

☆

صوبہ تکریت اور الجزیرہ شام اور عراق کے درمیان واقع تھے۔ بیت المقدس کی فتح کے بعد شکست خوردہ ایرانی اور رومی ان ہی دونوں مقامات پر جمع ہوئے اور اپنے عقائد کے اختلاف کے باوجود مسلمانوں کے خلاف متحد ہو کر ہنگامہ آرائی کرنے لگے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہدایت کے مطابق حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے پانچ ہزار سپاہیوں کے ساتھ قلعہ تکریت کا محاصرہ کر لیا۔ پھر ایک خونریز جنگ کے بعد اسلامی لشکر نے تکریت پر قبضہ کر لیا۔ بہت ہی مختصر تعداد میں ایرانی اور رومی اپنی جانیں بچا کر فرار ہو سکے۔ باقی سب کے سب موت کی خوراک بن گئے۔ اسلامی پرچم مزید بلند ہوا۔ اور قسطنطنیہ میں بیٹھے ہوئے مغرور عیسائی بادشاہ قیصر روم کو ایک اور صدمہ برداشت کرنا پڑا۔

پھر وقت اپنی مقررہ رفتار سے گزرتا رہا۔ اور اسلامی سلطنت سیاسی نشیب و فراز سے دوچار ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ پانچ صدیاں گزر گئیں۔

یہ 532 ہجری کی ایک تاریک رات کا واقعہ ہے۔ اس وقت نجم الدین ایوب قلعہ تکریت کا حاکم تھا۔ نجم الدین ایوب کا تعلق کردوں کے معزز ترین قبیلے "کردیہ" سے تھا۔ نجم الدین ایوب آسائش اور عزت و وقار کی زندگی گزار رہا تھا کہ اچانک بدبختی اس کے خاندان پر سایہ فگن ہو گئی۔ تکریت کے حاکم اعلیٰ مجاہد الدین کی طرف سے ایک حکم نامہ جاری ہوا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ نجم الدین ایوب اور اس کا چھوٹا بھائی اسد الدین شیر کوہ اسی وقت تکریت چھوڑ کر بہت دور چلے جائیں۔

جب نجم الدین ایوب انتہائی شکستگی کے عالم میں سامان سفر باندھ رہا تھا، اسی وقت محل میں ایک نومولود بچے کی چیخیں سنائی دینے لگیں۔ دنیا میں آنے والا یہ بچہ تکریت کے معزول حاکم نجم الدین ایوب کا فرزند تھا۔ کچھ دیر بعد ایک کنیز بچے کو لئے ہوئے نجم الدین ایوب کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ پہلے اس نے انتہائی پرجوش لہجے میں بیٹے کی پیدائش پر باپ کو مبارکباد دی۔ پھر ادب و احترام کے ساتھ عرض کرنے لگی۔

"امیر محترم! چھوٹے امیر کے کانوں میں اذان دے کر ان کا نام تجویز کر دیجئے۔"

کنیز کی بات سن کر نجم الدین ایوب غضبناک ہو گیا اور چیخ کر بولا۔ "میرے سامنے سے لے جاؤ اس منحوس کو...... میں اس کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔"

یہ بچہ فاتح اعظم صلاح الدین ایوبی تھا۔ جسے اس کا باپ منحوس سمجھتا تھا۔

نجم الدین ایوب کی کنیز بچے کو لئے ہوئے اس کی ماں کے پاس پہنچی۔ کنیز کا چہرہ بجھا بجھا تھا۔

"خانم کیا بات ہے؟" نجم الدین ایوب کی بیوی نے کنیز سے پوچھا۔ "جب تو بچے کو لے کر اپنے آقا کے پاس جا رہی تھی تو بہت زیادہ خوش تھی۔ مگر اب تیرے چہرے سے گہری اداسی جھلک رہی

ہے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟"

کنیز خانم نے بچے کو اپنی مالکہ کے پہلو میں لٹایا اور اداس لہجے میں کہنے لگی۔ "آقا اپنے بیٹے کی پیدائش سے خوش نہیں ہیں۔"

نجم الدین ایوب کی بیوی کے چہرے پر حیرت و فکر کے سائے لرزنے لگے۔ "آخر میرے بچے میں کیا خرابی ہے؟ وہ خوبصورت ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں صحیح سلامت ہیں۔" ماں کے لہجے سے ناگواری کا رنگ جھلک رہا تھا۔

کنیز خانم سر جھکائے خاموش کھڑی رہی۔ وہ اپنے آقا نجم الدین ایوب کے الفاظ دہرانا نہیں چاہتی تھی۔

نجم الدین ایوب کی بیوی کچھ دیر تک کنیز کے جواب کا انتظار کرتی رہی مگر جب وہ کئی بار سوال کرنے پر بھی نہیں بولی تو اس نے تیز لہجے میں خانم کو حکم دیتے ہوئے کہا۔ "دوبارہ اپنے آقا کے پاس جا اور میرا پیغام دے کہ میں انہیں یاد کر رہی ہوں۔"

کنیز خانم خاموشی کے ساتھ چلی گئی اور اس نے نجم الدین ایوب کے سامنے اپنی مالکہ کے الفاظ دہرا دیئے۔ اس وقت نجم الدین ایوب اپنی کرسی پر اداس بیٹھا تھا اور اس کی نظریں سامنے کھلنے والی کھڑکی پر مرکوز تھیں۔ خانم کچھ دیر تک کھڑی اپنے آقا کے جواب کا انتظار کرتی رہی مگر جب نجم الدین ایوب اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا تو وہ الٹے قدموں واپس چلی گئی۔

نجم الدین ایوب کی بیوی زبیدہ کے لئے شوہر کا یہ طرز عمل اور کنیز کی خاموشی ناقابل فہم تھی۔ کئی بار اس کے جی میں آئی کہ وہ اٹھ کر نجم الدین ایوب کے کمرے تک جائے اور اس سے پوچھے کہ اس بے رخی اور ناخوشی کا کیا سبب ہے۔ مگر وہ شدید ضعف و ناتوانی کے باعث اپنے ارادے پر عمل کرنے سے قاصر تھی۔ وہ بہت دیر تک ذہنی خلفشار کا شکار رہی۔ ہزاروں اندیشے اور وسوسے اسے گھیرے ہوئے تھے۔ اس نے کئی بار اپنے نومولود بچے کی طرف دیکھا جس کا رنگ سرخی مائل تھا اور وہ آنکھیں بند کئے دنیا و مافیہا سے بےخبر سو رہا تھا۔ زبیدہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور وہ ماتا کے بےمثال جذبے سے بےقرار ہو کر بچے کے چہرے پر جھکی اور اس کی پیشانی پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔

"میرے بچے! تم اس دنیا میں کیوں آ گئے؟"

ابھی زبیدہ اپنی بات مکمل کرنے نہیں پائی تھی کہ یکا یک کمرے میں ایک بارعب آواز گونجی۔

"آپ کو فرزند کی پیدائش مبارک ہو۔"

زبیدہ بہت تیزی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کے سامنے نجم الدین ایوب کا چھوٹا بھائی اسد الدین شیر کوہ کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس کے چہرے سے گہری مسرت کی جھلک نمایاں تھی۔

"اسد...... کیا تم اپنے بھائی کے پاس سے آ رہے ہو؟" زبیدہ کا لہجہ اداس تھا اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"میں خوشی کی یہ خبر سن کر سیدھا آپ کے پاس آ رہا ہوں۔" اسد الدین شیر کوہ کے لہجے میں کسی

قدر حیرت تھی۔ ''آپ رو کیوں رہی ہیں؟''

''یہ سوال اپنے بڑے بھائی سے کرو۔ وہ بیٹے کی پیدائش سے خوش نہیں ہیں۔'' زبیدہ نے غم زدہ لہجے میں جواب دیا۔

اسدالدین شیرکوہ کی حیرت میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ چند لمحوں تک اپنی بھابھی کے بہتے ہوئے آنسوؤں اور دھواں دھواں چہرے کو غور سے دیکھتا رہا۔ پھر تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد اسدالدین شیرکوہ اپنے بڑے بھائی نجم الدین ایوب کے سامنے کھڑا تھا۔ ''برادر محترم! مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ اپنے چھوٹے فرزند کی پیدائش سے خوش نہیں ہیں...... نہ اس کی شکل دیکھی ہے اور نہ کوئی نام رکھا ہے۔ اس ناراضگی کی وجہ؟'' اسدالدین شیرکوہ کے لہجے سے تلخی جھلک رہی تھی۔ حالانکہ وہ بڑے بھائی کا بہت احترام کرتا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے کہ مجھے آج ہی قلعہ داری کے منصب سے معزول کر دیا گیا ہے۔'' نجم الدین ایوب نے اپنے چھوٹے بھائی کو انتہائی سخت لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''اور اس کے ساتھ ہی یہ حکم بھی ملا ہے کہ ہم دونوں بھائی ایک ہفتے کے اندر صوبہ تکریت کی حدود سے نکل کر بہت دور چلے جائیں۔''

نجم الدین ایوب کی معزولی اور شہر بدری کا سبب یہ تھا کہ وہ ایک دن تیر اندازی کر رہا تھا کہ بدقسمتی سے ایک عیسائی سامنے آ گیا اور نجم الدین ایوب کا تیر اس کی گردن میں پیوست ہو گیا۔ عیسائی زمین پر گرا اور چند لمحوں میں تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ اتفاق سے مرنے والا عیسائی تکریت کے حاکم اعلیٰ مجاہدالدین بہروز کا غلام تھا۔ نجم الدین ایوب نے بہت عاجزانہ لہجے میں اپنی صفائی اور معذرت پیش کی۔ مگر بہروز نے اس کی کوئی دلیل قبول نہیں کی اور شدید غضب کی حالت میں حکم دیتے ہوئے کہا۔

''برسوں کی خدمت کے صلے میں بس اتنی رعایت دی جا سکتی ہے کہ تم دونوں بھائی ہمیشہ کے لئے اپنے ناپسندیدہ چہرے میری نظروں کے سامنے سے گم کر دو۔''

اسدالدین شیرکوہ نے بڑی اذیت و کرب کے ساتھ حاکم اعلیٰ مجاہدالدین بہروز کا حکم سنا اور پھر اداس لہجے میں کہنے لگا۔ ''برادر معظم! یہ سب نوشتۂ تقدیر ہے۔ کبھی تخت شاہی...... اور کبھی تختۂ مرگ...... یہی دنیا کا نظام ہے۔''

''جب میرا بڑا بیٹا توران شاہ پیدا ہوا تو میں ایک سپاہی کے عہدے سے ترقی پا کر تکریت کا قلعہ دار بن گیا۔'' نجم الدین ایوب نے چیختے ہوئے کہا۔ اسے اپنے اعصاب پر ذرا بھی قابو نہیں رہا تھا۔ ''اور آج جب یہ منحوس دنیا میں آیا ہے تو میں بصد حسرت و یاس تکریت چھوڑ کر کسی خانہ بدوش کی طرح ایک نامعلوم منزل کی طرف جا رہا ہوں۔''

''ہم اہل ایمان ہیں۔ ہمارے مذہب کے مطابق نہ کوئی ساعت منحوس ہوتی ہے اور نہ مبارک۔ یہ سب اللہ کا نظام ہے...... اور اپنے نظام کو وہی بہتر سمجھتا ہے۔'' اسدالدین شیرکوہ نے بڑے بھائی کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لئے انتہائی نرم لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

''مت سمجھاؤ مجھے کہ منحوس کیا ہوتا ہے...... اور مبارک کسے کہتے ہیں؟'' نجم الدین کی آواز کچھ اور بلند ہو گئی تھی۔

بڑے بھائی کی طرف سے غیظ و غضب کے اس مظاہرے پر اسدالدین شیرکوہ بھی خاموش نہ رہ سکا۔ ''گستاخی معاف...... عیسائی غلام کا قتل آپ کے ہاتھوں سے ہوا ہے۔ پھر اس معصوم بچے کو یہ سزا کیوں دی جا رہی ہے؟''

نجم الدین ایوب اپنی معزولی سے اس قدر بدحواس ہو گیا تھا کہ اس نے چھوٹے بھائی کو بھی بری طرح ڈانٹ دیا۔

مجبوراً اسدالدین شیرکوہ واپس چلا گیا۔ پھر وہ اپنی بھاوج کے کمرے میں داخل ہوا۔ بڑی سرشاری کے عالم میں بھتیجے کو پیار کیا۔ اس کے کان میں اذان دی اور والہانہ انداز میں کہنے لگا۔ ''یہ میرا یوسف ہے۔''

بچے کے چہرے پر ایک عجیب سا نور تھا۔ بڑی کشش تھی۔ اسی لئے اسدالدین شیرکوہ نے بھتیجے کو یوسف کا مبارک نام دیا۔ پھر اسی بچے یوسف نے صلاح الدین ایوبیؒ کے نام سے شہرتِ دوام حاصل کی۔

......}☆{......

یہ ایوبی خاندان پر بڑا گراں وقت تھا۔ کئی سال کی شدید محنت اور جانفشانی کے بعد نجم الدین قلعہ داری کے منصب تک پہنچا تھا اور پھر چند گھنٹوں میں اس سے سب کچھ چھن گیا۔ نجم الدین ایوب کا اقتدار اس مکان کی طرح تھا جسے زر کثیر خرچ کرنے کے بعد تعمیر کیا گیا ہو اور زلزلے کے ایک جھٹکے نے اسے زمین بوس کر دیا ہو۔ وقت تیزی سے گزرتا جا رہا تھا اور تکریت کے حاکم اعلیٰ مجاہدالدین بہروز کے حکم کی تعمیل میں صرف ایک دن رہ گیا تھا۔ دونوں بھائی نجم الدین ایوب اور اسدالدین شیرکوہ ایک کمرے میں بیٹھے غور کر رہے تھے کہ ان کا یہ خانہ بدوش خاندان کس علاقے کا رخ کرے کہ جہاں اسے پناہ مل جائے۔ بظاہر کوئی جائے اماں نظر نہیں آ رہی تھی۔ دور تک کھلا آسمان تھا اور مایوسیوں کا گہرا اندھیرا...... یکایک اس تاریکی میں روشنی کی ایک لکیر نمودار ہوئی اور نجم الدین ایوب مضطرب ہو کر کھڑا ہو گیا۔

''کاش ایسا ہو جائے۔'' نجم الدین ایوب شدید بے چینی کے عالم میں بار بار اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مار رہا تھا اور اس کی زبان سے بس یہی مخصوص الفاظ ادا ہو رہے تھے۔ ''کاش ایسا ہو جائے۔''

بڑے بھائی کی یہ اضطرابی کیفیت دیکھ کر اسدالدین شیرکوہ بھی کھڑا ہو گیا اور پوچھنے لگا۔ ''کیا ہو جائے برادر محترم؟''

چھوٹے بھائی کی بات سن کر نجم الدین ایوب کے سامنے چھ سال پرانا ایک واقعہ اپنے پورے خدوخال کے ساتھ ابھر آیا۔ یہ 526ھ کا زمانہ تھا اور بغداد پر عباسی خلیفہ مسترشد باللہ کی حکومت تھی۔

اسی دوران میں زنگی حکومت کے بانی عمادالدین نے عراق میں شکست کھائی اور اپنے سپاہیوں کے ہمراہ فرار ہو کر دریائے دجلہ کے بائیں کنارے پر دم لیا۔ مگر ابھی اس کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں تھی۔ کیونکہ دشمن کا لشکر مسلسل عمادالدین زنگی کے تعاقب میں تھا۔ دریا کے اس پار ایک چٹان پر تکریت کا ناقابل تسخیر قلعہ واقع تھا۔ قلعے کے دفاع کے لئے خشکی کی طرف ایک گہری خندق کھودی گئی تھی۔ جس تک پہنچنے کے لئے چٹانیں کاٹ کر خفیہ سیڑھیاں بنائی گئی تھیں۔ جو قلعے کے وسط سے گزر کر دریائے دجلہ تک جاتی تھیں۔ اب عمادالدین زنگی کے شکست خوردہ لشکر کے بچاؤ کی ایک ہی صورت تھی کہ اسے تکریت کے قلعے میں عارضی پناہ مل جائے۔ مگر یہ سب کچھ قلعہ دار کی مرضی پر منحصر تھا۔ ایسی سنگین صورت حال میں نجم الدین نے فراخ دلی، بلند حوصلگی اور اسلامی رواداری سے کام لیتے ہوئے کچھ دن کے لئے اپنے دینی بھائیوں کو قلعہ میں پناہ دے دی۔ پھر بڑی رازداری کے ساتھ عمادالدین زنگی کو کشتیوں کا ایک بیڑا فراہم کر دیا۔

آخری کشتی پر سوار ہونے سے پہلے عمادالدین زنگی نے بڑے والہانہ انداز میں نجم الدین ایوب کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ ”میرے بھائی...... نہ میں اپنے اس برے وقت کو بھولوں گا...... اور نہ تمہارے احسان کو......“

پھر نجم الدین ایوب اس وقت تک کھڑا رہا، جب تک عمادالدین زنگی اور اس کا لشکر دریائے دجلہ کے دوسرے کنارے پر اتر کر دشمن کے تعاقب اور حملے سے محفوظ نہ ہو گیا۔

پھر چھ سال بعد وقت بدلا تو عمادالدین زنگی کو پناہ دینے والا خود کھلے آسمان کے نیچے بے اماں کھڑا تھا اور بار بار ایک ہی جملہ دہرا رہا تھا۔ ”کاش ایسا ہو جائے۔“ نجم الدین کے ان پراسرار الفاظ کا صرف ایک ہی مفہوم تھا کہ عمادالدین زنگی کو اپنا وعدہ یاد آ جائے...... جس نے اس عرصے میں دشمن کو شکست دے کر دوبارہ اپنے علاقے پر قبضہ کر لیا تھا۔

پھر جب نجم الدین ایوب نے اپنے چھوٹے بھائی کو عمادالدین زنگی کی رخصت کا آخری منظر پوری تفصیل کے ساتھ سنایا تو اسدالدین شیرکوہ بے ساختہ بول اٹھا۔ ”آزمائش کی اس گھڑی میں سلطان کے ظرف کو ضرور آزمایا جائے۔“

”ڈرتا ہوں کہ کہیں وہاں سے بھی ناکام و نامراد نہ لوٹا دیا جاؤں۔“ نجم الدین ایوب نے اداس لہجے میں کہا۔ ”عیش و اقتدار بہت بڑا فتنہ ہے۔ جب انسان اسے حاصل کر لیتا ہے تو اپنے برے دنوں کو اس طرح بھول جاتا ہے جیسے اس پر کبھی کوئی مصیبت کی گھڑی گزری ہی نہیں تھی۔“

”آخر ہمارے پاس اس کے سوا چارہ بھی کیا ہے؟“ اسدالدین شیرکوہ نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ ”ہمیں ایک بار سلطان عمادالدین زنگی کے محل پر دستک ضرور دینی چاہئے اگر دروازہ کھل گیا تو ہم سمجھیں گے کہ وہ ایک احسان شناس انسان ہے...... ورنہ اللہ کی زمین تنگ نہیں ہے...... اور وہ بڑا پناہ دینے والا ہے۔“

اسدالدین شیرکوہ بڑا اولوالعزم اور شجاع نوجوان تھا۔ چھوٹے بھائی کی اس بلند حوصلگی نے

نجم الدین ایوب کو بہت سہارا دیا۔ پھر وہ بیوی، چھوٹے بھائی اسدالدین شیرکوہ اور تین بیٹوں توران شاہ، شمس الدولہ اور یوسف کے ساتھ تکریت کے قلعے سے باہر نکلا۔ اس وقت یوسف (صلاح الدین) صرف سات دن کا تھا۔ اس اعتبار سے اس کا شمار دنیا کے کم سن ترین مہاجروں میں ہوتا ہے۔

......}......☆......{......

پھر دشوار گزار اور طویل فاصلہ طے کر کے، چند افراد پر مشتمل یہ خانماں برباد قافلہ موصل پہنچا۔ نجم الدین ایوب کو ہرگز امید نہیں تھی کہ عمادالدین کے دربار میں اس کی شاندار پذیرائی کی جائے گی۔ زنگی حکمراں نے تخت سے اتر کر نجم الدین ایوب کا استقبال کیا اور بڑے والہانہ انداز میں اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ ”خوش آمدید میرے بھائی نجم الدین......“

پھر عمادالدین نے اسے اپنے تخت کے قریب وزیروں کی صف میں کرسی پر بٹھاتے ہوئے بہ آواز بلند کہا۔ ”تم امن و سکون اور عزت و فراغت کے ساتھ موصل میں رہو۔“ اس کے بعد زنگی حکمراں نے اہلِ دربار کی طرف دیکھتے ہوئے ”سورۂ رحمٰن“ کی یہ آیت مقدسہ تلاوت کی۔

”احسان کا بدلہ سوائے احسان کے کچھ نہیں ہے۔“ (ترجمہ)

یہ اس واقعے کی طرف اشارہ تھا، جب دربدری کی حالت میں نجم الدین ایوب نے سلطان عمادالدین زنگی کو چند روز کے لئے تکریت کے قلعے میں پناہ دی تھی۔

بدبختی کا زمانہ گزر چکا تھا اور اب خاندان ایوب پر خوش قسمتی کے گہرے سائے پڑنے لگے تھے۔ سلطان عمادالدین زنگی نے نجم الدین کو اپنے مقرب درباریوں میں شامل کر لیا تھا۔ خانہ بدوشی کی زندگی سے نجات پاتے ہی نجم الدین ایوب اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کی طرف متوجہ ہوا۔

اب یوسف چار سال کا ہو چکا تھا۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق یوسف (صلاح الدین) کو قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مکتب میں داخل کر دیا گیا۔ وہ اپنے دونوں بڑے بھائیوں توران شاہ اور شمس الدولہ سے بہت مختلف نظر آتا تھا۔ بچہ ہونے کے باوجود نہ وہ کسی سے جھگڑا کرتا تھا...... اور نہ اس کے کسی عمل سے شرارت جھلکتی تھی۔ یوسف غیر معمولی حد تک سنجیدہ تھا...... اور اس کی شربتی آنکھیں ہر وقت کھوئی کھوئی سی رہتی تھیں۔ جیسے وہ کسی گہری سوچ میں گم ہو۔ اساتذہ اس کی بہت تعریفیں کرتے تھے۔ یوسف کا حافظہ بہت قوی تھا۔ سرسری باتوں کو بھی اپنے ذہن میں محفوظ رکھتا تھا۔ زبیدہ اپنے چھوٹے بیٹے سے بہت محبت کرتی تھی...... مگر جب موصل آ کر اس کے چوتھا لڑکا ملک العادل پیدا ہوا تو فطری طور پر ماں کی محبت تقسیم ہو گئی۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ اب یوسف (صلاح الدین) کی عمر سات سال تھی کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ سلطان عمادالدین زنگی کا دربار آراستہ تھا۔ اتفاق سے اس روز یوسف بھی اپنے باپ کے ساتھ دربار میں موجود تھا۔ موصل میں رہنے والا ایک بوڑھا عیسائی راہب مرزبان دربار میں داخل ہوا۔ سلطان عمادالدین زنگی نے گرمجوشی کے ساتھ عیسائی راہب کا استقبال کیا۔

”میں سلطان کا نہایت شکر گزار ہوں کہ میری درخواست قبول کی گئی اور حکومت کے کارندوں نے

وقت سے پہلے خانقاہ کا تعمیری کام مکمل کر دیا۔" پادری مرزبان نے بآواز بلند کہا۔ اس کے لہجے سے سلطان عمادالدین زنگی کے لئے انتہائی عقیدت جھلک رہی تھی۔

"اسلامی مملکت میں بسنے والے ہر شخص کے جان و مال اور عبادت گاہوں کی حفاظت حکومت کے اوّلین فرائض میں شامل ہے۔" سلطان عمادالدین نے انکسار کے لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔ "یہ تم پر کوئی احسان نہیں ہے۔ مگر میں اس کے جواب میں اتنا ضرور چاہوں گا کہ تم اپنی قوم کو اہلِ اسلام کی رواداری اور حسنِ سلوک کے بارے میں ضرور بتاؤ۔"

اس واقعے کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ عیسائی راہب مرزبان کی خانقاہ بہت شکستہ ہوگئی تھی...... اور تیز بارش میں اس کی ایک دیوار بھی گر گئی تھی۔ نتیجتاً مرزبان نے سلطان عمادالدین زنگی کی خدمت میں ایک درخواست ارسال کی تھی کہ اس طرف توجہ دی جائے۔ سلطان نے کسی تاخیر کے بغیر اپنے کارندے بھیج کر اس طرح خانقاہ کی مرمت کرادی تھی کہ اس پر نئی عمارت کا گمان ہوتا تھا۔ جواباً پادری مرزبان سلطان عمادالدین زنگی کے دربار میں شکریہ ادا کرنے کے لئے حاضر ہوا تھا۔

پھر جب مرزبان واپس جانے لگا تو اتفاق سے اس کی نظر سات سالہ یوسف (صلاح الدین) پر پڑی۔ عیسائی راہب چونک کر رک گیا۔ کچھ دیر تک یوسف کے چہرے کو بہت غور سے دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ قدموں کے ساتھ دربار سے نکل کر چلا گیا۔ سلطان عمادالدین زنگی کے ساتھ دوسرے درباریوں نے بھی مرزبان کے اس ناقابل فہم عمل کو دیکھا تھا...... مگر سب سے زیادہ حیرت نجم الدین کو ہوئی تھی۔

پھر دوسرے دن نجم الدین ایوب اپنے بیٹے یوسف (صلاح الدین) کو لے کر عیسائی راہب مرزبان کی خانقاہ میں پہنچا۔ "کل تم سلطان کے دربار میں اس بچے کو اتنی غور سے کیوں دیکھ رہے تھے؟" نجم الدین ایوب نے داخل ہوتے ہی بڑے بے باکانہ لہجے میں سوال کیا۔

عیسائی راہب نے نجم الدین کے سوال کا جواب دینے کے بجائے کم سن یوسف کو اپنے قریب بٹھا لیا...... اور ایک بار پھر اس کی پیشانی کو غور سے دیکھنے لگا۔ نجم الدین ایوب خاموشی سے مرزبان کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ کچھ دیر عیسائی راہب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری۔

"اب مجھے یقین آگیا کہ اس روز میری آنکھوں نے دھوکا نہیں کھایا تھا۔" مرزبان، نجم الدین ایوب سے مخاطب تھا۔ "اگر تم اس بچے کے باپ ہو تو بے شک اس دنیا کے خوش نصیب ترین انسان ہو۔"

بڑی عجیب بات تھی۔ نجم الدین ایوب نے بے اختیار ہو کر کہا۔ "ہاں! میں ہی اس بچے کا باپ ہوں۔ مگر تم اس کے چہرے میں کیا تلاش کر رہے ہو؟"

"میں اس تحریر کو پڑھ رہا ہوں جو خداوند نے اس بچے کے حوالے سے روزِ ازل میں لکھی ہے۔" پادری مرزبان کے چہرے سے عالمانہ وقار جھلک رہا تھا۔ "خالقِ کائنات ایسے بچے صدیوں میں پیدا کرتا ہے۔"

نجم الدین ایوب عیسائی راہب کی پیش گوئی سن کر بہت جذباتی نظر آنے لگا تھا۔ "وہ کیا تحریر ہے؟ مجھے بتاؤ۔"

"میری گناہ گار آنکھیں اس آسمانی تحریر کو مکمل طور پر نہیں پڑھ سکتیں۔" پادری مرزبان نے پُرسوز عاجزانہ لہجے میں کہا۔ وہ انتہائی نیک اور غیر متعصب راہب تھا۔ اس لئے کبھی کبھی اس پر قدرت کے راز منکشف ہو جاتے تھے...... اور آج اس پر ایک اور راز فاش ہو گیا تھا۔ "میں اس بچے کے چہرے پر وہ روشنی دیکھ رہا ہوں جو عظیم الشان شہنشاہوں کے خدوخال میں نظر آتی ہے۔"

عیسائی راہب کی بات سن کر نجم الدین پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ آج تک وہ جس بچے کو اپنے لئے منحوس تصور کرتا تھا، وہی بچہ مرزبان کی نظر میں آنے والے زمانے کا جلیل القدر شہنشاہ بھی ہو سکتا تھا۔

عیسائی راہب کی خانقاہ سے جانے کے بعد نجم الدین ایوب نے اس عجیب واقعے کا ذکر اپنی بیوی زبیدہ سے بھی کیا۔ ماں پہلے ہی اپنے اس بیٹے سے بے پناہ محبت کرتی تھی۔ شوہر کی بات سن کر شدت جذبات سے وارفتہ ہوگئی اور رونے لگی۔

"عیسائی راہب کیا بتائے گا؟ وہ روشنی تو میں ہر وقت اپنے یوسف کے چہرے پر دیکھتی ہوں۔" زبیدہ نے شکایت آمیز اور کسی قدر طنزیہ لہجے میں کہا۔

اگرچہ نجم الدین ایوب خود بھی ایک عابد و زاہد انسان تھا...... لیکن اپنی معزولی کے حادثے سے متاثر ہو کر توہم پرستی کا شکار ہو گیا تھا۔ بیوی کی جذباتی کیفیت دیکھ کر خود بھی آبدیدہ ہو گیا۔ "اللہ میرے اس گناہ کو معاف کرے کہ میں شیطان کے فریب میں آکر اپنے بیٹے سے کتنی دور چلا گیا تھا۔"

اس واقعے کے بعد نجم الدین ایوب، یوسف کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دینے لگا۔

پھر ایک سال بعد ہی نجم الدین ایوب کو اپنی بیوی بچوں کو موصل میں چھوڑ کر ایک خوفناک محاذ جنگ پر جانا پڑا۔

......}......☆......{......

تقریباً پانچ سو سال بعد وقت نے عجیب کروٹ بدلی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جس بیت المقدس کو 16 ھجری میں انسانی خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر فتح کیا تھا، اسی متاعِ عزیز کو اسلام کے وارثوں نے 491 ھجری میں ذلت و رسوائی کے ساتھ گنوا دیا۔ جس کے نتیجے میں ایک مضبوط عیسائی ریاست قائم ہوگئی...... اور ایک انتہائی متعصب عیسائی گاڈفرے یروشلم کا شہنشاہ بن گیا۔ اس سے پہلے دو اور عیسائی سلطنتیں انطاکیہ اور ایڈیسہ قائم ہو چکی تھیں۔

ایڈیسہ پر جوسلن ثانی کی حکومت تھی جو اپنی مذہبی عصبیت میں شاہ یروشلم گاڈفرے سے کسی طرح بھی کم نہیں تھا۔ یروشلم، انطاکیہ، روم اور قسطنطنیہ کے بعد مذہبی تقدس کے اعتبار سے ایڈیسہ کو عیسائی دنیا میں پانچواں درجہ حاصل تھا۔ تاریخی لحاظ سے اس شہر کو الجزیرہ کی آنکھ سمجھا جاتا تھا۔ صلیبیوں نے یہاں زبردست فوجی طاقت جمع کر رکھی تھی اور اس کے ساتھ ہی ایڈیسہ کو شاہ یروشلم کی تائید و سرپرستی بھی حاصل تھی۔ مسلمانوں کو اس شہر کی جنگی اہمیت کا بخوبی اندازہ تھا اور وہ ایڈیسہ کو اسلامی اقتدار کے

لئے ایک مستقل خطرہ سمجھ رہے تھے۔ نتیجتاً 1110ء سے لے کر 1115ء تک مسلمانوں نے اس شہر پر مسلسل حملے کیے، مگر فتح حاصل نہ کر سکے۔ یہاں تک کہ شدید مایوسی کے عالم میں تھک کر بیٹھ گئے۔

پھر جب عمادالدین زنگی نے موصل اور دمشق میں دوبارہ اقتدار حاصل کر لیا تو وہ ایڈیسہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اس موقع پر اس کے بعض مشیروں نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

"سلطان کو ایڈیسہ پر حملہ کرنے کے بجائے اپنے علاقوں کے استحکام کی فکر کرنی چاہئے۔ جوسلن ثانی ایک طاقتور حکمراں ہے۔ مزید یہ کہ اسے شاہ یروشلم کی حمایت بھی حاصل ہے۔" وزیروں کے چہرے سے قبل از وقت شکست و ناکامی کے اندیشے ظاہر ہو رہے تھے۔

"اور مجھے خدائے وحدہٗ لاشریک کی تائید حاصل ہے۔" عمادالدین زنگی نے اپنی انگشت شہادت بلند کرتے ہوئے انتہائی پُر جلال لہجے میں کہا۔ "ایڈیسہ اس زہر آلود خنجر کی طرح ہے جو مسلمانوں کی شہ رگ کے قریب رکھا ہوا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ خنجر حرکت میں آئے، میں اسے توڑ دینا چاہتا ہوں۔"

وزیروں نے عمادالدین کے اس جوش اور جذبے کو وحشت و جنون سے تعبیر کیا۔ مگر وہ مردِ مجاہد تمام قیاس آرائیوں اور مصلحتوں سے بے نیاز ہو کر طوفان برق و باد کی طرح ایڈیسہ کی طرف بڑھا۔ اس جنگ میں نجم الدین ایوب اور اسدالدین شیر کوہ بھی اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ شریک تھے۔ ان کے سینوں میں بھی اپنے حکمراں کی طرح جہاد کی آگ روشن تھی۔

سلطان عمادالدین زنگی کی حکمت عملی یہ تھی کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ رات کے اندھیرے میں سفر کرتا تھا تاکہ دشمن کے جاسوس اس کی پیش قدمی سے باخبر نہ ہو سکیں۔ پھر سلطان عمادالدین زنگی اس ایڈیسہ کے قریب پہنچا جب جوسلن ثانی کے سرحدی سپاہی شراب کے نشے میں ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے۔ مسلمان فوجیوں کی تلواریں بے نیام ہوئیں اور ایڈیسہ کے سرحدی سپاہیوں کی اکثریت دیکھتے ہی دیکھتے خاک و خون میں مل گئی۔ کچھ سپاہی جو مدہوشی کی کیفیت تک نہیں پہنچے تھے وہ فرار ہو کر عیسائی حکمراں جوسلن ثانی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسے مسلمانوں کے ناگہاں عقابی حملوں کی خبر دی۔ کھلے میدان میں مقابلہ کرنے کا وقت گزر چکا تھا۔ اس لئے جوسلن ثانی اپنی فوج کے ساتھ قلعہ بند ہو گیا۔

سلطان عمادالدین زنگی نے تیز رفتاری سے آگے بڑھ کر ایڈیسہ کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ قلعے کے اندر سامان رسد بڑی مقدار میں موجود تھا۔ اس لئے جوسلن ثانی کو اطمینان قلب حاصل تھا کہ وہ دشمن کی دسترس سے دور رہے گا اور اگر مسلمانوں کے محاصرے نے زیادہ طول کھینچا تو بالآخر وہ تنگ آ کر قلعے کی مضبوط سنگی دیواروں سے سر ٹکراتے ٹکراتے ایک دن ناکام و نامراد واپس چلے جائیں گے۔

قلعے کا محاصرہ کرنے کے بعد سلطان عمادالدین زنگی کچھ دن تک صورت حال کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اس نے اسلامی طریقہ جنگ کے مطابق نجم الدین ایوب کو عیسائی حکمراں جوسلن ثانی کے نام ایک خط دے کر روانہ کیا۔

جوسلن ثانی کا دربار شاہان قدیم کی طرح قیمتی ساز و سامان سے آراستہ تھا۔ مگر اسلامی سفیر

جوسلن ثانی کے تخت کے قریب پہنچا اور اپنے امیر کا خط عیسائی حکمراں کے حوالے کیا۔

جوسلن ثانی کے وزیر ڈیرک نے اپنی نشست پر کھڑے ہو کر سلطان عمادالدین کا خط بآواز بلند پڑھا۔ "حاکم ایڈیسہ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اسلامی فوجیں اس کے دروازے تک آ پہنچی ہیں۔ یہ اس بات کی کھلی علامت ہے کہ تم جنگ کے پہلے مرحلے میں مغلوب ہو چکے ہو۔ ہم نہیں چاہتے کہ جگہ جگہ انسانی خون کے تالاب بن جائیں...... اور ایڈیسہ کی پُر رونق گلیاں انسانی لاشوں سے پٹ جائیں۔ اس لئے اس پر لازم ہے کہ وہ قلعے کے دروازے کھول کر ہتھیار پھینک دے۔ اس صورت میں ہم تمام عیسائیوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی مکمل ضمانت دیتے ہیں...... ورنہ پھر تلوار ہی فیصلہ کرے گی کہ کون تخت نشین ہوتا ہے اور کون زیر زمیں؟"

سلطان عمادالدین زنگی کا خط سن کر عیسائی حکمراں جوسلن ثانی غضب ناک ہو گیا اور پھر اس نے اپنے وزیر ڈیرک کے ہاتھ سے مراسلہ چھین کر اسے پرزے پرزے کر دیا۔ پھر انتہائی تحقیر آمیز لہجے میں نجم الدین ایوب کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "اپنے سلطان سے کہہ دینا کہ اس کے خط کا یہی جواب ہے۔"

نجم الدین ایوب باوقار انداز میں چلتا ہوا حاکم ایڈیسہ کے دربار سے نکل گیا۔ پھر اس نے عمادالدین کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا ماجرا بیان کر دیا۔ سلطان زنگی نے جوسلن ثانی کے اس طرز عمل کے جواب میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا اور اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمایاں تھی۔

......}......☆......{......

دوسرے دن سلطان عمادالدین زنگی نے نماز فجر میں اپنے لشکر کی امامت کی۔ پھر طویل دعا مانگنے کے بعد اس نے اپنے سپاہیوں کو قلعے کی فصیل کے مختلف حصوں پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ منجنیقوں سے اٹھائیس دن تک مسلسل سنگ باری کی گئی۔ یہاں تک کہ سامنے کی فصیل میں بڑے بڑے شگاف پڑ گئے۔ اور مسلمان سپاہی قلعے میں داخل ہو گئے۔

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ سلطان عمادالدین زنگی نے بارودی سرنگیں بچھا کر قلعے کی فصیل اڑا دی تھی۔ ہمارا خیال ہے کہ 1144ء میں بارود ایجاد نہیں ہوا تھا۔ یہ عیسائی مؤرخین کا جھوٹ اور بہتان ہے۔ وہ بارودی سرنگوں کا ذکر کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قلعہ شکنی میں سلطان عمادالدین زنگی کی جانبازی اور جنگی حکمت عملی کو کوئی دخل نہیں تھا۔ بس یہ بارودی سرنگوں کا کمال تھا کہ جوسلن ثانی کے مضبوط قلعے کی فصیل زمین بوس ہو گئی اور اسلامی لشکر اندر داخل ہو گیا۔

آج سے 50 سال پہلے شاہ یروشلم گاڈفرے نے بیت المقدس کی فتح کے وقت جس بے رحمی کے ساتھ مسلمانوں کا خون بہایا تھا، اہلِ ایمان وحشت و درندگی کے اس منظر کو ابھی تک نہیں بھولے تھے۔ اور ان کے سینے آتش انتقام سے دہک رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سلمان عمادالدین زنگی کے سپاہی قلعہ ایڈیسہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دینا چاہتے تھے۔ اسی جذبے کے تحت مسلمانوں کا حملہ اس قدر شدید تھا

کہ عیسائی سپاہیوں کی صفیں درہم برہم ہو کر رہ گئیں۔ خود سلطان عمادالدین زنگی کے جوش کا یہ عالم تھا کہ اپنے محافظ سپاہیوں کو پیچھے چھوڑ کر اکیلا دشمن کی صفوں میں گھس جاتا تھا۔ جنگ ایڈیسہ میں بھی ایسا کئی بار ہوا۔

نجم الدین ایوب اور اسدالدین شیر کوہ سلطان کے دوش بہ دوش لڑ رہے تھے۔ دونوں بھائیوں نے کئی مرتبہ سلطان کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ''آپ خود کو ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ کسی فرمانروا کے لئے یہ طریقۂ جنگ مناسب نہیں۔''

سلطان عمادالدین زنگی اپنے سپہ سالاروں کو سخت لہجے میں جواب دیتا۔ ''ہلاکت و عافیت صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ قبر کی رات تو قبر ہی میں کٹے گی۔''

پھر چند گھنٹوں بعد ہی عیسائی فوجیں پسپا ہونے لگیں۔ سلطان سپاہی قلعے کی بلند دیواروں کو انسانی خون میں ڈبو دینا چاہتے تھے۔ مگر سلطان عمادالدین زنگی نے ایک سخت فرمان کے ذریعے اپنے فوجیوں کو عیسائیوں کے قتل عام سے روکا۔ عام شہریوں کے ساتھ ہتھیار ڈال دینے والے سپاہیوں کو بھی اماں بخشی گئی۔

پھر جب یہ طوفان بلاخیز تھم گیا تو سلطان عمادالدین زنگی نے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا اور عیسائیوں کے گھروں سے لوٹا ہوا مال بھی انہیں واپس کر دیا۔ ایڈیسہ کا حکمران جوسلن ثانی کسی خفیہ راستے سے فرار ہو گیا تھا۔

ایڈیسہ کی شکست کی خبر سن کر پوری عیسائی دنیا میں صف ماتم بچھ گئی۔ یروشلم کے ایک پادری شمعون نے اپنا گریبان چاک کر دیا اور سر کے بال نوچ ڈالے۔ بہت دیر تک سینہ کوبی کرتا رہا۔ پھر گریہ وزاری کرتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''یسوع مسیح! تم اپنے نام لیواؤں کی مدد کو نہیں آئے۔ یہاں تک کہ عیسائی قصر اقتدار کا پہلا اہم ستون گر گیا۔ میں نہیں جانتا کہ اب مسلمانوں کے قدم کہاں رکیں گے؟ اے مقدس باپ! تو ہی انہیں روک کہ ہم بہت عاجز و ناتواں ہیں۔''

ایک ہی شکست نے صلیبیوں کے ہوش و حواس اڑا دیئے تھے۔ دوسری طرف مسلمانوں کی مسرت کا یہ عالم تھا کہ عربی کے بڑے بڑے شاعروں نے سلطان عمادالدین کی شان میں طویل قصیدے لکھے تھے۔ علماء اور مشائخ نے سلطان کو ''محافظ اسلام'' اور ''مجاہد کبیر'' کے القاب سے یاد کیا۔

اس کے ساتھ ہی خلیفۂ بغداد کا فرمان جاری ہوا کہ عمادالدین زنگی کا نام خطبات میں شامل کیا جائے۔

ایڈیسہ کی فتح کے بعد سلطان عمادالدین زنگی نصرت و فتح کا پرچم اڑاتا ہوا دریائے فرات کے مشرقی علاقے کی طرف بڑھا اور کئی شہر فتح کر ڈالے۔ ان میں ''سیروج'' کا مشہور قلعہ بھی شامل تھا۔

وہ 541ھ کی ایک سیاہ رات تھی، جب سلطان عمادالدین زنگی نے قلعہ ''جعبر'' کا محاصرہ کر لیا تھا اور وہ اپنے خیمے میں گہری نیند سویا ہوا تھا۔ پہرے پر ایک مسلح غلام کھڑا تھا۔ جب رات آدھی سے زیادہ بیت گئی اور ہر طرف سناٹا پھیل گیا تو وہ غلام دبے قدموں اپنے آقا کے خیمے میں داخل ہوا اور

سلطان کے سرہانے جا کر کھڑا ہو گیا۔ شمع کی مدھم روشنی میں غلام کی نظریں سلطان کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ پھر جب اسے پورا اطمینان ہو گیا کہ سلطان پر گہری نیند کا غلبہ طاری ہے تو اس نے آہستہ سے تلوار نکالی اور پے در پے سلطان پر کئی وار کئے۔ 65 سالہ سلطان نے سنبھلنے کی بہت کوشش کی۔ مگر خون اس قدر زیادہ بہہ چکا تھا کہ تھوڑی ہی دیر میں عمادالدین زنگی کی موت واقع ہو گئی۔ قاتل غلام رات کے اندھیرے میں فرار ہو گیا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ قلعہ جعبر کے حاکم نے زر کثیر دے کر سلطان کے غلام کو خرید لیا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ عمادالدین زنگی کا وہ غلام اپنے عقیدے کے اعتبار سے باطنی تھا...... اور حسن بن صباح کا پیروکار۔ اگرچہ شیطان حسن بن صباح کو مرے ہوئے کافی عرصہ گزر چکا تھا مگر اس کے فدائین دنیا بھر میں پھیلے ہوئے تھے اور مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہو کر اسلام کو شدید نقصان پہنچا رہے تھے۔

سلطان عمادالدین زنگی کی شہادت کی خبر مسلمانوں پر برق بن کر گری۔ ''محافظ اسلام'' اور ''مجاہد کبیر'' کی شہادت نے پوری ملت اسلامیہ کو سوگوار بنا دیا تھا۔ دوسری طرف عیسائی دنیا میں جشن کا سا سماں تھا۔ صلیبیوں کی اکثریت شراب پی کر رقص کر رہی تھی۔ تمام گرجوں میں خصوصی عبادتوں کے بعد کہا جا رہا تھا۔

''خداوند خدا نے دو سال کے اندر ہی مسلمانوں سے ایڈیسہ کی شکست کا انتقام لے لیا۔''

شاہ یروشلم نے اپنے درباریوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ مقدس باپ اور بیٹے کا قہر ہے جو مسلمانوں پر نازل ہوا ہے۔ اب وہ زندگی بھر صلیبی ریاستوں پر بری نظر ڈالنے کی ہمت نہیں کریں گے۔''

سلطان عمادالدین زنگی بڑا وجیہہ اور پُرشکوہ انسان تھا۔ بڑے سے بڑا بہادر بھی اس سے آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ وہ عابد و زاہد بھی تھا اور منصف و عادل بھی، رحم دل بھی تھا اور فیاض و سخی بھی...... وہ سربلندیٔ اسلام کے لئے زندہ رہا اور اسی مقصد کی تکمیل کے لئے اپنی جان بھی نذر کر دی۔

سلطان عمادالدین زنگی کا مشہور قول ہے۔ ''میں ریشم کے نرم بستر سے گھوڑے کی پشت کو...... دلکش راگ سے جنگ کے شور کو...... اور زہرہ جبینوں کے میٹھے سروں سے ہتھیاروں کی جھنکار کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔''

......}☆{......

جب سلطان عمادالدین زنگی کی شہادت کی خبر موصل پہنچی تو پورے شہر پر کسی ماتم کدے کا گمان ہونے لگا۔ لوگ روتے ہوئے اپنے گھروں سے شاہراہوں پر نکل آئے۔ وہ سلطان کی دریا دلی اور رعایا پروری کا ذکر کر کے زار و قطار رو رہے تھے۔

''آج وہ شخص اس دنیا سے رخصت ہو گیا جو ہماری عزت و آبرو اور جان و مال کا محافظ تھا اور راتوں کو اس لئے جاگتا تھا کہ ہم لوگ اپنے گھروں میں سکون کی نیند سو سکیں۔ اللہ اس کی قبر کو نور سے بھر دے کہ وہ ہمارے حق میں بڑا ہی مہربان تھا۔''

موصل میں ایک اور گھر بھی تھا جس کے در و دیوار پر ماتمی فضا چھائی ہوئی تھی۔ یہاں نجم الدین ایوب کی بیوی زبیدہ اور اس کے چار بیٹے توران شاہ، شمس الدولہ، یوسف اور ملک عادل رہتے تھے۔ سلطان عماد الدین زنگی کی شہادت نے زبیدہ کو اس قدر اضطراب میں مبتلا کر دیا تھا کہ وہ اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکی تھی۔ ماں کو روتے ہوئے دیکھ کر یوسف (صلاح الدین) بھی بے قرار ہو گیا۔

''اُمِّ محترم! آپ کیوں روتی ہیں؟'' یوسف نے ماں سے دردمندانہ لہجے میں سوال کیا۔ اس وقت اس کی عمر نو سال تھی۔

''ہمارے محسن سلطان عماد الدین زنگی شہید کر دیئے گئے۔'' زبیدہ نے انتہائی رقت آمیز لہجے میں کہا۔

یہ الم ناک خبر سن کر یوسف بھی اداس ہو گیا اور اسے وہ مناظر یاد آنے لگے جب سلطان شہید اس کے ساتھ نہایت شفقت و محبت سے پیش آتا تھا۔ ایک بار عماد الدین زنگی نے موصل میں ایک خصوصی مجلس قرأت آراستہ کی تھی اور اس میں کم سن بچوں کو تلاوت قرآن کریم کی دعوت دی تھی۔ شرکاء میں سات سالہ یوسف (صلاح الدین) بھی شامل تھا۔ عام طور پر علماء کے بچوں نے اس مجلس قرأت میں شرکت کی تھی۔ صرف یوسف ایک سپہ سالار کا بیٹا تھا۔

پھر جب یہ قرأت کا مقابلہ شروع ہوا تو کئی بچوں نے نہایت خوش الحانی کے ساتھ آیات مقدسہ کی تلاوت کی۔ مگر جب یوسف کی باری آئی تو اس نے سلطان عماد الدین زنگی کے ساتھ تمام شرکائے مجلس کو رلا دیا۔ اس محفل قرأت میں موصل کے بڑے بڑے علماء بھی موجود تھے۔ یوسف کی آواز میں بے پناہ سوز تھا اور اسی وجہ سے وہی پہلے انعام کا مستحق قرار پایا۔

سلطان عماد الدین زنگی نے بڑے والہانہ انداز میں یوسف (صلاح الدین) کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''لڑکے! میرے قریب آؤ۔''

یوسف اپنی جگہ سے اٹھا اور سلطان عماد الدین زنگی کی مسند کے قریب پہنچا۔ سلطان نے بڑی محبت سے یوسف کی پیشانی کو بوسہ دیا اور پھر اس کے باپ نجم الدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''تمہارے بیٹے کی آواز میں بڑا سوز ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کے سینے میں بھی اسلام کا درد ہوگا۔''

نجم الدین ایوب اور اسد الدین شیرکوہ کے سر فخر سے بلند ہو گئے۔

پھر سلطان عماد الدین زنگی نے یوسف کو اشرفیوں کی ایک تھیلی انعام کے طور پر دی۔ پھر پلٹ کر اپنے خادم خاص سے کہا جو مسند کے نزدیک سلطان کے پیچھے کھڑا تھا۔ ''میری تلوار لے کر آؤ۔''

خادم خاص تیزی کے ساتھ محفل سے نکلا اور پھر کچھ دیر بعد ہی سلطان عماد الدین زنگی کی تلوار لے کر حاضر ہوا۔

یوسف (صلاح الدین) اشرفیوں کی تھیلی لئے خاموش کھڑا تھا۔ دوسرے شرکائے مجلس بھی حیرت

و سکوت کے عالم میں تھے کہ آخر سلطان نے اپنی تلوار کیوں طلب کی ہے۔

پھر حاضرین مجلس کی یہ سکوت آمیز حیرت اس وقت دور ہوئی جب سلطان عماد الدین زنگی نے اپنی شمشیر یوسف کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ تمہارا خصوصی انعام ہے۔ ایک قاری کو مجاہد بھی ہونا چاہئے۔''

اس واقعے کو یاد کر کے یوسف کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے رقت آمیز لہجے میں اپنی والدہ سے سوال کیا۔ ''سلطان کس جنگ میں شہید ہوئے؟''

''سلطان کو اللہ نے میدانِ جنگ میں شکست کا منہ نہیں دکھایا۔'' زبیدہ کی آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے۔ ''ایک نمک حرام اور بے ضمیر غلام نے سوتے میں حملہ کر دیا اور سلطان جاں بحق ہو گئے۔''

''ایک غلام اپنے آقا کی جان کیسے لے سکتا ہے؟'' یہ بات معصوم یوسف کی سمجھ سے بالاتر تھی۔

''وہ غلام منافق تھا۔'' زبیدہ نے انتہائی نفرت آمیز لہجے میں کہا۔

''منافق کون ہوتا ہے؟'' یوسف (صلاح الدین) نے حیرت و استعجاب کے ساتھ پوچھا۔

''وہ لوگ جو مسلمانوں کے نام رکھ لیتے ہیں...... مگر اندر سے اللہ کو نہیں مانتے۔'' زبیدہ نے معصوم یوسف کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''سلطان کا غلام بھی ایک ایسا ہی غلام تھا۔''

''میں بڑا ہو کر سلطان کے قاتل سے بدلہ لوں گا۔'' یکایک جوش غضب سے یوسف کا سرخ چہرہ انگارے کی طرح دہکنے لگا۔

''میرے بچے! جب تک تم جوان ہو گے، وہ مردود پتا نہیں کہاں ہوگا؟ مر بھی چکا ہوگا۔'' زبیدہ نے انتہائی شکستہ لہجے میں کہا۔

یوسف کچھ دیر تک خاموشی سے کھڑا سوچتا رہا۔ پھر وہ تیزی کے ساتھ ماں کے کمرے سے نکل گیا۔

زبیدہ بیٹے کی یہ اضطراری حرکت دیکھ کر گھبرا گئی اور پھر خود بھی اٹھ کر یوسف کے پیچھے پیچھے چلی گئی۔ اتنے میں یوسف ایک تلوار لے کر پلٹا۔ زبیدہ بیٹے کا یہ رنگ دیکھ کر پریشان نظر آنے لگی۔

یوسف نے شمشیر آبدار کو بے نیام کرتے ہوئے کہا۔ ''اُمِّ محترم! یہ وہ تلوار ہے جو سلطان نے مجھے انعام میں دی تھی۔''

زبیدہ اس تلوار کو پہچانتی تھی۔ مگر وہ یوسف کی بات کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھی۔

''میں اس تلوار سے ان لوگوں کو قتل کروں گا جو اسلام کے دشمن ہیں۔'' نرم و نازک جسم والا یوسف اس وقت ایک چٹان کی طرح نظر آ رہا تھا۔ ''یہ میرا اللہ سے وعدہ ہے کہ میں منافقوں کو نہیں چھوڑوں گا۔''

پھر جب سلطان عماد الدین زنگی کی تدفین کے بعد نجم الدین ایوب اور اسد الدین شیرکوہ موصل واپس آئے تو ایک بار پھر گھر کی فضا سوگوار ہو گئی...... نجم الدین ایوب رو رو کر اپنے آقا کے احسانات

شمار کر رہا تھا...... پھر اس نے ایک آہ سرد کھینچ کر کہا۔

"مجھے زندگی بھر اس کا افسوس رہے گا کہ میں آخری وقت میں اپنے آقا کے لئے کچھ نہ کر سکا۔ میرا خیمہ سلطان کے خیمے سے بہت دور تھا۔"

اسد الدین شیر کوہ کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔ "میں نے بھی سلطان کو بارہا سمجھایا تھا کہ وہ اس وقت حالت جنگ میں ہیں۔ اس لئے انہیں کسی ایک فرد پر بھروسا کرنے کے بجائے مکمل حفاظتی دستہ قائم کرنا چاہیے۔" اسد الدین شیر کوہ نے اداس لہجے میں کہا۔ "کاش! سلطان نے میرا مشورہ قبول کر لیا ہوتا تو یہ المناک واقعہ رونما نہ ہوتا...... اور ملت اسلامیہ ایک عظیم مجاہد سے محروم نہ ہوتی۔"

بہت دیر تک اسی قسم کی گفتگو ہوتی رہی۔ زبیدہ بھی اپنے محسن کے غم میں پورے خلوص و دیانت کے ساتھ شریک تھی...... اور اس کی آنکھیں بھی اشک برسا رہی تھیں۔

یوسف بھی اس واقعے سے بہت زیادہ متاثر تھا...... اور اس کے معصوم ذہن میں یہ بات اچھی طرح نقش ہو گئی تھی کہ دنیا میں اسلام کے بے شمار دشمن موجود ہیں۔

چند روز تک موصل اور شام کی فضا بہت سوگوار رہی...... بغداد میں عباسی خلیفہ مقتفی نے بھی سلطان عماد الدین زنگی کا سوگ منایا۔ تمام مسجدوں اور مدرسوں میں سلطان شہید کے لئے اجتماعی دعائیں کی گئیں...... غریب اور محتاج لوگوں میں صدقات اور کپڑے تقسیم کیے گئے۔

......}......☆......{......

سلطان عماد الدین کے چار بیٹے تھے۔ سیف الدین غازی، نور الدین محمود، قطب الدین مودود...... اور نصرت الدین امیر امیران...... زنگی خاندان کے دشمن اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ حصول اقتدار کے لئے چاروں بھائیوں میں تلواریں کھنچ جائیں...... پھر خون کے دریا بہیں گے اور اس طرح ہمیشہ کے لئے عماد الدین زنگی کے وارثوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس تماشے کے منتظرین میں جوسلن ثانی اور ہزاروں عیسائی بھی شامل تھے جنہوں نے ایڈیسہ کے معرکے میں سلطان عماد الدین زنگی کے ہاتھوں شکست کھائی تھی۔ مگر بدخواہوں کی شدید خواہش کے باوجود یہ خوں رنگ تماشا نہ ہو سکا اور اللہ نے اس سنگین گھڑی کو سلامتی کے ساتھ ٹال دیا۔ اقتدار کی منتقلی کا مسئلہ بہ حسن و خوبی حل ہو گیا۔ زنگی کے سب سے بڑے بیٹے سیف الدین غازی کے حصے میں موصل کا علاقہ آیا...... اور دوسرے بیٹے نور الدین محمود زنگی نے شام میں اقتدار سنبھال لیا۔

عیسائی دنیا جس نے سلطان عماد الدین زنگی کی شہادت پر رقص و شراب کے ساتھ جشن منایا تھا، سلطنت کی اس تقسیم پر بہت زیادہ خوش نظر آ رہی تھی۔ صلیبیوں کے خیال میں زنگی کی فوجی طاقت دو حصوں میں بٹ گئی تھی جو عیسائیوں کے لئے انتہائی نیک شگون تھا۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آرمینیا کے عیسائی باشندوں نے ایک نئی چال چلی۔ ان لوگوں نے اپنے ایک معتمد شخص کو بڑی راز داری کے ساتھ انطا کیہ بھیجا۔ ایڈیسہ کی طرح یہ بھی ایک مضبوط عیسائی ریاست تھی۔ ایڈیسہ کا حکمراں جوسلن ثانی فرار ہو کر انطا کیہ چلا گیا تھا۔

جوسلن ثانی نے آرمینیا کے معزز باشندوں کی طرف سے بھیجا ہوا خط پورے انہماک کے ساتھ پڑھا جس میں واضح طور پر لکھا گیا تھا۔

"عظیم جوسلن کو معلوم ہونا چاہیے کہ خونخوار عماد الدین زنگی کی سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ زنگی کے دونوں بیٹے اپنے باپ کی طرح جنگجو اور مرد میدان نہیں ہیں۔ مزید یہ کہ ابھی دونوں بھائی اپنے اپنے انداز میں حکومت کے انتظامات مضبوط کرنے میں مصروف ہیں۔ مقدس باپ اور بیٹے نے صلیب کی سربلندی کے لئے ہمیں ایک اور سنہری موقع فراہم کیا ہے۔ اس سے پہلے کہ زنگی سلطنت میں استحکام پیدا ہو، آپ بلا تاخیر مسلمانوں سے ایڈیسہ کی شکست کا انتقام لے کر اہل صلیب کے دلوں کو قرار اور عیسائیت کو سرخرو ہونے کا موقع فراہم کریں۔"

آرمینیا کے معززین کا خط پڑھ کر جوسلن ثانی کے ہونٹوں پر ایک فتنہ گر اور عیار مسکراہٹ ابھر آئی۔ پھر اس نے وہ خط انطا کیہ کے حاکم ڈیمورا کی طرف بڑھا دیا۔ جو اپنے مذہبی تعصب میں شاہ یروشلم گاڈفرے اور جوسلن ثانی سے کسی طرح بھی کم نہیں تھا۔ ڈیمورا نے آرمینیا کے باشندوں کی طرف سے بھیجے جانے والے دعوت نامے کے ایک ایک حرف کو بہت غور سے پڑھا...... اور ایڈیسہ کے شکست خوردہ حکمراں کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"عظیم جوسلن کے کیا ارادے ہیں؟"

جوسلن ثانی نے اس موقع کو غنیمت جانا...... اور ڈیمورا کے مذہبی جذبات کو بھڑکاتے ہوئے انتہائی جذباتی لہجے میں بولا۔ "اس کے سوا میری زندگی کا کوئی مقصد نہیں کہ میں صلیب کے نام پر قتل ہو جاؤں...... یا پھر اپنے عظیم پیغمبر کی طرح صلیب پر چڑھا دیا جاؤں۔" یہ کہتے کہتے جوسلن ثانی بہت زیادہ غم زدہ نظر آنے لگا تھا...... اور اس کی آنکھوں سے بھی ہلکی ہلکی نمی جھلکنے لگی تھی۔

انطا کیہ کا حاکم ڈیمورا، جوسلن کی باتوں سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ "میں اس سلسلے میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

شکست خوردہ جوسلن کے دل میں حکمرانی کا جذبہ بڑی شدت کے ساتھ دوبارہ کروٹیں لینے لگا تھا۔ ڈیمورا کو جذباتی پا کر اس نے بڑی عیاری کے ساتھ ایک اور چال چلی۔ "کچھ سپاہی تو میرے ساتھ ہیں...... مگر ان کی تعداد ایک بڑی جنگ کے لئے کافی نہیں۔ اگر حاکم انطا کیہ اپنی کچھ فوج عنایت کر دیں...... تو میں دوبارہ ایڈیسہ کے قلعے پر صلیبی پرچم لہرا سکتا ہوں۔"

کچھ مذہبی جذبات کا اشتعال اور کچھ جوسلن ثانی کی سحر انگیز تقریر کا اثر...... ڈیمورا فوراً راضی ہو گیا...... اور پھر بڑی راز داری کے ساتھ ایڈیسہ پر حملے کی منصوبہ سازی ہونے لگی۔

......}......☆......{......

سلطان عماد الدین زنگی کی سلطنت دو بھائیوں میں تقسیم ہونے کے بعد نجم الدین ایوب اپنے بیوی بچوں کو لے کر موصل سے شام چلا گیا جو سلطان نور الدین زنگیؒ کے حصے میں آیا تھا۔ نجم الدین ایوب کو سلطان عماد الدین زنگی مرحوم کے دونوں بیٹوں سیف الدین غازی اور نور الدین محمودؒ سے محبت

تھی......مگر وہ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ سے خاص عقیدت رکھتا تھا......اور اس کی ایک ہی وجہ تھی کہ سلطان نورالدین زنگیؒ اپنے بڑے بھائی کے مقابلے میں زیادہ باکباز نوجوان تھا۔

سلطان نورالدین زنگیؒ نے بھی نجم الدین ایوب کی شاندار پذیرائی کی......اور اسے اپنی افواج کا سالار بنادیا......اس کے ساتھ ہی سلطان نے اس وقت کے مشہور عالم ابنِ عرسون کو قاضی کے عہدے پر فائز کردیا......اور انہیں یہ ذمے داری بھی سونپ دی کہ شام کے بڑے بڑے شہروں میں درس گاہیں قائم کریں......تاکہ مسلمانوں میں تعلیم عام ہو۔

ابن عرسون کے قاضی ہونے کا سب سے بڑا فائدہ یوسف (صلاح الدین) کو پہنچا......اس وقت یوسف کی عمر دس سال تھی......اگرچہ اپنے والد نجم الدین کے اصرار پر اس نے گھڑ سواری، تیراندازی اور شمشیر زنی کی تربیت حاصل کرنی شروع کردی تھی......لیکن حقیقتاً اس کا دل کتابوں کی طرف مائل تھا۔ وہ اپنا بیشتر وقت قاضی ابن عرسون کی خدمت میں گزارتا تھا......اور ان کی تقریریں بہت غور سے سنتا تھا۔

ابھی سلطان نورالدین زنگیؒ اپنی سلطنت کے استحکام میں مصروف تھا کہ شعبۂ جاسوسی کے نگران ارقم نے سلطان کو ایک پریشان کن اطلاع دیتے ہوئے کہا۔

''ایڈیسہ کی آزادی خطرے میں ہے......بھگوڑا جوسلن ثانی دوبارہ حملے کی تیاریاں کررہا ہے۔''

سلطان نورالدین زنگیؒ نے بڑی حیرت سے یہ خبر سنی۔ ''ہماری اطلاع کے مطابق بابا مرحوم و مغفور نے جوسلن کی کمر ہمیشہ کے لئے توڑ دی تھی......پھر وہ اپاہج انسان ایڈیسہ پر یلغار کس طرح کرسکتا ہے؟''

''صلیبیوں نے اسے نئی بیساکھیاں دی ہیں۔'' ارقم نے وضاحت کرتے ہوئے کہا......''انطاکیہ کا حاکم ڈیمورا اس کی پشت پر ہے......مزید یہ کہ آرمینیا کے عیسائی باشندوں نے بھی جوسلن کو مالی مدد دینے کا وعدہ کیا ہے۔''

سلطان نورالدین زنگیؒ نے فوراً اپنے سالار نجم الدین ایوب اور اس کے چھوٹے بھائی اسدالدین شیرکوہ کو خلوت میں طلب کرلیا......پھر دونوں بھائیوں نے سلطان کو ایک ہی مشورہ دیا کہ بلاتاخیر ایڈیسہ کی طرف پیش قدمی کی جائے تاکہ سلطان مرحوم کی اس تاریخ ساز فتح کو برقرار رکھا جائے۔

سلطان نورالدین زنگیؒ اپنا لشکر لے کر قہرناک آندھی کی رفتار سے ایڈیسہ کی طرف بڑھے......مگر اس سے پہلے نومبر 1146ء میں جوسلن ثانی نے ایڈیسہ پر آدھی رات کے وقت شب خون مارا......اور گہری نیند میں ڈوبے ہوئے ترکمان پہرے داروں کو قتل کرکے شہر پر قبضہ کرلیا......اس کے بعد عیسائی حکمران اور اس کے فوجیوں نے اپنے جسموں سے انسانیت کی قبائیں اتار کر وحشی درندوں کی کھالیں پہن لیں......پھر وہ اپنے خونخوار دانتوں اور نوکیلے پنجوں کے ساتھ ایڈیسہ کے مسلمانوں پر جھپٹ پڑے۔ صلیبیوں کے جنون کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے مسلمان بوڑھوں اور بچوں کو بھی اپنے گھوڑے کی ٹاپوں سے روند ڈالا......پردہ دار اور معصوم دوشیزاؤں کی بے آبروئی کی گئی......پھر انہیں

قتل کرکے ان کی لاشیں عام راستوں پر پھینک دی گئیں۔

جوسلن ثانی گھوڑے کی پشت پر سوار، شہر کے گردونواح میں ایک درندے کی طرح دھاڑتا پھر رہا تھا......وہ بار بار اپنی شمشیر کو ہوا میں لہراتا اور فاتح ایڈیسہ سلطان عمادالدین زنگیؒ مرحوم کی روح کو مخاطب کرکے کہتا۔

''تو اپنے ہم مذہبوں کا حشر دیکھ رہا ہے؟''......پھر خود ہی جواب دیتا......''مگر تو کیسے دیکھ سکتا ہے کہ تیری تو ہڈیاں بھی قبر میں گل سڑ کر خاک ہوچکی ہوں گی۔''

مسلمانوں کے اس قتل عام سے فارغ ہوکر جوسلن ثانی ایڈیسہ کے قلعے کی طرف بڑھا۔ قلعے کے محصور مسلمانوں نے بڑی شجاعت کے ساتھ جوسلن کی فوج کا مقابلہ کیا۔ پھر جب مسلمانوں کے دلوں میں یہ خدشات ابھرنے لگے کہ وہ پسپا ہوجائیں گے......اور صلیبی لشکر ان پر غالب آجائے گا تو عین اسی وقت تائید غیبی کی طرح سلطان نورالدین زنگیؒ اپنی تازہ دم فوج کے ساتھ ایڈیسہ آپہنچے۔

یہ ایک آفت ناگہانی تھی جسے دیکھ کر جوسلن ثانی بدحواس ہوگیا......اس کی پشت پر سلطان نورالدین زنگیؒ کا لشکر تھا......اور مقابل قلعہ ایڈیسہ کے محافظ سپاہی......گویا صلیبی لشکر چکی کے دو پاٹوں کے درمیان تھا۔

پھر تھوڑی ہی دیر میں جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ مجاہدین اسلام کے نیزے صلیبی سپاہیوں کی ہڈیاں توڑ کر سینوں کے پار ہونے لگے......اور ان کے سر پکی ہوئی فصل کی طرح کٹ کر زمین پر گرنے لگے۔ جوسلن ثانی بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا......اس کے ساتھ بچے کھچے عیسائی سپاہی تھے۔ جن کی تعداد بہت مختصر تھی۔

جوسلن کے فرار کا منظر دیکھ کر سلطان نورالدین زنگیؒ نے نہایت غضبناک لہجے میں اپنے سپاہیوں کو حکم دیا۔

''اس درندے کا وہاں تک تعاقب کرو کہ اللہ کی وسیع و عریض زمین تنگ ہوجائے......اور اس کے لئے کوئی جائے اماں باقی نہ رہے۔ اگر وہ تمہاری شمشیروں کی زد میں آجائے تو اسے قتل مت کرنا۔ میری آنکھیں اسے گرفتاری کی حالت میں دیکھ کر زیادہ روشن ہوں گی......اور میرے بے قرار دل کو زیادہ اطمینان حاصل ہوگا۔''

اپنے سلطان کا حکم سن کر مجاہدین اسلام عقابوں کی طرح اپنے شکار پر جھپٹے......اور دریائے فرات تک صلیبی لشکر کا تعاقب کیا۔ انجام کار ایک معمولی مزاحمت کے بعد عیسائی سپاہیوں نے ہتھیار ڈال دیئے......اور جوسلن ثانی زندہ گرفتار ہوا۔

☆
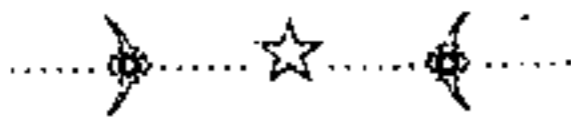
وہ ارض شام کے باشندوں کے لئے بڑا ہی عجیب دن تھا۔ جب وہ شہر کی عام شاہراہوں پر کھڑے شدید اضطراب کے عالم میں ایک عبرتناک منظر دیکھ رہے تھے......مسلمان سپاہی ایڈیسہ کے سابق حکمران جوسلن ثانی کو کھینچتے ہوئے دربار شام کی طرف لئے جا رہے تھے۔

جوسلن کے پیروں یں زنجیریں تھیں...... اور ذلت کے احساس سے اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔
اہل شام کے غیظ وغضب کا یہ عالم تھا کہ اگر سلطان نورالدین زنگیؒ کا حکم درمیان میں حائل نہ ہوتا تو وہ اسے سرعام سنگسار کر دیتے...... پھر بھی ان کے ہونٹوں پر شدید حرف ملامت تھے۔
کوئی کہہ رہا تھا۔ ”یہ ہے وہ سور ما جس نے بوڑھوں اور بچوں کو تہہ تیغ کیا۔ اور کلمہ گو دوشیزاؤں کی آبرو ریزی کی۔“
کسی نے اپنی نفرت کا اظہار یوں کیا۔ ”تجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔“
کسی نے مسلمان سپاہیوں کو مخاطب کر کے کہا...... ”ہماری طرف سے سلطان کی خدمت میں عرض کر دینا کہ اسے ایک وار میں قتل نہ کریں۔ تڑپا تڑپا کر ماریں...... اس کے جسم کا ایک ایک حصہ الگ کریں۔ دنیا میں اذیت دینے کے جس قدر طریقے ہیں، وہ سب اس پر آزمائیں۔“
ایک تو سورج کی گرمی، دوسرے ذلت و رسوائی کا یہ تماشا۔ جوسلن ثانی پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ اور اس کا سر بدستور جھکا ہوا تھا۔
دوسری طرف دربار شام کا عجیب رنگ تھا...... سلطان نورالدین زنگیؒ اپنے وزیروں، مشیروں اور سالاروں کے ساتھ تخت پر جلوہ افروز تھے۔ سلطان کے برابر قاضی شہر ابن عرسون کی کرسی تھی۔ تمام درباریوں کی مضطرب نگاہیں دروازے پر مرکوز تھیں...... سب کو ایک شخص کا انتظار تھا...... اور وہ جوسلن ثانی کے سوا کوئی دوسرا نہیں تھا۔
آخر کشمکش انتظار ختم ہوئی اور دربار شام بیڑیوں کے ہلکے ہلکے شور سے گونج اٹھا۔ یہ شور ان بیڑیوں کا تھا جو مفتوح عیسائی حکمراں جوسلن ثانی کے پیروں میں پڑی ہوئی تھیں...... تمام درباری اسی جابر و سفاک انسان کا انتظار کر رہے تھے...... جوسلن ثانی کو پابہ زنجیر دیکھ کر اہلِ دربار کے چہرے ناقابل بیان مسرت کے احساس سے چمک اٹھے......
خود سلطان نورالدین زنگیؒ خوشی کا یہ عالم تھا کہ وہ جوش اضطراب میں کھڑے ہو گئے...... اور سرِ دربار اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔
سلطان نورالدین زنگیؒ کی تقلید میں دوسرے درباری بھی کھڑے ہو گئے۔ وہ بھی دبی دبی آواز میں اپنے اللہ کی کبریائی بیان کر رہے تھے۔
”مجاہدین اسلام کو یہ عظیم الشان فتح مبارک ہو۔“ یہ کہہ کر سلطان نورالدین زنگیؒ دوبارہ تخت پر بیٹھ گئے۔
مسلمان سپاہی زنجیروں میں جکڑے ہوئے جوسلن کو لے کر آگے بڑھے...... اور تخت سلطانی کے قریب پہنچ کر رک گئے۔
اب جوسلن ثانی اور سلطان نورالدین زنگیؒ کے درمیان صرف دو گز کا فاصلہ حائل تھا۔ یکایک سلطان نے انتہائی قہرناک لہجے میں جوسلن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
”میرے مرحوم و مغفور والد تو تیرے سوال کا جواب نہیں دے سکتے...... مگر ان کا فرزند نورالدین محمود تیری ہر بات کا جواب دے سکتا ہے۔“

یہ جوسلن ثانی کی اس ذلت آمیز حرکت کی طرف اشارہ تھا، جب عیسائی حکمراں نے ایڈیسہ کے مجبور و معصوم شہریوں کو قتل کرتے ہوئے سلطان عمادالدین زنگیؒ مرحوم کو تحقیر آمیز لہجے میں آواز دے کر کہا تھا کہ وہ قبر سے نکل کر اپنی قوم کا حشر دیکھے۔
جوسلن ثانی کے پاس سلطان نورالدین زنگیؒ کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔
سلطان نورالدین زنگیؒ کی پُرجلال آواز دوبارہ گونجی...... ”اب تو مجھ سے کس سلوک کی توقع رکھتا ہے؟“
جوسلن ثانی نے بڑی عیاری کے ساتھ اپنا سر اٹھایا اور انتہائی عاجزانہ لہجے میں بولا...... ”یہ مسلمانوں کی روایت رہی ہے کہ وہ اپنے دشمن کو بھی معاف کر دیتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ سلطان عالی مقام بھی اپنے ہم مذہبوں کی روایت کو برقرار رکھیں گے۔“
جوسلن ثانی کا طرز گفتگو دیکھ کر تمام اہل دربار حیرت زدہ رہ گئے۔ وہ فریب کار شخص بڑی عیاری کے ساتھ سلطان نورالدین زنگیؒ کے اردگرد ریاکارانہ الفاظ کا جال پھیلا رہا تھا۔
”اور عیسائیوں کی روایت کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟“ سلطان نورالدین زنگیؒ نے جوسلن کی درخواست کا جواب دینے کے بجائے، الٹا اسی سے ایک عجیب سوال کر ڈالا۔
”میں جانتا ہوں کہ عیسائیوں سے کچھ غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔“ جوسلن ثانی نے ایک انتہائی ہوشیار شاطر کی طرح نئی چال چلتے ہوئے کہا...... ”مگر میں اپنی قوم کے اعمال کا ذمے دار نہیں ہوں۔“
سلطان نورالدین زنگیؒ بڑے صبر و تحمل کے انسان تھے...... مگر جوسلن ثانی کی بات سن کر شعلے کی طرح بھڑک اٹھے۔ ”تیرا اپنا اعمال نامہ ان لوگوں سے کم سیاہ نہیں ہے۔“
”سلطانِ عالی مقام! میں اپنے اسی سیاہ اعمال نامے کا ذکر کرنے والا تھا کہ آپ نے درمیان سے میری بات کاٹ دی۔“ جوسلن ثانی کے فتنہ گر ذہن نے ایک اور کروٹ لی...... ”میں خداوند خدا کو درمیان میں لا کر اپنے تمام سابقہ گناہوں سے تائب ہوتا ہوں...... اور یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ ایک گوشہ نشیں راہب کی طرح زندگی بسر کروں گا...... اور کسی صلیبی جنگ (کروسیڈ) میں حصہ نہیں لوں گا۔ مجھے معاف کر دیا جائے، سلطانِ ذیشان کہ عفو و درگزر اسلام کی بھی شان ہے...... اور آپ کی بھی......“

تمام اہل دربار جوسلن کی مکاریوں پر حیران ہو رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ جوسلن کی کسی بات کا جواب دیتے، قاضی شہر ابن عرسون اپنی نشست پر کھڑے ہو گئے...... اور سلطان نورالدین زنگیؒ کو مخاطب کر کے بولے...... ”سلطان محترم! میں اس قطع کلامی اور مداخلت کے لئے معذرت خواہ ہوں......“ قاضی ابن عرسون کا لہجہ بہت نرم و شیریں تھا۔
سلطان نورالدین زنگیؒ نے حیرت سے قاضی شہر کی طرف دیکھا...... پھر مؤدب لہجے میں کہنے لگے...... ”فرمایئے قاضی صاحب...... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟“ سلطان نورالدین زنگیؒ ابن عرسون

کے علم و فضل کی وجہ سے ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔

یکا یک ابن عرسون کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا...... بڑی سے بڑی تکلیف اور بیماری میں پرسکون رہنے والا قاضی، اس وقت حالتِ جلال میں تھا......اور شدتِ جذبات سے ابن عرسون کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

''ملت اسلامیہ کے اس دشمن نے بڑی مکاری اور بے حیائی کے ساتھ اعتراف کیا ہے کہ ماضی قریب میں عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کچھ زیادتیاں کی ہیں۔'' قاضی ابن عرسون نے جوسلن ثانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا...... ''اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوگا کہ وحشت و درندگی کو زیادتی کہا جائے۔'' یہ کہہ کر قاضی ابن عرسون چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گئے۔

پورے دربار پر گہرا سکوت طاری تھا۔ سلطان نور الدین زنگی شدید حیرت کے عالم میں قاضی ابن عرسون کی طرف دیکھ رہے تھے۔

یکا یک ابن عرسون نے اپنے کھڑے ہونے کا زاویہ تبدیل کیا......اور سلطان نور الدین زنگی سے مخاطب ہوئے...... ''یہ آج سے 47 سال پہلے کا واقعہ ہے کہ جب سلطان موصوف پیدا بھی نہیں ہوئے تھے......اور خود یہ گناہ گار قاضی ابن عرسون جو اہل دربار کے سامنے کھڑا ہے، اس وقت مشکل سے چار پانچ سال کا ہوگا۔''

اہل دربار کی حیرت میں مزید اضافہ ہو گیا تھا...... وہ پلکیں جھپکائے بغیر قاضی ابنِ عرسون کے نورانی چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے جو کسی خاص راز کا انکشاف کرنے والے تھے۔

''یہ واقعہ میں نے پوری تفصیلات کے ساتھ اپنے والد مرحوم کی زبانی سنا ہے۔'' قاضی ابنِ عرسون نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا...... ''وہ اہل اسلام کے لئے بڑا سنگین وقت تھا...... جب ایک اللہ، ایک رسول ﷺ......اور ایک کتاب کے ماننے والے گروہ در گروہ تقسیم ہو گئے تھے۔ اس وقت مصر پر فاطمی خلیفہ ابو القاسم کی حکمرانی تھی...... مصر کا یہ حکمران اپنی ہم سایہ مسلمان حکومتوں کا شدید دشمن تھا...... اس کو عباسی حکمران سے کوئی ہمدردی نہیں تھی...... اور یہی حال عباسی حکمران کا تھا کہ وہ فاطمی خلیفہ کے لئے اپنے دل میں کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتا تھا...... اپنے ہم مذہبوں سے فاطمی خلیفہ کے بغض و عناد کا یہ عالم تھا کہ وہ آلِ سلجوق کا نام سننا بھی گوارہ نہیں کرتا تھا......'' یہ کہتے کہتے شدت کرب سے قاضی ابن عرسون کا سرخ چہرہ دھواں دھواں نظر آنے لگا۔

''مسلمانوں کے اسی انتشار اور اختلاف سے صلیبیوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا......'' قاضی ابن عرسون اداس لہجے میں ماضی قریب کے مسلمانوں کی تاریخ بیان کر رہے تھے...... ''رجب 462 ہجری میں صلیبیوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک خوفناک منصوبہ ترتیب دیا اور پچاس ہزار منتخب عیسائی سپاہیوں کا لشکر لے کر یروشلم کی طرف بڑھے۔ اس وقت فاطمی خلیفہ ابو القاسم کی طرف سے افتخار الدولہ یروشلم کا حاکم تھا...... اس کے جاسوسوں نے صلیبیوں کی یلغار کی خبر دی...... حاکم یروشلم افتخار الدولہ نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اپنے ایک معتبر قاصد کو خط دے کر فاطمی خلیفہ ابو القاسم کی طرف

روانہ کیا۔

ایک خفیہ اجلاس میں افتخار الدولہ کا خط پڑھا گیا...... حاکم یروشلم نے فاطمی خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے صاف صاف تحریر کر دیا تھا۔

''امیر المومنین کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس بار صلیبیوں کے ارادے بہت زیادہ خطرناک نظر آرہے ہیں۔ ان کے ساتھ کتنی فوج ہے، اس کا اندازہ یروشلم کے قلعے میں بیٹھ کر نہیں کیا جا سکتا...... پھر بھی میرے جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق عیسائی سپاہیوں کی تعداد ہم سے کہیں زیادہ ہے، میں امیر المومنین سے درخواست کروں گا کہ اس نازک صورتحال پر فوری توجہ دیتے ہوئے یروشلم کی حفاظت کے لئے مزید فوج فراہم کی جائے...... اگر میری اس التجا پر بلا تاخیر عمل نہیں کیا گیا تو پھر اللہ ہی جانتا ہے کہ یروشلم میں بسنے والے مسلمانوں پر قیامت کس انداز میں نازل ہو۔''

حاکم یروشلم افتخار الدولہ نے انتہائی مؤثر لہجے میں صورتحال کی سنگینی کا نقشہ کھینچا تھا...... مگر اس کی یہ تدبیر کارگر ثابت نہ ہو سکی...... فاطمی خلیفہ ابو القاسم نے اپنے میر منشی سے افتخار الدولہ کے خط کا جواب اس طرح لکھوایا۔

''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ قرب و جوار میں میرے کئی دشمن موجود ہیں جن کی حریصانہ نظریں ہر وقت مصر کی حکومت پر جمی رہتی ہیں کہ کب انہیں موقع ملے اور وہ میرے اقتدار کا خاتمہ کر دیں...... خلیفۂ بغداد بھی دن رات اسی قسم کی سازشوں میں مصروف رہتا ہے۔ اس صورتحال کے پیش نظر میں تمہاری مدد کے لئے ایک سپاہی بھی نہیں بھیج سکتا...... اگر یروشلم ہاتھ سے جاتا ہے تو اسے جانے دو...... اس کے مقابلے میں خلافت مصر کا دفاع کہیں زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔''

فاطمی خلیفہ کا جواب پڑھ کر حاکم یروشلم افتخار الدولہ کچھ دیر کے لئے سکتے میں آ گیا...... اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ ابو القاسم کا مکتوب ہے...... لیکن مہر خلافت دیکھ کر افتخار الدولہ کو یقین کر لینا پڑا...... پھر اس کے چہرے پر شدید اذیت و کرب کا رنگ ابھرا اور وہ خود کلامی کے انداز میں کہنے لگا۔

''امیر المومنین یہ کیوں نہیں کہتے کہ ملت اسلامیہ کی سربلندی کے بجائے آپ کو اپنا اقتدار عزیز ہے...... مگر یاد رکھیں کہ یروشلم چلا گیا تو پھر کچھ بھی باقی نہیں بچے گا۔''

پھر وہی ہوا...... پچاس ہزار سپاہیوں پر مشتمل صلیبی لشکر یروشلم کی دیوار کے نیچے آکر جمع ہونے لگا...... صلیبیوں کو اس بات پر بڑی حیرت تھی کہ وہ کسی مزاحمت کے بغیر شہر کی فصیل تک پہنچ گئے تھے...... افتخار الدولہ شہر سے باہر نکل کر عیسائیوں کی پیش قدمی کو روک سکتا تھا۔ مگر بدقسمتی سے اس کے پاس صرف ایک ہزار سپاہی تھے۔ جنگی اصولوں کے مطابق دونوں فوجوں میں کوئی تناسب و توازن ہی نہیں تھا۔ اس لئے افتخار الدولہ نے دفاعی حکمت عملی اختیار کی۔

یہ کہہ کر قاضی ابنِ عرسون کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئے۔ حاضرین کا گہرا سکوت دیکھ کر دربار شام پر کسی قبرستان کا گمان ہوتا تھا۔ سلطان نور الدین زنگی بھی تصویر حیرت بنے ہوئے قاضی ابن عرسون کی گفتگو سن رہے تھے۔

مختصر سکوت کے بعد قاضی ابن عرسون دوبارہ سلطان نور الدین زنگیؒ سے مخاطب ہوئے......

''سلطان محترم! اس خوں رنگ اور الم ناک واقعے کی باقی تفصیلات اس طرح ہیں کہ شہر یروشلم کا محاصرہ کرنے کے بعد صلیبی فوج کے سالار نے اپنے ایک قاصد کو یہ پیغام دے کر افتخار الدولہ کے پاس بھیجا۔

''اگر تم لوگ جنگ کئے بغیر ہتھیار ڈال دو تو ہم تمہیں مکمل امان بخش دیں گے۔'' عیسائی قاصد کے لہجے سے اس قدر غرور و تکبر جھلک رہا تھا کہ جیسے وہ اہلِ ایمان کی تقدیروں کا مالک ہے۔

''تین خداؤں کے ماننے والوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہم خدائے واحد پر ایمان رکھتے ہیں۔'' حاکم یروشلم کے لہجے سے غرور و تکبر کے بجائے جلالِ ایمانی کا اظہار ہو رہا تھا۔

عیسائیوں کے عقائد کے مطابق تین خدا ہیں...... ایک مقدس باپ (خدا)...... دوسرا مقدس بیٹا (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) اور تیسرا روح القدس (حضرت جبرئیلؑ)...... اسی کو نظریۂ تثلیث کہتے ہیں...... اور افتخار الدولہ نے عیسائی قاصد کے سامنے اسی طرف اشارہ کیا تھا۔

''اپنے سالار کو بتا دینا کہ مجاہدین اسلام ہتھیار نہیں ڈالتے...... یا تو وہ فتح حاصل کرتے ہیں...... یا پھر ان کے کٹے ہوئے سر نیزوں پر بلند کئے جاتے ہیں۔ اللہ نے اہل ایمان کے لئے ہر حال میں سربلندی لکھی ہے۔''

افتخار الدولہ کا جواب سن کر عیسائی قاصد سراسیمہ نظر آنے لگا۔ پھر جب وہ واپس جا رہا تھا تو یروشلم میں رہنے والے ایک عیسائی نے اسے اپنی زبان میں یہ راز بتا دیا کہ مسلمان فوجیوں کی تعداد بہت کم ہے۔

عیسائی قاصد نے افتخار الدولہ کے جواب کے ساتھ ساتھ اپنے سالار کو یہ خفیہ اطلاع بھی فراہم کر دی کہ حاکم یروشلم کی دفاعی قوت نہ ہونے کے برابر ہے۔

دوسرے دن عیسائی سالار نے اپنے سپاہیوں کو جمع کر کے مختصر خطاب کیا...... ''میں تمہیں صرف تین دن کی مہلت دیتا ہوں۔ اس عرصے میں شہر کی تمام دیواریں گرا دو...... اور فاتحانہ شان کے ساتھ اندر داخل ہو جاؤ۔''

عیسائی سپاہی کثرتِ تعداد کے نشے سے سرشار تھے۔ اس لئے انہیں پورا یقین تھا کہ وہ مختصر سے عرصے میں مسلمانوں کے انتہائی قلیل لشکر کو شکست دے کر یروشلم کے پورے شہر پر قابض ہو جائیں گے...... مگر عیسائی سپاہیوں کی یہ خوش فہمی اس وقت دور ہو گئی جب سینکڑوں صلیبیوں کی بھینٹ چڑھانے کے باوجود چند گز کا علاقہ بھی فتح نہ کر سکے۔

اسلامی لشکر نے حیرت انگیز شجاعت کا مظاہرہ کیا اور صلیبیوں کے منہ پھیر کر رکھ دیئے۔

عیسائی سپہ سالار گاڈفرے اپنے خیمے میں اس طرح ٹہل رہا تھا کہ اس کے چہرے پر وحشت برس رہی تھی۔ پھر جب اس کا نائب ڈیرک خیمے میں داخل ہوا تو گاڈفرے کسی جنونی انسان کی طرح اس پر برس پڑا...... ''تیری ساری اطلاعات غلط تھیں...... ایک ہزار سپاہی، پچاس ہزار فوجیوں کا مقابلہ کس

طرح کر سکتے ہیں۔ یقیناً مسلمان تعداد میں ہمارے برابر ہیں۔''

نائب سالار ڈیرک قسمیں کھا کھا کر گاڈفرے کو یقین دلاتا رہا کہ اس کی فراہم کردہ معلومات حرف بہ حرف درست ہیں۔ ''ابھی ابھی یروشلم کا ایک عیسائی یہ خبر لے کر آیا تھا کہ ہم دست بہ دست جنگ میں مسلمانوں پر غالب نہیں آ سکیں گے۔''

''پھر ہمیں کس طرح غلبہ حاصل ہو گا؟'' گاڈفرے نے اپنے نائب ڈیرک کو ایک غلیظ گالی دیتے ہوئے کہا۔

''اس شخص کا کہنا ہے کہ افتخار الدولہ نے بڑی ذہانت سے اپنے دفاعی مورچے ترتیب دیئے ہیں۔'' ڈیرک ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بول رہا تھا۔ ''اس شخص کی رائے کے مطابق اگر شہر کی فصیل پر شدید سنگ باری کی جائے اور فصیل کے انہدام کے بعد پورا عیسائی لشکر شہر میں داخل ہو کر بیک وقت مسلمانوں پر حملہ آور ہو تو صلیبیوں کو فتح حاصل ہو سکتی ہے۔''

یہ ایک اچھی خبر تھی جسے سن کر گاڈفرے کے چہرے کا تناؤ کم ہو گیا اور اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ پھر دوسرے دن گاڈفرے نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ روز و شب کام کر کے بڑی تعداد میں منجنیقیں تیار کریں۔

پھر جب عیسائیوں کا یہ نیا اسلحہ تیار ہو گیا تو گاڈفرے کے حکم پر شدید سنگ باری کی گئی...... کئی دن کی مسلسل کوششوں کے بعد شہر کی فصیل میں دو تین شگاف پڑ گئے...... مگر مجاہدین اسلام نے صلیبیوں کو اندر داخل نہیں ہونے دیا۔ شہر کا یہ محاصرہ چالیس دن تک جاری رہا۔ اس دوران میں عیسائی سالار گاڈفرے نے کئی چالیں چلیں...... مگر وہ شہر پر قبضہ کرنے میں ناکام رہا۔

یروشلم کے عیسائی بھیس بدل بدل کر گاڈفرے کے لشکر میں جا رہے تھے...... اور افتخار الدولہ کے دفاعی انتظامات کی خبریں دے رہے تھے۔ بالآخر گاڈفرے نے اپنا پورا لشکر سمیٹ کر جنگ میں جھونک دیا۔ بارہ گھنٹے تک مسلسل لڑائی ہوتی رہی...... مگر صلیبی مسلمانوں پر غالب نہ آ سکے۔ یہاں تک کہ عیسائی لشکر پر مایوسیوں کے بادل چھانے لگے۔

اکثر عیسائی سپاہیوں کی زبان پر ایک ہی جملہ تھا...... ''اب کوئی طاقت یروشلم کو فتح نہیں کر سکتی۔''

اپنے سپاہیوں کی دل شکستگی کا یہ منظر دیکھ کر گاڈفرے بدحواس ہو گیا۔ اور پھر اس نے فوج کے ساتھ آنے والے پادریوں کو اپنے خیمے میں طلب کر کے مشورے شروع کر دیئے۔ تمام پادری کچھ دیر تک سر جوڑے بیٹھے رہے...... پھر انہوں نے اتفاق رائے کے ساتھ پرانا حربہ استعمال کیا...... فوری طور پر ایک عیسائی سپاہی کو راہبوں جیسا لباس پہنایا گیا...... پھر اسے کچھ ہدایات اور تلوار دے کر جبل زیتون (مشہور پہاڑ) پر بھیج دیا گیا...... منصوبہ مکمل ہو جانے کے بعد سالار گاڈفرے پادریوں کے ساتھ اپنے خیمے سے باہر نکلا...... اور زیتون کی پہاڑی کی طرف دیکھنے لگا...... جہاں راہبوں کا لباس پہنے ہوئے ایک سپاہی کھڑا تھا...... جو بار بار اپنی تلوار ہوا میں لہرا رہا تھا۔

منصوبے کے مطابق گاڈفرے نے اپنے تمام سپاہیوں کو ایک جگہ کر لیا...... پھر ''جبلِ زیتون'' کی

طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک پادری سے پوچھا...... "مقدس پیشوا۔ یہ کون شخص ہے؟"

پادریوں نے بھی مصنوعی حیرت کے ساتھ یہ منظر دیکھا...... پھر ایک راہب انتہائی خوشی کے لہجے میں پوری طاقت سے چیخا۔

"یہ سینٹ جارج ہیں جو صلیبیوں کی مدد کو آئے ہیں...... اور تلوار کے اشارے سے کہہ رہے ہیں کہ پوری طاقت سے حملہ کرو...... میں تمہارے ساتھ ہوں...... اور یروشلم تمہارا ہے۔"

سینٹ جارج عیسائیوں میں ایک بڑا عبادت گزار شخص تھا۔ جسے عیسائی ولی کا درجہ دیتے ہیں۔ سینٹ جارج کو جرجیس بھی کہا جاتا ہے۔

پادری کی یہ جذباتی تقریر سن کر عیسائی سپاہیوں کے مذہبی جذبات جنگل کی آگ کی طرح بھڑک اٹھے۔ پھر انہوں نے وحشیانہ انداز میں مسلمانوں پر حملہ کیا۔ شہر میں رہنے والے عیسائیوں کی مخبری کے باعث افتخار الدولہ کے تمام دفاعی مورچے درہم برہم ہو کر رہ گئے اور صلیبی شہر میں داخل ہو گئے۔ پھر گھمسان کا رن پڑا۔ اہل ایمان اتنی بے جگری سے لڑے کہ شجاعت کی نئی تاریخ رقم کر دی...... مگر وہ پچاس ہزار سپاہیوں کے نرغے میں اس طرح گھر گئے تھے کہ ایک ایک کر کے تمام مجاہدین اسلام شہید ہو گئے۔ پھر جب یہ خون کا سیلاب تھم گیا تو افتخار الدولہ کی تلاش شروع ہوئی۔ وہ مرد شہید عیسائی سپاہیوں کو اس حالت میں ملا کہ اس کا پورا جسم زخموں سے چھلنی تھا...... مگر شہادت کے بعد بھی افتخار الدولہ کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ اور ہونٹوں پر ایک آسودہ مسکراہٹ...... علامہ اقبال نے اپنے فارسی شعر میں مرد مومن کی تصویر کشی اس طرح کی ہے۔

نشانِ مرد مومن باز گویم
چو مرگ آید تبسم برلب اوست

(میں تجھے دوبارہ مرد مومن کا نشان بتاتا ہوں کہ جب موت آتی ہے تو اُس کے ہونٹوں پر تبسم ہوتا ہے۔)

مجاہدین اسلام کی شہادت کے بعد سپاہیانہ جنگ ختم ہو گئی تھی...... مگر عیسائی سالار گاڈ فرے نے بے دست و پا مسلمان شہریوں کے خلاف دوسری جنگ شروع کر دی تھی...... ایک ایسی جنگ کہ تاریخ عالم میں شاید ہی اس کی کوئی دوسری مثال ملتی ہو...... گاڈ فرے نے افتخار الدولہ کی لاش کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالا...... پھر صلیبی لشکر درندوں کی طرح شہری آبادی پر ٹوٹ پڑا...... ستر ہزار مسلمان قتل کیے گئے...... مقتولین میں کچھ یہودی بھی شامل تھے...... نہ بوڑھوں کو اماں ملی...... نہ عورتیں اور بچے محفوظ رہے۔ پورا شہر ماتم کدہ بنا ہوا تھا...... اور مقدس سرزمین کا گوشہ گوشہ مقتل میں تبدیل ہو گیا تھا۔

قتل و غارت کا یہ منظر بیان کرتے وقت قاضی ابن عرسون کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے...... اور شدت غم سے اُن کی آواز لرز رہی تھی...... سلطان نور الدین زنگیؒ بھی آبدیدہ ہو گئے تھے...... کم و بیش تمام درباریوں کی یہی کیفیت تھی...... مگر کچھ درباری ایسے بھی تھے جن کے چہروں پر نفرت و غضب کی

تیز آگ روشن تھی...... اگر اُن کا بس چلتا تو وہ گاڈ فرے کا انتقام جوسلن ثانی سے لیتے...... اور سر دربار اُس کے جسم کو ٹکڑوں میں تبدیل کر کے اپنے سینوں میں بھڑکتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کرتے۔

قاضی ابن عرسون نے بڑی مشکل سے اپنے اعصاب پر قابو پایا...... اور سلطان نور الدین زنگی کو مخاطب کرتے ہوئے بولے...... "سلطان محترم! میں اس واقعے کا آخری منظر بیان کر دوں تاکہ اہل ایمان عبرت حاصل کریں...... اور اس خونی داستان کو ہمیشہ اپنے ذہنوں میں محفوظ رکھیں...... صلیبی لشکر کی وحشت و سفاکی کا یہ عالم تھا کہ یروشلم کی تمام عبادت گاہوں اور گلی کوچوں میں مسلمانوں کی لاشوں کے انبار لگ گئے تھے...... مسجد اقصیٰ جہاں سے میرے آقا حضور اکرم ﷺ نے سفر معراج شروع کیا تھا، اس کے صحن میں اہلِ ایمان کا اتنا خون جمع تھا کہ اس خون میں عیسائی شہسواروں کے گھوڑوں کی لگامیں ڈوب گئی تھیں...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مزار مبارک کے سوا بیت المقدس میں ایسا کوئی گوشہ موجود نہیں تھا جو مسلمانوں کے خون سے تر نہ ہو...... اس قتل و غارت کے بعد مسجد عمرؓ کو جی بھر کے لوٹا گیا۔ اس کا سارا قیمتی آرائشی سامان چھ بڑی بڑی گاڑیوں میں بھر کر لے جایا گیا۔" یہ کہہ کر قاضی ابن عرسون نے جوسلن ثانی کی طرف اشارہ کیا...... "یہ شخص جو آج آپ کے سامنے زنجیریں پہنے کھڑا ہے اور اسلام کی شان میں قصیدے پڑھ کر اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہا ہے...... اسی خون آشام گاڈ فرے کا پُر جوش ہمنوا اور معتقد خاص ہے۔" یہ کہہ کر قاضی ابن عرسون اپنی نشست پر بیٹھ گئے۔

سلطان نور الدین زنگیؒ نے صلیبیوں کے مظالم کی لرزہ خیز تاریخ سن کر جوسلن ثانی کی قسمت کا فیصلہ کر دیا...... تھوڑی ہی دیر بعد ایک دراز قامت جلاد اپنے ہاتھ میں لوہے کی ایک تپتی ہوئی سرخ سلاخ لے کر داخل ہوا...... کئی سپاہیوں نے مضبوطی سے جوسلن ثانی کے دونوں بازو پکڑے...... اور پھر جلاد نے اس کی آنکھوں میں سرخ سلاخ پھیر دی۔ چند لمحوں تک جوسلن ثانی کی دردناک چیخوں سے پورا دربار گونجتا رہا...... پھر بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑا...... اس کے بعد اسے حلب کے قید خانے میں ڈال دیا گیا جہاں وہ دیواروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر اپنی بدنصیبی کا ماتم کرتا رہتا تھا۔

اس وقت حاضرینِ دربار میں دس سالہ یوسف (صلاح الدین ایوبی) بھی شامل تھا۔ اس نے اپنے استاد قاضی ابن عرسون کی زبانی صلیبی جنگوں اور عیسائیوں کے مظالم کی تاریخ پوری توجہ کے ساتھ سنی تھی۔

☆

یوسف (صلاح الدین ایوب) بڑی پابندی کے ساتھ قاضی ابن عرسون کے درس میں شریک ہوتا تھا۔ نتیجتاً اس کا شوقِ مطالعہ بڑھتا ہی جا رہا تھا...... باپ نجم الدین ایوب اور چچا اسد الدین شیر کوہ اسے بار بار ٹوکتے تھے۔

"تم اوّل و آخر ایک مجاہد خاندان کے فرزند ہو...... پھر یہ کیسی عجیب بات ہے کہ تمہیں شمشیر و سناں اور شہسواری سے کوئی رغبت نہیں...... آخر تمہیں ان کتابوں میں کیا نظر آتا ہے؟"

یوسف (صلاح الدین) بڑے ادب کے ساتھ جواب دیتا...... ''کتابیں میری دوست ہیں، میدانِ جنگ سے مجھے وحشت ہوتی ہے......اور کتب خانے کے ایک گوشے میں سکون ملتا ہے۔''

بیٹے کا جواب سن کر باپ کو شدید مایوسی ہوئی......اور نجم الدین ایوب نے انتہائی تلخ لہجے میں یوسف (صلاح الدین) کو مخاطب کرتے ہوئے کہا...... ''اس کا مطلب ہے کہ تم فطرتاً ایک بزدل بچے ہو۔''

''نہیں بابا محترم!'' یوسف (صلاح الدین) کا لہجہ انتہائی مؤدبانہ تھا......مگر اس سے استقامت اور خود اعتمادی جھلک رہی تھی...... ''مجھے موت سے ڈر نہیں لگتا......مگر میں انسانی خون بہتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔''

یوسف (صلاح الدین) کی یہ امن پسندانہ روش دیکھ کر نجم الدین ایوب اور اسد الدین شیر کوہ کی توجہ اس کی طرف سے کم ہو گئی پھر وہ دونوں یوسف کے بڑے بھائی توران شاہ کو فوجی تربیت دینے لگے......نجم الدین ایوب اور اسد الدین شیر کوہ کا خیال تھا کہ یوسف کی شکل میں ان کا ایک بازو کمزور ہو گیا ہے۔

وقت اپنی مقررہ رفتار سے گزرتا رہا...... یہاں تک کہ یوسف (صلاح الدین) سولہ سال کا ہو گیا......اس کے خدوخال دلکش تھے مگر جسم میں سپاہیانہ جھلک نظر نہیں آتی تھی...... مذہبی تعلیم کے ساتھ یوسف (صلاح الدین) کو شعروشاعری سے بھی بہت زیادہ دلچسپی تھی......اس لیے اس کا طرزِ گفتگو نرم و شیریں اور بڑی حد تک شاعرانہ تھا۔ وہ مناظروں کی مجلسوں میں بڑے ذوق و شوق کے ساتھ شریک ہوتا......اور علماء کی منطقی بحث سن کر لطف حاصل کرتا...... پھر ایک دن عجیب واقعہ پیش آیا جس نے یوسف (صلاح الدین) کی تمام عادتوں کو یکسر بدل دیا۔

ایک دن یوسف اپنے استادِ گرامی قاضی ابن عرسون کی خدمت میں حاضر تھا کہ سلطان نور الدین زنگیؒ قاضی صاحب سے ملنے ان کی درس گاہ تشریف لائے، یوسف (صلاح الدین) کی ظاہری شخصیت نے سلطان موصوف کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ شام کے حکمراں کے ذہن میں بار بار ایک ہی خیال ابھرتا تھا کہ یہ کوئی غیر معمولی جوان ہے...... پھر جب سلطان کو یہ معلوم ہوا کہ دلکش شخصیت کا مالک یہ نوجوان اس کے سپہ سالار نجم الدین ایوب کا بیٹا ہے تو اس کا تاثر گہرا ہو گیا......

پھر جب سلطان نور الدین زنگیؒ قاضی ابن عرسون سے اُمورِ مملکت پر طویل گفتگو کر کے رخصت ہونے لگے تو انہوں نے یوسف (صلاح الدین) کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''تم پابندی کے ساتھ ہمارے دربار میں حاضری دیا کرو۔''

نجم الدین ایوب کے گھر میں یہ خبر بڑی مسرت کے ساتھ سنی گئی کہ اس کے چھوٹے بیٹے یوسف (صلاح الدین) کو سلطان نور الدین زنگیؒ نے اپنے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔

''قدرت یہ موقع کسی کسی خوش نصیب کو دیتی ہے کہ خود حاکم وقت اُسے طلب کرے......ورنہ سے لوگ تو اسی حسرت میں مرجاتے ہیں کہ وہ حکمراں کے دروازے تک ہی پہنچ جائیں۔''

نجم الدین ایوب نے سولہ سالہ یوسف (صلاح الدین) کو نصیحت کرتے ہوئے کہا...... ''قسمت نے تمہیں ایک سنہری موقع فراہم کر دیا۔ اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم اس سے کس قدر فائدہ اُٹھاتے ہو؟''

یوسف نے حیرت سے باپ کی طرف دیکھا...... ''فائدہ اٹھانے سے آپ کی کیا مراد ہے بابا محترم؟''

''یہی کہ حاکم کے مزاج کو پہچانو......اور ہر وقت اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوششوں میں لگے رہو......تاکہ ایک دن بڑے منصب پر پہنچو......اور بڑے جاگیردار بن جاؤ۔''

''بابا محترم! مجھے یہ درباداری کی رسمیں اور مصاحبت کے یہ انداز پسند نہیں۔'' یوسف (صلاح الدین) نے انتہائی باوقار لہجے میں جواب دیا۔ ''میں علماء کی مجلسوں اور کتب خانوں کے پُرسکون ماحول کا دلدادہ ہوں۔''

بیٹے کا جواب سن کر نجم الدین حیرت زدہ رہ گیا...... ''تو پھر کیا تم سلطان کے دربار میں حاضری نہیں دو گے؟''

''میں دربار میں حاضری دوں گا......مگر اس لالچ میں نہیں کہ مجھے بڑے بڑے عہدہ و منصب اور جاگیریں حاصل ہو جائیں۔'' یوسف (صلاح الدین) کے لہجے سے عالمانہ شان جھلک رہی تھی کہ آخر وہ قاضی ابن عرسون جیسے عالم کا ممتاز ترین شاگرد تھا۔ ''میں صرف اس لیے دربار میں جاؤں گا کہ سلطان عماد الدین زنگیؒ مرحوم کے ہمارے گھرانے پر بڑے احسانات ہیں۔'' یہ کہہ کر یوسف (صلاح الدین) چلا گیا۔

بیٹے کے اس جواب نے نجم الدین ایوب کو مزید حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔

''آپ کیا سوچ رہے ہیں؟'' زبیدہ نے شوہر کو خیالات میں گم پا کر پوچھا۔

''تم نے اپنے بیٹے کا جواب سنا؟'' نجم الدین ایوب کے لہجے سے ہلکی سی تلخی جھلک رہی تھی۔

''میں تو بہت خوش ہوئی، اس لیے کہ مجھے اپنے بیٹے سے اسی جواب کی امید تھی۔'' زبیدہ کے لہجے سے انتہائی مسرت کا اظہار ہو رہا تھا۔ ''آپ نے یوسف کی شدتِ احساس دیکھی......اور اس کے جذبۂ غیرت کا اندازہ کیا؟ اگرچہ وہ اُس وقت بہت کم سن تھا......لیکن اُسے ابھی تک سلطان مرحوم کے احسانات یاد ہیں۔''

''میں اس بات سے کب انکار کر رہا ہوں۔'' نجم الدین ایوب کا لہجہ نہایت خشک تھا۔ ''ایک باپ کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا بیٹا اونچے سے اونچا مقام حاصل کرے......لیکن یوسف کے جواب نے مجھے بہت مایوس کیا ہے۔''

''آخر اس نے ایسی کون سی بات کہہ دی ہے جسے سن کر آپ اپنے دل میں گرانی محسوس کر رہے ہیں۔'' زبیدہ کے لہجے سے صاف جھلک رہا تھا کہ وہ اپنے بیٹے یوسف (صلاح الدین) کی طرفداری کر رہی ہے۔

''میں اپنے اس بیٹے میں نوجوانوں جیسا جوش نہیں دیکھتا۔'' نجم الدین ایوب کا لہجہ بدستور تلخ تھا...... ''اس کے اندر ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کی تڑپ نظر نہیں آتی، وہ سولہ سال کی عمر میں بوڑھوں

جیسا نظر آتا ہے...... ہر وقت کھویا کھویا...... اور دنیا سے بیزار...... کتابوں نے اُسے کہیں کا نہیں رکھا۔"
یہ کہہ کر نجم الدین ایوب چلا گیا...... اور زبیدہ اپنے بیٹے کی سربلندی کے لیے دعائیں کرنے لگی۔

☆

جب پہلے دن یوسف (صلاح الدین) سلطان نورالدین زنگیؒ کے دربار میں داخل ہوا تو اُسے سلطان کے حکم پر امرأ کی سب سے اگلی قطار میں بٹھایا گیا۔ سلطان کے سارے امرأ تجربہ کار بھی تھے اور کسی حد تک سن رسیدہ بھی...... ان میں سے کوئی امیر بھی چالیس سال سے کم نہیں تھا۔ اس لیے ان تمام سرداروں نے ایک سولہ سالہ نوجوان کو اپنی صف میں بیٹھا دیکھ کر شدید حیرت کا اظہار کیا۔ ان امیروں میں ایک شخص ابنِ مرقوم بھی تھا جو فطرتاً حاسد اور کینہ پرور تھا۔ اس نے یوسف (صلاح الدین) کو انتہائی ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا...... اور دل ہی دل میں سلطان نورالدین زنگیؒ کی اس کرم نوازی پر پیچ و تاب کھانے لگا...... مگر یوسف (صلاح الدین) درباری امرأ کے جذبات اور قیاس آرائیوں سے بے نیاز خاموشی سے اپنی نشست پر بیٹھا رہا۔

پھر یوں ہوا کہ گزرتے دنوں کے ساتھ سلطان نورالدین زنگیؒ یوسف (صلاح الدین) کے قریب ہوتا چلا گیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر دوسرے امرأ تو خاموش رہے...... مگر امیر ابنِ مرقوم سے برداشت نہ ہو سکا...... اور ایک دن وہ تنہائی میں سلطان سے عرض کرنے لگا۔

"آخر آپ اس نوعمر لڑکے میں ایسی کون سی صلاحیت پاتے ہیں کہ جس کے باعث دوسرے امرأ کو نظر انداز کیا جا رہا ہے؟"

سلطان نورالدین زنگیؒ نے بڑی حیرت سے امیر ابنِ مرقوم کی طرف دیکھا...... "ہم نے کسی امیر کی حق تلفی کی؟" سلطان کی آواز معمول سے زیادہ تیز تھی۔

"سلطان سے زیادہ رعایا کے حقوق ادا کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟" امیر ابنِ مرقوم نے انتہائی خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"ہم نے اپنے کسی امیر کو اس کے منصب سے ہٹایا؟" اب کی بار سلطان نورالدین زنگیؒ کی آواز میں تیزی کے ساتھ تلخی بھی شامل تھی۔

امیر ابنِ مرقوم حاسد و کینہ پرور ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی شاطر و عیار انسان بھی تھا۔ اس نے فوراً ہی سلطان کے بگڑے ہوئے تیوروں کا اندازہ کر لیا اس لیے لہجہ بدل کے بولا۔ "سلطانِ محترم سے زیادہ اپنے امرأ پر بارشِ کرم کرنے والا اور کون ہو گا؟"

"پھر وہ کون لوگ ہیں جو ہماری بے توجہی کی شکایت کر رہے ہیں؟" سلطان نورالدین زنگیؒ کے لہجے سے ناگواری کا رنگ جھلک رہا تھا۔ "وہ لوگ سامنے کیوں نہیں آتے؟ کیا اُنہوں نے تمہیں اپنا سفیر بنا کر بھیجا ہے؟" سلطان کی آواز مزید تلخ ہو گئی تھی۔

امیر ابنِ مرقوم گھبرا گیا...... مگر اُس کے عیار ذہن نے فوراً ہی نئی کروٹ لی اور بگڑی ہوئی بات کو سنوارنے کی کوشش کی...... "وہ سلطان کے رعب و جلال سے ڈرتے ہیں۔ اس لیے سامنے

بات کرنے کی ہمت نہیں پاتے...... رہا غلام تو وہ دل و جان سے سلطانِ ذیشان کے ہر فیصلے کو قبول کرتا ہے۔"

بظاہر بات ختم ہو گئی تھی...... مگر ابنِ مرقوم کے دل میں یوسف (صلاح الدین) کی طرف سے گرہ پڑ گئی تھی...... وہ اس خاموش طبع نوجوان کو اپنے لیے خطرہ سمجھ رہا تھا۔

☆

پھر ایک دن سلطان نورالدین زنگیؒ نے تنہائی میں یوسف (صلاح الدین) سے پوچھا...... "کیا تم چوگان کھیلنا جانتے ہو؟"

"سلطانِ محترم...... مجھے شہسواری کا فن آتا ہے...... مگر اس کھیل سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں"...... یوسف نے ادب و احترام کے ساتھ عرض کیا۔

"میں چوگان کا دلدادہ ہوں"...... سلطان نورالدین زنگیؒ نے پُرجوش لہجے میں کہا...... "یہ مردانہ کھیل بھی ہے...... اور مجاہدین کے لیے ایک قسم کی عبادت بھی...... اس لیے تم بھی چوگان کھیلا کرو۔"

سلطان نورالدین زنگیؒ کو عشق کی حد تک چوگان کے کھیل سے دلچسپی تھی...... ان کی اسی دلچسپی کو دیکھ کر ایک دن کسی بزرگ نے انہیں بھرے دربار میں ٹوکتے ہوئے کہا تھا۔

"کسی مسلمان حاکم کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ایک فضول کام میں اپنا قیمتی وقت برباد کرے۔"

سلطان نورالدین زنگیؒ نے بڑے صبر و تحمل کے ساتھ بزرگ کے اس سوال کو سنا اور پھر نہایت نرم و شیریں لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا...... "اللہ شاہد ہے کہ میں اس کھیل کو دل لگی کے واسطے نہیں کھیلتا...... چوگان میرے لیے ایک ورزش ہے...... کیونکہ ایک مجاہد ہمیشہ جنگ میں مصروف نہیں رہتا...... جب میں یہ کھیل کھیلتا ہوں تو میرا گھوڑا کسی دشمن پر اچانک حملے کے لیے تیار رہتا ہے۔"

بزرگ نے بڑی حیرت کے ساتھ سلطان نورالدین زنگیؒ کا جواب سنا...... اور بڑے والہانہ انداز میں بولے...... "اللہ سلطان کی عمر دراز کرے شاید ہی کسی حاکم نے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے یہ کھیل کھیلا ہو۔"

یہی وجہ تھی کہ سلطان نورالدین زنگیؒ نے یوسف (صلاح الدین) کو چوگان کھیلنے کا مشورہ دیا تھا۔ قدرتی طور پر یوسف بہترین شہسوار تھا نتیجتاً اس نے چند ماہ کی محنت کے بعد چوگان جیسے مشکل کھیل میں بھی مہارت حاصل کر لی...... پھر ایک دن سلطان نے اپنے تمام امیروں کو میدان میں جمع کر کے حکم دیا۔

"تم لوگ اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کرو...... اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ بس یوں سمجھ لو کہ آج تمہارے فن سپاہ گری کا امتحان ہے"...... سلطان نورالدین زنگیؒ نے ایک خاص حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے اپنے امرأ کے دلوں کو جوش اور ولولہ سے بھر دیا تھا۔

یوسف (صلاح الدین) بھی چوگان کے اس مقابلے میں شریک تھا۔ اپنے امیروں کو حکم دینے کے بعد سلطان نورالدین زنگیؒ اس نوعمر کھلاڑی سے بھی مخاطب ہوا۔ "یوسف آج تمہاری بھی آزمائش ہے۔"

پھر مقابلہ شروع ہوا...... اور تھوڑی ہی دیر میں یہ بات ثابت ہوگئی کہ سلطان نور الدین زنگی کا کوئی سالار یا امیر اس کھیل میں یوسف (صلاح الدین) کی برابری نہیں کر سکتا۔

مقابلہ ختم ہوا اور تمام امراٗ نے بیک زبان یوسف (صلاح الدین) کی تعریف کی...... اور سلطان نور الدینؒ کی پیش بینی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ ''ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ یہ نوجوان آگے چل کر بڑا سپہ سالار ثابت ہوگا۔''

سلطان نور الدین زنگیؒ نے بڑی محبت سے یوسف (صلاح الدین) کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا...... ''میری نظریں جس منظر کو دیکھ رہی ہیں، وہ تمہاری نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔''

یوسف (صلاح الدین) کے لیے سلطان کی زبان سے یہ ستائشی الفاظ سن کر امیر ابنِ مرقوم کے سینے میں حسد کی آگ پوری شدت سے بھڑک اٹھی اور اس کا سرخ چہرہ کچھ دیر کے لیے سیاہ پڑ گیا۔

☆

ان دنوں نجم الدین ایوب شہر سے باہر تھا...... پھر جب وہ واپس آیا اور بیوی نے اسے چوگان کے اس مقابلے کی تفصیلات سنائیں تو وہ فرطِ مسرت سے چیخ اٹھا۔

''مرحبا میرے بیٹے یوسف مرحبا...... تمہیں یہ شاندار کامیابی مبارک ہو۔'' یہ کہہ کر نجم الدین ایوب نے بیٹے کی کشادہ پیشانی کو طویل بوسہ دیا۔ ''اب مجھے یقین آ گیا کہ تم نے میری نصیحت کو دل سے قبول کر لیا ہے۔''

پھر شام کے تمام امیروں اور وزیروں نے یہ منظر بڑی حیرت سے دیکھا کہ سلطان نور الدین زنگیؒ، یوسف (صلاح الدین) کے ساتھ چوگان کھیل رہے ہیں۔ ابتداء میں یوں ہوا کہ یوسف (صلاح الدین) سلطان نور الدین زنگیؒ سے آگے نکل جانا چاہتا تھا...... مگر سلطان کے احترام کے پیشِ نظر وہ ہر بار اپنے گھوڑے کی لگامیں کھینچ لیتا تھا۔ کچھ دیر تک تو سلطان اس کے طرزِ عمل کو سمجھنے سے قاصر رہے ...... مگر پھر انہیں اندازہ ہو گیا کہ یوسف (صلاح الدین) قصداً یہ حرکت کر رہا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی سلطان نور الدین زنگیؒ نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''یوسف...... اس وقت میں تمہارا سلطان نہیں، سخت ترین حریف ہوں...... اپنی پوری صلاحیتوں اور توانائیوں کے ساتھ میرا مقابلہ کرو۔''

سلطان کا حکم سنتے ہی یوسف (صلاح الدین) نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا...... اور والیٔ شام کو مقابلے میں شکست دے دی۔

یہ سلطان نور الدین زنگیؒ کی اعلیٰ ظرفی تھی کہ اپنی شکست پر ناراض ہونے کے بجائے انتہائی مسرت کا اظہار کیا...... اور انعام کے طور پر یوسف (صلاح الدین) کو ایک قیمتی خلعت عطا کی۔

پھر ایک دن یوسف (صلاح الدین) سلطان نور الدین زنگیؒ کے ساتھ چوگان کھیل رہا تھا کہ ایک خوف ناک حادثہ پیش آیا۔ یوسف، سلطان کے گھوڑے کا تعاقب کر رہا تھا...... دونوں گھوڑے اپنی پوری رفتار میں تھے کہ یکایک یوسف (صلاح الدین) کے گھوڑے کو ٹھوکر لگی...... اور وہ اوندھے منہ

زمین پر گر پڑا۔ اس کے ساتھ ہی یوسف بھی دُور تک گھسٹتا چلا گیا۔ میدان کے کنارے کھڑے ہوئے خدمت گار دوڑ پڑے۔ سلطان نور الدین زنگیؒ نے بھی فوراً ہی اپنے گھوڑے کی لگامیں کھینچ لیں...... اور بھاگتے ہوئے یوسف (صلاح الدین) کے پاس پہنچے...... یوسف کا گھوڑا جس انداز سے زمین پر گرا تھا، اُسے دیکھ کر وہاں موجود خدمت گاروں نے یہی اندازہ کیا تھا کہ گھوڑے کے ساتھ سوار کو بھی شدید جسمانی نقصان پہنچے گا...... اور دونوں کی جانیں ضائع ہونے کا بھی اندیشہ تھا...... مگر لوگوں کے سارے اندیشے غلط ثابت ہوئے..........

جب سلطان نور الدین زنگیؒ گھبرائے ہوئے یوسف (صلاح الدین) کے قریب پہنچے تو وہ زمین سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا...... سلطان نے سہارا دیا تو وہ فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں اللہ کے فضل و کرم اور سلطانِ عادل کی دعاؤں سے بالکل ٹھیک ہوں۔''

سلطان نور الدین زنگیؒ بڑی بے چینی کے ساتھ یوسف (صلاح الدین) کے پورے جسم کا جائزہ لے رہے تھے۔ بڑی عجیب بات تھی کہ اتنے بڑے حادثے میں یوسف کے ہاتھوں اور پشت پر معمولی زخم آئے تھے...... مگر اُس کا دلکش چہرہ مکمل طور پر محفوظ تھا۔ سلطان نور الدین زنگیؒ کی غیر معمولی پریشانی دیکھ کر صاف محسوس ہو رہا تھا کہ یوسف یا تو اُن حقیقی چھوٹا بھائی ہے...... یا پھر بیٹا...... سلطان کی یہ توجہ اور اضطراب دیکھ کر یوسف (صلاح الدین) کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''سلطان محترم...... میں آپ کے اس خصوصی التفات کو کبھی فراموش نہ کر سکوں گا۔''

''اور میں اللہ تعالیٰ کی اس عنایت خاص کو کبھی نہ بھلا سکوں گا کہ اُس نے ایک انتہائی خوف ناک حادثے کو سلامتی کے ساتھ ٹال دیا......'' سلطان نور الدین زنگیؒ نے نہایت پُرسوز لہجے میں کہا...... ''تم میرے دست و بازو ہو یوسف''......

پھر یوسف (صلاح الدین) گھوڑے کی طرف متوجہ ہوا...... جس کی ہڈیاں تو سلامت تھیں...... مگر پورا بدن زخموں سے چور تھا...... یوسف جھکا اور آہستہ آہستہ گھوڑے کی پشت پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

''میرے وفادار ساتھی...... میں تجھ سے شرمندہ ہوں کہ تجھے ناحق میری وجہ سے یہ تکلیف پہنچی۔'' ...... یہ کہتے کہتے یوسف کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

سلطان نور الدین زنگیؒ نے بڑی حیرت سے یہ منظر دیکھا...... آج پہلی بار سلطان کو اندازہ ہوا کہ یوسف (صلاح الدین) کس قدر حساس نوجوان ہے۔

بیٹے کی جان بچ جانے کی خوشی میں نجم الدین ایوب اور زبیدہ نے غریبوں میں کھانا اور کپڑے تقسیم کیے۔

اس موقع پر سلطان نور الدین زنگیؒ نے خصوصی دربار آراستہ کیا...... اور یوسف (صلاح الدین) کو اپنے تخت کے برابر کرسی پر بٹھایا......

پھر درباری مؤرخ عماد کاتب نے کھڑے ہو کر انتہائی پُرجوش لہجے میں یوسف (صلاح الدین)

کے لیے یہ دعائیہ اشعار پڑھے۔

''تم کسی عمدہ گھوڑے کے لڑکھڑانے پر حیرت کا اظہار نہ کرو...... جبکہ اس کی پشت پر تم جیسا مردِ حق سوار ہو۔ تمہارے گھوڑے کی نظر سلطان نورالدین زنگیؒ پر پڑی تو وہ سلام کرنے کے لیے جھکا...... اور تمہاری بخشش کا چھوٹا سا حصہ یہ ہے کہ اس گھوڑے کی لغزش کو معاف کر دو...... کیونکہ بڑا بخشش کرنے والا لغزش کرنے والے سے درگزر کیا کرتا ہے...... اور تم حاسدوں کی آنکھ اور ان کی برائی سے بچو...... میری دعا ہے کہ تم پر کسی کی نظرِ بد اثر نہ کرے...... اور تم نورالدین شاہ عالم کے لیے سلامت رہو...... اور ہر قسم کے حادثات میں ان کے معاون و مددگار رہو۔''

سلطان نورالدین زنگیؒ یہ اشعار سن کر بہت خوش ہوئے...... پھر درباری مؤرخ عماد کاتب کو قیمتی خلعت عطا کی گئی...... اور اس کے ساتھ ہی یوسف (صلاح الدین) کو مصاحبِ خاص کا درجہ حاصل ہو گیا...... سلطان کے اس اعلان سے اکثر درباری یوسف (صلاح الدین) کی قسمت پر رشک کرنے لگے...... مگر امیر ابن مرقوم کی حسد کی آگ کچھ اور شدت سے بھڑکنے لگی۔

......☆......

جوسلن ثانی جسے نورالدین زنگیؒ نے اندھا کرا کے حلب کے قید خانے میں ڈال دیا تھا، وہ دن رات زنداں کی دیواروں سے سر ٹکراتا اور گریہ وزاری کرتا رہتا تھا۔

''اے خداوندِ خدا...... تو نے صلیب کے بندوں کو کیسا تنہا چھوڑ دیا ہے؟''

جوسلن ثانی کی یہ فریاد کچھ دیر تک حلب کے قید خانے میں گونجتی رہتی...... اور پھر دم توڑ دیتی...... بظاہر یہ فتنہ گر ہمیشہ کے لیے ناکارہ ہو چکا تھا...... مگر عیسائی دنیا نے سلطان نورالدین زنگیؒ کے ہاتھوں ایڈیسہ کی عبرت ناک شکست کو فراموش نہیں کیا تھا پھر اچانک صلیبیوں میں ایک اور فتنہ گر نمودار ہوا جو اسلام دشمن میں گاڈفرے، جوسلن ثانی اور بالڈون سے بھی کہیں آگے تھا۔

بالڈون کا مختصر تعارف یہ ہے کہ وہ شاہِ یروشلم گاڈفرے کا چھوٹا بھائی تھا...... گاڈفرے کی شدید خواہش تھی کہ وہ مسلمانوں کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹا دے...... اور پورے مشرق کو اپنے گھوڑوں کے سُموں سے روند ڈالے...... مگر اس کا یہ ارمان پورا نہ ہو سکا...... اور **18** / جولائی **1100**ء کو فرشتۂ اجل نے اس کی سانسیں غصب کر لیں۔ مرنے سے ایک دن پہلے گاڈفرے نے اپنے چھوٹے بھائی بالڈون کو تنہائی میں طلب کرتے ہوئے کہا۔

میرے عزیز بھائی...... ایسا لگتا ہے کہ میری سانسوں کا شمار پورا ہو چکا ہے...... گاڈفرے کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

''برادرِ محترم...... طبیبوں کو اُمید ہے کہ آپ جلد صحت یاب ہو جائیں گے''...... بالڈون نے بڑے بھائی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''مجھ سے جھوٹ مت بولو بالڈون''...... شاہ یروشلم گاڈفرے کی آواز نقاہت سے کانپ رہی تھی...... ''اب زیادہ وقت نہیں ہے...... اس لیے پورے ہوش و حواس کے ساتھ میری بات سنو''......

بالڈون ہمہ تن گوش ہو گیا۔

''میں ساری دنیا پر مسیحیت کا پرچم لہرانا چاہتا تھا...... مگر افسوس وقت نے مجھے مہلت نہیں دی۔'' گاڈفرے کمزوری کے باعث رک رک کر بول رہا تھا...... ''مجھے یقین ہے کہ میرے مرنے کے بعد یروشلم کے عیسائی تمہیں اپنا بادشاہ منتخب کر لیں گے...... پھر جب تم تخت نشیں ہو جاؤ تو میرے نامکمل خواب کی تعبیر تلاش کرنا۔''

''آپ کا خواب کیا ہے برادرِ محترم؟'' بالڈون نے اُداس لہجے میں پوچھا۔

''ہمیں کبھی مذہب کے ماننے والے سے کوئی دشمنی نہیں ہے......'' گاڈفرے کی آواز آہستہ آہستہ مدھم ہوتی جا رہی تھی...... ''بس مسلمان ہی ہمارے پہلے اور آخری دشمن ہیں...... اس لیے کہ وہ یسوع مسیح کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے...... تم پر فرض ہے کہ تم مسلمانوں سے اپنے پیغمبر کی توہین کا ایسا بدلہ لو کہ اُسے رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے۔''

بالڈون نے بڑے بھائی کے کانپتے ہوئے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر وعدہ کیا کہ وہ مسلمانوں کے قصرِ اقتدار کو ڈھا کر ہی دم لے گا۔

''اور آخری نصیحت......'' گاڈفرے کی آواز ڈوبنے لگی تھی...... ''اپنے دشمن کو...... کبھی معاف نہ کرنا...... ایک حکمراں کے لیے...... اس سے بڑی حماقت...... کوئی اور نہیں ہو سکتی کہ وہ...... اپنے دشمن کو اماں...... بخش دے''...... گاڈفرے نے مسلمانوں کے خلاف اپنے دل میں بھرا ہوا زہر کا آخری قطرہ بھی اُگل دیا...... اور دنیا سے رخصت ہو گیا۔

گاڈفرے کی موت کے بعد یروشلم کے عیسائیوں نے اس کے چھوٹے بھائی بالڈون کو اپنا بادشاہ منتخب کر لیا۔ سات دن تک یروشلم کی فضائیں گاڈفرے کے غم میں سوگوار رہیں...... پھر بالڈون نے چالیس دن تک اپنا جشنِ تاج پوشی اتنی دھوم دھام سے منایا کہ دیکھنے والے حیرت زدہ رہ گئے۔ شاہی محل میں شراب کی نہریں جاری تھیں...... اور حسین رقاصائیں عیسائی امرا کا دل بہلا رہی تھیں۔

پھر جب یہ جشنِ مسرت ختم ہوا تو اسے اپنے بھائی گاڈفرے کی وصیت یاد آئی...... پھر وہ صلیبیوں کے ایک لشکرِ جرار کے ساتھ توسیعِ سلطنت کا جنون لے کر یروشلم کی حدود سے باہر نکالا۔

پھر چند سالوں کے اندر بالڈون نے حیفہ، بسیان، ارسوف، قیساریہ، صور، عکّہ، طرابلس اور بیروت فتح کر لیا...... ان فتوحات کے دوران میں صلیبی لشکر نے مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے، آسمان کی آنکھ شاید ہی کبھی ایسے لرزہ خیز اور دردناک مناظر دیکھ سکے۔ عفت مآب مسلمان خواتین کی سرِعام آبرو ریزی تو عیسائیوں کے لیے ایک دلچسپ تفریح تھی...... مگر سب سے لذت انگیز تماشا یہ تھا کہ وہ دودھ پیتے بچوں کو ماؤں کی گود سے چھین لیتے تھے...... پھر ان معصوموں کو ہوا میں اچھال کر اپنی تلواروں پر روکنے کی کوشش کرتے تھے نتیجتاً صلیبیوں کی شمشیریں ان شیر خوار بچوں کے جسموں میں اتر جاتی تھیں...... اور وہ تڑپنے لگتے تھے...... بالڈون کے وحشی سپاہی کچھ دیر تک یہ خوں رنگ تماشا دیکھتے رہتے تھے...... پھر بچوں کے ٹکڑے کر کے ان کی ماؤں کے سامنے ڈال دیتے تھے...... اور اس قدر

قہقہے لگاتے تھے کہ بہت دیر تک گرد و نواح کی فضا اس شور سے گونجتی رہتی تھی۔

صلیبیوں کے اس بہیمانہ فعل پر فرانسیسی مؤرخ مچاڈ لکھتا ہے...... ''عیسائیوں کی آنکھوں پر تعصب نے دبیز پٹی باندھ رکھی تھی اُنہوں نے صلیب کے جھنڈے تلے ایسے ہولناک جرائم کئے کہ انسانی فطرت ان کے تصور سے بھی لرز اٹھتی ہے۔''

بالڈون اپنے بڑے بھائی گاڈ فرے کی وصیت پر پورا پورا عمل کر رہا تھا...... پھر جب وہ ایک فاتح کی حیثیت سے طرابلس میں داخل ہوا تو حسبِ روایت کسی مسلمان کو زندہ نہیں چھوڑا۔ جب اہل ایمان کے خون سے طرابلس کے گلی کوچے بھر گئے تو بالڈون مسلمانوں کے عظیم کتب خانے کی طرف متوجہ ہوا جس میں تین لاکھ کے قریب نادر و نایاب کتابیں تھیں اس کتب خانے کی وسعت و عظمت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ 100 سے زیادہ کاتب دن رات نقل میں مصروف رہتے تھے۔

جب بالڈون طرابلس کے کتب خانے کی طرف بڑھا تو اپنے وقت کا متعصب ترین پادری گارزن بھی اس کے ہمراہ تھا...... پادری کے ہاتھ میں ایک جلتی ہوئی مشعل تھی......اور وہ دنیا کی نہایت قیمتی اور نایاب کتابوں کو آگ لگانے جا رہا تھا۔

جب کتب خانے کے منتظم ارسلان کو صلیبیوں کے اس خوف ناک ارادے کی خبر ہوئی تو وہ عمارت کے صدر دروازے پر آ گئے...... ان کے پیچھے پچاس کے قریب کاتب بھی تھے۔ قاضی ارسلان نے اس عظیم علمی سرمائے کو بچانے کے لیے پادری گارزن کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے...... اور کسی فقیر کی طرح گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

''ہمیں پتا ہے کہ ہماری گردنیں تمہاری تیغ خوں آشام سے محفوظ نہیں رہیں گی۔ ہم تم سے اپنی جانوں کی سلامتی کا سوال نہیں کرتے کہ ایک دن ہمیں جانا ہی ہے...... مگر اس کتب خانے کے لیے تمہارے رحم کی بھیک مانگتے ہیں۔ یہ وہ سرمایہ ہے جو آنے والی نسلوں کے لیے صدیوں تک کام آئے گا......اور وہ نسلیں تمہاری بھی ہو سکتی ہیں...... علم تو تمام انسانیت کی میراث ہے۔''

قاضی ارسلان نے علم دوستی کا حق ادا کر دیا تھا اُنہیں اپنی جان سے زیادہ اُن یادگار تصانیف کی فکر تھی...... جو اہلِ دانش کی صدیوں کی تحقیق و جستجو اور ذہنی کاوشوں کا نتیجہ تھیں...... مگر جنونی پادری گارزن نے قاضی ارسلان کی تمام التجاؤں کو نہایت حقارت سے ٹھکرا دیا اور غضب ناک لہجے میں بولا۔

''ہم نے یسوع مسیح سے وعدہ کیا ہے کہ ہم اس زمین پر مسلمانوں کی کسی یادگار کو قائم نہیں رہنے دیں گے۔''

پھر پادری گارزن کے اشارے پر قاضی ارسلان اور پچاس مسلمان کاتبوں کے سر قلم کر دیئے گئے......اس کے بعد گارزن نے آگے بڑھ کر کتب خانے کو آگ لگا دی۔ پادری کی تقلید میں دوسرے عیسائی سپاہیوں نے بھی اپنی مشعلیں روشن کر لیں......اور عقل و دانش کے عظیم ذخیرہ پر حملہ کر دیا۔

تین لاکھ کتابوں کے جلنے میں کئی گھنٹے لگ گئے...... پورا علاقہ دھوئیں سے بھرا ہوا تھا...... اور فضاؤں میں صلیبیوں کے وحشیانہ قہقہے گونج رہے تھے۔

قتل و غارت کا طویل کھیل کھیل کر بالڈون بھی دنیا سے رخصت ہو گیا...... پھر اُس کی جگہ بالڈون ثانی تخت نشیں ہوا...... بالڈون ثانی نے بھی گاڈ فرے کی طرح مسلمانوں کے قتل عام کو عبادت کا درجہ دے دیا تھا...... یہ وہ بے غیرت عیسائی حکمران تھا کہ ایک بار رملہ کے قیام کے دوران مسلمانوں نے پورے شہر کو گھیر لیا تھا......اس صورت حال میں بالڈون ثانی کے باہر نکلنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تھی...... یہاں تک کہ وہ اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا پھر اس موت کی وادی میں ایک مسلمان ہی اس کے کام آیا...... یہ وہ مسلمان سپاہی تھا جس پر بالڈون نے کبھی کوئی احسان کیا تھا آخر اس مسلمان نے احسان کا بدلہ اتارنے کے لیے بالڈون ثانی کو ایک خفیہ راستے سے شہر سے باہر نکال دیا...... پھر جب بالڈون ثانی اپنی محفوظ پناہ گاہ تک پہنچ گیا تو اس نے ایک بھاری لشکر کے ساتھ رملہ پر حملہ کر دیا......جس کے نتیجے میں بے شمار مسلمان تہ تیغ ہوئے۔

صلیبیوں کی طاقت روز بہ روز بڑھتی جا رہی تھی...... یہاں تک عیسائیوں کی چار مضبوط ریاستیں قائم ہو گئی تھیں...... ابھی یہ سیلابِ بلا کچھ اور مسلم علاقوں کو لپیٹ میں لینے والا تھا کہ عماد الدین زنگیؒ مرحوم نے ایڈیسہ میں جوسلن ثانی کو شکست دے کر صلیبی سلطان کا ایک مضبوط ستون ڈھا دیا...... بعد میں سلطان نور الدین زنگیؒ نے جوسلن ثانی کو اندھا کر کے ہمیشہ کے لیے اس فتنہ گر کی سازشوں کا خاتمہ کر دیا تھا۔

ابھی دنیا بھر کے عیسائی ایڈیسہ کی شکست کا ماتم کر ہی رہے تھے کہ صلیبیوں میں ایک اور فتنہ گر پیدا ہوا جو مذہبی عصبیت میں دوسرے عیسائیوں سے زیادہ سفاک تھا...... یہ ایک پُر اسرار راہب سینٹ برنارڈ تھا جو برگنڈی کے ایک امیر کا بیٹا تھا...... یکایک برنارڈ عیش و عشرت کی زندگی چھوڑ کر تارک الدنیا ہو گیا......اور ایک غار میں بیٹھ کر پندرہ سال تک عبادت کرتا رہا۔

ایڈیسہ کی شکست نے صلیبیوں کو اس قدر بدحواس کر دیا تھا کہ انہیں یروشلم کے ساتھ باقی عیسائی سلطنتیں بھی خطرات میں گھری نظر آ رہی تھیں......اس صورتِ حال کے پیشِ نظر عیسائی راہبوں نے گرجاؤں میں بڑی پُر جوش تقریریں کیں...... ان کی قومی غیرت کو للکارا اور مسلمانوں کے خلاف مذہبی جذبات بھڑکانے کی سخت ترین کوششیں کیں...... مگر ان کی ہر تدبیر رائیگاں گئی...... عیسائی اکثریت پادریوں کے حلقہ اثر سے نکل چکی تھی......اور اس کی ایک ہی وجہ تھی کہ زیادہ تر عیسائی راہب بھی عام لوگوں کی طرح بدکارانہ زندگی بسر کرتے تھے...... نتیجتاً صلیبیوں کے دلوں سے اپنے مذہبی پیشواؤں کا احترام ختم ہو چکا تھا۔

آخر عیسائی دانشمندوں کو ایک تدبیر سوجھی......اور وہ اس غار میں پہنچے جہاں سینٹ برنارڈ اپنی عبادت میں مصروف تھا......

''آپ کون لوگ ہیں؟'' تین اجنبیوں کو اپنے سامنے پا کر سینٹ برنارڈ حیران ہو رہا تھا۔

''اے عظیم راہب...... ہم صلیب کے بندے ہیں......اور آپ کو عیسائی قوم کی حالت زار سنانے آئے ہیں۔'' ایک عیسائی دانش مند نے ریاکاری کے ساتھ اپنے لہجے کو پُرسوز بناتے ہوئے کہا۔

عیسائیت کے نام پر سینٹ برنارڈ چونک اٹھا اور اس کے چہرے سے پریشانی کا رنگ جھلکنے لگا......

"صاحبو! میں تو ایک طویل عرصے سے اس نیم تاریک غار میں پڑا ہوں ...... مجھے باہر کی دنیا کی کوئی خبر نہیں...... آپ بتائیں کہ میری قوم پر کیا گزر رہی ہے؟"

سینٹ برنارڈ کی بات سن کر دوسرے عیسائی دانشمند نے بھی انتہائی عیاری کا مظاہرہ کیا اور رقت آمیز لہجے میں ایڈیسہ کے عیسائیوں کی ذلت آمیز شکست کا حال سنانے لگا۔

یہ الم ناک واقعہ سن کر سینٹ برنارڈ کا سرخ و سفید چہرہ اذیت و کرب کے غبار سے ہلکا سیاہی مائل نظر آنے لگا تھا...... "میں ایک ناتواں راہب اپنے قوم کے کس کام آ سکتا ہوں؟" سینٹ برنارڈ ایک جذباتی انسان تھا۔ صلیبیوں کی ہلاکت و بربادی کی خبر سن کر اس کی آنکھوں سے نمی جھلکنے لگی تھی۔

"اب آپ ہی صلیب مقدس کو مسلمانوں کی یلغار سے محفوظ رکھ سکتے ہیں"۔ تیسرے عیسائی دانشمند نے پرُسوز لہجے میں کہا۔

"وہ کس طرح؟" سینٹ برنارڈ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"عیسائیوں کے دلوں پر مسلمانوں کی ایسی ہیبت چھائی ہے کہ وہ کسی طرح بھی ایڈیسہ کی شکست کا بدلہ لینے پر آمادہ نہیں ہوتے۔" پہلے عیسائی دانشمند نے سینٹ برنارڈ کو الفاظ کے جال میں پھنسانے کی کوشش کی۔

"میں اپنے ہم قوموں کا یہ خوف کیسے دور کر سکتا ہوں!" سینٹ برنارڈ کی حیرت میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

"اب آپ کے وعظ و تقریریں ہی صلیبیوں کے سرد دلوں میں انتقام کی آگ بھڑکا سکتے ہیں۔" دوسرے دانشمند نے اپنی چال چلتے ہوئے کہا۔

"عیسائی دنیا میں مجھ سے بڑے بڑے عیسائی راہب موجود ہیں ...... پھر میری کون سنے گا؟" سینٹ برنارڈ نے چند لمحوں کے سکوت کے بعد کہا۔

"عیسائیوں کے تمام مقدس پیشوا اپنا اعتبار کھو چکے ہیں اس لیے ان کی کوئی نہیں سنتا۔" تیسرے دانشمند نے دلیل پیش کرتے ہوئے کہا۔

سینٹ برنارڈ کچھ دیر تک گہری سوچ میں ڈوبا رہا...... پھر عیسائی دانشمندوں سے مخاطب ہو کر بولا!
......"میں برسوں سے گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہا ہوں ...... چند لوگوں کے سوا مجھے کوئی جانتا تک نہیں ...... پھر میری تقریریں صلیبیوں کو کیا متاثر کریں گی؟"

"یہ کام آپ ہم پر چھوڑ دیں۔" پہلے عیسائی دانشمند نے انتہائی پرُجوش لہجے میں کہا۔ "عنقریب پوری عیسائی دنیا آپ کے روحانی مقام کو پہچان لے گی ...... بس ایک التجا ہے کہ آپ خاموشی کے ساتھ ہماری ہدایات پر عمل کرتے رہیں۔"

عیسائی دانشمندوں نے کچھ ایسی دلفریب چالیں چلی تھیں کہ سینٹ برنارڈ کے دل میں نمود و نمائش کے جذبے نے دوبارہ کروٹ لی ...... اور وہ غار کے ایک نیم تاریک گوشے میں بیٹھ کر عیسائی دنیا کی

روحانی قیادت کے خواب دیکھنے لگا۔

......}☆{......

پھر وہ تینوں عیسائی دانشمند غار سے نکل کر فرانس کے چند امیر لوگوں سے ملے اور انہیں اپنے منصوبے کی تفصیلات بتائیں۔ صلیب کے تحفظ کی خاطر فرانسیسی امراء نے عیسائی دانشمندوں کو اپنی مکمل حمایت کا یقین دلا دیا۔

پھر چند روز بعد ہی فرانس کے مشہور شہر ویزلی کے گلی کوچوں میں یہ خبریں بڑی تیزی سے گردش کرنے لگیں کہ سینٹ برنارڈ ایک خدا رسیدہ بزرگ ہیں ...... اور ان پر یسوع مسیح کی رحمتیں براہِ راست نازل ہوتی ہیں، جاہل اور کمزور عقیدے کے عیسائی بہت جلد ان خبروں سے متاثر ہو گئے ...... اور غار سے باہر لوگوں کا ہجوم رہنے لگا۔ اس ہجوم میں غربت و افلاس زدہ عیسائی بھی شامل تھے ...... اور بیمار و ناکارہ بھی ......

عیسائی دانشمندوں کو ویزلی کے امراء کی درپردہ حمایت حاصل تھی ...... اس لیے بڑے منظم طریقے سے منصوبہ سازی کی گئی تھی۔

سینٹ برنارڈ جس غار میں پندرہ سال سے مقیم تھا، وہ ایک ویران علاقے میں واقع تھا۔ عیسائی دانشمندوں نے ویزلی کے امراء کے تعاون سے سات طاقتور محافظ غار کے دروازے پر کھڑے کر دیئے تھے اور اُن کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ سینٹ برنارڈ کے خدمت گار ہیں ...... جن کی اجازت کے بغیر کوئی شخص غار کے اندر نہیں جا سکتا تھا ...... پھر جب رات کا اندھیرا پھیل جاتا تھا تو عیسائی دانشمند اپنی مرضی کے چند آدمی غار میں داخل کر دیتے تھے ...... دوسرے دن جب سورج کے اجالے میں ضرورت مندوں کی بھیڑ جمع ہو جاتی تھی تو اچانک ایک شخص چیختا ہوا غار سے برآمد ہوتا تھا۔

"سینٹ برنارڈ نے مجھے آنکھیں بخش دیں ...... میں پیدائشی اندھا تھا۔"

دوسرا شخص یہ نعرہ لگاتا ہوا نکلتا تھا ...... "سینٹ برنارڈ نے مجھے طاقت رفتار عطا کر دی ...... میں برسوں سے اپاہج تھا۔"

غرض مختصر سے وقت میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ سینٹ برنارڈ ایک باکرامت ولی ہیں ...... اُن کی روحانی طاقت سے اندھوں کی آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں ...... بہرے سننے لگتے ہیں ...... اور لولے لنگڑے دوڑنے لگتے ہیں ...... عیسائی دانشمندوں کا منصوبہ زبردست کامیابی سے ہمکنار ہو چکا تھا ...... اور فرانس کے لوگوں نے سینٹ برنارڈ کی روحانی عظمت کو دل سے تسلیم کر لیا تھا۔

پھر سینٹ برنارڈ کی شہرت اس قدر عام ہوئی کہ ایک دن شہنشاہ فرانس لوئیس ہفتم بھی اُس کے دیدار کو حاضر ہوا ...... عیسائی دانشمند اسی موقع کے انتظار میں تھے ...... اُنہوں نے ایڈیسہ کی شکست کے حوالے سے ایک مذہبی اجتماع کا خصوصی انتظام کیا جس میں ہزاروں صلیبیوں کے علاوہ ویزلی کے تمام امراء اور خود شہنشاہ فرانس لوئیس ہفتم بھی شریک ہوئے۔ جب طویل و عریض میدان شرکاء سے بھر گیا تو وہ تینوں دانشمند سینٹ برنارڈ کو لے کر مسند تک پہنچے۔

اس وقت سینٹ برنارڈ سیاہ عبا پہنے ہوئے تھا...... اور اس کے ہاتھ میں صلیب تھی۔ ویزلی کے امراء اور شہنشاہِ فرانس سینٹ برنارڈ کے احترام میں کھڑے ہو گئے...... سینٹ برنارڈ نے بڑے باوقار انداز میں اپنا دایاں ہاتھ فضا میں بلند کیا اس کا رخ ویزلی کے امراء اور شہنشاہِ فرانس لوئیس ہفتم کی طرف تھا پھر اس کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی...... سینٹ برنارڈ نے گرج دار آواز میں کہا...... ''اہل صلیب پر خداوند خدا کی سلامتی ہو''...... پھر سینٹ برنارڈ مجمع عام کی طرف بڑھا اور ہزاروں صلیبیوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

''یسوع مسیح نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان عیسائیوں کو خبردار کر دوں جو خواب غفلت کا شکار ہیں ...... اور اپنے ریشمی بستروں پر پڑے گہری نیند سو رہے ہیں۔'' یہ کہہ کر سینٹ برنارڈ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا۔

طویل و عریض میدان پر قبرستان جیسا سناٹا چھایا ہوا تھا۔

پھر سینٹ برنارڈ نے اس سکوت کو توڑتے ہوئے کہا...... ''اس وقت سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ ارضِ مشرق کے عیسائیوں کی مدد دل و جان سے کی جائے...... اگر صلیب کے نام لیوا اس وقت اپنے گھروں سے نہ نکلے تو وہ عنقریب یروشلم کو بھی گنوا بیٹھیں گے...... پھر کیا باقی بچے گا...... صرف مقدس باپ کا قہر...... اور مقدس بیٹے کی نفرت...... تمہارے لیے کہیں کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی ...... نہ اس دنیا میں...... اور نہ اُس دنیا میں۔''

سینٹ برنارڈ کی جذباتی تقریر نے عیسائیوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا...... وہ چیخیں مار کر رونے لگے۔

ابھی سینٹ برنارڈ کی تقریر مکمل نہیں ہوئی تھی کہ شہنشاہِ فرانس نے اُس کے ہاتھ سے صلیب لے لی اور پوری طاقت سے چیختے ہوئے کہا۔

''میں صلیب کی قسم کھاتا ہوں کہ عمادالدین زنگیؒ کے دونوں بیٹوں (سیف الدین اور نور الدین) سے ایڈیسہ کی شکست کا شدید انتقام لوں گا۔''

......}☆{......

اُدھر دوسری صلیبی جنگ کی تیاری پورے زور و شور کے ساتھ ہو رہی تھی...... اور اِدھر سلطان نور الدین زنگیؒ کے دربار میں ایک ایسا تکلیف دہ واقعہ پیش آیا کہ جس نے پورے شہر کو ہلا کر رکھ دیا۔

ایک دن سلطان کا دربار آراستہ تھا کہ سولہ سترہ سال کی ایک حسین و جمیل لڑکی دو محافظ سپاہیوں کے ساتھ زار و قطار روتی ہوئی داخل ہوئی...... اور تخت کے قریب پہنچ کر فریاد کرنے لگی۔

''سلطانِ عادل...... مجھے انصاف چاہیے۔''

لڑکی کے آنسوؤں اور دردناک لہجے نے سلطان نور الدین زنگیؒ کو مضطرب کر دیا...... ''اے قوم کی بیٹی...... تیرے ساتھ کیا ظلم ہوا ہے؟ بیان کر۔''

''سلطانِ عادل! میں ظالم کا نام لیتے ہوئے ڈرتی ہوں''...... اچانک لڑکی کے چہرے پر خوف کے سائے لرزنے لگے تھے۔ ''میرا مجرم آپ کے دربار کا ایک بااثر شخص ہے...... مجھے اندیشہ ہے کہ

کہیں یہ قربت و رسائی آپ کے انصاف میں خلل نہ ڈال دے؟''

لڑکی کی بے باکانہ گفتگو سن کر دربار میں بیٹھے ہوئے امراء بھی پریشان نظر آنے لگے تھے کیونکہ آج تک کسی سوالی نے اس طرح سلطان کو مخاطب نہیں کیا تھا...... درباریوں کا خیال تھا کہ سلطان برہم ہو جائیں گے...... لیکن سلطان نور الدین زنگیؒ نے بے مثال ضبط و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے لڑکی سے کہا۔

''میرے سردار امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے...... ''تمہارا کمزور شخص میرے نزدیک قوی ہے جب تک میں اسے اس کا حق نہ دلا دوں...... اور تمہارا قوی آدمی میرے نزدیک کمزور ہے جب تک اس کے ذمے جو حق ہے وہ اس سے نہ لے لوں''...... میں بھی امیر المومنین کے اسی قولِ مبارک پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتا ہوں اگر اللہ نے مجھے توفیق بخشی تو میں تمہیں تمہارا حق دلا کر رہوں گا...... چاہے وہ دعویٰ میرے کسی قریب ترین عزیز کے خلاف ہی کیوں نہ ہو؟''

جب لڑکی کو پوری طرح اطمینان ہو گیا تو وہ درباری امراء کی قطار کی طرف بڑھی...... تھوڑی دیر کے لیے ہر امیر کو اپنے دل کی دھڑکنیں رُکتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ لڑکی چند قدم آگے بڑھ کر سلطان کے سپہ سالار نجم الدین ایوب کے سامنے ٹھہر گئی۔ پورے دربار پر سناٹا چھا گیا...... اور نجم الدین ایوب کی حالت غیر ہونے لگی...... اُسے سکتہ ہو گیا تھا۔

''سالار نجم الدین ایوب کے بیٹے یوسف نے میرے ساتھ ایسی شرمناک زیادتی کی ہے کہ جسے بیان کرنے کا مجھ میں حوصلہ نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر لڑکی نے اپنا منہ چھپا لیا...... اور سسک سسک کر رونے لگی۔

لڑکی کے اس انکشاف نے اہلِ دربار پر سکتہ طاری کر دیا تھا۔ اور نجم الدین ایوب کو تو یوں محسوس ہوا جیسے ارضِ شام شدید زلزلے کی لپیٹ میں ہے۔ شہر کی تمام عمارتیں اور گھر اس زلزلے سے محفوظ ہیں۔ لیکن اس کا اپنا وجود ہزاروں من مٹی کے نیچے دفن ہو چکا ہے۔ یہی حال اسد الدین شیر کوہ کا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے چند لمحوں کے لئے گہری تاریکی چھا گئی تھی۔ دونوں بھائی دہشت زدہ انداز میں اس حسین و جمیل لڑکی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جو یوسف (صلاح الدین) کی بے راہ روی پر سلطان نور الدین محمود زنگیؒ سے سر دربار انصاف مانگنے آئی تھی۔

نجم الدین ایوب نے پہلے سلطان کی طرف اور پھر امرائے دربار کی جانب دیکھا۔ جانباز سپہ سالار کو یوں محسوس ہوا کہ ہر آنکھ میں اس کے لئے لعنت و ملامت کا گہرا رنگ جھلک رہا ہے۔ ابھی نجم الدین ایوب ذہنی اور قلبی اذیت میں مبتلا تھا کہ سلطان نور الدین زنگیؒ کی پُرجلال آواز دربار میں گونجی۔

''نجم الدین! تم نے سن لی اس غمزدہ لڑکی کی فریاد؟''

نجم الدین ایوب اپنی نشست پر کھڑا ہوا۔ ''ایک ایک حرف سن لیا، سلطانِ عادل۔'' شدتِ غم سے نجم الدین ایوب کی آواز لرز رہی تھی۔

''یوسف کہاں ہے؟'' سلطان نور الدین زنگیؒ کے لہجے سے غیظ و جلال جھلک رہا تھا۔

"وہ کل رات سے شدید بخار میں مبتلا ہے۔ اس لئے دربار میں حاضر نہ ہو سکا"۔ اگرچہ نجم الدین ایوب ایک جانباز سالار تھا۔ اور میدان جنگ میں ہمیشہ سربکف رہتا تھا۔ لیکن بیٹے کے اس ممکنہ جرم نے فولاد کے اعصاب رکھنے والے اس سپاہی کے جسم و زبان میں ارتعاش پیدا کر دیا تھا۔

"تم خود ہی اس تک ہمارا حکم پہنچاؤ کہ کل وہ بہر صورت دربار میں حاضر ہو"۔ سلطان نورالدین زنگیؒ کے غیظ و جلال میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ "اس سلسلے میں کوئی عذر قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ چاہے اس کی جان پر ہی کیوں نہ بنی ہو۔" یہ کہتے ہوئے سلطان نورالدین زنگیؒ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اس کے ساتھ ہی تمام حاضرین دربار بھی کھڑے ہو گئے۔

وہ غمزدہ لڑکی جس کا نام شاریہ تھا، تیز قدموں سے سلطان نورالدین زنگیؒ کے قریب پہنچی اور گریہ وزاری کرنے لگی۔ "سلطانِ عادل! میں بھرے دربار میں اپنی روداد غم بیان نہیں کر سکوں گی"۔

"لڑکی! ہمیں بھی اس بات سے شرم آتی ہے کہ دختر قوم نامحرموں کے سامنے اپنی داستان الم بیان کرے"۔ شاریہ سے خطاب کرتے وقت سلطان نورالدین زنگیؒ کے لہجے سے اداسی جھلکنے لگی تھی۔ "ہم تمہیں خلوت فراہم کریں گے کہ تم اپنے دل کی بات کہہ سکو اور عدالت کے تقاضے پورے ہو سکیں"۔

اس کے ساتھ ہی دربار برخاست ہو گیا۔

وہ رات نجم الدین ایوب کے گھرانے پر بہت بھاری تھی۔ زبیدہ کا روتے روتے برا حال ہو گیا تھا۔ نجم الدین ایوب اور اسدالدین شیرکوہ بخار میں مبتلا یوسف پر برس رہے تھے۔ "ہم نے اپنی عزت و آبرو اور جاہ و حشمت کی جس عمارت کو برسوں کی انتھک محنت کے بعد تعمیر کیا تھا تو نے اسے ایک لمحے میں ڈھا دیا۔"

بخار کی شدت سے یوسف (صلاح الدین) کا چہرہ تپ رہا تھا۔ پھر بھی اس نے قوتِ ارادی کو بروئے کار لا کر سنبھلنے کی کوشش کی۔ اور ادب کے اسی روایتی لہجے میں باپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"بابا محترم۔ میں بے قصور ہوں۔ میں نے ہر قدم پر اس بات کا خیال رکھا ہے کہ میری کسی لغزش سے باپ دادا کی عزت و توقیر میں کوئی کمی نہ آنے پائے۔"

"پھر اس لڑکی نے اپنی شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر تجھ پر یہ الزام تراشی کیوں کی؟" نجم الدین ایوب کے لہجے سے شدید غصہ جھلک رہا تھا۔

"میں نہیں جانتا کہ اس عورت کو مجھ سے یہ شکایت کیوں پیدا ہوئی؟" یوسف (صلاح الدین) نے نہایت معصومانہ لہجے میں کہا۔

"اگر تجھ پر یہ جرم ثابت ہو گیا تو پھر ہمارے عہدہ و منصب کا کیا ہوگا؟ ہمیں بھی ذلت و ندامت کے ساتھ معزول کیا جا سکتا ہے۔" اسدالدین شیرکوہ کا لہجہ سخت غضب ناک تھا۔ اگرچہ وہ اپنے اس بھتیجے سے بے پناہ محبت کرتا تھا لیکن اس سنگین صورتحال میں وہ بھی ہراساں نظر آ رہا تھا۔

یوسف (صلاح الدین) نے اپنی فطرت کے مطابق انتہائی ضبط و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"عم محترم! ایک شخص کے گناہ کا بوجھ دوسرے کے کاندھے پر ہرگز نہیں ہوگا"۔ یوسف نے قرآن کریم

کی ایک آیت مقدسہ کا حوالہ پیش کیا۔ "اگر میرا گناہ ہے تو اس کا بوجھ بھی میں خود ہی اٹھاؤں گا"۔

نجم الدین اور اسدالدین شیرکوہ عجیب اذیت و کشمکش میں مبتلا تھے۔ جب وہ یوسف (صلاح الدین) کی استقامت دیکھتے تو انہیں یقین سا ہونے لگتا کہ ان کا بیٹا بے گناہ ہے۔ مگر جب انہیں اس غمزدہ لڑکی کی گریہ وزاری اور بے قراری یاد آتی تو یوسف (صلاح الدین) گناہ گار نظر آنے لگتا۔ بڑے سنگین و اذیت ناک لمحات تھے جن سے شامی افواج کا سپہ سالار اور اس کے اہل خانہ بری طرح متاثر تھے۔

دوسری طرف سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے اپنے محل کے ایک مخصوص کمرے میں قاضی ابنِ عرسون اور اس لڑکی شاریہ کو طلب کر لیا تھا جو یوسف (صلاح الدین) کے خلاف مدعی تھی۔

"لڑکی! اس وقت تم دربار شام میں نہیں، ایک ایسے خفیہ کمرے میں ہو جہاں میرے اور قاضی صاحب کے سوا کوئی تیسرا فرد موجود نہیں۔" سلطان نورالدین زنگیؒ نے نہایت نرم لہجے میں شاریہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اب تم بے جھجک ہو کر اپنی روداد غم پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر سکتی ہو۔"

شاریہ نے انتہائی رقت آمیز لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "سلطانِ عادل! مجھے یوسف (صلاح الدین) کی شہسواری بہت پسند تھی۔ میں نے اسے کئی بار آپ کے ساتھ چوگان کھیلتے دیکھا۔ پھر رفتہ رفتہ میری پسندیدگی بڑھتی چلی گئی۔" یہ کہتے کہتے شاریہ کے چہرے پر شرم و حیا کا ہلکا سا رنگ ابھر آیا۔ اور اس نے سر جھکا لیا۔ "آخر میں ایک دن یوسف کی محبت میں گرفتار ہو گئی۔ اور اس کے سامنے اپنی محبت کا اظہار بھی کر دیا۔ یوسف نے بھی بھرپور انداز میں میری محبت کی پذیرائی کی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ایک لائق شہسوار کی طرح قابل اعتبار نوجوان بھی ہوگا۔" یہ کہہ کر شاریہ نے سر اٹھایا اور سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی طرف ہاتھ کے اشارے سے کہا۔ "اور اس اعتبار کی وجہ آپ تھے سلطانِ عادل"...... "ہم"...... والیٔ شام نے چونک کر کہا۔ "وہ کس طرح؟ اس بات کی وضاحت کرو لڑکی۔"

"اس لئے کہ یوسف (صلاح الدین) آپ کا مصاحب خاص ہے۔" شاریہ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ مگر اس کے لہجے سے بہت زیادہ اعتماد جھلک رہا تھا۔ شاریہ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اور سلطانِ عادل ایک بے اعتبار شخص کو اپنا مصاحب خاص نہیں بنا سکتے۔"

شاریہ کے لہجے میں اس قدر بے ساختگی تھی کہ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ بھی اس کی بات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ "لڑکی! اس حسنِ ظن کے لئے ہم تیرے شکر گزار ہیں۔"

قاضی ابنِ عرسون بار بار اپنی کرسی پر پہلو بدل رہے تھے۔ وہ اس واقعے کا انجام جاننے کے لئے مضطرب تھے۔ کیونکہ معاملہ ان کے شاگرد خاص یوسف (صلاح الدین) کا تھا۔

"مگر یہ حوالہ بھی غیر معتبر ٹھہرا۔" یکایک شاریہ کے بہتے ہوئے آنسوؤں میں تیزی آ گئی تھی۔ "یوسف نے مجھے دھوکا دیا۔ کچھ دن شادی کرنے کے فریب میں مبتلا رکھا۔ اور پھر ایک روز ٹھکرا دیا۔ اپنے تمام وعدوں سے منحرف ہو گیا وہ۔"

"ہوسکتا ہے کہ تمہارے اور یوسف کے خیالات میں ہم آہنگی نہ ہو"۔ قاضی ابنِ عرسون نے شاریہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اس صورت میں عورت و مرد کا الگ ہو جانا ہی مناسب ہے۔ تا کہ شادی کے بعد ازدواجی زندگی ایک عذاب نہ بن جائے۔"

شاریہ زاروقطار رونے لگی...... "مجھے یوسف کی بے وفائی کا گلہ نہیں۔ مگر اس نے میرے ساتھ جو ناروا سلوک کیا اس کا ازالہ کون کرے گا؟ اس نے میری شدید محبت اور سادگی سے یہاں تک فائدہ اٹھایا کہ مجھے گناہ گار بنا ڈالا۔ اور میرے چہرے پر کبھی نہ مٹنے والی سیاہی مل دی۔"

سلطان نورالدین زنگیؒ نے اس انکشاف پر کسی خاص ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ کیونکہ وہ پہلے ہی لڑکی کی روداد غم حاضرین دربار کے سامنے سن چکے تھے۔ مگر قاضی ابنِ عرسون کے لئے یہ بات ناقابلِ یقین تھی۔ اس لئے وہ جوشِ اضطراب میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور شاریہ کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔

"یوسف ایسا نہیں کرسکتا۔ میں اسے خوب جانتا ہوں۔ وہ ایک صاحبِ کردار نوجوان ہے۔ انتہائی پاکباز اور سنجیدہ۔ میں اس سے کسی ایسے شرمناک فعل کی توقع نہیں رکھتا۔"

قاضی ابنِ عرسون کا بیان سن کر سلطان نورالدین زنگیؒ نے مداخلت کی۔ "قاضی صاحب! آپ کا طرزِ عمل انصاف کے تقاضوں کی نفی کر رہا ہے۔ آپ اس وقت اپنے جذبات کی گرفت میں ہیں۔ اس لئے کہ یوسف (صلاح الدین) آپ کا شاگرد ہے۔"

"سلطانِ عادل میں اپنے اس اضطراری عمل پر نادم ہوں۔ بے شک! میں یوسف کے معاملے میں بہت زیادہ جذباتی ہو گیا تھا۔" یہ کہہ کر قاضی ابنِ عرسون دوبارہ اپنی نشست پر بیٹھ گئے۔ پھر شاریہ سے مخاطب ہو کر بولے۔ "لڑکی کیا تمہارے والدین اس المناک واقعے سے باخبر ہیں؟"

"بدقسمتی سے میرے ماں باپ اس دنیا میں موجود نہیں ہیں۔" شاریہ نے انتہائی رقت آمیز لہجے میں کہا۔ "میرا کوئی ولی وارث نہیں۔ بہت دور کے ایک عزیز کے پاس رہتی ہوں۔"

"کیا تم اس سلسلے میں کوئی گواہ پیش کرسکتی ہو؟" قاضی ابنِ عرسون نے شاریہ سے سوال کیا۔

"غریبوں کا کون گواہ ہوتا ہے؟" شاریہ نے روتے ہوئے کہا۔ "بس اللہ ہی میری محبت کا گواہ ہے۔"

"اطمینان رکھو لڑکی۔ تمہارے ساتھ پورا انصاف ہوگا۔" اس واقعے کی مکمل تفصیلات سننے کے بعد سلطان نورالدین زنگیؒ نے انتہائی پُرجلال لہجے میں کہا۔ "عدالت کے فیصلے میں کوئی رشتہ اور کوئی منصب خلل انداز نہیں ہوسکتا۔ چاہے مجرم نورالدین کا مصاحبِ خاص ہو۔ یا قاضی ابنِ عرسون کا شاگردِ خاص ہو۔"

"سلطانِ عادل! مجھے امان دی جائے۔" یکایک شاریہ کے چہرے پر گہرے خوف کے سائے لرزنے لگے۔ "میں ایک بے سہارا لڑکی ہوں۔ اور وہ بہت طاقتور لوگ ہیں۔ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔"

سلطان نورالدین زنگیؒ نے اسی وقت فرمان جاری کر دیا کہ جب تک شاریہ کے مقدمے کا فیصلہ

نہیں ہو جاتا، وہ اس وقت تک محل کی کنیزوں میں شامل رہے گی۔

......}......☆......{......

وہ رات نجم الدین ایوب اور اس کے اہلِ خانہ ہی پر گراں نہیں تھی بلکہ قاضی ابنِ عرسون بھی شدید اذیت و کرب میں مبتلا تھے۔ انہیں اس بات کا قلق تھا کہ ان کے شاگردِ خاص کے نام سے ایک شرمناک واقعہ منسوب کر دیا گیا تھا۔

"اگر وہ سچ ثابت ہو گیا تو میری ساری تعلیم و تربیت رائیگاں جائے گی"۔ اس خیال کے آتے ہی قاضی ابنِ عرسون گھبرا کر اٹھ بیٹھے۔ اور انہوں نے مالک حقیقی کے سامنے دستِ سوال دراز کر دیا۔

"اے تمام جہانوں کے پالنے والے! میرے یوسف کی دستگیری کر۔ اس کی مشکل کشائی فرما۔ اور مجھ ناچیز کو اہلِ شہر کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچا لے۔"

دوسری طرف یوسف (صلاح الدین) کی کیفیت ناقابلِ بیان تھی۔ الزام تراشی کا کرب۔ بخار کی شدت۔ باپ اور چچا کے طعنے اور ان کے عہدوں سے معزولی کے اندیشے۔ غرض ایک نازک سی شاخ خوفناک آندھیوں کی زد میں تھی۔ اپنی اس بے کسی پر یوسف (صلاح الدین) کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔ اور وہ اپنے مالک حقیقی کو پکارتا رہا۔ یہاں تک کہ فجر کی اذان سنائی دینے لگی۔ سارے عالم میں اللہ کی کبریائی بیان ہو رہی تھی۔ یوسف (صلاح الدین) اسی بخار کی حالت میں اٹھا اور وضو کر کے نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔

......}......☆......{......

سورج طلوع ہوا۔ وہ دن اہلِ شام کے لئے بڑا ہی عجیب دن تھا۔ ایک طرف ایک بے سہارا لڑکی تھی۔ اور دوسری طرف سلطان نورالدین زنگیؒ کا مصاحبِ خاص۔ لوگ عدالت عالیہ کا فیصلہ سننے کے لئے مضطرب تھے۔

سلطان کا دربار امراء اور دیگر سرکاری ملازمین سے بھرا ہوا تھا۔ نجم الدین ایوب اور اسدالدین شیر کوہ اپنی نشستوں پر موجود تھے مگر ان کے چہرے آنے والی رسوائی کے خوف سے دھواں ہو رہے تھے۔ سلطان نورالدین زنگیؒ اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ جلوہ افروز تھے۔ تخت کے بائیں جانب قاضی ابنِ عرسون کی نشست تھی اور تخت سلطانی کے نیچے یوسف (صلاح الدین) دست بستہ کھڑا تھا۔ اگرچہ بخار کی شدت سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا...... لیکن گھبراہٹ اور پریشانی کے آثار دور دور تک نہ تھے۔ حاضرین دربار کو حیرت تھی کہ ایسی ناسازگار فضا میں بھی یوسف غیر معمولی حد تک پُرسکون نظر آ رہا تھا۔ بعض امراء آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔

"یوسف مجرم ہے۔ مگر اس لئے مطمئن ہے کہ باپ اور چچا دربار سلطانی میں رسائی رکھتے ہیں۔ وہ اسے سلطان کے عتاب اور عدالت کی سزا سے بچا لیں گے۔"

ابھی یہ قیاس آرائیاں جاری تھیں کہ عدالت عالیہ کے ایک کارکن نے کھڑے ہو کر بہ آواز بلند یوسف (صلاح الدین) کے خلاف فردِ جرم پڑھ کر سنائی۔ پھر قاضی ابنِ عرسون اپنے شاگرد سے

مخاطب ہوئے۔

"یوسف! تم اس سلسلے میں اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا اختیار رکھتے ہو۔"

"استادِ محترم! جب میں مدعیہ سے واقف ہی نہیں تو پھر مجھ سے یہ گناہ کس طرح سرزد ہوسکتا ہے؟" بخار کی شدت کے سبب یوسف کے جسم میں بھی ہلکی سی لرزش تھی۔ اور زبان میں بھی۔

حاضرینِ دربار کی اکثریت نے یوسف کی یہ کیفیت دیکھ کر اندازہ کرلیا کہ وہ بےقصور نہیں ہے اور اس سے یہ جرم سرزد ہو چکا ہے۔

سلطان نورالدین زنگیؒ نے یوسف (صلاح الدین) کی اس کیفیت کو سرسری انداز میں دیکھا۔ اور پھر تخت کے بائیں جانب کھڑے درباری محافظ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "مدعیہ کو عدالت کے روبرو پیش کیا جائے۔"

تھوڑی ہی دیر میں دو محافظ سپاہی شاریہ کو لئے ہوئے دربار میں داخل ہوئے۔ شاریہ اس وقت ایک سفید چادر میں اس طرح لپٹی ہوئی تھی کہ حاضرین دربار کو صرف اس کی آنکھیں نظر آرہی تھیں۔ شاریہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی تخت کے قریب آئی اور سر جھکا کر کھڑی ہوگئی۔

"لڑکی! تمہارے دعوے اور یوسف کے بیان میں ذرہ برابر بھی مطابقت نہیں"۔ یکایک دربارِ سلطانی میں قاضی ابنِ عرسون کی باوقار آواز گونجی۔ "وہ تمہیں جانتا تک نہیں...... پھر اس سنگین جرم کا مرتکب کس طرح ہوسکتا ہے؟"

قاضی ابنِ عرسون کی آواز سن کر شاریہ نے چادر میں لپٹا ہوا اپنا چہرہ بے نقاب کردیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ مگر نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

یوسف (صلاح الدین) نے بڑی بے نیازی کے ساتھ شاریہ کے دلکش چہرے پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی۔ اور بڑے پُراعتماد لہجے میں سلطان نورالدین زنگیؒ سے مخاطب ہوا۔ "سلطانِ عادل۔ میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ یقیناً میں اس نامحرم لڑکی کو پہلی بار دیکھنے کا گناہ گار ہوں! اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ باقی سب بہتان ہے۔" اگرچہ بخار کی شدت کے باعث یوسف (صلاح الدین) کی آواز میں ہلکا سا ارتعاش تھا۔ لیکن چہرے سے معصومیت ظاہر ہورہی تھی۔

دربار پر سناٹا طاری تھا۔ یوسف (صلاح الدین) کے بیان نے ان امراء کو بھی حیرت زدہ کردیا تھا جو کچھ دیر پہلے سرگوشیوں میں نجم الدین ایوب کے بیٹے کے جرم پر قیاس آرائیاں کررہے تھے۔

"پھر اس مقدمے کا فیصلہ کس طرح ہوگا جبکہ مدعیہ اصرار کررہی ہے۔ اور مدعا علیہ مسلسل انکار۔"

قاضی ابنِ عرسون نے سلطان نورالدین زنگیؒ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

ابھی سلطانِ عادل، قاضی صاحب کے سوال کا جواب دینے بھی نہیں پائے تھے کہ یوسف (صلاح الدین) درمیان میں بول اٹھا۔ "سلطانِ عادل! ہم اہلِ ایمان ہیں جب اہلِ دنیا کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پاتے تو ہمیں اپنے اللہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اگر یہ نامحرم خاتون ذاتِ وحدہٗ لاشریک کو درمیان میں لے آئے اور خالق کائنات کی قسم کھالے تو میں اس گناہ کو بھی تسلیم کرلوں گا جو مجھ سے

سرزد نہیں ہوا ہے۔" یوسف (صلاح الدین) کے لہجے میں اس قدر سوز تھا کہ حاضرین دربار کی اکثریت نے بھی اس خلش کو اپنے دلوں میں محسوس کیا۔

شاریہ نے بدحواس ہوکر یوسف (صلاح الدین) کی طرف دیکھا۔

"محترم خاتون! تمہیں اپنے اللہ سے ڈر نہیں لگتا۔" یوسف (صلاح الدین) کے لہجے میں بڑا درد تھا۔

یوسف کے طرزِ گفتگو نے شاریہ کے جسم پر لرزہ طاری کردیا۔ اور پھر وہ گریہ وزاری کے انداز میں چیخ چیخ کر کہنے لگی۔ "سلطانِ عادل! یوسف بےقصور ہے۔ اور گناہ گار میں ہوں کہ اس پاکباز نوجوان پر تہمت لگائی۔"

شاریہ کے اعتراف نے چند لمحوں میں مقدمے کی نوعیت ہی بدل ڈالی تھی۔ نجم الدین ایوب اور اسد الدین شیرکوہ کے ہونٹوں کی مسکراہٹیں واپس لوٹ آئی تھیں۔ اور انکے چہروں سے طویل اذیت وکرب کا غبار ڈھل گیا تھا۔ باقی امراء بھی مطمئن نظر آنے لگے تھے۔ بس ایک امیر ابنِ مرقوم تھا جس کے چہرے پر گہری سیاہی پھیل گئی تھی۔

"نادان لڑکی! تجھے بہتان طرازی کی سزا معلوم ہے؟" سلطان نورالدین زنگیؒ کی پُرجلال آواز سے پورا دربار گونج اٹھا تھا۔

"جانتی ہوں سلطان عادل! مگر میں یوسف پر تہمت لگانے کے لئے مجبور تھی۔" شاریہ کے لہجے میں دنیا بھر کی غمزدہ عورتوں کا درد سمٹ آیا تھا۔ "اور مجبوری ہی ہم کنیزوں کا مقدر ہوتی ہے۔"

"کس نے تجھے مجبور کیا؟ تیرے نفس نے۔ یا کسی اور نے؟" یکایک سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے لہجے سے شدید غیظ وغضب کا اظہار ہونے لگا تھا۔

شاریہ نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اور درباری امراء کی اگلی صف کی طرف دیکھا۔ اور امیر ابنِ مرقوم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں اس عالی مرتبت امیر کی کنیز ہوں۔ مجھ سے کہا گیا تھا کہ اگر میں نے یوسف کا دامن داغدار نہیں کیا تو قتل کردی جاؤں گی۔"

ایک بار پھر دربارِ شام میں زلزلہ سا آگیا تھا۔ تمام امراء ابنِ مرقوم کو ملامت زدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"سلطانِ عادل! یہ لڑکی پیدائشی جھوٹی ہے۔" جوشِ وحشت میں امیر ابنِ مرقوم اپنی نشست پر کھڑا ہوگیا تھا اور درباری آداب کے خلاف چیخ چیخ کر بول رہا تھا۔ "اور اس کے جھوٹا ہونے کی دلیل یہ ہے کہ میں بھی اسے نہیں پہچانتا۔"

سلطان نورالدین زنگیؒ نے امیر ابنِ مرقوم سے کوئی حجت کئے بغیر دربار کے محافظ سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ "ابنِ مرقوم کو گرفتار کرکے زنداں میں ڈال دو...... کون سچا ہے اور کون جھوٹا اس کا فیصلہ ہم کل کریں گے۔"

حکمِ سلطانی سنتے ہی دربار کے محافظ سپاہی آگے بڑھے اور ابنِ مرقوم کو کھینچتے ہوئے باہر لے گئے۔

حقیقی مجرم بے نقاب ہو چکے تھے۔

"یوسف۔ ہمارے قریب آؤ۔" ابنِ مرقوم کے جاتے ہی سلطان نورالدین محمود زنگیؒ یوسف (صلاح الدین) سے مخاطب ہوئے۔

بخار کی شدت اور بڑھ گئی تھی۔ یوسف لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھا۔ اور اس نے سلطان عادل کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ "میں بہت شرمندہ ہوں کہ میری وجہ سے آپ کو شدید اذیت پہنچی۔" یہ کہتے کہتے یوسف (صلاح الدین) رو پڑا۔

سلطان نورالدین زنگیؒ نے کھڑے ہو کر یوسف کو گلے لگایا اور بہ آواز بلند کہا۔ "ہمیں خوشی ہے کہ تم نے ہمارے اعتبار کو برقرار رکھا۔" ابھی سلطان کی بات مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ یوسف لڑکھڑا کر تخت پر گر پڑا۔ اس وقت سلطان نورالدین زنگیؒ کو احساس ہوا کہ یوسف کا جسم بخار سے جل رہا تھا۔

......}......☆......{......

سلطان نورالدین زنگیؒ کے ماہر جاسوسوں نے چند گھنٹوں میں امیر ابنِ مرقوم اور شاریہ کے متعلق ساری معلومات حاصل کر لی تھیں۔ شاریہ ایک ترکی نژاد لڑکی تھی جس کے ماں باپ مر چکے تھے اور وہ ایک جنگ میں امیر ابنِ مرقوم کے ہاتھ لگ گئی تھی۔ دونوں کا تعلق ثابت ہو چکا تھا۔ پھر سلطان نورالدین زنگیؒ نے شاریہ کو اپنے مخصوص کمرے میں طلب کر کے مزید پوچھ گچھ کی۔ شاریہ نے رو رو کر بتایا کہ امیر ابنِ مرقوم اس پر بے پناہ تشدد کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اپنی جان بچانے کی خاطر وہ یوسف (صلاح الدین) پر تہمت طرازی پر مجبور ہوگئی۔ پھر سلطانی حرم سرا کی کنیز خاص نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ شاریہ کی پشت پر کوڑوں کے بے شمار نشانات ہیں۔

سلطان نورالدین زنگیؒ نے قاضی ابنِ عرسون سے مشورہ کیا کہ بہتان طرازی کے جرم میں شاریہ کی کیا سزا ہونی چاہیے؟

قاضی ابنِ عرسون نے قرآن حکیم کی ایک آیت مقدسہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا....... "باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص بھوک سے مر رہا ہے تو وہ حالت اضطرار میں مردار بھی کھا سکتا ہے۔ اسی طرح اس کنیز کو بھی اپنی ہلاکت کا اندیشہ تھا۔ اسی باعث وہ جھوٹ بولنے پر مجبور ہوگئی۔"

پھر دوسرے دن سلطان نورالدین زنگیؒ کے حکم پر شام کے طویل و عریض میدان میں ہزاروں انسان جمع ہوئے۔ یہ حکم اس لئے جاری کیا گیا تھا کہ اہل ایمان اپنی آنکھوں سے ایک بہتان طراز کو دی جانے والی سزا کا منظر دیکھ سکیں۔

پھر امیر ابنِ مرقوم کو اس طرح میدان میں لایا گیا کہ بھاری زنجیروں کے بوجھ سے اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ بار ندامت سے سر جھکا ہوا تھا۔ اور ذلت و رسوائی کے احساس سے سرخ و سفید چہرہ مسخ ہو گیا تھا۔

پھر شرعی حکم کے مطابق امیر ابنِ مرقوم کے 80 کوڑے لگائے گئے۔ یہاں تک کہ وہ لہولہان ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اس عبرتناک منظر کو دیکھ کر شام کے باشندوں کو یقین آ گیا کہ کوئی مجرم سلطانِ عادل کی

دسترس سے دور نہیں، خواہ وہ کوئی بااثر امیر ہی کیوں نہ ہو۔

جب امیر ابنِ مرقوم زخموں کی سوزش سے کراہ رہا تھا تو سلطان نورالدین زنگیؒ اس کے قریب پہنچے اور انتہائی غضب ناک لہجے میں کہنے لگے۔ "یہ شریعت کی سزا تھی جو مکمل ہوگئی۔ مگر ابھی تیری دوسری سزا باقی ہے۔"

پھر جب امیر ابنِ مرقوم کے زخم بھر گئے تو اسے ایک گدھے پر سوار کر کے پورے شہر میں گھمایا گیا۔ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے ہرکارے ساتھ ساتھ تھے۔ جب یہ عبرتناک منظر دیکھنے کے لئے لوگوں کی بھیڑ جمع ہو جاتی تو سلطانی نقیب اہلِ شہر کو مخاطب کرتے ہوئے بہ آواز بلند کہتے۔

"یہ اس شخص کی سزا ہے جس نے اپنے فرضِ منصبی سے کوتاہی برتی۔ اور سلطان عادل کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی۔"

اس کے بعد سلطان نورالدین زنگیؒ نے امیر ابنِ مرقوم کی ساری جاگیریں ضبط کر لیں۔ اور اسے امارت کے عہدے سے معزول کر دیا۔ اب وہ شام کا ایک غریب اور لعنت زدہ شخص تھا۔

سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے امیر ابنِ مرقوم کی ضبط شدہ جاگیریں یوسف (صلاح الدین) کو دینی چاہیں۔ مگر اس نے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان جاگیروں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

"میں ہمیشہ سلطانِ عادل کا ممنون کرم رہوں گا کہ آپ ہی کے التفاتِ خاص کے باعث مجھے پہچانا گیا۔ اور یہ عزت و توقیر حاصل ہوئی۔" یوسف (صلاح الدین) کے لہجے سے احترام بھی جھلک رہا تھا۔ اور وقار بھی۔ "اگر سلطان عادل مجھے مجبور کریں گے تو میں ظاہری طور پر اس انعام کو قبول کر لوں گا۔ لیکن زندگی بھر میرا دل ایک عجیب اضطراب و خلش کا شکار رہے گا۔"

سلطان نورالدین زنگیؒ نے کسی قدر حیرت سے یوسف (صلاح الدین) کی طرف دیکھا۔ اور انتہائی نرم لہجے میں کہا۔ "اپنی بات کی وضاحت کرو یوسف۔"

"سلطانِ عادل! مجھے یہ احساس چین سے بیٹھنے نہیں دے گا کہ جیسے میں غاصب ہوں۔" یوسف (صلاح الدین) نے مؤدب لہجے میں اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے امیر ابنِ مرقوم کی جاگیروں پر قبضہ کر لیا ہے۔"

"تم غاصب تو اس وقت کہلاتے جب اس میں تمہاری ذاتی کوششوں کو دخل ہوتا۔" یوسف کا جواب سن کر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم ابھر آیا تھا۔

"اگر غاصب نہیں تو پھر خود کو ایک سود خور سمجھوں گا۔" یوسف (صلاح الدین) نے نئے انداز سے اپنے انکار کی توجیح پیش کرتے ہوئے کہا۔ "ان جاگیروں کے حصول میں میری کسی ذاتی کوشش یا کارکردگی کو دخل نہیں ہے۔ میرے لئے یہی اعزاز کافی ہے کہ سلطانِ عادل نے مجھے ہم کلامی کا شرف بخشا۔"

یوسف (صلاح الدین) کا جواب سن کر سلطان نورالدین زنگیؒ کے چہرے پر گہری مسرت کا رنگ

اُبھر آیا۔ پھر حاضرین دربار سے مخاطب ہو کر بولے۔ ''یوسف کے خدوخال بہت غور سے دیکھ لو۔ اہل وفا کے چہرے ایسے ہوتے ہیں''۔

سلطان نورالدین زنگیؒ کے ان الفاظ سے یوسف اور اس کے خاندان کا مرتبہ کچھ اور بلند ہو گیا۔ مگر اس کے ساتھ ہی کچھ دوسرے امراء کے دل میں بھی حسد کے جذبات کروٹیں لینے لگے۔ بعض جہاں دیدہ اور قیافہ شناس امیروں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ سلطان کا مصاحب خاص ہونا اس نوجوان کی حقیقی منزل نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مقام کچھ اور ہی ہے۔

''ترکی نژاد کنیز شاریہ کو بھی یوسف (صلاح الدین) نے دل کی گہرائیوں سے معاف کر دیا تھا۔ اور سلطان نورالدین زنگیؒ سے سفارش کر کے سلطانی حرم سرا کی کنیزوں میں شامل کرا دیا تھا۔'' شاریہ کو پہلے ہی یوسف (صلاح الدین) سے محبت تھی۔ مگر جب اس نے ایک نوجوان کی اعلیٰ ظرفی کا یہ عظیم الشان مظاہرہ دیکھا تو وہ وارفتہ ہو گئی۔ اور ایک دن شدید اضطراب کی حالت میں یوسف کے گھر پہنچ گئی۔ اور اہلِ خانہ کے سامنے رو رو کر یوسف سے معافی مانگنے لگی۔ نجم الدین ایوب اور زبیدہ نے بھی ایک بے سہارا لڑکی سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ پھر شاریہ نے نجم الدین ایوب سے عاجزانہ درخواست کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے صرف اتنی اجازت دے دیں کہ میں کبھی کبھی آپ کے گھر حاضر ہو جایا کروں۔ مجھے آپ بزرگوں کی شکل میں اپنے ماں باپ نظر آتے ہیں''۔

نجم الدین ایوب اور زبیدہ نے خوشی سے اجازت دے دی۔ شاریہ کے پاس یوسف کو دیکھنے کا یہی ایک بہانہ تھا۔ شاریہ کو جب بھی فرصت ملتی، وہ نجم الدین ایوب کے یہاں پہنچ جاتی۔ پھر ایک دن اسے یوسف تنہائی میں مل گیا۔ یہی وہ ساعتیں تھیں، جب شاریہ نے یوسف (صلاح الدین) کے سامنے کھل کر اپنی محبت کا اظہار کر دیا۔

''یوسف تم ایک سپہ سالار کے بیٹے اور سلطانِ عادل کے مصاحب خاص ہو۔'' شاریہ کے لہجے میں سوزِ عشق اور دل کا درد شامل تھا۔ ''میں ایک ادنیٰ کنیز سہی۔ مگر تم سے بے پناہ محبت کرتی ہوں۔ ایسی محبت کہ تمہاری والدہ کے بعد شاید ہی دنیا کی کوئی عورت اس کا دعویٰ کر سکے۔''

یوسف (صلاح الدین) خاموشی سے شاریہ کی بے حد جذباتی گفتگو سن رہا تھا۔

''میں اپنی محبت کا جواب محبت سے نہیں چاہتی۔'' یکایک شاریہ کی آنکھوں سے نمی جھلکنے لگی تھی۔

''بس۔ تم مجھ سے ایک وعدہ کر لو۔ صرف زبانی وعدہ۔''

''کیسا وعدہ؟'' یوسف (صلاح الدین) نے چونک کر کہا۔

''یہی کہ تم مجھے یاد رکھو گے۔ مگر برے نام سے نہیں''۔ شاریہ روتے ہوئے التجا کر رہی تھی۔

''میں نے اس واقعے کو یکسر فراموش کر دیا ہے شاریہ۔'' یوسف (صلاح الدین) نے انتہائی نرم و شیریں لہجے میں کہا تا کہ اس لڑکی کے دل سے جرم کا احساس مٹ جائے۔

''یہ تمہاری عظمت ہے یوسف کہ تم نے اس واقعے کو بھلا دیا ہے۔ مگر وعدہ کرو کہ تم مجھے فراموش

نہیں کرو گے۔'' شاریہ کے دل کی گہرائیوں میں چھپا حرف آرزو اس کے دلکش ہونٹوں پر آکر مچل گیا تھا۔ ''جب تم بہت بڑے انسان بن جاؤ گے ..... اور لوگ تمہاری قربت کو ترسیں گے تو مجھے اپنے دیدار سے محروم نہ کر دینا..... اپنے محافظ سپاہیوں کے نام فرمان جاری کر دینا کہ جب شاریہ نام کی کوئی مجنون عورت تم سے ملنے آئے تو اسے نہ روکا جائے۔''

شاریہ کے جذبات کی وارفتگی دیکھ کر یوسف (صلاح الدین) کچھ دیر کے لئے اپنی جگہ ساکت ہو کر رہ گیا۔ پھر جب حیرت و سکوت کی یہ کیفیت زائل ہوئی تو وہ مسکراتے ہوئے شاریہ سے مخاطب ہوا۔ ''تمہیں کیسے معلوم کہ میں بڑا انسان بنوں گا؟''

شاریہ نے انتہائی پُرسوز لہجے میں کہا۔ ''میرا دل گواہی دیتا ہے کہ ایک دن تم بڑے مرتبے پر پہنچو گے۔''

یوسف (صلاح الدین) نے شاریہ کی گفتگو کو ایک شدید جذباتی عمل سے تعبیر کیا۔ اور مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اگر میری زندگی میں وہ دن آیا تو تم کسی رکاوٹ کے بغیر مجھ تک پہنچ سکو گی''۔

شاریہ کے دلکش چہرے پر ایسی اطمینان کی لہر دوڑ گئی، جیسے اسے زمانے بھر کی دولت حاصل ہو گئی ہو۔

......}......☆......{......

تہمت طرازی کے اس واقعے کے بعد یوسف (صلاح الدین) کی قدر و منزلت میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ اور سلطان نورالدین زنگیؒ اس پر پہلے سے زیادہ مہربان نظر آنے لگے تھے۔ یہ ایک دُنیاوی کلیہ ہے کہ جب کسی انسان کو عزت و دولت حاصل ہوتی ہے تو اس کے قریبی دوست اور عزیز دار بھی دشمنوں یا حاسدوں کی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ غیروں کا تو ذکر ہی کیا؟ دربارِ سلطانی میں نوعمر یوسف کی غیر معمولی مقبولیت نے بعض ان امراء کو بھی حسد میں مبتلا کر دیا تھا جو بہت روشن خیال اور اعلیٰ ظرف تصور کئے جاتے تھے۔ معزول امیر ابنِ مرقوم ویسے ہی یوسف (صلاح الدین) سے شدید نفرت کرتا تھا، اس نے انتقام لینے کے لئے ان امیروں کو بھی ورغلانا شروع کیا جن سے اس کے قریبی تعلقات تھے۔

''وہ دن دور نہیں جب ایک پست خاندان سے تعلق رکھنے والا ''کرد'' ہم اعلیٰ نسب عربوں پر حکومت کرے گا۔'' امیر ابنِ مرقوم ایک خفیہ نشست میں یوسف (صلاح الدین) کے خلاف زہر اُگل رہا تھا۔ اس وقت سلطان نورالدین زنگیؒ کے تین بڑے امراء راشد بن عبداللہ، عمیر بن مروان اور فواد بن کعب موجود تھے۔

''میں تو راندۂ درگاہ ہو چکا ..... مگر آپ حضرات کو سلطانِ عادل کی قربت حاصل ہے۔'' امیر ابنِ مرقوم کے لہجے سے نجم الدین ایوب اور اس کے خاندان کے لئے شدید نفرت کا اظہار ہو رہا تھا۔ ''سلطانِ عادل کو سمجھائیں کہ نجم الدین ایوب اور اسد الدین شیر کوہ پر زیادہ اعتبار نہ کریں۔ وہ اپنے عہدہ و منصب اور اختیارات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی وقت بھی سلطان معظم کی حکومت کا تختہ

الٹ سکتے ہیں۔ میں نے اس خاندان کا زور توڑنے کے لئے ایک کوشش کی تھی مگر افسوس! تقدیر نے میرا ساتھ نہیں دیا۔"

امیر راشد بن عبداللہ، عمیر بن مروان اور فواد بن کعب ابن مرقوم کی منطقی گفتگو سے متاثر نظر آ رہے تھے۔

"ٹھیک ہے۔ آج میں سلطانِ عادل کی نظروں سے گر گیا ہوں۔ مگر پرانا خدمت گار ہوں۔ اس لئے حق نمک ادا کر رہا ہوں۔" امیر ابنِ مرقوم کے چہرے سے اداسی جھلکنے لگی تھی۔ اور وہ فتنہ گر ایک عجیب چال چل رہا تھا...... "میں تم لوگوں کے ساتھ بھی دوستی کا حق ادا کر رہا ہوں۔ صرف سلطانِ عادل ہی کے اقتدار کو خطرہ نہیں...... تمہاری کرسیاں بھی آنے والے طوفان کی زد میں ہیں۔"

تینوں امراء ابنِ مرقوم کے قریب میں آ گئے تھے۔ "آخر اس مسئلے کا حل کیا ہے؟ امیر راشد بن عبداللہ نے ابنِ مرقوم سے پوچھا۔ "ہم خود بھی اس خاندان کے بڑھتے ہوئے اثرات سے خائف ہیں۔"

"اس مسئلے کا بس ایک ہی حل ہے۔" امیر ابنِ مرقوم نے بڑی عیاری سے لب کشائی کی......

"سلطانِ عادل کو مشورہ دیں کہ بیک وقت دو بھائیوں کے ہاتھ میں فوجوں کی کمان نہیں ہونی چاہئے۔ پہلے اسد الدین شیر کوہ کو سالاری کے عہدے سے ہٹا کر دربار کی چار دیواری تک محدود کر دیا جائے تا کہ وہ سلطانِ عادل کی خدمت میں صرف سلام پیش کرتا رہے۔ اسد الدین شیر کوہ کے ہاتھ میں تلوار کا رہنا انتہائی خطرناک بات ہے۔" یہ کہہ کر امیر ابنِ مرقوم کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا اور تینوں امراء کے چہروں کا جائزہ لینے لگا۔

ابنِ مرقوم کے دلائل اور چرب زبانی نے اپنا کام دکھا دیا تھا۔ سردار عمیر بن مروان نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "اسد الدین شیر کوہ بہت جنگجو انسان ہے۔ ہر وقت قہر و غضب کا مجسمہ نظر آتا ہے۔"

امیر ابنِ مرقوم نے لوہا گرم پا کر ایک اور بھرپور ضرب لگائی...... "اسد الدین شیر کوہ جنگجو ہی نہیں، ایک نہایت شاطر انسان بھی ہے۔ اپنے بڑے بھائی نجم الدین ایوب سے زیادہ خطرناک۔ اسے سالاری کے منصب سے ہٹانے کے بعد کسی دوسرے موقع پر نجم الدین ایوب کے ہاتھ سے بھی تلوار لے کر اسے دربار میں بٹھا دیا جائے۔ اس طرح زنگی خاندان کا اقتدار بھی محفوظ ہو جائے گا اور آپ حضرات کی کرسیاں بھی"۔

پھر تینوں امراء ابنِ مرقوم سے وعدہ کر کے اٹھے کہ وہ عنقریب اس خاندان سے نجات حاصل کر لیں گے۔

......}......☆......{......

پھر وہ دن امیر ابنِ مرقوم کی زندگی کا یادگار دن تھا...... جب پورے شام میں یوسف (صلاح الدین) کی موت کی خبر عام ہو چکی تھی۔ امیر ابنِ مرقوم خوشی سے پاگل ہو کر گلی کوچوں میں چیختا پھر رہا تھا۔

"لوگو! سنو...... قدرت نے میرے ساتھ انصاف کر دیا۔ نجم الدین ایوب نے اپنے اختیارات استعمال کر کے مجھے سلطانِ عادل کے ہاتھوں معزول کرا دیا تھا۔ مگر حقیقی عادل تو اللہ کی ذات پاک ہے...... اس کی عدالت میں کسی کی سفارش نہیں چلتی۔ اس نے میری ذلت و رسوائی کا انتقام لے لیا۔ اور نجم الدین ایوب کا بیٹا یوسف (صلاح الدین) مر گیا"۔

امیر ابنِ مرقوم کی وحشیانہ چیخیں سن کر بہت سے لوگ اپنے گھروں سے نکل آئے تھے۔ ان کے چہروں سے افسوس کا اظہار ہو رہا تھا اور جو لوگ تہمت طرازی کے واقعہ سے باخبر تھے انہیں پاکباز اور جواں سال یوسف کی ناگہانی موت کا بہت صدمہ تھا اور وہ اسلامی رسم کے مطابق دل ہی دل میں مرنے والے کے لئے مغفرت کی دعائیں کر رہے تھے۔

اور نجم الدین ایوب کے گھرانے پر تو قیامت ہی ٹوٹ پڑی تھی۔ کسی کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یوسف (صلاح الدین) ان سے اتنی جلد بچھڑ جائے گا...... زبیدہ اپنے جانے والے بیٹے کو پکارتے پکارتے شدتِ غم سے بیہوش ہو گئی تھی...... دونوں بھائی توران شاہ اور ملک عادل روتے روتے نڈھال ہو گئے تھے۔ نجم الدین اور اسد الدین شیر کوہ کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں تھے اور وہ فولادی اعصاب رکھنے والے انسان بھی برسوں کے بیمار نظر آ رہے تھے۔

پھر دیکھنے والوں نے ایک جاں گداز منظر دیکھا...... سلطان نور الدین زنگیؒ کے محل کی ایک کنیز پاگلوں کی طرح بھاگی چلی جا رہی تھی۔ نہ اس کے سر پر کوئی چادر تھی نہ چہرے پر حجاب...... لوگ حیران تھے کہ اس خوبصورت لڑکی پر کیا افتاد پڑی ہے؟ وہ زار و قطار رو رہی تھی اور ہیجانی انداز میں چیخ رہی تھی۔

"لوگو! تم نے میرے یوسف کو دیکھا ہے؟ وہ مجھ سے ملے بغیر کہاں چلا گیا؟"

یہ لڑکی شاریہ تھی جو یوسف (صلاح الدین) کے مرنے کی خبر سن کر تقریباً اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی...... پھر وہ ایک ہی رفتار سے بھاگتی ہوئی نجم الدین ایوب کے گھر پہنچی...... بکھرے ہوئے بال، گرد و غبار سے اٹا ہوا چہرہ اور چڑھی ہوئی سانسیں...... نجم الدین ایوب اسے ایک نظر میں نہیں پہچان سکا۔ .... "تم کون ہو بیٹی؟" نجم الدین ایوب نے چند لمحوں کے لئے اپنا غم بھلا کر اس پریشان حال لڑکی سے سوال کیا۔

"بابا! میں شاریہ ہوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ نجم الدین ایوب کی طرف بڑھی۔ "لوگ جھوٹ بولتے ہیں بابا۔ یوسف مجھ سے ملے بغیر کہیں جا ہی نہیں سکتا"۔ یہ کہہ کر شاریہ نے نجم الدین ایوب کے سینے پر سر رکھ دیا...... اور بیہوش ہو گئی۔

اس المناک واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ سلطان نور الدین محمود زنگیؒ نے یوسف (صلاح الدین) کو اپنے معتمد غلام امین کے ساتھ ایک خفیہ سرکاری کام سے شہر "حماۃ" بھیجا تھا...... پھر ایک رات جب تمام لوگ گہری نیند میں ڈوبے ہوئے تھے تو اچانک زلزلے نے پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ زلزلہ اتنا شدید تھا کہ چند لمحوں میں "حماۃ" کی زمین زیر و زبر ہو گئی۔

www.pdfbooksfree.blogspot.com

پھر جب صبح ہوئی تو قریب کے شہر میں ٹھہرے ہوئے سلطان نورالدین زنگیؒ کے جاسوسوں نے یہ عبرت ناک منظر دیکھا...... ایک رات میں پورا شہر کھنڈر بن گیا تھا۔ پھر برق رفتار شہسواروں نے شام پہنچ کر سلطانِ عادل کو اطلاع دی کہ "حماۃ" میں ہر طرف تباہی کا منظر ہے۔ ایک مکان بھی زلزلے سے محفوظ نہیں رہا۔ چونکہ یوسف بھی "حماۃ" کے ایک مکان میں مقیم تھا اس لئے اس کی موت کا یقین کر لیا گیا۔

نجم الدین ایوب کا گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ شامی فوج کا سالار ہونے کے باعث بہت سے سپاہی اور درباری امراء مسلسل تعزیت کیلئے آرہے تھے۔ غم گساروں میں وہ تینوں منافق امیر راشد بن عبداللہ، عمیر بن مروان اور فواد بن کعب بھی تھے۔ جو امیر ابن مرقوم کے قریب میں آگئے تھے اور درپردہ نجم الدین ایوب کو اس کے عہدے سے ہٹانے کیلئے سازشیں کر رہے تھے۔

"ہم اس جوانمرگی پر یوسف کا ماتم کرتے ہیں۔" امیر راشد بن عبداللہ نے مصنوعی طور پر رنج والم کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

دوسرے امیر فواد بن کعب نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اے فلکِ کج رفتار! یہ کیسا ستم ہے کہ بوڑھے ماں باپ وقت کے تھپیڑے کھانے کیلئے زندہ رہ جاتے ہیں.. اور ان کے کڑیل جوانوں کو خاک میں ملا دیا جاتا ہے"۔ یہ کہتے ہوئے امیر فواد بن کعب نے آنکھوں میں آنسو لانے کی ناکام کوشش کی۔

اگرچہ تنہائی میں روتے روتے نجم الدین ایوب کی آنکھیں سوج گئی تھیں لیکن وہ تعزیت کرنے والوں کے سامنے غیر معمولی ضبط و تحمل کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ "امیر...... آپ کے ہمدردانہ جذبات کا بے حد شکریہ...... مگر ایک مومن کیلئے یہ اندازِ گفتگو جائز نہیں۔ بے شک! یوسف کے غم میں ہمارے دل اداس اور آنکھیں اشکبار ہیں۔ لیکن ہمیں ہر حال میں راضی بہ رضا رہنا چاہئے۔"

تیسرے امیر عمیر بن مروان نے اپنے جذبات کی تسکین کیلئے عجیب انداز سے نجم الدین ایوب کی دل آزاری کی۔ "مجھے یوسف کی موت سے زیادہ اس بات کا غم ہے کہ تمہارے بیٹے کو قبر بھی نہیں ملی۔ نہ اسے غسل دیا گیا۔ اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اللہ ایسی موت کسی کو نہ دے۔"

عمیر بن مروان کی بات سن کر نجم الدین ایوب کے چہرے پر ناگواری کا رنگ اُبھر آیا لیکن وہ مروت میں خاموش رہا۔

"امیر...... یہ تم رسم تعزیت ادا کر رہے ہو یا ہماری مجبوریوں کا مذاق اڑا رہے ہو"۔ اسدالدین شیرکوہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور انتہائی تلخ لہجے میں عمیر بن مروان کی اس دل خراش گفتگو کا جواب دیتے ہوئے بولا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا"۔ امیر عمیر بن مروان گھبرا سا گیا تھا۔ اور اس کے لہجے میں ہلکی سی لکنت آگئی تھی۔ "ایک دن سب کو مرجانا ہے۔ لیکن جانے والے اپنی کوئی نشانی تو چھوڑ جاتے ہیں"۔ عمیر بن مروان نے بات بنانے کی کوشش کی۔ "میں تو یہ کہنا چاہتا تھا کہ تم اتنے بڑے کھنڈر میں اپنے بیٹے

کی لاش کہاں تلاش کرو گے؟"

اسدالدین شیرکوہ مزید جواب دینا چاہتا تھا کہ اچانک پوری گلی سرکاری نقیبوں کی آوازوں سے گونج اٹھی۔

"سلطانِ عادل تشریف لا رہے ہیں"۔

نقیبوں کی آواز نے صورتحال کو یکسر بدل ڈالا تھا۔ نجم الدین ایوب اور اس کا چھوٹا بھائی اسدالدین شیرکوہ تیزی کے ساتھ دروازے پر پہنچے۔ سلطان نورالدین زنگیؒ کی سواری اپنے سپہ سالار کے دروازے پر آکر رکی۔ پھر وہ باجبروت حکمراں نیچے اترا۔ سلطانِ عادل کے ہمراہ قاضی ابنِ عرسون بھی تھے۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ دونوں کے چہروں پر گہری اداسی چھائی ہوئی تھی۔ پھر سلطان نورالدین زنگیؒ اور قاضی ابنِ عرسون، نجم الدین ایوب اور اسدالدین شیرکوہ سے گلے ملے۔ اس کے بعد دونوں اندرون خانہ چلے گئے۔

"یوسف میرا خدمت گار یا مصاحب خاص نہیں تھا۔" سلطان نورالدین زنگیؒ نے رسم تعزیت ادا کرتے ہوئے کہا۔ "وہ میرے چھوٹے بھائی کی طرح تھا۔ اور اس سے مجھے بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ لیکن حق تعالیٰ کی مرضی میں پوری کائنات مل کر بھی دخل انداز نہیں ہوسکتی۔" یہ کہتے کہتے سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اور فضا پہلے سے بھی زیادہ سوگوار ہوگئی۔

والئ شام کی یہ کیفیت دیکھ کر تینوں امیر راشد بن عبداللہ، فواد بن کعب اور عمیر بن مروان دل ہی دل میں بہت خوش ہوئے۔ امیر ابنِ مرقوم نے تو انہیں یہ کہہ کر ورغلایا تھا کہ نجم الدین ایوب اور اسدالدین شیرکوہ دربارِ سلطانی میں بہت زیادہ رسائی حاصل کر چکے ہیں۔ لیکن آج جب ان تینوں نے یوسف کیلئے انتہائی تحسین آمیز کلمات سنے تو انہیں اندازہ ہوا کہ مرنے والا اپنے باپ اور چچا سے بھی آگے بڑھ کر سلطانِ عادل کے بہت قریب پہنچ گیا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہ تینوں جواں مرگ یوسف کی موت پر انتہائی خوشی محسوس کر رہے تھے۔ ان کے خیال میں قدرت ان پر بہت زیادہ مہربان تھی کہ ایک زہریلا کانٹا خود بخود ان کے راستے سے ہٹ گیا تھا۔

پھر قاضی ابنِ عرسون نے نہایت رقت آمیز لہجے میں اپنے شاگرد کیلئے دعائے مغفرت کی۔ یہاں تک کہ اس مجلس میں موجود تمام لوگوں کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ خود سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو ان کی داڑھی کو بھگو رہے تھے۔ تینوں حاسد امیروں نے بھی سلطانِ عادل کو خوش کرنے کیلئے رونے کی کوشش کی۔ مگر آنکھوں کے گوشے تو اس وقت بھیگتے ہیں، جب دل پر چوٹ پڑتی ہے اور راشد بن عبداللہ، فواد بن کعب اور عمیر بن مروان کے سینوں میں دل کی جگہ پتھر رکھے ہوئے تھے۔

پھر جب سلطان نورالدین محمود زنگیؒ رخصت ہونے لگے تو انہوں نے اپنے سپہ سالار نجم الدین ایوب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اگرچہ سرکاری کارندوں نے اطلاع دی ہے کہ شہر حماۃ میں سارے مکانات منہدم ہوگئے اور دور تک انسانی زندگی کے آثار نہیں ملتے لیکن پھر بھی یوں محسوس ہوتا ہے کہ

جیسے سرگوشی میں کوئی مجھ سے کہہ رہا ہو کہ یوسف محفوظ ہے۔"

"آمین" قاضی ابنِ عرسون نے بآواز بلند کہا۔" آپ سلطانِ عادل ہیں اور مجھے یقین ہے کہ حق تعالیٰ آپ کی دعا ضرور سنے گا۔"

سلطان نورالدین محمود زنگیؒ اور قاضی ابنِ عرسون کی باتیں سن کر نجم الدین ایوب اور اسد الدین شیرکوہ کے پژمردہ چہروں پر خوشی کی تیز لہر دوڑ گئی تھی۔ مگر تینوں حاسد امراء دل ہی دل میں ہنس رہے تھے کہ سلطانِ عادل یوسف کے باپ اور چچا کو جھوٹی تسلیاں دے رہے ہیں۔ ورنہ موت کی وادی میں گم ہو جانے کے بعد کون واپس لوٹ کر آیا ہے؟

......}......☆......{......

دوسری طرف شہر حماہ میں بڑی عجیب صورتحال تھی۔ رات بھر گہری نیند سونے کے بعد جب یوسف (صلاح الدین) اور سلطانِ عادل کا غلام امین بیدار ہوئے تو دونوں پر شدید حیرت و سکوت کی کیفیت طاری ہو گئی۔ بہت دیر تک ان کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ وہ کہاں ہیں؟ کمرہ تو وہی تھا جہاں یوسف (صلاح الدین) اور امین رات کو سوئے تھے۔ لیکن گھر کے دروازے کے باہر کا منظر بڑا ہیبت ناک تھا۔ چاروں طرف مٹی اور پتھروں کا ڈھیر تھا۔ جس میں دونوں کے گھوڑے بھی دب کر مر گئے تھے۔

بہت دیر تک یوسف (صلاح الدین) اور سلطان نور الدین زنگیؒ کا غلام حیران و پریشان کھڑے رہے۔ پھر مکانات کے ملبے سے گزر کر وہ کچھ دور تک آگے بڑھے۔ تاکہ کسی محلے دار سے مل کر صورتحال جاننے کی کوشش کریں مگر کس سے پوچھتے کہ کل رات شہر حماہ پر کیا قیامت گزری ہے؟ وہاں تو کوئی بھی زندہ نہیں بچا تھا۔ چند گھنٹوں کے انتہائی دشوار گزار سفر کے بعد یوسف اور امین کو اندازہ ہو گیا تھا کہ پورا شہر زلزلے کی لپیٹ میں آ چکا ہے۔ بھوک اور پیاس کی شدت سے دونوں کا برا حال تھا۔ پھر وہ تھک کر بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ کے اس بے مثال کرم کا شکر ادا کرنے لگے کہ خالق کائنات نے انہیں آفت ناگہانی سے محفوظ رکھا تھا۔ سلطانِ عادل کا غلام امین بہت خوش تھا اور بلند آواز میں اپنے جذبات کا اظہار کر رہا تھا۔ مگر یہ سوچ کر یوسف (صلاح الدین) کی آنکھوں میں یکایک آنسو آ گئے کہ وہ جس مکان کے ملبے پر بیٹھے تھے، اس کے نیچے پتہ نہیں کتنے مکین دفن تھے۔

شاہراہ عام تک پہنچتے پہنچتے شام ہو چکی تھی اور دونوں کے پاؤں چھالوں سے بھر گئے تھے۔ راستے سنسان تھے اور دور دور تک کسی ایسی سواری کا پتا نہیں تھا کہ جو انہیں قریبی شہر تک پہنچا سکے۔ مجبوراً یوسف (صلاح الدین) اور امین نے وہ رات کھلے آسمان کے نیچے اس طرح گزاری کہ دونوں کے پیٹ خالی تھے اور ان کی زبانیں پیاس سے خشک ہو گئی تھیں۔ پھر دوسری صبح وہ دونوں اس راستے سے گزرنے والے گھڑ سواروں کی مدد سے قریبی سرائے تک پہنچے۔ اور کھانا کھا کر اس طرح سوئے کہ رات کے وقت ان کی آنکھ کھلی۔

الغرض تین دن کی اذیت ناک مسافت کے بعد یوسف (صلاح الدین) اور امین انتہائی شکستہ حالت میں دارالحکومت شام پہنچے۔ پورے شہر میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ کسی کو ان کی زندگی کا یقین نہیں

آ رہا تھا۔ مگر وہ دونوں زندہ تھے۔

پھر سلطان نور الدین محمود زنگیؒ نے یوسف (صلاح الدین) کے زندہ و سلامت بچ جانے پر جشنِ خاص کا اہتمام کیا۔ خود سلطانِ عادل نے اپنے ہاتھ سے یوسف (صلاح الدین) کو قبائے زرنگار پہنائی۔ یہ منظر دیکھ کر نجم الدین ایوب اور اسد الدین شیرکوہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مگر یہ آنسو اظہار تشکر کے طور پر تھے کہ خالق کائنات نے ان کے بیٹے کو دوسری زندگی عطا کی تھی۔

امیر راشد بن عبداللہ، عمیر بن مروان اور فواد بن کعب کے چہرے مسخ ہو کر رہ گئے تھے۔ ان تینوں سے یہ جشن مسرت برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ اگر ان کی یہ حرکت درباری آداب کے خلاف نہ ہوتی تو وہ یہ منظر دیکھنے کے بجائے دربار سے اٹھ کر جا چکے ہوتے۔ یا پھر اس جشنِ خاص میں شریک ہی نہ ہوتے۔ مگر قدرت کے کھیل بھی عجیب ہوتے ہیں۔ وہ تینوں حاسد امراء یوسف (صلاح الدین) کو اس طرح مردہ دیکھنا چاہتے تھے کہ اس کی قبر کا نام و نشان تک نہ ہوتا۔ مگر یہ کیسی ناقابل یقین بات تھی کہ یوسف (صلاح الدین) نہ صرف زندہ تھا۔ بلکہ سلطان نور الدین محمود زنگیؒ اسے اپنے دست مبارک سے خلعتِ خاص پہنا رہے تھے۔ امیر راشد بن عبداللہ، فواد بن کعب اور عمیر بن مروان ناقابل بیان اذیت و کرب میں مبتلا تھے۔

سلطان نور الدین محمود زنگیؒ ایک ولی صفت حکمران تھے۔ ان کی حکومت میں رقص و سرود اور شراب نوشی ممنوع تھی۔ اگر کچھ امراء بادہ کشی کرتے بھی ہوں گے تو اپنے تہہ خانوں میں چھپ کر۔ پھر بھی اگر کوئی بااثر شخص اس لعنت میں مبتلا ہوتا اور اس کی بدکاری کا راز فاش ہو جاتا تو سلطان نور الدین زنگیؒ اس کے عہدہ و منصب کا خیال کئے بغیر، سرعام کوڑے لگواتے۔ اگر سلطانِ عادل کو کوئی شوق تھا تو بس شعر و شاعری کا۔ اور شاعری بھی ایسی کہ مسلمانوں کے خون کو گرماتی رہے اور ان کی اخلاقی تربیت کرتی رہے۔

ہرقلہ سلطان نور الدین زنگیؒ کا درباری شاعر تھا۔ بڑے پر اثر اور انقلابی شعر کہنے والا۔ جب سلطانِ عادل، یوسف (صلاح الدین) کو خلعتِ خاص پہنا چکے تو شاعر ہرقلہ اپنی نشست پر کھڑا ہوا۔ اور اس نے بڑے پرسوز لہجے میں یہ دو اشعار پڑھے۔

"جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت بے پناہ کے سبب حضرت یوسف علیہ السلام کو اندھے کنوئیں میں محفوظ رکھا۔ اور ان کے بھائیوں کی فتنہ گرانہ چالوں کو ناکام بنا دیا۔ اسی طرح پروردگار عالم نے ہمارے یوسف کے چاروں طرف بھی اپنے کرم کا حصار کھینچ دیا تھا۔ اور وہ زلزلے کی تباہ کاریوں سے امان میں رہا۔ میری دعا بھی ہے۔ اور مجھے یقین بھی ہے کہ معبود حقیقی آئندہ بھی اسی طرح یوسف کو حاسدوں کی نظر بد اور زمانے کی شرانگیزیوں سے محفوظ رکھے گا"۔

پھر کچھ دن بعد ہی شاعر ہرقلہ کی دعا عالم اسباب میں ظاہر ہو گئی۔ امیر راشد بن عبداللہ ایک دن اپنے گھوڑے پر سوار جا رہا تھا اور اس وقت گھوڑا اپنی پوری رفتار میں تھا کہ یکایک گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ اوندھے منہ گر پڑا۔ امیر راشد بن عبداللہ ذہنی طور پر اس حادثے کیلئے تیار نہیں تھا، اس

لئے گھوڑے کی لگامیں اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئیں۔ اور وہ دور جا گرا۔ گرتے وقت راشد بن عبداللہ کا سر ایک بھاری پتھر سے ٹکرایا۔ ضرب اتنی شدید تھی کہ سر کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور دماغ باہر نکل آیا۔

دوسرے امیر فواد بن کعب کو اس کے غلام نے سوتے میں قتل کر دیا۔ امیر فواد بن کعب ایک انتہائی ظالم اور اذیت پسند انسان تھا۔ معمولی معمولی غلطیوں پر اپنے غلام رملہ کو سخت سزائیں دیتا تھا۔ اور اس پر بہت زیادہ تشدد کرتا تھا۔ آخر اس مسلسل عذاب سے نجات حاصل کرنے کیلئے فواد بن کعب کو اس وقت قتل کر دیا جب وہ گہری نیند سویا ہوا تھا۔

تیسرا امیر عمیر بن مروان یکایک اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا۔ سلطانی طبیبوں نے اس کا بہت علاج کیا مگر عمیر بن مروان کی طبیعت روز بہ روز بگڑتی گئی۔ یہاں تک کہ شام کے ہر بڑے طبیب نے اسے لاعلاج قرار دے دیا۔ اور پھر ایک دن عمیر بن مروان کے پیروں میں بھاری زنجیریں ڈال دی گئیں۔ وہ مکمل طور پر پاگل ہو چکا تھا۔

امیر ابنِ مرقوم جو یوسف (صلاح الدین) کے خلاف سازش کرنے والا پہلا شخص تھا، پہلے ہی معتوب و مفلس ہو چکا تھا۔ اب اچانک اس پر جذام (کوڑھ) کا حملہ ہوا تھا اور وہ تصویرِ عبرت بن کر رہ گیا تھا۔ اگرچہ ان چاروں واقعات کو محض اتفاق سمجھا گیا۔ لیکن درحقیقت یہ ان بدکار امراء کے اعمال کی سزا تھی۔ جو اس وقت ظاہر ہوئی جب ان لوگوں نے یوسف (صلاح الدین) کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کیں۔

امیر ابنِ مرقوم کی تہمت طرازی اور زلزلے کی تباہ کاری سے محفوظ رہنے کے بعد شام کے باخبر دور اندیش لوگوں نے سمجھ لیا تھا کہ یوسف کوئی غیر معمولی نوجوان ہے۔

......}......☆......{......

یوسف (صلاح الدین) کی بحفاظت واپسی اور خلعت خاص سے نوازے جانے کے بعد شاریہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا تھا۔ وہ نجم الدین ایوب کے سامنے بار بار اپنا ایک ہی جملہ دہراتی تھی۔

"بابا...... میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ یوسف مجھ سے ملے بغیر نہیں جا سکتا"۔

جب یوسف نے شاریہ کی بات سنی تو وہ باپ کے سامنے خاموش رہا۔ لیکن تنہائی میں اس نے اپنی ماں زبیدہ سے پوچھا۔ "اُمِ محترم! شاریہ کیا کہتی ہے؟"

زبیدہ نے بڑی محبت سے اپنے بیٹے کو اس واقعے کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "میرے بچے! جب تمہاری موت کی خبر شام کے گلی کوچے میں عام ہو گئی تھی تو بس عزیزوں اور شناساؤں میں یہی ایک لڑکی تھی جسے تمہاری موت کا یقین نہیں آیا تھا۔ سرکاری کارندوں کی اطلاعات سن کر کچھ دیر کیلئے میں بھی مایوس ہو گئی تھی۔ مگر شاریہ کے یقین میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آئی تھی۔ وہ مجھ سے اور تمہارے باپ سے یہی کہتی تھی کہ یوسف اس سے ملے بغیر نہیں جا سکتا۔"

والدہ کی بات سن کر یوسف گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

روز و شب کے معمولات جاری تھے۔ ان میں کوئی نمایاں فرق نہیں آیا تھا۔ مگر شاریہ کے رویے

میں ایک بڑی تبدیلی آ گئی تھی۔ وہ پہلے کبھی کبھی نجم الدین ایوب کے گھر آتی تھی۔ لیکن زلزلے کے واقعے کے بعد شاریہ نے بلاناغہ آنا شروع کر دیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک اہل خانہ کے ساتھ رہتی۔ پھر یوسف (صلاح الدین) کے کمرے میں جاتی، چند لمحوں تک کھوئی کھوئی نظروں سے یوسف کے چہرے کو دیکھتی رہتی اور یہ دعا دے کر چلی جاتی۔

"یوسف...... اللہ میری سانسیں بھی تم کو بخش دے۔"

اگرچہ شاریہ اپنے جذبات کا اظہار کرنے میں بڑی احتیاط برتتی تھی۔ لیکن ایک دن اتفاق سے نجم الدین ایوب نے شاریہ کی بات سن لی۔ پھر جب وہ چلی گئی تو نجم الدین ایوب نے اپنی بیوی اور بیٹے کو تنہائی میں طلب کر کے کہا۔

"یہ کنیز یہاں روزانہ کیوں آتی ہے؟" نجم الدین ایوب نے اپنی بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں ہلکی سی سختی تھی۔

"وہ بے ماں باپ کی بچی ہے۔" شاریہ کیلئے زبیدہ کے لہجے سے گہری ہمدردی اور کسی حد تک محبت بھی جھلک رہی تھی۔ "وہ اپنے احساس جرم کی شدت کم کرنے کیلئے ہمارے گھر آئی تھی۔ اور پھر اس نے کبھی کبھی آنے کیلئے آپ سے اجازت بھی طلب کی تھی۔" زبیدہ نے شاریہ کی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے اسے کبھی کبھی آنے کی اجازت دی تھی۔" نجم الدین ایوب کا لہجہ مزید سخت ہو گیا تھا۔ "اور اب میں اس اجازت نامے کو منسوخ کرتا ہوں۔ شاریہ سے کھلے لفظوں میں کہہ دیا جائے کہ آئندہ وہ ہمارے گھر میں داخل نہ ہو۔"

شوہر کا حکم سن کر زبیدہ اور یوسف (صلاح الدین) دونوں حیران رہ گئے۔ پھر جب کچھ دیر بعد حیرت و سکوت کی یہ کیفیت زائل ہوئی تو زبیدہ نے نجم الدین ایوب سے پوچھا۔ "آخر آپ کو یہ نیا حکم صادر کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ وہ بے سہارا اور معصوم بچی جو ہمارے اہلِ خانہ کی طرح ہے۔ اس پر کسی وجہ کے بغیر گھر کے دروازے کیسے بند کئے جا سکتے ہیں؟ مجھ میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں کہ شاریہ کو یہاں آنے سے روک دوں۔"

"آپ نادان و کم نظر ہیں۔" بیوی کی بات سن کر نجم الدین ایوب کے چہرے پر ناگواری کا گہرا رنگ ابھر آیا تھا۔ "شاریہ بے سہارا تو ہو سکتی ہے۔ لیکن وہ معصوم ہرگز نہیں۔"

"میں آپ کی بات سمجھنے سے قاصر ہوں۔" زبیدہ کی حیرت میں بھی مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

یوسف (صلاح الدین) بظاہر خاموش تھا مگر باپ کی باتوں نے اس کے ذہن کو بھی بری طرح اُلجھا کر رکھ دیا تھا۔

"اپنے جرم پر ندامت کا اظہار کرنا تو صرف ایک بہانہ ہے۔" نجم الدین ایوب نے سخت لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "وہ معصوم نہیں، ایک شاطر کنیز ہے۔ میں نے اس کی گفتگو سنی ہے۔ وہ یوسف کو یوسف کہہ کر پکارتی ہے۔ اس کی یہ بے تکلفی کسی اور ہی طرف اشارہ کرتی ہے۔"

"بابا محترم! شاریہ میری ہم عمر ہے پھر اس میں کیا مضائقہ ہے؟" اس گفتگو کے دوران میں یوسف نے پہلی بار لب کشائی کی۔

"تم ایک سپہ سالار اور معزز خاندان کے فرد ہو۔" نجم الدین ایوب کے لہجے سے نسلی تفاخر اور جاہ و منصب کا غرور جھلکنے لگا تھا۔ "اور شاریہ کیا ہے؟ ایک معتوب اور بدکار امیر کی کنیز۔ پھر وہ حفظِ مراتب کا خیال کیوں نہیں رکھتی؟ یوسف کو اس طرح مخاطب کرتی ہے جیسے میرا بیٹا اس کا ہم مرتبہ اور ہم منصب ہے۔"

زبیدہ کے پاس شوہر کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ الجھے ہوئے انداز میں نجم الدین ایوب کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"اس بے تکلفی کے پیچھے اس کی بدنیتی پوشیدہ ہے۔" نجم الدین ایوب نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ ہم لوگوں سے نہیں، صرف یوسف سے ملنے آتی ہے۔"

"بابا محترم! میں نے آج تک شاریہ کی کوئی ناشائستہ حرکت نہیں دیکھی۔" یوسف (صلاح الدین) نے بڑے ادب کے ساتھ عرض کیا۔

"میرے بیٹے! ابھی تمہارا مشاہدہ بہت کمزور ہے۔ خدا تمہیں زمانے کے سرد و گرم اور دشمنوں کی چالوں سے محفوظ رکھے۔" نجم الدین ایوب نے نرم لہجے میں کہا۔ "جب وہ ابنِ مرقوم کے کہنے پر تمہیں ایک بار سرِ دربار رسوا کر سکتی ہے تو پھر اس کا کیا بھروسہ! کوئی دوسرا امیر ہماری خاندانی عزت کی گھات میں ہو سکتا ہے۔ بے شمار حاسدین ہیں۔ وہ کسی کی بھی آلۂ کار بن سکتی ہے۔"

نجم الدین ایوب ایک زمانہ آشنا اور انتہائی تجربہ کار شخص تھا۔ اس نے دبے لفظوں میں بیوی اور بیٹے کو ممکنہ خطرات سے آگاہ کر دیا تھا۔ اس کی نظر میں ترکی نژاد کنیز شاریہ کا بے پناہ حسن ہی سب سے بڑا خطرہ تھا۔ روزانہ کی یہ ملاقاتیں کوئی ایسا خوفناک زاویہ بھی اختیار کر سکتی تھیں کہ یوسف (صلاح الدین) کے قدم لڑکھڑا جاتے اور پھر سارا خاندانی وقار خاک میں مل کر رہ جاتا۔

زبیدہ نے شوہر کی باتوں کا مفہوم سمجھ لیا تھا۔ مگر وہ ایک نرم دل اور محبت کرنے والی خاتون تھیں۔ اس نے کئی بار شاریہ کو نجم الدین ایوب کا حکم سنانا چاہا۔ مگر ہر مرتبہ بات اس کے ہونٹوں میں دب کر رہ گئی۔

آخر ایک دن نجم الدین ایوب اور شاریہ کا آمنا سامنا ہو گیا۔ اور شامی فوج کے سالار نے اسے سخت لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "لڑکی! آئندہ تم یہاں مت آیا کرو۔"

شاریہ نجم الدین کے اس طرزِ تخاطب اور حکم پر حیرت زدہ رہ گئی۔ پھر اس نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔ "کیوں بابا؟"

"میں سلطنتِ شام کا ایک معزز امیر ہوں۔ تمہارا بابا نہیں۔" نجم الدین ایوب کی آواز بہت زیادہ بلند تھی اور لہجہ انتہائی سخت۔ "تمہارے یہاں آنے سے میرے گھر اور خاندان کی بدنامی ہوتی ہے۔"

نجم الدین ایوب کی بات سن کر شاریہ کے دلکش چہرے پر اذیت و کرب کے گہرے سائے پھیل

گئے۔ پھر اس نے بڑی مشکل سے اپنے جذبات پر قابو پایا اور باوقار لہجے میں بولی۔ "امیرِ محترم...... میں اپنے اس جرم پر ہمیشہ شرمسار رہوں گی کہ ایک کنیز کی وجہ سے آپ کے معزز خاندان کی بدنامی ہوئی۔" شاریہ کے لہجے میں طنز کے بجائے درد شامل تھا۔ "اگر آپ پہلے دن یہ حکم صادر کر دیتے تو میں اسی وقت واپس لوٹ جاتی اور پھر زندگی بھر ادھر کا رخ نہ کرتی۔ آپ نے وقت کی دھوپ میں جلنے والی ایک بے سہارا لڑکی کو محبتوں کی چھاؤں بخشی تھی۔ اس لئے ٹھہر گئی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ اللہ کی اتنی بڑی زمین پر میرے نام کا کوئی درخت نہیں ہے۔"

"میں ایسے چرب زبان لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔" نجم الدین ایوب کے لہجے سے شدید ناگواری جھلک رہی تھی۔

"میری زبان ہی کہاں ہے امیرِ محترم؟" اب شاریہ کے ہونٹوں سے دل کا درد واضح طور پر جھلکنے لگا تھا۔ "میں گزرے ہوئے وقت کو تو واپس نہیں لا سکتی۔ مگر اپنے اللہ سے دعا ضرور کروں گی کہ مجھ گناہگار کی وجہ سے آپ کے خاندان کی جو بدنامی ہوئی ہے، اسے دور کر دے۔ اور مزید سربلندیوں سے سرفراز فرما دے۔ اگر اجازت ہو تو میں اس مہربان ہستی سے آخری ملاقات کر لوں جس کے چہرے میں مجھے اپنی ماں کی صورت نظر آتی ہے۔"

نجم الدین ایوب نے خاموش رہ کر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ شاریہ تیزی سے آگے بڑھی اور زبیدہ کے کمرے میں چلی گئی۔ زبیدہ اُداس بیٹھی تھی۔ اس نے نجم الدین ایوب اور شاریہ کے درمیان ہونے والی گفتگو سن لی تھی۔

"بیٹی! میں بہت مجبور ہوں۔" یہ کہتے کہتے زبیدہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"آپ بھی ایک معزز سردار کی بیوی ہیں۔ مگر میں نے کبھی آپ کے چہرے پر امیرانہ غرور کی جھلک نہیں دیکھی۔" یہ کہتے کہتے شاریہ بھی رونے لگی۔ "یہی وجہ تھی کہ میں آپ کے خد و خال میں اپنی ماں کو تلاش کرتی تھی۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سرداروں اور لونڈی غلاموں کی ماؤں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ میں صرف یہ عرض کرنے آئی ہوں کہ آپ امیرِ محترم کو یقین دلا دیں۔ میری وجہ سے اس خاندان کی عظمت پر کبھی کوئی حرف نہیں آئے گا۔" یہ کہہ کر شاریہ تیزی کے ساتھ چلی گئی۔

......}......☆......{......

عشاء کی نماز کے بعد قاضی ابنِ عرسون اپنے کتب خانے میں بیٹھے تھے اور فقہ کی کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے۔ اسی وقت ایک خدمت گار شاگرد نے آ کر اطلاع دی کہ کوئی خاتون آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔

قاضی ابنِ عرسون نے حیرت سے اپنے شاگرد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اتنی رات گئے؟ ان سے کہو کہ وہ کل نمازِ عصر کے بعد آ جائیں۔"

"میں نے ان سے کہا تھا مگر وہ کوئی بہت ہی ضرورت مند خاتون معلوم ہوتی ہیں۔" شاگرد نے عرض کیا۔

"تو پھر انہیں فوراً بھیج دو۔" قاضی ابنِ عرسون نے کہا اور زیرِ مطالعہ کتاب بند کر دی۔

چند لمحوں بعد ہی چادر میں لپٹی ہوئی ایک عورت کتب خانے میں داخل ہوئی اور اس نے بڑے ادب کے ساتھ سلام کیا۔ قاضی ابنِ عرسون عورت کے سلام کا جواب دیتے ہوئے اٹھے۔ اور کتب خانے کا دروازہ بند کر کے دوبارہ اپنی مسند پر بیٹھ گئے۔ اس دوران میں عورت نے سر سے چادر ہٹا دی تھی اور اس کا چہرہ بے نقاب ہو گیا تھا۔ مگر قاضی صاحب کو خبر نہیں تھی کہ وہ عورت کون ہے۔ کیونکہ ان کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

"قاضی صاحب..... میں شاریہ ہوں۔ کچھ دن پہلے آپ کی عدالت میں میرا مقدمہ پیش ہوا تھا۔" شاریہ نے انتہائی رقت آمیز لہجے میں کہا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

قاضی ابنِ عرسون شاریہ کو بھلا کس طرح بھول سکتے تھے۔ آواز سنتے ہی قاضی صاحب نے گھبرا کر شاریہ کی طرف دیکھا۔ "کیا پھر تمہیں کسی نے ستایا ہے؟"

"اُس بار تو مجھے ایک شخص امیر ابنِ مرقوم نے ستایا تھا۔ اور میں آپ کی عدالت میں فریاد کرنے حاضر ہوئی تھی۔" شاریہ کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں میں تیزی آ گئی تھی۔

"اور اس بار؟" شاریہ کے آنسو دیکھ کر قاضی ابنِ عرسون بھی مضطرب ہو گئے۔

"اس بار میں ساری دنیا کے خلاف مقدمہ کرنے آئی ہوں۔" یہ کہتے کہتے شاریہ ہچکیوں سے رونے لگی۔

شاریہ کی یہ حالت دیکھ کر قاضی ابنِ عرسون حیران و پریشان تھے۔ "تم مجھے پورا واقعہ تو بتاؤ۔ تمہارے ساتھ انصاف ہو گا۔" قاضی ابنِ عرسون انتہائی ہمدردانہ لہجے میں شاریہ کو تسلیاں دینے لگے۔

"یہ دنیا مجھے بہت ستاتی ہے قاضی صاحب۔" شاریہ بچوں کی طرح رو رہی تھی۔ "ایک دن مار ہی ڈالے گی۔ اس سے پہلے کہ میں ذلت و بے کسی کی موت مر جاؤں مجھے اپنے کتب خانے میں پناہ دے دیجئے۔ یہ کتابیں تو مجھ سے نہیں کہیں گی کہ میرے چھونے سے ان کی بدنامی ہو رہی ہے۔"

شاریہ کی روداد غم سن کر قاضی ابنِ عرسون کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ پھر انہوں نے شاریہ کو اپنے حلقہ شاگردی میں داخل کر لیا۔

.....}.....☆.....{.....

یوسف (صلاح الدین) کئی دنوں سے ذہنی طور پر بہت اُلجھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس کی اُلجھن کی وجہ شاریہ نہیں بلکہ وہ خواب تھا جو اسے مسلسل کئی دن سے نظر آ رہا تھا۔ جب بھی یوسف (صلاح الدین) سونے کیلئے اپنے بستر پر دراز ہوتا۔ اور پھر جیسے ہی اس کی آنکھ لگتی، وہ خود کو ایک عظیم الشان کتب خانے میں مطالعہ کرتا ہوا پاتا۔ پھر اچانک کسی گوشے سے ایک نورانی صورت بزرگ نمودار ہوتے اور قریب آ کر انتہائی پُرجلال لہجے میں یوسف (صلاح الدین) سے مخاطب ہوتے۔

"تمہیں اس کام کیلئے پیدا نہیں کیا گیا ہے کہ گوشہ گیر ہو کر کتابوں کے اوراق میں گم ہو جاؤ۔ باہر نکل کر دیکھو۔ ملت اسلامیہ خون کے سیلاب میں غرق ہو رہی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ بزرگ غائب ہو جاتے۔ اور یوسف (صلاح الدین) گھبرا کر اٹھ جاتا۔ اسے اپنے جسم میں ہلکی لرزش محسوس ہوتی۔ جیسے یہ بزرگ کی ہیبت کا اثر ہو۔ پھر وہ اس خواب کے اثر سے بہت دیر تک اضطرابی کیفیت میں اپنے بستر پر کروٹیں بدلتا رہتا۔ صبح ہوتے ہی یوسف (صلاح الدین) دنیا کی ہنگامہ خیزیوں میں گم ہو کر رات کے خواب کو بھول جاتا۔ مگر جب دوسری رات آتی اور اس کی آنکھ لگتی تو پھر خواب میں وہی بزرگ نظر آتے۔ اور وہی مخصوص کلمات ادا کر کے غائب ہو جاتے۔

یوسف (صلاح الدین) بزرگ کو پہچاننے اور ان کے الفاظ کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھا۔

پھر جب ایک ہی خواب بلاناغہ نظر آنے لگا تو یوسف (صلاح الدین) اپنے استاد گرامی قاضی ابنِ عرسون کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا پورا خواب بے کم و کاست بیان کر دیا۔

خواب سننے کے بعد قاضی ابنِ عرسون نے یوسف (صلاح الدین) سے پوچھا۔ "تم اپنے خواب کا کوئی حصہ بھول تو نہیں رہے ہو۔ یا تم نے اپنی طرف سے خواب میں کوئی اضافہ تو نہیں کر دیا ہے؟"

یوسف (صلاح الدین) کچھ دیر تک اپنے ذہن پر زور ڈال کر سوچتا رہا۔ پھر انتہائی مؤدب لہجے میں عرض کرنے لگا۔ "استاد گرامی! مجھے بزرگ کی زبان سے ادا ہونے والا ایک ایک لفظ اور اپنے خواب کا ایک ایک منظر یاد ہے۔"

"یوسف! کیا تم نے ان بزرگ کو اس سے پہلے بھی خواب میں دیکھا ہے؟" قاضی ابنِ عرسون نے اپنے شاگرد سے دوسرا سوال کیا۔

"بس اسی خواب کے حوالے سے ان بزرگ کو مسلسل خواب میں دیکھا ہے۔ اس سے پہلے وہ کبھی نظر نہیں آئے۔" یوسف (صلاح الدین) نے عرض کیا۔

قاضی ابنِ عرسون کچھ دیر تک یوسف (صلاح الدین) کی پیشانی کو بہت غور سے دیکھتے رہے۔ پھر نہایت محبت آمیز لہجے میں کہنے لگے۔ "یوسف! تم نے یہ خواب کسی اور کے سامنے تو بیان نہیں کیا ہے؟"

"استاد محترم! پہلے تو میں خود ہی کئی دن تک اس خواب کی تعبیر سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔" یوسف (صلاح الدین) نے بصد احترام عرض کیا۔ "پھر جب عاجز آ گیا تو آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو گیا۔"

یوسف (صلاح الدین) کا جواب سن کر قاضی ابنِ عرسون نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ انہیں دیکھ کر محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اس وقت مراقبے کی حالت میں ہوں۔ پھر کچھ دیر بعد قاضی ابنِ عرسون نے آنکھیں کھولیں۔ اور اپنے شاگرد سے مخاطب ہو کر بولے۔ "تم اپنا یہ خواب کسی سے بیان کرنا بھی نہیں۔ یہ ایک غیبی اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے تمام انسانوں کو مختلف ذمے داریاں دے کر اس عالم اسباب میں بھیجا ہے۔ میں تمہارے ذوقِ علم سے خوب واقف ہوں۔ مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور ہے۔ وہ تمہارے ہاتھوں میں قلم کی بجائے شمشیر دیکھنا چاہتی ہے۔" یہ کہہ کر قاضی ابنِ عرسون کچھ دیر کیلئے خاموش ہو گئے۔

یوسف (صلاح الدین) اپنے خواب کی تعبیر سن کر کچھ دیر تک حیرت کی کیفیت سے دوچار رہا۔ پھر مؤدب لہجے میں عرض کرنے لگا۔ "استادِ گرامی! مجھے قیل و قال، مال و منال، اور منصب و جاہ سے کوئی رغبت نہیں۔ یہ شہسواری اور شمشیر زنی بھی میں نے والد محترم کے اصرار پر سیکھی ہے۔ ورنہ شعر و شاعری میرا تیر و کمان...... قلم میری شمشیر...... اور مناظروں کی مجلسیں میرا میدانِ جنگ ہیں۔ دنیا کی باقی چیزوں کو میں کوئی اہمیت نہیں دیتا۔"

قاضی ابنِ عرسون اپنے شاگرد خاص کے فطری رجحان سے واقف تھے۔ اس لئے جواب دینے میں کسی قدر تاخیر سے کام لیا۔ پھر نہایت پُرسوز لہجے میں یوسف (صلاح الدین) سے مخاطب ہوئے۔

"آج میں تمہیں افضل البشر، امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک قول مبارک سناتا ہوں۔ اس کے ایک ایک حرف کو غور سے سنو۔ اور ہمیشہ کیلئے ذہن نشین کر لو۔"

استادِ گرامی کی اس فہمائش پر یوسف (صلاح الدین) ہمہ تن گوش ہو گیا۔

"خلیفۂ اول نے فرمایا کہ جو قوم جہاد ترک کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں ذلیل و خوار کر دیتا ہے۔" حضرت صدیق اکبرؓ کا قول مبارک بیان کرتے کرتے قاضی ابنِ عرسون کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "یوسف! تمہیں یہ راز معلوم ہے کہ تلوار ہی اسلامی سرحدوں اور کتب خانوں کی حفاظت کرتی ہے۔ طرابلس کا عظیم الشان کتب خانہ عیسائیوں نے صرف اس لئے جلا کر خاکستر کر دیا کہ اس کی حفاظت کیلئے تلواریں اور سپاہی نہیں تھے۔"

قاضی ابنِ عرسون کی مختصر تقریر اس قدر اثر انگیز تھی کہ یوسف (صلاح الدین) کا رواں رواں کھڑا ہو گیا۔ اور اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے پورے بدن میں چنگاریاں سی بھر گئی ہیں۔

"یہ تمہارے لئے عظیم خوشخبری ہے کہ تمہیں اس طرح خواب میں تنبیہ کی گئی۔ ہم تو ناکارہ لوگ تھے کہ زندگی بھر ایک گوشے میں پڑے رہے۔ مگر تمہارے سامنے ایک عظیم تر مقصدِ حیات ہے۔"

قاضی ابنِ عرسون نے رقت آمیز لہجے میں کہا۔ "اگر تم کتب خانہ چھوڑ کر میدانِ جنگ کا رخ نہیں کرو گے تو اللہ بے نیاز ہے۔ وہ کسی اور کو منتخب کر لے گا۔"

پھر جب یوسف (صلاح الدین) قاضی ابنِ عرسون کی درسگاہ سے اٹھا تو اس کی دنیا ہی بدل گئی تھی۔ اب اس کی تمام تر توجہ شمشیر زنی، نیزہ بازی اور تیر اندازی پر مرکوز تھی۔ وہ ایک جنونی کی طرح جنگی مشاغل میں مصروف رہتا۔ اور ہر وقت اس کے ذہن میں قاضی ابنِ عرسون کے یہ الفاظ گونجتے رہتے۔

"طرابلس کا کتب خانہ عیسائیوں نے صرف اس لئے جلا کر خاکستر کر دیا کہ اس کی حفاظت کیلئے مسلمانوں کے پاس تلواریں اور سپاہی نہیں تھے۔"

......}......☆......{......

جوسلن ثانی جسے سلطان نور الدین محمود زنگیؒ نے اندھا کرا کے حلب کے قید خانے میں ڈال دیا تھا،

وہ آج بھی ایڈیسہ کی تباہی اور اپنے گم شدہ اقتدار کو یاد کر کے اکثر رات کی تنہائیوں میں رویا کرتا تھا۔ اور دوسری طرف شعبدہ باز سینٹ برنارڈ صلیب ہاتھ میں لئے ہوئے عیسائی سلطنتوں کا طوفانی دورہ کر رہا تھا۔ پہلے اس نے ایڈیسہ کی بربادی کا مرثیہ پڑھ کر شاہ فرانس لوئس ہفتم کو صلیبی جنگ کیلئے آمادہ کیا۔ پھر وہ فریاد و فغاں اور سینہ کوبی کرتا ہوا جرمنی کے شہنشاہ کانرڈ سوم کے دربار میں پہنچا اور اسے مقدس جنگ میں شامل ہونے کی ترغیب دی۔ آج بھی ساری عیسائی دنیا صلیبی جنگوں کو "کروسیڈ" (CRUSADE) کے نام سے پکارتی ہے۔ جس کا مطلب ہے مقدس جنگ۔"

جب سینٹ برنارڈ نے شہنشاہ جرمنی کانرڈ سوم کے سامنے صلیبی جنگ میں شمولیت کا ذکر کیا تو اس نے ٹالنے کے انداز میں کہا۔ "میں انسانی خون بہانے کے بجائے امن و سلامتی کو ترجیح دیتا ہوں۔"

شہنشاہ جرمنی کو ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر ایک شعبدہ باز سینٹ برنارڈ کچھ دیر کیلئے گھبرا گیا۔ مگر پھر فوراً ہی اس کے فتنہ گر دماغ نے نئی چال چلی۔ "بے شک! انسانی خون بہانا عیسائی تعلیمات کے منافی ہے۔ مگر چند روز پہلے یسوع مسیح میرے خواب میں تشریف لائے تھے۔ اور مجھ سے فرمایا تھا کہ شہنشاہ کانرڈ (CONARD) کو میرا سلام اور پیغام پہنچا دو۔"

حضرت یسوع مسیح کا نام سن جرمنی شہنشاہ کانرڈ سوم ہاتھ باندھ کر اپنے تخت سے نیچے اتر آیا اور بڑے عاجزانہ لہجے میں سینٹ برنارڈ سے مخاطب ہوا۔ "میں کیسا خوش نصیب ہوں کہ مجھے خداوند نے سلام بھیجا ہے۔ جلدی بتاؤ کہ وہ کیا پیغام ہے؟"

سینٹ برنارڈ کی چال کامیاب ہو چکی تھی۔ اس نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر شہنشاہ جرمنی کے دل و دماغ پر بھرپور ضرب لگائی۔ "خداوند یسوع مسیح نے آپ کا نام لے کر فرمایا تھا کہ کیا کانرڈ اتنی جلدی ایڈیسہ کے عیسائیوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کو بھول گیا؟"

سینٹ برنارڈ کے الفاظ سنتے ہی شہنشاہ جرمنی بدحواس ہو گیا۔ "یسوع مسیح کی قسم! میں ایڈیسہ کی بربادی اور اپنے ہم مذہبوں کی ہلاکت کو کیسے بھول سکتا ہوں۔"

اس جذباتی صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سینٹ برنارڈ نے ایک انتہائی جذباتی، اشتعال انگیز اور دردناک تقریر شروع کر دی۔

"اہلِ دربار...... پورے ہوش و حواس کے ساتھ سنو کہ خداوند یسوع مسیح نے تمہارے شہنشاہ کے نام کیا پیغام بھیجا ہے؟" یہ کہہ کر سینٹ برنارڈ چند لمحوں کیلئے خاموش ہو گیا اور حاضرینِ دربار کے جذبات کا جائزہ لینے لگا۔

پورے دربار پر اس قدر گہرا سکوت طاری تھا کہ کچھ لوگوں کو اپنے دلوں کی دھڑکنیں تک سنائی دے رہی تھیں۔

دربار کی پوری فضا کو اپنے حق میں سازگار پا کر سینٹ برنارڈ نے انتہائی دردناک لہجے میں شہنشاہ جرمنی کانرڈ سوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "خداوند یسوع مسیح کا فرمان ہے کہ آج مسلمانوں کی خونریزی عیسائیوں کیلئے افضل ترین عبادت ہے۔ اور جو خون بہانے کی طاقت نہیں رکھتا وہ صلیبی

سپاہیوں کیلئے بے دریغ زر و مال خرچ کرے تاکہ ہمارے فوجی بہترین ہتھیاروں سے مسلح ہو سکیں۔ اور جو انتہائی مفلس ہیں وہ دن رات گرجاؤں میں صلیبیوں کی فتح و نصرت کیلئے دعائیں کریں۔"

ابھی سینٹ برنارڈ کی تقریر جاری تھی کہ تمام درباری جوش جذبات میں چیخنے لگے۔ "صلیب کی حفاظت کیلئے ہمارے جان و مال، گھر بار اور عزت و ناموس سب کچھ حاضر ہے۔"

سینٹ برنارڈ بڑی عیارانہ خاموشی سے درباریوں کے پرجوش نعرے سنتا رہا پھر جب یہ شور ختم ہوا تو اس کذاب جادوگر نے شہنشاہ جرمنی اور اس کے درباریوں پر آخری ضرب لگاتے ہوئے کہا۔ "اور خداوند یسوع مسیحؑ کے آخری الفاظ بھی سن لو کہ جو شخص بھی اس مقدس جنگ میں شریک ہونے سے گریز کرے گا؟ وہ عیسائیت سے خارج ہو جائے گا پھر اس کی کم سے کم سزا یہ ہوگی کہ آسمانی قہر نازل ہوگا۔ اور پوری بستی مٹا دی جائے گی۔"

سینٹ برنارڈ نے اپنے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذاتِ مقدس سے ایک بہت بڑا جھوٹ منسوب کر کے شہنشاہِ جرمنی کانرڈ سوم اور اس کے معزز درباریوں کو شیشے میں اتار لیا تھا۔ سینٹ برنارڈ کی تقریر ختم ہونے کے بعد شہنشاہ جرمنی دوبارہ اپنے تخت پر بیٹھ گیا۔ اب اس کا سفید چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہو رہا تھا۔ پھر اس نے قریب رکھی ہوئی اپنی مرصع تلوار اٹھائی جس کے دستے پر انتہائی قیمتی پتھر یاقوت' پکھراج اور الماس جڑے ہوئے تھے۔ قدیم توہم پرستوں کا عقیدہ تھا کہ ان پتھروں سے آراستہ تلوار جس شخص کے ہاتھ میں ہوگی وہ میدان جنگ میں اپنے دشمنوں پر غالب رہے گا۔ شہنشاہ جرمنی کانرڈ سوم نے اپنی شمشیر کو بے نیام کیا۔ پھر اسے ہوا میں لہراتے ہوئے حاضرین دربار سے مخاطب ہوا۔

"یہ شمشیر دنیا کے تمام عیسائیوں کی محافظ ہے۔ جرمنی کے گوشے گوشے میں میرا پیغام پہنچا دو کہ آج سے ہر صلیبی پر عیش و عشرت حرام ہے۔ ہر شخص جو تلوار کا بوجھ اٹھانے کی صلاحیت رکھتا ہے وہ اپنا گھر اور عشرت کدہ چھوڑ کر میدانِ جنگ کا رخ کرے۔ اور جو پیشہ ور سپاہی ہے وہ یسوع مسیحؑ کی قسم کھائے کہ جب تک ایڈیسہ کی شکست کا انتقام نہیں لے گا۔ اور مسلمانوں کے خون سے اپنی شمشیر کی پیاس نہیں بجھائے گا' چین کی نیند نہیں سوئے گا۔"

شہنشاہِ جرمنی کی جذباتی تقریر نے اہل دربار کے سینوں میں آگ لگا دی۔ پھر ان درباریوں نے اس آگ کو اتنی ہوا دی کہ پورا جرمنی شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ شہنشاہ فرانس لوئیس ہفتم پہلے ہی مسلمانوں سے انتقام لینے کی قسم کھا چکا تھا۔ پھر کچھ دنوں میں جرمنی اور فرانس کے گوشے گوشے سے صلیبی جنونیوں کا سیلاب اُمڈ آیا۔

شعبدہ باز سینٹ برنارڈ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ وہ جرمنی کے رئیسوں اور سرمایہ داروں سے فرداً فرداً ملا۔ اور اس نے امرائے جرمنی کے سامنے شعلہ بار تقریریں کیں۔

"میرے ہم عقیدہ بھائیو! ذرا اس قیامت خیز صورتِ حال پر غور کرو' جب صحرا نشیں عرب پورے یورپ پر چھا جائیں گے۔ پھر تمہارے جوان اور بوڑھے قتل کر دیئے جائیں گے۔ اور تمہاری خوب

صورت بیٹیاں ان وحشیوں کی خوراک ہوں گی۔ یہ سارے خزانے لوٹ لئے جائیں گے۔ تمہارے زخمی پیروں میں زنجیر غلامی ہوگی۔ اور ہاتھوں میں کاسۂ گدائی...... یسوع مسیحؑ کی قسم! میں تو اس وقت کا تصور کر کے ہی کانپ جاتا ہوں اور خداوند خدا کی پناہ مانگنے لگتا ہوں۔" یہ کہتے کہتے اس جادوگر کی آنکھوں سے جھوٹے آنسو بھی بہنے لگے۔

سینٹ برنارڈ کی یہ جذباتی کیفیت دیکھ کر امرائے جرمنی بھی شدت جذبات سے رو پڑے۔ پھر ایک ایک امیر اور سردار نے سینٹ برنارڈ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر حلف اٹھایا۔

"ہمارے سارے وسائل مقدس جنگ کے لئے وقف ہیں۔ ہمیں بتائیے کہ ہم صلیب کی حفاظت کے لئے کیا کر سکتے ہیں؟"

شعبدہ باز برنارڈ اسی لمحے کے انتظار میں تھا۔ "جنگ میں فتح حاصل کرنے کے لئے افرادی قوت' ہتھیاروں اور گھوڑوں کی ضرورت ہوتی ہے۔" سینٹ برنارڈ نے امرائے جرمنی کی اس جذباتی کیفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "ہمارے پاس وسائل کی جس قدر کثرت ہوگی' ہمیں اسی قدر غلبہ حاصل ہوگا۔"

پھر دیکھتے ہی دیکھتے شمشیروں' تیروں' نیزوں اور کمانوں کے انبار لگ گئے۔ جس طرف بھی نظر اٹھتی تھی' اعلیٰ نسل کے گھوڑوں کی قطاریں دکھائی دیتی تھیں۔ غاروں کے زمانے سے ایٹمی دور تک بے شمار جنگیں لڑی گئی ہیں۔ مگر اس صلیبی جنگ کی منفرد اور نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ مسلمانوں سے ایڈیسہ کی شکست کا انتقام لینے کے لئے صلیب بردار عیسائی عورتوں کا بھی ایک لشکر تشکیل دیا گیا تھا۔ اس نسوانی فوج میں 50 ہزار کے قریب خواتین شامل تھیں جنہیں چند ماہ تک شمشیر زنی اور شہسواری کی تربیت دی گئی تھی۔ اور سب سے عجیب پہلو یہ تھا کہ خواتین کے اس لشکر میں ہزاروں طوائفیں بھی شریک تھیں۔ شہنشاہِ فرانس لوئیس ہفتم کی بیوی ملکہ ایلیز اس نسوانی فوج کی قیادت کر رہی تھی۔

......}☆{......

پھر شہنشاہِ جرمنی کانرڈ سوم اور شہنشاہِ فرانس لوئیس ہفتم نے اپنی اپنی سلطنتوں میں نائب نگراں مقرر کئے اور مقدس جنگ میں شریک ہونے سے پہلے دونوں شہنشاہ ایک خاص مقام پر یکجا ہوئے۔ پھر دونوں نے ایک دوسرے کا پرجوش استقبال کیا۔ گلے ملے پھر دونوں نے ایک دوسرے کی پیشانیوں کو بوسے دیئے۔ اس کے بعد شہنشاہ لوئیس اور شہنشاہ کانرڈ نے ہاتھ میں ہاتھ لے کر اپنے اپنے لشکر کے سامنے کبھی نہ ٹوٹنے والے اتحاد کی قسم کھائی۔ پھر دونوں حکمراں اپنے ہدف کی طرف بڑھے۔ ان کی پہلی منزل قسطنطنیہ تھی۔

شہنشاہ فرانس کے ساتھ نسوانی فوج کے علاوہ ایک لاکھ جنگجو سپاہی تھے۔

مشہور انگریز مؤرخ ہجاڈ شہنشاہ جرمنی کی فوج کے بارے میں لکھتا ہے...... "کانرڈ کے سپاہیوں کا بوجھ نہ تو سمندر کی لہریں اٹھا سکتی تھیں اور نہ ان کے سانے کے لئے اس دنیا میں میدان ہی موجود تھے۔"

اگرچہ یہ ایک مبالغہ آمیز اور متعصبانہ بیان ہے لیکن پھر بھی دوسرے معتبر مؤرخوں کے مطابق دونوں بادشاہوں کے جھنڈے کے نیچے نو لاکھ کے قریب صلیبی سپاہی جمع تھے۔ جو شام اور فلسطین کے عیسائیوں کی مدد کے لئے ایک والہانہ جذبے کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔

اس وقت قسطنطنیہ میں شاہ مینوئل اول کی حکومت تھی۔ وہ صلیبیوں کا بے پناہ ہجوم دیکھ کر گھبرا گیا۔ پھر بھی اس نے مصلحت سے کام لیتے ہوئے شہنشاہ لوئیس اور شہنشاہ کانرڈ کا پرجوش خیر مقدم کیا اور ان کی خاطر مدارت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ مگر کچھ دن بعد ہی شاہ مینوئل اور قسطنطنیہ کے یونانی باشندے صلیبیوں کی بدمستیوں سے تنگ آ گئے۔ 50 ہزار عیسائی عورتوں کی فوج نے وہ گل کھلائے کہ شہر قسطنطنیہ ''قحبہ خانہ'' بن کر رہ گیا۔ دونوں شہنشاہوں سے لے کر فوجی سرداروں اور عام سپاہیوں تک ہر شخص شرمناک حرکتوں میں مبتلا تھا۔ بالآخر کئی ہفتوں کے بعد یہ بلا یہاں سے ٹلی۔ پھر صلیبی لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو کر ایشیائے کوچک میں داخل ہوا۔

اس زمانے میں ایشیائے کوچک میں سلطان مسعود سلجوقی کی حکومت تھی۔ اس نے سیاسی اور جنگی بصیرت سے کام لیتے ہوئے اپنی فوج کا بیشتر حصہ پہاڑوں پر پہنچا دیا۔ جہاں سلجوقی سپاہیوں نے مضبوط مورچے بنائے اور گھات لگا کر بیٹھ گئے۔

شہنشاہ فرانس اور شہنشاہ جرمنی مذہبی جوش و خروش میں اپنے گھروں سے نکل کھڑے تو ہوئے تھے۔ مگر انہیں ایشیائے کوچک کے پُر پیچ اور دشوار گزار راستوں کا اندازہ نہیں تھا۔ پھر جب دونوں عیسائی لشکر الگ الگ نشیبی علاقوں سے گزر رہے تھے تو یکایک پہاڑوں میں چھپے ہوئے سلجوقی سپاہیوں نے انہیں گھیر لیا۔ پھر قتل و غارت کا وہ طوفان اٹھا کہ دونوں صلیبی لشکر خداوند خدا کی پناہ مانگنے لگے۔ وہ بار بار یسوع مسیحؑ کو اپنی مدد کے لئے پکار رہے تھے۔ شعبدہ باز سینٹ برنارڈ شہنشاہ لوئیس ہفتم کے ساتھ تھا۔ جب شہنشاہ فرانس نے صلیبیوں کا قتل عام ہوتے دیکھا تو انتہائی غضب ناک لہجے میں سینٹ برنارڈ سے مخاطب ہو کر بولا۔

''کہاں ہے وہ آسمانی مدد، جس کی تو نے پیش گوئی کی تھی؟''

سینٹ برنارڈ بھی اس آفت ناگہانی سے پریشان تھا۔ شہنشاہ فرانس کے قہر آلود لہجے نے اسے اور بھی بدحواس کر دیا تھا۔ ''بس آسمانی مدد آنے ہی والی ہے شہنشاہ۔'' شعبدہ باز سینٹ برنارڈ کے لہجے میں روحانی جلال کے بجائے ندامت اور خوشامد کی جھلک تھی۔

''کیا اس وقت آسمانی مدد آئے گی جب یسوع مسیحؑ کا ایک ایک نام لیوا تہ تیغ ہو جائے گا؟'' شہنشاہ فرانس لوئیس ہفتم کے غصے میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

سینٹ برنارڈ کے شاطر ذہن نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر نئی چال چلی تاکہ شہنشاہ کا غصہ رفع ہو جائے۔ اور وہ ایک مطلق العنان حکمران کے قہر سے محفوظ رہ سکے۔ ''شہنشاہ...... کچھ بھی ہو انسان گناہ گار ہے...... کبھی کبھی اس کے ہاتھوں کی بچھائی ہوئی بساط الٹ بھی جاتی ہے۔ میرا ایمان ہے کہ آسمانی مدد ضرور آئے گی۔ مگر اس وقت آپ اپنی جان بچانے کی فکر کریں۔ آپ زندہ ہیں تو پوری عیسائیت

زندہ ہے۔ اور اگر آپ کی ذات کو نقصان پہنچا تو اس کی تلافی ممکن نہیں ہو گی۔''

سینٹ برنارڈ کی سیاسی اور خوشامدانہ گفتگو سن کر شہنشاہ فرانس کا غصہ تو زائل ہو گیا تھا۔ مگر اب اس کے اعصاب پر موت کا خوف طاری تھا...... انجامِ کار وہ اپنے کچھ فوجیوں کی قربانی دے کر میدان جنگ سے فرار ہو گیا اور محفوظ راستوں سے گزرتا ہوا ''نیقیہ'' پہنچ گیا۔

دوسری طرف شہنشاہ جرمنی کانرڈ سوم انتہائی دردناک حالت سے دوچار تھا۔ سلطان مسعود کے سپاہی صلیبی لشکر پر عذاب آسمانی کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔ سلجوقی شمشیروں نے درختوں کی کمزور شاخوں کی طرح عیسائی سپاہیوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔ شہنشاہِ جرمنی نے اپنی فوج کو دس حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ سلطان مسعود کی جنگی حکمت عملی اس قدر مضبوط تھی کہ سلجوقیوں نے جرمنی فوج کے 9 حصوں کو مکمل تباہ و برباد کر دیا۔ بس ایک حصہ بچا تھا جس کے ساتھ شہنشاہ کانرڈ فرار ہو کر ''نیقیہ'' پہنچا۔ جہاں شہنشاہِ فرانس پہلے سے موجود تھا۔

پھر جب شہنشاہِ جرمنی نے صلیبیوں کی بربادی کا حال بیان کیا تو شہنشاہِ فرانس کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں ہو گئے۔ پھر دونوں حکمراں گلے مل کر بہت دیر تک روتے رہے۔ جب دلوں کا غبار ڈھل گیا تو شاہِ فرانس لوئیس ہفتم نے انتہائی غضب ناک لہجے میں کہا۔

''خداوند خدا کی قسم! پہلے میرے انتقام کا نشانہ شام اور موصل کے حکمراں تھے مگر اب سلجوقی مسلمان بھی میرا ہدف ہیں۔ میں سلطان مسعود سے اپنے محترم بھائی شہنشاہ کانرڈ کی شکست و ہزیمت کا بدلہ ضرور لوں گا۔'' یہ کہہ کر شاہِ فرانس نے نئے عہد و پیماں کیلئے شاہِ جرمنی کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔

دونوں طرف کے سپاہیوں کا خیال تھا کہ مذہبی غیرت سے سرشار ہو کر شہنشاہ کانرڈ مقدس جنگ میں شریک ہونے کے لئے نیا حلف اٹھائے گا۔ مگر اس وقت وہاں موجود سپاہیوں کی حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی، جب شاہِ جرمنی کسی پتھر کے ستون کی طرح اپنی جگہ ساکت کھڑا رہا۔ اس کے چہرے پر گہری اداسی چھائی ہوئی تھی۔

آخر شاہِ فرانس لوئیس ہفتم نے اپنا بڑھا ہوا ہاتھ کھینچ لیا۔ اور ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔ ''کیا تمہارے ذہن میں کوئی اور منصوبہ ہے؟''

''میری آنکھوں میں جرمن سپاہیوں کی لاشیں ہیں۔ اور ذہن میں جلتا ہوا غبار بھرا ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔'' شاہ جرمنی کا لہجہ بہت غم زدہ تھا۔ ''پہلے میں اس الم ناک واقعے کو بھول جاؤں۔ بعد میں سوچوں گا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔''

شعبدہ باز سینٹ برنارڈ نے آسمانی مدد کا حوالہ دے کر شہنشاہِ جرمنی کو مقدس جنگ میں شرکت پر آمادہ کرنا چاہا۔ مگر شہنشاہ کانرڈ اس قدر دل شکستہ تھا کہ اس نے اپنے مذہبی پیشوا کو بھی جھڑک دیا۔ اور پھر کچھ دن بعد ہی موسمِ سرما گزارنے کے بہانے قسطنطنیہ چلا گیا۔

......}......☆......{......

سینٹ برنارڈ کا منصوبہ بظاہر ناکام ہو چکا تھا۔ لیکن پھر بھی اس نے ہمت نہیں ہاری۔ ایک دن

وہ شہنشاہِ لوئیس سے تنہائی میں اس طرح ملا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو بہہ رہے تھے۔ شاہ فرانس اپنے مذہبی پیشوا کی یہ حالت دیکھ کر پریشان سا ہوگیا اور سینٹ برنارڈ سے اس کے رونے کا سبب پوچھنے لگا۔

قسمت نے اس ریاکار و منافق پادری کو ایک اور موقع فراہم کر دیا۔ شہنشاہِ فرانس کے پوچھنے پر سینٹ برنارڈ کچھ دیر تک ہچکیوں سے روتا رہا۔ پھر اس نے انتہائی رقت آمیز لہجے میں لوئیس ہفتم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"شہنشاہِ جرمنی کے اس بزدلانہ فیصلے سے عیسائیت کے وقار اور جلال کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔"

"مقدس پیشوا۔ اپنے اس بیان کی وضاحت فرمائیں۔" شہنشاہِ فرانس نے کسی قدر حیرت کے ساتھ پوچھا۔

ابھی سینٹ برنارڈ جواب دینے ہی والا تھا کہ لوئیس ہفتم کی بیوی ملکہ ایلیز کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کی نیلگوں آنکھوں میں ہلکی ہلکی سرخی جھلک رہی تھی اور یہ اس شراب کا اثر تھا جو ملکہ ایلیز بہت دیر سے پی رہی تھی۔ وہ شاہی خاندان میں ایک بلانوش عورت تھی۔ اس کی بدکاریوں کے افسانے فرانسیسی محل کی چار دیواری سے نکل کر امراء اور فوجی سالاروں تک پہنچ گئے تھے۔ شہنشاہِ فرانس اپنی بیوی کی سیاہ کاریوں سے باخبر تھا۔ لیکن اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ ملکہ ایلیز کو ٹوک سکے۔ لوئیس ہفتم کو اس حالت میں اپنی بیوی کا آنا سخت گراں گزرا تھا۔ مگر وہ سینٹ برنارڈ کے سامنے تماشا بننا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے خاموش رہا۔ ملکہ ایلیز کو دیکھتے ہی سینٹ برنارڈ احتراماً کھڑا ہوگیا۔ اگرچہ ملکہ ایلیز کو اپنے مذہبی پیشوا کی عزت کرنی چاہئے تھی لیکن وہ شہنشاہیت کے غرور میں ہر شخص کو اپنے سامنے خم دیکھنا چاہتی تھی۔

ملکہ ایلیز نے مخمور آنکھوں سے سینٹ برنارڈ کی طرف دیکھا۔ اور مسکراتے ہوئے بولی۔ "بیٹھ جاؤ مقدس پیشوا۔ بیٹھ جاؤ۔" ملکہ ایلیز کی آواز شراب کے اثر سے لڑکھڑا رہی تھی۔

شاہِ فرانس نے بڑی مشکل سے اپنے غصے کو ضبط کیا اور دوبارہ سینٹ برنارڈ سے مخاطب ہوا۔

"مقدس پیشوا آخر آپ کیا اور کہنا چاہتے ہیں؟"

سینٹ برنارڈ نے بیٹھتے ہوئے کہا شہنشاہِ جرمنی کی ناکام واپسی کے بڑے خوفناک نفسیاتی نتائج برآمد ہوں گے۔ فلسطین اور یروشلم کے عیسائیوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور دوسری طرف مسلمانوں میں نیا جوش اور ولولہ پیدا ہو جائے گا۔"

"شہنشاہِ جرمنی کے فرار ہونے سے کیا ہوتا ہے؟" شاہ فرانس لوئیس ہفتم نے نہایت متکبرانہ لہجے میں کہا۔ "میں اکیلا مسلمانوں کے لئے کافی ہوں۔ ہماری جنگی مہم ہر حال میں جاری رہے گی۔"

سینٹ برنارڈ کے چہرے پر خوشی کی تیز لہر دوڑ گئی۔ اس نے نہایت عیارانہ لہجے میں شہنشاہِ فرانس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے تو پہلے ہی عرض کیا تھا کہ جب تک آپ زندہ و سلامت ہیں، عیسائیت کا پرچم بھی بلند ہے۔ شہنشاہِ جرمنی جیسے ہزار حکمراں پیٹھ موڑ لیں مگر جب تک آپ

میدان جنگ میں موجود ہیں، صلیبی سپاہیوں کا خون کبھی سرد نہیں ہوگا۔"

سینٹ برنارڈ کے منہ سے اپنی بے پناہ تعریف سن کر شہنشاہِ لوئیس نے مقدس پیشوا کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ سینٹ برنارڈ کی چال ایک بار پھر کامیاب ہوگئی تھی۔ وہ فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ اور شہنشاہِ فرانس کو درازیٔ عمر اور بلند اقبالی کی دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔

سینٹ برنارڈ کے جاتے ہی ملکہ ایلیز نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "شہنشاہ آپ بھی کس کی باتوں میں آگئے ہیں؟" شراب کے اثر سے ملکہ کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔ "اپنی سلطنت اور عیش و آرام چھوڑ کر دوسروں کے علاقوں میں خانہ بدوشوں کی طرح پڑے ہوئے ہیں۔ ان پادریوں کا کیا ہے؟ مفت کی روٹیاں کھاتے ہیں اور صرف تقریریں کر کے لوگوں کے جذبات بھڑکاتے ہیں"۔

"سینٹ برنارڈ ایسا نہیں ہے"۔ شہنشاہ فرانس نے اس شعبدہ باز کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔ "تم دیکھ نہیں رہی ہو کہ وہ بھی اپنی جان کو خطرات میں ڈال کر ہمارے ساتھ در بدر مارا پھر رہا ہے۔"

ملکہ ایلیز کچھ اور کہنا چاہتی تھی مگر شراب کا اثر بڑھتے بڑھتے اس کے ذہن کو گرفت میں لے چکا تھا پھر وہ کمرے کے فرش پر لیٹ گئی اور اپنے گرد و پیش سے بے خبر ہوگئی۔ شہنشاہ لوئیس نے نفرت آمیز نظروں سے ملکہ ایلیز کی طرف دیکھا اور اٹھ کر چلا گیا۔

……}……☆……{……

پھر کچھ دن بعد یہ خبر اڑتے اڑتے شام بھی پہنچ گئی کہ عیسائیوں کا نو لاکھ سپاہیوں پر مشتمل لشکر ایشیائے کوچک پر قبضہ کرنے کے لئے سلجوقیوں کے علاقے سے گزرا تھا۔ مگر سلطان مسعود کی جنگی حکمت عملی نے صلیبیوں کو ناکام و نامراد لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ یہ خبر سنتے ہی سلطان نور الدین محمود زنگیؒ نے فوری طور پر والیٔ قونیہ (ترکی) کے نام ایک خط تحریر کیا۔

"میرے محترم بھائی! تمہیں یہ عظیم الشان فتح مبارک ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے یروشلم اور ایڈیسہ میں بے گناہ مسلمانوں کے قتل عام کا بدلہ لے لیا۔ میرا مشاہدہ ہے کہ اس قوم میں گاڈفرے بالڈون اور جوسلن ثانی جیسے وحشی و خونخوار لوگ ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے۔ اس لئے پوری ملت اسلامیہ کو متحد ہو کر جنونی صلیبیوں کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ میرے اور تمہارے درمیان طویل جغرافیائی فاصلے حائل ہیں لیکن، میری دعائیں ہمہ وقت تمہارے ساتھ ہیں۔ حق تعالیٰ تمہیں ایک محافظِ سلام کی حیثیت سے تادیر سلامت رکھے۔"

'تمہارا دینی بھائی سلطان نور الدین زنگیؒ'

سلطان مسعود اول کے نام مبارکباد کا خط ارسال کر کے سلطان نور الدین زنگیؒ نے اپنے فوجی سرداروں اور سیاسی مشیروں کا ایک خفیہ اجلاس طلب کیا اور فرانس و جرمنی کی شکست کا حال بیان کرتے ہوئے حاضرین مجلس سے پوچھا۔

"آپ کے خیال میں شہنشاہ لوئیس اور شہنشاہ کانرڈ کے سیاسی عزائم کیا ہیں؟"

یوسف (صلاح الدین) کا حقیقی چچا اسد الدین شیر کوہ اپنی نشست پر کھڑا ہوا۔ اس وقت اسد

الدین شیر کوہ کی سیاسی حیثیت یہ تھی کہ وہ دربار سلطانی میں سب سے زیادہ با اثر سردار تھا۔ سلطان نور الدین محمود زنگیؒ اسد الدین شیر کوہ کو اپنا معتمد خاص سمجھتے تھے۔ "سلطان عادل! فرانس اور جرمنی کے شہنشاہ توسیع سلطنت کی خواہش میں یورپ کی حدود سے نکل کر کچھ ایشیائی علاقوں پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ اس کے سوا بظاہر ان کے کوئی اور عزائم نظر نہیں آتے۔"

پھر اسد الدین شیر کوہ کے بھائی نجم الدین ایوب اور دوسرے سرداروں نے بھی کم و بیش اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا۔

سب سے آخر میں نوعمر یوسف (صلاح الدین) اپنی جگہ کھڑا ہوا اور والی شام کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ "سلطانِ ذیشان! میں شہنشاہ جرمنی اور شہنشاہ فرانس کی لشکر کشی کو محض ہوس ملک گیری نہیں سمجھتا۔ درپردہ ان کے مذہبی عزائم بھی ہیں"۔

درباری امراء نے بڑی حیرت سے اس نوجوان کو دیکھا جو عمر رسیدہ اور جہاندیدہ سرداروں کی رائے سے اختلاف کر رہا تھا۔

خود سلطان نور الدین محمود زنگیؒ بھی یوسف (صلاح الدین) کے خیالات پر متعجب تھا۔ "یوسف! تم اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے کوئی مضبوط دلیل بھی رکھتے ہو؟"

"نہیں سلطان عادل! میں کوئی دلیل نہیں رکھتا۔" یوسف (صلاح الدین) نے نہایت سادگی سے جواب دیتے ہوئے کہا۔ "مگر پھر بھی میں ایک واقعہ آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔"

سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کے ساتھ دوسرے سردار بھی اس نوجوان کی بات سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہو گئے۔

"میں کچھ دن پہلے اپنے استاد محترم قاضی ابن عرسون کی خدمت میں حاضر تھا۔" یوسف (صلاح الدین) نے باوقار لہجے میں کہا۔ "میں نے استاد گرامی سے عرض کیا۔ ہماری طرح یہود بھی اہل کتاب ہیں اور نصاریٰ (عیسائی) بھی۔ ہم ان کے رسولوں پر صدق دل سے گواہی دیتے ہیں اور اس شہادت کو اپنے ایمان کا حصہ سمجھتے ہیں۔ مگر یہودی اور عیسائی ہمارے رسول سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار کیوں نہیں کرتے؟" یہ کہہ کر یوسف (صلاح الدین) چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گیا۔

فوجی مجلس پر گہرا سکوت طاری تھا۔

"میرے اس سوال کے جواب میں استاد محترم نے فرمایا۔" یوسف (صلاح الدین) نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "حق تعالیٰ نے قرآن حکیم میں یہودیوں کی فطرت کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ تم تو ہمیشہ کے عہد کر کے توڑ دینے والے ہو۔ پھر ایک مقام پر دونوں قوموں کی خصلت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ۔ یہود و نصاریٰ تمہارے دوست ہو ہی نہیں سکتے اور جو تم میں سے ان کا دوست ہے وہ اہل ایمان میں سے نہیں۔" یہ کہہ کر یوسف (صلاح الدین) نے دوبارہ سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کو مخاطب کیا۔ "سلطان عادل۔ میں اسی بنیاد پر کہتا ہوں کہ شہنشاہ فرانس اور شہنشاہ جرمنی ہوس ملک گیری کے علاوہ کچھ اور بھی عزائم رکھتے ہیں۔ ان کی زندگی کا پہلا اور آخری مقصد

مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا ہے۔ اللہ سلطان مسعود کے درجات بلند کرے کہ اس نے صلیبیوں کے اس طوفان کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔ مگر آیات الٰہی کی روشنی میں میرا اندازہ ہے کہ یہ طوفان پھر اٹھے گا۔" قاضی ابن عرسون کا شاگرد ہونے کے سبب یوسف (صلاح الدین) نے بڑی پر اثر تقریر کی تھی۔

سلطان نور الدین محمود زنگیؒ نے یوسف (صلاح الدین) کے دانشمندانہ خیالات کی بہت تعریف کی اور اپنے جاسوسوں کو حکم دیا کہ وہ صورتحال پر گہری نظر رکھیں۔

......}......☆......{......

پھر وہی ہوا جس کا خدشہ یوسف (صلاح الدین) نے سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کے دربار میں ظاہر کیا تھا۔ شعبدہ باز سینٹ برنارڈ نے شاہ فرانس لوئیس ہفتم کے مذہبی جذبات کو اس قدر بھڑکایا کہ وہ مسلمانوں سے ایڈیسہ کی شکست کا انتقام لینے "نیقیہ" سے نکل کر بڑی احتیاط کے ساتھ "لاؤڈیسیا" کی طرف بڑھا۔ اب کی بار شہنشاہ لوئیس ہفتم نے نئی جنگی حکمت عملی اختیار کی تھی۔ اس نے اپنی ایک لاکھ فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا یہ دونوں فوجیں بادشاہ کی ہدایت کے مطابق دو سالاروں کی نگرانی میں سفر کرتی تھیں۔ دوسرے دن سالار تبدیل کر دیئے جاتے تھے اور ان کی جگہ نئے سردار لے لیا کرتے تھے۔ شہنشاہ لوئیس کی فوج کا اگلا حصہ سالار جیفری کی قیادت میں آگے بڑھ رہا تھا۔ اسی فوج میں ملکہ ایلیز بھی شامل تھی۔ لاؤڈیسیا سے روانگی کے وقت شہنشاہ لوئیس نے سالار جیفری کو حکم دیا تھا۔

"تم سامنے کے بلند پہاڑ (کوہ بابا داغ) کی چوٹی پر پہنچ کر اس وقت تک ٹھہرے رہو جب تک میرا لشکر تم سے نہ آ ملے۔"

سالار جیفری نے اپنے بادشاہ کے حکم کے مطابق تیز رفتاری کے ساتھ سفر کیا اور کوہ بابا داغ کی چوٹی پر جا کر ٹھہر گیا۔ ملکہ ایلیز نے چاروں طرف نظر دوڑائیں۔ پہاڑ کے نشیب میں اسے انتہائی سرسبز و شاداب وادی نظر آ رہی تھی۔

"ہمیں اس وادی میں خیمہ زن ہونا چاہیئے جو میرے اندازے کے مطابق ایک محفوظ ترین مقام ہے"۔ ملکہ ایلیز نے اپنے فوجی سالار جیفری ڈی رینکن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میرے بادشاہ کا حکم ہے کہ بابا داغ کی چوٹی کو نہ چھوڑا جائے"۔ سالار جیفری نے سپاہیانہ لہجے میں جواب دیا۔

"میں بھی ملکۂ فرانس ہوں۔" ایلیز بری طرح مشتعل ہو گئی اور اپنے فوجی سالار پر برس پڑی۔ "میں فرانس یا جرمنی کی کوئی کنیز یا لونڈی نہیں ہوں۔ تم نے سنا؟"

سالار جیفری ڈی رینکن ملکۂ فرانس کے اس آمرانہ حکم پر مجبور ہو گیا۔ اور اپنی فوج لے کر کوہ بابا داغ کے نشیبی علاقے میں اتر گیا۔

سلجوقی سپاہی گھات لگائے بیٹھے تھے۔ جیسے ہی صلیبی فوج وادی میں اتری سلطان مسعود کے سپاہی کوہ بابا داغ کی چوٹی پر قابض ہو گئے۔ صلیبی فوج کے پچھلے حصے کی قیادت خود شہنشاہ لوئیس ہفتم

کر رہا تھا اسے اس واقعے کی مطلق خبر نہ ہوئی۔ اور وہ نہایت اطمینان سے پیش قدمی کرتا رہا۔ پھر جیسے ہی فرانسیسی فوج سلجوقی سپاہیوں کی زد میں آئی۔ وہ نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے صلیبیوں پر ٹوٹ پڑے۔
اگر چہ عیسائی لشکر اپنی تعداد میں سلجوقی فوج سے دس گنا زیادہ تھا لیکن شہنشاہ فرانس اس آفت ناگہانی کے لئے تیار نہیں تھے۔ نتیجتاً صلیبی لشکر میں ابتری اور بدحواسی پھیل گئی۔ سلجوقیوں نے آن کی آن میں بیس ہزار عیسائی سپاہی تہ تیغ کر دیئے۔ فرانس کے 30 نامور امراء جو شہنشاہ لوئیس کے حفاظتی دستے میں شامل تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے موت کی خوراک بن گئے۔ شہنشاہ لوئیس بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگا اور فرانسیسی فوج کے اگلے حصے میں پہنچ گیا۔
ابھی شہنشاہ لوئیس کے 80 ہزار سپاہی موجود تھے۔ اور صلیب کے تقدس پر کٹ مرنے کے لئے تیار تھے۔ لیکن شاہ فرانس پر سلجوقیوں کی ایسی ہیبت طاری تھی کہ وہ جنگ مقدس کو بھول کر صرف اپنی جان بچانے کی فکر میں تھا۔ بالآخر وہ تنگ پہاڑی راستوں سے گزرتا ہوں اطالیہ (اٹلی) کی بندرگاہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔
صلیبیوں کی اس شکست پر سینٹ برنارڈ سب سے زیادہ غم زدہ تھا اور یہ غم اس لئے نہیں تھا کہ اس ناکام فوجی مہم میں جرمنی اور فرانس کے لاکھوں سپاہی مارے گئے تھے بلکہ اسے اپنے خواب کے لوٹنے کا قلق تھا۔ وہ دنیا پرست راہب شہرت و اقتدار کا بھوکا تھا۔ اس نے شہنشاہ فرانس اور شاہ جرمنی کو مقدس جنگ پر اس لئے آمادہ کیا تھا کہ ایڈیسہ کی شکست کا انتقام لے کر عیسائی دنیا پر ثابت کر دے کہ یہ فتح صرف اس کی روحانیت کا نتیجہ ہے۔ اس طرح وہ تمام عیسائیوں کا متفقہ روحانی پیشوا بن جاتا۔
پھر کچھ دن بعد لوئیس نے اطالیہ کی بندرگاہ سے سمندر کا سفر اختیار کیا اور 11 مارچ 1148ء کو انطاکیہ پہنچا۔
اس وقت انطاکیہ پر ریمنڈ کی حکمرانی تھی جو رشتے میں ملکہ ایلینر کا چچا تھا۔ ریمنڈ نے شہنشاہ لوئیس کا شاندار استقبال کیا۔ پھر دوسرے دن ایک خصوصی دربار آراستہ ہوا۔ ایک عیسائی شاعر نے صلیبیوں کی شکست و بربادی پر انتہائی دردناک مرثیہ پڑھا۔
"افسوس صد ہزار افسوس۔ صلیبیوں کے لئے یہ ایک مہلک صدمہ ہے۔ فرانس کا پھول دمشق میں پہنچ کر اپنی خوشبو بکھیرنے سے پہلے ہی مرجھا گیا۔"
مرثیہ سن کر شہنشاہ لوئیس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور شعبدہ باز سینٹ برنارڈ سر دربار دھاڑیں مار کر رونے لگا۔
یہ سنگین اور اذیت ناک فضا دیکھ کر انطاکیہ کا حکمراں کھڑا ہوا اور اس نے شکست خوردہ فرانسیسی شہنشاہ کی دلجوئی کے لئے بڑی جذباتی تقریر کی۔
"ہمارے معزز شہنشاہ کو اس شکست سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہئے کہ یہ شکست نہیں۔ ایک ناگہانی حادثہ تھا اور انسانی زندگی میں حادثے ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ہم بہت جلد تازہ دم ہوں گے اور پھر سلجوقیوں کے ساتھ دوسرے مسلم حکمرانوں کو بھی عبرت ناک سزا دیں گے۔ صلیب مقدس ہے اور

قیامت تک کے لئے سربلند ہے۔"
اس کے بعد ریمنڈ نے رقص و سرور کی محفلیں آراستہ کیں تاکہ شہنشاہ فرانس اپنے رنج و الم کو ساغر و صراحی میں غرق کر دے۔ ان محفلوں نے صلیبی سورماؤں کے سارے ارمان پورے کر دیئے۔ شہنشاہ لوئیس کے لشکر میں ہزاروں حسین عورتیں شامل تھیں۔ وہ سب کی سب تمام اخلاقی قیود کو توڑ کر طاقت ور سپاہیوں کے ساتھ آلودہ ہو گئیں۔ اس شرمناک کھیل میں شاہی خاندان کی خواتین پیش پیش تھیں۔ اور ان سب میں ملکہ ایلینر سرفہرست تھی۔ وہ ایک ترک مسلمان پر ایسی فریفتہ ہوئی کہ دن رات کسی کنیز کی طرح اس کے قدموں میں پڑی رہتی تھی۔
جب شہنشاہ لوئیس کو یہ شرمناک خبریں ملیں تو اس نے ملکہ ایلینر کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ایلینر شوہر کی گفتگو سن کر برہم ہو گئی۔ اور نہایت تحقیر آمیز لہجے میں بولی۔
"جب تم سیکڑوں کنیزیں رکھ سکتے ہو تو کیا میں ایک غلام بھی......؟"
شہنشاہ لوئیس اپنی بیوی کی شراب نوشی اور بدکاری کی خفیہ داستانوں سے واقف تھا...... مگر خاموش رہتا تھا۔ پھر جب ملکہ ایلینر کھلے عام رنگ رلیاں منانے لگی تو اسے عوامی سطح پر اپنی رسوائی کا اندیشہ ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ شہنشاہ لوئیس اپنی بے لگام بیوی کو تنہائی میں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر ایلینر نے انتہائی بے ہودہ جواب دے کر شوہر کے منہ پر تھوک دیا تھا۔
شہنشاہ لوئیس ایک بے غیرت انسان تھا اسے ایلینر کے جارحانہ اور شرمناک سلوک پر اپنے جلال شاہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بیوی کو طلاق دے دینی چاہئے تھی۔ مگر لوئیس نے ریمنڈ کو درمیان میں ڈال کر اس نازک مسئلے کو حل کرنا چاہا۔ ایلینر اور برہم ہو گئی۔ بالآخر اس نے اپنے چچا کے ذریعے لوئیس سے طلاق کا مطالبہ کر دیا۔ شہنشاہ لوئیس کچھ دن تک صلح و صفائی کی کوشش کرتا رہا۔ مگر ایلینر کی سرکشی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ آخر لوئیس ایلینر کو طلاق دے کر انطاکیہ سے چلا گیا۔

......{......☆......}......

شہنشاہ لوئیس ہفتم ناکامی کی حالت میں فرانس واپس جانا نہیں چاہتا تھا۔ پھر اس نے اپنی شکست کا داغ دھونے کے لئے ایک عجیب فیصلہ کیا۔ وہ انطاکیہ سے نکل کر اپنی 80 ہزار فوج کے ساتھ سیدھا یروشلم جا پہنچا۔ کچھ یہی کیفیت شہنشاہ جرمنی کانرڈ سوم کی تھی۔ اس نے بھی اپنی ناکامی کا بدلہ لینے کے لئے یروشلم کا رخ کیا۔ شہنشاہ جرمنی کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ یروشلم کے حکمران بالڈون کے ثالث کے ساتھ مل کر کسی کمزور مسلم ریاست پر قبضہ کر لے۔ تاکہ جب وہ اپنے ملک واپس جائے تو ایک فاتح کی حیثیت سے جرمنی کی رعایا اس کا استقبال کرے۔ پھر جب شہنشاہ کانرڈ اپنی نئی منصوبہ بندی کے ساتھ یروشلم پہنچا تو اس کی حیرت و مسرت کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ شہنشاہ فرانس لوئیس ہفتم وہاں پہلے سے موجود تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے بڑے والہانہ انداز میں گلے ملے۔ پھر پرانے زخموں کی خلش محسوس کر کے بہت دیر تک روتے رہے۔ اس کے بعد شہنشاہ لوئیس' شہنشاہ کانرڈ اور بالڈون ثالث' تینوں مل کر بیت المقدس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے۔ پھر اپنی مذہبی

رسموں کے مطابق تینوں نے توبہ کے ساتھ پر جوش لہجے میں عہد کیا کہ وہ پورے علاقے میں صلیبی اقتدار قائم کر کے ہی دم لیں گے۔

اس اتحاد ثلاثہ کا پہلا ہدف دمشق تھا۔ تینوں لشکر برق رفتاری کے ساتھ آگے بڑھے۔ شہر کے تین طرف مٹی کی مضبوط فصیل بنی ہوئی تھی۔ اور چوتھی سمت میں اس قدر گنجان باغ تھے کہ کوئی لشکر ان کے درمیان سے آسانی کے ساتھ نہیں گزر سکتا تھا۔ صلیبی فوجوں نے اسی طرف سے شہر کا محاصرہ کر لیا۔

اس زمانے میں دمشق پر امیر مجیر الدین کی حکومت تھی۔ جو انتہائی عیش پرست اور نا اہل حکمران تھا۔ اس کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وزیر معین الدین نے حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی تھی۔

معین الدین ایک وطن دوست انسان تھا۔ وہ دمشق کے پر جوش عوام اور علماء کی مدد سے کئی ماہ تک صلیبی حملہ آوروں کا مقابلہ کرتا رہا۔ اس دوران میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان کئی خونریز جھڑپیں ہوئیں۔ شیخ عبدالرحمٰنؒ جن کا شمار دمشق کے بہت بڑے مشائخ میں ہوتا تھا۔ عیسائیوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کے علاوہ فقیہہ امام یوسف مالکیؒ جن کی عمر 80 سال کے قریب تھی' وہ بھی اپنی غیرت دینی سے مجبور ہو گئے۔ وزیر معین الدین نے امام یوسفؒ کو جنگ سے روکنا چاہا مگر انہوں نے ضعف و ناتوانی کے باوجود انتہائی جرأت مندانہ لہجے میں فرمایا۔

''کیسی عجیب بات ہے کہ میرے گھر کے دروازے پر جہاد ہو رہا ہے اور میں اس سعادت عظیم سے محروم رہوں؟''

اس کے بعد امام یوسف مالکیؒ نے قرآن کریم کی یہ آیت مقدسہ تلاوت کی۔ ''بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں کا مال اور جانیں جنت کے عوض خرید لی ہیں۔''

اس کے بعد امام نے اپنی شمشیر بے نیام کی اور مردانہ وار صلیبیوں کی صف میں گھس گئے اور کئی عیسائی سپاہیوں کو قتل کر کے خود بھی شہید ہو گئے۔

صلیبی لشکر کئی لاکھ سپاہیوں پر مشتمل تھا اور اس کے مقابلے میں مسلمان فوجیوں کی تعداد بہت کم تھی۔ آخر معین الدین کہاں تک مقابلہ کرتا' پھر جب ایک دن صلیبی فوج شہر کے قریب ''میدان اخضر'' تک پہنچ گئی تو اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ اپنی مدد کے لئے سیف الدین غازی یا سلطان نور الدین محمود زنگیؒ سے درخواست کرے۔

پھر دمشق کے برق رفتار قاصد موصل اور شام کی طرف بڑھ رہے تھے۔

سیف الدین غازی بلا تاخیر ایک لشکر جرار لے کر دمشق کی طرف بڑھا۔ دوسری طرف سے سلطان نور الدین زنگیؒ نے اپنے جاں باز سپاہیوں کے ساتھ کوچ کیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب یوسف (صلاح الدین) نے ایک سپاہی کی حیثیت سے جنگ میں شرکت کی۔

دمشق روانہ ہونے سے پہلے یوسف (صلاح الدین) اپنے استاد محترم قاضی ابن عرسون کی خدمت میں حاضر ہو کر دعاؤں کا طالب ہوا۔

''مجھے حق تعالیٰ کی تائید و نصرت پر یقین کامل ہے۔ وہ ذات پاک تمہیں ہر حال میں سر بلند

رکھے گی۔ اب تمہارے خواب کی تعبیر کا وقت آ گیا ہے۔'' قاضی ابن عرسون نے نہایت پر سوز لہجے میں کہا۔

استاد گرامی کے حجرے سے نکل کر یوسف (صلاح الدین) شاریہ کے حجرے میں پہنچا......

یوسف (صلاح الدین) کے عشق نے اس ترکی کنیز کی دنیا ہی بدل ڈالی تھی۔ وہ قاضی ابن عرسون کا ''درس سنتی'' کتابوں کا مطالعہ کرتی۔ اور پھر سارا وقت عبادت و ریاضت میں گزار دیتی۔ اس نے نجم الدین ایوب سے کیا ہوا عہد پورا کر دیا تھا۔ اور یوسف کے راستے سے ہٹ گئی تھی، مگر راکھ کے اس ڈھیر میں بہت سی چنگاریاں دبی ہوئی تھیں۔ ذوق ہوس فنا ہو چکا تھا۔ مگر عشق اپنی تمام تر بے غرضی اور پاکیزگی کے ساتھ باقی تھا۔ شاریہ نے یوسف (صلاح الدین) سے بس ایک ہی درخواست کی تھی۔

''تم جب بھی استاد گرامی کی درس گاہ میں آیا کرو تو مجھے دو گھڑی کے لئے اپنی صورت ضرور دکھا دیا کرو۔ میں اسی ایک منظر کے سہارے اس خارزارِ ہستی سے چپ چاپ گزر جاؤں گی۔''

پھر جب یوسف (صلاح الدین) نے شاریہ کے حجرے میں داخل ہو کر اسے بتایا کہ وہ سلطان عادل کے ساتھ محاذِ جنگ کی طرف جا رہا ہے تو شاریہ کے بجھے بجھے سے چہرے پر مسرتوں کے چراغ جل اٹھے......اور اس نے بڑے والہانہ انداز میں کہا۔

''یوسف......! یہ تو ابتداء ہے۔ ابھی تمہیں بے شمار جنگیں لڑنا ہیں...... میں اس وقت کا انتظار کر رہی ہوں' جب ہر طرف تمہارا ہی پرچم لہراتا ہوا نظر آئے گا۔''

پھر جب یوسف (صلاح الدین) شاریہ کے حجرے سے نکل کر چلا گیا تو وہ زار و قطار رونے لگی اور پھر اپنے مالک حقیقی کے سامنے سجدہ ریز ہو گئی۔ ''اے انسانی اندازوں سے زیادہ رحم کرنے والے تو اس بات پر قادر ہے کہ میرے یوسف کے جسم پر ہلکی سی خراش بھی نہ آئے اور وہ فاتح قرار پائے۔ پھر بھی اگر تیری مشیت میں یہ طے پا چکا ہے کہ یوسف کو کوئی جسمانی نقصان پہنچے تو پھر اے رب بے نیاز یوسف کے بدلے میں میرا صدقۂ جان قبول فرما لے۔''

......}☆......{......

پھر جب سیف الدین غازی اور سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کے لشکروں کی آمد کی خبر شہنشاہ فرانس لوئیس ہفتم' شہنشاہ جرمنی کانرڈ سوم اور یروشلم کے حکمران بالڈون ثالث نے سنی تو وہ تینوں راتوں رات دمشق کا محاصرہ اٹھا کر یروشلم چلے گئے۔ سیف الدین غازی اور سلطان نور الدین زنگیؒ نے جنگ کے بغیر ایک اسلامی ریاست کو صلیبیوں کی دراز دستی سے بچا لیا۔

اس کے بعد عیسائی لشکر نے عسقلان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن صلیبیوں کا یہ منصوبہ بھی ناکام ہو گیا۔ شہنشاہ جرمنی مسلسل ناکامیوں سے تنگ آ کر اپنے وطن واپس چلا گیا۔ شہنشاہ فرانس لوئیس ہفتم چھ ماہ فلسطین میں مقیم رہا۔ اور پھر وہ بھی اپنی پیشانی پر نامرادی کا داغ سجائے ہوئے 1149ء میں فرانس لوٹ گیا۔ دوسری مقدس جنگ جو بڑے زور و شور کے ساتھ شروع کی گئی تھی۔ ایک شرمناک صورت پر ختم ہو گئی۔ جس میں لاکھوں عیسائی مارے گئے۔ یہ ایک ایسی عبرت ناک شکست تھی کہ جس کے

بعد شہنشاہ فرانس اور شہنشاہ جرمنی نے زندگی بھر" مقدس جنگ" کا نام نہیں لیا۔

دوسری صلیبی جنگ جس کا محرک شعبدہ باز سینٹ برنارڈ تھا' وہ بھی لرزہ خیز انجام سے دوچار ہوا اور رہتی دنیا تک عبرت کا عجیب نشان بن کر رہ گیا۔ اس واقعے کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ ایک رات سینٹ برنارڈ نشے کی حالت میں ایک بری عورت کے ساتھ تھا۔ یہ وہی فاحشہ عورت تھی جو عورتوں کی پچاس ہزار فوج کے ساتھ یروشلم آئی تھی۔ جب سینٹ برنارڈ کے محافظ سپاہی کو یہ اطلاع ملی کہ اس کا مذہبی پیشوا بدمستی میں مشغول ہے تو وہ بے دریغ کمرے میں داخل ہو گیا اور اس نے پہلے فاحشہ کو قتل کیا۔ پھر سینٹ برنارڈ کی طرف بڑھا۔

" میں تمہارا مقدس پیشوا ہوں۔" شعبدہ باز راہب ہذیانی انداز میں چیخ رہا تھا۔" میرے قتل سے گریز کرو۔ ورنہ تم پر آسمانی قہر ٹوٹے گا۔"

" تو مقدس نہیں' ناپاک ہے۔" عیسائی سپاہی کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔" صلیبیوں پر یہ سارا عذاب تیری ہی وجہ سے نازل ہوا ہے۔" یہ کہہ کر اس غیرت مند عیسائی نے سینٹ برنارڈ کے ٹکڑے کر دیئے۔

......}......☆......{......

دوسری طرف اوباش ملکہ ایلیز نے شہنشاہ لوئیس سے طلاق لے کر انگلستان کے شہنشاہ ہنری دوم سے شادی کر لی تھی جو ایک بوڑھا اور ناکارہ شخص تھا۔ یہ شادی تو محض ایک آڑ اور پردہ تھی۔ ورنہ جب ملکہ ایلیز انطاکیہ سے رخصت ہو کر انگلستان پہنچی تھی تو وہ اس مسلمان ترک کو اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ جس سے اس کے غلط تعلقات تھے۔

شہنشاہ ہنری دوم کچھ دن تک تو خاموش تماشائی بنا رہا۔ پھر جب اس نے ملکہ ایلیز کی حرکتوں کے خلاف زبان کھولی تو ایلیز نے اسے بھی شہنشاہ لوئیس کی طرح ڈانٹ دیا۔ اور وہ اپنی کمزوری کا راز فاش ہونے کے خوف سے سہم گیا۔

پھر ایک سال بعد ملکہ ایلیز کے یہاں ایک خوب صورت لڑکا پیدا ہوا۔ ملکہ نے بیٹے کا نام رچرڈ رکھا۔ یہ وہی بچہ رچرڈ ہے جسے آج بھی عیسائی دنیا شیر دل رچرڈ کے نام سے یاد کرتی ہے...... اور اس بچے نے جوان ہو کر سلطان صلاح الدین ایوبی سے کئی صلیبی جنگیں لڑی تھیں۔

شہنشاہ فرانس لوئیس ہفتم اور شہنشاہ جرمنی کانرڈ سوم اپنی محرومیوں اور ناکامیوں کا ماتم کرتے ہوئے کبھی کے واپس جا چکے تھے۔ اور ایک بھولی ہوئی داستان بن کر رہ گئے تھے۔ مگر ایک انتہائی متعصب عیسائی نوجوان گارنیٹ ابھی تک اس علاقے میں اپنی ماں لوزی کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا۔

گارنیٹ کی طرح لوزی بھی مذہبی معاملات میں دنیا کی انتہائی تنگ نظر عورت تھی۔ اگر اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ صفحۂ ہستی سے مسلمانوں کا وجود تک مٹا کر رکھ دیتی۔ لوزی والیٔ طلیطلہ (اندلس) فنش کی بیوی تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ جس طرح عیسائیوں نے اندلس (اسپین) میں مسلمانوں کے سینکڑوں سالہ اقتدار کی بنیادیں اکھاڑ پھینکی تھیں۔ اسی طرح بغداد اور مصر کو بھی نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ وہ

اپنی آنکھوں میں یہی خواب لے کر شہنشاہ جرمنی اور شہنشاہ فرانس کے ساتھ اندلس سے یروشلم آئی تھی۔ پھر جب شہنشاہ لوئیس اور شہنشاہ کانرڈ دوسری صلیبی جنگ میں شکست فاش کھا کر واپس جا رہے تھے تو لوزی نے انتہائی تحقیر آمیز لہجے میں کہا تھا۔

" یہ دونوں عیسائیت کی پیشانی پر ایک بدنما داغ ہیں...... یسوع مسیحؑ ان پر زمین تنگ کر دیں اور آسمان ان پر لعنت برسائے۔"

لوزی کی اسلام دشمنی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے دربار کے سارے عیش و آرام چھوڑ کر یروشلم میں خانہ بدوشوں کی طرح پڑی ہوئی تھی۔ اور روزانہ اپنے بیٹے گارنیٹ کے جذبات کو مشتعل کرتی رہتی تھی۔" میں اس وقت تک اندلس واپس نہیں جاؤں گی جب تک کسی مسلمان ریاست پر عیسائیوں کا قبضہ نہیں ہو جاتا۔"

گارنیٹ اپنی ماں کی جذباتی تقریروں سے متاثر ہو کر مستقبل کی منصوبہ بندی کرنے لگا۔ وہ عیسائی بستیوں میں جاتا اور اپنے ہم عقیدہ لوگوں کو صلیبی جنگوں کی یاد دلا کر ان کی مذہبی غیرت کو ابھارتا۔ اس کے ساتھ ہی انہیں دولت و اقتدار کی ترغیب بھی دیتا۔ یہاں تک کہ گارنیٹ کی فوج کے ساتھ ہزاروں مقامی عیسائی بھی شامل ہو گئے۔ پھر وہ برق رفتاری کے ساتھ" حصنِ عریمہ" کی طرف بڑھا۔ یہ قلعہ طرابلس کے عیسائی حکمران کاؤنٹ آف ٹریپولی کی سلطنت میں شامل تھا۔ کسی کو بھی یہ امید نہیں تھی کہ ایک عیسائی لشکر دوسری عیسائی سلطنت پر حملہ آور ہو گا۔ یہی وجہ تھی کہ کاؤنٹ آف ٹریپولی اس صورت حال سے بے خبر تھا۔ پھر اسی بے خبری کے عالم میں اندلس کے شہزادے گارنیٹ نے" حصنِ عریمہ" کے قلعے پر قبضہ کر لیا۔ طرابلس کے حاکم کو اپنے ایک ہم قوم کی اس حرکت پر شدید اذیت پہنچی۔ اس نے کسی تاخیر کے بغیر اپنے ایک تیز رفتار قاصد کو یہ پیغام دے کر گارنیٹ کے پاس بھیجا۔

" اس وقت عیسائیت شدید آزمائشی مرحلے سے گزر رہی ہے۔ ایسے سنگین حالات میں ایک عیسائی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے ہم مذہبوں کو نقصان پہنچا کر انہیں انتشار میں مبتلا کرے۔"

شہزادے گارنیٹ نے حاکم طرابلس کو سخت جواب دیتے ہوئے لکھا۔" اگر تم سچے صلیبی ہو تو میرے ساتھ مل کر مسلمانوں سے جنگ کرو...... یا پھر طرابلس کا تخت خالی کر دو۔ ایک بزدل مسیحی کو حکومت کرنے کا حق حاصل نہیں جو اپنے عیش و آرام پر قومی مفادات کو قربان کر دے۔"

حاکم طرابلس جانتا تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کا انجام کیا ہو گا۔ اس لئے اس نے فوری طور پر سلطان نورالدین محمود زنگی کو خط لکھا۔

" اگر میری حکومت کے تحفظ کی ضمانت دی جائے تو میں ذاتی طور پر اس بات کو پسند کروں گا کہ آپ آگے بڑھ کر" حصن عریمہ" کے قلعے پر قبضہ کر لیں۔" حاکم طرابلس نے اپنا اقتدار بچانے کے لئے نہایت دوراندیشی سے کام لیا تھا۔ اگرچہ وہ خود ایک فریب کار انسان تھا لیکن اس حقیقت سے باخبر تھا کہ مسلمان وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اسی لئے حاکم طرابلس نے سلطان نورالدین محمود زنگی کو" حصنِ عریمہ" کے قلعے پر قبضہ کر لینے کی پیشکش کی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر شہزادہ گارنیٹ کو

نہ روکا گیا تو پھر اقتدار کے ساتھ اس کی زندگی کو بھی شدید خطرہ لاحق ہو جائے گا۔

اس وقت والیٔ شام دمشق کے علاقے بعلبک میں مقیم تھے۔ حاکم طرابلس کا پیغام ملتے ہی سلطان نورالدین زنگیؒ ایک لشکر جرار لے کر "حصنِ عریمہ" کی طرف بڑھے۔ وزیر معین الدین نے بھی سلطان کا ساتھ دیا۔ مزید احتیاط کے طور پر سلطان نورالدین زنگیؒ نے اپنے بڑے بھائی سلطان سیف الدین غازی سے بھی فوجی امداد کی درخواست کی اور طرابلس کی طرف روانہ ہو گئے۔

سلطان نورالدین زنگیؒ کا لشکر طوفان برق و باد کی طرح اپنے ہدف کی جانب رواں تھا۔ وہ اندلس کے شہزادے گارنیٹ کو سنبھلنے کا موقع دینا نہیں چاہتے تھے۔ اسلامی لشکر نے یہ طویل فاصلہ تین دن میں طے کیا اور آگے بڑھ کر قلعے کا محاصرہ کر لیا۔

عیسائی فوجیوں نے مسلسل چار دن تک قلعے کی فصیلوں پر کھڑے ہو کر تیروں کی ایسی بارش کی کہ اسلامی لشکر چند قدم سے زیادہ آگے نہ بڑھ سکا۔ اسی دوران میں سلطان سیف الدین غازی کا لشکر بھی آ پہنچا۔ جس کی قیادت والیٔ جزیرہ امیر عزالدین کر رہا تھا۔

آخر طویل غور و فکر کے بعد سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے حکم پر مسلمان سپاہیوں نے قلعے کے جنوبی حصے میں بارودی سرنگ بچھانی شروع کی۔ شہزادہ گارنیٹ نے سلطان عادل کی جنگی حکمت عملی کو ناکام بنانے کے لئے اپنے ماہر تیر انداز جنوبی فصیل پر بھیج دیئے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے تیروں کی بارش تیز تر ہو گئی..... اور سینکڑوں مسلمان سپاہی اپنے خون میں نہا گئے..... مگر بارودی سرنگ بچھانے کا کام جاری رہا۔ ایک فوجی کلمہ طیبہ پڑھتا ہوا شہید ہوتا تھا تو فوراً ہی دوسرا سپاہی آگے بڑھ کر اسکی جگہ لے لیتا۔ یہاں تک کہ صلیبی تیر اندازوں کے بازو شل ہو گئے اور تیروں کا ذخیرہ ختم ہو گیا۔

پھر ایک خوفناک دھماکا ہوا اور "حصنِ عریمہ" کے قلعے کی جنوبی فصیل اڑ گئی۔ اہل ایمان نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور قلعے میں داخل ہو گئے۔

صلیبیوں نے کچھ دیر تک جم کر مقابلہ کیا..... مگر جب ان کی بڑی تعداد موت کا لقمہ بن گئی تو قلعے میں ہر طرف عیسائیوں کی چیخیں گونجنے لگیں۔ ہر صلیبی عورت و مرد پناہ مانگ رہا تھا۔

"امان..... امان....."

اسلامی لشکر کی تلواریں نیام میں چلی گئیں..... اور صلیبیوں کو گرفتار کیا جانے لگا۔ اسیران جنگ میں حاکم طلیطلہ (اندلس) کی جابر و سفاک اور اسلام دشمن بیوی لوزی بھی شامل تھی۔

شہزادہ گارنیٹ کسی نہ کسی طرح قلعے سے نکل کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ مگر اس وقت اس کے خوف کی کوئی انتہا نہیں رہی جب اس نے دوسرے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنی۔ گارنیٹ نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک مسلمان شہسوار اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ شہزادے نے اپنے گھوڑے کی رفتار اور بڑھا دی مگر اس کی یہ کوشش بھی ناکام رہی۔

"اگر تم خود کو میرے حوالے کر دو تو میں اپنے امیر کی طرف سے تمہاری جاں بخشی کا اعلان کرتا ہوں۔" میدان میں مسلمان شہسوار کی پُر جلال آواز گونجی۔

شہزادہ گارنیٹ کو یہ اجنبی آواز اپنے بہت قریب محسوس ہوئی۔ اگرچہ وہ مسلح تھا..... اور اپنے پیچھے آنے والے مسلمان سپاہی کا مقابلہ کر سکتا تھا لیکن عیسائی فوج کی شکست کے باعث وہ بدحواس ہو گیا تھا۔ شہزادہ گارنیٹ کو اپنی جان زیادہ عزیز تھی۔ اس نے آخری تدبیر کے طور پر اپنے گھوڑے کو ایڑ دی۔ مگر مسلم شہسوار اس کے سر پر آ پہنچا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے گارنیٹ کا گھوڑا لڑکھڑایا..... اور منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ یہ حادثہ اس قدر اچانک ہوا کہ شہزادہ گارنیٹ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا..... اور اس کے ہاتھ سے لگام چھوٹ گئی اور وہ خود بھی گھوڑے کی پشت سے اچھل کر دور جا گرا۔ پھر اس پر فوراً ہی یہ راز فاش ہو گیا کہ تعاقب میں آنے والے مسلم شہسوار نے اپنی شمشیر کے بھرپور وار سے گھوڑے کی پچھلی ٹانگیں کاٹ دی تھیں۔

شہزادہ گارنیٹ کے زمین پر گرتے ہی مسلم شہسوار نے اپنے گھوڑے کی لگامیں کھینچ لیں..... اور تیزی کے ساتھ شمشیر بکف نیچے اتر آیا۔ موت کو اپنے قریب دیکھ کر شہزادہ گارنیٹ کے چہرے سے وحشت ٹپکنے لگی۔

"تم اپنے حواس درست کر لو اور مقابلے کے لئے تیار ہو جاؤ۔" مسلم شہسوار نے بے نیازانہ کہا۔ "ہم لوگ اپنے دشمن پر پیچھے سے وار نہیں کرتے۔ تم بھی پیادہ پا ہو..... اور میں بھی..... یہ برابر کا مقابلہ ہے..... اٹھو، اور قسمت آزمائی کرو..... دیکھیں قدرت کس کا ساتھ دیتی ہے؟"

شہزادہ گارنیٹ کو اپنی بینائی اور سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ کوئی دشمن اتنا وسیع القلب بھی ہو سکتا ہے۔ یہ موقع غنیمت جان کر اندلس کا شہزادہ تیزی کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے اپنے دشمن پر ایک بھرپور وار کیا۔ مسلم شہسوار نے نہایت چابک دستی سے گارنیٹ کا وار روکا۔ پھر کچھ دیر تک دونوں شمشیر زن مختلف پینترے بدل کر اپنے اپنے داؤ آزماتے رہے۔ یہاں تک کہ شہزادہ گارنیٹ کے دائیں ہاتھ پر کاری زخم آیا اور تلوار چھوٹ کر دور جا پڑی۔ مسلم شہسوار نے اندلس کے شہزادے کو ایک اور موقع دیا۔ مگر اب اس کا زخمی ہاتھ شمشیر کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں رہا تھا۔

پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ مسلم شہسوار اپنے گھوڑے کی پشت پر تھا اور شکست خوردہ عیسائی شہزادہ لڑکھڑاتا ہوا گھوڑے کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

تمام صلیبی سپاہیوں کو پابہ زنجیر کرنے کے بعد شہزادہ گارنیٹ کی تلاش شروع ہوئی۔ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کو بتایا گیا کہ وہ کسی خفیہ راستے سے فرار ہو چکا ہے۔ سلطان عادل نے فوری طور پر یہ فرمان جاری کر دیا کہ برق رفتار شہسواروں کا ایک دستہ مختلف راستوں پر نکل جائے اور شہزادہ گارنیٹ کو زندہ گرفتار کر کے سر دربار پیش کیا جائے۔

ابھی وہ شہسوار شہزادہ گارنیٹ کی تلاش میں نکلنے ہی والے تھے کہ شہزادہ گارنیٹ مسلم سپاہی کے ساتھ قلعے میں داخل ہوا۔

پھر جب اندلس کا شہزادہ ندامت سے سر جھکائے ہوئے دربار میں داخل ہوا..... تو سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے ہونٹوں پر فاتحانہ تبسم ابھر آیا۔ یہ تبسم شہزادہ گارنیٹ کی اسیری پر بھی تھا اور اس

شہسوار بھی جو اس جنونی صلیبی کو گرفتار کر کے لایا تھا۔

یہ مسلم شہسوار کوئی اور نہیں، سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کا مصاحب خاص یوسف (صلاح الدین) تھا۔

پھر جب شہزادہ گارنیٹ اور اس کی ماں لوزی کے فیصلے کا وقت آیا تو سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے تمام سرداروں نے بیک زبان کہا۔

"ان دونوں فتنہ گروں کو سرعام قتل کر دیا جائے اور ان کی لاشیں صلیبیوں کی عبرت کے لئے شہر کے چوراہے پر لٹکا دی جائیں۔"

صرف یوسف (صلاح الدین) ہی تھا جس نے سرداروں کے اس متفقہ فیصلے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا۔ "ان دونوں کی لاشیں چوراہے پر لٹکا دینے سے عبرت کا یہ تماشا زیادہ سے زیادہ شام تک ختم ہو جائے گا۔ میری رائے میں اس تماشے کو اتنا طول دیا جائے کہ صلیبی قوم روزانہ اس عبرت ناک منظر کو یاد کرے اور اپنی شکست و بربادی پر ہر گھڑی آنسو بہاتی رہے۔"

یوسف (صلاح الدین) کی تجویز سن کر تمام سرداروں نے بڑی حیرت سے اس نوجوان کی طرف دیکھا جس نے شہزادہ گارنیٹ کو گرفتار کر کے اپنا پہلا جنگی کارنامہ انجام دیا تھا۔ ان سرداروں میں نجم الدین ایوب اور اسدالدین شیرکوہ بھی شامل تھے۔

خود سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی آنکھوں سے بھی ایک سوال نمایاں تھا کہ آخر کس طرح اس عبرت ناک منظر کو طول دیا جائے۔

"ہم اہل ایمان ہیں، اس لئے اپنے دشمن کی لاشوں کی بھی بے حرمتی نہیں کر سکتے۔" یوسف (صلاح الدین) نے انتہائی باوقار لہجے میں عرض کیا۔ "بہتر یہی ہے کہ جوسلن ثانی کی طرح ان ماں بیٹے کو بھی حوالۂ زنداں کر دیا جائے۔ پھر جب تک یہ دونوں زندہ رہیں گے، وہ عبرت ناک تماشا بھی اپنے تسلسل کے ساتھ جاری رہے گا۔"

سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے اپنے مصاحب خاص کی اس تجویز کو پسند فرمایا اور ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی۔

نجم الدین ایوب اور اسدالدین شیرکوہ کا سر بھی فخر سے بلند ہو گیا۔ یوسف (صلاح الدین) صرف شجاعت ہی میں نہیں، فہم و فراست میں بھی اپنے ہم عمروں سے بہت آگے تھا۔

"میں سلطان عادل سے ایک اور بات عرض کرنا چاہوں گا۔" مختصر سے سکوت کے بعد یوسف (صلاح الدین) نے دوبارہ لب کشائی کی۔ "ان دونوں ماں بیٹے کو ایک جلوس کی شکل میں خاص طور پر عیسائی بستیوں سے گزارا جائے تاکہ ان کے دلوں پر اہلِ ایمان کی ہیبت قائم ہو...... تاکہ ان کے دلوں میں پیدا ہونے والے سرکشی اور بغاوت کے جذبات فنا ہو جائیں...... یا پھر کم سے کم اتنے سرد پڑ جائیں کہ باہر سے آنے والی صلیبی ہوائیں انہیں مزید نہ بھڑکا سکیں۔"

سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے سرِ دربار یوسف (صلاح الدین) کی ذہانت کی تعریف کی اور پھر

ملکہ لوزی اور شہزادہ گارنیٹ کو دوسرے عیسائی قیدیوں کے ساتھ اپنے بڑے بھائی سلطان سیف الدین غازی کے پاس بھیج دیا اور خود حلب کی طرف روانہ ہو گئے۔

......}......☆......{......

اسی زمانے میں زنگی خاندان کے شامی مقبوضات میں عیسائیوں نے عام بغاوت کر دی اور جگہ جگہ فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دی۔ اس شورش کی وجہ بھی ایک فتنہ گر راہب سینٹ مارلو تھا۔ سینٹ برناڈ کی شرمناک اور عبرتناک موت کے بعد سینٹ مارلو نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنے عظیم مذہبی پیشوا کے مقدس مشن کو جاری رکھے گا۔ اپنی اس مذہبی تحریک کو جاری رکھنے کے لئے ایک نیا طریقہ اختیار کیا تھا۔

جب عیسائی قوم اپنی عبادت کے لئے گرجا گھر میں جمع ہو جاتی تو سینٹ مارلو کے حکم پر عبادت گاہ کے تمام دروازے بند کر دیئے جاتے تھے۔ پھر وہ عیار راہب عبادت کے نام پر جمع ہونے والے سادہ دل عیسائیوں کو لعنت و ملامت کرتے ہوئے پرجوش تقریریں کیا کرتا تھا۔

"تم سے یسوع مسیحؑ اس قدر ناراض ہیں کہ مقدس بیٹے کی حالتِ غضب کو الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔" یہ کہہ کر فتنہ گر راہب کچھ دیر کے لئے خاموش ہو جاتا تاکہ وہ اپنے مخاطبین کی دلی کیفیات کا مشاہدہ کر سکے۔

اپنے مذہبی پیشوا کی زبانی یسوع مسیحؑ کے غیظ و غضب کی بات سن کر عبادت کے لئے جمع ہونے والے عیسائی خوفزدہ ہو جاتے۔

پھر وہ عیار راہب ان کے منتشر ذہنوں پر ایک اور ضرب لگاتا۔ "اس وقت تک تمہاری کوئی عبادت بھی قبول نہیں ہے، جب تک تمہارے پیروں میں مسلمانوں کی زنجیر غلامی پڑی ہے۔"

"اس زنجیر غلامی کو کیسے کاٹا جائے؟" گرجا میں موجود عیسائی بے قرار ہو کر پوچھتے۔

"اس کا ایک ہی علاج ہے کہ تم مسلمانوں کے خلاف بغاوت کر دو۔" سینٹ مارلو بڑی مکاری کے ساتھ صلیبیوں کو ورغلاتا۔ "سلطان عمادالدین زنگی کے دونوں بیٹے نااہل اور ناکارہ ہیں۔ بس تمہیں تھوڑی سی ہمت درکار ہے۔ اپنی شمشیریں بے نیام کرو اور جہاں بھی کوئی مسلمان نظر آئے اسے بے دریغ قتل کر دو۔ پھر جیسے ہی انتشار پھیلے گا، بالڈون ثالث کی فوجیں تمہاری مدد کو آ جائیں گی۔"

دراصل اس سازش کی جڑیں یروشلم میں تھیں۔ بالڈون ثالث کے ایماء پر سینٹ مارلو شام کے علاقے میں داخل ہوا تھا۔ اس سازش کا ایک ہی مقصد تھا کہ سلطان نورالدین زنگیؒ اور سلطان سیف الدین غازی کے مقبوضات خانہ جنگی کی لپیٹ میں آ جائیں۔ پھر وہ اس شورش و بغاوت سے فائدہ اٹھا کر موصل اور شام میں داخل ہو جائے۔ شام یروشلم بالڈون ثالث نے اس منصوبے کی تکمیل کے لئے ایک بڑی رقم مخصوص کر دی تھی۔ جس سے ہتھیار خریدے جاتے تھے اور شام کے گرجا گھر میں پہنچا دیئے جاتے تھے۔ یہ سارے ہتھیار عیسائی راہبوں کی لمبی لمبی عباؤں میں پوشیدہ ہوتے...... اور پھر گرجا گھر کے تہہ خانے میں جمع ہو جاتے۔ پھر ان ہتھیاروں کو بڑی رازداری کے ساتھ رات کے اندھیرے میں ان توانا عیسائیوں کو دے دیئے جاتے جو جنگی صلاحیت رکھتے تھے۔

جب شاہ بالڈون ثالث اور سینٹ مارلو کا منصوبہ مکمل ہو گیا تو ایک دن سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے مقبوضات میں بغاوت اور شورش کی آگ بھڑک اٹھی۔ یہ سب کچھ اس قدر اچانک ہوا تھا کہ اگر سلطان نورالدین زنگیؒ کے علاوہ کوئی دوسرا حکمراں ہوتا تو یہ صورت حال دیکھ کر گھبرا جاتا..... اور ذہنی انتشار کے باعث سیاسی فیصلے کر ڈالتا۔ مگر وہ بڑے ضبط و تحمل اور اعصابی قوت کے مالک تھے۔ سلطان عادل نے اپنے معتمد سالاروں نجم الدین ایوب اور اسدالدین شیرکوہ کو حکم دیا کہ وہ ریاست کے سرحدی علاقوں کی مکمل ناکہ بندی کر لیں تاکہ کوئی باغی فرار ہونے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ نجم الدین ایوب کے مقابلے میں اسدالدین شیرکوہ اپنے بھتیجے یوسف (صلاح الدین) سے زیادہ محبت کرتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ اسدالدین شیرکوہ ہر معرکہ آرائی میں یوسف (صلاح الدین) کو اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اس بار بھی ایسا ہی ہوا شیرکوہ یوسف (صلاح الدین) کو لے کر شامی سرحدوں پر پہنچ گیا۔

اپنی جنگی منصوبہ بندی مکمل کرنے کے بعد سلطان نورالدین زنگیؒ باغیوں کی سرکوبی کے لئے آگے بڑھے۔

جب شاہ یروشلم بالڈون ثالث کے جاسوسوں نے اسے یہ خبر پہنچائی کہ سلطان نورالدین زنگیؒ کے مقبوضات میں بغاوت شروع ہو چکی ہے تو اس نے ایک بہت بڑا لشکر باغیوں کی مدد کے لئے شام کی طرف روانہ کیا۔ بالڈون ثالث کو یقین تھا کہ وہ باغیوں کے تعاون سے سلطان نورالدین محمود زنگیؒ اور سلطان سیف الدین غازی کے علاقوں پر قبضہ کر لے گا اور اس طرح دوسری صلیبی جنگ کی ناکامی کا داغ اس کے چہرے سے دھل جائے گا۔ مگر جب بالڈون ثالث کے لشکر نے شام کی تمام سرحدوں پر مسلمان فوجیوں کا اجتماع دیکھا تو وہ ناکام و نامراد لوٹ گئے۔

پھر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے باغیوں کے قلب میں داخل ہو کر اس قدر شدید حملے کئے کہ آن کی آن میں ہزاروں صلیبی مسلمانوں کی شمشیروں کا رزق بن گئے..... باقی عیسائیوں کے شور فغاں سے پورا میدان اور شہر گونج اٹھا۔ صلیبی گریہ و زاری کے ساتھ..... "الامان..... الامان....." پکار رہے تھے۔

ہزاروں عیسائی شکست، کا یہ ہولناک منظر دیکھ کر فرار ہو گئے۔ مگر انہیں نجم الدین ایوب اور اسدالدین شیرکوہ کے سپاہیوں نے قتل کر ڈالا۔ بمشکل دو چار سو صلیبی اپنی جانیں بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو سکے۔ وہ بغاوت جسے پرورش پانے میں کئی ماہ لگ گئے تھے، سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے اپنی جنگی حکمت عملی سے اسے چند گھنٹوں میں کچل ڈالا۔

سینٹ مارلو جو اس بغاوت کا سرغنہ تھا۔ اس نے فرار ہو کر گرجا گھر میں پناہ حاصل کی۔ اس کے ساتھ اس کے چند خدمت گار بھی تھے۔ مسلمان سپاہی چاہتے تو عیسائیوں کے عبادت خانے میں داخل ہو کر اس فتنہ گر راہب سینٹ مارلو کو گرفتار کر لیتے۔ مگر اہل ایمان اپنے جنگی قوانین سے مجبور تھے۔ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کا حکم تھا کہ جنگ کے دوران تمام گرجا گھر محفوظ رہیں گے۔ اگر کچھ

عیسائی بھاگ کر اپنے عبادت خانے میں پناہ حاصل کر لیں تو ان سے بھی کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ اتنی بڑی بغاوت کی قیادت کرنے والا سینٹ مارلو ابھی تک زندہ بھی تھا..... اور محفوظ بھی......

مسلمان سپاہیوں کے ایک مختصر سے دستے نے آگے بڑھ کر اس گرجا گھر کا محاصرہ کر لیا جس میں سینٹ مارلو روپوش تھا۔

فوری طور پر اس واقعے کی اطلاع سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کو دی گئی۔ سینٹ مارلو کا جرم ناقابل معافی تھا۔ سلطان عادل گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ وہ اس فتنہ گر سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے اور یہ کام ذرا بھی مشکل نہیں تھا کہ چند سپاہی گرجا میں داخل ہوتے اور سینٹ مارلو کو پکڑ کر سلطان نورالدین زنگیؒ کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ مگر اہلِ ایمان اپنے اصولوں سے مجبور تھے۔

آخر سلطان عادل کی ذہنی کشمکش کو یوسف (صلاح الدین) نے اپنی ذہانت سے دور کیا۔ "آپ اپنے ایک غیر مسلح سپاہی کو عیسائیوں کے عبادت خانے میں بھیجیں۔ وہ سپاہی سینٹ مارلو کو سلطان عادل کی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم دے۔" یوسف (صلاح الدین) نے اپنی تجویز کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"اگر اس نے میرا حکم ماننے سے انکار کر دیا؟" سلطان نورالدین زنگیؒ کے لہجے سے تشویش جھلک رہی تھی۔ "اور وہ عیار و فتنہ گر ایسا ہی کرے گا..... کیونکہ وہ میرے سامنے پیش ہونے کی سزا خوب جانتا ہے۔" یہ کہتے کہتے سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے چہرے سے شدید غصے کا رنگ جھلکنے لگا تھا۔

"پھر آپ اس مکار انسان پر خوراک اور پانی بند کر دیں۔" یوسف (صلاح الدین) نے دوسری تجویز پیش کرتے ہوئے کہا۔ "اگر گرجا میں کھانے پینے کا کچھ سامان ہوا بھی تو وہ دو چار دن میں ختم ہو جائے گا۔ پھر وہ لوگ بھوک و پیاس سے مجبور ہو کر خود ہی عبادت خانے سے باہر نکل آئیں گے اور اپنے آپ کو سلطانی سپاہیوں کے حوالے کر دیں گے۔ بالفرض محال سینٹ مارلو خود کو گرفتاری کے لئے پیش نہیں کرتا تو خالی شکم اور خشک گلا دونوں مل کر اسے مار ڈالیں گے۔ اس طرح آپ کی ذات گرامی پر ایک پادری کے قتل کا الزام بھی نہیں آئے گا اور وہ فتنہ بھی ہمیشہ کے لئے زیر زمین دفن ہو جائے گا۔"

سلطان نورالدین زنگیؒ نے سر دربار یوسف (صلاح الدین) کی ذہانت کی بہت زیادہ تعریف کی اور اس کی انتہائی مدبرانہ تجویز سے اتفاق کیا۔

پھر ایسا ہی ہوا جس کی طرف یوسف (صلاح الدین) نے اشارہ کیا تھا۔ گرجا گھر میں مختصر سے پانی کے ذخیرے کے سوا کھانے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔ سینٹ مارلو کے خدمت گاروں نے بڑی مشکل سے پانی پی کر ایک رات گزاری۔ پھر جب بھوک کی شدت سے ان کے پیٹ جلنے لگے تو وہ سینٹ مارلو سے رو رو کر عرض کرنے لگے۔

"مقدس پیشوا..... ہم سے یہ بھوک برداشت نہیں ہوتی۔ اس لئے ہم خود کو مسلمانوں کے حوالے کر رہے ہیں۔"

سینٹ مارلو اپنے خدمت گاروں کو مقدس باپ اور بیٹے کی قسمیں دیتا رہا۔ اگرچہ ان لوگوں کی سماعت بحال تھی لیکن وہ بہرے بن کر عبادت گاہ سے نکل گئے۔

سلطان نورالدین زنگیؒ کے سپاہیوں نے عیسائی راہب کے خادموں کو گرفتار کرنا چاہا۔ مگر ان لوگوں نے رو رو کر کہا۔ ''ہم زنجیروں کے بغیر ہی اسیر ہو چکے ہیں تمہیں تمہارے پیغمبر کا واسطہ، پہلے ہمیں کھانا کھلا دو۔ پھر جہاں چاہو لے چلو...... قتل کر دو یا زنداں میں ڈال دو۔''

پھر دوسرے دن سینٹ مارلو بھی بھوک سے نڈھال ہو کر گرجا کے باہر نکل آیا۔ ضعف و ناتوانی کے باعث اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے اور آنکھوں کے ساتھ اندھیرا چھا رہا تھا۔ اس نے بھی اپنے خدمت گاروں کی طرح مسلمان سپاہیوں سے صرف ایک روٹی کی بھیک مانگی۔

پھر سلطان نورالدین زنگیؒ نے عیسائی راہب سینٹ مارلو کو زنداں کے اس کمرے میں پہنچا دیا جہاں ایڈیسہ کا سابق عیسائی حکمراں جوسلن ثانی تین سال سے ایک اندھے قیدی کی زندگی گزار رہا تھا۔

جوسلن ثانی نے انسانی قدموں کی آہٹ سنی تو وہ چونک کر اٹھ بیٹھا اور اس نے انتہائی بے چارگی کے لہجے میں آنے والے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''اچھا ہوا تم آ گئے...... فوراً جاؤ اور اپنے سلطان کو خبر کر دو کہ مجھے رات سے تیز بخار ہے۔''

''سلطان تمہارے سامنے ہے......اس تک تمہاری بیماری کی خبر پہنچ گئی۔'' سلطان نورالدین زنگیؒ نے انتہائی نرم لہجے میں کہا۔ ''کچھ دیر بعد درباری طبیب تمہارا مرض تشخیص کر کے دوا پہنچا دے گا۔ فی الحال میں تمہاری تنہائی کا علاج کرنے آیا ہوں۔ تمہارے مقدس پیشوا سینٹ مارلو میرے ہمراہ ہیں......آج سے یہ تمہارے ساتھ اسی کمرے میں رہیں گے۔'' اتنا کہہ کر سلطان نورالدین زنگیؒ تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل گئے اور داروغۂ زنداں نے قید خانے کا دروازہ بند کر دیا۔

جوسلن ثانی اور سینٹ مارلو گلے مل کر بہت دیر تک روتے رہے۔

......{......☆......}......

شام میں عیسائی باغیوں کی مکمل بربادی اور سینٹ مارلو کی گرفتاری کی خبر پوری عیسائی دنیا پر قیامت بن کر ٹوٹی۔ شاہ یروشلم بالڈون ثانی نے تین دن تک سوگ منانے کا اعلان کیا۔ شہنشاہ جرمنی اور شہنشاہ فرانس نے بھی اس خبر پر افسوس کا اظہار کیا۔ مگر اب ان کے دلوں میں مقدس جنگ کے حوالے سے کوئی جذبہ نہیں ابھرتا تھا۔ وہ اپنی اپنی سلطنتوں کی سرحدیں مضبوط کرنے میں مصروف تھے۔

صرف ایک صلیبی کو اس واقعے سے شدید اذیت پہنچی اور وہ تھا ریمنڈ، انطاکیہ کا حاکم اور ملکہ ایلیز کا چچا...... ریمنڈ یہ خبر سنتے ہی سیدھا انگلستان پہنچا۔ ملکہ ایلیز نے بڑے والہانہ انداز میں اپنے چچا کا استقبال کیا۔ پھر جب ریمنڈ نے ملکہ ایلیز کو صلیبیوں کی الم انگیز تباہی کا حال سنایا تو پہلے وہ غضب ناک ہو گئی۔ پھر شدت جذبات سے رونے لگی۔

''میں اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں؟'' ملکہ ایلیز نے انتہائی رقت آمیز لہجے میں کہا۔

''میں تمہارے پاس صرف اس لئے آیا ہوں کہ اگر تم اپنے چند ہزار سپاہی میرے ہمراہ کر دو تو میں زنگی خاندان سے عیسائیوں کی شکست کا انتقام لے سکتا ہوں۔'' حاکم انطاکیہ ریمنڈ نے بڑے جذباتی لہجے میں کہا۔

مسلمانوں سے انتقام لینے کی بات سن کر یکایک ملکہ ایلیز کے بہتے ہوئے آنسو تھم گئے اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی۔ ''اگر آپ سمجھتے ہیں کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے تو میں ہنری سے کہہ کر اتنے سپاہیوں کا انتظام کرا سکتی ہوں۔''

ملکہ ایلیز کا اشارہ اپنے بوڑھے شوہر شہنشاہ ہنری دوم کی طرف تھا۔

پھر جب شہنشاہ انگلستان اور ریمنڈ کے درمیان اس موضوع پر مذاکرات ہوئے تو ہنری دوم نے صاف انکار کر دیا۔

''میں کسی صلیبی کو نہیں جانتا...... اور نہ میرے نزدیک مقدس جنگ کی کوئی حیثیت ہے۔ میں صرف اس جنگ کو مقدس سمجھتا ہوں جس میں مجھے فتح حاصل ہو......اور میرا اقتدار قائم رہے۔''

شہنشاہ انگلستان کا جواب سن کر ریمنڈ کو سکتہ سا ہو گیا۔ وہ کچھ دیر تک کسی پتھر کے مجسمے کی طرح ساکت بیٹھا رہا۔ پھر جب ریمنڈ کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی تو اس کی آواز بجھی بجھی تھی۔ ''شہنشاہ میں تو بڑی امیدیں لے کر آیا تھا۔ شاہ فرانس اور شاہ جرمنی کے بعد عیسائی دنیا کی توقع کا مرکز صرف آپ ہی کی ذات ہے۔'' ریمنڈ نے عیاری سے کام لیتے ہوئے خوشامدانہ لہجہ اختیار کیا۔ دراصل ریمنڈ بھی ایک خود غرض اور دنیا دار حاکم تھا۔ اسے ذاتی طور پر مقدس جنگ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو صرف انطاکیہ کے رقبے کو وسعت دینے کے لئے فریب کاری سے شاہ انگلستان کی فوجی مدد کا سہارا لینا چاہتا تھا۔

شہنشاہ انگلستان ریمنڈ سے بھی زیادہ چالاک اور سفاک تھا۔ ''شہنشاہ فرانس اور شہنشاہ جرمنی اس وقت کیا کر رہے ہیں۔ کیا وہ مقدس جنگ میں مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہیں؟''

شہنشاہ ہنری دوم نے بظاہر ایک سیدھا سادا سوال کیا تھا۔ مگر در پردہ اس کا کچھ اور ہی مفہوم تھا۔ اس لئے حاکم انطاکیہ ریمنڈ، ہنری کی چال کو سمجھنے سے قاصر رہا......اور انتہائی تحقیر آمیز لہجے میں کہنے لگا۔ ''شہنشاہ لوئیس اور شہنشاہ کانرڈ نے صلیبی جنگوں سے منہ موڑ لیا۔ اب وہ دونوں اپنے تاج و تخت کی پرستش کر رہے ہیں۔ انہیں مذہب کی ذرا بھی پروا نہیں......شام اور فلسطین کے عیسائی اپنے خون میں نہائے ہوئے ہیں......اور وہ دونوں شراب سے غسل کر رہے ہیں۔''

ریمنڈ کا خیال تھا کہ اس کی جذباتی تقریر سے شہنشاہ ہنری پگھل جائے گا۔ مگر جواب میں والئ انگلستان نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

ریمنڈ نے حیرت سے شہنشاہ ہنری کی طرف دیکھا......اور انتہائی ناگوار لہجے میں کہا۔ ''یہ ہنسی کا موقع تو نہیں شہنشاہ؟''

شہنشاہ ہنری دوم فطرتاً ایک تندخو اور ظالم انسان تھا۔ اس نے انتہائی جارحانہ لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''ریمنڈ...... میں ہنس نہیں رہا ہوں۔ تمہاری بیمار عقل کا ماتم کر رہا ہوں...... کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس صورت حال سے بے خبر ہوں؟ ان مقدس مذہبی پیشواؤں نے شہنشاہ فرانس اور شہنشاہ جرمنی پر بھی جادو کر دیا تھا۔ پھر اس کے اثر سے وہ دونوں بھی کچھ دنوں کے لئے تمہاری طرح بیمار ہوگئے تھے۔ آخر لاکھوں سپاہی کٹوانے کے بعد ان کے سروں سے مقدس راہبوں کا جادو اترا اور وہ ہوش میں آئے۔ پھر تمہاری مقدس جنگوں کے حصار سے نکل کر اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ مگر میں یہ حماقت ہرگز نہیں کروں گا۔ اگر میرا بس چلے تو ساری عیسائی دنیا کو ان پادریوں سے نجات دلا دوں گا۔''

ملکہ ایلیز بھی شوہر کا جواب سن کر حیرت زدہ رہ گئی۔ ہنری سے اس کی شادی کو تقریباً چار سال ہوگئے تھے۔ مگر آج اتنے طویل عرصے بعد اس پر یہ راز فاش ہوا تھا کہ ہنری ایک انتہائی خودغرض اور دنیا پرست انسان ہے اور اسے اپنے مذہب سے برائے نام بھی دلچسپی نہیں ہے۔ ریمنڈ نے تنہائی میں شہنشاہ ہنری کی اس بے حسی کی شکایت کی تو ملکہ ایلیز نے انتہائی غضب ناک لہجے میں کہا۔

''چچا! میں ہنری کی اس حرکت کو آخری سانس تک فراموش نہیں کروں گی۔ مجھے شادی سے پہلے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس قدر بے غیرت انسان ثابت ہوگا...... یقیناً آج میں بہت مجبور ہوں...... مگر مجھے اس دن کا انتظار ہے جب وقت کی گردش میرے حق میں ہوگی۔ پھر میں دنیا کو بتاؤں گی کہ صلیبی جنگ کیسے لڑی جاتی ہے؟''

اس کے بعد ملکہ ایلیز نے اپنے بیٹے رچرڈ کو بلایا جو اب تین سال کا ہو چکا تھا۔ رچرڈ نے کمرے میں داخل ہوتے ہی ریمنڈ کو سلام کیا اور ماں کے قریب بیٹھ گیا۔ پھر ملکہ ایلیز اپنے چچا سے مخاطب ہوئی۔

''اب آپ میرے بیٹے سے سوال کریں کہ یہ دنیا میں کیوں آیا ہے؟''

رچرڈ نے کسی جھجک کے بغیر ریمنڈ کو جواب دیا۔ ''یسوع مسیح نے مجھے دنیا میں اس لئے بھیجا ہے کہ میں مسلمانوں کا قتل عام کروں...... اور ساری دنیا پر عیسائیت کا جھنڈا لہراؤں۔''

رچرڈ کا جواب سن کر حاکم انطاکیہ کچھ دیر کے لئے شدید حیرت میں مبتلا ہوگیا۔ پھر اس نے اپنی بھتیجی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''ایک میں ہی نہیں، دنیا کا کوئی بھی ذی ہوش انسان تسلیم نہیں کرے گا کہ یہ ایک تین سالہ بچے کے خیالات ہیں۔''

ریمنڈ کی بات سن کر ملکہ ایلیز کے ہونٹوں پر فاتحانہ تبسم ابھر آیا۔ ''آپ نے سچ کہا چچا...... یہ خیالات رچرڈ کے نہیں، میرے ہیں۔'' یہ کہہ کر ملکہ ایلیز نے بڑی محبت سے بیٹے کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''میں نے پیدائش کے بعد اسے دودھ نہیں، یہ الفاظ پلائے ہیں...... یہی رچرڈ کا پہلا اور آخری سبق ہے۔ جو ہر وقت اس کے خون میں گردش کرتا رہتا ہے۔''

ریمنڈ نے شدت جذبات سے مغلوب ہو کر رچرڈ کو گلے سے لگا لیا اور کچھ دیر تک اس کے ماتھے

اور رخساروں پر بوسے دیتا رہا۔ اس دوران ریمنڈ کے ہونٹوں پر بس دو ہی جملے گردش کر رہے تھے۔

''زندہ باد میری بیٹی...... زندہ باد میرے بچے......''

پھر جب ریمنڈ انگلستان سے رخصت ہونے لگا تو ملکہ ایلیز نے خفیہ طور پر اسے بہت سا سونا دیتے ہوئے کہا۔ ''آپ اس سے ہتھیار اور گھوڑے خریدیں اور رچرڈ کے جوان ہونے کی دعائیں کریں۔ وہ بہت جلد آپ سے آملے گا۔''

......}......☆......{......

ابھی سلطان نورالدین زنگیؒ اپنے علاقوں میں عیسائیوں کی بغاوت سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ ایک اور المناک واقعہ پیش آیا۔ 544 ہجری میں ماردین کے حاکم نے آگے بڑھ کر سلطان سیف الدین غازی کے کچھ علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ یہ خبر ملتے ہی سلطان سیف الدین غازی ایک لشکر جرار لے کر برق رفتاری کے ساتھ آگے بڑھا پھر ایک خون ریز جنگ کے بعد سلطان نے نہ صرف اپنے علاقے واپس لے لئے بلکہ انتقامی کارروائی کے طور پر ماردین کے کچھ علاقوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ آخر ماردین کے حاکم نے سلطان سیف الدین غازی کی خدمت میں معذرت نامہ پیش کرتے ہوئے یقین دلایا کہ وہ آئندہ ایسی کوئی جارحانہ کارروائی نہیں کرے گا...... اور اچھے پڑوسی ہونے کا عملی ثبوت فراہم کرتا رہے گا۔

اس تحریری یقین دہانی کے بعد سلطان سیف الدین غازی نے ماردین کے علاقے واپس کر دیئے اور اپنے دارالحکومت موصل کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں سلطان کو بخار آیا۔ جس میں لحظہ بہ لحظہ شدت آتی چلی گئی۔ درباری طبیبوں نے اپنی تشخیص کے مطابق بہترین دوائیں تجویز کیں...... مگر ہر دوا بے اثر ثابت ہوئی۔ سلطان سیف الدین غازی بڑی مشکل سے موصل پہنچا اور تیسرے دن انتقال کر گیا۔

سلطان عمادالدین زنگی کے تیسرے بیٹے قطب الدین مودود نے فوری طور پر اپنی تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔ اسے وزیر اعظم جمال الدین اور قلعہ دار زین الدین کی حمایت حاصل تھی۔ مگر سلطان سیف الدین غازی کے دوسرے امراء قطب الدین کے حق میں نہیں تھے۔ انہوں نے فوری طور پر دو برق رفتار قاصدوں کو سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی خدمت میں یہ پیغام دے کر بھیجا کہ موصل کی حکومت پر ان کا حق ہے۔ سلطان عادل اس وقت انطاکیہ پر حملے کی تیاری کر رہے تھے۔ بڑے بھائی کے انتقال کی خبر نے سلطان کو رنجیدہ کر دیا مگر وہ اپنے خاندان کو انتشار سے بچانے کے لئے موصل کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے ہمراہ 70 امرائے خاص تھے۔ ان میں اسدالدین شیرکوہ اور یوسف (صلاح الدین) بھی شامل تھے۔

بڑے بھائی کے آنے کی خبر سن کر قطب الدین مودود بھی اپنا لشکر لے کر نکلا۔ اس سے پہلے کہ دونوں بھائیوں کے درمیان جنگ چھڑ جاتی اور ہزاروں مسلمان خاک میں مل جاتے، وزیر اعظم جمال الدین نے بڑی فراست سے کام لیا اور قطب الدین مودود کو تنہائی میں بہت دیر تک سمجھاتا رہا۔

"تم سلطان عادل کی محبت سے واقف نہیں ہو۔ وہ اقتدار کے بھوکے نہیں ہیں۔ ایک بار فرمانبرداری کا مظاہرہ تو کر کے دیکھو۔"

وزیر اعظم کی بات قطب الدین مودود کی سمجھ میں آ گئی...... اور وہ اکیلا گھوڑے پر سوار ہو کر سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کے خیمے کی طرف روانہ ہوا۔ سلطان عادل نے چھوٹے بھائی کو اپنی طرف آتے دیکھا تو خود بھی بے تابانہ آگے بڑھے پھر دونوں بھائی گلے ملے...... اور بہت دیر تک سلطان سیف الدین غازی مرحوم کو یاد کر کے روتے رہے۔

پھر اسی دن دربار آراستہ کر کے موصل کے تخت پر بیٹھے اور اپنے برابر چھوٹے بھائی قطب الدین مودود کو بٹھایا۔ اس کے بعد امراء کو مخاطب کر کے ایسی پرسوز تقریر کی کہ حاضرین دربار کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"لوگو! آج میں جس تخت پر بیٹھا ہوں، کل اسی جگہ میرے بڑے بھائی جلوہ افروز ہوتے تھے۔ تم نے دیکھ لیا کہ حیات انسانی کیسی بے اعتبار ہے...... اور یہ اقتدار کتنی بے وفا شے ہے۔ اس لکڑی کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کو حاصل کرنے کے لئے ہم کس قدر بے رحمی کے ساتھ اپنے ہی بھائیوں کا خون بہاتے ہیں۔ اسی وحشیانہ خود غرضی نے عالم اسلام کو ہزاروں ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ اور دنیا کی سب سے عظیم طاقت اتنی کمزور ہو گئی کہ اقوام عالم کے دلوں سے اس کا خوف جاتا رہا۔ میں تمہیں اس دن سے ڈراتا ہوں کہ تمہاری کثرتِ گناہ اور مسلسل نافرمانیوں کے سبب اللہ تمہاری طرف سے اپنی نظر کرم پھیر لے۔ اور تم دنیا میں ذلیل وخوار ہو کر رہ جاؤ۔ اس کے ساتھ ہی میں اپنے چھوٹے بھائی قطب الدین مودود کو موصل کا امیر مقرر کرتا ہوں۔ اللہ اسے مخلوقِ خدا کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے...... اور میں ان امراء کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جنہوں نے دو بھائیوں کے درمیان صلح وصفائی کرا کے سرورِ کونین ﷺ کی سنت کو زندہ کیا۔ اللہ تم سب پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔"

......}......☆......{......

پھر ایک ہفتے موصل میں قیام کرنے کے بعد سلطان نور الدین زنگیؒ شام پہنچے اور دوبارہ انطاکیہ پر حملہ کرنے کی منصوبہ بندی کرنے لگے۔ اچانک انہیں ایک اور الم ناک خبر ملی۔ دمشق کے وزیر اعظم امیر معین الدین نے وفات پائی۔ اس کے مرتے ہی دمشق کے نااہل حکمران امیر مجیر الدین نے حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی۔ امیر معین الدین اسلام کا درد رکھنے والا، دور اندیش اور انتہائی لائق منتظم تھا۔ اس کی موت نے دمشق کے گردونواح میں بسنے والے عیسائیوں کے حوصلے بلند کر دیئے اور انہوں نے "حران" کے علاقے کو تباہ وبرباد کرنا شروع کر دیا۔ وہ کھلے عام مسلمان عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے لے جاتے تھے اور پھر انہیں غلام بنا کر بازاروں میں فروخت کر دیتے تھے۔ جب سلطان نور الدین زنگیؒ کو ان واقعات کی خبریں موصول ہوئیں تو وہ بہت رنجیدہ خاطر ہوئے۔ پھر فوری طور پر سلطان عادل نے اپنے قاصد کو یہ پیغام دے کر امیر مجیر الدین کے پاس دمشق بھیجا۔

"اگر ان فتنہ پرداز عیسائیوں کی سرکوبی نہیں کی گئی تو ایک دن تمہاری سلطنت بھی غیر محفوظ ہو جائے گی۔"

امیر مجیر الدین نے اس مخلصانہ مشورے کو بڑی حقارت سے ٹھکرا دیا۔ اور سلطان نور الدین زنگیؒ کے خط کے جواب میں صاف صاف لکھ دیا کہ وہ اپنی حفاظت کرنا خوب جانتا ہے۔

امیر مجیر الدین کے جواب سے سلطان عادل کو سخت مایوسی ہوئی۔ وہ جانتے تھے کہ اگر مجیر الدین کی اصلاح نہیں کی گئی تو عیسائیوں کو دوبارہ قدم جمانے کا موقع مل جائے گا۔ اور پھر اس پورے علاقے کی آزادی خطرے میں پڑ جائے گی۔

مجبوراً سلطان نور الدین زنگیؒ نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک لشکر کی قیادت اسد الدین شیرکوہ کو سونپی۔ اور یوسف (صلاح الدین) کو اس کا نائب مقرر کیا۔ پھر یہ لشکر مفسد عیسائیوں کی سرکوبی کے لئے حران کی طرف روانہ ہوا۔

دوسرے لشکر کی قیادت خود سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کر رہے تھے جس کا رخ دمشق کی طرف تھا۔ سلطان عادل برق رفتاری کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے دمشق کے نواحی علاقے بعلبک میں داخل ہوئے جو دو سال سے قحط کا شکار تھا۔ اور یہاں کے مقامی باشندے سخت عذاب میں مبتلا تھے۔ پھر عجیب بات ہوئی کہ جیسے ہی سلطان عادل نے بعلبک کی حدود میں قدم رکھا تو یکا یک مشرق کی سمت سے ایک گہرا سیاہ بادل اٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ اس علاقے کے رہنے والوں نے سلطان نور الدین زنگیؒ کی آمد کو نہایت مبارک سمجھا اور پانی میں بھیگتے ہوئے سلطان عادل کے دیدار کو حاضر ہوئے۔ پھر جب سلطانی لشکر آگے بڑھا تو بعلبک کے باشندوں کے ہونٹوں پر بس ایک ہی دعا تھی۔

"اے اللہ...... تو امیر مجیر الدین کو برباد کر...... اور سلطان نور الدینؒ کو فتح ونصرت سے ہمکنار کر کہ ہمیں ایسے ہی مہربان اور عادل حکمراں کی ضرورت ہے۔"

جیسے ہی امیر مجیر الدین کو سلطانی لشکر کے آنے کی خبر ملی تو اس نے ایک نہایت گستاخانہ خط نور الدین زنگیؒ کے نام تحریر کیا۔

"تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ بلا تاخیر واپس چلے جاؤ...... ورنہ ہماری شمشیریں اور نیزے تمہارا استقبال کریں گے۔ اور تمہیں شکست ونامرادی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

امیر مجیر الدین کا خط پڑھ کر سلطان عادل کو سخت غصہ آیا۔ مگر انہوں نے بے مثال ضبط وتحمل کا مظاہرہ کیا۔ اگر وہ چاہتے تو چند روز میں دمشق کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے لیکن انہوں نے مسلح تصادم کے بجائے مذاکرات کو ترجیح دیتے ہوئے جوابی خط تحریر کیا۔

"تم خود میرے پاس آ جاؤ یا اپنے کسی معتبر امیر کو بھیج دو تا کہ ہم دونوں مل کر سلامتی کا کوئی راستہ اختیار کر لیں۔"

امیر مجیر الدین نے سلطان عادل کے جواب کو والی شام کی کمزوری سمجھا اور فوراً دوسرا خط لکھا۔

"ہم اپنے الفاظ واپس نہیں لیتے۔ ایک بار جو کہہ دیا سو کہہ دیا۔ تمہاری سلامتی اسی میں ہے کہ الٹے قدموں لوٹ جاؤ۔"

مجبوراً سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے آگے بڑھ کر پورے دمشق کا محاصرہ کرلیا۔ پھر اس قدر دباؤ بڑھایا کہ امیر مجیرالدین نے گھٹنے ٹیک دیئے اور سلطان عادل سے صلح کی درخواست کی۔

سلطان نورالدین زنگیؒ نے اپنی طرف سے صلح کی دو شرائط پیش کیں۔ پہلی یہ کہ امیر مجیرالدین اپنے ہاتھ سے صلح نامہ تحریر کرے۔ اور دوسری یہ کہ صلح کی درخواست لے کر وہ خود سلطان کی خدمت میں حاضر ہو۔

وہ بڑا ذلت آمیز منظر تھا کہ جب امیر مجیرالدین اپنے چند محافظوں کے ساتھ صلح نامہ ہاتھ میں لئے ہوئے سلطان کے خیمے میں داخل ہوا۔

پھر کچھ دیر بعد سلطان نورالدین زنگیؒ دمشق کے تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ امیر مجیرالدین انکے بائیں ہاتھ پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔ پھر سلطان عادل انتہائی پُر جلال لہجے میں حاضرین دربار سے مخاطب ہوئے۔

”میں نے والیٔ دمشق کی تمام گستاخیوں کو معاف کرتے ہوئے صلح و سلامتی کا راستہ صرف اس لئے اختیار کیا کہ اہلِ ایمان کا خون زمین پر نہ گرے جو میری نظر میں دنیا کی ہر شے سے زیادہ قیمتی ہے۔“

اس کے بعد سلطان نورالدین زنگیؒ اور امیر مجیرالدین کے درمیان مندرجہ ذیل معاہدہ طے پایا۔ جس کے مطابق جامع دمشق میں خلیفۂ بغداد اور سلطان مسعود سلجوقی کے ناموں کے بعد خطبوں میں سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کا نام بھی پڑھا جائے گا۔ اس کے علاوہ تمام فوجی افسروں کا تقرر سلطان عادل کی منظوری سے ہوا کرے گا اور ان ہی کے نام کا سکہ دمشق میں رائج کیا جائے گا۔ صرف مالی انتظامات امیر مجیرالدین کے پاس رہیں گے۔

اس معاہدے کے بعد سلطان نورالدین محمود زنگیؒ خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر حلب واپس آ گئے۔

پھر جب دوسرے حلب کا دربار آراستہ تھا تو اسدالدین شیرکوہ اور یوسف (صلاح الدین) اس خوشخبری کے ساتھ داخل ہوئے کہ حران میں عیسائیوں کی فتنہ پردازیوں کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر دیا گیا۔

یہ اتنی بڑی خبر تھی کہ سلطان عادل شدت جذبات میں تخت سے نیچے اتر آئے اور والہانہ انداز میں اسدالدین شیرکوہ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ پھر یوسف (صلاح الدین) کے ماتھے کو چوما۔ جہاں شمشیر کے کئی زخم نمایاں تھے۔ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے بڑے جذب و کیف کے عالم میں کہا۔

”معزز و سربلند ہے وہ پیشانی ہے جو حق کے راستے میں کھائے ہوئے زخموں سے سجائی جائے۔“

یوسف (صلاح الدین) کا یہ دوسرا جنگی کارنامہ تھا۔

حران کے عیسائیوں کا خاتمہ کرنے میں یوسف (صلاح الدین) نے اپنے چچا اسدالدین شیرکوہ کے ساتھ مل کر جو کارنامہ انجام دیا تھا، اس نے یوسف (صلاح الدین) کو سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی نگاہ میں عزیز تر بنا دیا تھا۔ انصاف پسند معزز درباری امراء جن کے سینے جذباتِ حسد سے پاک تھے، وہ بھی یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ سلطان عادل کا انتخاب درست تھا۔

یوسف کا باپ نجم الدین ایوب بھی بہت خوش تھا۔ مگر کبھی کبھی اس زمانے کو یاد کر کے دل ہی دل

میں شرمندہ ہو جاتا تھا، جب وہ یوسف (صلاح الدین) کی پیدائش کو منحوس سمجھتا تھا...... اور اب وہی منحوس بچہ اپنے باپ کے لئے مبارک ثابت ہوتا جا رہا تھا۔

دمشق سے حلب پہنچنے کے بعد یوسف (صلاح الدین) سب سے پہلے اپنی والدہ زبیدہ کی قدم بوسی کو حاضر ہوا۔ پھر بے شمار دعاؤں کے سائے میں اپنے استاد گرامی قاضی ابن عرسون کی درس گاہ میں حاضر ہوا۔ اس وقت قاضی صاحب چند علم دوست معززین شہر کے ساتھ اپنی مسند پر تشریف فرما تھے۔ جیسے ہی یوسف (صلاح الدین) درس گاہ میں داخل ہوا۔ قاضی ابن عرسون اپنی نشست پر کھڑے ہو گئے۔ حاضرین درس گاہ کے لئے قاضی صاحب کا یہ عمل شدید حیرت کا سبب تھا۔ قاضی ابن عرسون سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے علاوہ بڑی سے بڑی شخصیت کے احترام میں کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ خود یوسف (صلاح الدین) کو بھی اپنے استاد گرامی کے اس انداز پر بڑا تعجب تھا۔

قاضی ابن عرسون بڑے والہانہ انداز میں اپنے شاگرد سے ملے۔ پہلے یوسف (صلاح الدین) کو گلے لگایا۔ پھر اس کی کشادہ پیشانی کو جن پر زخموں کے کئی نشان تھے، محبت آمیز نظروں سے دیکھتے رہے۔ پھر یوسف (صلاح الدین) کے ماتھے کو بوسہ دیتے ہوئے فرمایا۔

”سبحان اللہ...... کیسا نور ہے جو اس درس گاہ کے بام و در کو روشن کر رہا ہے۔“

پھر یوسف (صلاح الدین) کو مسند پر اپنے قریب بٹھایا...... اور حاضرین مجلس کو نہایت اثر انگیز لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”میں اپنے شاگرد یوسف کے نہیں، ایک مرد مجاہد کے احترام میں کھڑا ہوا تھا۔ ہم لوگ تو گوشہ نشیں ہیں جو کتابوں کے اوراق الٹتے رہتے ہیں...... اور یہ مجاہدین کفار کی صفوں کو الٹتے رہتے ہیں۔ دونوں کاموں میں بڑا فرق ہے۔“ یہ کہہ کر قاضی ابنِ عرسون نے حاضرین درسگاہ کو سرور کونین حضور اکرم ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ سنائی، جس کا کم و بیش مفہوم کچھ اس طرح ہے۔

”اسلامی سلطنت کی سرحدوں کی حفاظت میں پہرہ دینے والے مرد مجاہد کی ایک رات، گوشہ نشیں زاہدوں کی 100 سالہ عبادت سے بہتر ہے۔“

......}......☆......{......

قاضی ابنِ عرسون کی خدمت میں حاضری دینے کے بعد یوسف (صلاح الدین) اس حجرے میں پہنچا جہاں شاریہ دن رات عبادت اور تلاوت میں مصروف رہتی تھی۔ یوسف (صلاح الدین) نے دروازے پر دستک دی۔ شاریہ اس وقت اپنے فرشی بستر پر دراز تھی۔ یہ فرشی بستر ایک چٹائی اور دری پر مشتمل تھا۔ دستک کی آواز سن کر شاریہ چونکی اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ شاریہ کے چونکنے کی وجہ یہ تھی کہ مدرسے میں صرف ایک بوڑھی عورت تھی جو شاریہ کے کمرے میں بغیر اجازت آیا جایا کرتی تھی۔ پھر دستک دینے والا کون تھا؟ شاریہ عجیب سی الجھن میں مبتلا تھی۔ اسی دوران میں دوسری دستک ہوئی۔ شاریہ نے گھبرا کر پوچھا۔ ”کون؟“

باہر سے ایک مانوس آواز سنائی دی۔ ”یوسف......“

شاریہ کا چہرہ مسرت سے کھل اٹھا۔ اس نے بدحواسی کے عالم میں اپنے سر پر چادر ڈالی اور تیزی سے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے یوسف (صلاح الدین) کھڑا تھا۔ شاریہ کچھ دیر کے لئے اپنے گردوپیش سے بے خبر ہوگئی۔ یوسف نے بڑی حیرت سے شاریہ کے چہرے کو دیکھا...... کثرت ریاضت سے اس کا سرخ وسفید رنگ زردی مائل ہو چلا تھا۔

"شاریہ! میں یوسف ہوں...... کیا تم مجھے پہچانی نہیں۔" یوسف (صلاح الدین) نے شاریہ کو مخاطب کیا۔

یوسف کی آواز سے شاریہ کے سکوت وحیرت کی کیفیت زائل ہوگئی۔ پھر اس نے بڑی سرشاری کے لہجے میں کہا۔ "حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایک بار پھر تمہیں اپنی نظروں کے سامنے پا رہی ہوں۔" یہ کہہ کر شاریہ نے راستہ چھوڑ دیا۔ یوسف (صلاح الدین) کمرے کے اندر داخل ہوگیا۔ شاریہ نے دروازہ بند کر دیا۔ پھر اپنے معمولی بستر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"بیٹھ جاؤ یوسف...... اگرچہ یہ بستر تمہارے جیسے شہنشاہ کے شایان شان نہیں...... لیکن کیا کروں کہ اس غریب کنیز کے پاس اس سے زیادہ کچھ نہیں...... اور یہ بھی استادِ گرامی کا صدقہ ہے۔" شاریہ کے لہجے سے ندامت کے ساتھ بے کسی بھی جھلک رہی تھی۔

یوسف (صلاح الدین) کے دل پر چوٹ سی لگی۔ عشق نے شاریہ کو کیا سے کیا بنا دیا تھا۔ "تمہارا یہ معمولی بوریا ان ریشمی اور حریری مسندوں سے کہیں بہتر ہے جنہیں دنیاداری کی چادروں اور منافقتوں کے تکیوں سے آراستہ کیا جاتا ہے۔" یہ کہتے ہوئے یوسف (صلاح الدین) شاریہ کے فرشی بستر پر بیٹھ گیا۔

یوسف کا خیال تھا کہ شاریہ بھی بیٹھ جائے گی۔ مگر وہ باادب کھڑی رہی۔ جیسے آقا کے سامنے کوئی کنیز...... یا مالک کے روبرو کوئی فرض شناس ملازمہ......

"تم بھی بیٹھ جاؤ۔" یوسف نے شاریہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ایک شہنشاہ کے سامنے کنیز کس طرح بیٹھ سکتی ہے۔" شاریہ کے لہجے میں عجیب سی سرشاری تھی۔ مگر اس سرشاری میں ہوس کی آمیزش نہیں تھی بس جاں نثاری ہی جاں نثاری تھی۔

"میں تو ایک معمولی سپاہی کے سوا کچھ بھی نہیں۔" یوسف (صلاح الدین) نے سادگی کے ساتھ جواب دیا۔ مگر شاریہ کے اس طرزِ عمل کے سامنے وہ خود کو بڑا عجیب سا محسوس کر رہا تھا۔

"لیکن میرے لئے تو ایک شہنشاہ سے بھی زیادہ ہیں۔" شاریہ کے لہجے سے انتہائی وارفتگی جھلک رہی تھی۔

"شاریہ! تم جس استاد کی شاگرد ہو، ان ہی کا یہ کہنا ہے کہ اسلام میں مساوات ہے۔ کوئی آقا اور غلام نہیں۔" یوسف (صلاح الدین) نے نہایت پرسوز لہجے میں کہا...... اور اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں تمہیں زحمت دینے نہیں آتا ہوں۔ اگر تم نہیں بیٹھ سکتیں تو پھر میں بھی کھڑا رہتا ہوں۔"

"تم نے اجازت دے دی تو میں بھی بیٹھ جاؤں گی۔" شاریہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں تو

تمہارے حکم کی پابند ہوں۔"

پھر یوسف (صلاح الدین) کے ساتھ شاریہ بھی بیٹھ گئی۔ اس کی نظریں مستقل یوسف کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ پھر اچانک اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ یوسف (صلاح الدین) نے رونے کا سبب پوچھا...... تو انتہائی رقت آمیز لہجے میں کہنے لگی۔ "میں اپنی اس محرومی پر روتی ہوں کہ تمہاری کوئی خدمت نہیں کر سکتی۔ میرا دل چاہتا ہے کہ شہسواری سیکھوں اور تمہارے ساتھ جنگ میں شریک رہوں۔ پھر دشمن کی جو شمشیر تمہاری طرف لپکے، اسے اپنے کمزور ناتواں جسم پر روکوں۔ یہاں تک کہ لڑتے لڑتے ماری جاؤں۔" پھر شاریہ نے یوسف (صلاح الدین) کی پیشانی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ زخم جو تمہارے ماتھے پر ابھرے ہیں...... وہ میرے دل تک آئے ہیں۔ میں اپنی اس بدنصیبی پر ماتم کرتی ہوں کہ ان زخموں پر مرہم بھی نہیں رکھ سکتی۔"

شاریہ کی اس اضطرابی کیفیت نے یوسف (صلاح الدین) کو بھی اداس کر دیا تھا۔

پھر شاریہ نے بڑی مشکل سے اپنے جذبات پر قابو پایا...... آنسو پونچھ ڈالے اور مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔ "تمہیں یہ فتوحات مبارک ہوں...... مگر ابھی اور عظیم الشان فتوحات تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔"

پھر جب یوسف (صلاح الدین) رخصت ہونے لگا تو شاریہ نے اپنے محبوب کی بارگاہ میں ایک انوکھی نذر پیش کرتے ہوئے کہا۔ "یوسف! تم جب بھی میدان کارزار کی طرف جاؤ تو خود کو تنہا نہ سمجھنا۔ میں گھوڑے کے سموں سے اٹھنے والے غبار کی طرح تمہارے ساتھ ہوں۔"

......}☆{......

سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے امراء میں ایک امیر زنجار بھی تھا۔ جو امیر ابنِ مرقوم کی طرح سازشی، بوالہوس اور کینہ پرور انسان تھا۔ یوسف (صلاح الدین) پر الزام تراشی کے موقع پر اس نے ترکی کنیز شاریہ کو دیکھا تھا اور اس کے بے پناہ حسن و جمال پر دل و جان سے فریفتہ ہو گیا تھا۔ ابنِ مرقوم کے معتوب ہونے کے بعد امیر زنجار نے سوچا تھا کہ شاریہ بے سہارا ہو جائے گی تو وہ اسے اپنی کنیز بنا لے گا...... مگر جب سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے شاریہ کو اپنی محل سرا میں پناہ دے دی تو امیر زنجار کے سارے ہوس ناک جذبوں اور منصوبوں پر اوس پڑ گئی۔

پھر اس وقت امیر زنجار کی ناآسودہ خواہشوں نے دوبارہ کروٹ لی جب شاریہ سلطانِ عادل کے محل سے نکل کر قاضی ابنِ عرسون کی درس گاہ میں داخل ہوگئی۔ امیر زنجار کچھ دن تک خاموشی سے حالات کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر ایک دن وہ قاضی ابنِ عرسون کی درس گاہ میں داخل ہوا اور شاریہ کی بے چارگی پر اپنی ریاکارانہ ہمدردی کا اظہار کرنے لگا۔

"قاضی صاحب...... یقیناً اس بے سہارا لڑکی کے ساتھ بڑا ظلم ہوا ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو میں اس کی تلافی کر دوں۔"

قاضی ابنِ عرسون نے حیرت سے امیر زنجار کی طرف دیکھا۔ "تم اس لڑکی کی مدد کس طرح کرنا چاہتے ہو؟"

''میں چاہتا ہوں کہ وہ آپ کے مدرسے پر بوجھ نہ بنے۔'' امیر زنجار نے بڑی عیاری کے ساتھ اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے کہا۔'' اس لئے میں نے سوچا ہے کہ اسے اپنی کنیز بنالوں تاکہ وہ عیش و آرام کی زندگی گزار سکے۔''

امیر زنجار کی بات سن کر قاضی ابنِ عرسون کے چہرے پر ناگواری کا رنگ اُبھر آیا۔'' اگر وہ عیش و آرام کی طلب گار ہوتی تو دربار سلطانی چھوڑ کر ایک فقیر کے مدرسے میں کیوں آتی؟ اسے کسی کی غلامی کی آرزو نہیں، عزت و سکون کی تلاش ہے۔ میں سمجھا تھا کہ تم اس سے شادی کر کے ایک مسلمان عورت کو باوقار زندگی دینا چاہتے ہو؟''

امیر زنجار کا منصوبہ ناکام ہو چکا تھا۔ مگر اس کے شاطر ذہن نے چند لمحوں میں نئی ترکیب تراش لی۔

''اگر وہ مجھ سے شادی کرنے پر رضامند ہے تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔''

امیر زنجار کے جواب نے قاضی ابنِ عرسون کو مطمئن کر دیا۔'' میں شاریہ کے سامنے تمہاری اس خواہش کا ذکر کروں گا۔ اگر وہ راضی ہو گئی تو اس طرح ایک اچھی رسم کی بنیاد پڑ جائے گی اور حق تعالیٰ تمہیں حسن نیت کا بہتر صلہ عطا کرے گا۔''

امیر زنجار کو یقین تھا کہ ترکی کنیز اس شادی کی پیشکش کے جواب میں اس قدر خوش ہو گی کہ وہ اپنا سر اس کے قدموں پر رکھ دے گی...... اور پھر یکایک ایک شیطان مسکراہٹ امیر زنجار کے ہونٹوں پر ابھر آئی۔

''اور پھر کیا ہوگا؟'' کچھ دن بعد مہر کی رقم ادا کر کے اسے طلاق دے دوں گا۔'' امیر زنجار نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

پھر جب قاضی ابنِ عرسون نے شاریہ کو امیر زنجار کی طرف سے شادی کا پیغام دیا تو وہ کچھ دیر کے لئے ساکت ہو کر رہ گئی۔

شاریہ کی یہ کیفیت دیکھ کر قاضی ابنِ عرسون سمجھے کہ اسے اس پیشکش پر یقین نہیں آ رہا ہے۔ اس لئے انہوں نے شاریہ کی بے یقینی کو دور کرنے کے لئے محبت آمیز لہجے میں کہا۔'' پہلے مجھے بھی امیر زنجار کی بات سن کر شدید حیرت ہوئی تھی۔ مگر اب اندازہ ہوا کہ وہ ایک شریف انسان ہے۔''

استادِ محترم کی زبان سے امیر زنجار کی تعریف سن کر شاریہ سنبھل گئی اور انتہائی ادب کے ساتھ عرض کرنے لگی۔'' امیر زنجار فرشتہ صفت ہی کیوں نہ ہو، شادی میری زندگی کا مقصد نہیں ہے۔''

قاضی ابنِ عرسون شاریہ کی بات سن کر چونک اٹھے...... اور پھر شادی کے سلسلے میں شرعی احکام سمجھانے لگے۔'' عورت ہو یا مرد، دونوں کے لئے تنہا زندگی ہمیشہ خطرات سے بھری رہتی ہے اور تم جیسی بے یار و مددگار عورت کے لئے اس سے بہتر سہارا ممکن نہیں۔''

یکایک شاریہ بہت زیادہ اداس نظر آنے لگی تھی۔'' میں آپ کے توسط سے علم کی پناہ میں آئی تھی۔ آپ مجھے دوبارہ ایک عیش پرست امیر کے حوالے کر رہے ہیں؟'' شاریہ کے لہجے میں بے پناہ درد شامل تھا۔'' اگر امیر زنجار اتنا ہی شریف النفس انسان ہے تو مجھے اپنی بیٹی کیوں نہیں بنا لیتا؟ اگر کسی کو میری غربت کا اتنا ہی احساس ہے تو میری کفالت کے لئے وظیفہ مقرر کیوں نہیں کر دیتا۔ یہ سب نفس کے بندے ہیں جو لباس بدل بدل کر دنیا کو فریب دیتے رہتے ہیں۔''

شاریہ کی حقیقت پسندانہ گفتگو سن کر قاضی ابنِ عرسون شدید حیرت میں مبتلا ہو گئے۔

''اگر آپ کے مدرسے کی زمین بھی مجھ پر تنگ ہو گئی ہے تو میں آج ہی یہاں سے چلی جاؤں گی۔'' یہ کہتے کہتے شاریہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

یہ منظر دیکھ کر قاضی ابنِ عرسون مضطرب ہو گئے...... اور شاریہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

''تم میری بیٹی کی طرح ہو...... نہ میں تمہیں مجبور کر سکتا ہوں...... اور نہ اس مدرسے کی زمین تم پر تنگ ہو سکتی ہے۔''

پھر جب امیر زنجار دوبارہ مدرسے میں آیا تو قاضی ابنِ عرسون نے بہت نرم لہجے میں شاریہ کا عندیہ ظاہر کر دیا کہ وہ کسی امیر سے شادی کرنا نہیں چاہتی۔ امیر زنجار کے ہونٹوں پر ایک عیار مسکراہٹ اُبھر آئی اور وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔

''آپ گواہ رہیں گے کہ میں نے ایک غم زدہ اور بے سہارا عورت کا بھلا چاہا تھا۔'' یہ کہہ کر امیر زنجار جانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔

قاضی ابنِ عرسون نے اسے رخصت کرتے ہوئے کہا۔'' حق تعالیٰ انسان کو حسن نیت کا صلہ ضرور دیتا ہے۔''

......}......☆......{......

اپنے منصوبے میں ناکام ہو جانے کے بعد امیر زنجار کو شیطان نے نئے انداز سے ورغلایا۔ پھر اس نے ایک اور خوفناک چال چلی۔ وہ اس علاقے کے چند غریب لوگوں سے ملا جہاں قاضی ابنِ عرسون کی درس گاہ تھی۔ پھر اس نے کچھ غریب طالبعلموں کو بھی اپنا ہم نوا بنا لیا کہ ضرورت پڑنے پر وہ لوگ قاضی ابنِ عرسون کے خلاف گواہی دیں گے۔ ان تمام نادار لوگوں کو امیر زنجار نے پیسے دے کر خریدا تھا۔

اپنا دوسرا شیطانی منصوبہ ترتیب دینے کے بعد امیر زنجار ایک دن سلطان نور الدین محمود زنگیؒ سے تنہائی میں ملا۔ پہلے اس نے سلطان عادل کی شان میں ایک طویل قصیدہ پڑھا۔'' بے شک! ہم گمراہ تھے مگر آپ نے ہمیں ہدایت کی راہ دکھائی۔''

سلطان نور الدین محمود زنگیؒ خاموشی سے امیر زنجار کے مبالغہ آمیز ستائشی کلمات سنتا رہا۔ پھر جب عیار امیر خاموش ہوا تو سلطان عادل نے پرسوز لہجے میں کہا۔

''تمام تعریفیں اور بڑائیاں صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور وہی انسانوں کو ہدایت دیتا ہے۔ مگر آج تمہیں اس تعریف کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔'' یکایک سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کے لہجے سے طنز جھلکنے لگا تھا۔ سلطان کی ذہانت و فراست نے اندازہ کر لیا تھا کہ امیر زنجار کی یہ خوشامدانہ گفتگو بے سبب نہیں ہے...... یقیناً وہ کوئی خاص مقصد لے کر آیا ہے۔

"سلطان عادل نے مجھے سب سے زیادہ نازک ذمے داری سونپی ہے کہ میں آپ کو عوامی رائے سے آگاہ کرتا رہوں۔" امیر زنجار نے بڑے عاجزانہ لہجے میں کہا۔ وہ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے شعبۂ جاسوسی کا ایک افسر تھا۔ اس منصب پر تین اور معتبر افراد بھی فائز تھے۔ امیر زنجار نے اپنے اس عہدے سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔

"میں جانتا ہوں۔ تم اپنا مدعا بیان کرو۔" سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے پرجلال لہجے میں کہا۔

"قاضی ابنِ عرسون کی وجہ سے کچھ لوگوں میں بدگمانیاں پیدا ہو رہی ہیں۔" آخر بہت سوچ سمجھ کر امیر زنجار نے اپنی پہلی چال چل دی...... اور سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے چہرے پر اپنی چال کا ردعمل تلاش کرنے لگا۔

"کیسی بدگمانی؟" ایک لمحے میں سلطان عادل کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ "کیا کوئی مذہبی معاملہ ہے؟"

"مذہب سے اس کا تعلق ہے بھی...... اور نہیں بھی......" امیر زنجار لفظ چبا چبا کر بول رہا تھا۔ عام طور پر یہ طرزِ گفتگو عیاری اور شرارت کا غماز ہوتا ہے۔ "مقامی لوگوں اور کچھ طالب علموں کو قاضی صاحب کے اس عمل پر اعتراض ہے کہ انہوں نے اپنی درس گاہ میں ایک خوبصورت کنیز کو رکھا ہے۔ جہاں ان کا ایک شاگرد اور آپ کا مصاحب خاص یوسف (صلاح الدین) اس کنیز سے ملنے کے لئے بلاناغہ آتا ہے۔ محلے کے لوگ آپ کے رعب وجلال کی وجہ سے خاموش رہتے ہیں...... ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس سے منصب قضا بھی بدنام ہو رہا ہے...... اور دینی درسگاہ کا تقدس بھی...... اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سلطان عادل کے دورِ اقتدار میں یہ ناانصافی کیوں؟"

امیر زنجار کی گفتگو سن کر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے چہرے پر فکر و تشویش کا رنگ ابھر آیا۔

امیر زنجار کے خیال کے مطابق اس نے قاضی ابنِ عرسون کی بے داغ قبا کے دامن میں ایک انگارہ ڈال دیا تھا۔ پھر اس انگارے کو دہکانے کے لئے امیر زنجار نے اپنے غلیظ دامن کی ہوا دینے کی کوشش کی۔ "ابھی تو کچھ لوگ سرگوشیوں میں باتیں کر رہے ہیں...... کل یہی زبانیں سرِعام کھلیں گی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے نقارہ بن جائیں گی۔"

"قاضی ابنِ عرسون اور یوسف (صلاح الدین) بھی دست انصاف کی پہنچ سے دور نہیں ہیں۔" سلطان عادل کے لہجے سے جلال ایمانی جھلک رہا تھا۔ "جب عدالت عالیہ ہم سے باز پرس کر سکتی ہے تو کوئی شخص بھی قانون سے بالاتر نہیں...... چاہے وہ کتنا ہی محترم ہو۔"

سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی خلوت گاہ سے نکل کر وہ فتنہ گر امیر نجم الدین ایوب اور اسدالدین شیرکوہ کے پاس پہنچا اور اس نے اپنی چرب زبانی سے یہاں بھی آگ لگا دی۔

"میں خود بھی عزت دار ہوں...... اور عزت داروں کو رسوائی سے بچانا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔" نجم الدین ایوب اور اسدالدین شیرکوہ سے بات کرتے وقت امیر زنجار کا لہجہ بہت ہمدردانہ تھا۔ "تمہارا جذباتی بیٹا اور نوجوان بھتیجا اس خوب صورت کنیز کے دام میں پھنس گیا ہے۔"

امیر زنجار کے اس انکشاف پر نجم الدین ایوب اور اسدالدین شیرکوہ کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

اپنے منصوبے کو کامیابی سے ہم کنار ہوتے دیکھ کر امیر زنجار کے فتنہ گر ذہن نے ایک اور کروٹ لی۔ "اس میں یوسف (صلاح الدین) کا کوئی قصور نہیں کہ وہ ابھی نوعمر ہے اور عورتوں کی چالوں کو نہیں سمجھتا۔ وہ ترکی کنیز بہت شاطر ہے۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ یوسف قاضی ابنِ عرسون کا شاگرد ہے اور پابندی سے مدرسے جاتا ہے تو شارا یہ بھی تعلیم حاصل کرنے کے بہانے قاضی صاحب کی درسگاہ جا پہنچی۔ اس طرح دونوں کی ملاقات کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہی۔ آپ حضرات خود ہی سوچیں...... آج تک کسی کنیز نے تعلیم حاصل کی ہے؟ عورت کے ہر بال میں ایک فریب چھپا ہوتا ہے...... اور شارا یہ سر سے پاؤں تک فریب ہے۔ اپنی نیک نامی کو بچانے کی فوری تدبیر کریں...... ورنہ یہ معزز خاندان سلطان عادل کی نظروں سے گر بھی سکتا ہے۔"

امیر زنجار، نجم الدین ایوب کے گھر آگ لگا کر رخصت ہوا۔ اب اسے پورا یقین تھا کہ چند روز میں شارا یہ قاضی ابنِ عرسون کے مدرسے سے نکال دی جائے گی۔ پھر اس کے سر پر کوئی سائبان نہیں رہے گا۔ مسائل کی دھوپ اسے جلا ڈالے گی اور پھر وہ اس کی پناہ میں آ جائے گی۔

......}☆{......

یوسف (صلاح الدین) امیر زنجار کی سازشوں سے بے خبر اپنی فوجی مشقوں میں مصروف تھا۔ پھر جب وہ سورج کی تمازت سے جھلسے ہوئے چہرے...... شمشیرزنی کی مشقت سے ٹوٹے ہوئے بدن کے ساتھ اپنے گھر آیا تو ایک اذیت ناک ہنگامہ اس کا منتظر تھا۔

ایک کمرے میں نجم الدین ایوب، اسدالدین شیرکوہ اور زبیدہ جمع تھے۔ یوسف (صلاح الدین) اس قدر تھکا ہوا تھا کہ وہ عشاء کی نماز پڑھ کر فوری طور پر سو جانا چاہتا تھا۔ مگر ملازمہ نے بتایا کہ مردانہ نشست گاہ میں اس کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ یوسف نے بلاتاخیر اپنے جنگی ہتھیار اتارے اور تیزی سے اس کمرے میں داخل ہو گیا۔ یوسف (صلاح الدین) کا خیال تھا کہ وہاں سلطنت شام کے معززین یا امراء جمع ہوں گے۔ مگر خلاف توقع کمرے میں اس کی والدہ، والد اور چچا موجود تھے۔ یوسف (صلاح الدین) نے حیرت سے ان لوگوں کی طرف دیکھا اور ایک طرف خاموشی کے ساتھ بیٹھ گیا۔

زبیدہ اور اسدالدین شیرکوہ کے چہروں پر گہری سنجیدگی اور کسی قدر اداسی چھائی ہوئی تھی۔ مگر نجم الدین ایوب کے چہرے سے شدید ناگواری کا اظہار ہو رہا تھا۔ ابھی یوسف (صلاح الدین) صورت حال کو سمجھنے بھی نہیں پایا تھا کہ نجم الدین ایوب کی تیز آواز کمرے میں گونجی۔

"یوسف...... مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی کہ تم بدعہدی کرو گے...... اور باپ کی نافرمانی کے مرتکب ہو گے۔" یہ کہہ کر نجم الدین ایوب نے امیر زنجار کی پوری گفتگو بیٹے کے سامنے دہرا دی۔

نجم الدین ایوب، اسدالدین شیرکوہ اور زبیدہ کا خیال تھا کہ اس انکشاف پر یوسف (صلاح الدین) گھبرا جائے گا لیکن حیرت انگیز طور پر یوسف کی استقامت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس نے انتہائی

مؤدب اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں نجم الدین ایوب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"باباِ محترم! امیر زنجبار کی فراہم کردہ اطلاعات حرف بہ حرف درست ہیں...... شاریہ ترک دنیا کر کے استادِ گرامی کے مدرسے کے ایک گوشے میں جا پڑی ہے۔ میں کبھی کبھی اس سے ملنے چلا جاتا ہوں۔ بس اس سے زیادہ کسی بات میں کوئی صداقت نہیں۔"

"میرا سوال یہ ہے کہ تم اس سے ملتے ہی کیوں ہو؟" نجم الدین ایوب کی آواز سے غصہ جھلک رہا تھا۔ "میں نے اس بدنام کنیز کے اپنے گھر آنے پر پابندی لگائی تھی۔ مگر تم نے اس سے ملنے کا دوسرا راستہ تلاش کر لیا۔"

"اسے بدنام کنیز نہ کہیں باباِ محترم......" یوسف (صلاح الدین) کا لہجہ اداس ہو گیا تھا۔ "وہ ایک مظلوم لڑکی ہے۔ جو امیرانہ مظالم کا شکار ہو کر رسوائی کا ہدف بن گئی ہے۔"

"اور اب تم اسی کنیز کے حوالے سے میری رسوائی کا سبب بن رہے ہو۔" نجم الدین ایوب کی ناراضی اور لہجے کی سختی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

اسد الدین شیر کوہ اپنے بڑے بھائی اور بھتیجے کی گفتگو بہت غور سے سن رہا تھا۔

"میں اس لڑکی سے ملنے پر مجبور ہوں بابا......" یوسف (صلاح الدین) کا لہجہ بدستور اداس تھا۔

"تمہاری یہی مجبوری تو گمراہی کے راستے کی نشاندہی کر رہی ہے۔" نجم الدین ایوب بیٹے کے اس جواب پر غضبناک ہو گیا تھا۔ "آخر وہ کونسی مجبوری ہے کہ جس کے باعث تم اپنے قدموں کو اس طرف جانے سے نہیں روک سکتے؟"

نجم الدین ایوب نے بڑا مشکل سوال کر دیا تھا۔ یوسف (صلاح الدین) کے چہرے پر شدید ذہنی کشمکش کے آثار نمایاں ہو گئے اور وہ فوری طور پر اپنے باپ کے سوال کا جواب نہ دے سکا۔

اسد الدین شیر کوہ اور زبیدہ بھی پلکیں جھپکائے بغیر یوسف (صلاح الدین) کی طرف دیکھنے لگے جو اچانک بہت زیادہ پریشان نظر آنے لگا تھا۔

"تمہاری یہی خاموشی تو مجرم ہونے کی دلیل پیش کر رہی ہے۔" نجم الدین ایوب نے انتہائی سخت لہجے میں کہا۔

آخر یوسف (صلاح الدین) کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی...... اس کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں اور آواز میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ تھی۔ "میں چاہتا تھا کہ آپ میری خاموشی کا مفہوم سمجھ لیں اور اپنے بیٹے کی بے گناہی پر اعتبار کر لیں...... مگر افسوس ایسا نہیں ہوا۔ بالآخر میں لب کشائی کے لئے مجبور ہو گیا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میری اس بے باکانہ گفتگو کو معاف فرما دیں گے۔" یہ کہہ کر یوسف (صلاح الدین) چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گیا۔

اسد الدین شیر کوہ اور زبیدہ گھبرا گئے کہ یوسف (صلاح الدین) کے لہجے سے سرکشی کا رنگ جھلک رہا تھا۔

"یہ تو بعد کی بات ہے کہ تمہاری گستاخی کو معاف کیا جائے یا اس پر سزا دی جائے۔" نجم الدین

ایوب کے لہجے میں وہی تندی و تیزی اور ناراضی تھی۔ "پہلے تم اپنی مجبوری کی وضاحت کرو۔"

یوسف (صلاح الدین) نے سر جھکائے ہوئے کہا۔ "شاریہ حادثاتی طور پر میری محبت میں گرفتار ہو گئی ہے۔ اسی محبت نے اسے قاضی ابن عرسون کی درسگاہ تک پہنچایا تاکہ وہ خود کو کتابوں کے مطالعے میں گم کر دے اور سکونِ دل حاصل کر سکے۔" یوسف (صلاح الدین) کی گردن بدستور جھکی ہوئی تھی اور اس کی زبان سے الفاظ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے۔ "شاریہ کی بس ایک ہی خواہش ہے کہ میں کبھی کبھی اسے اپنا چہرہ دکھا دیا کروں۔ بس یہی وجہ ہے کہ میں جب بھی استادِ گرامی کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں تو کچھ دیر کے لئے اس غم زدہ خاتون کے حجرے میں بھی چلا جاتا ہوں۔"

"تم اپنی اس حماقت کا انجام جانتے ہو؟" نجم الدین ایوب نے غضبناک لہجے میں کہا۔ "تمہیں کیا معلوم کہ ہم نے کس قدر جانفشانی کے بعد اپنی جان کو خطرات میں ڈال کر سلطان عادل کا قرب حاصل کیا ہے۔ امیر زنجبار شعبۂ جاسوسی کا افسرِ اعلیٰ ہے۔ اگر اس نے یہ بات سلطان عادل کے کانوں تک پہنچا دی تو ہماری عزت کا یہ محل ایک لمحے میں زمین بوس ہو جائے گا۔"

"میں سلطان عادل کے احسانات کو آخری سانس تک فراموش نہیں کروں گا۔" یوسف (صلاح الدین) نے سر اٹھایا۔ "مگر عزت و ذلت تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جو میرے خاندان کی رسوائی کا سبب بنے۔"

"کیا تم اس کنیز کے پاس جانا نہیں چھوڑ سکتے؟" بیٹے کا جواب سن کر نجم الدین ایوب کچھ اور برہم ہو گیا تھا۔

"بابا محترم...... میں شاریہ سے وعدہ کر چکا ہوں کہ جب تک زندہ ہوں، اس سے ملنے آتا رہوں گا۔" یوسف (صلاح الدین) نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "اگر کسی انسان کو میرا چہرہ دیکھنے سے سکون کی چند سانسیں میسر آ جاتی ہیں تو یہ میرے لئے انتہائی خوشی کا مقام ہے...... میں اسے خدمتِ خلق سمجھتا ہوں۔"

یوسف (صلاح الدین) کا جواب سن کر زبیدہ اور اسد الدین شیر کوہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی اور ان کے چہرے خوشی سے دمکنے لگے۔

"اگر میں تمہیں حکم دوں کہ اس کنیز سے ملنا چھوڑ دو؟" نجم الدین ایوب کے لہجے میں وہی سختی تھی۔

"اگر میں شاریہ سے وعدہ نہ کر چکا ہوتا تو بلا تاخیر آپ کے حکم پر عمل کرتا...... اور زندگی بھر اس پر قائم بھی رہتا۔" یوسف (صلاح الدین) نے باوقار لہجے میں کہا۔

"میں آگ کی فطرت کو جانتا ہوں یوسف...... اس کا کام جلانا ہے۔" بیٹے کا جواب سن کر نجم الدین ایوب کچھ اور غضبناک ہو گیا تھا۔ "مجبوراً مجھے اس چنگاری کو بجھانا ہی پڑے گا۔"

نجم الدین ایوب کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر زبیدہ اور یوسف (صلاح الدین) پریشان ہو گئے۔ مگر اسد الدین شیر کوہ نے مداخلت کرتے ہوئے پوچھا۔ "برادرِ معظم! چنگاری کو بجھانے سے آپ کا کیا مفہوم ہے؟"

"میں اس فریب کار کنیز کو شام کی حدود میں رہنے نہیں دوں گا۔" نجم الدین ایوب کا غصہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ "میں سلطان عادل سے درخواست کروں گا کہ میرے خاندان کو اس فتنے سے نجات دلائی جائے۔"

نجم الدین ایوب کے اس فیصلے پر یوسف (صلاح الدین) بے قرار ہوگیا۔ "بابا محترم! اس سے پہلے کہ آپ سلطان عادل سے شاریہ کی شہر بدری کے لئے درخواست کریں، میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ اس مظلوم لڑکی پر اللہ کی زمین تنگ نہ کریں۔ قاضی صاحب کی درسگاہ میں اسے گوشۂ عافیت حاصل ہے۔ اگر شاریہ وہاں سے نکال دی گئی تو پھر اسے کہاں پناہ ملے گی؟ وہ بہت معصوم اور غیرت مند لڑکی ہے۔ امیر ابنِ مرقوم نے اس پر مظالم ڈھائے تھے...... پھر آپ نے نتیجہ دیکھا؟ وہ کوڑھ زدہ امیر بستی سے باہر پڑا ہوا ہے...... اور لوگ اس پر ترس کھا کر بھیک کی روٹی کے چند ٹکڑے ڈال جاتے ہیں۔ یہ سب ایک بے سہارا لڑکی کی دل آزاری کا نتیجہ ہے۔ براہ کرم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔" یوسف (صلاح الدین) کے لہجے میں درد شامل تھا۔

اسدالدین شیرکوہ نے تعریفی نظروں سے بھتیجے کی طرف دیکھا اور پھر اپنے بڑے بھائی نجم الدین ایوب سے مخاطب ہوا۔ "برادر معظم! میری بھی یہی گزارش ہے کہ آپ اپنے لائق ترین بیٹے کے کردار پر اعتبار کریں اور اس مظلوم لڑکی کو اس کے انداز سے جینے دیں۔ اگر آپ نے شاریہ کے سلسلے میں سلطان عادل پر کسی قسم کا دباؤ ڈالا تو میں اس کی بھرپور مزاحمت کروں گا۔" یہ کہتے کہتے اسدالدین شیرکوہ کے لہجے میں کسی قدر سختی آ گئی تھی...... جیسے وہ اپنے بڑے بھائی کو تنبیہہ کر رہا ہو۔

چھوٹے بھائی کی بات سن کر نجم الدین ایوب کچھ گھبرا سا گیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اسدالدین شیرکوہ کو سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے حضور میں سب سے زیادہ قربت حاصل ہے۔ مجبوراً نجم الدین ایوب کو نرم ہونا پڑا۔ تاہم اس نے اسدالدین شیرکوہ سے ایک نیا سوال کر ڈالا۔ "پھر تمہاری نظر میں اس مسئلے کا کیا حل ہے؟"

"میرے نزدیک یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں کہ جس کا کوئی حل تلاش کیا جائے۔" اسدالدین شیرکوہ نے بے نیازانہ مسکراتے ہوئے کہا۔ "بالفرض یہ کوئی مسئلہ ہے تو اس کا وہی حل ہے جو یوسف نے پیش کیا ہے۔"

اسدالدین شیرکوہ کی مداخلت نے صورت حال کو یکسر بدل کر رکھ دیا تھا۔ پھر یہ طویل گفتگو اس نتیجے پر ختم ہوئی کہ نجم الدین ایوب نے یوسف (صلاح الدین) کو یہ قسم کھانے پر مجبور کر دیا کہ وہ کسی بھی حال میں ترکی کنیز شاریہ سے شادی نہیں کرے گا۔

......}......☆......{......

امیر زنجار کی شکایت پر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے قاضی ابنِ عرسون کو تنہائی میں طلب کر کے تمام صورت حال بیان کر دی۔ قاضی صاحب نے نہایت سکون و اطمینان سے سلطان عادل کی گفتگو سنی اور پھر ان طالبعلموں اور اہل محلّہ کو خلوت میں طلب کرنے کی درخواست کی جن کے بقول قاضی

صاحب کے اس عمل سے مدرسے کا تقدس پامال ہو رہا تھا...... اور عدالت عالیہ کا وقار......

پھر جب وہ گواہ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے حضور میں پیش ہوئے تو جلال سلطانی سے ان کے جسم کانپنے لگے اور زبانیں لڑکھڑانے لگیں۔ پھر ان سب نے سلطان عادل کے سامنے زمین پر اپنے سر رکھ دیئے اور رو رو کر کہنے لگے کہ انہیں امیر زنجار نے دینار و درہم کا لالچ دے کر جھوٹی گواہی پر اُکسایا تھا۔

اس کے بعد قاضی ابنِ عرسون نے سلطان عادل پر یہ راز بھی فاش کر دیا کہ پہلے امیر زنجار شاریہ کو کنیز بنانا چاہتا تھا۔ پھر وہ شادی کرنے پر آمادہ ہوگیا اور جب شاریہ نے شادی سے انکار کر دیا تو وہ اس مذموم حرکت پر اتر آیا کہ میں خوف زدہ ہو کر اس بے سہارا لڑکی کو اپنے مدرسے سے نکال دوں گا۔ اس طرح امیر زنجار کی بوالہوسی کا منصوبہ تکمیل تک پہنچ جائے گا۔

اس انکشاف پر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کا غصہ ناقابل بیان تھا۔ ان جیسے قوت برداشت رکھنے والے تاریخ انسانی میں بہت کم پیدا ہوئے ہیں۔ مگر اپنے ایک معتمد امیر کی اس ناشائستہ حرکت کی تفصیلات سن کر ان کے جذبات بے قابو ہو گئے اور چہرے سے ایسا قہر جھلکنے لگا جیسے وہ ابھی امیر زنجار کے قتل کا فرمان جاری کر دیں گے۔

پھر دوسرے دن سلطان عادل نے اپنا دربار آراستہ کیا جس میں تمام امراء اور سالاروں کو سختی کے ساتھ جمع ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔ کسی کو کچھ خبر نہیں تھی کہ ایسا کیوں کیا گیا ہے؟ عام طور پر حاضرین دربار کا خیال تھا کہ سلطان عادل کو کوئی خاص جنگی مہم درپیش ہے، اسی لئے ہنگامی اجلاس طلب کیا گیا ہے۔ پھر جب تمام امراء اور فوجی سالار جمع ہو گئے تو سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے انتہائی پُرجلال لہجے میں امیر زنجار کو مخاطب کیا جو امراء کی اگلی قطار میں بڑی شان اور غرور کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

"زنجار! میرے قریب آ اور تخت کے نیچے کھڑا ہو جا۔" سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کا لہجہ نہایت تحقیر آمیز تھا۔

سلطان عادل کی پُرہیبت آواز سن کر دربار پر سناٹا چھا گیا...... اور امیر زنجار کے چہرے سے وحشت ٹپکنے لگی۔ پھر وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے اٹھا اور تخت کے قریب جا کر کھڑا ہوگیا۔

"حاضرین دربار کے سامنے اپنا شجرۂ نسب بیان کر......" سلطان نورالدین محمود زنگیؒ دوبارہ غضب ناک لہجے میں امیر زنجار سے مخاطب ہوئے۔ "بلند آواز میں اہل دربار کو بتا کہ تیرے باپ دادا کون تھے؟"

سلطان عادل کا حکم سن کر کچھ دیر کے لئے امیر زنجار کو سکتہ سا ہوگیا۔ وہ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے اشارے کو سمجھ گیا تھا۔ فوراً ہی ہاتھ جوڑ کر گڑگڑانے لگا۔ "سلطان عادل! میں آپ کے کرم کا طلبگار ہوں۔ مجھے اس طرح سر دربار ذلیل و رسوا نہ کیا جائے۔"

"تجھے جس بات کا حکم دیا جا رہا ہے اس پر بلا تاخیر عمل کر۔" سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کا لہجہ مزید غضب ناک ہو گیا تھا۔ "اہل دربار کے سامنے بیان کر کہ تیرے بزرگوں کا تعلق کس محترم خاندان اور

کس معزز قبیلے سے تھا؟"

رحم کی درخواست مسترد کر دی گئی تھی۔ مجبوراً امیر زنجار حاضرین دربار کی طرف مڑا اور تمام امراء، فوجی سالاروں اور شعبۂ جاسوسی کے اعلیٰ افسروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"حاضرین دربار جان لیں کہ میرا تعلق ایک کم ترین خاندان سے ہے۔ جس کے تمام افراد سوت کات کر اپنی گزر اوقات کیا کرتے تھے اور ان کی معاشرتی حیثیت یہ تھی کہ بڑے قبائل کے لوگ انتہائی حقارت کے ساتھ میرے باپ دادا کو جلاہا کہہ کر پکارتے تھے۔"

امیر زنجار کا اعتراف سن کر تمام حاضرین اپنی اپنی جگہ سہم سے گئے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سلطان عادل نے امیر زنجار کو اپنا ماضی بیان کرنے پر کیوں مجبور کیا ہے؟ بس چار افراد یعنی قاضی ابن عرسون، نجم الدین ایوب، اسد الدین شیر کوہ اور یوسف (صلاح الدین) ہی اس راز سے باخبر تھے کہ امیر زنجار کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا جا رہا ہے؟

جب امیر زنجار اپنا شجرۂ نسب بیان کر چکا تو سلطان نور الدین محمود زنگیؒ اس سے مخاطب ہوئے۔

"اسلام نے تجھے عزت اور سربلندی بخشی۔ پھر تو نے بدترین ناشکر گزاری کا مظاہرہ کیا اور اسلامی قوانین ہی کا مذاق اڑانے لگا۔" جوشِ غضب میں سلطان عادل کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور ان کی پُر ہیبت آواز سے پورا دربار گونج رہا تھا۔ "میں نے تجھے شعبۂ جاسوسی کا اعلیٰ افسر نامزد کر کے اسلامی سلطنت کے رازوں کا امین بنایا اور تو نے کیسی بدترین خیانت کی کہ ایک مجبور لڑکی کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے لئے سازش کا اتنا گہرا جال بنا کہ قاضی ابن عرسون جیسی شخصیت بھی اس کی لپیٹ میں آ گئی۔ اللہ میری اس کوتاہی کو معاف فرمائے کہ میں نے تجھ جیسے بے اعتبار شخص کو اہم ترین منصب پر فائز کیا۔"

اس کے بعد سلطان نور الدین زنگیؒ نے امیر زنجار کے لئے بڑی عبرتناک سزا مقرر کی اور اس کا منہ کالا کر کے شہر کے اطراف میں گھمایا گیا۔ اب نجم الدین ایوب کو بھی یقین آ گیا تھا کہ وہ ترکی کنیز کوئی معمولی لڑکی نہیں ہے۔ اس کی دل آزاری کرنے والا کوئی سردار سزا سے محفوظ نہیں رہا تھا، پھر امیر زنجار کو اس کے عہدے سے معزول کر کے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔

......}......☆......{......

انطاکیہ کا عیسائی حاکم ریمنڈ اپنی بھتیجی ملکہ ایلیز سے بہت سا سونا لے کر واپس آ چکا تھا اور بڑی رازداری کے ساتھ ایک مضبوط فوج تیار کر رہا تھا۔ پھر وہ پانچ ہزار منتخب سوار لے کر حلب کی طرف بڑھا۔ پھر جیسے ہی سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کے جاسوسوں نے خبر دی، سلطان تین ہزار سواروں کے ساتھ حلب سے نکلے اور "انیب" کے مقام پر خیمہ زن ہو گئے۔ ریمنڈ کا لشکر یہاں پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔ 21 رصفر 544 ہجری کو دونوں لشکروں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ ریمنڈ کو اپنے اسلحے اور سپاہیوں کی کثرت پر ناز تھا۔ سلطان نور الدین محمود زنگیؒ نے اپنی پرانی جنگی حکمت عملی کے تحت لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک کی نگرانی وہ خود کر رہے تھے اور دوسرے کی قیادت اسد الدین شیر کوہ کر رہا تھا۔

شیر کوہ کا طریقہ تھا کہ وہ ہر جنگ میں یوسف (صلاح الدین) کو اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ گزشتہ معرکوں کی طرح اس بار بھی عیسائی سپاہی صلیب کی خاطر جان دینے کی قسمیں کھا کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تھے۔ اسد الدین شیر کوہ نے یوسف (صلاح الدین) کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اس جنگ میں تمہارا ایک ہی ہدف ہے۔" شیر کوہ نے اپنی تلوار سے عیسائی فوج کے علم بردار کی طرف اشارہ کیا۔ "اس صلیبی جھنڈے کو زمین بوس کر دو۔"

ابھی اسد الدین شیر کوہ کے الفاظ کی گونج باقی تھی کہ یوسف (صلاح الدین) اپنے دس سپاہیوں کے ساتھ عیسائی فوج کے علم بردار کی طرف جھپٹا۔ ایک طرف سے سلطان عادل صلیبیوں کے لشکر پر دباؤ ڈال رہے تھے اور دوسری طرف اسد الدین شیر کوہ بڑھ چڑھ کر حملے کر رہا تھا۔ مگر عیسائی لشکر کسی پہاڑی چٹان کی طرح اپنی جگہ جما ہوا تھا۔ یکایک صلیبیوں کی صفوں میں ایک شور سا اٹھا۔ پھر اہلِ ایمان نے عیسائیوں کے جھنڈے کو گرتے ہوئے دیکھا۔ یوسف (صلاح الدین) نے صلیبی علم بردار کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلنے کی کوشش کرتا، یوسف کی شمشیر کا دوسرا وار اس کی گردن سے کمر تک اتر گیا تھا۔ حاکم انطاکیہ ریمنڈ جو قریب ہی مسلمانوں سے نبرد آزما تھا، اس نے بڑی حسرت اور دکھ کے ساتھ صلیبی جھنڈے کو گرتے ہوئے دیکھا۔ اچانک اسد الدین شیر کوہ کی نظر ریمنڈ پر پڑی۔ وہ عقاب کی طرح عیسائی حاکم پر جھپٹا اور ریمنڈ کے گرد جمع ہو کر لڑنے والے محافظ سپاہیوں کو کاٹتا ہوا، حاکم انطاکیہ تک پہنچ گیا۔ ریمنڈ کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ مسلم سالار اتنی آسانی سے اس کے حفاظتی دستے کو تہ تیغ کر کے اس تک پہنچ سکتا ہے۔ ریمنڈ کچھ دیر تک اسد الدین شیر کوہ کی شمشیر خارا شگاف سے بچتا رہا۔ مگر ایک وار اتنا پُر فریب تھا کہ ریمنڈ اسے سمجھ ہی نہیں سکا۔ حاکم انطاکیہ نے اپنی ڈھال بائیں طرف کی...... لیکن شیر کوہ نے برق کی سی تیزی سے پینترا بدل کر دائیں طرف سے وار کیا اور دوسرے ہی لمحے ریمنڈ کی گردن کٹ کر زمین پر گر پڑی۔ اپنے سردار کا یہ حشر دیکھ کر صلیبی سپاہیوں نے اسد الدین شیر کوہ کو اپنے نرغے میں لے لیا۔ شیر کوہ نے تیغ زنی کے بے مثال جوہر دکھائے۔ اور پندرہ بیس عیسائی سپاہیوں کے سر قلم کر دے۔ مگر وہ اکیلا تھا...... صلیبیوں کا حصار توڑنے میں ناکام رہا۔ اسد الدین شیر کوہ کئی زخم کھا چکا تھا۔ اب اسے زندہ بچنے کی کوئی امید نہیں رہی تھی۔ آخر اس توقع پر کہ قریب لڑنے والے مسلمان سپاہی اس کی آواز سن لیں، اسد الدین شیر کوہ نے پوری طاقت کے ساتھ نعرۂ تکبیر بلند کیا۔۔ یوسف (صلاح الدین) زیادہ دور نہیں تھا۔ اس نے چچا کی آواز سنی اور اپنے دس سپاہیوں کے ساتھ آواز کی طرف پلٹا۔ پھر پشت کی طرف سے ان صلیبیوں پر ایک بھرپور حملہ کیا جو اسد الدین شیر کوہ کے چاروں طرف حصار کئے ہوئے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں یہ حصار ٹوٹ گیا۔ اسد الدین شیر کوہ شدید زخمی ہو چکا تھا لیکن تازہ کمک نے اس کے حوصلے بلند کر دیئے۔ یوسف (صلاح الدین) اور اس کے ساتھیوں نے بیشتر صلیبیوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ باقی جان بچا کر فرار ہو گئے۔ پھر جب یوسف (صلاح الدین) چچا کے قریب پہنچا تو اسد الدین شیر کوہ لڑکھڑا رہا تھا۔

"زندہ باد میرے بیٹے!" اسد الدین شیر کوہ نے یوسف کو گلے لگا لیا۔ چچا کے بہتے ہوئے خون

سے بھتیجے کا لباس بھی سرخ ہوگیا۔ پھر یوسف (صلاح الدین) اسدالدین شیر کوہ کو سہارا دے کر خیمے تک لایا۔ اس جنگ میں سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے بھی کئی عیسائی سرداروں کو تہ تیغ کیا تھا۔

پھر جب ریمنڈ کے قتل کی خبر انگلستان پہنچی تو شہنشاہ ہنری دوم نے سکون کا سانس لیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ ''اس مذہبی جنونی کا یہی حشر ہونا چاہئے تھا۔''

مگر ملکہ ایلیز کو ریمنڈ کی موت کا شدید صدمہ تھا۔ اس نے ایک ہفتے تک سیاہ لباس پہن کر سوگ منایا۔ رقص و موسیقی سے بھی دور رہی اور شراب کو بھی ہاتھ نہیں لگایا۔ بس وہ اپنے چار سالہ بیٹے رچرڈ سے باتیں کرتی رہی۔ ''تجھ پر بے شمار صلیبیوں کے خون کا انتقام قرض ہے۔''

معصوم رچرڈ کے دل میں مسلمانوں کیخلاف نفرت کی جڑیں روز بہ روز گہری ہوتی جارہی تھیں۔

☆

سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کا فاتح لشکر انطاکیہ چھوڑ کر حلب کی طرف واپس جارہا تھا۔ کچھ لوگوں کے خیال میں سلطان عادل نے انطاکیہ پر قبضہ نہ کر کے ایک سیاسی غلطی کی تھی۔ مگر وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ دمشق کے حاکم امیر مجیرالدین نے صلح نامہ چاک کر دیا تھا۔ اور اب وہ یروشلم کے بادشاہ بالڈون سے سازباز کر رہا تھا۔ یہ خبر سنتے ہی سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے انطاکیہ چھوڑ دیا اور اپنے دارالسلطنت کی طرف روانہ ہوگئے۔

سلطان نورالدین محمود زنگیؒ ایک اعلیٰ ظرف حکمراں تھے۔ ان کی زندگی کا مقصد توسیع سلطنت کے بجائے ''اتحاد بین المسلمین'' تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سلطان عادل نے ایک بار دمشق پر قبضہ کر کے چند شرائط کے ساتھ دمشق کی حکومت وزیراعظم امیر معین الدین کو واپس کر دی تھی۔ کیونکہ وہ ایک اسلام دوست اور لائق منتظم تھا۔ لیکن امیر معین الدین کے مرتے ہی امیر مجیرالدین نے دوبارہ دمشق کا انتظام سنبھال لیا۔ یروشلم کے شہنشاہ بالڈون ثالث نے امیر معین الدین کی موت سے بھرپور فائدہ اٹھایا...... اور ایک نہایت حسین و جمیل دوشیزہ ہیلنا امیر مجیرالدین کی خدمت کیلئے دمشق بھیج دی۔ امیر مجیرالدین فطرتاً اوباش حکمراں تھا...... عیسائی دوشیزہ ہیلنا کو دیکھتے ہی اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھا...... اس نے اپنی پوری زندگی میں اتنی خوبصورت لڑکی نہیں دیکھی تھی۔ نتیجتاً امیر مجیرالدین ہیلنا کے دلکش خدوخال میں ایسا کھویا کہ اسے اپنے گردوپیش کی بھی خبر نہیں رہی۔

ہیلنا اپنے ساتھ بہترین یورپی شرابوں کا بہت ذخیرہ لے کر دمشق پہنچی تھی...... یہی عیسائی حکمرانوں کا پرانا حربہ تھا کہ وہ اپنی قوم کی حسین ترین لڑکیاں بھیج کر مسلمان فرمانرواؤں کو دام ہوس میں اسیر کیا کرتے تھے...... پھر جب ان کے چٹان جیسے مضبوط اعصاب پگھل کر موم ہو جاتے تھے تو عیسائی حکمراں ان کی ریاستوں پر قبضہ کر لیا کرتے تھے...... یا پھر انہیں اپنا آلۂ کار بنا کر ایک کٹھ پتلی کی طرح چھوڑ دیا کرتے تھے۔ ہیلنا کے بے پناہ حسن اور شاطرانہ چالوں نے چند ہی روز میں امیر مجیرالدین کے دل و دماغ پر قبضہ کر لیا...... پھر اسی کے کہنے پر شہنشاہ یروشلم نے چند اور خوبصورت عیسائی لڑکیاں دمشق بھیج دیں...... ہیلنا کے منصوبے کے مطابق یہ لڑکیاں دمشق کے فوجی سپہ سالاروں کی خلوتوں میں

بھیج دی گئیں...... اب میدان جنگ میں فوجی مشقوں اور رقص شمشیر کے بجائے...... بند کمروں میں رقص صراحی و جام شروع ہوگیا اور عیسائی لڑکیاں ساقی گری کے فرائض انجام دینے لگیں...... دمشق کے وہ فوجی سالار جن کے آہنی ہاتھ کمانیں توڑ دیا کرتے تھے، شراب و شباب کے اثر سے اتنے کمزور ہوگئے کہ وہ بمشکل عیسائی نازنینوں کے ریشمی آنچل کا بوجھ اٹھا سکتے تھے۔

پھر ایک دن شاہ یروشلم بالڈون ثالث اور والئ دمشق امیر مجیرالدین کے درمیان ایک خفیہ معاہدہ طے پاگیا...... اس معاہدے کی صرف دو بنیادی شقیں تھیں...... پہلی یہ کہ دمشق اور یروشلم کی حکومتیں ایک دوسرے کی حلیف و وفادار رہیں گی۔ ایک پر حملہ دوسرے پر تصور کیا جائے گا...... اور دوسری یہ کہ حکومت دمشق یروشلم کو خراج ادا کرے گی۔ بعض مورخین نے معاہدے کی دوسری شرط کا انکار کیا ہے...... مگر اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ امیر مجیرالدین اور شاہ یروشلم بالڈون ثالث خفیہ طور پر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے خلاف متحد ہوگئے تھے۔

سلطان عادل نے ان اطلاعات کی تصدیق کیلئے ایک عجیب حکمت عملی اختیار کی۔ اسدالدین شیر کوہ کی قیادت میں ایک ہزار سواروں پر مشتمل سفارتی وفد دمشق پر روانہ کیا۔ یوسف (صلاح الدین) بھی بطور نائب اس کے ہمراہ تھا......

پھر جب سلطان نورالدین زنگیؒ کا فوجی وفد دمشق کے نواح میں پہنچا تو اسدالدین شیر کوہ کا خیال تھا کہ امیر مجیرالدین کے سرحدی سپاہی اس کے شایان شان استقبال کریں گے...... مگر دمشق کے حفاظتی فوجی دستے نے اسدالدین شیر کوہ کا استقبال کرنے کے بجائے انتہائی بے رخی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سلطان نورالدین زنگیؒ کے سپہ سالار کو آگے بڑھنے سے روک دیا...... اسدالدین شیر کوہ کو یہ طرز عمل ناگوار گزرا، مگر اس نے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے والئ دمشق امیر مجیرالدین کو یہ پیغام بھیجا۔

''میں سلطان عادل کے حکم پر ایک سفارتی وفد کے ہمراہ یہاں پہنچا ہوں...... اور حاکم دمشق سے ملاقات کا خواہشمند ہوں۔''

پھر جب دمشق کا ایک فوجی افسر اس درخواست کا جواب لے کر واپس آیا تو جوشِ غضب سے اسدالدین شیر کوہ کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ والئ دمشق امیر مجیرالدین نے سفارتی وفد کے قائد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

''میرے علاقے کی حدود سے فوراً نکل جاؤ۔ اور اگر مجھ سے ملاقات ہی کرنا چاہتے ہو تو پھر شمشیریں اور نیزے ہی تم سے ملاقات کرینگے۔''

امیر مجیرالدین کا تحقیر آمیز جواب سن کر اسدالدین شیر کوہ چند لمحوں کیلئے جذبات سے مغلوب ہوگیا...... اور اس نے سوچا کہ یہ ملاقات اسی وقت ہو جائے...... مگر شیر کوہ کو جنگ کی اجازت نہیں تھی...... اس نے بڑی مشکل سے اپنی حالت غضب پر قابو پایا...... اس کشمکش میں اسدالدین شیر کوہ کا جسم کانپنے لگا...... مگر وہ اپنی زبان پر قابو نہ رکھ سکا...... اور اس نے جواب لانے والے فوجی افسر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"جس شخص کو سلطان عادل نے پناہ دی اسے یہ لہجہ زیب نہیں دیتا۔ اپنے امیر کو بتا دینا کہ اسکے الفاظ کی گونج دربار سلطانی تک پہنچ گئی ہے۔ اور اس سے یہ ملاقات مجھ پر قرض ہے۔ اور ایک غیرت مند مومن اپنے جسم و جاں پر کسی کا قرض باقی نہیں رکھتا۔"

یہ کہہ کر اسدالدین شیر کوہ واپس چلا گیا۔ اور دمشق سے چالیس میل کے فاصلے پر خیمہ زن ہو گیا پھر اس نے امیر مجیرالدین کی انتہائی گستاخانہ اور ذلت آمیز حرکت کی ساری تفصیلات لکھ کر اپنے بھتیجے یوسف (صلاح الدین) کے سپرد کیں...... اور انتہائی رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"میرا یہ خط سلطان عادل کی خدمت میں پیش کرو۔ مگر کسی کو پتا نہ چلے کہ تم یہاں کیوں آئے تھے؟"

یوسف (صلاح الدین) اپنے چچا کا خط لے کر برق رفتاری کے ساتھ حلب کی طرف بڑھا۔ اور پھر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی خدمت میں اسدالدین شیر کوہ کا خط لے کر حاضر ہوا۔

سلطان عادل اپنی نجی زندگی میں بہت نرم طبیعت کے مالک تھے۔ خدمت گاروں اور امیروں کی بڑی بڑی خطاؤں سے چشم پوشی کر لیا کرتے تھے...... مگر حقوق اللہ اور حقوق العباد کے معاملے میں انتہائی جذباتی اور سخت گیر تھے۔ اسدالدین شیر کوہ کا خط پڑھ کر اس قدر غضبناک ہوئے کہ اپنی نشست سے کھڑے ہو گئے...... اور شمشیر کھینچ لی...... پھر دمشق کی طرف منہ کر کے کہنے لگے۔

"بے شک! اب ہماری شمشیریں ہی اس سے ملاقات کریں گی...... حق تعالیٰ میری اس غلطی کو معاف فرمائے کہ میں نے ایک بدنہاد و بدعہد انسان پر اعتبار کیا۔"

......{......☆......}......

پھر دوسرے دن ہی نماز فجر کے بعد سلطان نورالدین محمود زنگیؒ ایک لشکر جرار لیکر حلب سے دمشق کی طرف بڑھے...... یوسف (صلاح الدین) بھی سلطان عادل کے ہمراہ تھا......

سلطان نورالدین محمود زنگیؒ حلب یہ فیصلہ کر کے چلے تھے کہ اب امیر مجیرالدین سے کوئی سفارتی گفت و شنید نہیں ہوگی...... اور کسی تاخیر کے بغیر دمشق کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی...... مگر اسدالدین شیر کوہ سے ملاقات کرنے کے بعد سلطان عادل نے والئ دمشق امیر مجیرالدین کے نام ایک تفصیلی خط تحریر کیا۔

"آغازِ کار اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحیم ہے۔ اور اسی کے فضل و کرم سے مسلمان ہوں۔ اور اسی نے مجھے لاکھوں مسلمانوں کی جانوں کا امین بنایا ہے۔ اگرچہ تم عہد شکنی جیسے گناہ کے مرتکب ہو چکے ہو۔ لیکن میں اتمام حجت کے طور پر واضح کرتا ہوں کہ مجھے کسی مسلمان ریاست سے دشمنی نہیں...... میری زندگی کا مقصد صرف دشمنان اسلام سے جہاد کرنا ہے...... اور اُمت مسلمہ کو ان کے وحشیانہ مظالم سے نجات دلانا ہے۔ اگر میں زمین کا بھوکا ہوتا تو اپنا ماضی یاد کرو، جب میرے لشکر نے دمشق کے ایک ایک گوشے پر قبضہ کر لیا تھا...... پھر بھی میں نے صلح کو ترجیح دی اور تمہارا تاج و تخت اسی حالت میں چھوڑ کر شام چلا گیا...... اگر میرے دل میں حرص و ہوس کا جذبہ موجزن ہوتا تو تمہاری

دستار و کلاہ کی دھجیاں اڑ چکی ہوتیں۔ تمہارے شانے گردن کے بوجھ سے ہلکے ہو چکے ہوتے۔ اور تمہاری ہڈیاں قبر کی گہرائی میں گل سڑ کر ہم رنگِ خاک ہو چکی ہوتیں...... کوئی فاتح کسی مفتوح کو زندہ و آزاد نہیں چھوڑتا...... لیکن میں نے اسلامی رواداری سے کام لیتے ہوئے تمہاری ساری گستاخیاں معاف کیں...... اور تمہیں تمہاری زمین واپس کر کے خالی ہاتھ لوٹ گیا...... یہ سب کچھ اسلئے تھا کہ تم اپنے تمام گناہوں سے تائب ہو کر اسلام کی خدمت کر سکو...... مگر اب میں نے سنا ہے کہ تم اسلامی ریاستوں کے خلاف شاہ یروشلم بالڈون ثالث اور دوسرے عیسائی حکمرانوں سے ساز باز کر رہے ہو...... اگر یہ الزام ہے تو بہ نفس نفیس میرے خیمے میں آ کر اسے غلط ثابت کرو...... ورنہ میں تمہارے ساتھ وہی سلوک کروں گا جو دشمنان اسلام کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے...... میری تلوار دشمنان اسلام کے قتال کیلئے وقف ہو چکی ہے...... میں نہیں چاہتا کہ اس سے کسی کلمہ گو کے خون کا ایک قطرہ بھی ٹپکے۔"

پھر جب قاصد حمیدالدین سلطان نورالدین زنگیؒ کا خط لیکر والئ دمشق کی طرف روانہ ہوا تو اسدالدین شیر کوہ نے بصد احترام عرض کیا۔ "سلطان عادل! میرے لئے وہ لمحہ بڑا اذیت ناک ہوگا، جب امیر مجیرالدین آپکی رواداری کا مذاق اڑائے گا۔ میرے خیال میں وہ ناقابل اصلاح ہے۔"

"ہمیں اللہ کے راستے میں ہر اذیت برداشت کرنی ہوگی۔" سلطان نورالدین محمودؒ نے اپنے سپہ سالار کو انتہائی نرم لہجے میں سمجھاتے ہوئے کہا۔

"دعا کرو کہ اس کی نیت بدل جائے...... میرے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ وہ لمحہ ہوگا جب مسلمانوں کی تلواریں مسلمان کے خلاف اٹھیں گی۔"

پھر وہ سنگین اور اذیت ناک لمحہ آ پہنچا۔ جب سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کا خط سن کر امیر مجیرالدین اس قدر برہم ہوا کہ جوش جذبات میں تخت سے نیچے اتر آیا۔ اور سلطان کے قاصد سے خط چھین کر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا...... قاصد اپنے امیر کے مکتوب کی یہ تحقیر برداشت نہ کر سکا...... اور اس نے جھک کر فرش پر پڑے ہوئے خط کے ٹکڑوں کو اٹھانا چاہا...... لیکن والئ دمشق نے اسکے منہ پر ایک زوردار ٹھوکر ماری...... قاصد اس کیلئے تیار نہیں تھا۔ مجیرالدین کی ٹھوکر پڑتے ہی وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا...... اور دربار کے فرش پر گر پڑا...... اس کے ماتھے اور ہونٹوں سے خون جاری ہو گیا۔

"اپنے سلطان کو بتا دینا کہ یہی اسکے خط کا جواب ہے۔" والئ دمشق نے چیخ کر کہا۔

قاصد حمیدالدین اٹھا۔ تمام دربار پر گہرا سکوت طاری تھا۔ بعض ہوشمند امراء کو سفیر شام کے ساتھ والئ دمشق کا یہ ناشائستہ سلوک پسند نہیں آیا تھا مگر وہ مجبور تھے اور ان کے ہونٹوں پر مہریں لگی ہوئی تھیں۔

قاصد حمیدالدین نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا...... نتیجتاً اس کا پورا ہاتھ خون سے رنگین ہو گیا...... حمیدالدین چند لمحوں تک اپنے ہاتھ کو دیکھتا رہا...... پھر نہایت بیباکانہ لہجے میں امیر مجیرالدین سے مخاطب ہوا......

"والئ دمشق کا یہ طرز عمل مردوں کے شایان شان نہیں تھا۔ میں جلالت مآب سلطان نورالدین

محمود زنگی کا سفیر ہوں۔ اور یہ ٹھوکر میرے منہ پر نہیں، سلطان عادل کے چہرۂ مبارک پر ماری گئی ہے۔"

یہ کہہ کر قاصد حمید الدین تیزی سے مڑا اور پھر اس نے دروازے سے نکلتے وقت اپنا خون آلود ہاتھ دیوار پر رکھ دیا۔ امیر مجیر الدین اور دوسرے حاضرین دربار سفیر شام کے اس عمل کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ قاصد حمید الدین کچھ دیر تک اسی حالت میں کھڑا رہا۔ پھر اس نے اپنا خون آلود ہاتھ اٹھالیا ......دیوار پر اس کے ہاتھ کا پورا نقش ابھر آیا تھا۔

"میں اپنے خون کا نشان چھوڑے جا رہا ہوں باقی اللہ جانتا ہے کہ وہ اس خون کا حساب کس طرح لے گا؟" یہ کہہ کر سفیر شام دربار دمشق سے نکل گیا۔

......}......☆......{......

حجت تمام ہو چکی تھی......سلطان نور الدین محمود زنگیؒ نے اپنے قاصد کا زخمی چہرہ دیکھا ...... شمشیر بے نیام کی اور اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ مشرق کی طرف سے اسد الدین شیر کوہ نے زبردست حملہ کیا۔ یہاں تک کہ وہ یلغار کرتا ہوا شہر پناہ تک پہنچ گیا۔ امیر مجیر الدین کا لشکر مسلسل پسپا ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ شہر کے دروازے بند کرنے پر مجبور ہو گئے۔

دوسری طرف شمال سے سلطان نور الدین زنگیؒ نے بھرپور حملہ کیا۔ یوسف (صلاح الدین) کسی محافظ سپاہی کی طرح سلطان عادل کے دوش بدوش جنگ کر رہا تھا۔ والئ دمشق کے لشکر نے یہاں بھی وہی حکمت عملی اختیار کی......میدان سے فرار ہو کر شہر کے دروازے بند کر لئے ...... اور فصیلوں پر سے آگ برسانی شروع کر دی...... تین دن تک یہی عمل جاری رہا......سلطان نور الدین محمود زنگیؒ ذہانت و فراست کے ساتھ دشمن کی آگ سے اپنے سپاہیوں کو بچاتا رہا۔ پھر جب امیر مجیر الدین کے سپاہیوں کے بازو شل ہو گئے اور آگ کا طوفان رکا تو سلطان نور الدین محمودؒ نے ایک فیصلہ کن حملہ کیا...... اور شمال کی جانب فصیل میں گہرا شگاف ڈال دیا...... پھر اس شگاف سے سلطانی فوج شہر کے اندر داخل ہو گئی۔

اس وقت سلطان عادل کا پرچم یوسف (صلاح الدین) کے ہاتھ میں تھا......مجیر الدین کی فوج پہلے ہی اپنے امیر سے بیزار تھی۔ اس نے سلطانی لشکر کو دیکھتے ہی ہتھیار رکھ دیئے...... اور نور الدین زنگیؒ سے امان کے طالب ہوئے۔

پھر کچھ دیر بعد ہی سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کے نقیب دمشق کی شاہراہوں پر کھڑے ہو کر باآواز بلند اعلان کر رہے تھے۔

"سلطان عادل کا حکم ہے کہ کسی کے جان و مال کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ کوئی شامی سپاہی کسی کے گھر میں داخل نہ ہو۔ زخمیوں کی تیمارداری کی جائے۔ اور کسی بھاگنے والے شخص کا تعاقب نہ کیا جائے۔"

اس اعلان نے اہلِ دمشق کے بدحال چہروں پر خوشی کی تیز لہر دوڑا دی۔

"سلامتی ہے، ہر اس شخص کیلئے جو اس پرچم کے سائے میں کھڑا ہوا۔" یہ آواز یوسف (صلاح الدین) کی تھی جو اہلِ دمشق کو پکار رہا تھا۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں مقامی باشندے سلطان عادل کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ اور ان کی دعاؤں کے شور سے پورا دمشق گونج اٹھا۔

"حق تعالیٰ سلطان کو دونوں جہان میں جزائے عظیم دے کہ انکی مجاہدانہ کوششوں نے ہمیں ظالم و بدکار حکمراں سے نجات دلائی۔"

والئ دمشق نے قلعے کی فصیل سے اپنی شکست کا یہ منظر دیکھا۔ امیر مجیر الدین کے ساتھ چند امراء بھی تھے۔ اس نے ان پر قہر آلود نظریں ڈالیں۔ پھر شاہ یروشلم بالڈون ثالث کو مغلظات بکتے ہوئے بولا۔

"وہ میری مدد کیلئے اپنی فوج کب بھیجے گا؟ شہر پر نور الدین کا قبضہ ہو چکا......کیا عیسائی لشکر اس وقت آئے گا جب میرے قلعے کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی؟"

"امیر......ہم تو قلعہ بند ہو چکے ہیں۔ کیا خبر کہ شاہ یروشلم اپنی فوج کے ہمراہ ہماری مدد کو آپہنچا ہو اور اس نے دمشق کا محاصرہ کر لیا ہو۔" دوسرے امیر نے لڑکھڑائی ہوئی زبان میں مجیر الدین کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ اس وقت وہ شراب پیئے ہوئے تھا۔ اور والئ دمشق کے برابر کھڑا جھوم رہا تھا۔

"ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے۔" اس محاورے کے مطابق اپنے امیر کی بات سن کر والئ دمشق کے ہونٹوں پر اداس مسکراہٹ ابھر آئی۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔"

پھر امیر مجیر الدین اپنے وزیروں اور مصاحبوں کے ساتھ قلعے کے محفوظ ترین تہہ خانے میں چلا گیا۔

دمشق پر سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کے حملے کی خبر سن کر شاہ یروشلم بالڈون ثالث نے امیر مجیر الدین کی مدد کیلئے ایک فوجی دستہ دمشق کی طرف روانہ کیا...... مگر اسد الدین شیر کوہ کا دماغ جاگ رہا تھا...... اس نے دمشق کے تمام مضافاتی علاقوں کی سخت ناکہ بندی کر دی تھی ...... بالڈون ثالث کا لشکر ادھر آیا تو اسد الدین شیر کوہ کے ایک فوجی دستے نے عیسائی سپاہیوں کا تعاقب کیا۔ صلیبیوں نے فرار ہو جانے ہی میں عافیت سمجھی۔ وہ معمولی سی مزاحمت کے بغیر اپنی جانیں بچا کر بھاگ گئے۔

سلطان نور الدین محمود زنگیؒ نے شہر پر قابض ہونے کے بعد پہلے دن ہی امیر مجیر الدین کو پیغام بھیج دیا تھا کہ اگر وہ خود کو سلطانی لشکر کے حوالے کر دے تو اسکی جاں بخشی کی جا سکتی ہے۔ ورنہ قلعے کی بنیادیں کھود ڈالی جائیں گی۔ اور اسے خفیہ سرنگوں سے کھینچ کر باہر نکال لیا جائے گا۔

امیر مجیر الدین نے تین دن تک بالڈون ثالث کی فوجی کمک کا انتظار کیا۔ اور پھر چوتھے دن قلعے کا دروازہ کھول کر اپنے چند امراء کے ساتھ باہر نکلا۔ قلعے کے نگران سلطانی سپاہیوں نے فوراً امیر مجیر الدین کو اپنے نرغے میں لے لیا۔ اور سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کے خیمے میں پہنچا دیا۔ مجیر الدین کا سر جھکا ہوا تھا۔ اور اسکی ظاہری حالت مجرموں جیسی تھی۔ اس نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے اپنی تلوار کھول کر سلطان عادل کے قدموں میں رکھ دی اور گداگروں کے سے لہجے میں بولا۔

"میں سلطان ذیشان کے کرم کا طالب ہوں۔"

"مسلمان اپنے عہد پر قائم رہتا ہے۔ اور تم سے جاں بخشی کا وعدہ کیا جا چکا ہے۔" سلطان نور الدین محمود زنگیؒ نے نہایت نرم لہجے میں کہا۔

اس نیک سیرت حکمراں کی آواز میں غرور وتکبر کا شائبہ تک نہیں تھا۔

......}......☆......{......

گردشِ وقت نے ساری بساطیں الٹ دی تھیں۔ دمشق کا دربار آراستہ ہوا...... مگر اس بار تخت پر سلطان نور الدین محمود زنگیؒ جلوہ افروز تھے...... اور امیر مجیر الدین تخت کے نیچے غلاموں کی طرح ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ حاضرین دربار بڑی بے چینی کے ساتھ اس بات کے منتظر تھے کہ سلطان عادل والیٔ دمشق کی قسمت کا کیا فیصلہ کرتے ہیں؟

سلطان نور الدین محمود زنگیؒ نے امیر مجیر الدین کی طرف ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا اور انتہائی پُر جلال لہجے میں مخاطب ہوئے...... "تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اللہ کی مدد کے سوا کسی کی تائید کام نہیں آتی...... صد حیف! تم نے ان لوگوں سے معاہدہ کیا جو اسلام دشمنی میں سرفہرست ہیں۔ اور جن کے بارے میں حق تعالیٰ کا کھلا ہوا حکم نازل ہو چکا کہ یہود و نصاریٰ اہل ایمان کے دوست ہو ہی نہیں سکتے۔"

"میں اپنی اس غلطی اور کوتاہی پر نادم ہوں۔" امیر مجیر الدین نے سر جھکائے ہوئے کہا۔

"اسے غلطی اور کوتاہی کا نام نہیں دیا جا سکتا۔" سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کی آواز کچھ اور بلند ہو گئی تھی۔ "یہ اسلام کے خلاف کھلی ہوئی بغاوت تھی۔ میں نے تمہیں بار بار موقع دیا کہ اس گناہ عظیم سے تائب ہو جاؤ۔ مگر تم نے میرے خط اور سفیر کے ساتھ وہ سلوک کیا جو برے سے برا کافر حکمراں بھی روا نہیں رکھے گا۔"

سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کا بگڑا ہوا لہجہ دیکھ کر امیر مجیر الدین بدحواس ہو گیا۔ "سلطان مجھے میری زندگی کی ضمانت دے چکے ہیں۔" والیٔ دمشق کی آواز خوف سے لرز رہی تھی۔ اور اسکے دل میں یہ خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ سلطان نور الدین محمود زنگیؒ اپنے وعدے سے منحرف ہو جائیں گے۔ اور اس انحراف کا ایک ہی مفہوم ہے کہ اسے قتل کر دیا جائیگا یا پھر اس کی پوری زندگی پس دیوار زنداں گزرے گی۔

"میں آج بھی اپنے وعدے پر قائم ہوں اور بفضل تعالیٰ آخری سانس تک قائم رہوں گا۔" سلطان نور الدین محمود زنگیؒ نے باوقار لہجے میں کہا۔ "مگر ابھی انصاف باقی ہے۔"

پورے دربار پر سناٹا چھا گیا...... امیر مجیر الدین کے چہرے پر وحشت برسنے لگی۔

"میں تمہارے تمام تر گستاخانہ کلمات معاف کرتا ہوں جو تم نے میرے بارے میں ادا کئے۔" سلطان نور الدین محمودؒ کے لہجے سے ضبط و تحمل کا اظہار ہو رہا تھا۔ "مگر تم نے میرے سفیر کے ساتھ جو غیر اسلامی اور بے رحمانہ سلوک کیا، اس کا حساب بھی صاف ہونا ضروری ہے۔" یہ کہہ کر سلطان نور الدین زنگیؒ نے قاصد حمید الدین کی طرف اشارہ کیا جو امراء کی اگلی قطار میں بیٹھا تھا۔

سلطان کا اشارہ پاتے ہی قاصد حمید الدین اپنی جگہ سے اٹھا اور تخت کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

حاضرین دربار تصویر حیرت بنے ہوئے دیکھ رہے تھے کہ سلطان عادل کیا فیصلہ صادر کریں گے ......اور یہ حساب کس طرح برابر ہو گا؟

سلطان نور الدین محمود زنگیؒ نے قاصد حمید الدین سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا...... "اللہ کا قانون انصاف یہ ہے کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور جان کے بدلے جان...... جتنی اذیت تمہیں پہنچائی گئی ہے، اتنی ہی اذیت تم بھی پہنچا سکتے ہو...... یہ عدل ہے...... اور اگر معاف کر دو تو اس کا اجر حق تعالیٰ کے پاس ہے، اسے احسان کہتے ہیں...... اور احسان کا بدلہ سوائے احسان کے کچھ نہیں ہے۔"

ابھی سلطان عادل کے الفاظ کی گونج باقی تھی کہ اہل دربار نے امیر مجیر الدین کی طرف دیکھا۔ اسکے چہرے پر وحشت برسنے لگی تھی۔ سلطان نور الدین زنگیؒ کے فیصلے کا کھلا ہوا مفہوم یہی تھا کہ قاصد حمید الدین امیر مجیر الدین سے اپنا بدلہ لے...... اور والیٔ دمشق کے چہرے پر اتنا گہرا زخم لگائے جتنا کہ خود اس کے چہرے پر موجود تھا۔

قاصد حمید الدین نے ایک نظر امیر مجیر الدین کی طرف دیکھا۔ اور سلطان نور الدین زنگیؒ سے مخاطب ہو کر عرض کرنے لگا...... "سلطان عادل جب آپ نے امیر مجیر الدین کی جاں بخشی کا وعدہ کر لیا تو پھر میں بھی اپنے اوپر کی جانے والی زیادتی کو معاف کرتا ہوں...... والیٔ دمشق کیلئے یہ سزا کیا کم ہے کہ وہ اسیری کی حالت میں سر دربار کھڑے ہیں...... اور بار بار آپ سے رحم کی درخواست کر رہے ہیں۔"

حمید الدین کے اس جواب سے سلطان نور الدین زنگیؒ بہت خوش ہوئے۔ پھر تین افراد کو اپنے ہاتھ سے خلعتیں پہنائیں۔ ان میں اسد الدین شیر کوہ، یوسف (صلاح الدین) اور قاصد حمید الدین شامل تھے۔

اس کے بعد امیر مجیر الدین کو حمص کی جاگیر دیکر ہمیشہ کیلئے دمشق سے رخصت کر دیا۔

سلطان نور الدین محمود زنگیؒ، یوسف (صلاح الدین) کی بہادری اور ذہانت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اسے دمشق کا کوتوال مقرر کر کے حلب چلے گئے۔

دمشق پر سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کا قبضہ اس دور کا اہم ترین واقعہ تھا۔ اس فتح کے بعد زنگی خاندان کی سلطنت موصل سے حران تک وسیع ہو گئی...... اور یروشلم تک آگے بڑھنے کیلئے راستہ صاف ہو گیا...... سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کی اس عظیم الشان کامیابی پر خلیفۂ بغداد کو اتنی مسرت ہوئی کہ اس نے سلطان کو "الملک العادل" کا خطاب دیا...... اور والیٔ شام کی خدمت میں پر جوش مبارکباد کے ساتھ قیمتی تحائف بھی بھیجے۔

امیر مجیر الدین کی شکست کی خبر سن کر شاہ یروشلم بہت اداس ہو گیا۔ پھر ایک دن اپنے راز دار مشیروں کو خلوت میں طلب کر کے کہنے لگا۔

"یسوع مسیح ہم پر رحم کرے...... مجھے ایسا لگتا ہے کہ آنے والا زمانہ صلیبوں کیلئے بہت سخت ہو گا۔"

قاضی ابن عرسون بھی اپنے شاگرد کی اس کامیابی پر بہت خوش تھے...... پھر جب یہ خبر شاریہ کے کانوں تک پہنچی تو وہ جوش جذبات میں وارفتہ ہو کر کہنے لگی۔

"یوسف! یہ تو بہت چھوٹی کامیابی ہے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ میری گناہ گار آنکھیں کیسے کیسے مناظر دیکھ رہی ہیں...... ہر طرف تم ہی تم ہو اور ساری بلندیاں تمہارے قدموں میں جھکی ہوئی ہیں۔" یہ کہتے کہتے یکایک شاریہ اداس ہو گئی...... پھر خود کلامی کے انداز میں بولی...... "مگر میں تمہیں کیسے دیکھوں ...... تم تو مجھ سے بہت دور چلے گئے۔" اذیت و کرب کی شدت سے شاریہ کا زرد چہرہ اور پیلا پڑ گیا۔

......}......☆......{......

اس وقت ابو سالم ہمام دمشق کا دیوان تھا۔ یوسف (صلاح الدین) نے کوتوال ہوتے ہی خاموشی سے شہر کی صورتحال کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ اس نے نہایت راز داری کے ساتھ چند معتبر لوگوں کو اپنا نائب مقرر کیا...... یہ تمام افراد بہت معمولی لباسوں میں کوچہ بہ کوچہ گھومتے رہتے تھے...... انہیں دیکھ کر کوئی شخص گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ لوگ سرکاری عہدوں پر فائز ہیں...... اور مقامی باشندوں کی حرکات کی نگرانی کر رہے ہیں...... دراصل یہ تمام افراد یوسف (صلاح الدین) کے جاسوس تھے۔ جنہیں اس کام کیلئے متعین کیا گیا تھا کہ عام لوگوں سے ملاقات کریں اور نئی انتظامیہ کی کارکردگی کے بارے میں پوچھتے رہیں کہ اس سے مطمئن ہیں یا ناخوش؟

خود یوسف (صلاح الدین) بھی معمولی کپڑوں میں حلیہ بدل کر دمشق کی گلیوں میں گھومتا رہتا تھا ...... اور رات کو گھوڑے پر سوار ہو کر غریبوں کے محلوں کی گشت کیا کرتا تھا...... اور ہنگامی وقت میں نادار اور مجبور انسانوں کی بھی مدد کیا کرتا تھا۔

ایک رات یوسف (صلاح الدین) حسب معمول گشت پر تھا کہ ایک گھر کے دروازے پر کچھ لوگ کھڑے نظر آئے...... ان ہی کے درمیان سے کچھ دلدوز چیخیں ابھر رہی تھیں جیسے کوئی انتہائی دردناک لہجے میں ماتم یا فریاد کر رہا ہو...... فاصلہ ذرا زیادہ ہونے کے باعث چیخوں کا مفہوم سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ رونے والے کیا کہہ رہے ہیں؟ یوسف (صلاح الدین) نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی...... اور چند لمحوں میں اس مکان کے قریب پہنچ گیا جہاں کچھ لوگ جمع تھے۔

یوسف (صلاح الدین) نے سنا۔ ایک بوڑھا مرد اور ایک بوڑھی عورت بین کرنے کے انداز میں چیخ رہے تھے۔

"سلطان! ہم نے تیرے آنے کی کتنی دعائیں مانگی تھیں...... مگر تیرے آنے سے بھی کیا ہوا...... ظالموں کا وہی ظلم ہے...... اور غریبوں کی وہی مجبوری، کوئی پوچھنے والا نہیں کہ ہم محتاجوں پر کیا گزر رہی؟"

یوسف (صلاح الدین) ان بوڑھوں کی فریاد سن کر لرز اٹھا...... اور تیزی کے ساتھ گھوڑے کی پشت سے اتر کر ان لوگوں کے قریب پہنچا...... ایک مسلح جوان کو اپنے نزدیک پا کر وہ لوگ گھبرا گئے...... اور بوڑھوں نے رونا بند کر دیا......

"میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم پر کیا گزری؟" یوسف (صلاح الدین) نے انتہائی نرم لہجے میں کہا۔

بوڑھی عورت اور مرد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ایک اجنبی کی آمد سے سہم کر رہ گئے تھے۔

یوسف (صلاح الدین) نے سمجھانے کے انداز میں دوبارہ کہا۔ "اگر تم ظالم کی نشاندہی نہیں کرو

گے تو اسے کیسے تلاش کیا جائے گا؟"

بوڑھے اس بار بھی خاموش رہے۔ مگر ان کے بجائے ایک نوجوان نے یوسف (صلاح الدین) سے پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

"میں دمشق کا نیا کوتوال ہوں...... مجھے سلطان عادل نے تمہارے حقوق کی نگرانی اور حفاظت کیلئے مقرر کیا ہے...... تم لوگ بلا خوف و خطر اپنا دکھ بیان کرو...... میں خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہاری فریاد سلطان عادل تک پہنچائی جائے گی۔"

جب بوڑھی عورت اور مرد نے ایک حکومتی کارندے کو اس قدر مہربان و شفیق پایا تو دونوں رو رو کر اپنا غم بیان کرنے لگے...... دمشق میں ایک بہت دولت مند اوباش شخص امیر فوزی تھا...... اس نے دو بوڑھی عورتیں اسلئے ملازم رکھی تھیں کہ وہ بھیک مانگنے کے بہانے محلہ در محلہ گھوم کر مختلف گھروں میں جائیں...... اور خوبصورت لڑکیاں تلاش کریں...... پھر جیسے ہی وہ بوڑھی جاسوس عورتیں اطلاع دیتیں کہ فلاں گھر میں ایک خوبصورت لڑکی موجود ہے...... امیر فوزی اپنے مسلح بدمعاشوں کو بھیج کر لڑکی کو اٹھوا لیتا...... پھر اپنی ہوس کی تکمیل کے بعد اس مظلوم لڑکی کو اس کے گھر بھجوا دیتا...... امیر مجیر الدین بذاتِ خود ایک انتہائی بدکار انسان تھا، اسلئے پورے دمشق میں حرص و ہوس کا بازار گرم تھا...... عدالتیں تھیں مگر صرف غریب مجرموں کیلئے امراء قانون سے بالاتر تھے۔ اور ان کے گناہوں کا احتساب کرنے والا کوئی نہیں تھا۔

اگرچہ امیر مجیر الدین کی بساطِ اقتدار الٹ چکی تھی...... مگر امیر فوزی اُسی نشے میں تھا...... اور اس خمار کی وجہ دمشق کا دیوان ابو سالم ہمام تھا جس سے امیر فوزی کے گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔

اغوا کی جانے والی لڑکی کے ماں باپ نے رو رو کر بتایا کہ امیر فوزی کے دو مسلح بدمعاش ابھی ابھی ان کی بیٹی کو گھوڑا گاڑی میں ڈال کر لے گئے ہیں۔ یوسف (صلاح الدین) نے وہاں موجود لوگوں سے اس سمت کے بارے میں پوچھا جدھر گھوڑا گاڑی روانہ ہوئی تھی۔ پھر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور تھوڑی ہی دیر میں گھوڑا گاڑی کو جا لیا۔ ایک مسلح سوار محافظ کے طور پر گاڑی کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ یوسف (صلاح الدین) نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ اپنی شمشیر بے نیام کی اور امیر فوزی کے بدمعاش پر عقب سے وار کیا۔ یوسف (صلاح الدین) کا وار اس قدر بھرپور تھا کہ بدمعاش کا دایاں ہاتھ کٹ کر زمین پر گر پڑا۔ زخمی کی ایک تیز چیخ فضا میں گونجی اور وہ الٹ کر زمین بوس ہو گیا۔ گاڑی بان جو غیر مسلح تھا، بدحواس ہو گیا اور اس نے گاڑی روک لی۔ ایک مسلح آدمی جو لڑکی کے ساتھ گاڑی کے اندر موجود تھا، تلوار لے کر نیچے کودا۔ مگر یوسف (صلاح الدین) کے گھوڑے کی ٹاپوں نے اسے روند ڈالا۔ کوچوان خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس نے یوسف (صلاح الدین) کے پیروں پر سر رکھ دیا۔ اور زار و قطار رونے لگا۔

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں تو امیر فوزی کا غلام ہوں۔ آقا کے حکم پر عمل کرتا ہوں۔"

یوسف (صلاح الدین) نے کوچوان کو معاف کر دیا۔ اور پھر اسکی مدد سے دونوں زخمی بدمعاش کو جو

بے ہوش ہو گئے تھے، گاڑی میں ڈالا اور لڑکی کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس آفت ناگہانی نے لڑکی پر سکتہ طاری کر دیا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح کبھی زخمی بدمعاشوں کی طرف دیکھتی۔ اور کبھی اس نوجوان کی جانب جو کسی محافظ فرشتے کی طرح آسمان سے زمین پر آ گیا تھا۔

یوسف (صلاح الدین) نے لڑکی کو اس کے گھر پہنچایا تو غم زدہ ماں باپ رو رو کر کہنے لگے

"اب ہمیں یقین آ گیا کہ ہماری فریادیں سلطان تک پہنچ سکتی ہیں۔"

......}......☆......{......

پھر دوسرے دن یوسف (صلاح الدین) نے زخمی بدمعاشوں کا بیان لینے کے بعد امیر فوزی کے نام پر حکم جاری کر دیا کہ وہ فوری طور پر کوتوالی میں حاضر ہو جائے...... امیر فوزی نے گھبرا کر دیوان ابوسالم ہمام سے رابطہ کیا۔ دیوان نے مسکراتے ہوئے اپنے اوباش دوست سے کہا۔

"تمہیں کوتوالی میں حاضر ہونے کی ضرورت نہیں۔ یوسف (صلاح الدین) نوجوان ہے...... اور اسے نیا نیا عہدہ ملا ہے۔ اسلئے سلطان کو اپنی کارکردگی دکھانے کی خاطر احمقانہ حرکتیں کر رہا ہے۔ مگر اسے یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ وہ بہرحال میرا ماتحت ہے۔ میں یوسف (صلاح الدین) کو یہ اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ میرے ہوتے ہوئے تمہارے گریبان پر ہاتھ ڈال دے۔"

امیر فوزی مطمئن ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔ ایک بددیانت افسر ایک بدکار امیر کو پناہ دے چکا تھا۔

جب امیر فوزی یوسف (صلاح الدین) کے مطابق کوتوال میں حاضر نہیں ہوا تو اس نے چند سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ امیر فوزی کو گرفتار کر کے کوتوالی میں حاضر کریں۔ سپاہی یوسف کے حکم کی تعمیل میں کوتوالی سے روانہ ہونے والے ہی تھے کہ دیوان ابوسالم کمرے میں داخل ہوا۔ اور سخت لہجے میں یوسف کو مخاطب کرتے ہوئے بولا......

"آخر تم نے کس جرم کی بنیاد پر دمشق کے ایک معزز ترین شہری کی گرفتاری کا حکم جاری کیا۔"

یوسف (صلاح الدین) نے واقعے کی پوری تفصیل بیان کی تو دیوان ابوسالم نے اسے بری طرح جھڑک دیا...... "دونوں گواہ جھوٹے ہیں۔ میں امیر فوزی کو خوب جانتا ہوں۔ وہ ایسی شرمناک حرکت نہیں کر سکتا۔"

پھر جب یوسف (صلاح الدین) نے امیر فوزی کے دونوں زخمی کارندوں اور کوچوان کو دیوان ابوسالم کے سامنے پیش کیا تو وہ تینوں اپنے بیانات سے مکر گئے اور انتہائی بیباکی کے ساتھ کہنے لگے۔

"ہم کسی امیر فوزی کو نہیں جانتے۔ ہم تینوں دوست ہیں۔ چار دن پہلے رات کے وقت ہم اپنے گھروں کو واپس جا رہے تھے کہ اچانک پیچھے سے کسی نے ہم پر حملہ کیا...... ہم دونوں بری طرح زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے...... ایک دوست حملہ آور کی تلوار سے محفوظ رہا......"

یوسف (صلاح الدین) بڑے ضبط و تحمل کے ساتھ اس جھوٹی داستان کو سن رہا تھا۔

پھر کوچوان نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "حملہ آور فرار ہو گیا...... اور پھر یکایک کوتوال صاحب آ پہنچے اور ہمیں سیدھے کوتوالی لے گئے۔ ہماری مرہم پٹی کی...... پھر ہم سے کہا کہ امیر فوزی

کے خلاف گواہی دیں...... مجبوراً ہمیں ایسا کرنا پڑا...... ورنہ خود ہماری جانیں خطرے میں تھیں۔"

یوسف (صلاح الدین) ابوسالم ہمام کی چال کو سمجھ گیا تھا کہ اس نے اپنے اثرات کو استعمال کر کے تینوں مجرموں کو بیانات بدلنے پر آمادہ کر لیا تھا۔ نتیجتاً یوسف نے مجرموں سے کوئی جرح نہیں کی بلکہ براہِ راست دمشق کے دیوان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میں اس واقعہ کا نہ صرف عینی شاہد ہوں بلکہ وہ حملہ آور بھی ہوں جس کی تلوار سے یہ دونوں بدکار زخمی ہوئے تھے۔" یہ کہتے کہتے یوسف (صلاح الدین) کی آواز بلند اور سخت ہو گئی تھی...... پھر اس نے کوچوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا...... "اور یہ کذاب میری شمشیر سے اس لئے محفوظ رہا کہ اس نے میرے پیروں پر سر رکھ کر جان کی اماں طلب کی تھی...... یہ تینوں اپنی زبانیں بدلنے پر کیوں مجبور ہوئے، مجھے یہ راز جاننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ امیر فوزی کو مجرم ثابت کرنے کیلئے میری تنہا گواہی کافی ہے......"

ایک نوجوان افسر کی یہ جرأت مندانہ گفتگو سن کر دیوان ابوسالم برہم ہو گیا۔ "میں تمہاری شہادت کو کس طرح معتبر مان لوں؟ اور پھر جبکہ امیر فوزی سے وہ جرم سرزد ہی نہیں ہوا ہے تو اس گرفتاری کا حکم بھی شرعاً ناجائز ہے۔"

اگرچہ یوسف (صلاح الدین) بے پناہ قوت برداشت کا نوجوان تھا لیکن دیوان ابوسالم کی غیر منصفانہ اور جانبدارانہ گفتگو سن کر مشتعل ہو گیا اور انتہائی تند و تیز لہجے میں دیوان ابوسالم کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"میں آپ کی عمر اور مرتبے کا احترام کرتا ہوں...... مگر مجھے شرعی اور غیر شرعی کا فرق سمجھانے کی کوشش نہ کریں۔ میں صرف ایک شہسوار ہی نہیں، قاضی ابن عرسون کا شاگرد بھی ہوں...... مجھے آزادی کے ساتھ میرا کام کرنے دیں۔ میں نے مکمل تحقیقات کے بعد امیر فوزی پر فرد جرم عائد کی ہے۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے، میں اس سیاہ کار انسان کو عدالت میں لا کر چھوڑوں گا۔"

"اگر تم اتنی قدرت رکھتے ہو تو کسی سپاہی کو بھیج کر دیکھو......" دیوان سالم ہمام بھی غضب ناک ہو گیا تھا۔

یوسف صلاح الدین نے چند لمحوں میں صورتحال کو سمجھ لیا تھا...... "اگر میں اتنا ہی بے دست و پا ہوں کہ مجرم کو مجرم نہیں کہہ سکتا تو پھر مجھے استعفیٰ دے دینا چاہئے۔" یوسف کے لہجے سے انتہائی تلخی جھلک رہی تھی۔

"تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ تم استعفیٰ دے دو۔" دیوان ابوسالم کے لہجے سے آمریت اور رعونت جھلک رہی تھی...... "اگر تم جیسا کم نظر اور بے خبر انسان کچھ دن اور اس عہدے پر برقرار رہ گیا تو دمشق کا سارا نظم و نسق درہم برہم ہو جائے گا۔"

اسکے بعد یوسف (صلاح الدین) نے دیوان ابوسالم سے مزید بحث نہیں کی...... اور خاموشی کے ساتھ استعفیٰ دے کر واپس حلب چلا گیا۔

......}......☆......{......

دیوان ابوسالم نے یوسف (صلاح الدین) کے استعفیٰ کو اپنی فتح سے تعبیر کیا...... اور پھر اس نے امیر فوزی کے ساتھ مل کر اپنی فتح کا جشن منایا اس جشن میں وہ امراء بھی شریک ہوئے جو در پردہ سابق والیٔ دمشق امیر مجیر الدین کے حامی تھے۔ یہ جشن کئی دن تک جاری رہا...... شرکاء نے خفیہ تہہ خانوں میں چھپ کر خوب شراب پی...... اور ان عیسائی عورتوں کا رقص دیکھا۔ جنہیں شاہ یروشلم بالڈون ثالث نے ایک مخصوص سازش کے تحت دمشق بھیجا تھا تاکہ وہ خوبصورت عورتیں مسلمان امراء کو ہلاکت و بربادی کے راستے پر ڈال دیں...... اگرچہ امیر مجیر الدین اقتدار سے محروم ہو کر حمص چلا گیا تھا...... لیکن اسکے عیش و پرست امراء اور دیگر ہم نوا ابھی دمشق ہی میں مقیم تھے...... اور اس دن کا انتظار کر رہے تھے کہ سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کسی جنگ میں مارا جائے۔ یا کسی ناگہانی حادثے کا شکار ہو کر انتقال کر جائے۔ اور ان لوگوں کا گم شدہ اقتدار واپس لوٹ آئے۔ اس جشن شراب و شباب میں یہ عہد و پیمان بھی کئے گئے کہ سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کے نامزد کردہ ہر افسر کو اسی طرح ناکام بنا دیا جائے تاکہ وہ عیش و آرام کی زندگی بسر کریں۔

ابھی امرائے دمشق کے یہ سیاسی مشورے جاری تھے کہ نقیبوں نے انہیں اس طرح چونکا دیا جیسے گہری نیند میں ڈوبے ہوئے کسی شخص کو جھنجھوڑ کر اٹھا دیا جائے۔ گلی کوچوں میں نقاروں کے ذریعے اعلان کیا جا رہا تھا کہ سلطان عادل نور الدین محمود زنگیؒ دمشق کی حدود میں داخل ہو چکے ہیں پھر جب دربار آراستہ ہوا تو دیوان ابوسالم اور دیگر امراء یہ منظر دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کے برابر یوسف صلاح الدین بھی تخت پر موجود تھا...... عیار ابوسالم نے خطرے کی بو سونگھ لی تھی...... مگر اسے اپنی چرب زبانی پر یقین تھا کہ وہ سلطان عادل کو لفظوں کے پیچ و خم میں الجھا کر اپنے آپ کو صفائی کے ساتھ بچا لے گا......

مگر اس وقت دیوان ابوسالم ہمام کی ساری تدبیریں الٹ گئیں جب سلطان کے سپاہی بڑی بے رحمی کے ساتھ امیر فوزی کو کھینچتے ہوئے دربار میں لائے۔

امیر فوزی نے قسمیں کھا کر سلطان نور الدین زنگیؒ کو یقین دلایا کہ وہ اس جرم میں ملوث نہیں ہے...... سلطان عادل خاموشی سے امیر فوزی کی زبانی اس کی بے گناہی کی دلیلیں سنتے رہے...... پھر ان ستم رسیدہ ماؤں اور باپوں کو سر دربار پیش کیا گیا۔ جن کی لڑکیاں امیر فوزی کی ہوس کا شکار ہو چکی تھیں...... اس کے بعد سلطان نور الدین زنگیؒ نے امیر فوزی کی سنگساری کا فیصلہ سنا دیا...... اور اس کے ساتھ ہی اہل دربار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"دمشق کے ایک ایک گلی کوچے میں اسلام کا یہ حکم پہنچا دو کہ ہر گناہ گار کی یہی سزا ہے۔"

پھر سلطان عادل کے حکم پر دمشق کے ایک طویل و عریض میدان میں ہزاروں مقامی باشندے جمع ہوئے۔ سلطانی سپاہی امیر فوزی کو کھینچتے ہوئے میدان میں لائے۔ وہ ہوس کار امیر بچوں کی طرح دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ اور گداگروں کے مانند سلطان عادل سے اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔

پھر سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کے حکم پر وہ مظلوم باپ ہاتھوں میں پتھر لئے آگے بڑھے جن کی

معصوم بیٹیاں امیر فوزی کی ہوس کا شکار ہوئی تھیں۔ پتھر برسنا شروع ہو گئے...... اور تھوڑی ہی دیر میں امیر فوزی اپنے خون میں نہا کر ہمیشہ کیلئے خاموش ہو گیا۔

......{......☆......}......

دوسرے دن پھر دربار آراستہ ہوا۔ سلطان عادل نے امیر مجیر الدین کے امرا کو مخاطب کرتے ہوئے حکم دیا...... "میں نے تمہیں اس امید پر چند روز کی مہلت دی تھی کہ شاید تم تائب ہو کر سیدھے راستے کی طرف لوٹ آؤ...... مگر اب یہ ممکن نہیں رہا...... اسلئے اپنی تمام تر خباثتوں کے ساتھ دمشق سے نکل جاؤ اور اس زمین کو پاک کر دو۔"

پورے دربار پر قبرستان جیسا سناٹا طاری تھا...... ہر شخص کے چہرے پر خوف و ہراس کی پرچھائیاں لرز رہی تھیں...... اور کوئی نہیں جانتا کہ اگلے لمحے اس کا کیا حشر ہو گا؟ سلطان عادل کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی اور پورا دربار ان کی پر جلال آواز سے گونج اٹھا...... "تمام عیسائی عورتوں کو لے جا کر یروشلم کی سرحدوں پر چھوڑ دیا جائے۔" یہ سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کا دوسرا حکم تھا۔

پھر تیسرا حکم جاری ہوا۔ سلطان عادل نے دیوان ابوسالم ہمام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا...... "تیری صورت مسلمانوں جیسی ہے...... مگر دل منافقوں کے ہم رنگ...... تو نے میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی اور انصاف کے راستوں میں رکاوٹیں کھڑی کیں۔ اب تیری یہی سزا ہے کہ تو دمشق کے باشندوں کے سامنے بے نقاب ہو جا...... تاکہ اہل ایمان تیرے حقیقی خدوخال دیکھ لیں۔"

اس کے بعد سلطان نور الدین محمود زنگیؒ نے دیوان ابوسالم ہمام کی داڑھی منڈوا دی...... اور گھوڑے پر سوار کرا کے پورے دمشق میں گھمایا۔ سلطانی نقیب کوچہ بہ کوچہ بلند آواز میں اعلان کرتے جاتے تھے۔

"یہ اس شخص کی سزا ہے جس نے بندگان خدا کے حقوق کا خون کیا...... اور ان پر عدالت کے دروازے پر بند کر دیئے۔"

امیر فوزی اور دیوان ابوسالم ہمام کو سزائیں دینے کے بعد سلطان نور الدین زنگیؒ نے خصوصی دربار آراستہ کیا...... اور نہایت پر جلال لہجے میں حاضرین دربار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اہل دمشق...... اہل شام...... اور جہاں تک میری سلطنت کی حدود ہیں، وہاں کے بسنے والے پورے ہوش و حواس کے ساتھ سن لیں کہ یوسف میرا معتمد خاص ہے...... جس نے اس کا دل دکھایا، اس نے مجھے تکلیف پہنچائی...... اگر وہ تمہیں نیک کاموں کا حکم دیتا ہے۔ تو اس کے ساتھ بھرپور تعاون کرو...... اور اگر وہ بھٹکتا ہے تو اسے سیدھے راستے پر لانے کی کوشش کرو...... اور اگر وہ نہیں سنبھلتا تو میرے دربار میں آ کر شکایت کرو...... تمہیں روکنے والا کوئی نہیں...... اور جو تمہارے راستے کی دیوار بنے گا، اس کا حشر دیوان ابوسالم سے زیادہ مختلف نہیں ہو گا۔ اب وہ بولیں گے جن کو ماضی کے نظام جبر نے گونگا بنا دیا تھا۔"

سلطان عادل کی تقریر نے اہل دربار پر سکتہ طاری کر دیا تھا...... پھر درباری شاعر ہر قلب کھڑا ہوا اور

اس نے یوسف (صلاح الدین) کی شان میں یہ اشعار پڑھے۔

"اے شام کے چوروں!...... اپنی حرکات سے باز آؤ...... میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ پیغمبر کے ہم نام یوسف سے اپنی جانوں کو بچاؤ...... وہ یوسف علیہ السلام عورتوں کے ہاتھ کاٹنے والے تھے...... اور یہ یوسف مردوں کے ہاتھ کاٹنے والا ہے۔"

سلطانِ عادل کے درباری شاعر ہرقلہ نے اپنے اشعار میں قرآن کریم کے اس واقعے کی طرف اشارہ کیا تھا جس میں زلیخا کی ساتھی عورتوں نے حضرت یوسفؑ کا حسن و جمال دیکھ کر لیموں کاٹنے کے بجائے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے......

دمشق کا نظم و نسق درست کرنے کے بعد سلطان نورالدین محمود زنگیؒ واپس حلب چلے گئے...... پھر اسی زمانے میں سلطان عادل نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔

سلطان نورالدین زنگیؒ بظاہر ایک مجاہد اور جنگجو حکمران تھے۔ مگر درپردہ وہ ایک نہایت عابد و زاہد انسان تھے۔ عام مسلمانوں کی طرح وہ پانچوں وقت باجماعت نماز ادا کرتے۔ رمضان المبارک کے پورے روزے رکھتے۔ لیکن سلطان عادل کا ایک پوشیدہ عمل یہ بھی تھا کہ وہ ہر رات سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑے پُرسوز لہجے میں درود و سلام بھیجتے۔ یہاں تک کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ اور پھر وہ اسی حالت میں سو جاتے۔ ہر اہل ایمان کی طرح سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی بھی ایک ہی خواہش تھی کہ کسی دن خواب میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بھی اپنے دیدار سے مشرف فرمائیں۔

سلطان عادل کا یہ عمل برسوں سے جاری تھا۔ مگر ابھی تک ان کی یہ آرزو پوری نہیں ہوئی تھی۔ پھر 557ھ کی ایک رات جب وہ سوئے تو دیدار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی تشنہ آرزو سیراب ہو گئی۔ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم والیٔ شام کو مخاطب کر کے فرما رہے تھے۔

"نورالدین! یہ دونوں آدمی مجھے ستا رہے ہیں۔ جلدی اٹھو اور ان کے شر کا خاتمہ کرو۔"

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے بعد سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کو دو اور نورانی چہرے نظر آئے۔ ان دونوں کی بڑی بڑی داڑھیاں تھیں۔ اور رنگ بہت زیادہ گورا تھا۔ پھر وہ دونوں نورانی چہرے بھی غائب ہو گئے۔

سلطان نورالدین زنگیؒ کی آنکھ کھل گئی۔ اور وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھے۔ بہت ہی عجیب خواب تھا۔ ایک طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلطان عادل کو اپنی زیارت سے بھی شرف یاب کیا تھا۔ اور شکایتاً یہ بھی فرمایا تھا کہ دو آدمی آپؐ کو ستا رہے ہیں۔ سلطان نورالدین زنگیؒ اس خواب کی تعبیر سمجھنے سے قاصر رہے۔ پھر ان پر وحشت سی طاری ہو گئی۔ اور وہ رو رو کر رات بھر توبہ و استغفار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ فجر کی اذان ہو گئی پھر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے نماز ادا کی۔ کچھ دیر تک حسب معمول قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہے۔ اس کے بعد دربار آراستہ کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سلطان عادل دمشق میں مقیم تھے۔

امرائے دربار نے بڑی حیرت سے سلطان عادل کی طرف دیکھا۔ وہ خلاف توقع بجھے بجھے نظر آ رہے تھے۔ حاضرین دربار نے سلطان کی اس کیفیت کو طبیعت کی ناسازی پر محمول کیا۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد سلطان عادل کے سامنے ایک اہم مقدمہ پیش کیا گیا۔ والیٔ شام کچھ دیر تک دونوں فریقین کے بیانات سنتے رہے۔ لیکن امراء نے محسوس کر لیا کہ سلطان عادل ذہنی طور پر دربار میں موجود نہیں ہیں۔ اور وہ مقدمے کی سماعت کے دوران کہیں کھو سے جاتے ہیں۔ پھر یکایک سلطان عادل خود ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور امرائے دربار سے مخاطب ہوتے ہوئے بولے۔

"اس وقت ہمارا ذہن حاضر نہیں ہے۔ یہ مقدمہ پھر کسی دن پیش کیا جائے۔" یہ کہہ کر سلطان نورالدین زنگیؒ دربار سے نکل گئے۔

سلطان کے مصاحب خاص اسدالدین شیرکوہ اور معتمد خاص یوسف (صلاح الدین) تیزی سے آگے بڑھے اور والیٔ شام کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ دربار سے نکل کر دمشق کے محل میں چلے گئے۔

سپہ سالار اسدالدین شیرکوہ نے بصد احترام عرض کیا۔ "سلطان عادل کی طبیعت کچھ ناساز معلوم ہوتی ہے؟"

"ہاں کچھ ایسا ہی ہے۔" سلطان عادل نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہا۔ ان کے چہرے کی افسردگی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

"اگر اجازت ہو تو طبیب خاص کو طلب کیا جائے۔" اسدالدین شیرکوہ نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اس معاملے میں طبیب کچھ نہیں کر سکتا۔" سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے پُرسوز لہجے میں کہا۔ "تم ایسا کرو کہ فوری طور پر دمشق کے تمام غریبوں میں کپڑے، اناج اور زر نقد تقسیم کر دو۔ اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ کوئی غریب ان صدقات سے محروم نہ رہے۔"

پھر جب اسدالدین شیرکوہ اور یوسف (صلاح الدین) خلوت سلطانی سے جانے لگے تو نورالدین محمود زنگیؒ نے ان دونوں کو روک کر مزید ہدایت دیتے ہوئے کہا۔ "جب تم ضرورت مندوں میں صدقات تقسیم کرنے لگو تو ان سے یہ درخواست بھی کرنا کہ وہ اپنے سلطان کے لئے دعا کریں۔"

اسدالدین شیرکوہ اور یوسف (صلاح الدین) نے سلطان کے اس حکم کو بڑی حیرت سے سنا اور خلوت گاہ سے نکل کر چلے گئے۔ پھر جب وہ دونوں دمشق کے غریبوں میں صدقات تقسیم کر رہے تھے تو ایک ہی خیال ان کے ذہنوں میں گردش کر رہا تھا کہ سلطان کی گزشتہ بیماری دوبارہ ابھر آئی ہے۔ جسے سلطان عادل اپنی بے پناہ ہمت کے سبب امرائے سلطان سے چھپا رہے ہیں۔

چار سال پہلے 553ھ میں رمضان المبارک کے دوران سلطان نورالدین محمود زنگیؒ شدید بیمار ہو گئے تھے۔ اور انہیں اپنے بچنے کی بھی امید نہیں رہی تھی۔ نتیجتاً سلطان عادل نے سب سے چھوٹے بھائی امیر امیران نصرت الدین کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ اور حلب کے قلعے میں فرو کش ہو گئے۔ دمشق

سے اسدالدین شیر کوہ کو طلب کیا اور اسے نصرت الدین کا نائب مقرر کرتے ہوئے چھوٹے بھائی کو وصیت کی۔

"مسلمان کا جینا اور مرنا سب اللہ کے لئے ہے۔ وہ اقتدار مبارک ہے جو احکام الٰہی کے نفاذ کے لئے ہو۔ اور وہ تاج و تخت لعنت و ہلاکت ہیں جو نفس کی تسکین کے لئے ہوں۔ میں والد محترم کی امانت تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ اللہ تمہیں اس امانت کا بوجھ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ میری دعا ہے کہ قیامت کے دن تم اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک امین کی حیثیت سے پیش ہو۔"

امیر امیران نصرت الدین بڑے بھائی کی وصیت سن کر رونے لگا۔

پھر سلطان عادل نے نصرت الدین کو آخری ہدایت دیتے ہوئے کہا۔ "تم اسدالدین شیر کوہ کو اپنا دایاں اور یوسف کو اپنا بایاں بازو سمجھنا۔ یہ دونوں میرے معتمدان خاص ہیں۔ میں انہیں بارہا آزما چکا ہوں۔ ان کی ذہانت اور جنگی صلاحیتوں پر اعتبار کرنا۔ اللہ تمہیں ہر آزمائش میں ثابت قدم رکھے۔" یہ کہتے کہتے سلطان نورالدین محمود زنگیؒ بے ہوش ہو گئے۔

امیر امیران نصرت الدین کچھ دن تک بڑے بھائی کی نصیحت پر کاربند رہا۔ پھر اس کے نفس نے سرکشی اختیار کی اور وہ پوری سلطنت شام پر قبضہ کر کے اپنی خودمختاری کے منصوبے بنانے لگا۔

سلطان نورالدین زنگیؒ کا چھوٹا بھائی نصرت الدین ایک دنیادار نوجوان تھا۔ چند سازشی امراء نے خودمختار حکمرانی اور عیش کوشی کے ایسے خواب دکھائے کہ نصرت الدین ان کے فریب میں آ گیا۔ ان امراء میں امین الدین، ابوالقاسم، سعدالدین عثمان، حاکم قلعہ عزالدین اور حاجب محمد بن جعفری پیش پیش تھے۔ یہ سب کے سب بذات خود عیش و عشرت کے دلدادہ تھے۔ مگر سلطان نورالدین زنگیؒ کی موجودگی میں اپنی ہوس رانیوں کی تکمیل نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے سلطان عادل کی بیماری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نصرت الدین کو اپنا آلۂ کار بنا لیا تھا۔ وہ در پردہ نصرت الدین کے مکمل اقتدار کے لئے زمین ہموار کر رہے تھے۔ اتفاق سے ان لوگوں کا ایک جاسوس گورنر حلب کے سپاہیوں نے پکڑ لیا۔ پھر جب اس کی تلاشی لی گئی تو اس کے سامان سے ایک خط برآمد ہوا۔ جس میں سازشی امراء نے امیر امیران نصرت الدین کو دمشق پر قبضہ کرنے کی ترغیب دی تھی۔ گورنر حلب نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر وہ خط سلطان نورالدین زنگیؒ کی خدمت میں بھیج دیا۔ سلطان عادل نے فوراً ہی تمام سازشی امراء کی گرفتاری کا حکم جاری کر دیا۔

امیر سعدالدین تو روپوش ہو گیا۔ مگر امین الدین، عزالدین اور محمد بن جعفری کو زنجیریں پہنا کر سلطان عادل کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ وہ تینوں امراء اپنے جرم کا اعتراف کر کے معافی کے خواستگار ہوئے۔ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان تینوں امراء کو معاف کر دیا۔

اسی دوران میں خبر ملی کہ نصرت الدین ایک لشکر جرار کے ساتھ دریائے فرات عبور کر کے دمشق کی طرف آ رہا ہے۔ اسدالدین شیر کوہ نے زبردست ہوشیاری اور برق رفتاری کا مظاہرہ کیا اور اپنی فوج

لے کر دمشق کی حدود سے نکلا۔ یوسف (صلاح الدین) بھی اس کے ہمراہ تھا۔ جب نصرت الدین نے اسدالدین شیر کوہ کی آمد کی خبر سنی تو وہ جنگ کئے بغیر ہی واپس لوٹ گیا۔ پھر جب اسدالدین شیر کوہ اور یوسف (صلاح الدین)، نصرت الدین کے قضیے سے فارغ ہو کر حلب واپس آئے تو سلطان نورالدین زنگیؒ نے ان دونوں کو بیش بہا خلعتوں اور انعامات سے نوازا۔ اس دوران سلطان عادل بھی صحت یاب ہو گئے تھے۔ تمام علاقوں کے باشندوں نے سلطان عادل کی صحت یابی کا جشن بڑی دھوم دھام سے منایا۔

ابھی مشکل سے پانچ چھ ماہ ہی گزرے تھے کہ سلطان نورالدین زنگیؒ پر دوبارہ بیماری کا شدید حملہ ہوا۔ یہاں تک کہ سلطان عادل چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو گئے۔ شدید نقاہت کے باعث بار بار غشی کے دورے پڑتے تھے۔ اور ہلکی سے ہلکی غذا بھی ہضم نہیں ہوتی تھی۔ تمام طبیبان خاص نے بڑی رازداری کے ساتھ معتمد امیروں کو بتا دیا تھا کہ سلطان عادل چند دنوں کے مہمان ہیں۔

خود سلطان نورالدین زنگیؒ کو بھی اپنی شدید بیماری کا احساس تھا۔ اس لئے انہوں نے خاص خاص امراء کا اجلاس طلب کر لیا۔ اپنے دوسرے چھوٹے بھائی قطب الدین مودود کو بھی بلا لیا جو اس وقت موصل کا حاکم تھا۔

"میرے عزیز ساتھیو۔ تم سب پر اللہ کی سلامتی ہو۔" ضعف و ناتوانی سے سلطان نورالدین زنگیؒ کی آواز کانپ رہی تھی۔ مگر چہرے پر مرد مومن کا وہی جلال تھا جس سے کفار کے دل لرزتے ہیں۔ "اب ایسے آثار ہیں کہ میں شاید ہی اس بیماری سے جانبر ہو سکوں۔ اس لئے میری آخری وصیت یہ غور سن لو۔ میں نے گزشتہ بیماری کے دوران اس امانت کا بار نصرت الدین کے کاندھوں پر رکھا تھا۔ مگر وہ نہایت کمزور اور ناکارہ ثابت ہوا۔ اب میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ میرے بعد قطب الدین مودود کے ہاتھ پر بیعت کر لینا۔ میری نظر میں اس کے اخلاق و عادات پسندیدہ ہیں اور اس کے دل میں دشمنان اسلام کے خلاف جہاد کا جذبہ بھی موجود ہے۔"

کمرے میں موجود تمام امراء نے سلطان عادل کی وصیت پر عمل پیرا ہونے کا حلف اٹھایا۔

پھر کچھ دن بعد معجزاتی طور پر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ شفایاب ہو گئے......

جب سلطان کی بیماری کی خبریں صلیبیوں کے علاقوں میں پہنچیں تو قسطنطنیہ اور فرانس کے بادشاہوں نے متحد ہو کر نورالدین زنگیؒ کے مقبوضات کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ وہ سلطان کی بیماری کے سبب اس کے کئی علاقوں پر آسانی کے ساتھ قبضہ کر لیں گے۔ مگر اس وقت شاہ روم (قسطنطنیہ) اور شاہ فرانس کی حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی، جب ان دونوں نے سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کو اپنے لشکر جرار کے ساتھ بہ نفس نفیس میدان جنگ میں موجود پایا۔ یہ ناقابل یقین منظر دیکھ کر دونوں صلیبی بادشاہ حیرت زدہ رہ گئے۔ پھر وہ جنگ سے گریز کے بہانے تلاش کرنے لگے۔ قسطنطنیہ (روم) کے بادشاہ نے فوری طور پر اپنے سفیر کو ایک خط دے کر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی خدمت میں بھیجا۔ اس خط میں تحریر تھا۔

"سلطان کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہم جنگ وجدال کی نیت سے آپ کے علاقوں کی طرف نہیں آئے ہیں۔ ہماری آمد کا مقصد صرف اتنا ہے کہ جو عیسائی فوجی آپ کی قید میں ہیں، انہیں رہائی دلا کر اپنے ساتھ واپس لے جائیں۔ ان کے بدلے میں ہم مناسب فدیہ دینے کے لئے تیار ہیں۔"

سلطان نورالدین محمود زنگیؒ شاہ روم کا خط پڑھ کر مسکرائے، صلیبیوں اور عیسائیوں کی مکاریوں کا جس قدر اندازہ سلطان عادل کو تھا، اتنا کسی دوسرے مسلمان حکمراں کو نہیں تھا۔ سلطان عادل نے اس سیاسی صورت حال سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اور عیسائی جنگی قیدیوں کے بدلے میں فدیئے کی اتنی بڑی رقم طلب کی جو دونوں صلیبی بادشاہوں کے اندازوں سے کہیں زیادہ تھی۔

شاہ روم سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کا مطالبہ سن کر پریشان ہو گیا۔ اس نے فوری طور پر اپنے قاصد کو دوسرا خط دے کر سلطان عادل کے پاس بھیجا۔ خط میں تحریر تھا کہ فدیئے کی رقم نامناسب ہے۔

سلطان عادل نے شاہ روم کے جواب میں خط لکھا۔ جس کے ایک ایک حرف سے جلال و جبروت کا اظہار ہو رہا تھا۔

"شاہ روم پر یہ حقیقت واضح ہو جانا چاہئے کہ سوالی تم ہو، میں نہیں۔ اس معاملے میں تمہاری حیثیت بہت کمزور ہے...... اور کمزور کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ غالب و توانا شخص کے سامنے بحث و مباحثہ کرے۔"

سلطان عادل نے یہ خط بہت غور و فکر کے بعد تحریر کیا تھا تا کہ دشمنوں پر مسلمانوں کی ہیبت قائم ہو جائے۔ اور پھر وہی ہوا۔ شاہ روم اور شاہ فرانس والیٔ شام کا خط پڑھ کر سخت غضب ناک ہوئے۔ مگر ان کا یہ غصہ "قہر درویش بجان درویش" کے مصداق تھا۔ اب ان کے سامنے دو ہی صورتیں تھیں۔ یا تو سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کا مطلوبہ "زر فدیہ" ادا کریں۔ یا پھر جنگ کے لئے آمادہ ہو جائیں۔ صلیبی بادشاہوں میں سلطان عادل سے براہ راست جنگ کرنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ وہ تو والیٔ شام کی شدید بیماری سے فائدہ اٹھانے کے لئے چوروں اور قزاقوں کی طرح چلے آئے تھے۔ پھر جب انہوں نے صورت حال کو یکسر تبدیل پایا تو انہوں نے کھلا ہوا جھوٹ بولا کہ وہ اپنے قیدیوں کو لینے آئے ہیں۔ اب اس جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی ایک ہی صورت تھی کہ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کا مطالبہ پورا کریں۔ آخر شاہ روم اور شاہ فرانس نے مل کر صلیبی قیدیوں کے بدلے میں فدیئے کی بہت بڑی رقم ادا کی اور واپس چلے گئے۔

صلیبی اتحادی فوجوں کے جانے کے بعد سلطان نورالدین محمود زنگیؒ اپنے سب سے چھوٹے بھائی امیر امیران نصرت الدین کی طرف متوجہ ہوئے جس نے سلطان عادل کی علالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سرکشی اختیار کی تھی۔ اور حران پر قبضہ کر لیا تھا۔ پھر جیسے ہی نصرت الدین کو سلطان کے آنے کی خبر ملی تو وہ اپنے بیوی بچوں کو قلعے میں چھوڑ کر تن تنہا فرار ہو گیا۔ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے بڑی محبت اور حفاظت کے ساتھ زر کثیر دے کر اپنی بھاوج، بھتیجوں اور بھتیجیوں نصرت الدین کے پاس بھیج دیا۔

......}......☆......{......

جب اسدالدین شیرکوہ اور یوسف (صلاح الدین) سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے حکم پر دمشق کے غریبوں اور محتاجوں میں صدقات تقسیم کر رہے تھے تو ان کے ذہنوں میں سلطان کی ماضی کی علالت کا ایک ایک نقش ابھر رہا تھا۔

"ہمیں کسی سنگین صورت حال کے لئے تیار رہنا چاہئے۔" اسدالدین شیرکوہ نے انتہائی رازداری کے ساتھ تنہائی میں اپنے بھتیجے یوسف (صلاح الدین) کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں سلطان عادل کی وہی بیماری پھر لوٹ آئی ہے۔"

"اگر ایسا ہوتا تو سلطان عادل امرائے خاص کو اپنے اعتماد میں لے کر اس کا اظہار کر دیتے۔" یوسف (صلاح الدین) نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"کیا تمہیں یاد نہیں کہ سلطان عادل کی گزشتہ بیماریوں کے دوران میں امراء نے کیا کیا گل کھلائے تھے؟" اسدالدین شیرکوہ کا لہجہ نہایت تلخ تھا۔ "اور تو اور، خود سلطان عادل کے حقیقی چھوٹے بھائی نے ان کے اعتماد کا کس طرح خون کیا تھا؟ ماضی کے ان تجربات کی روشنی میں سلطان کس پر اعتبار کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی بیماری کو راز میں رکھنا چاہتے ہیں۔"

ان قیاس آرائیوں اور مختلف اندیشوں کے ساتھ اسدالدین شیرکوہ اور یوسف (صلاح الدین) اس مخصوص کمرے میں داخل ہوئے جہاں سلطان نورالدین محمود زنگیؒ آرام کر رہے تھے۔ اس وقت بھی سلطان عادل کا چہرہ بجھا بجھا تھا۔ اور کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ اپنے سپہ سالار اور معتمد خاص کو دیکھ کر اٹھ گئے۔

"سلطان عادل کے حکم کے مطابق سارے صدقات غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیئے گئے۔" اسدالدین شیرکوہ نے بصد احترام عرض کیا۔ "دمشق کے سارے باشندے سلطان عادل کی سلامتیٔ جاں اور عظیم الشان فتوحات کے لئے دست بہ دعا ہیں۔"

یہ سن کر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے ہونٹوں پر اداس سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ "اللہ تمام اہلِ ایمان کو جزائے خیر دے۔ مجھ ناتواں کو جس قدر فتوحات حاصل ہوئیں، وہ سب اسی قادر مطلق کے رحم و کرم کا صدقہ تھیں۔ اب تو بس ایک ہی آرزو ہے کہ بیت المقدس میں حاضر ہو کر خطبہ دوں اور اپنے اللہ کی کبریائی بیان کرتا ہوا رخصت ہو جاؤں۔"

"وہ دن بھی ضرور آئے گا سلطان عادل۔" یوسف (صلاح الدین) نے کسی قدر پرجوش لہجے میں کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس سعادت سے بھی محروم نہیں رکھے گا۔"

"یہ تو وہی جانتا ہے کہ کون بامراد ہوگا۔ اور محرومی کس کا مقدر بنے گی؟" سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کا لہجہ کچھ اور اداس ہو گیا تھا۔

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" سلطان کی اس مایوسانہ گفتگو سے اسدالدین شیرکوہ کی تشویش بڑھ گئی تھی۔ "ہماری گزارش ہے کہ آپ اس سلسلے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ برتیں۔ اور بلا تاخیر طبیبان

خاص سے مشورہ کرلیں۔ ورنہ ہم زندگی بھر یہ سوچ کر شرمندہ رہیں گے کہ ہم نے اپنا فرض منصبی ادا نہیں کیا۔''

سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے اپنے دونوں معتمد خاص کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''تم مستعدی کے ساتھ اپنی سرحدوں کی نگرانی کرو اور سختی کے ساتھ بندگانِ خدا کے حقوق ادا کرتے رہو۔ میں نے اپنا معاملہ طبیب حقیقی کے سپرد کر دیا ہے۔ وہی میری بیماری کا جاننے والا ہے۔ اور وہی شفا دینے والا۔''

اسدالدین شیرکوہ اور یوسف (صلاح الدین) سلطان عادل کے جواب سے مطمئن نہیں تھے۔ ان کے خیال میں بیماری کے موقع پر دعا کے ساتھ دوا کا جاری رکھنا بھی ضروری تھا۔ مگر وہ حاکم وقت سے مزید بحث نہیں کر سکتے تھے۔ مجبوراً مختلف اندیشوں میں گھرے ہوئے خلوت گاہ سلطانی سے نکل کر چلے گئے۔

......}......☆......{......

دوسری رات آئی۔ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے نماز عشاء کے بعد حسب معمول سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں درود وسلام بھیجا۔ اس دوران سلطان عادل کی آنکھوں سے اشکوں کا سیل رواں جاری تھا۔ پھر اسی گریہ وزاری کی حالت میں یہ دعا کرتے ہوئے سو گئے۔

''اے اللہ! میں یہ کیسا خواب دیکھ رہا ہوں۔ اپنے اس گناہ گار بندے پر اس کی تعبیر منکشف فرما دے۔''

پھر جیسے ہی سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی آنکھ لگی، خواب میں وہی منظر دوبارہ ابھر آیا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم والیٔ شام کو مخاطب کر کے فرما رہے تھے۔ ''نورالدین! یہ لوگ مجھے بہت ستا رہے ہیں۔ جلدی اٹھو اور ان کے فتنہ وشر کا خاتمہ کرو۔'' اتنا فرما کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے۔

اس کے بعد خواب میں دوسرا منظر ابھرا۔ وہی دو نورانی چہرے۔ لمبی لمبی سفید عبائیں۔ سفید داڑھیاں۔ وہی دلکش خدوخال جن سے انتہائی معصومیت جھلک رہی تھی۔ پھر کچھ دیر بعد وہ دونوں چہرے بھی غائب ہو گئے۔

گھبرا کر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی آنکھ کھل گئی۔ پورا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہونے والے مقدس کلمات کی بازگشت پھر سنائی دی۔ ''نورالدین یہ لوگ مجھے بہت ستا رہے ہیں۔''

سلطان نورالدین زنگیؒ کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ سلطان عادل گھبرا کر سجدے میں چلے گئے۔ پھر اس وقت تک گریہ وزاری کے ساتھ اس وقت تک توبہ واستغفار کرتے رہے۔ جب تک کہ فجر کی اذان نہ ہو گئی۔

دوسرے دن سلطان عادل نے پہلے دن سے بھی زیادہ غریبوں میں صدقات تقسیم کرائے۔ والیٔ

شام کو اس خواب نے اس قدر رنجیدہ خاطر کر دیا تھا کہ نہ کمرے سے باہر نکلے۔ اور نہ دربار آراستہ کیا۔ سلطان عادل کی گوشہ نشینی سے امراء میں شدید اضطراب پیدا ہو گیا۔ تمام عہدہ داران سلطنت نورالدین زنگیؒ سے ملاقات کر کے صورت حال جاننا چاہتے تھے۔ مگر سلطان عادل نے ملنے سے انکار کر دیا۔ سارا دن کمرے میں بند رہے۔ یہاں تک کہ کھانا بھی برائے نام کھایا۔ تمام وقت عبادت کے ساتھ یہ دعا کرتے رہے۔

''اے اللہ! اپنے عاجز و ناتواں بندے کو ہدایت دے۔ اور میری مشکل کشائی فرما۔''

پھر تیسری رات بھی سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے وہی خواب دیکھا۔ ہدایت مل چکی تھی۔ خواب ٹوٹا تو سلطان عادل کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ والیٔ شام بستر سے اترے اور مدینہ منورہ کی طرف رخ کر کے دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ پھر نہایت رقت آمیز لہجے میں عرض کرنے لگے۔

''اس غلام کے ہوتے ہوئے یہ ممکن نہیں کہ کوئی ملعون و بدبخت میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائے۔''

......}......☆......{......

دوسرے دن سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے اسدالدین شیرکوہ اور یوسف (صلاح الدین) کو اپنی خلوت گاہ میں طلب کیا۔ پھر رازدارانہ طور پر اسدالدین شیرکوہ کو دمشق کا منتظم اعلیٰ مقرر کیا۔ اور بیس معتمد امراء کو اپنے ساتھ لے کر دمشق سے نکل کھڑے ہوئے۔ ان امراء میں یوسف (صلاح الدین) بھی شامل تھا۔ فوج کا ایک حفاظتی دستہ چند میل آگے تھا اور دوسرا چند میل پیچھے۔ درمیان میں سلطان نورالدین محمود زنگیؒ اپنے امراء کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ آگے جانے والے فوجی دستے کو صرف اتنا معلوم تھا کہ اس کی منزل مدینہ منورہ ہے۔ باقی فوج اور امراء اس راز سے بے خبر تھے کہ سلطان عادل کے ارادے کیا ہیں۔ سب ایک دوسرے سے آنکھوں ہی آنکھوں میں سوال کر رہے تھے۔ مگر کسی کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اور کسی میں اتنی جرأت بھی نہیں تھی کہ سلطان عادل سے اس سفر کا مقصد دریافت کر سکے۔ سلطان نورالدین زنگیؒ کی طرف سے تمام امراء اور سپاہیوں کے لئے بس ایک حکم جاری ہوا تھا کہ راستے میں کم سے کم آرام کریں۔ اور اپنے گھوڑوں کی رفتار تیز رکھیں۔

دمشق سے مدینہ منورہ پہنچنے میں تقریباً 25 دن لگتے تھے۔ مگر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ اور ان کے لشکر نے یہ طویل فاصلہ اپنی تیز رفتاری کے سبب 15 دن میں طے کیا۔ اور سولہویں دن نماز فجر کے بعد سلطان عادلؒ اور ان کی پوری فوج گھوڑوں سے اتر کر مدینہ منورہ کی حدود میں داخل ہوئی۔ یہ اس ارضِ مقدس کا احترام تھا۔ مشہور فقیہہ و محدث حضرت امام مالکؒ اس خیال سے زندگی بھر مدینہ منورہ میں ننگے پاؤں پھرا کرتے تھے کہ کہیں ان کے جوتے اس مقام پر نہ پڑ جائیں، جہاں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گزرے ہوں۔

سلطان نورالدین زنگیؒ کی اچانک آمد کی خبر سن کر گورنر مدینہ سلطان عادل کے استقبال کو پہنچے تو ان

کی زبان پر ایک ہی سوال تھا۔

"آپ پہلے تو کبھی اس طرح مدینہ منورہ حاضر نہیں ہوئے۔ آخر اس کی وجہ؟"

سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے سرگوشی میں کچھ کہا جسے سن کر گورنر مدینہ حیرت زدہ رہ گئے۔ پھر سلطان عادل کے ہمراہ آئے ہوئے فوجی دستے اور مدینہ منورہ کے سپاہیوں نے مل کر پورے شہر کی ناکہ بندی کر دی۔ کسی کو گورنر کے حکم کے بغیر مدینے سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔

پھر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے گورنر مدینہ کی وساطت سے ایک طویل و عریض میدان کو عارضی طور پر قناتوں سے بند کرا دیا۔ تمام امراء اور گورنر مدینہ سلطان عادل کے اس پراسرار طرز عمل پر حیران تھے۔ ان تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے گورنر مدینہ سے کہا۔

"آپ اعلان کرا دیجئے کہ کل ہماری طرف سے تمام اہل مدینہ کی ضیافت ہے۔ سب لوگ ہمارے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ اور اس کے ساتھ یہ تنبیہہ بھی کرا دیجئے کہ جو شخص اس دعوت میں شریک نہیں ہوگا، وہ سزا کا مستحق قرار پائے گا۔"

تھوڑی دیر بعد گورنر مدینہ کے ہرکارے گلی گلی کوچے کوچے یہ اعلان کرنے لگے۔ بڑا عجیب اعلان تھا۔ تمام اہلِ مدینہ حیرت زدہ رہ گئے۔ مگر اس حیرت کے ساتھ انہیں مسرت بھی تھی کہ وہ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ جیسے نیک سیرت حکمراں کی دعوت میں شریک ہوں گے۔

پھر دوسرے دن جب طویل و عریض میدان مقامی باشندوں سے بھر گیا تو انتہائی پُرتکلف اور لذیذ کھانوں سے مہمانوں کی تواضع کی گئی۔ اس دوران سلطان نورالدین محمود زنگیؒ اپنے امراء، گورنر اور دوسرے افسران مدینہ کے ساتھ دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ جو شخص کھانے سے فارغ ہو جاتا، وہ اسی دروازے سے باہر آتا۔ سلطان عادل اس شخص کو بہت غور سے دیکھتے، پھر جانے کی اجازت دے دیتے۔

دروازے پر موجود تمام امراء اور مدینہ منورہ کے تمام چھوٹے بڑے سرکاری افسر حیران تھے کہ آخر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کو کس کی تلاش ہے؟ پھر جب دعوت کا آخری مہمان بھی کھانا کھا کر چلا گیا تو سلطان عادل نے بڑی مایوسی سے اپنے سر کو جنبش دی۔

"ان میں سے تو کوئی بھی نہیں۔" سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے لہجے انتہائی اداسی جھلک رہی تھی۔ اور وہ چہرے سے بہت زیادہ پریشان نظر آ رہے تھے۔

"سلطان! آپ کسے ڈھونڈ رہے ہیں؟" گورنر مدینہ نے والیٔ شام سے پوچھا۔

سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے اپنے دل کی بات بتانے کے بجائے گورنر مدینہ سے سوال کیا۔

"آپ سمجھتے ہیں کہ میری دعوت میں اس ارض مقدس کے تمام رہنے والے شریک ہوئے تھے؟"

"میرا تو یہی خیال ہے۔" گورنر مدینہ نے جواب دیا۔ "اس قدر سخت احکام جاری کئے گئے تھے کہ کوئی شخص شریک محفل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔"

گورنر مدینہ کا جواب سن کر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ بہت زیادہ پریشان نظر آ رہے تھے۔ دیگر

افراد بھی ایک عجیب سی فکر میں مبتلا تھے کہ اچانک مدینہ منورہ کے ایک انتظامی افسر نے سلطان عادل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"صرف دو افراد اس دعوت میں شریک نہیں ہوئے تھے۔"

سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے گھبرا کر اس شخص سے پوچھا۔ "وہ دونوں کون ہیں؟"

"سلطان محترم! وہ دونوں نہایت عابد و زاہد انسان ہیں۔" مدینہ منورہ کے انتظامی افسر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ "وہ دونوں تارک الدنیا لوگ ہیں۔ دن رات عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ کسی دعوت میں شریک ہونا تو بڑی بات ہے، وہ لوگوں سے ملنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ اگر انہیں کچھ وقت ملتا ہے تو "جنت البقیع" میں لوگوں کو پانی پلاتے ہیں۔"

ان دونوں نادیدہ افراد کا ذکر سن کر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے چہرے پر اطمینان و آسودگی کا رنگ ابھر آیا۔ پھر سلطان عادل نے گورنر مدینہ سے کہا کہ ان دونوں کو سر دربار پیش کیا جائے۔

پھر جب وہ دونوں عابد و زاہد انسان سر دربار لائے گئے تو سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے ایک نظر میں انہیں پہچان لیا۔ یہ وہی دونوں تھے جن کے چہرے سلطان عادل کو تین بار خواب میں دکھائے گئے تھے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ لوگ مجھے بہت ستا رہے ہیں۔

ان دونوں کو دیکھ کر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ جوش اضطراب میں اپنی نشست پر کھڑے ہو گئے۔ پھر بڑی مشکل سے سلطان عادل نے اپنے جذبات پر قابو پایا۔ اور ان نورانی چہرہ رکھنے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ کون ہو اور مدینہ منورہ میں کیا کرتے ہو؟"

وہ دونوں سلطان نورالدین محمود زنگیؒ سے ناآشنا تھے، اس لئے بے نیازی کے لہجے میں کہنے لگے۔

"ہم قربت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) چاہتے ہیں۔ اس کے سوا ہمیں دنیا کی کسی شے سے غرض نہیں۔"

سلطان نورالدین محمود زنگیؒ ان دونوں کا انداز گفتگو دیکھ کر چونک اٹھے۔ پھر سلطان عادل نے سخت لہجے میں انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تم اپنے بیان کی وضاحت کرو کہ آخر کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت تلاش کرتے ہو؟"

ان دونوں نے اسی بے نیازانہ لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔ "ہم نے روضۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قریب کرائے پر مکان لے لیا ہے۔ اسی میں دن رات عبادت کرتے رہتے ہیں۔ یا پھر گنبدِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت کرتے ہیں تاکہ قلب و نظر کو سکون حاصل ہو۔"

"سچ سچ بتاؤ کہ تم لوگ کون ہو؟" یکایک سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کا لہجہ غضب ناک ہو گیا تھا۔

"کیا مسلمان کے علاوہ کوئی اور بھی روضۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قربت کا طلب گار ہو سکتا ہے؟" ان میں سے ایک نے بلند آواز میں کہا جیسے وہ سلطان عادل پر اپنے زہد و تقویٰ کا رعب ڈال رہا ہو۔

"تمہاری ظاہری شکلیں تو اہلِ ایمان کی سی ہیں۔ مگر تم مجھے اندر سے مسلمان نظر نہیں آتے۔"

سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی آواز سے بدستور غصہ جھلک رہا تھا۔

"ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ دوسرے مسلمان کے ایمان پر شک کرے۔" دوسرے شخص نے انتہائی ناگوار لہجے میں کہا۔ "دلوں اور نیتوں کا حال تو صرف اللہ ہی جانتا ہے۔"

"بے شک!" سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے پُرجلال لہجے میں کہا۔ "مگر میں نے ایسا کوئی مسلمان نہیں دیکھا کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے اور ان کے اسم مقدس کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہے۔ اتنی طویل گفتگو میں تم نے ایک بار بھی سرکار دو عالم پر درود و سلام نہیں بھیجا۔ پھر تم کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت کے طلب گار ہو سکتے ہو۔ حق تعالیٰ میری بدگمانی کو معاف کرے۔ مگر مجھے تمہارے اہلِ ایمان ہونے پر شک ہے۔"

یہ کہہ کر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ مسند سے اٹھے اور اپنے سپاہیوں کو حکم دیا۔ "جب تک میں واپس نہ آ جاؤں، ان دونوں کو اپنی تحویل میں رکھو اور سخت نگرانی کرو۔"

پھر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ اپنے امراء، گورنر مدینہ اور دیگر مقامی افسروں کے ساتھ اس مکان پر پہنچے جہاں وہ دونوں عابد و زاہد انسان دن رات عبادت کیا کرتے تھے۔ یہ ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ جس میں موجود مختصر سا سامان مکینوں کی زاہدانہ زندگی کی گواہی دے رہا تھا۔ بظاہر وہاں کوئی قابل اعتراض شے نظر نہیں آ رہی تھی۔ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ ان دونوں کی طرف سے مطمئن نہیں تھے۔ سلطان عادل نے کمر سے اپنی تلوار کھولی۔ اور تلوار سے مکان کے فرش کو زور زور سے ٹھوکنا شروع کیا۔ پھر ایک جگہ انہیں چٹائی کے نیچے فرش ہلتا ہوا محسوس ہوا۔ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ بہت تیزی سے جھکے اور چٹائی کو الٹ دیا۔ پھر سب کی آنکھوں کے سامنے ایک عجیب منظر تھا۔ چٹائی کے نیچے پتھر کی ایک چوڑی سل رکھی تھی۔ سلطان عادل نے اپنے امراء کو پتھر کی سل ہٹانے کا حکم دیا۔ جب وہ سل ہٹائی گئی تو ہر شخص حیرت زدہ رہ گیا۔ وہاں پتھر کے برابر ایک خلاء موجود تھا جو کسی سرنگ کی نشاندہی کر رہا تھا۔

سلطان نورالدین محمود زنگیؒ پر چند لمحوں کے لئے سکتہ سا طاری ہو گیا۔ پھر سلطان عادل نے ایک مشعل روشن کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد والیٔ شام مشعل لے کر تنہا سرنگ میں داخل ہوئے۔ یہاں تک کہ کچھ دور جانے کے بعد وہ سرنگ ختم ہو گئی۔ پھر جو منظر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے پیش نظر تھا، اسے دیکھ کر سلطان عادل کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے اقدس نظر آ رہے تھے۔ سلطان عادل نے مضطرب ہو کر اپنے دونوں ہونٹ پائے اقدس پر رکھ دیئے۔ وہ قدم جنہیں چومنے کے لئے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بے چین رہتے تھے، آج وہ عظیم سعادت سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے حصے میں آئی تھی۔

"اے اللہ! میں گناہ گار اس قابل نہیں تھا۔"

سلطان نورالدین محمود زنگیؒ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے اقدس سے آنکھیں مل رہے تھے۔ اور زار و قطار رو رہے تھے۔

پھر جب سلطان عادل کا پورا چہرہ آنسوؤں سے دھل گیا تو انہوں نے آخری بار سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس قدموں کو بوسہ دیا...... اور الٹے پاؤں واپس لوٹے۔ پھر جب سرنگ سے باہر آئے تو سارے امراء اور گورنر مدینہ اپنی اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑے تھے۔ پھر جب ان لوگوں نے سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی سرخ آنکھیں اور آنسوؤں سے بھیگا ہوا چہرہ دیکھا تو پریشان نظر آنے لگے۔

پھر گورنر مدینہ کے استفسار پر سلطان عادل نے بس اتنا ہی بتایا کہ وہ دونوں شیطان سرنگ کھود کر میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس قدموں تک پہنچ گئے تھے۔

یہ سن کر تمام لوگوں کا خون کھول اٹھا۔ مگر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے انہیں ضبط و تحمل کی تلقین کی۔ اور دوبارہ مجرموں کو اپنے روبرو طلب کر لیا۔

اب ان کے لئے کوئی راہ فرار نہیں تھی۔ مجبوراً انہیں اعتراف کرنا پڑا۔ "اے سلطان! ہم یہودی ہیں اور اپنی قوم کی طرف سے تمہارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جسم اطہر چرانے پر مامور ہوئے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس سے بڑھ کر کارِ ثواب کوئی اور نہیں ہے۔ لیکن افسوس تم نے ہمیں اس وقت گرفتار کر لیا جب ہمارا بہت تھوڑا کام باقی رہ گیا تھا۔ اگر ہمیں دو تین دن کی مہلت اور مل جاتی تو ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکے ہوتے۔"

ان دونوں کی ناپاک گفتگو سن کر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ شدتِ غضب سے بے قابو ہو گئے اور چیختے ہوئے ان سفید شیطانوں کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔ "تم اپنے ناپاک مقصد میں کس طرح کامیاب ہو سکتے تھے جبکہ تمہاری نقل و حرکت کی نگرانی وہ آنکھ کر رہی تھی جسے کبھی اونگھ بھی نہیں آتی۔" یہ کہہ کر سلطان عادل مسند سے اترے۔ اپنی شمشیر بے نیام کی۔ اور دونوں کے سر قلم کر دیئے۔

پھر جب ان شیطانوں کی لاشیں ٹھنڈی ہو گئیں تو سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے دوسرا حکم جاری کیا۔ "ان دونوں کے سر نیزوں پر بلند کر کے ارض مقدس کے گلی کوچوں میں پھراؤ۔ اور تشہیر کرو کہ اہلِ مدینہ لوگوں کے چہروں اور لباسوں سے دھوکا نہ کھائیں۔"

پھر جب دیار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے رہنے والے ان مردودوں پر لعنت بھیج چکے تو سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے آگ جلانے کا حکم دیا۔ یہ آگ ایک وسیع میدان میں جلائی گئی جہاں ہزاروں اہلِ ایمان یہ عبرت ناک منظر دیکھنے کے لئے جمع ہوئے تھے۔ پھر جب آگ کے شعلے بلند ہونے لگے تو سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے ان دونوں عیسائیوں کی لاشیں اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر آگ میں ڈال دیں۔ پھر جب وہ راکھ ہو گئے تو سلطان عادل نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"یہ آگ تو بجھ گئی۔ مگر وہ آگ کبھی سرد نہیں ہو گی، جس کا مزہ تم قیامت میں چکھو گے۔"

اس کے بعد سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے پورے مدینہ منورہ کا طواف کیا۔ سلطان عادل ارضِ

مقدس کے ہر گلی کوچے سے گزرے۔ آنکھیں اشک برسا رہی تھیں اور زبان سے بس ایک ہی کلمہ جاری تھا۔

"میرے آقا! میں اپنی قسمت پر نازاں ہوں کہ آپ نے اس خدمت کیلئے غلام کو منتخب فرمایا۔"

طواف مدینہ کے بعد سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے ارضِ مقدس کے باشندوں میں عطیات تقسیم کیے۔ پھر سلطان عادل نے اپنی نگرانی میں روضۂ اطہر کے چاروں طرف اتنی گہری خندق کھدوائی کہ پانی نکل آیا۔ پھر اس خندق کو سیسے سے بھر دیا گیا۔ یہ سیسے کی دیوار آج بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کے گرد موجود ہے۔ اور انشاء اللہ قیامت تک موجود رہے گی۔

آج بھی اہلِ مدینہ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کا نام نہایت محبت و احترام سے لیتے ہیں۔ اور ان کا شمار ایسے برگزیدہ انسانوں میں کرتے ہیں جن پر خود سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اعتماد کا اظہار کیا۔ اور عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی تصدیق فرمائی۔

یوسف (صلاح الدین) نے یہ واقعہ بہت قریب سے دیکھا تھا اس لئے اس کے دل و دماغ پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ قیام مدینہ کے دوران ایک دن سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے بھی اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

"یوسف تم اور اسدالدین شیرکوہ میرے دست و بازو بھی ہو اور راز دار بھی۔ مجھے حق تعالیٰ نے دو بار خوف ناک بیماری سے اسلئے نکالا تھا کہ میں یہ مقدس فریضہ انجام دے سکوں۔ مگر انسان اول و آخر فانی ہے۔ کسی دن بھی سانسوں کا شمار ختم ہو سکتا ہے۔ اسلئے میری یہ نصیحت ہمیشہ یاد رکھنا کہ ملت اسلامیہ اس وقت تک سکون نہیں پا سکتی جب تک یہود و نصاریٰ اس زمین پر موجود ہیں۔ ہم فتنہ و فساد پھیلانا نہیں چاہتے۔ مگر اپنی سرحدوں کی حفاظت کیلئے ہمیں مسلسل جاگنا ہوگا۔ تا کہ اہلِ ایمان سکون کی نیند سو سکیں۔"

......}......☆......{......

اس کے بعد وقت نے نئی کروٹیں لیں۔ شاہ یروشلم بالڈون ثالث دمشق پر قبضہ کرنے کی حسرت دل میں لئے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس کی موت پر یروشلم کے عسائیوں میں کہرام برپا ہو گیا۔ صلیبی کئی ماہ تک بالڈون ثالث کی موت کا سوگ مناتے رہے۔ اس موقع پر بعض امراء نے سلطان نورالدین زنگیؒ کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

"ہمیں اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آگے بڑھ کر یروشلم پر حملہ کر دینا چاہئے۔"

"سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی اعلیٰ ظرفی نے یہ گوارا نہیں کیا کہ وہ عیسائیوں کی ماتمی حالت سے سیاسی فائدہ اٹھائیں۔" "ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ غم زدہ دشمن پر یلغار کریں۔ اہلِ یروشلم کو اس صدمے سے نجات حاصل کرنے دو۔ پھر کھلے میدان میں معرکہ آرائی ہوگی۔ اور بیت المقدس میں نماز ادا کرنے کی دیرینہ آرزو پوری ہو جائے گی۔"

بعض مؤرخین کے نزدیک یہ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی سیاسی غلطی تھی۔ اگر وہ بالڈون ثالث

کے مرتے ہی بھرپور حملہ کر دیتے تو آسانی کے ساتھ یروشلم پر قابض ہو سکتے تھے۔ ممکن ہے کہ یہ قیاس آرائی درست ثابت ہوتی مگر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ اہلِ ایمان اپنے دشمن کی بھی مجبوری سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ اس کے برعکس یہود و نصاریٰ کا ہمیشہ سے یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ انسانی مجبوریوں کی تجارت کرتے ہیں، اور اسی کا سود کھاتے ہیں۔ مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ میں یہی بنیادی فرق ہے۔

بالڈون ثالث کے انتقال کے بعد یروشلم کے عیسائیوں نے اموری کو اپنا بادشاہ منتخب کر لیا۔ اموری بالڈون ثالث سے بھی زیادہ شاطر اور کینہ پرور انسان تھا۔ اس نے اپنی سیاسی بصیرت سے اندازہ کر لیا تھا کہ اگر مصر پر قبضہ کر لیا جائے تو دمشق اور شام بھی بڑی آسانی سے عیسائی سلطنت کے زیرِ نگیں آ سکتے ہیں۔ اور اس طرح مسلمانوں کی حکومت کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ یہ ایک بڑی گہری سازش تھی۔

بدقسمتی سے اس وقت مصر پر آخری فاطمی خلیفہ عاضد الدین کی حکومت تھی۔ فاطمین مصر نے ملت اسلامیہ کو شدید نقصان پہنچایا تھا۔ اپنے آباؤ اجداد کی طرح خلیفہ عاضد بھی ایک نہایت خود غرض، ناکارہ اور خلیفہ بغداد کا جانی دشمن تھا۔ اپنی ان ہی کمزوریوں کے باعث وہ وزیر اعظم شاور کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا۔ اور شاور اتنا بڑا ایمان فروش تھا کہ اس نے اپنی وزارت عظمیٰ بچانے کے لئے شاہ یروشلم اموری سے خفیہ معاہدہ کر لیا تھا۔ اور خراج کے طور پر ایک بہت بڑی رقم صلیبی حکمراں کو دیا کرتا تھا۔ فاطمی خلیفہ عاضد بھی چندروزہ عیش کے لئے اس معاہدے پر رضامند ہو گیا تھا۔ مگر جب شاور نے خلیفہ عاضد کو قتل کر کے مصر کا خود مختار حکمراں بننے کی منصوبہ سازی کا آغاز کیا تو خلیفہ عاضد نے بدحواس ہو کر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کو ایک طویل خط تحریر کیا۔

"میں آپ کی اسلام دوستی کا دل سے قائل ہوں۔ اس لئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دیتا ہوں کہ بلا تاخیر میری مدد کو آیئے...... اور مصر کو صلیبیوں کی دراز دستی سے نجات دلایئے۔"

سلطان نورالدین محمود زنگیؒ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر مضطرب ہو گئے۔ فوری طور پر اسدالدین شیرکوہ اور یوسف (صلاح الدین) کو ایک لشکر جرار کے ساتھ مصر روانہ کیا۔ شیرکوہ اور یوسف (صلاح الدین) نے بڑی جانبازی سے جنگ کی اور صلیبی فوج کو فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔ پھر وہ دونوں غدار ملت شاور کی طرف متوجہ ہوئے۔ شاور مصر سے فرار ہونے میں تقریباً کامیاب ہو چکا تھا۔ مگر یوسف (صلاح الدین) کی شہسواری کام آئی۔ اور اس نے شاور کو زندہ گرفتار کر کے مصری امیر عزالدین کے سامنے پیش کر دیا۔ عزالدین نے ایک لمحے کی تاخیر کئے بغیر شاور کا سر کاٹ کر ایک بڑے طشت میں رکھا۔ اور نذر کے طور پر فاطمی خلیفہ عاضد کی خدمت میں پیش کر دیا۔

شاور کے قتل کی خوشی میں خلیفہ عاضد نے ایک عظیم الشان جشن کا اہتمام کیا۔ اور اسی جشن کے اختتام پر اسدالدین شیرکوہ کو مصر کا وزیر اعظم نامزد کر دیا۔ سلطان نورالدین زنگیؒ اس تقرری سے بے حد

خوش ہوئے کہ اس طرح ان کا نہایت معتبر نمائندہ مصر میں موجود رہے گا۔ مگر اسدالدین شیر کوہ کو یہ وزارت عظمیٰ راس نہیں آئی۔ دو مہینے بعد ہی خناق کے عارضے میں اس کا انتقال ہو گیا۔

جب اسدالدین شیر کوہ کے انتقال کی خبر شام پہنچی تو کچھ دیر کے لئے سلطان نورالدین محمود زنگیؒ پر سکوت کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ پھر اپنے سپہ سالار اعظم کو یاد کر کے کئی دن تک روتے رہے۔ بار بار سلطان عادل کی زبان سے ایک ہی جملہ ادا ہوتا تھا۔

"اب ایسے وفادار دوست شاید ہی نظر آئیں۔ وہ میرا بازوئے شمشیر زن تھا۔ حق تعالیٰ اس کی مغفرت کرے۔ اور مجھے صبر جمیل عطا فرمائے۔"

اسدالدین شیر کوہ کی موت کے چند دن بعد خلیفہ عاضد نے نوجوان یوسف (صلاح الدین) کو مصر کا نیا وزیراعظم نامزد کر دیا۔ یہ اعلان سنتے ہی شام اور مصر کے تجربہ کار امراء حیرت زدہ رہ گئے۔

یوسف (صلاح الدین) کے چچا اسدالدین شیر کوہ کو مصر کی وزارت عظمیٰ کا ملنا بھی ایک حادثاتی عمل تھا اور پھر دو مہینے بعد ہی اس کا مر جانا بھی اس قدر اتفاق اور ناگہانی تھا کہ لوگوں کو یقین نہیں آتا تھا۔ جب یوسف (صلاح الدین) اور شامی فوج کے اہم عہدیدار اسدالدین شیر کوہ کا جنازہ قبرستان لئے جا رہے تھے تو ان میں سے ہر شخص اپنی جگہ ایک بات ہی سوچ رہا تھا۔

"کل تک اس شخص کا نام سن کر دشمن میدان جنگ سے فرار ہو جاتے تھے۔ اور آج یہی مرد میدان اس قدر بے دست و پا ہے کہ اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کر سکتا۔ اور آخری آرام گاہ تک جانے کیلئے بھی دوسروں کا محتاج ہے۔"

اگرچہ اسدالدین شیر کوہ کی موت خناق کے مرض میں واقع ہوئی تھی۔ مگر مصر کے کچھ خاص لوگ اسدالدین شیر کوہ کی موت کو غیر طبعی سمجھتے تھے۔ ان کے خیال کے مطابق مصر کے نئے وزیراعظم کو حکیم باریطون نے کوئی ایسی دوا دے دی تھی کہ جس کے اثر سے اسدالدین شیر کوہ کا دم گھٹ گیا تھا اور وہ دار فانی سے کوچ کر گیا تھا۔ ان لوگوں کے خیال میں اسدالدین شیر کوہ کو راستے سے ہٹانا بہت ضروری تھا۔ کیونکہ وہ ایک مایہ ناز سپہ سالار ہی نہیں، سچا مسلمان بھی تھا۔ فاطمی خلیفہ عاضد نے انتہائی مجبوری کی حالت میں اسدالدین شیر کوہ کو مصر کی وزارت عظمیٰ سونپی تھی۔ تاکہ وہ اپنے وزیر شاور اور صلیبیوں کے اتحاد سے مصر کی حکومت کو محفوظ رکھ سکے۔ پھر جب بھی یوسف (صلاح الدین) نے شاور کو قتل کر دیا اور یروشلم کی فوج واپس چلی گئی تو خلیفہ عاضد نے اپنے شاہی حکیم باریطون سے مل کر اسدالدین شیر کوہ کا قصہ اس طرح پاک کر دیا کہ کسی کو اس کی بدنیتی اور سازش پر کوئی شک بھی نہ ہو سکا۔

خلیفہ عاضد بھی باطنیوں کے عقائد سے تعلق رکھتا تھا۔ اور حکیم باریطون تو حسن بن صباح کا معتقد خاص تھا۔ اس لئے باریطون نے اسدالدین شیر کوہ پر ایک ایسی دوا آزمائی جس نے سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے دست راست کی سانسوں کا رشتہ توڑ دیا۔

مصر میں رہنے والی ایک صحیح العقیدہ مسلمانوں کی جماعت کا یہ خیال بھی تھا کہ اسدالدین شیر کوہ کو بار بک نے اپنے روحانی کمالات کے ذریعے ہلاک کیا تھا۔ مصری عوام بار بک کو اپنے وقت کا سب

سے بڑا صوفی سمجھتے تھے۔ یہ ایک 70 سالہ شخص تھا۔ دراز قامت، سرخ و سفید، لمبی سفید داڑھی، لمبے سفید بال اور لمبی سفید عبا...... ہاتھ میں فیروزے کی تسبیح...... بار بک کی خانقاہ دریائے نیل کے کنارے تھی۔ اس کے حجرے کی دیواروں کا رنگ بھی سفید تھا۔ اور فرش پر سفید چادریں بچھی ہوئی تھیں۔ آنے والا پہلی ہی نظر میں بار بک کی ظاہری شخصیت اور اس کی خانقاہ کی فضا سے متاثر ہو جاتا تھا اور بے ساختہ پکار اٹھتا تھا۔

"صوفی بار بک کے یہاں تو نور ہی نور ہے۔"

دراصل بار بک ایک انتہائی خبیث اور شیطان صفت انسان تھا۔ وہ اپنے عقائد کے اعتبار سے حسن بن صباح کا مرید خاص تھا۔ اگرچہ حسن بن صباح جیسے راندۂ درگاہ انسان کو مرے ہوئے ایک زمانہ ہو چکا تھا...... مگر اس کی معنوی شیطانی اولاد ابھی زندہ تھی۔ اور مختلف اسلامی ریاستوں میں اپنی خفیہ شیطانی تحریک جاری رکھے ہوئے تھی۔

حسن بن صباح کا مختصر تعارف یہ ہے کہ وہ خراسان کے شہر طوس میں پیدا ہوا۔ وہ بہت ذہین اور پڑھا لکھا انسان تھا۔ مشہور ریاضی داں فارسی شاعر عمر خیام اور نامور سیاستدان نظام الملک طوسی اس کے ہم جماعت تھے۔ حسن بن صباح کے باپ دادا ایک بدعقیدہ اور اسلام دشمن جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے پیدائشی طور پر بغاوت و سرکشی کے جراثیم اس کے خون میں بھی شامل تھے۔ پھر جب حسن بن صباح اعلیٰ تعلیم حاصل کر چکا تو اپنی فطرت کی طرف لوٹ گیا۔ اور شیطان نے اس کے دل و دماغ پر گرفت مضبوط کر لی۔ پھر حسن بن صباح اسلامی دنیا میں فتنہ و فساد پھیلانے کیلئے نکل کھڑا ہوا۔ پہلے اس نے اپنے محسن نظام الملک طوسی کو خباثت نفسی کا نشانہ بنایا۔ اس وقت نظام الملک طوسی سلجوقی بادشاہ کی حکومت میں وزیراعظم کے عہدے پر فائز تھا۔ حسن بن صباح نے نظام الملک طوسی کو سلطان کی نظروں میں گرانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔

آخر سلجوقی بادشاہ نے حسن بن صباح کو اپنی سلطنت کی حدود سے باہر نکال دیا۔ پھر وہ بدباطن اور کینہ پرور انسان مصر پہنچا۔ یہاں اس نے باطنیوں کے الگ فرقے کی بنیاد رکھی۔ یہاں اس نے اپنی شیطانی ذہانت سے ہزاروں مرید بنا لئے......

حسن بن صباح اپنی کامیابی کی منزل کے قریب تھا کہ اس کی ایک سازش بے نقاب ہو گئی۔ اور وہ رات کی تاریکی میں مصر سے نکل کر اصفہان پہنچ گیا۔ پھر ایک دن اس نے اپنے ہزاروں مریدوں کے سامنے اعلان کر دیا کہ اللہ کی طرف سے اسے نبوت عطا کی گئی ہے اور اس پر روزانہ وحی نازل ہوتی ہے۔ سادہ دل اور کمزور عقیدے کے لوگ حسن بن صباح کے قدموں پر جھک گئے اور اس شیطان کو اپنا پیغمبر تسلیم کر لیا۔

ایک بڑی جماعت کو تابع کر لینے کے بعد حسن بن صباح کا پھیلایا ہوا شیطانی جال روز بروز وسیع ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس نے بڑی ریاکاری کے ساتھ "الموت" کے قلعے پر قبضہ کر لیا۔ یہ قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا اور ایسے پُر پیچ راستے سے گھرا ہوا تھا کہ وہاں اس کا کوئی دشمن آسانی کے ساتھ

نہیں پہنچ سکتا تھا۔

محفوظ ترین جگہ پر قابض ہو جانے کے بعد حسن بن صباح نے عام لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے "جنت" بنائی۔ وہ ہر قیمت پر سلطان ملک شاہ اور اپنے محسن نظام الملک طوسی کا خاتمہ کر دینا چاہتا تھا تاکہ یہ دونوں بھاری پتھر راستے سے ہٹ جائیں۔ اور اس کے شیطانی منصوبے کی تکمیل میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔ یہ "جنتِ ارضی" اسی منصوبے کی ایک بنیادی کڑی تھی۔

الموت کے قلعے میں حسن بن صباح نے ایک تخت بنوایا تھا جس کے پائے زمرد کے تھے۔ دونوں دستے نیلم کے اور پچھلا حصہ یاقوت جیسے قیمتی پتھر کا تھا۔ جب رات میں اس تخت پر قندیلوں اور فانوسوں کی روشنی پڑ کر منعکس ہوتی تھی تو دیکھنے والی آنکھوں کے سامنے روشنیوں کا ایک عجیب سا منظر ہوتا تھا۔ اس چکا چوند کا حوالہ دے کر حسن بن صباح اپنے عقیدت مندوں سے مخاطب ہوتا تھا۔

"یوں سمجھ لو کہ خداوند عالم کا نور تم پر سایہ فگن ہے۔ اگر تم میرے احکام پر عمل کرو گے تو یہ نور ہر وقت تمہارے ساتھ ساتھ رہے گا اور تمہیں اپنے گھروں میں بھی نظر آئے گا۔"

حسن بن صباح کو فنِ تقریر میں کمال حاصل تھا۔ جب وہ اپنے معتقدین سے خطاب کرتا تو وہ لوگ اس کے لہجے سے متاثر ہو کر اس طرح جھک جاتے کہ ان کے سر زمین کو چھونے لگتے۔ پھر ان کی زبانوں سے بے اختیار یہ کلمات جاری ہو جاتے۔

"بے شک! آپ ہمارے پیغمبر ہیں۔ ہمیں سیدھا راستہ دکھایئے۔ اور اس روشنی کی طرف لے جایئے جو کبھی ختم نہ ہو۔ ہمیں سکون و سلامتی عطا کیجئے۔ اور دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ سے نجات دیجئے۔"

اپنی جماعت کو یہ یقین دلانے کے بعد کہ وہ خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر ہے، حسن بن صباح کے شیطانی دماغ نے ایک اور منصوبہ تراشا۔ اس نے قلعۂ الموت کے ارد گرد خوبصورت سبزہ زاروں کا انتخاب کیا۔ جہاں ایک نہر بھی بہتی تھی۔ حسن بن صباح نے بڑی قیمت دے کر دور دراز کے علاقوں سے ماہرین تعمیرات بلائے۔ اور ایک مخصوص علاقے میں ان سے دلکش مکانات تعمیر کرائے۔ جن کے نقش و نگار دیکھ کر لوگ حیرت زدہ رہ جاتے تھے۔ جب حسن بن صباح کے معتقدین اس سے پوچھتے کہ یہ مکانات کس کیلئے ہیں۔ تو وہ نہایت عیاری سے اپنے ہمنواؤں کو جواب دیتا۔

"یہ اہلِ ایمان کی جنت ہے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔"

"اور اس جنت کا کیا ہو گا جو انسان کو مرنے کے بعد اس کے نیک اعمال کے صلے میں بخشی جائے گی۔" کسی معتقد کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا اور وہ حاضرین کی موجودگی میں یہ سوال کر بیٹھتا۔

حسن بن صباح اس شخص کو برجستہ جواب دیتا۔ "یہ دنیاوی جنت ہے۔ پہلے تمہیں اپنے آپ کو اس جنت کا اہل ثابت کرنا ہو گا۔ پھر تم دوسری جنت میں داخل ہو سکو گے۔"

یہ سن کر سب لوگ بیک زبان چیخ اٹھتے۔ "اے ہمارے پیر و مرشد...... ہمیں بتایئے کہ اس جنت ارضی میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟"

حسن بن صباح کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ ابھر آتی۔ "اس جنت میں داخل ہونے کے لئے تمہیں بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑے گا۔"

معتقدین ہذیانی انداز میں چیخنے لگتے۔ "ہم تیار ہیں...... ہر آزمائش کیلئے۔"

حسن بن صباح اپنا دایاں ہاتھ بلند کر کے انہیں خاموش رہنے کی تلقین کرتا۔ "صبر کرو۔ اور انتظار کرو۔ عنقریب تم لوگ جان لیوا امتحان میں ڈالے جاؤ گے۔"

پھر حسن بن صباح نے اپنی جنت کی آرائش اس طرح کی کہ فرش پر اور راہ داریوں میں بیش قیمت قالین بچھائے گئے۔ کمروں کو یونانی طرز کے ریشمی بستروں اور پردوں سے آراستہ کیا گیا۔ جگہ جگہ دلکش پتھروں کی مختلف حوضیں تعمیر کرائی گئیں۔ جنہیں نلوں کے ذریعے دودھ، شہد اور شراب سے بھر دیا جاتا تھا۔ جگہ جگہ نہایت حسین و جمیل نوخیز لڑکیاں گھومتی رہتی تھیں۔ ان لڑکیوں کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا تھا کہ انہیں آج تک کسی انسان نے نہیں چھوا ہے۔ یہ حسن بن صباح کی "جنت کی حوریں" تھیں۔

جنت میں داخل ہونے والے مردوں کا انتخاب خود حسن بن صباح کرتا تھا۔ اس کا طریقۂ انتخاب بھی بڑا عجیب تھا۔ گرد و نواح کے علاقوں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے جوان لائے جاتے تھے جن کے جسم چٹانوں کی طرح مضبوط ہوتے تھے۔ پھر انہیں کئی خوفناک مرحلوں سے گزار کر اندازہ کیا جاتا تھا کہ ان میں کون بزدل ہے۔ اور کون بہادر؟ پھر بزدل لوگوں کو امتحان سے خارج کر کے قلعے سے باہر نکال دیا جاتا تھا اس کے بعد منتخب بہادروں کو جنت میں داخل کر دیا جاتا تھا۔ حسن بن صباح کے معتبر اور مسلح سپاہی ان بہادروں کو جنت کی سیر کراتے۔ پھر انہیں حوروں کے سپرد کر دیا جاتا۔ وہ لوگ ہفتہ پندرہ دن شیطانی جنت میں رہتے۔ پھر انہیں حوریں بھنگ پلا دیتیں۔ جب وہ مست و بے خود ہو جاتے تو مسلح سپاہی انہیں اٹھا کر لے جاتے۔ اور حسن بن صباح کے خصوصی کمرے میں پہنچا دیتے جہاں اس خبیث کے بقول اس پر وحی نازل ہوتی تھی۔

جب وہ شخص نشے کی قید سے آزاد ہو کر ہوش میں آتا تو دوبارہ اسی جنت کی تمنا کرتا۔ حسن بن صباح اس موقع پر انسانی نفسیات سے فائدہ اٹھاتا۔ اور حوروں کے تمنائی کو مخاطب کر کے کہتا۔

"میں نے تمہیں اپنی روحانی قوت سے ایک بار جنت کا نظارہ کرا دیا۔ اب تم ایک بڑی آزمائش سے گزر کر ہی جنت میں داخل ہو سکو گے۔"

وہ شخص دودھ، شہد، شراب اور حوروں کی تمنا میں تڑپتا رہتا...... اور بار بار اپنے آپ سے پوچھتا رہتا کہ وہ بڑی آزمائش کب آئے گی اور کب وہ جنت میں داخل ہو گا؟

پھر جب حسن بن صباح کسی دشمن کو قتل کرانا چاہتا تو وہ جنت کے طلبگار کو تنہائی میں بلاتا اور رازداری کے لہجے میں کہتا۔ "فلاں شخص کو بے دریغ قتل کر دے۔ پھر فرشتے تجھے جنت میں لے جائیں گے۔"

وہ شخص حوروں اور شراب کی تمنا میں حسن بن صباح کے حکم پر عمل پیرا ہوتا۔ اور اپنی جان پر کھیل کر مطلوبہ فرد کو قتل کر دیتا۔ تنہا ہونے کی وجہ سے خود بھی مارا جاتا۔ پھر جب حسن بن صباح کو خبر دی جاتی

کہ دشمن کے ساتھ وہ طلبگار جنت بھی مارا گیا تو وہ شیطان اپنی کامیابی پر مسکراتے ہوئے کہتا۔

''میرا دشمن جہنم رسید ہوا...... اور میرا فدائی جنت اعلیٰ میں پہنچ گیا۔''

ایسے تمام جنت کے طلبگار حسن بن صباح کے ''فدائین'' کہلاتے تھے۔ نظام الملک طوسی جیسے عظیم سیاستدان اور اسلام دوست انسان کو بھی حسن بن صباح کے ایک فدائی نے قتل کیا تھا۔ پندرہ سال بعد حسن بن صباح نے نظام الملک کے بیٹے ابوالمظفر کو بھی اپنے ایک فدائی سے قتل کرا دیا۔ ان باپ بیٹے کے علاوہ بھی اس شیطان نے بہت سے اہلِ ایمان کو قتل کرایا۔ حسن بن صباح نے 35 سال تک قلعۂ الموت پر حکومت کی۔ پھر 518 ہجری میں بڑی بے کسی کی حالت میں مر گیا۔ اور عالم اسلام کو ایک بڑے فتنہ گر سے نجات ملی۔ یوسف (صلاح الدین) کے زمانے میں اس خبیث کو دنیا سے گزرے ہوئے 46 سال ہو گئے تھے مگر اب بھی دنیا کے گوشے گوشے میں اس کے فدائین موجود تھے۔ مصر کا باربک بھی حسن بن صباح کا فدائی تھا جو پورے مصر میں سب سے زیادہ خدا رسیدہ بزرگ مشہور تھا۔ خود فاطمی خلیفہ عاضد بھی باربک کی بہت عزت کرتا تھا۔ اگر کبھی وہ بہروپیا دربار میں آ جاتا تو خلیفہ اس کے احترام میں کھڑا ہو جاتا اور اسے اپنے برابر کی نشست پر بٹھاتا۔

اسدالدین شیر کوہ نہ صرف ایک صحیح العقیدہ مسلمان تھا۔ بلکہ جانباز سالار بھی تھا۔ اس لئے باربک، حکیم باریطون اور دوسرے ''صباحیوں'' کے دل میں کسی کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا۔ باربک نے ایک دن تنہائی میں فاطمی خلیفہ عاضد کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''اسدالدین شیر کوہ، سلطان نورالدین محمود زنگی کا دست راست ہے۔ اور خلیفۃ المسلمین اچھی طرح جانتے ہیں کہ سلطان اپنے عقائد میں کس قدر کٹر ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے سوچے سمجھے بغیر ایک زہر آلود خنجر اپنی گردن کے قریب رکھ لیا ہے جو کسی وقت بھی شہ رگ میں اتر سکتا ہے۔''

خلیفہ عاضد نے بڑی رازداری کے ساتھ باربک کو جواب دیتے ہوئے کہا تھا۔ ''میں آپ کی بے چینی کو سمجھتا ہوں۔ مگر سیاسی اعتبار سے اسدالدین شیر کوہ اس وقت ہماری ضرورت ہے۔ حالات پر قابو پاتے ہی اسدالدین شیر کوہ کو نکال باہر کروں گا۔''

پھر جب وزارت عظمیٰ کا منصب سنبھالنے کے دو مہینے بعد ہی اسدالدین شیر کوہ کا انتقال ہو گیا تو مصر کے بعض حلقوں میں شکوک و شبہات کا اظہار کیا گیا کہ اسدالدین شیر کوہ کو بڑی ذہانت کے ساتھ ہٹایا گیا ہے۔ مگر اس کا کوئی ثبوت نہ مل سکا۔ اگر شیر کوہ کی غیر طبعی موت پر ذرا بھی شک ہوتا تو اب تک سلطان نورالدین محمود زنگی مصر پر حملہ کر چکے ہوتے۔

ایک روایت کے مطابق اسدالدین شیر کوہ نے فاطمی خلیفہ عاضد سے درخواست کی تھی کہ اس کی جگہ یوسف (صلاح الدین) کو مصر کا وزیر اعظم نامزد کر دیا جائے۔ ہر چند کہ یوسف نوجوان ہے مگر بے پناہ جنگی انتظامی صلاحیتیں رکھتا ہے۔ خلیفہ عاضد نے شیر کوہ سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ اس کی خواہش کا لحاظ رکھے گا۔

باربک اور دوسرے بااثر باطنی امراء اسدالدین شیر کوہ کی موت پر بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہے

تھے۔ اور بار بار خلیفہ عاضد کو مشورے دے رہے تھے کہ اس بار وزارت عظمیٰ کے انتخاب میں کسی سیاسی مصلحت سے کام نہ لیا جائے۔ خداوند عالم نے بروقت ہماری مدد کی ہے اور ہمیں اس اچانک نازل ہو جانے والی مصیبت سے نجات بخشی ہے۔

خلیفہ عاضد نے باربک اور باطنی امراء سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ ہر حال میں ملکی مفادات کا خیال رکھے گا۔

اسدالدین شیر کوہ کے مرتے ہی مصری اور شامی امراء میں اقتدار حاصل کرنے کیلئے شدید کشمکش کا آغاز ہو چکا تھا۔

شامی امراء میں عین الدولہ باروقی، قطب الدین ینال، سیف الدین علی بن احمد اور یوسف (صلاح الدین) کا ماموں شہاب الدین محمود حارمی پیش پیش تھے۔ دوسری طرف ابوجعفر اور علی ناصری مصر کی وزارت عظمیٰ کا خواب دیکھ رہے تھے۔ ان دونوں کو یقین تھا کہ وہ مقامی ہونے کے سبب مصر کے وزیر اعظم منتخب ہو جائیں گے۔ ابوجعفر کے مقابلے میں علی ناصری زیادہ پر امید تھا کہ اسے در پردہ باربک کی حمایت بھی حاصل تھی۔

خلیفہ عاضد شدید ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا کہ وہ وزارت عظمیٰ کے شیدائیوں میں سے کس کا انتخاب کرے۔ اگر کسی شامی امیر کی طرفداری کرتا ہے تو مصری امراء کی ناراضی کا خطرہ تھا۔ آخر ایک ہوشمند عالم فقیہہ ضیاء الدین عیسیٰ نے خلیفہ عاضد کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

''وزارت عظمیٰ کے تمام مدعی بوڑھے ہو چکے ہیں۔ نہ ان کے کمزور باز و میدان جنگ میں تلوار کا بوجھ اٹھا سکتے ہیں۔ اور نہ ان کے کمزور دماغ زیادہ دور کی سوچ سکتے ہیں۔ ان امراء کے برعکس یوسف (صلاح الدین) جوان بھی ہے۔ اور مرد میدان بھی۔ اسکی جنگی صلاحیت تو آپ آزما ہی چکے ہیں کہ اس نے شاور جیسے عیار و غدار کو گرفتار کر کے مقتل تک پہنچایا۔ مجھے اسکے چہرے سے فہم و فراست اور ضبط و تحمل کے آثار نظر آتے ہیں۔ بالفرض کوئی سیاسی مسئلہ الجھ گیا تو پھر آپ کے تجربات و مشاہدات اسے حل کر سکتے ہیں۔''

خلیفہ عاضد کو فقیہہ ضیاء الدین عیسیٰ کی تجویز پسند آئی۔ مگر وہ پھر بھی رات بھر سوچتا رہا۔

دوسری طرف فقیہہ ضیاء الدین بھی رات بھر یوسف (صلاح الدین) کے حق میں دعا کرتے رہے۔ ''اے اللہ......! اس نوجوان کو غلبہ عطا کر۔ اور اہلِ ایمان کی مدد فرما یہ تیری ہدایت و توفیق کے بغیر ہم اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کر سکتے۔''

یوسف (صلاح الدین) سے فقیہہ ضیاء الدین کی رغبت کے دو اسباب تھے۔ ایک یہ کہ وہ عالم شباب میں باکردار نوجوان تھا۔ دوسرے یہ کہ اب تک مصر کی وزارت پر باطنیوں کا غلبہ تھا۔ فقیہہ ضیاء الدین نے ایک طویل عرصہ نہایت اذیت و کرب میں گزارا تھا۔ آج انہیں امید ہو چلی تھی کہ اگر خلیفہ عاضد، یوسف (صلاح الدین) کو وزیر اعظم نامزد کر دیتا ہے تو باطنیوں پر قابو پانا آسان ہو جائے گا۔ اور سرزمین مصر کو گمراہوں کی اس جماعت سے نجات مل جائے گی۔

......}......☆......{......

پھر جب دوسرے دن خلیفہ عاضد نے یوسف (صلاح الدین) کی وزارت عظمیٰ کا فرمان جاری کیا تو حاضرین دربار پر سکتہ سا طاری ہوگیا۔ مصری امراء اور ابوجعفر اور علی ناصری ناگوار چہروں کے ساتھ دربار سے اٹھ کر چلے گئے۔ شامی امراء قطب الدین ینال، سیف الدین علی بن احمد اور یوسف کا ماموں شہاب الدین محمود حارمی خاموش بیٹھے رہے۔ مگر چوتھا شامی امیر عین الدولہ باروقی نہ صرف دربار سے اٹھ گیا بلکہ مصر چھوڑ کر سیدھا دمشق چلا آیا۔

پھر جب امیر عین الدولہ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو سلطان عادل نے انتہائی برہم لہجے میں کہا۔ ”تم نے یوسف کو تنہا چھوڑ دیا۔ تمہیں لازم تھا کہ مصر میں رہ کر اس کے ہاتھ مضبوط کرتے۔ وہ میرا نمائندہ ہے۔“

امیر عین الدولہ سر جھکائے سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی غضبناک گفتگو سنتا رہا۔ وہ سلطان عادل کو اپنے دل کا حال کس طرح بتاتا کہ اس سے ایک نوجوان کی یہ ترقی برداشت نہیں ہو رہی ہے۔

خلیفہ عاضد نے یوسف (صلاح الدین) کو تحفے میں ایک شمشیر جواہر دار پیش کی، جس کی قیمت پانچ ہزار دینار تھی۔ دیگر تحائف میں دس ہزار دینار کا ایک نایاب ہار......اور زرد رنگ کا ایک انتہائی تیز رفتار گھوڑا، سونے کے تاروں سے بنا ہوا ایک جبہ اور عمامہ شامل تھا۔

......}......☆......{......

پھر جب یہ خبر حلب پہنچی تو شاریہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا تھا۔ اس نے طویل سجدۂ شکر ادا کیا۔ پھر دعا کیلئے اپنے ہاتھ بارگاہ الٰہی میں دراز کر دیئے۔

”اے قادر مطلق...... تیرے لامحدود خزانوں میں جتنی نعمتیں اور عزتیں ہیں وہ سب میرے یوسف کو بخش دے۔ اسے دشمنوں کی نظر بد اور فتنہ انگیزیوں سے محفوظ رکھ۔ اگر اسے کوئی جسمانی اذیت یا بیماری پہنچنے والی ہے تو وہ مجھ پر گزار دے۔“

یہ دعا مانگ کر شاریہ اداس ہوگئی۔ حلب اور مصر کے درمیان بہت فاصلہ حائل تھا۔ ”اب تو شاید ہی اسے کبھی دیکھ سکوں۔“ شاریہ نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

”مگر یہ تو خود غرضی ہے۔“ شاریہ نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ ”جب وہ حلب میں رہے گا تو پھر مصر کی وزارت کا انتظام کس طرح سنبھالے گا؟“

اچانک شاریہ کے ذہن نے ایک نئی کروٹ لی۔ ”اگر یوسف مصر سے یہاں نہیں آ سکتا تو میں خود وہاں جا سکتی ہوں۔“ اس خیال کے ساتھ ہی شاریہ کے دل و دماغ میں ایک برق سی لہرائی اور زرد چہرہ چند لمحوں کیلئے سرخ ہوگیا۔

پھر کچھ دیر بعد وہ برق بجھ گئی جس نے شاریہ کے دل و دماغ کو روشن کر دیا تھا ایک بار پھر چاروں طرف مایوسیوں کا اندھیرا پھیل گیا اور وہ اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”شاریہ! تو اول و آخر کنیز ہے۔ مصر کے وزیراعظم کی تمنا کیسے کر سکتی ہے؟ لوگ پاگل کہیں گے۔“

اس خیال کے ساتھ ہی شاریہ کے سینے کے سارے زخم چھل گئے تھے۔ اور ان سے خون رسنے لگا تھا۔

شاریہ نے گھبرا کر اپنے حجرے کی چھت کی طرف دیکھا جیسے وہ آسمان کی طرف دیکھ رہی ہو پھر اس کے ہونٹ لرزنے لگے۔ اور آنکھیں اشک برسانے لگیں۔ ”اے اللہ! میں تجھی کو پکارتی ہوں کہ تیرے سوا میرا کوئی مددگار نہیں۔ دنیا کی محبت کو میرے دل سے نکال دے کہ اس کے ہوتے ہوئے میں تیرے پاس کیسے آ سکتی ہوں؟ مجھے اپنی اس منافقت سے شرم آتی ہے میں اپنے استاد کو چھوڑ کر مصر جانا چاہتی ہوں۔ یہ کیسی خود غرضی ہے، میرے اللہ...... مجھے معاف فرما دے۔“

یہ دعا مانگ کر شاریہ اٹھی اور اپنے استاد گرامی کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ قاضی ابن عرسون نے انسانی قدموں کی چاپ سن کر کہا۔ ”کون؟“

”میں آپ کی خادمہ شاریہ!“ شاریہ نے استاد گرامی کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

”اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔“ قاضی ابنِ عرسون نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور اپنا دایاں ہاتھ بلند کر دیا۔ شاریہ تیزی سے آگے کی طرف جھکی۔ پھر قاضی ابن عرسون نے ادھر ادھر اپنے ہاتھ کو گردش دی۔ اور شاریہ کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ قاضی ابنِ عرسون آنکھوں کی روشنی سے محروم ہو چکے تھے۔ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے بہترین طبیبوں سے قاضی صاحب کا علاج کرایا۔ مگر تقدیر کا لکھا پورا ہو کر رہا۔ قاضی ابنِ عرسون کی دونوں آنکھیں جاتی رہیں۔ قاضی صاحب نے کئی بار سلطان عادل سے درخواست کی کہ اس معذوری کے سبب انہیں منصب قضا سے فارغ کر دیا جائے۔ مگر سلطان نورالدین زنگیؒ نے ان کی درخواست منظور نہیں کی اور قاضی صاحب کے لئے دو سرکاری نگراں مقرر کر دیئے۔ قاضی ابنِ عرسون اسی حالت میں عدالت جاتے تھے۔ مقدمات کی سماعت کرتے تھے اور حق کی روشنی میں اپنے فیصلے سنا دیتے تھے۔

قاضی ابنِ عرسون اپنا باقی وقت مدرسے میں گزارتے اور شاگردوں کو درپیش فقہی مسائل سمجھاتے۔ ان اوقات میں شاریہ اپنے استاد کی خدمت انجام دیتی۔

”استاد محترم! آپ نے سنا؟ یوسف مصر کا وزیراعظم ہوگیا ہے۔“ شاریہ کے لہجے سے انتہائی مسرت جھلک رہی تھی۔

”وزیراعظم کا عہدہ بہت چھوٹا ہے۔“ یکایک قاضی ابن عرسون کا چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہوگیا۔ ”اس کا نام یوسف ہے، حق تعالیٰ نے اس کیلئے بادشاہی لکھی ہے۔“

یکایک شاریہ پھر اداس ہوگئی اور غمزدہ لہجے میں بولی۔ ”مجھے بہت دکھ ہے استاد محترم...... ناقابل بیان دکھ۔“

قاضی ابنِ عرسون گھبرا گئے۔ ”کس بات کا دکھ، میری بیٹی؟“

”جب یوسف آئے گا تو آپ اسے کیسے دیکھیں گے؟“ شاریہ رک رک کر بول رہی تھی۔ ”کاش...... کاش......“

”انسان کو اپنی جائز خواہشات کے لئے مسلسل دعا کرتے رہنا چاہئے۔“ قاضی ابن عرسون نے

باوقار لہجے میں کہا۔ ’’پھر جب اس کی دعا کے خلاف آسمانی فیصلہ ظاہر ہو جائے تو انسان کو صبر و شکر سے کام لینا چاہئے۔ مشیت الٰہی یہی تھی کہ میں آنکھوں سے محروم ہو جاؤں۔ میں اندھا کہاں ہوں؟ میری روشنی تو یوسف ہے...... تم ہو...... سیکڑوں شاگرد ہیں۔ کسی کے خدوخال آنکھوں میں نہیں، دل میں نقش ہوتے ہیں۔ حقیقی روشنی تو دل کی روشنی ہے جب یوسف آئے گا تو میں اسے پہچان لوں گا۔‘‘

استاد گرامی کی بات سن کر شاریہ کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی گہرے غار میں گرنے والی تھی اور اچانک نادیدہ ہاتھوں نے اسے تھام لیا ہو۔

......}......☆......{......

یوسف (صلاح الدین) کے انتخاب پر مصری امراء نے اپنے شدید ردعمل کا اظہار کیا تھا۔ ابوجعفر اور علی ناصری تنہائی میں خلیفہ عاضد سے ملے اور اپنی جاں نثاریوں کے قصے سناتے ہوئے بولے۔

’’امیر المومنین! کیا ہم نے اس دن کیلئے سرزمین مصر کو اپنا خون پلایا تھا کہ جب فصل تیار ہو جائے تو اسے ہمارا بدترین دشمن کاٹ کر لے جائے۔‘‘

خلیفہ عاضد نے چونک کر اپنے دونوں امراء کی طرف دیکھا۔ وہ ابوجعفر اور علی ناصری کی بات سمجھنے سے قاصر تھا۔ ’’کیا تم نشاندہی کر سکتے ہو کہ ہمارا بدترین دشمن کون ہے؟‘‘

ابوجعفر نے انتہائی مکاری کا مظاہرہ کیا۔ چند لمحوں تک ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر آگے کی طرف جھک کر سرگوشی کے انداز میں کہنے لگا۔ ’’یوسف جسے آپ نے مصر کا وزیراعظم نامزد کیا ہے اور جس کی پشت پر سلطان نورالدین زنگیؒ کا ہاتھ ہے۔ بڑی عجیب بات ہے کہ آپ نے اپنا پورا گھر ایک جاسوس کے حوالے کر دیا ہے۔‘‘

خلیفہ عاضد نے اپنے دونوں امراء کی بات بہت غور سے سنی۔ پھر بہت نرم اور سیاسی لہجے میں انہیں سمجھایا۔ ’’یہ ایک عارضی انتظام ہے چونکہ یوسف نے مصر کے عوام کو شاور جیسے ظالم و سفاک انسان سے نجات دلائی ہے...... اس لئے لوگوں کے دلوں پر اس کی شخصیت کے خوشگوار اثرات موجود ہیں اگر ایسے موقع پر یوسف کو ہٹایا گیا تو مصر کی رعایا کو گراں گزرے گا۔ کچھ دن گزر جانے دو جب لوگوں کے جذبات ٹھنڈے ہو جائیں گے تو سلطان نورالدین زنگیؒ کا جاسوس بھی۔‘‘ خلیفہ عاضد نے قصداً اپنی بات ادھوری چھوڑ کر ابوجعفر اور علی ناصری کو بہلانے کی کوشش کی۔

ان دونوں اقتدار کے بھوکوں نے خلیفہ عاضد کے ادھورے جملے کا یہی مطلب لیا کہ ان کی چال کامیاب ہو گئی ہے اور یوسف (صلاح الدین) کا قصہ پاک ہو جائے گا۔ یہ سوچتے ہوئے ابوجعفر اور علی ناصری خلیفہ کی خلوت گاہ سے اٹھ کر چلے گئے۔

دوسرے دن مصر کا روحانی پیشوا باربک خلیفہ عاضد سے تنہائی میں ملا۔ اس کے رعب و جلال کا یہ عالم تھا کہ خلیفہ اپنی نشست سے کھڑا ہو گیا اور اس نے آگے بڑھ کر باربک کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ باربک نے انتہائی ریاکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے خلیفہ عاضد کے سر پر ہاتھ رکھ دیا ’’امیر المومنین کی عمر دراز ہو اور اقتدار عالیہ نسل در نسل منتقل ہوتا رہے۔‘‘

خلیفہ عاضد نے باربک کا شکریہ ادا کیا پھر دونوں بیٹھ گئے۔ ’’آپ نے کیسے زحمت کی؟‘‘ خلیفہ عاضد نے باربک سے سوال کیا۔

یکایک باربک بہت زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔ ’’کسی گمراہ انسان کا مصر کی وزارت عظمیٰ پر فائز ہونا نہایت ہی برا شگون ہے۔‘‘ باربک نے یوسف (صلاح الدین) کا نام لئے بغیر کہا۔ اگر یہ بدعت کچھ دن اور جاری رہی تو محلات شاہی پر عذاب آسمانی بھی نازل ہو سکتا ہے۔‘‘ باربک کا لہجہ بتدریج پر جلال ہوتا جا رہا تھا۔ ’’پھر میری دعائیں بھی کسی کام نہیں آسکتیں۔ وقت سے پہلے خبردار کر رہا ہوں۔‘‘

’’یہ میری سیاسی مجبوری ہے۔‘‘ خلیفہ عاضد نے عاجزانہ لہجے میں کہا۔

’’کیسی مجبوری؟‘‘ باربک نے اپنے روحانی جلال کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ’’آج ہی میرا کوئی فدائی یوسف (صلاح الدین) کا کام تمام کر دے گا۔‘‘

یہ سن کر خلیفہ عاضد خوفزدہ ہو گیا۔ ’’نہیں پیشوائے محترم...... ایسا ہرگز نہ کرنا۔ اگر یوسف (صلاح الدین) مصر میں قتل ہو گیا تو قیامت آجائے گی۔ سلطان نورالدین زنگیؒ میری سلطنت کو تباہ و برباد کر ڈالے گا۔‘‘

’’اگر تم یوسف کا قتل نہیں چاہتے تو اسے آج ہی برطرف کر دو۔‘‘ باربک نے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔ ’’علی ناصری تمہارا بہترین مددگار ثابت ہوگا۔‘‘

خلیفہ عاضد باربک کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر سہم سا گیا۔ ’’بس کچھ دن انتظار کر لیں۔ وہ نوجوان ہے جوش جوانی اور وزارت عظمیٰ کے نشے میں اس سے یقیناً کوئی غلطی سرزد ہوگی اور بس وہی اس کا آخری دن ہوگا۔‘‘

’’جلدی کرو۔ تمہارے پاس زیادہ مہلت نہیں ہے۔‘‘ یہ کہتا ہوا باربک کھڑا ہو گیا۔ ’’اگر یوسف سے کوئی غلطی سرزد نہ ہو تب بھی تم اس کے کام میں عیب تلاش کر کے اسے مصر سے رخصت کر دو۔‘‘

خلیفہ عاضد نے آگے بڑھ کر باربک کو رخصتی بوسہ دیا اور بڑے فرمانبردارانہ لہجے میں کہا۔ ’’ایسا ہی ہوگا محترم۔‘‘

جب باربک خلیفہ کی خلوت گاہ سے نکل کر چلا گیا تو عاضد نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ ’’پہلے میں تم لوگوں کا انتظام کروں گا۔ پھر یوسف کی باری آئے گی۔‘‘ یہ کہتے کہتے خلیفہ عاضد کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔

خلیفہ عاضد خود بھی باطنیوں کے ایک فرقے سے تعلق رکھتا تھا اور اس کے دل میں بھی دوسرے باطنیوں کی طرح اہلِ ایمان کے لئے شدید نفرت کے جذبات موجود تھے مگر حالات نے اسے ایک انتہائی نازک موڑ پر پہنچا دیا تھا۔ ایک طرف یروشلم کے عیسائی اس کی حکومت کو حریصانہ نظروں سے دیکھ رہے تھے اور دوسری طرف ابوجعفر اور علی ناصری مصر پر قبضہ کرنے کی سوچ رہے تھے۔ الغرض خلیفہ عاضد کے اقتدار اور زندگی کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا تھا اور فوج کئی حصوں میں تقسیم ہو گئی

تھی۔ ہر امیر کا ایک الگ فوجی دستہ تھا۔ صرف یوسف (صلاح الدین) ایک ایسا شخص تھا جس کی اپنی فوج نہیں تھی۔ یہی سوچ کر خلیفہ عاضد نے اسے وزیراعظم بنایا تھا کہ وہ بغاوت بھی نہ کر سکے گا۔ اور اس کی مرضی کے مطابق کام کرتا رہے گا۔ پھر جب وہ اندرونی دشمنوں پر قابو پا لے گا تو یوسف (صلاح الدین) کو بھی برطرف کر دے گا۔ یہی وہ خفیہ منصوبہ بندی تھی جسے خلیفہ عاضد نے اپنے قریبی مشیروں پر بھی ظاہر نہیں کی تھی۔

......}......☆......{......

پورا مصر اندرونی سازشوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اسی نازک فضا میں فقیہہ ضیاء الدین عیسیٰ قصر وزارت پہنچ کر یوسف (صلاح الدین) سے ملے۔ یوسف اس راز سے باخبر تھا کہ فقیہہ ضیاء الدین عیسیٰ ہی نے اپنی دانشمندی سے اس کی وزارت عظمیٰ کے لئے راہ ہموار کی تھی۔ اس لئے وہ اس نامور عالم کی دل سے بہت قدر کرتا تھا پھر جب یوسف (صلاح الدین) کو ضیاء الدین عیسیٰ کی آمد کی خبر دی گئی تو وہ ان کے استقبال کیلئے قصر وزارت کے دروازے تک آیا اور بڑی عقیدت و احترام کا مظاہرہ کیا۔

پھر فقیہہ ضیاء الدین عیسیٰ نے مکمل تنہائی میں یوسف (صلاح الدین) سے کہا۔ ''نوجوان میں نے تمہاری حمایت اس لئے کی تھی کہ مجھے تمہارے روشن چہرے پر مومنانہ فراست کے آثار نظر آتے ہیں...... حق تعالیٰ میری اس خوش گمانی کو برقرار رکھے۔''

''میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت و توفیق بخشے کہ کوئی اہلِ ایمان میری طرف سے بدگمان نہ ہو۔''

''میرے عزیز...... تمہیں معلوم ہے کہ مصر میں اہلِ ایمان کی کیا حالت ہے؟'' یہ کہتے کہتے فقیہہ ضیاء الدین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''یہاں جو حق کے نام لیوا ہیں ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا ہے۔ وہ اپنے گھروں میں منہ چھپائے پڑے ہیں اور گمراہوں کی مختلف جماعتیں مذہب کی قباء پہن کر دین حنیف پر برسوں سے مشق ستم کر رہی ہیں۔ ان جادوگروں نے اپنی شعبدہ بازیوں سے مذہب کو ایک تماشا بنا ڈالا ہے۔ اور ملت اسلامیہ کے اتحاد کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔ زمانے گزر گئے کہ یہاں کی فضاؤں میں شدید حبس کا عالم ہے۔ اہلِ ایمان کا دم گھٹا جاتا ہے مگر نہ کوئی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آتا ہے اور نہ بارش ہوتی ہے۔ اس سے پہلے کہ تمام کلمہ گو پیاسے مر جائیں تم منافقت کے اس صحرا پر ابر کرم بن کر برس جاؤ۔ ورنہ اللہ بے نیاز ہے۔ وہ تمہاری جگہ کسی اور کو لے آئے گا۔''

فقیہہ ضیاء الدین کے بہتے ہوئے آنسوؤں اور پُر درد لہجے نے یوسف (صلاح الدین) کو بھی رلا دیا۔

پھر فقیہہ ضیاء الدین عیسیٰ جانے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ رخصت ہوتے وقت مصر کے مشہور عالم نے یوسف (صلاح الدین) کو گلے لگایا اور اس کے ماتھے کو بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ ''یہاں اپنے دل کا راز کسی سے نہ کہنا اور گرد و پیش پر گہری نظر رکھنا۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔''

ناصر کے لفظ پر یوسف (صلاح الدین) چونک اٹھا۔ خلیفہ عاضد نے اسے وزارت عظمیٰ کا منصب

دیتے ہوئے ''الملک الناصر'' کا خطاب بھی دیا تھا۔

فقیہہ ضیاء الدین عیسیٰ کے جانے کے بعد یوسف (صلاح الدین) کی زبان پر بے اختیار یہ کلمات جاری ہو گئے۔ ''اے اللہ میں تیری بخشی ہوئی نصرت پر یقین رکھتا ہوں۔ تو مجھے اپنے غمزدہ بندوں کی خدمت کا موقع عطا فرما اور مجھے اس اجنبی دیار میں بے یار و مددگار نہ چھوڑ کہ ہم عاجز بندوں کا تیرے سوا کوئی سہارا نہیں۔''

دوسرے دن یوسف (صلاح الدین) عالم اسلام کے مایہ ناز فقیہہ اور محدث حضرت امام شافعیؒ کے مزار مبارک پر حاضر ہوا۔ حضرت امام شافعیؒ کا روضۂ مبارک قاہرہ میں ہے۔ کچھ دن پہلے یوسف (صلاح الدین) نے اسی علاقے سے شاور جیسے غدار ملت کو گرفتار کر کے اسے عبرتناک انجام تک پہنچایا تھا۔ یوسف بہت دیر تک حضرت امام شافعیؒ کے لئے ایصال ثواب کرتا رہا پھر اس نے یوں دعا مانگی۔

''اے اللہ...... میں تجھ سے تیرے بے پناہ فضل و کرم کا سوال کرتا ہوں۔ اگر میں ان فتنہ گروں پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا تو گمراہوں کی اس سرزمین پر تیرا حقیقی دین نافذ کر کے چھوڑوں گا۔''

فقیہہ ضیاء الدین عیسیٰ سے ملاقات کے بعد یوسف (صلاح الدین) ایک عجیب ذہنی انقلاب سے دوچار ہو گیا تھا۔ اب تک وہ سلطان نور الدین زنگیؒ اور اسد الدین شیر کوہ مرحوم کے ساتھ صلیبیوں سے جنگ کرتا رہا تھا جو اسلام کے کھلے ہوئے دشمن تھے مگر فقیہہ ضیاء الدین عیسیٰ نے ایک ہی ملاقات میں یوسف (صلاح الدین) کو یہ نکتہ سمجھا دیا تھا۔ بیرونی کے مقابلے میں اندرونی دشمن زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ جب تک گھر میں چھپے ہوئے قزاقوں کا قلع قمع نہیں کیا جائے گا، اس وقت تک ملت اسلامیہ کا استحکام ممکن نہیں۔ یوسف (صلاح الدین) نے فقیہہ ضیاء الدین کی یہ بات اپنے ذہن کی گہرائیوں میں اتار لی تھی۔ اور پھر وہ حضرت امام شافعیؒ کے مزار پر حاضر ہو کر اپنے اللہ سے ایک عہد بھی کر آیا تھا۔

واضح رہے کہ مصر میں حضرت امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کرنے والے والوں کی اکثریت تھی۔ مگر باطنیوں نے برسر اقتدار آ کر چاروں مسلکوں کے ماننے والوں کو شدید نقصان پہنچایا تھا۔

پھر اسی رات یوسف (صلاح الدین) نے ایک عجیب خواب دیکھا۔ وہ ایک لق و دق صحرا میں اکیلا کھڑا ہے۔ دور دور تک نہ کوئی انسان نظر آتا ہے...... نہ کوئی درخت...... نہ کوئی چشمہ...... یوسف (صلاح الدین) حیران و پریشان کھڑا ہے کہ وہ کس سے راستہ پوچھے۔ اور کہاں جائے؟ یکایک اسے ایک پُرجلال آواز سنائی دیتی ہے جس کی گرج سے پورا صحرا گونجنے لگا۔

''اگر ہدایت چاہتا ہے تو مخلوق خدا کی خدمت کر...... تجھے راستہ مل جائے گا۔''

اس آواز کی گونج سے یوسف (صلاح الدین) کی آنکھ کھل گئی۔ اس وقت قریب کی مسجد میں فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ یوسف (صلاح الدین) کچھ دیر تک مؤذن کی زبانی اللہ کی کبریائی کا بیان سنتا رہا۔ پھر اس نے وضو کیا اور مالک حقیقی کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا۔

......}......☆......{......

دوسرے دن مصر میں ایک مسرت انگیز ہنگامہ برپا ہو گیا۔ جس نے یہ خبر سنی وہ کچھ دیر کیلئے حیرت و سکوت کا مجسمہ بن کر رہ گیا۔ یوسف (صلاح الدین) کا چچا اسدالدین شیر کوہ ایک عظیم سپہ سالار اور جانباز مجاہد تھا مگر اس میں ایک بڑی کمی یہ تھی کہ وہ دولت کی طرف بہت زیادہ رجحان رکھتا تھا۔ اس نے بے شمار جنگیں لڑی تھیں اور بے شمار مال غنیمت جمع کیا تھا۔ اسدالدین شیر کوہ کے ذاتی خزانے میں قیمتی جواہرات اور سونے چاندی کے ڈھیر لگے تھے۔ سب سے پہلے یوسف (صلاح الدین) نے اپنے چچا کے نادر جواہرات نیلام میں رکھے جس سے لاکھوں دینار حاصل ہوئے۔ پھر اس نے مصری فوج کے تمام سپاہیوں کو ایک طویل و عریض میدان میں جمع کر کے اثر انگیز تقریر کی۔

''لائق احترام ہیں وہ مجاہد جو ملکی سرحدوں کی حفاظت کیلئے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرتے ہیں۔ میں ان تمام جانبازوں کو سلام پیش کرتا ہوں۔'' یوسف (صلاح الدین) نے میدان میں جمع ہزاروں مصری فوجیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے اندازہ ہے کہ میرے سپاہیوں کے ہاتھ کتنے تنگ ہیں۔ اور ان کی ضرورتیں کتنی زیادہ ہیں؟'' یہ کہہ کر یوسف (صلاح الدین) خاموش ہو گیا اور سپاہیوں کے چہروں کا جائزہ لینے لگا۔

مصری سپاہی وزیر اعظم کے خراج تحسین سے بہت خوش نظر آ رہے تھے۔

پھر یوسف (صلاح الدین) نے ایک عجیب اعلان کیا جسے سن کر مصری فوجیوں کو اپنی سماعتوں پر شک ہونے لگا۔ ''میں جانباز سپاہیوں کی قربانیوں کا صلہ دینے کیلئے اپنے گھر سے ابتداء کرتا ہوں۔ میرے چچا نے جس قدر خزانہ جمع کیا تھا، آج اسے فوجیوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ مصر کے باقی امراء بھی آگے بڑھیں اور شہید ہو جانے والے سپاہیوں کے گھر والوں کی کفالت کریں۔''

اس کے ساتھ ہی یوسف (صلاح الدین) نے مصر کے خزانے سے بھی ایک بڑی رقم نکال کر فوجیوں میں تقسیم کر دی۔ اور مضبوط اعصاب رکھنے والے نوجوانوں کو فوج میں شامل ہونے کی دعوت دیتے ہوئے کہا۔

''ہمارے سب سے بڑے دشمن صلیبی ہیں...... اگر اسدالدین شیر کوہ اپنی جان پر کھیل کر عیسائیوں کا مقابلہ نہ کرتے تو اب تک مصر پر شاہ یروشلم کا قبضہ ہو چکا ہوتا...... پھر تمہارے مرد قتل کئے جا چکے ہوتے یا زنداں میں قیدیوں کی زندگی گزار رہے ہوتے۔ بوڑھے شاہراہوں اور گلیوں میں پڑے سسک رہے ہوتے۔ اور تمہاری عفت مآب خواتین صلیبیوں کی کنیزیں بنائی جا چکی ہوتیں۔ اگر تم عزت و آبرو کی زندگی چاہتے ہو تو سپاہی بن کر وطن کے ساتھ اپنے گھروں کی بھی حفاظت کرو۔''

یوسف (صلاح الدین) کی اس جذباتی تقریر نے پورے مصر میں آگ لگا دی تھی۔ خلیفہ عاضد کی ساری باقاعدہ فوج یوسف کی ہمنوا ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی ہزاروں جوان فوج میں بھرتی ہونے لگے۔ ان نوجوانوں کا تعلق حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک سے تھا جنہیں باطنیوں نے ایک طویل عرصے سے دبا رکھا تھا۔ آج یوسف

(صلاح الدین) نے انہیں نیا حوصلہ بخشا تھا۔ اس لئے وہ اپنے گھروں سے نکل کر فوجی تربیت گاہ میں داخل ہو گئے۔ انتہائی مختصر عرصے میں یوسف (صلاح الدین) کے گرد جاں نثاروں کی ایک بڑی تعداد جمع ہو گئی۔

خلیفہ عاضد نے بڑی حیرت و اذیت کے ساتھ اس انقلاب کو دیکھا۔ وہ یوسف (صلاح الدین) کو معزول کرنا چاہتا تھا مگر وقت کی رفتار اس کی چالوں سے کہیں تیز تھی اور بازی اس کے ہاتھ سے نکل چکی تھی۔

خلیفہ عاضد کے ساتھ بار بک بھی بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔ اس کی منافقانہ روحانیت کی بنیادیں بھی کانپ رہی تھیں۔ بار بک کو اندازہ نہیں تھا کہ بیس بائیس سال کا یہ نوجوان اس قدر ذہین اور ذہین ثابت ہوگا۔ آخر اس نے مصری امراء ابو جعفر اور علی ناصری کے ساتھ مل کر یوسف (صلاح الدین) کے قتل کا منصوبہ تیار کر لیا۔

ابو جعفر اور علی ناصری بڑی حیرت سے بار بک کا منہ دیکھ رہے تھے۔

''پیشوائے اعظم...... یوسف کا قتل اتنا آسان نہیں ہے۔'' ابو جعفر کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔ اور الفاظ اس کی زبان سے ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے۔

''اگر تم سے یوسف قتل نہ ہو سکا تو پھر تم دونوں اپنی اپنی موت کیلئے تیار رہو۔'' بار بک نے انتہائی پر جلال لہجے میں کہا۔ ''کل رات میں نے اپنے پیر و مرشد کو خواب میں دیکھا۔ وہ میری طرف پشت کئے کھڑے تھے۔ میں بار بار عرض کر رہا تھا مگر پیر و مرشد میری طرف نہیں دیکھ رہے تھے۔ پھر جب میں نے ان کے سامنے جانے کی کوشش کی تو انہوں نے میری طرف پشت کر لی۔ یہ عمل کئی بار دہرایا گیا۔ مگر ہر بار پیر و مرشد نے میری طرف منہ پھیر لیا۔ اب مجھ سے ان کی یہ بے رخی برداشت نہ ہو سکی۔ میں گھبرا کر پیر و مرشد کے قدموں سے لپٹ گیا اور رو رو کر عرض کرنے لگا۔

''اے میرے پیر و مرشد...... آخر مجھ سے ایسی کونسی غلطی ہوئی ہے کہ آپ نہ میری طرف دیکھنے کے روادار ہیں۔ اور نہ میری التجا سنتے ہیں۔''

بہت دیر بعد پیر و مرشد نے میری طرف قہرناک نظروں سے دیکھا اور انتہائی نفرت آمیز لہجے میں فرمایا۔ ''تم گناہ گار لوگ جانتے ہو کہ میں کس عذاب سے گزر رہا ہوں۔ اگرچہ خداوند نے مجھے جنت عطا کی ہے۔ لیکن میرے جسم و جان دوزخ کی آگ میں جل رہے ہیں۔''

میں نے گریہ و زاری کرتے ہوئے پیر و مرشد سے اس کی وجہ پوچھی تو جواب میں فرمایا۔ ''تم نے میری ساری روحانیت اور ریاضت برباد کر کے رکھ دی۔ وہ گمراہ یوسف مصر میں داخل کیسے ہوا؟ جتنی جلدی ممکن ہو اسے یہاں سے نکال دو۔ ورنہ میری روح پر یہ عذاب مسلسل نازل ہوتا رہے گا۔ اس سلسلے میں میرا کوئی بھی پیروکار اگر کوتاہی یا غفلت شعاری سے کام لے گا۔ اسکے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں ہلاکت و رسوائی ہے۔''

''اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔'' بار بک نے اپنا خواب بیان کرتے ہوئے کہا۔ وہ شیطان حسن

بن صباح کا ماننے والا تھا۔ اسلئے اسے پیرو مرشد کے نام سے یاد کرتا تھا۔ باربک اس راز سے باخبر تھا کہ حسن بن صباح ایک بار مصر بھی آیا تھا۔ مگر اسکی ریشہ دوانیاں دیکھ کر اس دور کے خلیفہ نے اسے مصر سے نکال دیا تھا۔ ماضی کے اسی پس منظر میں باربک نے یہ جھوٹا خواب تراشا تھا تا کہ ابو جعفر اور علی ناصری گھبرا کر یوسف (صلاح الدین) پر حملہ کر دیں۔ اور سلطان نور الدین محمود زنگی کے نائب کا قصہ تمام ہو جائے۔ باربک کو اندیشہ تھا کہ کہیں یوسف (صلاح الدین) اس کے خانقاہی نظام سے واقف نہ ہو جائے۔ اور پھر جوش انتقام میں اسکی بنیادیں نہ کھدوا دے۔ اسلئے وہ بار بار ابو جعفر اور علی ناصری کو یوسف (صلاح الدین) کے قتل پر اکسا رہا تھا۔

آخر بہت دیر تک طویل بحث و مباحثے کے بعد طے کیا گیا کہ جس روز یوسف (صلاح الدین) سیر و شکار کے لئے جنگل کی طرف جائے، فدائیوں کا ایک مسلح گروہ چھپ کر کسی کمیں گاہ میں بیٹھ جائے۔ پھر موقع ملتے ہی اس پر جان لیوا وار کر دے۔ باربک، ابو جعفر اور علی ناصری نے بہت غور و فکر کے بعد یوسف (صلاح الدین) کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ خوفناک منصوبہ بنایا تھا۔ وہ تینوں اچھی طرح جانتے تھے کہ یوسف (صلاح الدین) شکار کا بہت شوقین تھا۔ جب وہ خلیفہ عاضد کی دعوت پر شاور کا زور توڑنے کیلئے اپنے چچا اسد الدین شیر کوہ کے ساتھ مصر آیا تھا ...... تو فارغ اوقات میں بہت جوش و خروش کے ساتھ شکار کھیلتا تھا۔ کئی کئی دن تک تاریک جنگل میں خیمہ لگاتا۔ اور انتہائی پُر خطر راستوں پر اپنا شکار تلاش کرتا۔ یوسف (صلاح الدین) کے اس شوق کو دیکھ کر باربک، ابو جعفر اور علی ناصری نے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ کسی تاریک جنگل میں بڑی آسانی کے ساتھ ان کا شکار ہو جائے گا۔

اپنے اسی منصوبے کے تحت ابو جعفر اور علی ناصری نے پندرہ ایسے فدائین کو تلاش کر لیا جو شمشیر زنی اور تیر اندازی میں ماہر تھے۔ پھر ان دونوں مصری امیروں نے گداگروں کے بھیس میں اپنے دو جاسوس چھوڑ دیئے۔ جو دن کے وقت قصر وزارت کے قریب کاسہ گدائی لئے گھومتے رہتے تھے۔ اور ادھر آنے جانے والوں کے سامنے دست سوال دراز کرتے تھے۔ یہ جاسوس اس لئے مقرر کئے گئے تھے اگر یوسف (صلاح الدین) شکار کیلئے قصر وزارت سے نکلے تو فوری طور پر ابو جعفر اور علی ناصری کو اطلاع دی جائے۔

دونوں جاسوس بڑی مستعدی اور پابندی سے اپنے کام میں مصروف تھے ...... ان کا خیال تھا کہ وہ بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ مگر ان دونوں کو یہ نہیں معلوم تھا کہ وزارت عظمٰی کا منصب سنبھالنے کے بعد یوسف (صلاح الدین) نے شکار کا شوق بالکل ترک کر دیا تھا۔ کبھی کوئی دوست گزشتہ باتیں یاد دلاتا تو یوسف (صلاح الدین) بہت سنجیدہ لہجے میں کہتا۔

''یہ ساری بچپن کی عادتیں تھیں۔ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔''

دوست بے تکلفانہ انداز میں کہتا۔ ''ابھی تو تمہاری جوانی بھی شروع نہیں ہوئی ہے۔ اور تم ضعیفی کی باتیں کر رہے ہو۔'' اس وقت یوسف (صلاح الدین) کی عمر بیس اور بائیس سال کے درمیان تھی۔

''تمہیں کیا معلوم کہ مجھ پر بندگان خدا کی کتنی ذمے داریاں ہیں؟'' یوسف (صلاح الدین) کے لہجے کی سنجیدگی کچھ اور نمایاں ہو جاتی۔ ''اس بوجھ کو اٹھاتے اٹھاتے میرے کاندھے شل ہوئے جاتے ہیں اور کمر ٹوٹی جاتی ہے۔ ہر وقت ڈرتا رہتا ہوں کہ کہیں کسی کی حق تلفی نہ ہو جائے اور میں اس کے عذاب میں پکڑ لیا جاؤں۔''

خلیفہ عاضد ایک رنگین مزاج انسان تھا۔ وہ شراب بھی پیتا تھا اور رقص و سرود کی محفلیں بھی سجاتا تھا۔ جن میں مصر کے امراُ اور دیگر معززین بڑے ذوق و شوق سے شریک ہوتے تھے۔ خلیفہ عاضد نے کئی بار یوسف (صلاح الدین) کو بزم کیف و نشاط میں شریک ہونے کی دعوت دی تھی مگر یوسف (صلاح الدین) نے بڑی ذہانت کے ساتھ یہ کہتے ہوئے معذرت کر لی تھی۔

''خلیفہ محترم! یہ میرا مزاج بھی نہیں۔ اور پھر میرے فرائض مجھے اس تفریح کی اجازت بھی نہیں دیتے۔''

یوسف (صلاح الدین) کا انکار سن کر خلیفہ عاضد دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا رہتا۔ مگر زبان سے کچھ نہیں کہتا تھا۔ دراصل یہ خلیفہ کی ایک انتہائی خطرناک چال تھی۔ وہ یوسف (صلاح الدین) کو شراب کا عادی بنانا چاہتا تھا تا کہ یہ صالح نوجوان جلد از جلد تباہ ہو جائے۔ یوسف کی احتیاط کا یہ حال تھا کہ وہ خلیفہ کی دعوت مشروب و طعام میں بھی بہت کم شریک ہوتا تھا۔ اور یہ ساری احتیاطیں اسلئے تھیں کہ جیسے ہی یوسف نے وزارت عظمٰی کا منصب سنبھالا تھا، اس کے چند روز بعد ہی دمشق سے سلطان نور الدین زنگی کا ایک معتمد قاصد مصر پہنچا تھا۔ اور پھر اس نے تنہائی میں سلطان عادل کا ایک خط یوسف (صلاح الدین) کے حوالے کیا تھا۔ اس خط میں مندرجہ ذیل عبارت درج تھی۔

''یوسف ...... تم پر اللہ کی سلامتی ہو۔ یہ بہت ہی عجیب بات ہے کہ میں ایک ہی وقت میں دو متضاد کیفیات سے دوچار ہوں۔ ایک طرف مجھے تمہارے چچا اسد الدین شیر کوہ کی موت کا بے پناہ غم ہے۔ اور دوسری طرف تمہارے وزیر اعظم بننے کی بے اندازہ مسرت ...... اب تم بہت غور سے میری کچھ باتیں سنو اور ان پر پورا پورا عمل کرو۔ اگر تم نے اس سلسلے میں ذرا بھی کوتاہی سے کام لیا تو تمہاری ذات کو شدید نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اور یاد رکھو تمہارا نقصان میرا نقصان ہے۔ آج تم پر یہ حقیقت اور سچائی پوری طرح واضح ہو جانا چاہئے کہ تم مصر کی سرزمین پر میرے نمائندۂ خاص ہو۔ میں دنیاوی اقتدار کا منکر نہیں ہوں۔ مگر میں اس مادی طاقت کو اپنے مقصد تک پہنچنے کا ایک خاص ذریعہ سمجھتا ہوں۔ اور میرا ایک ہی مقصد ہے کہ ملت اسلامیہ کو عیسائیوں اور یہودیوں کی یورشوں سے محفوظ کر دوں۔ پھر وہ وقت بھی آئے کہ مجھے بیت المقدس میں داخل ہونے کی سعادت حاصل ہو سکے۔ میں نے زندگی بھر ایک ہی خواب دیکھا ہے۔ اور اب یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اس خواب کی تعبیر ملنے کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔ بیت المقدس تک پہنچنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ مصر پر ہماری گرفت مکمل ہو جائے۔ مجھے یقین ہے کہ تم اس کار عظیم کو انجام دینے کیلئے اپنی عمر عزیز کا ایک لمحہ بھی برباد نہیں کرو گے۔ یقیناً تم بہترین شہسوار ہو اور چوگان کے عظیم کھلاڑی ...... مگر اب یہ کھیل تمہارے لئے مناسب

نہیں۔تمہارے اس شوق سے کوئی بھی دشمن فائدہ اٹھا سکتا ہے۔خلیفہ عاضد اور دیگر مصری وزراء کو کبھی اپنا دوست نہ سمجھنا کہ ان لوگوں نے تمہیں بڑے جبر کے عالم میں قبول کیا ہے۔ عام تماشوں اور تفریحوں میں کبھی شرکت نہ کرنا۔ اور آخری ہدایت یہ ہے کہ اپنے محافظ دستے میں شامل کئے جانے والے افراد کی خوب چھان بین کر لینا۔کہیں بدعقیدہ لوگ نقابیں پہن کر قریب نہ آ جائیں۔ اللہ تمہارا نگہبان ہو کہ اہلِ ایمان کیلئے بس اُس کا سہارا کافی ہے۔''

سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کا خط پڑھ کر یوسف (صلاح الدین) کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ سلطان عادل کی ان ہدایات کے بعد یوسف (صلاح الدین) نے اپنے گرد مصر کے ان صحیح العقیدہ نوجوانوں کو جمع کر لیا تھا جو ایک طویل عرصے تک باطنیوں کے جبر و تشدد کا شکار رہے تھے۔ ان نوجوانوں نے بڑی تیزی کے ساتھ فوجی تربیت حاصل کی تھی۔ اور ہر وقت سائے کی طرح یوسف (صلاح الدین) کے ساتھ رہتے تھے۔

☆

باربک، ابوجعفر اور علی ناصری کے جاسوس فقیروں کے بھیس میں کئی ہفتوں تک قصر وزارت کے چکر لگاتے رہے۔ مگر یوسف (صلاح الدین) ایک دن بھی شکار کے ارادے سے باہر نہیں نکلا۔ وہ جب بھی باہر آیا تو اپنے فوجی دستے کے ساتھ کسی علاقے کا دورہ کرنے کیلئے...... بالآخر باربک کا یہ منصوبہ ناکام ہو گیا۔ مصر کے انتظامی امور پر یوسف (صلاح الدین) کی گرفت مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ اسکے ساتھ ہی خلیفہ عاضد کی پریشانیوں میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اور ان پریشانیوں کا بنیادی سبب یوسف (صلاح الدین) کے حیرتناک اقدامات تھے۔

ایک دن یوسف نے قصر خلافت پر متعین فوجی دستے کو تبدیل کر دیا۔ یہ خلیفہ عاضد کے پرانے نمک خوار سپاہی تھے جو ہر وقت اس کی حفاظت کیلئے محل میں موجود رہتے تھے۔ مصر کے حکمران نے یوسف (صلاح الدین) کے اس اقدام پر سخت برہمی کا اظہار کیا۔ اور اسے تنہائی میں طلب کر کے غضبناک لہجے میں کہا۔

''تمہیں یہ حق کس نے دیا کہ تم میرے ذاتی حفاظتی دستے کو تبدیل کر دو؟''

''میں یہ سب کچھ آپ ہی کے حکم سے کر رہا ہوں۔'' یوسف (صلاح الدین) نے خلیفہ کی برہمی کو نظر انداز کرتے ہوئے انتہائی پرسکون لہجے میں کہا۔

''تم جھوٹ بولتے ہو۔'' خلیفہ عاضد کے چہرے پر شدید ناگواری کا رنگ ابھر آیا تھا...... اور اس کی آواز حد سے زیادہ اونچی ہو گئی تھی۔

''محترم چچا اسد الدین شیرکوہ کی وفات کے بعد میرے اور آپ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا۔'' یوسف (صلاح الدین) نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے باوقار لہجے میں کہا...... ''اور وہ معاہدہ یہ تھا کہ میں اقتدار کے ساتھ آپ کی جان کی حفاظت بھی کروں گا۔ میں اسی معاہدے کے تحت اپنا فرض انجام دے رہا ہوں۔''

''یہ کیسی فرض کی بجا آوری ہے کہ تم میرے معتبر محافظوں کو مجھ سے دور کر رہے ہو؟'' خلیفہ عاضد کا لہجہ بدستور غضبناک تھا۔

''جن محافظوں کو آپ اپنا وفادار سمجھ رہے ہیں، وہ دراصل غدار شاور کے آدمی ہیں۔'' یوسف (صلاح الدین) نے پُریقین لہجے میں کہا۔

یہ سن کر چند لمحوں کیلئے خلیفہ عاضد کا سارا غصہ کافور ہو گیا۔ اور اسکے چہرے پر خوف و دہشت کی پرچھائیاں لرزنے لگیں۔ پھر اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پایا۔ اور کسی قدر لرزتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تم یہ دعویٰ کس طرح کر سکتے ہو؟''

یوسف (صلاح الدین) نے فوراً ہی امیر عزالدین کو اس مخصوص کمرے میں طلب کر لیا جہاں یہ تلخ اور ناگوار گفتگو ہو رہی تھی، امیر عزالدین کمرے میں داخل ہوا اور خلیفہ عاضد کو سلام کر کے کھڑا ہو گیا۔

''امیر عزالدین! تم خلیفۃ المسلمین کو بتاؤ کہ شاور نے قتل ہونے سے پہلے کیا کہا تھا؟'' یوسف نے عزالدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''میں شاور سے پوری طرح معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا کہ حکومت کے کن کن شعبوں پر اسکے اثرات ہیں اور اسکے وفادار کہاں کہاں ہیں۔'' امیر عزالدین نے بصد احترام عرض کیا۔ ''مگر آپکی وجہ سے میرا کام نامکمل رہ گیا۔''

''میری وجہ سے؟'' خلیفہ عاضد نے حیران ہو کر کہا۔ اب غصے کی جگہ حیرت نے لے لی تھی۔

''آپ نے شاور کے قتل کرانے میں بہت عجلت کی۔'' امیر عزالدین کے لہجے میں احترام کے ساتھ شکایت کا رنگ بھی موجود تھا۔ ''آپ بار بار شاور کے قتل کا مطالبہ کر رہے تھے۔ میں نے آپ کے حکم سے مجبور ہو کر اس غدار کی گردن اڑا دی۔ اور سر کو طشت میں سجا کر آپ کے حضور میں پیش کر دیا۔ لیکن مرنے سے پہلے اس ملت فروش نے بڑی خوفناک بات کہی تھی۔''

یہ سن کر خلیفہ عاضد گھبرا گیا۔ اور اپنی نشست پر کھڑا ہو گیا۔ مجبوراً یوسف (صلاح الدین) کو بھی احتراماً اٹھنا پڑا۔ ''تم بات کو اتنا طول کیوں دے رہے ہو؟ جلدی بتاؤ کہ اس ضمیر فروش نے مرنے سے پہلے کیا کہا تھا۔'' خلیفہ عاضد کی آواز سے خوف اور غصہ دونوں نمایاں تھے۔

''شاور نے قتل ہونے سے پہلے کہا تھا کہ خلیفۃ المسلمین کو میری موت سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔'' امیر عزالدین نے انکشاف کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے اسکی وجہ پوچھی تو شاور نے جواب دیا کہ میرے بہت سے آدمی خلیفہ کے وفاداروں کی صف میں شامل ہیں۔ میرے مرنے کے بعد موقع ملتے ہی وہ امیر المومنین کو قتل کر دیں گے۔''

''میں شاور کی بات سن کر سناٹے میں آ گیا۔'' امیر عزالدین نے کسی قدر پریشان لہجے میں کہا۔

خلیفہ عاضد کے خوف میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

جب میں نے اپنی شمشیر بے نیام کی اور اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا تو شاور بہت زور سے چیخا۔ ''اگر خلیفۃ المسلمین میرے جرم کی معافی کا اعلان کریں۔ اور مجھے مصر سے جانے کی اجازت دے دیں تو

میں ان سارے غداروں کے نام بتا سکتا ہوں۔“

میں نے شاور کی چیخ سن کر اپنا اٹھا ہوا ہاتھ روک لیا۔ اور شاور سے کہا۔ ”پہلے تو ان غداروں کے نام بتادے، پھر تیری پیشکش پر غور کیا جاسکتا ہے۔“

شاور نے جواباً کہا۔ ”اب مجھے کسی پر اعتبار نہیں رہا۔ پہلے میرے اور خلیفۃ المسلمین کے درمیان جاں بخشی کا معاہدہ طے پائے گا پھر میں اپنے آدمیوں کے نام بتاؤں گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں انکے نام بتادوں اور بعد میں ان لوگوں کے ساتھ مجھے بھی قتل کردیا جائے۔“

میں نے شاور کی پیشکش پر کئی زاویوں سے غور کیا۔ وہ جھوٹ بول کر اپنی جان بھی بچا سکتا تھا۔“ امیر عزالدین نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔ ”پھر ایک بار خیال آیا کہ اسے آپ کی عدالت میں پیش کردیا جائے تاکہ ہمیں ان فتنہ گروں سے نجات مل جائے جو زیر زمین چلے گئے ہیں...... ابھی میں اسی کشمکش میں تھا کہ آپ کا آخری حکم آگیا کہ بلا تاخیر شاور کا سر کاٹ کر خلیفۃ المسلمین کے حضور میں پیش کردیا جائے۔ ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ ہم لوگ جان بوجھ کر حکم عدولی کررہے ہیں۔ اور غدار وطن کو پناہ دے رہے ہیں۔ مجبوراً میں نے شاور کی شدید التجاؤں کے باوجود اسے قتل کردیا۔“

خلیفہ عاضد اب بہت زیادہ خوفزدہ نظر آرہا تھا۔ ”تم نے یہ بات مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی؟“ اس نے امیر عزالدین کو مخاطب کرکے انتہائی جھنجلاہٹ کے لہجے میں کہا۔ ”وقت گزر جانے کے بعد اس قدر خوفناک سازش کی نشاندہی کررہے ہو؟“

”ابھی وقت گزرا نہیں ہے خلیفۃ المسلمین!“ امیر عزالدین نے مؤدبانہ عرض کیا۔ ”اسی لئے پیش بندی کے طور پر یہ تبدیلیاں کی جارہی ہیں۔“

خلیفہ عاضد خاموش ہوگیا۔ اسکے چہرے سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہے۔ پھر طویل سکوت کے بعد وہ اپنے وزیر اعظم یوسف (صلاح الدین) سے مخاطب ہوا۔ ”ان تبدیلیوں سے کیا فرق پڑے گا؟ کیا تم شاور کے ہمنواؤں کو تلاش کرسکو گے؟“ خلیفہ عاضد اب بھی ایک انجانے خوف سے متاثر نظر آرہا تھا۔

”ممکن ہے کہ طویل تحقیق اور جستجو کے بعد ہم شاور کے آدمیوں تک پہنچ جائیں۔“ یوسف (صلاح الدین) نے انتہائی ذہانت سے جواب دیا۔ ”فی الحال فوری طور پر یہ بندوبست اس لئے کیا جارہا ہے کہ خلیفۃ المسلمین کی ذات تمام خطرات سے محفوظ ہوجائے۔ براہ کرم اب آپ ان لوگوں کی نشاندہی کریں جن کی وفاداریاں تمام شکوک وشبہات سے بالاتر ہوں۔ اور وہ ہر حال میں اپنی جان آپ پر نثار کرسکیں۔“ یوسف (صلاح الدین) کی بات سن کر خلیفہ عاضد نے اپنی زرنگار کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی اور آنکھیں بند کرلیں۔

یوسف (صلاح الدین) نے ہاتھ کے اشارے سے امیر عزالدین کو بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ پھر دونوں کی نظریں خلیفہ عاضد کے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔

یوسف (صلاح الدین) اور امیر عزالدین نے مصر کے فرمانروا کی طرف بہت غور سے دیکھا۔ خلیفہ عاضد کی آنکھیں بند تھیں۔ اور ان کی انگلیاں اس طرح حرکت کررہی تھیں جیسے وہ کچھ شمار کررہا ہو۔ بار بار اسکے چہرے پر جھنجلاہٹ کے آثار ابھرتے تھے اور دوبارہ انگلیاں تیزی سے حرکت کرنے لگتی تھیں۔ کمرے پر مکمل سکوت کی فضا طاری تھی۔

کچھ دیر بعد خلیفہ عاضد نے آنکھیں کھول دیں۔ پھر سیدھا ہوکر یوسف (صلاح الدین) سے مخاطب ہوا۔

”میں نے دور تک نظریں دوڑائیں۔ بہت حساب لگایا۔ بہت حسن ظن سے کام لیا مگر اپنے صحیح جاں نثاروں کی تعداد پندرہ بیس سے زیادہ نظر نہیں آئی۔“ خلیفہ عاضد کے چہرے سے شدید مایوسی جھلک رہی تھی۔

”تو پھر ان جاں نثاروں کو ہر وقت اپنے قریب رکھئے۔“ یوسف (صلاح الدین) نے اپنی حکمت عملی کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ”باقی سپاہیوں کو شک کی بنیادوں پر قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ انہیں ملک کے مختلف تعمیری کاموں میں لگادیا جائے گا۔“

”تو کیا پندرہ بیس سپاہی ملک کی حفاظت کیلئے کافی ہوں گے؟“ خلیفہ عاضد نے انتہائی حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

”ہٹائے جانے والے سپاہیوں کی جگہ دوسرے محافظ تعینات کئے جائیں گے۔“ یوسف (صلاح الدین) نے اس طرح کہا جیسے وہ میدان جنگ میں دشمن کے مقابل اپنی فوج کو لڑا رہا ہو۔

”ان نئے سپاہیوں کی جاں نثاری کی ضمانت کون دے گا؟“ خلیفہ عاضد نے چونک کر کہا۔

”میں“ یوسف (صلاح الدین) نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے انتہائی پر یقین لہجے میں کہا ”وہ ایسے جانباز سپاہی ہوں گے جنہیں دیکھ کر موت بھی منہ پھیر لے گی۔ مگر وہ اپنے آگے بڑھتے ہوئے قدم پیچھے نہیں ہٹائیں گے۔“

اگر کوئی عام صورتحال ہوتی تو شاید خلیفہ عاضد اتنی جلدی یوسف (صلاح الدین) کے اس اقدام کی منظوری نہیں دیتا۔ مگر شاور کے آدمیوں کے خوف سے خلیفہ نے فوری طور پر اس تبدیلی کو قبول کرلیا۔ پھر وہ سپاہی جن پر خلیفہ عاضد نے اپنے بے پناہ اعتماد کا اظہار کیا تھا محل میں چھوڑ دیئے گئے۔ اور باقی فوجیوں کی جگہ دو ہزار نئے سپاہی قصر خلافت کی حفاظت پر متعین کردیئے گئے۔ یہ تمام سپاہی یوسف (صلاح الدین) کے جاں نثار تھے۔ اور انہوں نے فوج میں شامل ہونے سے پہلے خفیہ حلف اٹھایا تھا۔

”ہم اس ذات پاک کو حاضر و ناظر جان کر قسم کھاتے ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے لائے ہوئے مذہب کی حفاظت کیلئے اپنی جانوں کا حقیر نذرانہ بھی پیش کردیں گے۔“

اس ساری منصوبہ بندی میں یوسف (صلاح الدین) نے کسی عیاری سے کام نہیں لیا تھا۔ بلکہ شاور کے آخری الفاظ سے سیاسی فائدہ اٹھایا تھا۔ سلطان نورالدین محمود زنگی کی ہدایات کو بروئے کار

لانے کیلئے ضروری تھا کہ خلیفہ عاضد اور مصر کے دوسرے باطنیوں کی عسکری طاقت کو کمزور سے کمزور تر کر دیا جائے۔ اور یوسف (صلاح الدین) اپنی اس کوشش میں بحسن وخوبی کامیاب ہو گیا تھا۔
اگرچہ خلیفہ عاضد مصر کا مطلق العنان شہنشاہ تھا۔ مگر یوسف (صلاح الدین) نے بڑی ذہانت سے اس کے گرد اپنے سپاہیوں کا حصار کھینچ دیا تھا۔

☆

ادھر یوسف (صلاح الدین) اپنے منصوبے کے دھندلے خدوخال میں رنگ بھر رہا تھا۔ اور ادھر باریک نئی سازش کی لکیریں کھینچ رہا تھا۔ ان ہی دنوں یوسف (صلاح الدین) نے ایک نیا حکم جاری کیا تھا جس کے مطابق مصر کا کوئی امیر بھی وزیراعظم کی اجازت کے بغیر ملک کی سرحد سے باہر نہیں جا سکتا تھا۔ اسکے علاوہ یوسف نے اپنا مضبوط ترین شعبہ جاسوسی بھی قائم کیا تھا جس کے کارندے دن رات گھوم کر امراء کے یہاں آنے جانے والوں پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ابوجعفر اور علی ناصری کیلئے خصوصی طور پر نگران جاسوس مقرر کئے تھے۔ یہ دونوں باطنی امراء یوسف (صلاح الدین) کے نئے انتظامات سے انتہائی ناخوش تھے۔ ایک بار ان دونوں نے خلیفہ عاضد کی خدمت میں حاضر ہو کر یوسف (صلاح الدین) کی شکایت کرتے ہوئے کہا تھا۔
"آپ نے تو ہمیں قیدی بنا کر رکھ دیا ہے۔"
خلیفہ عاضد نے مصلحت وسیاست سے کام لیتے ہوئے ابوجعفر اور علی ناصری کو یہ کہہ کر ٹال دیا تھا کہ غدار شاور کی وجہ سے یہ ناخوشگوار قدم اٹھایا گیا ہے۔ کچھ دن بعد ملک کی سیاسی فضا صاف ہو جائے گی تو اس قسم کی ساری پابندیاں ہٹالی جائیں گی۔ خلیفہ عاضد نے ان دونوں مصری امراء پر ظاہر کر دیا تھا کہ اس ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے اسی کے حکم سے ہو رہا ہے۔ اب وہ ابوجعفر اور علی ناصری کو کس طرح بتاتا کہ وہ خود بھی اپنے آپ کو محصور سمجھ رہا ہے۔
ابوجعفر اور علی ناصری بظاہر خاموشی سے اٹھ کر چلے گئے۔ مگر ان کے دلوں میں یوسف (صلاح الدین) کے خلاف نفرت کا شدید طوفان اٹھ رہا تھا۔ ایک بار پھر باریک، ابوجعفر اور علی ناصری سر جوڑ کر بیٹھے...... اور یوسف (صلاح الدین) کو قتل کرنے کا نیا منصوبہ تراش لیا۔
دوسرے دن 25 فدائین اپنی رسوائی اور بربادی کا ماتم کرتے ہوئے قصر وزارت پر آئے۔ ان فدائین کا ظاہری حلیہ آفت زدہ لوگوں جیسا تھا۔ پرانے کپڑے جن میں جگہ جگہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ جنہیں دیکھنے والا پہلی ہی نظر میں اندازہ کر لیتا تھا کہ یہ انتہائی مفلوک الحال لوگ ہیں۔ بعض کے چہروں سے ہلکا ہلکا خون بھی بہہ رہا تھا جیسے وہ کسی کے جبر وتشدد کا شکار ہوئے ہیں۔
باریک کے فدائیوں نے قصر وزارت کے دروازے پر پہنچ کر انتہائی دلدوز اور جگر خراش آوازوں میں فریاد شروع کر دی۔
"خلیفۃ المسلمین! فریاد ہے۔ فریاد ہے۔ آپکے ہوتے ہوئے غریبوں کی بستی برباد ہے۔"
یہ شور ماتم اس قدر تیز تھا کہ قصر وزارت کے مسلح محافظ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ پھر جب ان

فریادیوں سے پوچھا گیا کہ تم کیوں روتے ہو تو انہوں نے اپنے بال نوچ ڈالے۔ اور چہرے پر خاک ملنے لگے۔
"تمہیں کیا بتائیں کہ ہم پر کیا گزری ہے۔ اگر ہو سکے تو ہمیں خلیفۃ المسلمین کے حضور میں پیش کر دو۔ پھر ہم انہیں بتائیں گے کہ انکے دور اقتدار میں ہم پر کیا قیامت توڑی جا رہی ہے۔"
"خلیفۃ المسلمین کسی سے نہیں ملتے۔" قصر وزارت کے ایک محافظ نے فریادیوں کو جواب دیتے ہوئے کہا۔
"پھر ہم اپنی فریاد لے کر کس کے پاس جائیں۔" ایک فریادی نے انتہائی دردناک لہجے میں کہا۔ "اگر خلیفۃ المسلمین شکستہ حالوں اور غمزدوں کی فریاد نہیں سنتے تو پھر اپنی تلواریں نکالو۔ اور ہمیں قتل کر ڈالو۔" یہ کہہ کر وہ فریادی مسلح محافظ کی طرف بڑھا اور اس کی تلوار نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔
محافظ نے بڑی مشکل سے اس فریادی کو روکا اور سمجھاتے ہوئے کہا۔ "اتنے مایوس نہ ہو۔ تمہاری فریاد وزیراعظم یوسف سنیں گے۔ اور تمہارے ساتھ پورا پورا انصاف کیا جائے گا۔ وہ بہت منصف و عادل انسان ہیں۔"
"تو پھر ہمیں ان ہی کے پاس لے چلو۔" دوسرے فریادی نے اپنے بال نوچتے ہوئے کہا۔
"ہماری بیٹیوں کی آبرو خطرے میں ہے۔"
ابھی دوسرے فریادی کی بات مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ تیسرے فریادی نے چیخ کر کہا۔ "قانون کے نگہبانو! اب تک تو ان کی عزتیں لٹ بھی چکی ہوں گی۔ انصاف سے بھی کیا ہوگا؟ ہمارے ناموس کا خون تو ہو چکا۔"
فریادیوں کی فریاد اس قدر لرزہ خیز تھی کہ قصر وزارت کے محافظ کانپ کر رہ گئے۔ پھر ان میں سے ایک محافظ بھاگتا ہوا عمارت کے اندر گیا۔ طویل راہداری طے کر کے جب یوسف (صلاح الدین) کے کمرے کے قریب پہنچا تو دروازے پر دو مسلح محافظ موجود تھے۔ آنے والے محافظ نے فریادیوں کی روداد بیان کی۔ یوسف (صلاح الدین) کا ذاتی محافظ خالد ابن عامر کمرے میں داخل ہوا۔ جہاں یوسف (صلاح الدین) اور اس کا معتمد ساتھی امیر عزالدین اہم سیاسی مسئلے پر گفتگو کر رہے تھے۔
خالد ابن عامر کو دیکھ کر یوسف (صلاح الدین) کے چہرے پر ناگواری کا رنگ ابھر آیا۔ مگر اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔
"امیر...... میں اس مداخلت کے لئے معافی چاہتا ہوں۔ مگر مجبوری یہ تھی کہ آپ کو اس خبر سے بے خبر نہیں رکھا جا سکتا تھا۔"
"کیسی خبر؟" یوسف (صلاح الدین) اور امیر عزالدین نے چونک کر محافظ کی طرف دیکھا۔
"کسی ظالم نے غریبوں کی ایک بستی کو تباہ کر دیا ہے۔ اسکے رہنے والے قصر وزارت کے دروازے پر کھڑے ہو کر چیخ رہے ہیں۔ اور بڑے دردناک لہجے میں خلیفۃ المسلمین کے انصاف کو آوازیں دے رہے ہیں۔"

یہ سن کر یوسف (صلاح الدین) کے چہرے پر اذیت وکرب کا رنگ نمایاں ہوگیا۔ اور مضطرب لہجے میں کہنے لگا۔ ''ان برباد حالوں کے نمائندے کو یہاں بھیج دو۔''

محافظ خاص خالد ابنِ عامر تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔

''امیر...... تم نے سنا؟'' یکایک یوسف (صلاح الدین) کا لہجہ غضبناک ہوگیا تھا۔ ''پوری انسانی بستی کو تباہ کر دینا ہمارے خلاف کھلی سازش ہے کہ اس طرح دشمن ہمیں ناکام ثابت کرنا چاہتا ہے۔''

امیر عزالدین کے چہرے پر بھی پریشانی کا رنگ ابھر آیا تھا...... ابھی وہ دونوں اس ہولناک خبر کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ یکایک دروازے پر ایک شور سا سنائی دیا۔ یوسف (صلاح الدین) کا محافظ خاص فریادیوں کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

''تم میں سے بس ایک آدمی اندر جا سکتا ہے۔''

جواب میں باقی فریادی چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے...... ''ہم سب اندر جائیں گے۔ اور وزیر اعظم کو اپنی حالت زار دکھائیں گے۔''

ابھی یوسف (صلاح الدین) اور امیر عزالدین صورتحال کو سمجھنے بھی نہ پائے تھے کہ ان فریادیوں نے تیزی سے اپنے پھٹے پرانے کپڑوں کے اندر چھپے ہوئے خنجر نکال لیے۔ دونوں محافظ اس آفت ناگہانی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ پھر جب تک وہ دونوں اپنی شمشیریں بے نیام کرتے باربک کے فدائیوں نے اپنے چمکتے خنجر سے یوسف (صلاح الدین) کے محافظین خاص پر حملہ کر دیا۔ اگرچہ بڑی ہنگامی صورتحال تھی لیکن محافظین نے اپنے ہوش وحواس نہیں کھوئے۔ وہ حملہ آوروں کا مقابلہ تو نہیں کر سکتے تھے مگر ان دونوں نے اپنے آپ کو دیوار بنا کر دروازے کے سامنے کھڑا کر دیا تھا۔ تمام فدائین ان دونوں پر مسلسل خنجروں کے وار کر رہے تھے۔ اور وہ اونچی آواز میں چیخ رہے تھے۔

''امیر...... آپ اندر سے دروازہ بند کر لیں۔ یہ فریادی نہیں، مسلح حملہ آور ہیں۔''

یہ سن کر یوسف (صلاح الدین) اور امیر عزالدین نے بڑی تیزی سے اپنی تلواریں بے نیام کیں۔ پھر امیر عزالدین نے آگے بڑھ کر دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

دونوں محافظ کچھ دیر تک چیختے رہے۔ پھر ان کی آوازیں بند ہوگئیں۔

اس کے بعد باربک کے فدائین نے مل کر پوری طاقت سے دروازے کو توڑنا چاہا...... مگر یہ ان کے بس کی بات نہیں تھی...... دروازہ اتنا مضبوط تھا کہ اسے آہنی گرز بھی بڑی مشکل سے توڑ سکتے تھے۔ یوسف (صلاح الدین) نے چند لمحوں میں اندازہ کر لیا کہ حملہ آور گرزوں سے لیس نہیں ہیں۔ یہ ایک اطمینان بخش صورتحال تھی۔ پھر بھی یوسف (صلاح الدین) اور امیر عزالدین دروازے کے قریب اس طرح شمشیر بدست کھڑے تھے جیسے عقاب اپنے شکار پر جھپٹنے کیلئے پر تول رہا ہو۔

تھوڑی دیر بعد راہداری میں دوڑتے ہوئے قدموں اور انسانی چیخوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ محافظین کی آوازیں سن کر قصر وزارت کے دوسرے نگہبان بھی اس طرف دوڑ پڑے تھے۔

فدائین کیلئے فرار ہونے کا راستہ بند ہو چکا تھا۔ یوسف (صلاح الدین) کے محافظوں کی شمشیروں نے چند لمحوں میں فدائین کا صفایا کر دیا۔ کچھ فدائین نے خود کو محصور پا کر اپنے خنجر پھینک کر مارے۔ اور قتل ہو گئے۔ بس ایک فدائی اس نرغے سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ مگر جب وہ آگے پہنچا تو دوسرے محافظین نے اسے گھیر لیا۔ پھر کوئی راہ فرار نہ پا کر اس فدائی نے اپنا ہی خنجر اپنے پیٹ میں اتار لیا۔ قصر وزارت کے محافظین نے اسے زندہ گرفتار کرنا چاہا۔ مگر جب وہ قریب پہنچے تو فدائی بلند آواز میں کسی کو پکار رہا تھا۔

''اے میرے پیرو مرشد! میں آپ کے دیدار کو حاضر ہو رہا ہوں۔ اپنی ''جنت'' میں میرا استقبال کیجئے۔'' یہ کہتے کہتے فدائی کی گردن ڈھلک گئی۔

قصر وزارت کے محافظوں نے بڑی حیرت سے مرنے والوں کی طرف دیکھا۔ خنجر کا زخم معمولی تھا۔ مگر پھر بھی اس کی موت واقع ہوگئی تھی۔

جب تمام فدائی قتل ہو چکے تو محافظوں نے دروازے کے قریب آ کر پکارا۔ ''امیر! باہر آ جائیے۔ اب کوئی خطرہ نہیں۔ تمام حملہ آور ہلاک کیے جا چکے ہیں۔''

امیر عزالدین نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ اور پہلے خود آگے بڑھا۔ پھر یوسف (صلاح الدین) باہر آیا۔ دروازے پر دونوں محافظین خاص کی لاشیں پڑی تھیں۔ اور ان کے جسموں پر زخموں کے بے شمار نشانات تھے۔ اپنے جاں نثاروں کی یہ حالت دیکھ کر یوسف (صلاح الدین) کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اور امیر عزالدین بھی آبدیدہ ہوگیا۔

تھوڑے فاصلے پر دو اور محافظوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ دونوں کے جسموں پر زخموں کے معمولی سے نشان تھے۔ یوسف (صلاح الدین) نے بڑے تعجب سے اپنے محافظوں کی لاشیں دیکھیں۔ پھر اسے قریب ہی پڑے ہوئے دو خنجر بھی نظر آئے جن کا تعلق حملہ آوروں سے تھا۔

یوسف (صلاح الدین) نے اس شخص کی لاش بھی دیکھی جس نے خنجر سے خودکشی کی تھی۔ پھر طبیب خاص نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ حملہ آوروں کے خنجر خوفناک زہر میں بجھے ہوئے تھے۔ اگر یہ خنجر جسم کو چھو لیں اور ذرا بھی خون نکل آئے تو ان میں پوشیدہ زہر بہت تیزی کے ساتھ بدن میں سرایت کر جاتا ہے۔ اور انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

یوسف (صلاح الدین) نے اسی وقت غریبوں میں صدقات وخیرات تقسیم کیے۔ اور شکرانے کی دو رکعت نماز ادا کی۔

☆
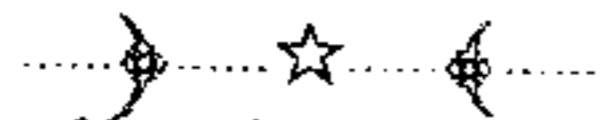
پھر ان محافظوں کو طلب کیا جنہوں نے ایک فدائی کو خودکشی کرتے دیکھا تھا۔ اور بار بار وہ الفاظ دہرانے کیلئے کہا جو مرنے والے نے اپنی زبان سے ادا کیے تھے۔ ان الفاظ کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینے کے بعد یوسف (صلاح الدین) فقیہہ ضیاء الدین عیسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور بڑے

راز دارانہ انداز میں پورا واقعہ سنانے کے بعد خودکشی کرنے والے حملہ آور کے آخری الفاظ دہراتے ہوئے بولا۔

''شیخ! مجھے بتایئے کہ ان الفاظ کا کیا مفہوم ہے؟ اور مرنے والے نے کس کو پکارا تھا؟''

یوسف (صلاح الدین) کی گفتگو سن کر کچھ دیر کیلئے فقیہہ ضیاء الدین کے چہرے پر خوف کا رنگ ابھر آیا۔ اور وہ بہت زیادہ پریشان نظر آنے لگے۔

''کیا ہوا شیخ؟'' ضیاء الدین عیسیٰ کی یہ کیفیت دیکھ کر یوسف (صلاح الدین) بھی کچھ گھبرا سا گیا۔

''وہ لعنت زدہ لوگ تم تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔'' فقیہہ ضیاء الدین عیسیٰ نے بہت اداس لہجے میں کہا...... ''اللہ ان دونوں جاں نثاروں کی مغفرت کرے جو تمہاری ڈھال بن گئے۔''

اس کے بعد فقیہہ ضیاء الدین عیسیٰ نے یوسف (صلاح الدین) کو حسن بن صباح، اس کی جنت اور فدائین کے بارے میں ساری تفصیلات بتا دیں۔

اس انکشاف پر یوسف (صلاح الدین) حیرت زدہ رہ گیا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ مصر کی سرزمین پر حسن بن صباح کے پیروکار موجود ہیں؟''

''یقیناً......'' فقیہہ ضیاء الدین عیسیٰ نے اثبات میں سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ ''یہ پُر پیچ سازش اور منظم حملہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے۔''

''انہیں کوئی روکنے والا نہیں؟'' یوسف (صلاح الدین) نے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔

''کون روکے؟'' ایک بار پھر فقیہہ ضیاء الدین عیسیٰ اداس ہوگئے تھے۔ ''یہاں ہر بااختیار شخص اپنی الگ جنت بنائے بیٹھا ہے۔ اور مخلوق خدا گمراہی کے جہنم میں جلی جارہی ہے۔ اب تم آئے ہو تو کچھ امید ہو چلی ہے کہ شاید یہ آگ بجھ جائے۔''

''انشاء اللہ ایک دن بدعقیدگی کی یہ دوزخ بجھے گی۔ اور مخلوق خدا اس جنت کے راستے پر چل پڑے گی جس کا اہل ایمان سے وعدہ کیا گیا ہے۔'' یوسف (صلاح الدین) نے انتہائی پرجوش لہجے میں کہا۔ ''کیا آپ اس سلسلے میں میری رہنمائی کر سکتے ہیں کہ یہاں حسن بن صباح کے ماننے والے کہاں کہاں رہتے ہیں؟ اور ان کی جنتیں کہاں کہاں آباد ہیں؟''

''یہ لوگ بہت منظم ہیں۔ اس لئے زیر زمین رہتے ہیں۔'' فقیہہ ضیاء الدین عیسیٰ نے یوسف (صلاح الدین) کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''یہ لوگ کبھی کھل کر سامنے نہیں آتے۔ اس قدر مصلحت پسند ہوتے ہیں کہ اپنی ضرورتوں کے مطابق عقیدہ بدلتے رہتے ہیں۔ اپنے فرقے کی طرف سے جاسوسی کرنے کیلئے ہماری صفوں میں بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ ہمارے ساتھ ہماری مسجدوں میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ کچھ اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ ہمارے برابر کون کھڑا ہے۔ وہ باطنی ہے یا صحیح العقیدہ مسلمان۔''

فقیہہ ضیاء الدین عیسیٰ کی گفتگو سن کر یوسف (صلاح الدین) کے چہرے پر شدید مایوسی کے آثار

جھلکنے لگے...... ''اس طرح تو ہم زندگی بھر اسلام کے دشمنوں کا سراغ نہیں لگا سکتے۔''

فقیہہ ضیاء الدین نے یوسف کے چہرے سے اس کی دل شکستگی کا اندازہ کر لیا تھا۔ اس لئے فوراً ہی انتہائی محبت آمیز لہجے میں حوصلہ دیتے ہوئے بولے۔ ''میرے روحانی فرزند اتنی جلد ہمت نہ ہارو۔ بس پوری سچائی سے ان کی تلاش جاری رکھو۔ اللہ اپنی لازوال طاقت کے ہر زاویئے اظہار پر قادر ہے۔ ایک دن وہ خود ہی پکاریں گے کہ ہم یہاں چھپے ہوئے ہیں۔ میں بدگمانی اور تہمت طرازی سے ڈرتا ہوں لیکن مجھے یقین ہے کہ امیر ابوجعفر اور امیر علی ناصری باطنی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں مگر مشکل یہ ہے کہ باطنیوں میں بھی کئی فرقے ہیں۔ اسلئے میں نہیں جانتا کہ ابوجعفر اور علی ناصری کا تعلق حسن بن صباح کی جماعت سے ہے یا نہیں۔ یہ دونوں امراء انتہائی زمانہ ساز اور فتنہ پرور ہیں۔ اگر ان کا بس چلے تو اپنی چھوٹی سی امارت بچانے کیلئے صلیبیوں کو مصر پر حملہ کرنے کی دعوت دیدیں۔ ایک زمانے میں یہ دونوں غدار شاور کے ہمنوا تھے۔ مگر جب شاور کی گردش کا زمانہ شروع ہوا تو انہوں نے ہواؤں کا رخ پہچان کر اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور بھرے دربار میں خلیفہ عاضد کے پاؤں پکڑ کر اپنے گناہوں کی معافی مانگ لی۔ تم ہر حال میں ان دونوں کی حرکات و سکنات پر گہری نظر رکھنا۔ اور اگر کبھی یہ اپنی بات منوانے کیلئے قسم بھی کھا بیٹھیں تو ان کا ہرگز اعتبار نہ کرنا۔''

فقیہہ ضیاء الدین عیسیٰ سے طویل گفتگو کے باوجود حسن بن صباح کے ماننے والے گروہ کا پتا تو نہیں چل سکا۔ مگر یوسف (صلاح الدین) پر امیر ابوجعفر اور امیر علی ناصری کی منافقانہ شخصیت بے نقاب ہوگئی۔

☆

پھر یوسف (صلاح الدین) نے تنہائی میں اپنے معتمد خاص امیر عزالدین سے مشورہ کیا۔ امیر عزالدین یوسف (صلاح الدین) سے عمر میں بھی بڑا تھا اور بہت زیادہ سیاسی سوجھ بوجھ بھی رکھتا تھا۔ اس سنگین معاملے کے ہر پہلو پر طویل غور و فکر کے بعد امیر عزالدین نے یوسف (صلاح الدین) کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ ''میرے خیال میں ابوجعفر اور علی ناصری کو آزمانے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ مرنے والوں کو ان کے آدمی ثابت کر دیا جائے۔''

''ہم یہ بات کس طرح ثابت کر سکتے ہیں جبکہ حملہ آوروں میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچا ہے۔'' یوسف (صلاح الدین) نے بڑے تعجب کے ساتھ سوال کیا۔

''ان دونوں کے نام فرمان جاری کیا جائے کہ وہ قصر وزارت آ کر اپنے آدمیوں کی لاشیں لے جائیں۔'' امیر عزالدین نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر ابوجعفر اور علی ناصری لاشیں دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں تو انہیں فوراً گرفتار کر لیا جائے۔ پھر ہم اپنی تحقیق کا سلسلہ آگے بڑھا سکتے ہیں۔''

یہ ایک نہایت گہری چال تھی جسے یوسف (صلاح الدین) نے آزمانے کا فیصلہ کر لیا۔

باریک، ابوجعفر اور علی ناصری کو اپنے آدمیوں کے مارے جانے کا نہایت قلق تھا کہ وہ ساحل کے قریب پہنچ گئے تھے۔ مگر اچانک ایک تند و تیز موج نے انہیں غرق کر دیا تھا۔ اس غم کے ساتھ انہیں

ایک خوشی بھی تھی کہ وہ سب کے سب مارے گئے تھے۔ اگر ان میں سے کوئی زندہ بچ جاتا تو یہ خوفناک راز فاش ہونے کا اندیشہ تھا جس کے نتیجے میں باریک، ابوجعفر اور علی ناصری کی زندگیوں کو خطرہ لاحق ہوسکتا تھا۔

پھر جب امیر عزالدین کے ذریعے ابوجعفر اور علی ناصری کو یوسف (صلاح الدین) کا فرمان پہنچا تو کچھ دیر کیلئے ان دونوں کا رنگ فق ہوگیا۔ پھر انہوں نے بڑی مشکل سے اپنے بکھرتے ہوئے اعصاب پر قابو پایا۔ اور امیر عزالدین کو سخت لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں یہ جرأت کیسے ہوئی کہ تم ہم جیسے شرفاء پر اس طرح الزام تراشی کرو۔''

امیر عزالدین کو اسی لمحے کا انتظار تھا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ان دونوں کو گرفتار کرلیا جائے۔ ابوجعفر اور علی ناصری کے محافظ سپاہیوں نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی۔ مگر امیر عزالدین کے ساتھ پورا فوجی دستہ تھا۔ مجبوراً انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

پھر جب خلیفہ عاضد نے مصری امرأ کی گرفتاری کی خبر سنی تو وہ غضبناک ہوگیا۔ اور اس نے قصر وزارت پہنچ کر یوسف (صلاح الدین) کو وزارت سے برطرف کردیا۔ اور اسی وقت مصر سے نکل جانے کا حکم جاری کردیا۔

یوسف (صلاح الدین) نے بڑی حیرت سے خلیفہ عاضد کا حکم سنا... مگر فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا... بس خاموشی سے مصر کے حکمراں کی طرف دیکھتا رہا۔

''تم نے میرا حکم سن لیا؟'' اس بار خلیفہ عاضد نے چیخ کر کہا۔

''سن لیا۔'' یوسف (صلاح الدین) کی آواز مدھم تھی... مگر اس سے استقامت جھلک رہی تھی۔

''تو پھر اسی وقت سامان سفر باندھو... اور مصر کی حدود سے نکل جاؤ۔'' خلیفہ عاضد کے لہجے میں وہی آمرانہ تحکم تھی۔

امیر عزالدین بہت زیادہ پریشان نظر آرہا تھا... کیونکہ اسی کے مشورے سے یوسف (صلاح الدین) نے یہ خطرناک قدم اٹھایا تھا... اور مصر کے دو معزز امراء ابوجعفر اور علی ناصری کو گرفتار کرلیا تھا... اور اسی گرفتاری کے سلسلے میں یوسف (صلاح الدین) کو مصر کی وزارت عظمٰی کے منصب سے معزول ہونا پڑا تھا۔

امیر عزالدین اپنی اس غلطی پر دل ہی دل میں پشیمان ہورہا تھا کہ یوسف (صلاح الدین) کی آواز ابھری... ''خلیفۂ محترم میرا جرم؟''

''تم مجھ سے اپنا جرم پوچھتے ہو؟'' خلیفہ عاضد کا لہجہ کچھ غضبناک ہوگیا تھا۔ ''میں نے یہ سوچ کر تمہاری بے شمار غلطیاں معاف کردی تھیں کہ جوش جوانی میں انسان سے کوتاہیاں سرزد ہوہی جاتی ہیں... مگر یہ میری غلطی تھی کہ میں نے تمہاری طرف سے چشم پوشی کی... جس کے نتیجے میں آج تم نے وہ گل کھلا دیا کہ میں اپنی سلطنت میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا... ابوجعفر اور علی ناصری صرف امرأ ہی نہیں... میرے ذاتی دوست بھی ہیں... میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تم ان

دونوں معززین شہر کے ساتھ ایسا ذلت آمیز سلوک کروگے۔''

''خلیفۂ محترم... نہ وہ آپ کے دوست ہیں... اور نہ مملکت کے...'' یوسف (صلاح الدین) کا لہجہ مؤدبانہ تھا... مگر اس سے بےخوفی نمایاں تھی۔ ''میں نے آپ کے دو دشمنوں کو گرفتار کیا ہے۔ اگر ابوجعفر اور علی ناصری بروقت نہ پکڑے جاتے تو پھر کچھ بھی ہوسکتا تھا... جو لوگ مجھے قتل کرنے آئے تھے، وہ اپنا رخ قصر خلافت کی طرف بھی موڑ سکتے تھے۔''

خلیفہ عاضد اقتدار کے نشے میں یوسف (صلاح الدین) کی کوئی بات سننے کیلئے تیار نہیں تھا۔ ''تم جب یہاں آئے تھے تو ایک معمولی سپاہی تھے... مگر میں نے تمہیں زمین سے اٹھا کر آسمان پر بٹھا دیا... پھر تم اپنی حیثیت بھول گئے... غلام تھے، اس لئے آقاؤں کے گریبانوں پر ہاتھ ڈالنے لگے۔''

ایک لمحے کیلئے یوسف (صلاح الدین) کے جوان خون میں آگ سی لگ گئی... مگر اس نے فہم و فراست اور ضبط و تحمل کے پانی سے اس آگ کو بجھا دیا۔

''خلیفۂ محترم! میں غلام ہی سہی... مگر آپ کی مملکت کیلئے میرے چچا اسدالدین شیرکوہ اور خود میری بہت خدمات ہیں... جنہیں آپ جوش جذبات میں نظرانداز کررہے ہیں۔''

''ہم نے تجھے اور تیرے چچا کو ان خدمات کا اتنا صلہ دے دیا کہ تم دونوں اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے۔'' خلیفہ عاضد مسلسل صلاح الدین کی تحقیر کررہا تھا۔ ''مگر ہماری کریمانہ نوازشات کا صلہ جو تو نے دیا ہے، اسے ہم زندگی بھر فراموش نہیں کرسکتے۔''

یوسف (صلاح الدین) نے اس مسئلے کو سلجھانے کیلئے مزید وضاحتیں پیش کرنی چاہیں... لیکن خلیفہ عاضد نے اسے اس طرح جھڑک دیا جیسے وہ مصر کا وزیراعظم نہ ہو اس کا زرخرید غلام ہو۔

''بس ہمارا آخری کرم یہ ہے کہ ہم تجھے مصر سے زندہ و سلامت جانے کی اجازت دے رہے ہیں... ورنہ تیرے اس جرم کی سزا کچھ اور تھی۔'' اگر خلیفہ عاضد کے اختیار میں ہوتا تو وہ یوسف (صلاح الدین) کو بے دریغ قتل کرا دیتا... لیکن وہ سلطان محمود زنگی کی فوجی طاقت سے خوفزدہ رہتا تھا کہ اگر صلاح الدین کو کچھ ہوگیا تو پورا مصر زنگی فوج کی یلغار کا ہدف بن جائے گا۔

اب یوسف (صلاح الدین) کی قوت برداشت جواب دے چکی تھی... ''خلیفۂ محترم کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں واپس جانے کیلئے نہیں آیا ہوں۔ مصر کو میری ضرورت ہے... جب تک مجھے میرا مقصد خاص حاصل نہیں ہوجاتا، میں یہ سرزمین نہیں چھوڑوں گا۔'' اتنا کہہ کر یوسف (صلاح الدین) خلیفہ عاضد کے کمرے سے نکل گیا... امیر عزالدین بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔

خلیفہ عاضد کیلئے یوسف (صلاح الدین) کا جواب اس قدر غیر متوقع تھا کہ وہ سکتے میں آگیا تھا۔ پھر جب اس کی یہ کیفیت زائل ہوئی تو وہ شدت غضب سے کانپنے لگا۔

''آخر ایک غلام کس بنیاد پر اپنے آقا کی نافرمانی کررہا ہے؟'' خلیفہ عاضد نے خود سے سوال کیا... پھر اس نے اپنے محافظ دستے کے فوجیوں کو طلب کرتے ہوئے حکم دیا... ''یوسف کو اسی وقت

گرفتار کر کے ہمارے حضور میں پیش کیا جائے۔"

"خلیفۃ المسلمین! ہم سب آپ کے حکم کی تعمیل سے قاصر ہیں۔" بیک زبان کئی سپاہیوں نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"کیا تمہارا کوئی اور آقا ہے کہ جس کے فرمان پر تم عمل کر رہے ہو؟" خلیفہ عاضد نے شدید طیش کے عالم میں اپنے ہی محافظ سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ہمارا آقا تو صرف اللہ ہے۔" ایک سپاہی نے انتہائی اثر انگیز لہجے میں کہا۔ "آپ صرف ہمارے حکمراں ہیں...... مگر ہماری شمشیریں یوسف کے حکم کی تابع ہیں۔"

ایک لمحے میں خلیفہ عاضد پر ساری صورتحال واضح ہو چکی تھی...... اس نے فوراً ہی تمام محافظوں کو اپنے کمرے سے چلے جانے کا حکم دیا...... پھر جب آخری سپاہی بھی خلیفہ کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا تو اس نے کمرے کا دروازہ بند کر لیا...... پھر ایک جام لبریز کیا اور اسے حلق سے نیچے اتار لیا۔ خلیفہ عاضد کے نزدیک اپنے غصے کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کا یہی ایک طریقہ تھا۔ کچھ دیر بعد مشروب نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا...... یہاں تک کہ اعصاب کا تناؤ کم ہونے لگا...... اب خلیفہ عاضد کسی قدر سکون سے صورتحال کا جائزہ لینے لگا۔

ذاتی محافظوں کے انکار نے ثابت کر دیا تھا کہ یوسف (صلاح الدین) نے اس کے گرد اپنے فرمانبردار سپاہیوں کا حصار کھینچ دیا ہے۔ اگرچہ یہ حقیقت تھی کہ خلیفہ عاضد کے محافظ سپاہیوں میں شاور کے جاسوس موجود تھے جنہیں یوسف (صلاح الدین) نے بڑی ذہانت کے ساتھ محل سے باہر نکال پھینکا تھا...... لیکن موجودہ صورتحال میں خلیفہ عاضد محافظوں کی تبدیلی کو بھی یوسف (صلاح الدین) کی ایک شاطرانہ چال سمجھ رہا تھا۔

پھر یکایک خلیفہ عاضد کے کانوں میں یوسف (صلاح الدین) کے وہ الفاظ گونجنے لگے جو اس نے کمرے سے نکلتے ہوئے کہے تھے۔

"جب تک مجھے میرا مقصد خاص حاصل نہیں ہو جاتا، میں یہ سرزمین نہیں چھوڑوں گا۔"

ان الفاظ کی بازگشت نے ایک بار پھر خلیفہ عاضد کے غصے کی آگ کو بھڑکا دیا۔ "اس غلام کا مقصد خاص اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے آقا کی سلطنت پر قبضہ کر لے۔" خلیفہ عاضد نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ "مگر یہ کیسے ممکن ہے؟ یوسف کے دو ہزار سپاہی، پوری مصری فوج کا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں؟"

اس خیال کے آتے ہی خلیفہ عاضد نے ایک اور منصوبہ تراش لیا۔ پہلے اپنے دو ہزار محافظوں کو قتل کرا دیا جائے...... پھر یوسف (صلاح الدین) کو گرفتار کر کے زنداں میں ڈال دیا جائے۔ اس خیال کے آتے ہی خلیفہ عاضد کا بے قرار دل ٹھہر سا گیا۔

☆

پھر خلیفہ عاضد نے مصری افواج کے سالار عبداللہ قریشی کو خلوت میں طلب کر کے انتہائی ناگوار لہجے

میں کہا...... "میں محسوس کر رہا ہوں کہ مصری افواج سو رہی ہیں۔"

عبداللہ قریشی نے حیرت سے خلیفہ عاضد کی طرف دیکھا اور سپاہیانہ لہجے میں کہا...... "آج سے زیادہ ہماری افواج کبھی ہوشیار نہیں رہیں۔ ہر سپاہی جاگ رہا ہے...... اور ہر مورچہ مضبوط ہے۔"

"یہ کیسی بیداری ہے...... اور کیسی مضبوطی ہے کہ مصر کے دو معزز ترین امرا ابو جعفر اور علی ناصری کو میری اجازت کے بغیر زنداں کے حوالے کر دیا گیا۔" خلیفہ عاضد نے اپنے سپہ سالار کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"ان دونوں کا جرم ثابت ہو چکا ہے۔ وہ ملک و ملت کے دشمن ہیں۔" عبداللہ قریشی نے نہایت بیباکانہ لہجے میں کہا۔ "ہمارے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ آپ کو اطلاع دیتے، پھر بحث مباحثہ کرتے۔ اس کے بعد ابو جعفر اور علی ناصری کو گرفتار کرنے کی اجازت لیتے۔"

عبداللہ قریشی کا جواب سن کر خلیفہ عاضد کے دل و دماغ جل اٹھے...... اور وہ چیخ کر بولا...... "کیا تم اپنے فیصلے کرنے میں آزاد ہو......؟"

"خلیفۂ محترم...... یہ ہماری مجبوری ہے......" عبداللہ قریشی کا لہجہ نرم تھا۔

"کون تمہیں مجبور کر رہا ہے؟" خلیفہ عاضد اور زور سے چیخا...... "کیا تمہیں ایسا کرنے کے لئے یوسف نے مجبور کیا ہے......؟"

"وہ ملک و ملت کے وفادار ہیں۔" عبداللہ قریشی نے مبہم جواب دیا۔ وہ کھل کر بات کرنا نہیں چاہتا تھا کہ سیاسی صورتحال کا یہی تقاضا تھا۔

"تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں یوسف کو برطرف کر چکا ہوں۔" خلیفہ عاضد نے انتہائی سخت لہجے میں کہا۔ "اسے فوری طور پر مصر کی حدود سے نکال دو...... اور وہ سرکشی کرے تو اسے زنداں کے حوالے کر دو۔"

بات بہت آگے بڑھ چکی تھی...... مجبوراً سالار عبداللہ قریشی کو بھی واضح الفاظ میں جواب دینا پڑا۔

"خلیفۂ محترم...... آپ کے اس حکم کی تعمیل نہیں کی جا سکتی...... میری درخواست ہے کہ آئندہ بھی ایسے احکام جاری کرنے سے گریز کریں...... ورنہ یہ صورتحال آپ کی صحت کیلئے بھی نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔" یہ کہہ کر سالار عبداللہ قریشی خلیفۂ مصر کے خصوصی کمرے سے نکل گیا۔

خلیفہ عاضد چند لمحوں تک تو سکتے کی حالت میں رہا...... پھر پوری طاقت سے چیخا...... "کیا تم نمک حرام لوگ مجھے قتل کر ڈالو گے۔" اس چیخ کا خلیفہ عاضد کے دل پر بہت برا اثر پڑا...... اور وہ بیہوش ہو کر گر گیا۔

☆

مصر کے تمام شاہی طبیب خلیفہ عاضد کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ ہر زاویئے سے تشخیص کی گئی...... پھر تمام طبیبوں نے مصر کے حکمراں کو ایک ہی مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

"آپ خود کو تمام فکروں سے دور رکھیں...... ورنہ کسی بھی وقت دل و دماغ پر برا اثر پڑ سکتا ہے۔"

طبیبوں کے جانے کے بعد خلیفہ عاضد نے خود کلامی کے انداز میں کہا...... ''کسی کو کیا بتاؤں کہ مجھے کیا فکر ہے؟ زندہ ہوں...... مگر مجھ سے زندگی چھینی جا چکی ہے...... میں دنیا کی نظروں میں مطلق العنان حاکم ہوں...... مگر میرا ہر فرمان بے اثر ہے۔'' خلیفہ عاضد کے لہجے سے اس قدر مایوسی جھلک رہی تھی کہ آخر وہ اپنی بے کسی پر رونے لگا۔

مصر کے سپہ سالار عبداللہ قرشی نے خلیفہ عاضد سے ہونے والی گفتگو بے کم و کاست یوسف (صلاح الدین) کو منتقل کر دی تھی۔ اس خصوصی نشست میں امیر عزالدین بھی شریک تھا۔ پھر طویل غور و فکر اور بحث مباحثے کے بعد یوسف (صلاح الدین) نے اپنے دونوں معتمد ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''واقعتاً ہم لوگ بہت مجبور ہیں...... اگر خلیفہ کو مکمل آزادی دی جاتی ہے تو ابو جعفر اور علی ناصری جیسے گمراہ انسان دوبارہ طاقت میں آ جائیں گے...... اور مخلوق خدا اسی طرح اندھیروں میں بھٹکتی رہے گی...... یا پھر اہلِ ایمان پر اس قدر تشدد کیا جائے گا کہ وہ مجبور ہو کر خلیفہ اور اس کے ہمنواؤں کے نظریات قبول کر لیں گے۔''

''ہمارے جیتے جی یہ ممکن نہیں۔'' سالار عبداللہ قرشی نے پر جوش لہجے میں کہا۔ ''ہم ہر حال میں مزاحمت کریں گے...... یا تو اس فتنے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے...... یا خود ہی پیوند زمین ہو جائیں گے۔''

سالار عبداللہ قرشی کے ان جذبات پر یوسف (صلاح الدین) نے اپنے ساتھیوں کا شکریہ ادا کیا...... پھر تینوں نے مل کر قسم کھائی کہ حق کے راستے میں ہر مصیبت برداشت کریں گے۔

اس کے بعد یوسف (صلاح الدین) سالار عبداللہ قرشی اور امیر عزالدین، خلیفہ عاضد کی عیادت کو حاضر ہوئے۔ یوسف (صلاح الدین) نے پُر زور الفاظ میں یقین دلاتے ہوئے کہا۔ ''آپکو ہم لوگوں کی طرف سے بدگمان نہیں ہونا چاہئے۔ نہ آپکی عزت کو کسی قسم کا خطرہ ہے...... اور نہ آپ کی جان کو...... بس ہمیں خاموشی سے ان فتنہ گروں کے خلاف کارروائی کرنے دیں جن سے ملک و ملت دونوں کو سنگین خطرہ لاحق ہے۔''

خلیفہ عاضد نے تینوں کا رسمی شکریہ ادا کیا...... اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ اس کا دل ان کی طرف سے صاف ہے...... مگر حقیقتاً ایسا نہیں تھا۔ خلیفہ عاضد نے جبراً اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائی تھی...... مگر اس کے دل میں نفرت کا آتش فشاں دہک رہا تھا...... اس وقت بھی اس کا شاطرانہ ذہن ان تینوں کے خلاف کوئی نیا منصوبہ بنا رہا تھا۔

☆

یوسف (صلاح الدین) کئی بار قید خانے جا کر ابو جعفر اور علی ناصری سے یہ سوال کر چکا تھا۔ ''وہ کون لوگ تھے جو زہر آلود خنجروں کے ساتھ مجھ پر حملہ آور ہوئے تھے...... اور ان میں ایک نے مرتے وقت اپنے کس پیر و مرشد کو پکارا تھا؟''

ابو جعفر اور علی ناصری بڑی سختی کے ساتھ انکار کر رہے تھے۔ ''یہ صرف دشمن کی الزام تراشی ہے...... ہمارا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں۔''

یوسف (صلاح الدین) نے بہت صبر و ضبط سے کام لیا...... مگر جب وہ دونوں فتنہ گر مسلسل انکار کرتے رہے تو وزیر اعظم مصر غضبناک ہو گیا۔ ''میں نے حجت تمام کر دی...... اب میں آزاد ہوں...... اور تم دونوں سے حقیقت اگلوانے کیلئے کوئی بھی طریقہ اختیار کر سکتا ہوں۔''

ابو جعفر اور علی ناصری نے صلاح الدین کی اس تنبیہہ کو محض لفاظی سمجھا اور اپنی بات پر اڑے رہے...... دراصل ان دونوں کو یقین تھا کہ جلد ہی خلیفہ عاضد مداخلت کرے گا اور انہیں زنداں کی تاریکی و تنہائی سے نکال کر لے جائے گا...... مگر وہ اس راز سے بے خبر تھے کہ بساط الٹ چکی ہے...... اور مصر کا حکمراں شطرنج کے اس بادشاہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا...... جو چاروں طرف سے دشمن مہروں میں گھر چکا ہے۔

آخر صلاح الدین نے ابو جعفر اور علی ناصری کا کھانا بند کر دیا...... اب ان دونوں کا گزارہ صرف پانی پر تھا...... ابو جعفر اور علی ناصری سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ نوجوان صلاح الدین بظاہر ایک معمولی مگر انتہائی خطرناک ترکیب استعمال کرے گا...... دونوں ایک دن کا فاقہ تو برداشت کر گئے...... مگر دوسرے روز سے ان کی حالت غیر ہونے لگی...... پھر تیسرے دن صلاح الدین قید خانے میں آیا اور خاموشی سے ان دونوں کو دیکھتا رہا۔

ابو جعفر غصے میں کھڑا ہوا اور چیخ کر بولا۔ ''ہم مر جائیں گے...... مگر تیرے آگے سر نہیں جھکائیں گے۔'' یہ کہتے کہتے ابو جعفر پسینے میں نہا گیا اور اس کی آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی...... پھر وہ شدید نقاہت کے باعث چکرا کر زمین پر گر پڑا۔

ابو جعفر کی یہ حالت دیکھ کر صلاح الدین مسکرایا۔ ''میں یہی تو چاہتا ہوں کہ تم آہستہ آہستہ موت کا مزہ چکھو۔ اس وقت سے ڈرو جب تم پر پانی بھی بند کر دیا جائے گا۔''

''اگر ہم مر گئے تو تجھے کون بتائے گا کہ وہ حملہ آور کس سے تعلق رکھتے تھے؟'' علی ناصری کی آواز لڑکھڑا رہی تھی...... اور اس پر ابو جعفر سے زیادہ ضعف طاری تھا۔

''وہ دشمنان اسلام بھی ایک نہ ایک دن بے نقاب ہو جائیں گے۔'' صلاح الدین نے بے نیازانہ کہا۔ ''مگر تم دونوں کی موت سے ملت اسلامیہ کو بڑا فائدہ ہوگا...... اس طرح اللہ کی زمین دو فتنہ گروں سے پاک ہو جائے گی۔'' یہ کہہ کر صلاح الدین زنداں سے نکل گیا۔ پھر ابو جعفر اور علی ناصری اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے...... اور خلیفہ عاضد کیلئے نازیبا کلمات ادا کرنے لگے کہ اسی نے صلاح الدین کو مصر کا وزیر اعظم نامزد کیا تھا۔

چوتھے دن ابو جعفر اور علی ناصری نے صلاح الدین کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے...... اور درخواست کرنے لگے کہ انہیں سوکھی روٹیاں ہی دیدی جائیں کہ وہ کم سے کم سانس تو لے سکیں...... صلاح الدین نے فوراً زنداں کے محافظ کو حکم دیا کہ وہ دونوں امراً کے شایانِ شان کھانا پیش کرے۔

تھوڑی دیر بعد ابوجعفر اور علی ناصری بھوکے گداگروں کی طرح لذیذ غذا پر ٹوٹ پڑے۔ چار دن بعد دونوں کے شکم کی آگ بجھی تھی۔ اسلئے ان پر نشہ سا طاری ہو گیا...... پھر ابوجعفر اور علی ناصری نے بیک زبان کہا۔

''ہم اس شرط پر اس پس پردہ شخصیت کا نام بتانے کیلئے تیار ہیں کہ اگر ہماری جاں بخشی کی ضمانت دی جائے...... اور ہمیں ہمارے گھر جانے دیا جائے۔''

صلاح الدین کچھ دیر تک ابوجعفر اور علی ناصری کی پیشکش پر غور کرتا رہا...... پھر اس نے ان کی دونوں شرطیں مان لیں۔

ابوجعفر اور علی ناصری کے چہروں پر مسرت کا وہ رنگ ابھر آیا جو موت کی سزا سے چھوٹ جانے والوں کی شکلوں پر نمایاں ہوتا ہے۔

''ایک شرط اور بھی ہے؟'' علی ناصری نے چونک کر کہا...... جیسے اسے کوئی بھولی ہوئی بات یاد آ گئی ہو۔

''وہ کیا؟'' صلاح الدین نے اطمینان سے کہا۔

''ہم دونوں کا نام پردۂ راز میں رکھا جائے گا۔'' علی ناصری نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا...... اس کے چہرے سے خوف جھلک رہا تھا۔

چند لمحوں تک صلاح الدین نے گہری نظروں سے ابوجعفر اور علی ناصری کی کیفیات کا جائزہ لیا...... پھر ان کی یہ شرط بھی مان لی۔

''وہ بار بک کے فدائی تھے۔'' ابوجعفر نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ ''اور یار بک حسن بن صباح کا شاگرد خاص ہے۔''

''تم دونوں اپنی جانیں بچانے کیلئے جھوٹ بول رہے ہو۔'' صلاح الدین نے سخت لہجے میں کہا۔ ''جس کی روحانیت اور ریاضت کے قصے سارے مصر میں مشہور ہیں...... وہ ایک شیطان کا مقلد کیسے ہو سکتا ہے؟''

''یہی تو بار بک کا کمال ہے کہ اس نے اپنے چہرے پر اتنی دبیز نقاب ڈال رکھی ہے کہ اس کے پیچھے کوئی نہیں جھانک سکتا۔'' علی ناصری نے انتہائی پرجوش لہجے میں کہا۔

''میں نہیں مانتا۔'' صلاح الدین کے لہجے کی سختی برقرار تھی۔ ''تم مجھے فریب دے رہے ہو...... اور ایک فریب کار کی سزا یہی ہے کہ تم دونوں اسی زنداں کے اندھیروں میں بھوکے پیاسے مر جاؤ۔'' یہ کہتا ہوا صلاح الدین کھڑا ہو گیا۔

علی ناصری نے فوراً ہی صلاح الدین کے پاؤں پکڑ لئے۔ ''اگر ہمارے پیش کردہ ثبوت غلط ثابت ہوں تو ہمیں بے دریغ قتل کر دیا جائے۔''

صلاح الدین نے ایک نظر علی ناصری کی طرف دیکھا اور دوبارہ بیٹھ گیا۔ یہ صلاح الدین کی ایک گہری چال تھی جسے ابوجعفر اور علی ناصری سمجھنے سے قاصر رہے۔

دراصل وہ بار بک کے بارے میں پوری تفصیل جاننا چاہتا تھا...... اور اس کی ایک ہی وجہ تھی کہ بار بک کو مصر کے باشندے نہایت احترام کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ ان میں باطنی بھی شامل تھے...... اور صحیح العقیدہ مسلمان بھی۔ اسی احتیاط کے پیش نظر صلاح الدین انتہائی تحقیق اور معلومات سے پہلے بار بک پر ہاتھ ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔ اگر اس سلسلے میں اس سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تو مصری باشندے اس کے خلاف ہو کر ایک ہنگامہ بھی کھڑا کر سکتے تھے۔

بار بک کے سلسلے میں ابوجعفر نے گفتگو کی ابتداء کی تو صلاح الدین نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے کہا۔ ''یہ تمہیں آخری موقع دیا جا رہا ہے...... اگر تمہارا پیش کردہ کوئی دعویٰ سچ ثابت نہ ہو سکا تو پھر دردناک موت ہی تمہارا مقدر ہے۔'' صلاح الدین نے ایک بار پھر اپنی غیر معمولی ذہانت سے کام لیتے ہوئے ابوجعفر اور علی ناصری کے اعصاب پر موت کا خوف طاری کر دیا۔

پھر علی ناصری نے بار بک کی نقاب کشائی کرتے ہوئے کہا۔ ''میرے خیال میں وہ اپنے وقت کا سب سے بڑا ساحر ہے۔ خدا نے اس کی زبان میں ایسی تاثیر بخشی ہے کہ سننے والے مسحور ہو کر رہ جاتے ہیں۔ مزید یہ کہ اس کی آنکھوں میں ایسی چمک ہے کہ اس سے کوئی نظریں نہیں ملا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مصر کے بیشتر لوگ اسے ولی سمجھتے ہیں۔''

صلاح الدین بہت غور سے علی ناصری کی باتیں سن رہا تھا۔ ''بار بک کی کوئی کرامت؟'' یکایک صلاح الدین نے علی ناصری کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''بار بک جس مریض کو پانی دے دیتا ہے...... وہ شفایاب ہو جاتا ہے۔'' علی ناصری نے بار بک کی مشہور کرامت بیان کرتے ہوئے کہا۔

''اور جسے پانی نہیں دیتا، وہ مر جاتا ہے۔''

صلاح الدین نے کسی قدر حیرت سے علی ناصری کی طرف دیکھا۔ ''اور کیا کرامات ہیں اس کی؟''

''بار بک جس کے حق میں بددعا کر دیتا ہے وہ برباد ہو جاتا ہے۔'' علی ناصری اس ساحر کی ایک اور خوبی بیان کر دیتا ہے۔ ''اگر بار بک شاور سے ناراض نہیں ہوتا تو وہ اب تک مصر پر حکومت کر رہا ہوتا۔ بار بک کی بددعا کے سبب شاور ہلاک ہوا...... اور آپ کے چچا اسد الدین شیر کوہ کو فتح حاصل ہو گئی......''

علی ناصری کا انکشاف سن کر صلاح الدین مسکرایا...... ''اس کا مطلب ہے کہ مصر کا سارا انتظام بار بک کی دعا اور بددعا کے تحت چل رہا ہے۔'' صلاح الدین کے لہجے میں گہرا طنز پوشیدہ تھا۔

''ہم نے آپ کے چچا مرحوم کو بھی سمجھایا تھا کہ وہ بار بک کی خانقاہ میں حاضر ہو کر اس کی روحانی طاقتوں سے فیضیاب ہوں...... اور نہایت سکون اور اطمینان سے مصر پر حکومت کرتے رہیں۔'' علی ناصری نے ایک اور حیران کر دینے والا انکشاف کیا...... ''مگر اسد الدین شیر کوہ نے ہماری بات کو بڑی حقارت کے ساتھ جھٹلایا...... جس کے نتیجے میں وہ اچانک بیمار پڑے اور دنیا سے رخصت ہو گئے...... یہ سب بار بک کی بددعاؤں کے اثرات تھے۔''

علی ناصری کا خیال تھا کہ جواں سال صلاح الدین اپنے چچا کی موت کا سبب سن کر غصے سے بھڑک اٹھے گا..... لیکن مصر کے نوعمر وزیراعظم نے غیر معمولی ضبط وتحمل کا مظاہرہ کیا..... اور علی ناصری سے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

''تم دونوں بار بک کے معتقد ہو یا منکر؟''

ابو جعفر اور علی ناصری کیلئے یہ بڑا پریشان کن سوال تھا۔ ان دونوں کے ذہن بری طرح الجھ کر رہ گئے تھے۔ ابو جعفر اور علی ناصری بیک وقت ایک ہی زاویئے سے سوچ رہے تھے کہ اگر وہ بار بک کے معتقد ہونے کا اقرار کرتے ہیں تو صلاح الدین ان کی جاں بخشی کے وعدے سے مکر بھی سکتا ہے..... اس لئے دونوں نے اپنی زندگی بچانے کیلئے مصلحت اور جھوٹ سے کام لیتے ہوئے کہا..... ''ہم دونوں کا بار بک سے بس اتنا تعلق ہے کہ کبھی کبھی اس کی روحانی مجلسوں میں شریک ہوا کرتے تھے ہم نے اس کے عقائد کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔ زیادہ سے زیادہ اس رسم وراہ کو دوستی کا نام دیا جا سکتا ہے۔''

ابو جعفر اور علی ناصری کا جھوٹ سن کر صلاح الدین مسکرایا۔ ''اگر تم اس کی دوستی کا اقرار کرتے ہو تو ایسی مصیبت کے وقت بار بک کی روحانی طاقت تمہارے کام کیوں نہیں آئی؟''

علی ناصری نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر نیا جھوٹ تراشا۔ ''اسی وقت تو ہمیں اندازہ ہوا کہ بار بک کی کرامتیں ایک ڈھونگ ہیں..... وہ علی الاعلان کہتا ہے کہ میرا ماننے والا جب بھی مجھے پکارے گا، میں اس کی مدد کو پہنچ جاؤں گا۔ ہم نے بھوکا رہ کر تین دن تک قید خانے کے اندھیروں میں بار بک کو ہزاروں بار پکارا..... مگر وہ نہیں آیا..... آخر ہم دونوں اس نتیجے پر پہنچے کہ اس کی روحانیت ایک فریب ہے۔''

صلاح الدین ان دونوں کی گفتگو سے مطمئن نہیں تھا۔ ''اس کا کوئی اور فریب بیان کرو جس کا میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کروں؟''

''ہم بس اتنا ہی جانتے ہیں۔'' اب کی بار ابو جعفر بولا۔ ''بار بک کے ہزاروں فدائین مصر میں موجود ہیں..... مگر کوئی اس راز سے آگاہ نہیں کہ وہ فدائین کہاں ہیں..... اور کس لباس میں ہیں؟''

صلاح الدین کچھ دیر تک گہری سوچ میں ڈوبا رہا..... پھر اس نے علی ناصری سے ایک نیا سوال کر ڈالا..... ''یہ بات کس طرح ثابت کی جا سکتی ہے کہ وہ حسن بن صباح کا ماننے والا ہے؟ تمہارے بقول بار بک تقریر کا ماہر اور الفاظ کا جادوگر ہے..... اس طرح وہ اپنی گمراہی سے انکار کرتے ہوئے خود کو ایک صحیح العقیدہ مسلمان بھی ثابت کر سکتا ہے۔''

''بے شک..... وہ ایسا بھی کر سکتا ہے..... مگر اپنی جنت کو کہاں لے جائے گا جو اس نے خانقاہ کے اندر زیر زمین آباد کر رکھی ہے۔''

یہ سنتے ہی صلاح الدین کے چہرے پر اطمینان کا گہرا رنگ جھلکنے لگا۔ جیسے کوئی مسافر بھٹکتے بھٹکتے اپنی منزل پر پہنچ گیا ہو۔

......☆......

دوسرے دن صلاح الدین نے اپنے معتمد خاص امیر عز الدین کے ہاتھ بار بک کے نام خصوصی پیغام بھیجا۔

''مجھے مقامی باشندوں کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ آپ مصر کی معزز ومحترم روحانی شخصیت ہیں..... اس لئے میری شدید خواہش ہے کہ آپ قصر وزارت میں جلوہ افروز ہوں..... اور میں مذہبی امور کے بارے میں آپ سے تفصیلی گفتگو کر سکوں..... میں بہ نفس نفیس آپکے دیدار کو حاضر ہوتا مگر حکومت کے کاموں کی زیادتی اس ملاقات میں مانع ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری ان مجبوریوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کچھ دیر کیلئے اتنی زحمت ضرور گوارا کریں گے۔''

بار بک، صلاح الدین کا خط پڑھ رہا تھا اور امیر عز الدین گہری نظروں سے اس کی شخصیت کا جائزہ لے رہا تھا۔

بار بک ایک دراز قامت انسان تھا..... لمبی سفید داڑھی اور زلف نما سفید بال۔ عمر ساٹھ پینسٹھ سال کے قریب..... سرخ وسفید رنگ اور مضبوط کثرتی جسم..... اگر بار بک سیاہ خضاب لگا لیتا تو وہ زیادہ سے زیادہ 40-45 سال کا نظر آتا..... بار بک کو اس عمر میں مضبوط اور توانا دیکھ کر امیر عز الدین کو بہت حیرت ہوئی تھی۔ بار بک نے اپنے لمبے بالوں کو بکھرنے سے بچانے کیلئے ماتھے پر ایک سرخ پٹی باندھ رکھی تھی۔

صلاح الدین کا خط پڑھنے کے بعد بار بک نے نظر اٹھا کر امیر عز الدین کی طرف دیکھا۔ بڑی بڑی آنکھیں جن سے ہلکی ہلکی سرخی نمایاں تھی..... امیر عز الدین نے فوری طور پر محسوس کیا کہ اس کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک ہے جو دیکھنے والے پر ایک خاص تاثر چھوڑتی ہے۔

بار بک نے بڑے بے نیازانہ انداز میں صلاح الدین کا خط امیر عز الدین کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا..... ''وزیراعظم مصر کی خدمت میں میرا سلام پیش کر دیجئے گا..... میں ان کی اس عنایت کیلئے مشکور ہوں کہ وہ مجھ سے حسن ظن رکھتے ہیں..... ورنہ میں تو ایک گناہ گار اور کم علم انسان ہوں..... اس لئے ایک گوشے میں منہ چھپائے پڑا رہتا ہوں۔''

صلاح الدین نے بڑی حیرت سے بار بک کا جواب سنا..... پھر اپنے معتمد خاص امیر عز الدین سے پوچھا۔ ''تمہیں خانقاہ میں کیا آثار نظر آئے؟''

امیر عز الدین نے بتایا۔ ''بار بک بہت معمولی کپڑوں میں ملبوس تھا..... اور ایک چٹائی پر بیٹھا تھا..... اسے پہلی بار دیکھ کر یہی تاثر ملتا ہے کہ وہ ایک تارک الدنیا انسان ہے جسے اہلِ دنیا سے کوئی غرض نہیں۔''

''پھر بار بک کی وہ جنت کہاں ہے جس کا ذکر ابو جعفر اور علی ناصری نے کیا ہے؟'' صلاح الدین کے چہرے پر فکر وتشویش کے آثار نمایاں ہو گئے۔

امیر عز الدین مسکرایا۔ ''جنت؟ بار بک کی خانقاہ تو کسی راہب کی جھونپڑی نظر آتی ہے۔''

صلاح الدین نے اسکے بعد کوئی سوال نہیں کیا اور اپنے معتمد خاص کو ساتھ لے کر قید خانے جا پہنچا۔

صلاح الدین کو زنداں کے دروازے میں داخل ہوتے دیکھ کر ابوجعفر اور علی ناصری یہ سمجھے کہ ان کی رہائی کا وقت آ گیا ہے...... مگر جب صلاح الدین قریب آیا...... اور ان دونوں نے اس کے چہرے پر ناگواری کا رنگ دیکھا تو سہم سے گئے......

"تم نے مجھ سے جھوٹ بولا؟" صلاح الدین کے لہجے سے شدید غصے کا اظہار ہو رہا تھا...... پھر اس نے امیر عزالدین کا بیان کردہ پورا واقعہ سنا دیا۔

"یہی تو اس ساحر کا کمال ہے۔" علی ناصری نے انتہائی پر جوش لہجے میں کہا۔ "بار بک کی جنت زمین دوز ہے...... جب آپ خانقاہ کی تلاشی لیں گے تو کسی نہ کسی چٹائی کے نیچے اس کی جنت کا دروازہ بھی مل جائے گا۔"

"مگر آپ وہاں ایک فوجی دستے کے ہمراہ جائیں گے۔" ابوجعفر نے صلاح الدین کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ "زیر زمین جنت میں بار بک کے سیکڑوں مسلح فدائین بھی رہتے ہیں۔"

صلاح الدین نے ابوجعفر اور علی ناصری کے ایک ایک لفظ کو بہت غور سے سنا اور کچھ دیر تک سوچتا رہا...... پھر اس نے اپنی شمشیر بے نیام کی...... یہ منظر دیکھ کر ابوجعفر اور علی ناصری شدید خوف کے عالم میں پیچھے ہٹ گئے...... اور دونوں ہذیانی انداز میں چیخنے لگے...... "خدائے واحد کی قسم...... ہم نے جھوٹ نہیں بولا...... بار بک کی جنت اسی خانقاہ میں ہے۔"

صلاح الدین شمشیر لئے آگے بڑھا...... ابوجعفر اور علی ناصری نے لرزتے جسموں کیساتھ صلاح الدین کے قدموں پر سر رکھ دیئے...... "ہم آپ کی پناہ مانگتے ہیں...... آپ سچے ہیں اور ہماری جاں بخشی کا وعدہ کر چکے ہیں۔"

صلاح الدین نے پہلے ابوجعفر کی گردن پر تلوار رکھی...... اور پھر یہی عمل علی ناصری کے ساتھ دہرایا اس کے بعد انتہائی پر جلال لہجے میں مخاطب ہوا۔ "میں اپنے وعدے پر اس وقت تک قائم ہوں جب تک خود بار بک کی جنت میں داخل نہیں ہو جاتا۔ تم دونوں میرے ساتھ چل کر اپنے ہاتھوں سے جنت کا دروازہ کھولو گے۔"

ابوجعفر اور علی ناصری کھڑے ہو گئے اور ہاتھ جوڑ کر گڑگڑانے لگے۔ "ہمیں بار بک کے سامنے نہ لے جائیں...... وہ بہت خطرناک انسان ہے۔"

صلاح الدین نے ان دونوں کی التجاؤں پر کوئی دھیان نہیں دیا...... پھر امیر عزالدین سے مخاطب ہو کر بولا۔ "تم ایک فوجی دستے کے ساتھ بار بک کی خانقاہ کا محاصرہ کر لو...... نہ کوئی شخص باہر سے اندر جانے پائے اور نہ کوئی اندر سے باہر آ سکے...... میں ابوجعفر اور علی ناصری کو لے کر آ رہا ہوں۔"

صلاح الدین کا حکم سنتے ہی امیر عزالدین بہت تیزی کے ساتھ قید خانے سے نکل گیا۔

پھر جب صلاح الدین اپنے مسلح محافظوں کے ساتھ ابوجعفر اور علی ناصری کو لے کر بار بک کی خانقاہ پہنچا تو امیر عزالدین وہاں موجود تھا اور محاصرہ مکمل ہو چکا تھا۔ بار بک کے خدمت گار اسے ایک ایک لمحے کی خبر دے رہے تھے...... چند لمحوں کیلئے بار بک کے سرخ و سفید چہرے پر خوف و ہراس کی

پرچھائیاں لرزنے لگیں...... مگر اس نے فوراً ہی اپنی اس ہیجانی کیفیت پر قابو پا لیا...... اور انتہائی پر جلال لہجے میں اپنے خدمت گاروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اگر کوئی میرے بارے میں پوچھے تو اس سے کہہ دینا کہ ہمارے مرشد قاہرہ میں نہیں ہیں...... وہ طویل چلہ کشی کیلئے دمیاط چلے گئے ہیں۔" یہ کہہ کر بار بک ایک انتہائی خفیہ راستے سے اپنی زیر زمین جنت میں چلا گیا۔

خانقاہ کے دروازے پر پہنچنے کے بعد صلاح الدین نے خانقاہ کے ایک خادم پہرہ دار سے کہا۔

"اپنے مرشد کو جا کر اطلاع دو کہ وزیر اعظم مصر صلاح الدین ان کے دیدار کیلئے حاضر ہوئے ہیں۔"

خانقاہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے پہرے دار خادم نے وہی الفاظ دہرا دیئے جن کی اسے ہدایت کی گئی تھی۔

صلاح الدین نے ایک لمحے کیلئے حیرت سے امیر عزالدین کی طرف دیکھا جو قریب ہی موجود تھا...... امیر عزالدین نے صلاح الدین کی نظروں کا مفہوم سمجھ لیا اور بلا تاخیر جواب دیتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین نہیں کہ وہ اتنی جلد دمیاط تک جا سکتا ہے۔"

دمیاط مصر کا ایک ساحلی شہر تھا...... چونکہ بہت سے صوفیا جنگلوں اور دریاؤں کے کنارے عبادت و ریاضت میں مصروف رہا کرتے تھے اس لئے بار بک نے بڑی عیاری کے ساتھ یہ بہانہ تراشا تھا۔

صلاح الدین نے اپنے معتمد خاص امیر عزالدین کا جواب سن کر انتہائی مطمئن لہجے میں کہا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا...... پہلے ان کی جنت کا نظارہ کر لیں بعد میں دمیاط جا کر ان کا دیدار بھی کر لیں گے۔"

یہ کہہ کر صلاح الدین نے خانقاہ کے دروازے میں داخل ہونے کی کوشش کی...... مگر فوراً ہی بار بک کا پہرے دار خادم سامنے دیوار بن کر کھڑا ہو گیا...... اور اس نے بلند آواز میں کہا...... "کوئی شخص مرشد کی اجازت کے بغیر خانقاہ میں داخل نہیں ہو سکتا...... چاہے خلیفۃ المسلمین ہی کیوں نہ ہوں۔"

جیسے ہی بار بک کے خادم کی بات مکمل ہوئی، امیر عزالدین اس پر کسی عقاب کی طرح جھپٹا...... اور پہرے دار کی گردن پکڑ کر اس طرح کھینچی کہ وہ اوندھے منہ دروازے کے باہر آ کر گرا...... پھر امیر عزالدین نے اپنے ایک سپاہی کو حکم دیتے ہوئے کہا...... "اسے قابو میں رکھو...... اور اگر یہ مزاحمت کرے تو بے دریغ قتل کر دو۔"

اس کے بعد صلاح الدین، ابوجعفر اور علی ناصری کو لے کر خانقاہ کے اندر داخل ہو گیا...... دو سو مسلح سپاہی وزیر اعظم مصر کے ہمراہ تھے جو اسے اپنے نرغے میں لئے بڑی احتیاط کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ یہ ایک طویل و عریض خانقاہ تھی جس کی ظاہری حالت دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا تھا کہ یہ تارک الدنیا اور بے سروسامان درویشوں کی پناہ گاہ ہے...... جگہ جگہ بار بک کے خرقہ پوش خدمت گار نظر آئے جنہوں نے مسلح سپاہیوں کو دیکھ کر بھاگنے کی کوشش کی...... مگر صلاح الدین کے حکم نے انکے پیروں

میں نادیدہ زنجیریں ڈال دیں۔ "اگر تم نے فرار ہونے کی کوشش کی تو اس کا انجام موت کے سوا کچھ نہیں۔"

پھر صلاح الدین، ابوجعفر اور علی ناصری کے بتائے ہوئے انتہائی خفیہ راستے سے بار بک کی جنت میں داخل ہوگیا۔ یہ جنت حسن بن صباح کی جنت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی...... مگر پھر بھی انتہائی خوبصورت تفریح گاہ تھی...... جہاں ایک چھوٹا سا باغ تھا...... اور اس کے درمیان میں دل کش پتھروں سے بنائی ہوئی حوضیں تھیں جن میں شراب بھری ہوئی تھی...... دور تک چھوٹے چھوٹے آراستہ کمرے بنے ہوئے تھے جن میں نوخیز اور خوبصورت لڑکیاں رہتی تھیں...... ایک طویل و عریض کمرہ تھا جو بار بک کیلئے مخصوص تھا جس کے دروازے پر سو سے زیادہ مسلح طاقتور نوجوان پہرہ دے رہے تھے۔ صلاح الدین کے سپاہیوں کو آتا دیکھ کر بار بک کے فدائین نے تلواریں کھینچ لیں پھر وہ بڑی جانبازی سے لڑے۔ صلاح الدین کے پچاس سے زیادہ سپاہیوں کو شہید کیا۔ اور پھر سب کے سب مارے گئے۔

بار بک نے شور کی آوازیں سن کر کئی بار دروازہ کھولا تھا...... مگر اس کے لئے فرار کا کوئی راستہ باقی نہیں رہا تھا...... مجبور ہو کر اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔

پھر جب آخری فدائی بھی تہہ تیغ ہوگیا تو صلاح الدین کے حکم پر اس کے سپاہیوں نے دروازہ توڑ دیا۔ وزیراعظم مصر اندر داخل ہوا تو بار بک اپنے تخت پر خاموش بیٹھا تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں ایک بلوریں جام تھا۔ یہ تخت کسی عظیم الشان بادشاہ کا تخت معلوم ہوتا تھا۔ صلاح الدین قریب پہنچا تو بار بک اسے دیکھ کر مسکرایا اور اس نے پورا جام ایک ہی گھونٹ میں حلق سے اتار لیا۔ پھر خالی جام فرش پر پھینکتے ہوئے انتہائی نفرت آمیز لہجے میں ابوجعفر اور علی ناصری کو مخاطب کر کے بولا۔ "تم نے اپنے مرشد سے بے وفائی کی ہے۔ اور اس کی سزا مسلسل آگ ہے...... یہاں بھی دوزخ...... اور وہاں بھی دوزخ......" یہ کہتے کہتے بار بک کے منہ سے خون کی ایک پتلی دھار بہہ نکلی...... پھر وہ صلاح الدین کو مخاطب کر کے بولا...... "ہم لوگ ہر حال میں فاتح قرار پاتے ہیں...... یہی تیری شکست ہے کہ تو مجھ پر قابو نہیں پاسکا...... تیری بھی سزا آگ ہے...... تو بھی آخری سانس تک آتش انتقام میں جلتا رہے گا...... میں تو اپنے مرشد کے پاس جا رہا ہوں جو جنت اعلیٰ کے دروازے پر کھڑا میرا انتظار کر رہا ہے۔"

"شیطان کے خبیث بیٹے...... تو کتے اور سور سے بھی زیادہ ناپاک ہے...... اگر ان حیوانوں کو انسانی زبان مل جاتی تو وہ تیرا انجام دیکھ کر اپنے خالق سے یہی دعا کرتے کہ انہیں بار بک کی طرح عبرتناک موت نہ دینا۔" نفرت اور غضب کے جوش سے صلاح الدین کا چہرہ جل اٹھا تھا۔ "میں تجھے اس طرح دوزخ میں جانے نہیں دوں گا...... پہلے مصر کے باشندے یہ تماشا دیکھیں گے پھر تجھے اس آگ کے حوالے کیا جائیگا جو تو نے اللہ کی زمین پر بھڑکائی ہے۔" یہ کہہ کر صلاح الدین نے بار بک پر تلوار کا ایک بھرپور وار کیا جس سے اس کی گردن کٹ کر تخت پر گر پڑی۔

پھر صلاح الدین نے ان مجبور لڑکیوں کو بار بک کی دوزخ سے باہر نکالا...... اور بار بک کا سر نیزے پر بلند کر کے قاہرہ کی شاہراہوں پر پھرایا...... صلاح الدین کے نقیب جس راستے سے گزرتے، انسانی ہجوم کو مخاطب کر کے یہ آواز بلند کہتے۔

"یہ اس شخص کی سزا ہے جس نے اللہ کے احکام کا مذاق اڑایا تھا۔"

پھر صلاح الدین نے بار بک کی خانقاہ کو آگ لگا دی۔ اور اس کی لاش کو بھڑکتے ہوئے شعلوں کے حوالے کر دیا۔

اس کے بعد ابوجعفر اور علی ناصری کو قصر وزارت میں لایا گیا۔ اور معززین شہر کے سامنے ان دونوں کی آنکھوں میں جلتی ہوئی سلاخیں پھروا دیں۔ اندھا کئے جانے سے پہلے ابوجعفر اور علی ناصری نے صلاح الدین سے شکایت کی کہ وہ عہد شکنی کر رہا ہے۔ جواب میں صلاح الدین نے کہا۔

"میں نے تم دونوں سے صرف جاں بخشی کا وعدہ کیا تھا اگر مجھے اپنے الفاظ کا پاس نہ ہوتا تو تمہیں بھی بار بک کے ساتھ آگ کی نذر کر دیتا کہ تم بھی حسن بن صباح کے ماننے والے ہو۔"

اس کے بعد صلاح الدین نے اپنے وعدے کے مطابق ابوجعفر اور علی ناصری کو ان کے گھر بھجوا دیا۔ اور ساری جاگیریں ضبط کر لیں۔

☆
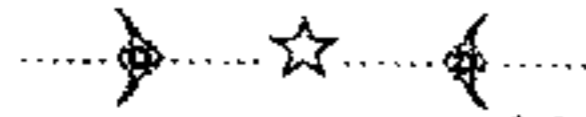
جب یہ خبر سلطان نور الدین زنگی کو پہنچی تو سلطان عادل نے اپنے ایک معتمد خاص کے ہاتھ صلاح الدین کو قیمتی تحائف بھیجے...... اور ایک خط بھی تحریر کیا جس کی عبارت کچھ اس طرح تھی۔ "حق تعالیٰ تمہیں جزائے عظیم دے کہ تم نے مصر کی سرزمین سے ایک فتنۂ عظیم کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں...... اب تمہیں لازم ہے کہ جلد از جلد عباسی خلیفہ کے نام کا خطبہ جاری کرو...... اور خطبے سے خلیفہ عاضد کا نام خارج کر دو۔"

بار بک، ابوجعفر اور علی ناصری کا حشر دیکھ کر خلیفہ عاضد کو بھی اپنا انجام قریب تر نظر آ رہا تھا۔ آخر اس نے بڑے رازدارانہ انداز میں موتمن خلافہ کو تنہائی میں طلب کر لیا۔ یہ ایک خواجہ سرا تھا جو مصری امرأ پر حاوی تھا۔ اور اس کے زیر اثر پچاس ہزار سوڈانی حبشی تھے۔ خلیفہ عاضد نے موتمن خلافہ کو پیشکش کی کہ اگر صلاح الدین کو قتل کر دیا جائے یا اسے مصر سے نکال دیا جائے تو وزارتِ عظمٰی کا عہدہ اور نصف خزانہ موتمن کے حوالے کر دیا جائے گا۔

خواجہ سرا موتمن خلیفہ عاضد کی پیشکش سن کر دل ہی دل میں بہت خوش ہوا...... مگر وہ نہایت عیار اور شاطر انسان تھا...... یکایک اس نے اپنے چہرے پر دحشت و پریشانی کا رنگ طاری کر لیا...... موتمن کی یہ کیفیت دیکھ کر خلیفہ عاضد نے اس سے پوچھا۔

"کیا صلاح الدین کو مصر سے نکالنا یا قتل کر دینا اتنا مشکل کام ہے؟ پھر یہ تیرے وفادار سوڈانی حبشی کس دن کام آئیں گے؟"

"پوری مصری فوج صلاح الدین کے ساتھ ہے......" خواجہ سرا موتمن نے برجستہ جواب دیتے

ہوئے کہا۔۔۔۔۔۔ ''میرے وفادار حبشی باقاعدہ اور تربیت یافتہ فوجی نہیں ہیں۔۔۔۔۔۔ اگر وہ کھل کر لڑیں گے تو صلاح الدین کا لشکر انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دے گا۔''

''پھر؟'' خواجہ سرا کا عذر سن کر خلیفہ عاضد پریشان نظر آنے لگا۔

''اس کیلئے مجھے منصوبہ سازی کرنی ہوگی۔'' خواجہ سرا موتمن نے نئی چال چلتے ہوئے کہا۔

''کیسی منصوبہ سازی؟'' خلیفہ عاضد جھنجلا کر بولا۔۔۔۔۔۔ ''کیا تو اپنی منصوبہ سازی میں اتنی دیر لگائے گا کہ صلاح الدین مجھے قتل کر ڈالے یا پھر معزول کر کے حوالۂ زنداں کر دے؟''

''جب تک میں زندہ ہوں یہ نوبت نہیں آئے گی۔'' خواجہ سرا موتمن نے انتہائی پر جوش لہجے میں کہا۔ ''سب سے پہلے آپ مجھے بہترین ہتھیار فراہم کریں تاکہ میں اپنے آدمیوں کو مسلح کر سکوں۔ دوسرے یہ کہ میرے کام میں کوئی مداخلت نہ کرے۔۔۔۔۔۔ میں یہ جنگ پوری آزادی کے ساتھ لڑنا چاہتا ہوں۔''

خلیفہ عاضد نے خواجہ سرا کی دونوں باتیں مان لیں۔۔۔۔۔۔ مگر اس کے ساتھ یہ ہدایت بھی کر دی۔

''ملک کو ہر صورت میں خانہ جنگی سے بچایا جائے۔ مجھے بس صلاح الدین، سالار عبداللہ قرشی اور امیر عزالدین کے سر چاہئیں۔''

خواجہ سرا موتمن خلیفہ عاضد کی خلوت گاہ سے نکل کر چلا گیا۔۔۔۔۔۔ یہ اس کے لئے سب سے زیادہ سرشاری کا دن تھا۔ وہ کھلی آنکھوں سے ایک عجیب خواب دیکھ رہا تھا۔

''پہلے صلاح الدین کا قتل اور تخت وزارت۔ پھر خلیفہ عاضد کا قتل۔ اور تخت خلافت۔'' خواجہ سرا موتمن نے جی بھر کے شراب پی تھی اور وہ اس کے نشے میں آسمان پر اڑ رہا تھا۔۔۔۔۔۔ رات بھر میں اس نے بہت سے خواب دیکھ ڈالے۔

پھر دوسرے دن اس نے اپنے نائب زناری کو تنہائی میں طلب کیا اور انتہائی غضبناک لہجے میں کہا۔ ''اب وقت آ گیا ہے کہ ہم لوگ صلاح الدین سے اپنی توہین اور بے عزتی کا انتقام لیں۔۔۔۔۔۔ اور اس فتنہ گر کی جڑیں کھود ڈالیں۔''

دراصل واقعہ یہ تھا کہ صلاح الدین اور اس کے چچا اسدالدین شیر کوہ سے پہلے مصر کا ہر وزیر اعظم خواجہ سرا موتمن کو رام کرنے کیلئے بڑی بڑی رشوتیں دیا کرتا تھا۔۔۔۔۔۔ اور اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ خواجہ سرا موتمن کا تعلق براہ راست خلیفہ عاضد سے تھا۔ پچاس ہزار سوڈانی حبشیوں کی حمایت کے باعث خواجہ سرا موتمن کسی حد تک خلیفہ عاضد کے مزاج میں بھی دخیل تھا۔۔۔۔۔۔ جو وزیر اعظم خواجہ سرا کی بات نہ مانتا یا اسے رشوت دینے سے انکار کرتا، موتمن، خلیفہ عاضد سے اس کی شکایت کر دیتا۔ نتیجتاً وہ وزیر اعظم برطرف کر دیا جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر وزیر اعظم خواجہ سرا کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔۔۔۔۔۔ مگر جب اسدالدین شیر کوہ وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز ہوا تو خواجہ سرا موتمن اس کے پاس پہنچا اور نئے وزیر اعظم پر رعب ڈالنے کے انداز میں کہا۔

''اگر میں تم سے خوش ہوں تو خلیفۃ المسلمین بھی خوش ہیں۔۔۔۔۔۔ اور اگر میں تم سے ناراض ہوں تو

خلیفۃ المسلمین بھی خفا۔'' در پردہ یہ ایک دھمکی تھی کہ وزارت عظمیٰ کا عہدہ صرف خواجہ سرا موتمن کی خوشنودی پر قائم ہے۔

اسدالدین شیر کوہ ایک غیرت مند اور جانباز سالار تھا۔ اس نے خواجہ سرا موتمن کی تنبیہہ کو ایک دیوانے کی بڑ سمجھا اور اسے انتہائی بے عزت کر کے اپنے کمرے سے نکالتے ہوئے کہا۔ ''میں تجھ نامراد کا چہرہ بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔۔۔۔۔۔ آئندہ قصر وزارت کا رخ نہ کرنا۔۔۔۔۔۔ اور اگر کبھی محل میں آمنا سامنا ہو جائے تو فوراً اپنا راستہ بدل دینا۔۔۔۔۔۔ ورنہ تجھ پر قصر شاہی کے دروازے ہمیشہ کیلئے بند ہو جائیں گے۔''

اسدالدین شیر کوہ کا حکم سن کر خواجہ سرا موتمن خلیفہ عاضد کی خدمت میں پہنچا۔۔۔۔۔۔ اور رو رو کر فریاد کرنے لگا۔۔۔۔۔۔ خلیفہ عاضد نے اسے صاف صاف جواب دیدیا۔ ''میں اتنی سی بات پر وزیر اعظم تبدیل نہیں کر سکتا۔''

اسدالدین شیر کوہ نے ایک ہی دن میں خواجہ سرا موتمن کا سارا زور توڑ دیا تھا۔

یہ خواجہ سرا موتمن کی خوش قسمتی تھی کہ اسدالدین شیر کوہ دو مہینے بعد ہی وفات پا گیا۔ وزیر اعظم مصر کی موت پر خواجہ سرا موتمن اور اس کے حامی سوڈانی حبشیوں میں ایک عظیم الشان جشن منایا گیا۔ مٹھائیاں تقسیم کی گئیں۔۔۔۔۔۔ اور شراب اس طرح استعمال کی گئی جیسے کوئی پیاسا پانی پیتا ہے۔

پھر جب نوجوان صلاح الدین وزارت عظمیٰ کے عہدے پر فائز ہوا تو خواجہ سرا موتمن نے اسے لڑکا سمجھ کر انتہائی تند و تیز لہجے میں وہی دھمکی دی جو چند ماہ پہلے اسدالدین شیر کوہ کو دی گئی تھی۔ موتمن کا خیال تھا کہ یہ جواں سال وزیر اعظم ایک لمحے میں اس کے رعب و جلال کے زیر اثر آ جائے گا۔

مگر جب صلاح الدین خواجہ سرا موتمن سے مخاطب ہوا تو حیرت کی زیادتی کے سبب اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''اگر کوئی مرد ہوتا تو میں اس سے بات کرتا۔ ایک لعنت زدہ مخنث سے گفتگو کرنا بھی میری توہین ہے۔''

صلاح الدین دوسرا وزیر اعظم تھا جس نے خواجہ سرا کے منہ پر اس کی حیثیت بیان کی تھی۔۔۔۔۔۔ پھر صلاح الدین نے مزید کارروائی یہ کی کہ دوسرے دن ہی سرکاری حکم جاری کر دیا۔

''آئندہ خواجہ سرا موتمن کسی شاہی تقریب میں شریک نہیں ہوگا۔''

پھر یہ خبر پورے مصر میں عام ہو گئی۔۔۔۔۔۔ مصر کے شرفاء نے یہ خبر سن کر صلاح الدین کو مبارکباد دی۔ ''خدا کا شکر ہے کہ اس نے آپ کے ذریعے ہمیں اس لعنت زدہ انسان سے نجات دلائی۔''

اسی دن سے خواجہ سرا موتمن کے دل میں صلاح الدین کے خلاف آتش انتقام پوری شدت کے ساتھ بھڑک رہی تھی۔۔۔۔۔۔ اور آج جب خود خلیفہ عاضد نے صلاح الدین کے قتل کا حکم جاری کیا تو خواجہ سرا کے دل کی مراد پوری ہو گئی۔۔۔۔۔۔ اور اس نے اپنے نائب زناری سے مشورے شروع کر دیئے کہ صلاح الدین کو کس طرح راستے سے ہٹایا جا سکتا ہے؟

زناری ایک دراز قامت اور انتہائی توانا حبشی تھا۔ شہسواری، شمشیر زنی اور تیر اندازی میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ اس نے خواجہ سرا موتمن کی اس تجویز سے کہ سوڈانی حبشیوں کو باقاعدہ فوجی تربیت دی جائے، اختلاف کرتے ہوئے کہا...... ''اس کام میں بہت وقت لگ جائے گا...... اور کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا صورتحال پیش آئے۔''

زناری کی بات سن کر خواجہ سرا موتمن پریشان نظر آنے لگا...... ''اگر یہ موقع گنوا دیا تو پھر ہم غلاموں کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائیں گے۔''

''ہم اسی وقت صلاح الدین اور اس کے ساتھیوں کو شکست دے سکتے ہیں کہ پہلے ہمارے ساتھی مصر کے اندر بغاوت کریں...... اور اسی دوران کوئی طاقتور فوج باہر سے حملہ آور ہو...... نتیجتاً صلاح الدین دونوں طرف سے گھر جائے گا...... اور اس کیلئے کوئی راہ فرار باقی نہیں رہے گی۔''

''بیرونی فوج؟'' خواجہ سرا موتمن نے اپنے نائب زناری کے الفاظ دہرائے۔ پھر اٹھ کر کچھ دیر تک کمرے میں ٹہلتا رہا...... اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے...... اور چہرے سے گہری سوچ کا رنگ نمایاں تھا۔ پھر وہ ٹہلتے ٹہلتے اچانک رک گیا...... اور اپنے نائب زناری کو مخاطب کر کے بولا۔

''بیرونی فوج تو بس ایک ہی ہے...... صلیبیوں کی فوج۔''

''ہماری مددگار فوج صلیبیوں کی ہو یا یہودیوں کی...... ہمیں تو اپنا مطلب نکالنا ہے۔'' زناری نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''صلاح الدین سے نجات پانے کا بس ایک ہی طریقہ ہے کہ ہمیں شاور کے نقشِ قدم پر چلنا ہوگا۔''

خواجہ سرا موتمن نے بہت حیرت سے اپنے نائب کی طرف دیکھا...... اور پھر ساری صورتحال اس کی سمجھ میں آ گئی۔

☆

جب صلاح الدین کی کامیابیوں کی خبریں دمشق پہنچیں تو اس کے بڑے بھائی شمس الدولہ توران شاہ نے ایک دن سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کے سامنے مصر جانے کی خواہش ظاہر کی۔ سلطانِ عادل نے سختی کے ساتھ اس کی درخواست کو مسترد کر دیا۔

توران شاہ نے ڈرتے ڈرتے اس انکار کی وجہ جاننی چاہی تو سلطان نور الدین محمود زنگیؒ نے انتہائی پرجلال لہجے میں کہا۔ ''صلاح الدین تیرا چھوٹا بھائی ہے...... اور یہ انسانی فطرت ہے کہ ایک بڑا اپنے چھوٹے کو کمتر سمجھتا ہے...... میں نہیں چاہتا کہ تو مصر جا کر صلاح الدین پر حکم چلائے...... اسے خاموشی اور سکون کے ساتھ اس کا کام کرنے دے۔''

توران شاہ نے سلطانِ عادل کو یقین دلاتے ہوئے کہا...... ''اگرچہ صلاح الدین عمر میں مجھ سے چھوٹا ہے...... لیکن آپ کا نائب ہونے کی وجہ سے مجھ پر اس کا احترام فرض ہے...... اور میں ہمیشہ اسے اپنا سردار سمجھوں گا۔''

یہ سن کر سلطان نور الدین محمود زنگیؒ نے شمس الدولہ توران شاہ کو مصر جانے کی اجازت دے دی...... مگر اس کے ساتھ ہی اسے تنبیہ کرتے ہوئے کہا...... ''اگر تم نے اپنے وعدے کی خلاف ورزی کی...... اور میرے کانوں تک کوئی شکایت پہنچی تو بلا تاخیر مصر چھوڑ کر کسی طرف چلے جانا...... اور پھر زندگی بھر سامنے نہ آنا۔''

توران شاہ کو اس وقت اندازہ ہوا کہ سلطان عادل صلاح الدین سے کتنی محبت کرتے ہیں۔

توران شاہ مصر پہنچا تو صلاح الدین نے انتہائی والہانہ انداز میں بڑے بھائی کا استقبال کیا...... جواب میں توران شاہ نے صلاح الدین کو اس طرح سلامی پیش کی جیسے کوئی سپاہی اپنے سپہ سالار کو سلامی پیش کرتا ہے...... عبداللہ قرشی، امیر عزالدین اور دوسرے وزرائے مصر نے دونوں بھائیوں کی اس ملاقات کا گہرا اثر قبول کیا...... اور انہیں اندازہ ہو گیا کہ یہ خاندان نظم وضبط کا کس قدر پابند ہے؟

اسی زمانے میں خواجہ سرا موتمن کی سازشیں عروج پر تھیں...... اس نے بہت غور وفکر کے بعد شاہ یروشلم اموری کے نام تفصیلی خط تحریر کیا...... جس کی عبارت حسب ذیل تھی۔

''آپ پر حضرت یسوع مسیحؑ کی سلامتی ہو...... اہلِ کتاب ہونے کی وجہ سے ہمارا اور آپ کا ایک اٹوٹ رشتہ ہے۔ اس لئے مصیبت کے وقت مصر کے عوام آپ ہی کو مدد کیلئے پکارتے ہیں...... ایک بار پہلے بھی ایسا ہو چکا ہے...... لیکن گردشِ وقت کے سبب وہ دوستی قائم نہ رہ سکی۔ صلاح الدین اور اس کے ساتھیوں نے ہمارے آقا شاور کو بے رحمی کے ساتھ قتل کر دیا۔ یہ بڑا خوفناک انقلاب تھا جس کے نتیجے میں خلیفہ عاضد غلامانہ زندگی بسر کر رہے ہیں...... صلاح الدین انہیں کسی وقت بھی تہہ تیغ کر سکتا ہے۔ شاہ یروشلم اچھی طرح جانتے ہیں کہ صلاح الدین، سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کا معتمد خاص ہے...... اور سلطان زنگی عیسائیوں کا ازلی دشمن۔ آپ مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہیں کہ اگر مصر پر سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کا قبضہ ہو گیا...... تو یروشلم براہِ راست زنگی فوجوں کے نشانے پر ہوگا...... میں اس سنگین صورتحال میں آپ سے التماس کرتا ہوں کہ مصر کو صلاح الدین کی غلامی سے نجات دلائیے...... اور خود بھی ہمیشہ کیلئے سلطان نور الدین زنگیؒ کے خطرے سے محفوظ ہو جائیے...... میرے پچاس ہزار سوڈانی حبشی ہمہ وقت آپ کے ساتھ شریک جنگ ہونے کیلئے تیار رہیں گے۔''

خواجہ سرا موتمن کے خط کے ایک ایک لفظ سے سفاکی اور غداری کی جھلک نظر آتی تھی...... پھر اس نے اپنے معتمد خاص اور نائب زناری کو یہ خط دے کر یروشلم کی طرف روانہ کیا۔

زناری ایک تیز رفتار گھوڑے پر اڑا چلا جا رہا تھا...... مگر جب وہ قاہرہ کی سرحد پر پہنچا تو اسے چند دوسرے شہسوار بھی نظر آئے...... زناری کا خیال تھا کہ یہ شہسوار بھی مسافر ہوں گے...... اور اپنی منزل کی طرف جا رہے ہوں گے...... زناری نے ان شہسواروں پر اچٹتی سی نظر ڈالی...... اور اپنے گھوڑے کو ایڑ دی تاکہ اس کی رفتار بڑھائی جا سکے...... ابھی زناری نے چند گز کا ہی فاصلہ طے کیا ہوگا کہ اسے عقب میں گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی...... زناری نے پلٹ کر دیکھا۔

"رک جاؤ......" تعاقب میں آنے والے شہسوار نے پوری طاقت سے زناری کو پکارا۔

زناری نے آواز سن لی تھی مگر رکنا مناسب نہیں سمجھا...... بلکہ گھوڑے کی رفتار اور بڑھا دی۔ یہاں تک کہ دونوں شہسواروں میں گھڑ دوڑ کا مقابلہ شروع ہو گیا...... مگر تعاقب میں آنے والا زناری سے بہتر شہسوار تھا...... ڈھائی تین میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ آگے نکل گیا...... اور اس نے زناری کا راستہ روک لیا۔

"میرے آواز دینے پر تو نے اپنے گھوڑے کی لگامیں کیوں نہیں کھینچیں؟" اجنبی شہسوار نے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔

زناری بہت عیار انسان تھا...... وہ چند لمحوں میں صورتحال کو سمجھ گیا اور اس نے عاجزانہ لہجے میں کہا۔ "میری ماں یہاں سے پچاس ساٹھ میل کے فاصلے پر رہتی ہے ابھی ابھی مجھے اطلاع ملی ہے کہ ان کی حالت غیر ہے...... ممکن ہے کہ میرے وہاں پہنچتے پہنچتے وہ دنیا سے رخصت ہو جائیں۔" زناری نے بڑی صفائی سے جھوٹ بولا...... اور اپنے چہرے پر مصنوعی غم کی کیفیت طاری کرتے ہوئے انتہائی رقت آمیز لہجے میں کہنے لگا۔ "میں معذرت چاہتا ہوں کہ اس وحشت و پریشانی کے عالم میں تمہاری آواز نہیں سن سکا۔"

قاہرہ کے سرحدی شہسوار نے زناری سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا...... "اللہ تمہاری والدہ کو صحت دے...... مگر وہاں جانے سے پہلے تمہیں مکمل جامہ تلاشی دینی ہوگی۔"

یہ سن کر زناری بدحواس ہو گیا...... اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ صلاح الدین کے سرحدی انتظامات اس قدر مضبوط ہوں گے۔ شاور کے قتل کے بعد صلاح الدین نے پابندی لگا دی تھی کہ مصر کا کوئی امیر یا وزیر اس کی اجازت کے بغیر حدود سلطنت سے باہر نہیں جا سکتا...... اگر کوئی عام شخص باہر جانا چاہے تو سختی کے ساتھ اس کی تلاشی لی جائے۔

زناری نے سرحدی محافظ کی بات سن کر بڑی مشکل سے اپنے اعصاب پر قابو پایا اور غمزدہ لہجے میں کہا۔ "جس شخص کی ماں بستر مرگ پر لیٹی ہو، اس کے پاس اپنی جان کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟"

زناری کا خیال تھا کہ اس کا یہ سوگوارانہ انداز سرحدی محافظ کو متاثر کر دے گا...... اور وہ اسے جامہ تلاشی کے بغیر جانے کی اجازت دے دے گا...... مگر اس کی یہ تدبیر رائیگاں گئی...... "جامہ تلاشی سے کسی کو مفر نہیں...... تمہیں اس مرحلے سے گزرنا ہی پڑے گا۔" سرحدی محافظ نے کسی قدر نرم لہجے میں کہا۔

زناری اپنی جامہ تلاشی کیسے دیتا؟ اس کی لمبی عبا کی جیب میں خواجہ سرا موتمن کا وہ خط موجود تھا جو شاہ یروشلم اموری کے نام لکھا گیا تھا...... اور جس میں صلیبی فوج کو مصر پر حملہ کرنے کی دعوت دی گئی تھی...... زناری بری طرح پھنس چکا تھا...... اس نے اپنی زندگی بچانے کیلئے آخری تدبیر کے طور پر دوبارہ گھوڑے کو ایڑ دی اور بھاگنے لگا۔ سرحدی محافظ بھی اپنا گھوڑا لے کر اس کی طرف بڑھا۔ زناری نے بہت کوشش کی کہ وہ سرحدی محافظ کو پیچھے چھوڑ دے اور کسی نہ کسی طرح قاہرہ کے مضافاتی علاقے

سے نکل جائے مگر دوسری بار بھی زناری کو اس مقابلے میں شکست ہوئی اور سرحدی محافظ نے کچھ دور جا کر اسے گھیر لیا...... مجبوراً زناری کو گھوڑے سے کود کر اپنی شمشیر بے نیام کرنی پڑی...... سرحدی محافظ بہترین شمشیر زن بھی تھا...... نتیجتاً اس نے زناری کو زخمی کر کے زمین پر گرا دیا اور پھر اس کی جامہ تلاشی لی...... اور خواجہ سرا موتمن کا خط برآمد کر لیا۔

پھر اسی زخمی حالت میں زناری کو خواجہ سرا موتمن کے خط کے ساتھ صلاح الدین کے سامنے پیش کر دیا۔ صلاح الدین نے پورا خط پڑھا اور زناری سے پوچھ گچھ کی...... اس نے خواجہ سرا کا تمام منصوبہ حرف بہ حرف بیان کر دیا...... اور اپنا جرم تسلیم کرتے ہوئے جاں بخشی کی درخواست کی۔

صلاح الدین نے اسی وقت زناری کو قید خانے میں ڈال دیا...... اور نمک حرام خواجہ سرا کی طرف متوجہ ہوا۔ موتمن کے آدمیوں نے اسے پہلے ہی زناری کی گرفتاری کی خبر دے دی تھی۔ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خواجہ سرا قصر خلافت کے خفیہ راستوں سے فرار ہو گیا۔ صلاح الدین نے فوراً ہی اپنے جاسوس سپاہیوں کو قاہرہ کے گلی کوچوں میں پھیلا دیا...... اور سرحدی محافظوں کی تعداد میں چار گنا اضافہ کر دیا۔ سالار عبداللہ قرشی اور امیر عزالدین نے صلاح الدین کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

"خواجہ سرا موتمن کے سر کی بڑی قیمت لگا دی جائے...... قاہرہ کے باشندے اسے خود تلاش کر کے مار ڈالیں گے۔"

اس موقع پر صلاح الدین نے غیر معمولی ذہانت و فراست کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے مشیروں اور وزیروں سے کہا۔ "اس سنگین واقعے کو اس طرح فراموش کر دیا جائے کہ جیسے یہ کوئی خواب تھا...... اگر موتمن کی بغاوت کی خبر عام ہوئی تو بڑی پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی۔ وہ قاہرہ سے فرار بھی ہو سکتا ہے...... میں چاہتا ہوں کہ اسے زندہ گرفتار کیا جائے اس طرح ہم اس راز کی تہہ تک پہنچ سکتے ہیں کہ خواجہ سرا کی پشت پر کس کا ہاتھ ہے؟"

آخر ایک ماہ کی انتہائی تلاش کے بعد ۲۵ ذیقعدہ ۵۶۴ ہجری کو خواجہ سرا موتمن قاہرہ کے ایک گاؤں "خرقانیہ" سے گرفتار ہوا اور اسے زنجیروں میں جکڑ کر صلاح الدین کے سامنے پیش کر دیا گیا۔

صلاح الدین اسے دیکھ کر بہت زیادہ جذباتی ہو گیا تھا۔ وزیر اعظم مصر نے انتہائی غضبناک لہجے میں کہا۔ "تیرے لئے یہ ایک لعنت کیا کم تھی کہ تو مرد سے مخنث ہو گیا تھا...... خالق کائنات نہایت رحیم ہے...... شاید وہ تیرے اس گناہ کو معاف کر دیتا...... مگر تو نے مسلمانوں سے غداری کر کے سارے زمانے کی لعنتیں اپنے گلے میں ڈال لیں۔" صلاح الدین نے خواجہ سرا موتمن کو قہر آلود نظروں سے دیکھا۔

خواجہ سرا نے اپنی زندگی بچانے کیلئے صلاح الدین کے آگے زمین پر سر رکھ دیا...... اور رو رو کر اس کے رحم کو آوازیں دینے لگا۔ وہ بہترین نقال تھا...... اس نے رو رو کر کمرے کے فرش کو اپنے آنسوؤں سے بھگو دیا۔ صلاح الدین بہت نرم طبیعت اور شاعرانہ فطرت کا مالک تھا...... اگر اس موقع پر اس کا جانی دشمن بھی ہوتا تو شاید وہ اسے معاف کر دیتا...... لیکن ایک غدار ملت کے لئے اسکے دل میں کوئی نرم

گوشہ موجود نہیں تھا۔ بنیادی طور پر وہ خود نہایت رحمدل انسان تھا...... مگر اسے ظالموں سے شدید نفرت تھی...... صلاح الدین اکثر حضرت عمر فاروقؓ کا یہ قول دہرایا کرتا تھا۔

''ظالم کے ساتھ رحم کرنا ایسا ہی ہے جیسے مظلوم پر اور ظلم کیا جائے۔''

آخر صلاح الدین نے بھی ایک ظالم کو اس کے انجام تک پہنچا دیا...... اس نے اپنی شمشیر بے نیام کی اور خواجہ سرا موتمن کا سر قلم کر دیا۔ پھر اس سر کو سونے کی ایک دلکش خوان میں سجایا۔ اسکے ساتھ ہی وہ خط بھی رکھا جو شاہ یروشلم اموری کو لکھا گیا تھا۔ پھر صلاح الدین نے اس خوان پر سرخ کپڑا ڈالا...... اور اپنے ایک معتمد امیر بہاء الدین قراقوش کو لے کر خلیفہ عاضد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بڑے ادب کے ساتھ سلام کیا...... اور کھڑا ہو گیا۔

خلیفہ عاضد نے ایک نظر صلاح الدین پر ڈالی اور پھر امیر بہاء الدین قراقوش کی طرف دیکھا جس کے ہاتھ میں طلائی خوان تھا۔

''خلیفۂ محترم!'' صلاح الدین مؤدبانہ لہجے میں والئ مصر سے مخاطب ہوا...... ''آپ نے مجھے وزارت عظمٰی کے عہدے سے سرفراز کیا...... اصولاً مجھے بھی آپ کی خدمت میں ایسی نذر پیش کرنی چاہئے تھی جو آپ کے شایان شان ہو...... مگر میری مجبوری یہ تھی کہ میں اپنا ذاتی خزانہ نہیں رکھتا...... مصر میں جو کچھ موجود ہے، وہ بندگان خدا کی ملکیت ہے۔''

خلیفہ عاضد اس طرز تخاطب پر بری طرح چونک اٹھا...... ''آخر تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''آج حق تعالٰی نے مجھے وہ قیمتی شے عطا کی جسے میں آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے فخر محسوس کر رہا ہوں۔'' صلاح الدین نے انتہائی باوقار لہجے میں کہا...... اور اپنے معتمد خاص امیر بہاء الدین قراقوش کو اشارہ کیا۔

قراقوش چند قدم آگے بڑھا اور اس نے خوان پر پڑا سرخ کپڑا ہٹا دیا۔

طلائی خوان میں خواجہ سرا موتمن کا کٹا ہوا سر رکھا تھا۔ اس کے برابر وہ خط بھی موجود تھا جو شاہ یروشلم اموری کے نام لکھا گیا تھا...... خواجہ سرا کا یہ حشر دیکھ کر چند لمحوں کیلئے خلیفہ عاضد کے چہرے پر وحشت برسنے لگی۔ پھر اس نے اپنے خوف پر قابو پا کر انتہائی غضبناک لہجے میں صلاح الدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''پہلے تم نے بارِبک جیسے خدارسیدہ بزرگ کا سر کاٹ کر قاہرہ کے گلی کوچوں میں پھرایا...... پھر امیر ابوجعفر اور علی ناصری جیسے معزز لوگوں کو اندھا کرا دیا...... اور اب میرے سب سے بڑے معتمد اور قصر خلافت کے منتظم اعلٰی کو قتل کر دیا...... آخر تم کیا چاہتے ہو؟ مصر کی زمین پر میرا کوئی ہمنوا باقی نہ رہے...... اگر تمہاری خود غرضی اور سفاکی کا یہی عالم رہا تو ایک دن تم مجھ سے بھی میرا سر طلب کرو گے۔''

''میں احسان فراموش نہیں ہوں خلیفۂ محترم۔'' صلاح الدین نے انتہائی باوقار لہجے میں کہا۔ ''میرے ہوتے ہوئے آپ کی جان و مال اور عزت و آبرو کو کوئی خطرہ نہیں...... یہ بدکار خواجہ سرا، قصر

خلافت کا منتظم اعلٰی نہیں، مملکت مصر کا غدار اعلٰی تھا۔'' صلاح الدین نے موتمن کے کٹے ہوئے سر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا...... پھر وہ خط اٹھا کر خلیفہ عاضد کو پیش کر دیا جس میں موتمن نے شاہ یروشلم کو مصر پر حملے کی دعوت دی تھی۔

خواجہ سرا کا خط پڑھتے ہوئے خلیفہ عاضد کے ہاتھ کانپ رہے تھے...... کیونکہ وہ خود اس سازش میں شریک تھا...... اور ہر قیمت پر صلاح الدین سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

''خلیفۂ محترم...... آج میں کچھ اہم باتوں کی مکمل وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔'' صلاح الدین دوبارہ عاضد سے مخاطب ہوا۔ ''میرے کاندھوں پر دہری ذمے داری کا بار گراں ہے...... ایک آپ کی اور حرم سرا کی حفاظت...... دوسرے دین و ملت کی حفاظت۔''

ابھی صلاح الدین کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ خلیفہ عاضد گرج کر بولا...... ''دین و ملت کی حفاظت سے تمہارا کیا مطلب؟ کیا مجھے اپنے دین اور ملت کی کوئی فکر نہیں؟''

اب کھل کر بات کرنے کا وقت آ گیا تھا...... یکایک صلاح الدین کے لہجے کی عاجزی جاہ و جلال میں تبدیل ہو گئی تھی...... ''مجھے یہ کہتے ہوئے بہت دکھ ہو رہا ہے کہ آپ کو آپ کے بزرگوں کو صرف اپنے تخت و تاج کی فکر تھی...... اگر دین و ملت کا خیال ہوتا تو دنیا بھر کے گمراہ اور شیطان صفت لوگ آپ کے زیر سایہ مصر میں جمع نہ ہوتے۔''

خلیفہ عاضد جوش غضب میں اپنی تخت نما کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''تم بے ادبی اور گستاخی کی آخری حد سے بھی گزر چکے ہو...... یہ ہے تمہاری احسان شناسی۔''

''خلیفۂ محترم...... مجھے اپنی بات مکمل کر لینے دیجئے۔'' یکایک صلاح الدین کی آواز بھی بلند ہو گئی تھی...... ''بارِبک جیسا شیطان...... ابوجعفر اور علی ناصری جیسے اسلام دشمن...... شاور اور موتمن جیسے غدار کس کے پروردہ تھے؟''

''میری حدود سلطنت میں رہ کر مجھ پر حکم چلانے والے تم کون ہو؟'' خلیفہ عاضد ہذیانی انداز میں چیخنے لگا۔

''آپ کے بزرگ مصر کی سلطنت لے کر پیدا نہیں ہوئے تھے۔'' صلاح الدین کا لہجہ بھی سخت ہو گیا تھا۔ ''اللہ نے غلاموں اور صحرا نشینوں کو اپنے فضل و کرم سے یہ راحتیں اور نعمتیں بخشیں...... اور پھر وہی ناشکر گزار بندے اللہ کے دین کا مذاق اڑانے لگے۔ میں آخری بار آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرے ہوتے ہوئے آپ کی اولاد اور جان و مال کو کوئی خطرہ نہیں...... لیکن اس کے ساتھ ہی مؤدبانہ عرض کرتا ہوں کہ اسلام دشمنوں کے ساتھ یہ ساز باز ختم کر دیجئے...... اگر آپ نے اپنی منافقانہ روش تبدیل نہیں کی تو پھر میں بھی اپنے وعدے کی قید سے آزاد ہوں۔''

یہ کہہ کر صلاح الدین تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔ امیر بہاء الدین قراقوش بھی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

اس کے بعد خلیفہ عاضد کو صرف قصر خلافت تک محدود کر دیا گیا تھا...... اسے محل سے باہر جانے کی

اجازت نہیں تھی...... مزید یہ کہ صلاح الدین نے اپنے معتمد خاص امیر بہاء الدین قراقوش کو قصر خلافت کا منتظم اعلیٰ بنا دیا تھا...... جس کی اجازت کے بغیر نہ کوئی شخص اندر جا سکتا تھا اور نہ باہر آ سکتا تھا...... اب قصر خلافت کی بلند و بالا، وسیع و عریض اور دلکش عمارت خلیفہ عاضد کیلئے ایک قید خانہ تھی...... جہاں وہ ایک معزول شدہ حکمراں کی طرح اپنی زندگی کے بقیہ روز و شب گزار رہا تھا۔

......☆......

خواجہ سرا موتمن کے قتل کی خبر سن کر سوڈانی حبشیوں میں شدید اشتعال پھیل گیا...... اور وہ بغاوت پر کمر بستہ ہو گئے...... پھر وہ 50 ہزار کی تعداد میں مسلح ہو کر قصر وزارت پر حملہ آور ہوئے...... جب یہ خبر خلیفہ عاضد کو ملی تو وہ بہت خوش ہوا...... اور انتہائی جذباتی لہجے میں حبشیوں کی کامیابی کی دعائیں کرنے لگا کہ اسی میں اس کی نجات تھی۔

صلاح الدین کے لئے سوڈانی حبشیوں کا حملہ غیر متوقع نہیں تھا۔ اس لئے اس نے پہلے ہی دفاعی انتظامات مکمل کر لئے تھے...... صلاح الدین، عبداللہ قرشی، امیر عزالدین اور صلاح الدین کے بڑے بھائی شمس الدولہ توران شاہ نے قصر وزارت سے نکل کر حبشیوں کا مقابلہ کیا۔ سوڈانی تعداد میں بہت زیادہ تھے...... مگر غیر تربیت یافتہ سپاہی تھے۔ اس لئے صلاح الدین کی یلغار کی تاب نہ لا سکے پھر بھی ان کا نیا سرغنہ ''توریہ'' انہیں غیرت و ہوش دلا رہا تھا۔

''اگر تم یہ جنگ ہار گئے تو مصر سے تمہارا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔''

یہی وجہ تھی کہ حبشی دو دن تک میدان میں جمے رہے...... آخر شدید خونریزی کے بعد صلاح الدین نے انہیں شکست دیدی۔ حبشیوں کی بڑی تعداد موت کی خوراک بن گئی...... بچے کھچے سوڈانی زخمی حالت میں فرار ہو گئے۔

اب سرزمین مصر پر خلیفہ عاضد کا کوئی طاقتور ہمنوا موجود نہیں تھا۔ صلاح الدین نے اس معرکہ آرائی کا تفصیلی حال سلطان نورالدین زنگی کو لکھ بھیجا۔ سلطان عادل نے بڑی مسرت کے ساتھ وہ خط پڑھا...... اور فوری طور پر اس ہدایت کے ساتھ نجم الدین ایوب کو مصر روانہ کر دیا۔

''اب وقت آ گیا ہے کہ مصر میں خلیفہ عاضد کا خطبہ موقوف کر کے عباسی خلیفہ مستعضی کا خطبہ پڑھوا دیا جائے۔'' یہ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی دیرینہ خواہش تھی کہ ان کی زندگی میں خلیفۂ بغداد کا خطبہ پڑھا جائے۔ سلطانِ عادل ملت اسلامی کو متحد دیکھنا چاہتے تھے۔ اسی لئے والیٔ شام نے صلاح الدین کو سختی کے ساتھ حکم دیا تھا کہ وہ اس کام میں انتہائی عجلت کا مظاہرہ کرے۔

نجم الدین ایوب نے سلطان عادل کا یہ حکم بیٹے تک پہنچا دیا تھا مگر صلاح الدین فی الوقت اپنا دامن بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے خطرہ تھا کہ اپنے خلیفہ کی معزولی کی خبر سن کر مصری امراء اس کے خلاف نہ ہو جائیں...... ابھی یہ ذہنی کشمکش جاری تھی کہ صلیبیوں کی طرف سے ایک اور خوفناک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔

......☆......

فرار ہو جانے والے سوڈانی حبشیوں نے یروشلم پہنچ کر اموری کے دربار میں دلدوز فریاد کی تھی کہ صلاح الدین نے سرزمین مصر سے حبشیوں کی نسل کا نام و نشان تک مٹا ڈالا ہے...... اور خلیفہ عاضد کو قید خانے میں ڈال دیا ہے۔ یہ اطلاع شاہ اموری کیلئے بڑی پریشان کن تھی۔ مصر پر صلاح الدین کے قبضے کا ایک ہی مطلب تھا کہ یہ علاقہ بالواسطہ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے تصرف میں آ گیا ہے...... مصر کی جغرافیائی حیثیت یہ تھی کہ یہاں سے براہ راست یروشلم پر حملہ کیا جا سکتا تھا۔

اور سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کا ایک ہی مقصد حیات تھا کہ وہ بیت المقدس میں داخل ہوں...... اور منبر پر کھڑے ہو کر اہل ایمان سے خطاب کریں اگرچہ سلطان عادل کی منزل ابھی دور تھی مگر ان کی جذباتی کیفیت کا یہ عالم تھا کہ سلطان عادل نے دس سال پہلے ہی ایک خوبصورت منبر بنوا کر ایک مخصوص کمرے میں رکھ دیا تھا۔ عام طور پر وہ کمرہ بند رہتا تھا...... کبھی کبھی سلطان نورالدین محمود زنگیؒ اس کمرے کو کھول کر اپنے ہاتھ سے منبر کی صفائی کرتے...... اور پھر بڑے دردناک لہجے میں دعا کرتے۔

''اے باری تعالیٰ! اپنے کمزور اور گناہ گار بندے نورالدین کی یہ آرزو پوری کر کہ وہ فاتحانہ حیثیت سے یروشلم میں داخل ہو...... اور مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کرے جہاں سے میرے آقا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر معراج شروع ہوا تھا...... اور مجھے یہ توفیق بھی عطا فرما کہ مسجد اقصیٰ کے بعد میں مسجد عمرؓ میں نماز ادا کروں۔'' واضح رہے کہ خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ نے انسانی خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر بیت المقدس فتح کیا تھا...... بعد میں اہلِ ایمان نے نشان کے طور پر مسجد عمرؓ کی تعمیر کی تھی۔

شاہ یروشلم نے سیاسی بساط الٹتے دیکھ کر فوری طور پر قسطنطنیہ کے شاہ مینوئل اور سسلی (صقلیہ) کے عیسائی حکمراں کے درباروں میں اپنے برق رفتار قاصد بھیجے۔ دونوں صلیبی بادشاہوں کے نام ایک ہی مضمون کے خط روانہ کئے گئے تھے۔

''آج یروشلم کی وہی حیثیت ہے جو چکی کے پاٹوں میں پھنسے ہوئے گندم کے دانوں کی ہوتی ہے...... اگر چکی چلانے والے ہاتھوں کو روکا نہیں گیا تو عیسائی سلطنت پس کر رہ جائے گی...... میں تم سے یسوع مسیح کے نام پر درخواست کرتا ہوں کہ بے دریغ میری مدد کرو...... اب سلطان نورالدین زنگیؒ کے حملوں سے محفوظ رہنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ میری فوجیں یروشلم سے نکل کر دمیاط پر قبضہ کر لیں۔''

دمیاط مصر کا ساحلی شہر تھا...... اور شاہ اموری یروشلم کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ دمیاط پر قابض ہو کر صلاح الدین کو مستقل تنگ کرتا رہے۔ یہاں تک کہ صلاح الدین مصر سے نکل جائے۔ اور شاور کے دور وزارت کی طرح خلیفہ عاضد سے فوجی معاہدہ کر لے تاکہ یروشلم سلطان نورالدین زنگیؒ کے امکانی حملوں سے ہمیشہ کیلئے محفوظ ہو جائے۔

قسطنطنیہ اور سسلی کے عیسائی حکمرانوں نے شاہ یروشلم کی درخواست پر بلا تاخیر عمل کیا...... صلیبی

فوج کی مدد کیلئے اپنے بحری بیڑے دمیاط کی طرف روانہ کر دیئے...... شاہ یروشلم کا خیال تھا کہ صلاح الدین نوجوان اور ناتجربہ کار ہونے کے باعث جنگی چالوں سے زیادہ باخبر نہیں ہوگا...... اس لئے صلیبی فوج آسانی کے ساتھ دمیاط پر قبضہ کر لے گی...... مگر شاہ یروشلم اس وقت حیران رہ گیا، جب دمیاط کے دفاعی انتظامات مکمل تھے...... اور صلیبی لشکر جنگ کے بغیر شہر میں داخل نہیں ہو سکتا تھا...... اور اس کی وجہ یہ تھی کہ صلاح الدین کا جاسوسی نظام انتہائی فعال تھا...... جیسے ہی عیسائی لشکر یروشلم سے روانہ ہوا، صلاح الدین کے جاسوسوں نے اسے اطلاع دی کہ صلیبیوں کے ارادے غیر ہیں...... صلاح الدین نے ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر اپنی فوج اور اسلحہ دمیاط کے قلعے میں پہنچا دیئے...... اور دو تین فوجی دستے صلیبی لشکر کا سامان رسد بند کرنے پر مامور کر دیئے...... اور خود قاہرہ میں مقیم رہا۔

ان انتظامات کے ساتھ ساتھ صلاح الدین نے ایک برق رفتار قاصد کو خط دے کر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی خدمت میں روانہ کیا۔ خط میں صلاح الدین نے تحریر کیا تھا۔

''سلطان عادل...... میں اس وقت شدید کشمکش میں مبتلا ہوں...... اگر قاہرہ چھوڑ کر صلیبی لشکر کا مقابلہ کرنے کیلئے دمیاط کی طرف جاتا ہوں تو مجھے خدشہ ہے کہ خلیفہ عاضد کے اشارے پر مصری امراء کہیں کوئی فتنہ کھڑا نہ کر دیں...... اور اس امکانی بغاوت کو روکنے کیلئے قاہرہ میں ٹھہرتا ہوں تو دمیاط صلیبیوں کے قبضے میں چلا جائے گا...... میرے لئے دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ مجھے اس مشکل سے نکال دے۔''

صلاح الدین کا خط پڑھ کر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے چہرے پر عجیب سا رنگ ابھر آیا...... پھر بڑے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''تم تو میری آخری امید ہو۔ حق تعالیٰ تمہیں مایوس نہیں کرے گا۔''

اس کے ساتھ ہی سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے منتخب جانبازوں کا ایک لشکر دمیاط کی طرف روانہ کر دیا...... اس کے کچھ دن بعد دوسرا لشکر...... پھر تیسرا...... پھر چوتھا...... سلطان عادل نے یہ طریقہ کار اس لئے اپنایا تھا کہ صلاح الدین کو تازہ دم فوجیوں کی کمک مسلسل ملتی رہے جس سے صلیبی لشکروں پر مسلمانوں کی ہیبت طاری ہو جائے۔

دوسری طرف صلاح الدین نے اپنے فوجیوں کو ہدایت کی تھی کہ وہ قلعہ بند ہو کر بیٹھے رہیں...... اور باہر نکل کر ہرگز مقابلہ نہ کریں۔

دمیاط کی طرف لشکر بھیجنے کے بعد خود سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے عیسائیوں کے چھوٹے چھوٹے علاقوں میں بھرپور حملہ کر کے انہیں تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا...... جب یہ خبریں شاہ یروشلم تک پہنچیں تو اسے شدید پریشانی لاحق ہوئی...... پھر بھی وہ جما رہا۔ اس وقت تک دمیاط کے محاصرے کو 43 دن ہو چکے تھے۔ شاہ یروشلم کو یقین تھا کہ چند دن میں صلاح الدین کی فوج تنگ آ کر قلعے کا دروازہ کھول دے گی۔ اس دوران شاہ یروشلم اپنی منجنیقوں سے قلعے کی فصیلوں پر سنگ باری کر رہا تھا۔ کئی دیواروں میں شگاف بھی پڑ چکے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ شگاف گہرے ہوتے...... اور صلیبی لشکر قلعے میں داخل ہوتا...... یکایک آندھی اور طوفان کی طرح سلطان نورالدین محمودؒ کے بھیجے

ہوئے لشکر آنا شروع ہو گئے۔ سلطان عادل نے خاص طور پر ماہر تیر اندازوں کا ایک دستہ بھی بھیجا تھا۔ ان تیر اندازوں نے نفط (تیل) کی پچکاریوں سے صلیبیوں کی ساری منجنیقیں جلا ڈالیں...... اور عیسائی فوج کے ایک حصے کو بیکار کر دیا۔

اس دوران صلاح الدین شدید اضطرابی کیفیت میں مبتلا تھا...... وہ دن بھر اپنے فوجی دستے کے ساتھ قاہرہ کی سرحدوں سے نکل کر گشت کرتا رہتا...... اور پھر سورج غروب ہونے سے پہلے قصر خلافت لوٹ آتا۔ اس کے بعد وہ ساری رات جاگ کر اپنے خالق کے سامنے سجدہ ریز رہتا۔ اور اس قدر روتا کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی...... وہ بس ایک ہی دعا مانگتا...... ''اے علیم و خبیر! تو خوب جانتا ہے کہ میں تاج و تخت کا خواہاں نہیں...... میری تو ایک ہی خواہش ہے کہ پرچم اسلام ہر حال میں بلند رہے...... اگر میرے ہاتھ اس پرچم کو اٹھانے کے قابل نہیں تو پھر کسی دوسرے علم بردار کو بھیج دے...... اور اپنے نام لیواؤں کو غلبہ عطا فرما۔''

شاہ یروشلم کو ناکام و نامراد تو واپس جانا ہی تھا...... مگر اللہ نے صلاح الدین کی دعاؤں میں وہ تاثیر پیدا کی کہ آفت آسمان نے صلیبی لشکر کو گھیر لیا۔ پہلے موسلا دھار بارش شروع ہوئی جو کئی دن تک جاری رہی...... یہاں تک کہ صلیبیوں کی لشکر گاہ پانی میں ڈوب گئی، ان کے گھوڑے، ہتھیار اور سامان رسد اس سیلاب میں بہنے لگا...... ابھی شاہ یروشلم اور اس کے سپاہی سنبھلنے بھی نہیں پائے تھے کہ یکایک خوفناک آندھی چلنے لگی...... ہوا کے جھکڑ اس قدر طوفانی تھے کہ عیسائی فوج کے خیمے اکھڑ گئے۔ قسطنطنیہ اور سسلی کے بحری بیڑے تباہ ہو گئے...... بے شمار فوجی اپنے ہلاکت خیز انجام کو پہنچے...... جب شاہ یروشلم واپس جا رہا تھا تو اس کی آنکھوں کے سامنے ایک لرزہ خیز اور عبرتناک منظر تھا...... عیسائی فوجی جو صلیب کی قسمیں کھا کر دمیاط کو فتح کرنے آئے تھے، ان کی بے گور و کفن لاشیں پانی پر تیر رہی تھیں...... اور مردہ خور پرندوں کے غول کے غول اس طرف بڑھ رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

عیسائیوں کی اس شکست پر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے صلاح الدین کو مبارکباد کے ساتھ قیمتی تحائف بھی بھیجے...... اور اس کے ساتھ ہی اصرار کیا کہ فوری طور پر عباسی خلیفہ مستضیٔ کا خطبہ جاری کیا جائے...... نجم الدین ایوب بھی بار بار بیٹے پر زور دے رہا تھا کہ بلا تاخیر سلطان عادل کے حکم کی تعمیل کی جائے۔ صلاح الدین اس سلسلے میں شدید ہچکچاہٹ کا شکار تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ خلیفہ عاضد کو بلا سبب معزول کرنے سے کہیں مصری امراء برہم نہ ہو جائیں...... اور مقامی باشندوں کے دل میں یہ بات جڑ نہ پکڑ جائے کہ ہم نے اسلام کے نام پر مصریوں کے حقوق غصب کر لئے...... اور ان کی مملکت کو شام کا غلام بنا دیا...... اسی ذہنی کشمکش سے نجات حاصل کرنے کیلئے صلاح الدین نے اپنے امراء کا اجلاس طلب کر لیا...... اور انہیں سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی خواہش سے باخبر کیا۔

بعض امراء نے انتہائی پرجوش لہجے میں کہا...... ''سلطان عادل کے ہر حکم پر عمل کرنا ہمارے لئے سعادت کا باعث ہے...... اگر سلطان بروقت اپنی فوج نہ بھیجتے تو دمیاط پر صلیبیوں کا قبضہ ہو جاتا

ہوتا......اور پھر اللہ ہی جانتا ہے کہ ہم کس انجام سے دوچار ہوتے۔''

کچھ امراء نے صلاح الدین کی تائید کی کہ اس طرح فتنہ وفساد کا خطرہ ہے۔ آخر ایک شخص امیر العالم اپنی جگہ کھڑا ہوا اور صلاح الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ''یہ کام مجھ پر چھوڑ دیں۔'' تمام لوگوں نے امیر العالم کی طرف حیرت سے دیکھا۔

وہ ۵۶۷ھ محرم کا مہینہ تھا۔ قاہرہ کی جامع مسجد میں تمام امراء نماز جمعہ کیلئے موجود تھے۔ اس سے پہلے کہ خطیب اپنا خطبہ شروع کرتا، امیر العالم نمازیوں کی اگلی صف سے تیزی کے ساتھ اٹھا......اور منبر پر چڑھ گیا......پھر اس نے بڑے پُرسوز لہجے میں حمد ونعت پڑھی......اس کے بعد عباسی خلیفہ مستعضی کی درازیٔ عمر اور بلند اقبالی کیلئے انتہائی مؤثر دعا کی، تمام لوگ خاموش بیٹھے رہے۔ صلاح الدین بار بار نمازیوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کسی کے چہرے پر ناگوار ردعمل کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔

پہلا مرحلہ سلامتی کے ساتھ گزر گیا تو صلاح الدین نے سرکاری طور پر یہ حکم جاری کر دیا۔

''ملت اسلامیہ کے اتحاد کیلئے ضروری ہے کہ تمام ریاستیں ایک ہی خلیفہ کے زیر اثر ہوں۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ ہمارے دل اور تلواریں امیر المومنین مستعضی بامر اللہ کے ساتھ ہیں۔''

دوسرے جمعے کو مصر کی تمام مسجدوں میں عباسی خلیفہ کا خطبہ زور وشور کے ساتھ پڑھا گیا اور پوری مملکت میں ایک بھی صدائے احتجاج بلند نہیں ہوئی۔ دو دن بعد اس خبر کے صدمے سے خلیفہ عاضد کا انتقال ہو گیا......بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ اس نے زہر کھا لیا تھا......حقیقت کچھ بھی ہو، ۲۰۰ سال بعد مصر میں فاطمی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔

خلیفہ عاضد کا خزانہ قیمتی جواہرات اور سونے چاندی سے بھرا ہوا تھا......صلاح الدین نے ساری دولت اپنی فوج اور مصر کے غریب باشندوں میں تقسیم کر دی......اس کے اس عمل سے رعایا اتنی خوش ہوئی کہ جوش مسرت میں اپنے گھروں سے نکل آئی۔ ہزاروں لوگ قصر خلافت کے دروازے پر جمع ہو گئے۔

''صلاح الدین۔ اللہ ہمارے سروں پر تیرا سایہ تادیر قائم رہے۔'' گردونواح کا پورا علاقہ اس شور سے گونج رہا تھا۔

اسی دن سے نجم الدین ایوب کا بیٹا یوسف، صلاح الدین کے لقب سے مشہور ہوا......اور پھر مصری عوام کا دیا ہوا یہ خطاب شہرتِ دوام حاصل کر گیا......کچھ دن بعد صلاح الدین نے والد کی نسبت کو بھی اپنے نام کا حصہ بنا لیا......سرکاری احکام جاری کرنے کیلئے جو مُہر بنوائی گئی اس پر ''صلاح الدین ایوبی'' کندہ تھا۔

جب صلاح الدین ایوبی نے مصر پر مکمل اقتدار حاصل کر لیا تو اچانک اسے والدہ کی بیماری کی خبر ملی......چھوٹا بھائی ملک عادل یہ خبر لے کر آیا تھا۔ اس نے انتہائی غمزدہ لہجے میں بتایا۔

''اُمِ محترم کی بیماری بڑھتی ہی جا رہی ہے......طبیبوں نے جواب دیدیا ہے......وہ زیادہ سے زیادہ مہینے دو مہینے کی مہمان ہیں......اکثر روتی رہتی ہیں......اور کہتی ہیں کہ اے موت وحیات کے

مالک! بس مجھے اتنی مہلت دے دے کہ میں اپنے یوسف کو دیکھ لوں......اور پھر تیری بارگاہِ کرم میں حاضر ہو جاؤں۔''

چھوٹے بھائی کی زبانی والدہ محترمہ کی یہ کیفیت سن کر صلاح الدین ایوبی زار وقطار رو دیا......اور پھر ملک عادل سے شکایت آمیز لہجے میں بولا۔ ''اُمِ محترم! اس حال کو پہنچ گئیں......اور تم مجھے اب بتانے آئے ہو۔''

ملک عادل نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ ''والدہ محترمہ نے سختی کے ساتھ منع کر دیا تھا کہ کسی کو ان کی بیماری کی اطلاع نہ دی جائے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ اور بابا محترم ایک خطرناک جنگی محاذ پر الجھے ہوئے تھے......اور وہ نہیں چاہتی تھیں کہ یہ پریشان کن خبر سن کر آپ لوگوں کی توجہ تقسیم ہو جائے......اب جبکہ آپ حالات پر قابو پا چکے ہیں، تو میں نے ضروری سمجھا کہ اُمِ محترم کی آخری خواہش آپ تک پہنچا دی جائے۔''

صلاح الدین نے فوری طور پر اپنے والد نجم الدین ایوب اور بڑے بھائی شمس الدولہ توران شاہ سے مشورہ کیا......دونوں نے ایک ہی رائے دی۔

''انسان کی موت کا وقت مقرر ہے جو کسی طرح بھی نہیں ٹل سکتا......پہلے تو ہم سیاسی صورتحال کے پیش نظر مصر چھوڑ کر جا ہی نہیں سکتے......اور اگر بالفرض محال چلے بھی جائیں تو تمہاری والدہ کو مرنے سے نہیں بچا سکتے۔''

صلاح الدین ایوبی اپنے والد اور بڑے بھائی کا جواب سن کر حیران رہ گیا......دونوں کے چہروں پر کوئی خاص تاثر نہیں تھا۔

پھر نجم الدین ایوب نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے ملک عادل کو مخاطب کر کے کہا۔ ''تم اپنی والدہ کو مصر لے آؤ......یہاں ان کا علاج بھی ہو جائے گا......اور وہ اپنے بیٹوں کو دیکھ کر مطمئن بھی ہو جائیں گی۔''

''طبیبوں کے مطابق والدہ محترمہ چند میل کا سفر کرنے کے بھی قابل نہیں ہیں۔'' ملک عادل نے اداس لہجے میں کہا......''اور پھر شام سے مصر تو بہت ہی دور ہے۔''

صلاح الدین نے باپ اور بھائی کی گفتگو سے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ شام جانے کیلئے تیار نہیں ہیں......دراصل وہ ان دونوں کو آزمانا چاہتا تھا کہ وہ اپنی بیوی اور ماں سے کتنی محبت رکھتے ہیں؟ لیکن نجم الدین ایوب اور شمس الدولہ توران شاہ کے چہروں کے تاثرات نے ظاہر کر دیا تھا کہ وہ زبیدہ خانم کی عیادت کے مقابلے میں قیام مصر کو زیادہ ترجیح دے رہے تھے......آخر اس نے باپ اور بھائی پر اپنا فیصلہ ظاہر کر دیا۔

''میں ہر حال میں والدہ محترمہ کی خواہش کا احترام کروں گا۔''

''اگر تمہارے پیچھے مصر میں کوئی بحران اٹھ کھڑا ہوا......؟'' نجم الدین ایوب نے بیٹے سے سوال کیا۔

''مجھے یقین ہے کہ میری عدم موجودگی میں کوئی سیاسی بحران پیدا نہیں ہوگا۔'' صلاح الدین ایوبی

نے پرجوش لہجے میں جواب دیا۔ ''میں سیر وتفریح کیلئے شام نہیں جا رہا ہوں...... بلکہ مجھے اس محترم ہستی کا دیدار مقصود ہے، جس کی دعاؤں سے مجھے یہ فتوحات میسر آئی ہیں...... ابھی مصر کی سرحدوں پر سکون ہے...... اور ہم حالت جنگ میں نہیں ہیں...... اگر خدانخواستہ والدہ محترمہ مجھ سے ملے بغیر چلی گئیں تو یہ خلش زندگی بھر چین سے جینے نہیں دے گی۔''

نجم الدین ایوب اور توران شاہ نے بہت سمجھایا...... مگر صلاح الدین ایوبی نے شام جانے کا فیصلہ کر ہی لیا...... پھر اس نے اپنے معتمد سرداروں سالار عبداللہ قرشی، امیر عزالدین اور بہاء الدین قراقوش کو تنہائی میں بلایا اور تمام صورتحال بیان کرتے ہوئے کہا۔ ''میں اپنی والدہ محترمہ کی عیادت کو جا رہا ہوں...... اور یہ امانت تمہارے سپرد کئے جا رہا ہوں۔''

''کیسی امانت؟'' امیر عزالدین نے حیرت سے پوچھا۔

''انتظامِ سلطنت......'' صلاح الدین ایوبی نے پُرسوز لہجے میں کہا۔ ''بس ہمارے پاس اللہ کی یہی امانت ہے۔''

''آپ کے والد محترم یہاں موجود ہیں...... پھر فکرمند ہونے کی کیا ضرورت ہے؟'' قصر خلافت کے منتظم اعلیٰ امیر بہاء الدین قراقوش نے کسی قدر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''انسان بہت سی کمزوریوں کا مجموعہ ہے۔'' صلاح الدین ایوبی نے نہایت سنجیدہ لہجے میں کہا...... ''ہمارے نفس اتنے سرکش ہیں کہ حصول اقتدار کے لئے اپنے مذہب تک کو فروخت کر ڈالتے ہیں...... میرے والد محترم اور بڑے بھائی بھی قانون سے بالاتر نہیں...... اگر وہ دونوں اپنے اختیارات کے دائرے میں رہیں تو تم بھی ان کا احترام کرنا...... اور اگر ان کی نیتوں میں خلل پیدا ہو جائے تو انہیں ایک کمرے تک محدود کر دینا۔''

اس روز امیر عزالدین، امیر بہاء الدین قراقوش اور سالار عبداللہ قرشی کو اندازہ ہوا کہ صلاح الدین ایوبی امور مملکت کے بارے میں کس قدر سخت اور بے غرض انسان ہے...... تینوں نے ایک بار پھر قسم کھا کر وزیر اعظم مصر کو آخری سانس تک اپنی وفاداریوں کا یقین دلایا۔

نجم الدین ایوب اور شمس الدولہ توران شاہ کو اس خفیہ اجلاس کا پتا بھی نہیں چلا...... اور صلاح الدین ایوبی اپنے چھوٹے بھائی ملک عادل کو لے کر ایک فوجی دستے کے ساتھ شام روانہ ہو گیا۔

☆

جب صلاح الدین والدہ محترمہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس کے دل کو شدید تکلیف پہنچی...... اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے...... زبیدہ خانم سوکھ کر کانٹا ہو گئی تھیں...... ان میں اتنی طاقت بھی نہیں تھی کہ وہ اٹھ کر بیٹھ سکتیں۔

''میرے قریب آؤ یوسف۔'' زبیدہ خانم کی کانپتی ہوئی آواز ابھری۔

صلاح الدین ایوبی اشکبار آنکھوں کے ساتھ جھکا...... یہاں تک کہ اس نے ماں کی پیشانی کو بوسہ دیا...... زبیدہ خانم نے اپنا لرزتا ہوا ہاتھ بیٹے کے سر پر رکھ دیا...... ''اللہ تمہیں دنیا اور آخرت کی ساری

نعمتوں سے سرفراز کرے کہ تم نے ایک مجبور ماں کی پیاسی آنکھوں کو سیراب کیا۔'' زبیدہ خانم کی آواز نقاہت کے سبب اتنی کمزور تھی کہ صلاح الدین کو سننے میں بہت دشواری پیش آ رہی تھی۔ ''اب میں سکون سے مر سکوں گی۔'' یہ کہتے کہتے زبیدہ خانم پر غشی طاری ہو گئی۔

صلاح الدین ایوبی نے شام کے بڑے طبیبوں سے مشورہ کیا...... مگر سب نے مایوسی کا اظہار کیا...... ''انہیں بظاہر کوئی بیماری نہیں ہے...... بس کمزوری ہے جو ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ بڑھتی جا رہی ہے...... نہ وہ کوئی ٹھوس اور طاقت بخش غذا کھا سکتی ہیں...... اور نہ ہضم ہوتی ہے...... انتہا یہ ہے کہ دودھ اور پانی بھی قے کے راستے نکل جاتا ہے۔''

صلاح الدین ایوبی اسی کرب کے عالم میں اپنے استاد گرامی قاضی ابنِ عرسون کی خدمت میں حاضر ہوا...... ایک اور اذیتناک منظر اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ قاضی ابنِ عرسون نابینا ہو چکے تھے...... پھر جب صلاح الدین ایوبی نے استاد گرامی کے سامنے اپنے ہمدردانہ جذبات کا اظہار کیا تو قاضی ابنِ عرسون کے ہونٹوں پر ایک مرد مومن کی باوقار مسکراہٹ ابھر آئی۔ جس سے شکایت اور غم کے بجائے صبر و طمانیت کا اظہار ہو رہا تھا۔

''میرے محبوب بیٹے...... نور تو بس اس ذاتِ واحد کا ہے جو ابد تک جاری رہے گا...... باقی ہر شے کو ایک دن بے نور ہو جانا ہے...... میں دنیا کا ایک انتہائی خوش نصیب انسان ہوں کہ میری آنکھوں کی روشنی تمہیں مل گئی۔'' قاضی ابنِ عرسون کی کوئی اولاد نہیں تھی...... اور کچھ دن پہلے ان کی بیوی کا بھی انتقال ہو چکا تھا...... اس لئے وہ گھر چھوڑ کر اپنے مدرسے میں چلے آئے تھے...... یہاں شاگردوں کی ایک بڑی تعداد ان سے درس لینے آتی تھی اور اسی مصروفیت کے باعث قاضی صاحب کو نابینا ہوتے ہوئے بھی اپنی تنہائی اور محرومی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔

صلاح الدین ایوبی نے نہایت عاجزانہ لہجے میں اپنے استاد گرامی سے درخواست کی...... ''اگر آپ میرے ہمراہ مصر تشریف لے چلیں تو یہ میرے لئے بڑی سعادت ہوگی...... اس طرح میں آپ کی خدمت بھی کر سکوں گا...... اور دعاؤں کے حلقۂ اثر میں بھی شامل رہوں گا۔''

''دعاؤں کیلئے قربت کی ضرورت نہیں ہوتی۔'' قاضی ابنِ عرسون کے ہونٹوں پر وہی دل آویز تبسم نمایاں تھا...... ''میرے نزدیک شام اور مصر میں اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا کہ اس وقت میرے اور تمہارے درمیان...... اگر خالق کائنات نے میری دعاؤں میں تاثیر بخشی ہے تو تم کہیں بھی رہو، اس سے محروم نہیں رہو گے...... تمہاری یہ خدمت کیا کم ہے کہ تم اپنے استاد کو یاد رکھتے ہو...... بس میری آخری نصیحت یہ ہے کہ ایک لمحے کیلئے بھی اپنی حقیقت کو فراموش نہ کرنا...... میں تم سے راضی ہوں...... اور ہر وقت دعا کرتا ہوں کہ اللہ بھی تم سے راضی ہو جائے۔''

جب صلاح الدین ایوبی کو اندازہ ہو گیا کہ قاضی ابنِ عرسون کسی طرح بھی مصر جانے پر آمادہ نہیں ہوں گے تو اس نے اپنی والدہ محترمہ کی بیماری کا ذکر کرتے ہوئے ان کی صحت کیلئے قاضی ابنِ عرسون سے دعا کی درخواست کی۔

زبیدہ خانم کی شدید علالت اور طبیبانِ خاص کی مایوسی کا ذکر سن کر قاضی ابنِ عرسون کچھ دیر کیلئے اداس ہوگئے...... پھر اپنے شاگرد سے مخاطب ہوکر بولے۔ ''یوسف...... مجھے اپنی حقیقت معلوم ہے...... یہ تو بس اس کی شانِ کرم ہے کہ اس نے اہلِ شام کے سامنے میرا بھرم رکھا ہے...... تم میری بیٹی شاریہ سے دعا کیلئے کہو...... اللہ اس کی بہت سنتا ہے۔''

شاریہ کا نام سن کر صلاح الدین ایوبی کے ذہن میں ایک برق سی لہرائی...... والدہ محترمہ کی بیماری کے سبب وہ اس لڑکی کو بھی فراموش کر بیٹھا تھا جس نے اس کی خاطر اپنی دنیا ہی بدل ڈالی تھی......

صلاح الدین ایوبی استادِ گرامی کی بارگاہ سے اٹھ کر اس حجرے کی طرف چلا جہاں شاریہ دس سال سے گوشہ نشین تھی...... حجرہ تو وہی تھا مگر یہاں کی فضا بدلی ہوئی تھی...... کچھ دیر کیلئے صلاح الدین ایوبی پر حیرت کی کیفیت طاری ہوگئی...... حجرے کے دروازے پر بہت سی عورتیں جمع تھیں...... ان میں سے کچھ اپنے ظاہری حلیے سے خوشحال نظر آرہی تھیں...... اور کچھ بدحال و غریب...... صلاح الدین ایوبی خاموشی سے کھڑا یہ منظر دیکھتا رہا...... اسی وقت ایک عورت حجرے سے باہر آئی جو بظاہر مفلس و نادار تھی...... مگر اس کے چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں تھے...... اس کے جاتے ہی دروازے پر کھڑی ہوئی ایک بوڑھی عورت نے دوسری خاتون کو جو قیمتی لباس میں ملبوس تھی، مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''اب تم اندر جاؤ...... مگر بی بی کا زیادہ وقت برباد نہ کرنا...... ابھی یہاں اور بھی ضرورت مند موجود ہیں۔'' بوڑھی عورت کے لہجے سے بے نیازی کا رنگ جھلک رہا تھا۔ جب وہ مالدار خاتون اندر چلی گئی تو اچانک بوڑھی عورت کی نظر صلاح الدین ایوبی پر پڑی...... اور اس نے تیز لہجے میں وزیرِاعظم مصر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''تم کون ہو اور یہاں کیوں کھڑے ہو...... کیا دیکھتے نہیں کہ یہاں پردہ دار خواتین موجود ہیں؟''

بوڑھی عورت کے طرزِ تخاطب پر صلاح الدین ایوبی کو کچھ ندامت سی محسوس ہوئی۔ اس نے انتہائی نرم لہجے میں کہا...... ''مجھے اس صورتحال کا اندازہ نہیں تھا...... شاریہ بی بی سے جا کر کہو کہ یوسف آیا ہے۔''

''تم برابر کے حجرے میں بیٹھ کر اپنی باری کا انتظار کرو۔'' بوڑھی عورت کے لہجے میں وہی تیزی تھی...... ''جب یہ تمام عورتیں چلی جائیں گی...... اور اگر بی بی مناسب سمجھیں گی تو تمہیں بلا لیا جائے گا...... ویسے وہ کسی مرد سے ملاقات نہیں کرتیں۔''

صلاح الدین ایوبی کو بوڑھی عورت کا یہ لہجہ کسی قدر ناگوار گزرا...... اور اس ناگواری کا بنیادی سبب یہ تھا کہ وہ خادمہ شاریہ اور اس کے تعلق سے واقف نہیں تھی...... ''تم مجھے جانتی نہیں اس لئے حجت کر رہی ہو...... تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ تم اندر جا کر اپنی بی بی تک میرا یہ پیغام پہنچا دو۔'' یہ کہتے کہتے صلاح الدین کی آواز بلند ہوگئی تھی۔

''اگر تم خلیفہ بھی ہو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' بوڑھی خادمہ کے لہجے سے بھی تلخی جھلکنے لگی تھی۔ ''سب سے آخر میں آئے ہو اور سب سے پہلے جانا چاہتے ہو...... بی بی کا یہی حکم ہے کہ بعد میں

آنے والا بعد ہی میں حاضری کا مستحق ہوگا۔''

صلاح الدین ایوبی نے بہت غور سے بوڑھی خادمہ کی طرف دیکھا اور خاموشی کے ساتھ وہاں سے نکل کر برابر کے حجرے میں چلا گیا......

پھر اسے شاریہ سے ملاقات کیلئے طویل انتظار کرنا پڑا...... والدہ کی شدید بیماری اور مصر کی سیاسی صورتحال، صلاح الدین ایوبی اپنے خیالات میں الجھا ہوا تھا کہ یکایک اسے حجرے کے دروازے پر انسانی قدموں کی چاپ سنائی دی...... صلاح الدین نے چونک کر دیکھا...... اس کی نظروں کے سامنے سفید لباس میں ملبوس ایک کمزور سی عورت کھڑی تھی...... جس کے چہرے کی رنگت سفیدی مائل زرد تھی...... رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں...... اور آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے پڑے ہوئے تھے۔ اس عورت کے پیچھے بوڑھی خادمہ کھڑی تھی۔

صلاح الدین ایوبی حیرت سے اس عورت کی طرف دیکھ رہا تھا...... وہ شاریہ کو پہچاننے سے قاصر رہا تھا۔

''یوسف......'' شاریہ کے چہرے پر ناقابلِ بیان مسرت کا رنگ اُبھر آیا تھا۔

اس عورت کی زبان سے اپنا نام سن کر صلاح الدین حیرت زدہ رہ گیا...... ''یہ تم ہو شاریہ؟''

''مجھے بہت دیر سے بتایا گیا کہ تم آئے ہوئے ہو۔'' شاریہ نے معذرت کے لہجے میں کہا...... پھر اپنی بوڑھی خادمہ سے مخاطب ہوکر بولی۔ ''یہ میرے مہمانِ خاص ہیں۔ ان کی تواضع کا کچھ سامان کرو۔''

بوڑھی عورت بھی شدید حیرت میں مبتلا تھی کہ آخر یہ کون مرد ہے کہ جس کے استقبال کیلئے اس کی بی بی کو خود آنا پڑا۔ جب خادمہ چلی گئی تو شاریہ صلاح الدین کو لے کر حجرے میں آگئی۔

''میں نے تمہیں نہیں پہچانا شاریہ۔'' صلاح الدین ایوبی کے لہجے سے اُداسی جھلک رہی تھی......

''نہ وہ رنگ...... نہ وہ دلکش خدوخال...... چند روز میں سب کچھ بدل گیا۔''

''تم بھی تو بدل گئے یوسف۔'' شاریہ بڑے حوصلے کے ساتھ مسکرائی...... ''پورا مصر فتح کر ڈالا اور وزیرِاعظم بن گئے...... اپنی عظیم الشان کامیابیوں پر میری طرف سے مبارکباد قبول کرو۔''

شاریہ کی ظاہری حالت دیکھ کر صلاح الدین ایوبی بہت زیادہ رنجیدہ ہوگیا تھا۔ ''مجھے بہت دکھ ہے کہ میں اپنی بے پناہ مصروفیات کے باعث تم سے ملنے نہ آسکا اور سچ تو یہ ہے کہ اب بھی والدہ محترمہ کی شدید بیماری کی خبر سن کر یہاں آیا ہوں۔''

یہ سنتے ہی شاریہ کے چہرے پر اذیت و کرب کی پرچھائیاں لرزنے لگیں...... ''کیا بیماری ہے انہیں؟'' شدتِ غم سے شاریہ کی آواز لرزنے لگی تھی۔

''کوئی نہیں جانتا کہ انہیں کیا بیماری ہے...... مگر ہر طبیب یہی کہتا ہے کہ وہ قبر کے دہانے پر کھڑی ہیں۔''

شاریہ بھی زبیدہ خانم کو اپنی ماں کی طرح چاہتی تھی...... مگر نجم الدین ایوب کی وجہ سے یہ رشتہ ختم

ہو گیا تھا...... پھر بھی زبیدہ خانم اسے اکثر یاد کیا کرتی تھیں......آج جب شاریہ نے صلاح الدین کی زبانی زبیدہ خانم کے بارے میں انتہائی مایوس کن خبر سنی تو وہ بے قرار ہو گئی......اور شدید التجا کے لہجے میں صلاح الدین سے کہنے لگی۔

''یوسف......اگر تم مجھے اجازت دو تو میں ایک بار اپنی ماں کو دیکھ لوں۔''

شاریہ کی درخواست سن کر صلاح الدین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔''میں تو خود تمہارے پاس آیا تھا کہ تم والدہ صاحبہ کی صحت کیلئے دعا کرو کہ اب دعا ہی ان کا علاج ہے۔''

پھر شاریہ صلاح الدین کے ساتھ اس کے گھر پہنچی......زبیدہ خانم پہچاننے میں نہیں آتی تھیں......اور خود شاریہ بھی اتنی بدل گئی کہ زبیدہ خانم اسے پہچان نہ سکیں......پھر جب صلاح الدین نے انہیں بتایا تو وہ شاریہ کو دیکھ کر رونے لگیں......

''میری بچی......ہم سب مجبور ہیں۔''

''مگر وہ مالک و مختار ہے۔'' شاریہ جھکی......زبیدہ خانم کے ماتھے کو بوسہ دیا اور ان کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان لے کر انتہائی رقت آمیز لہجے میں کہنے لگی۔''اے موت و حیات کے مالک! اگر میری ماں کا وقت پورا ہو چکا ہے تو ان کی جگہ میرا صدقۂ جان قبول کر لے......اور اگر ان کی سانسیں باقی ہیں تو میری زندگی کے ماہ و سال انہیں بخش دے۔'' یہ دعا مانگنے کے بعد شاریہ نے زبیدہ خانم کے سر سے لے کر پاؤں تک سات سات بار اپنے دونوں ہاتھ پھیرے...... ہر مرتبہ وہ زبان سے چند مخصوص کلمات ادا کرتی تھی۔

''ہر بلا دور...... دور......بہت ہی دور۔''

یہ عمل کر کے شاریہ اپنی خانقاہ واپس چلی گئی......اور زبیدہ خانم حیرت انگیز طور پر صحت یاب ہونے لگیں......صلاح الدین شاریہ کے اس طرزِ عمل پر حیران رہ گیا تھا......پھر ایک دن اس نے بڑے پُرسوز لہجے میں اپنی والدہ سے کہا۔

''اُمِ محترم! آپ نے دیکھی شاریہ کی محبت؟ وہ غیر ہے......مگر پھر بھی آپ کی صحت کیلئے اپنا صدقۂ جان دینے پر آمادہ ہے......اور ایک ہم ہیں آپ کی حقیقی اولاد......مگر کسی بھائی کو بھی اپنی ماں کیلئے یہ دعا مانگنے کی توفیق نہیں ہوئی۔''

زبیدہ خانم کیا جواب دیتیں۔ بیٹے کی باتیں سن کر بہت دیر تک روتی رہیں......پھر رک رک کر بولیں......''میں ہمیشہ اس کی مقروض رہوں گی۔ حق تعالیٰ اسے دونوں جہان میں بلند درجات عطا فرمائے۔''

''بلند درجہ تو اسے مل چکا......'' صلاح الدین ایوبی نے خود کلامی کے انداز میں کہا......''طبیبانِ خاص کے کیمیا اثر نسخے رائیگاں گئے......مگر اس کی زبان سے ادا ہونے والے دو لفظ آسمان پر سنے گئے۔''

پھر صلاح الدین دوبارہ شاریہ سے ملا......مگر اب کی بار اس کے ملنے کا انداز بڑا مؤدبانہ تھا......

جیسے کوئی عقیدت مند کسی خدا رسیدہ بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہو......''میں زندگی بھر تمہارا شکر گزار رہوں گا شاریہ۔'' صلاح الدین ایوبی نے کم و بیش وہی الفاظ اپنی زبان سے دہرائے جو زبیدہ خانم نے کہے تھے۔''تمہاری دعاؤں سے میری والدہ محترمہ کو صحت ملی......اور میرے بے قرار دل کو سکون۔''

''ایک گناہ گار کی دعائیں ہی کیا؟'' شاریہ کے لہجے سے دل کا درد جھلک رہا تھا۔

''مجھے استادِ گرامی نے سب کچھ بتا دیا......سارا شہر ہی تمہاری دعاؤں سے فیضیاب ہو رہا ہے۔'' صلاح الدین نے انتہائی اثر انگیز لہجے میں کہا۔

''یہ تو استادِ گرامی کی عظمت ہے کہ انہوں نے مجھ راندۂ درگاہ کنیز کو اپنی بیٹی کا درجہ دیا۔'' یکایک شاریہ کے لہجے میں تبدیلی آ گئی تھی۔''دعا تو وہ خود کرتے ہیں......اور شہرت ہم ناکارہ لوگوں کی ہو جاتی ہے......یہ سب فریبِ نظر ہے یوسف......پھر بھی اگر تم میری دعاؤں کو مؤثر سمجھتے ہو تو یہ سمجھ لو کہ تمہیں سکون مل گیا......اور میری ریاضت ٹھکانے لگ گئی۔''

''مجھے تمہاری صحت کی بربادی دیکھ کر بہت دکھ ہوا ہے شاریہ۔'' یہ کہتے کہتے صلاح الدین کی آنکھوں سے نمی جھلکنے لگی تھی۔''اگر والدِ محترم سے عہد نہ کر چکا ہوتا تو میں تمہیں اس طرح تنہا نہ چھوڑتا۔''

''ایفاءِ عہد ہی سب کچھ ہے یوسف۔'' شاریہ پر ایک جذب کی سی کیفیت طاری تھی۔''جس نے عہد توڑا وہ کہیں کا نہیں رہا......مجاہد ہو کر میری تنہائی پر روتے ہو......تمہیں تو ملت کے غم میں اشکبار ہونا چاہئے۔'' شاریہ بے پناہ قوتِ برداشت کا مظاہرہ کر رہی تھی......جس یوسف کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے وہ بے قرار رہتی تھی......آج وہی یوسف اس کے سامنے بیٹھا تھا......اور وہ اسے نظر انداز کر رہی تھی۔''اب میرے لئے تنہائی اور محفل میں کوئی فرق نہیں......قربتیں اور فاصلے سب برابر ہیں......وصال و فراق دونوں یکساں ہیں......اب تم جاؤ......باہر کچھ ضرورت مند خواتین کھڑی ہیں۔''

صلاح الدین ایوبی شاریہ کی گفتگو سن کر حیران رہ گیا......وہ کچھ اور باتیں کرنا چاہتا تھا......مگر شاریہ نے اسے دوبارہ ٹوک دیا......''دیکھو یوسف تم مجھے زیادہ پریشان مت کرو......میں بہت تھک گئی ہوں۔''

اس ایک جملے میں شاریہ کی زندگی کا تمام کرب پوشیدہ تھا......صلاح الدین اس کی مجبوریوں کو سمجھتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔

شاریہ نے اسے آخری نصیحت کرتے ہوئے کہا۔''یوسف......تمہاری منزل بہت دور ہے......اتنی دور کہ تم ان فاصلوں کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ پیچھے مڑ کر مت دیکھنا کہ یہ سب راستے کا پتھر ہیں۔''

صلاح الدین ایوبی چلا گیا......شاریہ رخصت کرنے کیلئے دروازے تک آئی......اور پھر اس نے اندر سے دروازہ بند کر لیا......صلاح الدین کے جاتے ہی شاریہ زار و قطار رونے لگی۔ اس کے دونوں

ہاتھ دراز تھے اور وہ گریہ وزاری کے انداز میں دعا کر رہی تھی۔

''اے اللہ! جب میں تیری بندگی کا اقرار کر چکی تو یہ درمیان میں دوسرا کون ہے؟ اسے میرے دل سے نکال دے...... میں بہت کمزور ہوں۔ مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کر۔'' پھر روتے روتے وہ اس قدر نڈھال ہوگئی کہ اس نے اپنی بوڑھی خادمہ سے کہا۔ ''آپ ان تمام عورتوں کو میرا سلام کہیں...... اور معذرت کرلیں کہ آج میری طبیعت بہت زیادہ خراب ہے۔''

☆

زبیدہ خانم کی طبیعت بڑی حد تک سنبھل چکی تھی...... مگر کمزوری کے سبب مصر تک طویل سفر اختیار نہیں کر سکتی تھی...... اور صلاح الدین کی مجبوری یہ تھی کہ وہ زیادہ دن تک اپنی مملکت سے دور نہیں رہ سکتا تھا...... مجبوراً اس نے والدہ محترمہ سے واپس جانے کی اجازت مانگی...... ''انشاء اللہ آپ دو تین ماہ میں مکمل طور پر صحت یاب ہوجائیں گی...... پھر میں آپ کو اپنے پاس بلالوں گا۔''

''میں تو ہر وقت تمہارے ہی پاس رہتی ہوں۔'' بیٹے کی بات سن کر زبیدہ خانم رو پڑیں...... ''تم صرف ماں کے سکون کی خاطر یہاں تک آئے...... اللہ تمہیں بھی بے سکون اور نامراد نہیں رکھے گا۔''

پھر ماں کی دعاؤں کے سائے میں صلاح الدین ایوبی شام سے رخصت ہو کر دمشق پہنچا...... اور سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلطان عادل نے فاتح مصر کا ایسا شاندار استقبال کیا کہ حاضرین دربار نے اپنی طویل ملازمت کے دوران اپنی آنکھوں سے ایسا منظر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سلطان نور الدین محمود زنگیؒ نے قصر خلافت کے دروازے پر صلاح الدین ایوبی کو خوش آمدید کہا...... اور جوش جذبات میں بے اختیار صلاح الدین کی کشادہ پیشانی کو بوسہ دیا۔

''مرحبا...... میرے مجاہد...... مرحبا......'' سلطان نور الدینؒ کی آواز اتنی بلند تھی کہ اطراف کی فضا گونج اٹھی...... پھر سلطان عادل، صلاح الدین ایوبی کے کاندھے پر ہاتھ رکھے اسے دربار تک لائے...... اور اپنے برابر بٹھایا۔

اس وقت دربار میں سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کے بڑے بڑے امراء اور رشتے دار موجود تھے۔ انہیں سلطان عادل کی طرف سے صلاح الدین کی یہ پذیرائی بہت گراں گزری...... پھر تنہائی ملتے ہی ان تمام امراء نے دبے لہجے میں سلطان عادل سے شکایت کی۔

''اس نوجوان کے مقابلے میں ہم آپ کی نوازشات اور توجہات کے زیادہ مستحق ہیں۔''

''وہ کس طرح؟'' سلطان نور الدین محمود زنگیؒ نے ان شاکی امراء سے سوال کیا۔

''ہماری خدمات صلاح الدین سے کہیں زیادہ ہیں......'' ایک امیر نے جو سلطان نور الدین زنگیؒ کا قریبی عزیز تھا، کسی قدر غرور کے لہجے میں کہا۔ ''ہم نے سلطنتِ نوریہ کے استحکام کیلئے اپنا عیش و آرام اور دن رات کا سکون برباد کیا ہے...... پھر وہ غلام زادہ ہماری برابری کیسے کرسکتا ہے۔''

وہ امیر قرابت داری کے نشے میں تھا، اس لئے سلطان عادل کے سامنے اونچے لہجے میں بول رہا تھا...... سلطان نور الدین زنگیؒ بہت متحمل مزاج انسان تھے...... مگر اپنے امیر کی لاف زنی سن کر نہایت

برہم ہوگئے۔

''وہ غلام زادہ ہرگز نہیں ہے۔'' سلطان نور الدین محمود زنگیؒ نے غضب ناک لہجے میں کہا۔ ''اور اگر بالفرض ہے بھی تو ان آقاؤں سے بہتر ہے جو اپنی نفس پرستی اور نمود و نمائش کیلئے زندہ رہتے ہیں...... تم نے سلطنتِ نوریہ کے قیام میں میرے ساتھ تعاون کیا، میں نے اس کا بہترین معاوضہ ادا کر دیا...... اگر میں تمہارا احتساب شروع کردوں تو تم سب کے سب مجرم قرار پاؤ گے...... یہ شاندار مکانات، یہ زر و جواہر، یہ اعلیٰ نسل کے گھوڑے، یہ غلام، یہ کنیزیں...... کیا یہ سب ساز و سامان تم اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوئے تھے۔'' سلطان نور الدین زنگیؒ نے آج اپنے ایک ایک امیر کی نقاب کشائی کردی تھی۔

سلطان عادل کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر تمام امراء کے چہروں پر خوف کی پرچھائیاں لرزنے لگیں...... اور ان کے سر بارِ ندامت سے خم ہوگئے۔

''تم صلاح الدین ایوبی کے برابر کھڑے ہونے کے بھی قابل نہیں ہو۔'' سلطان عادل کا لہجہ بدستور غضب ناک تھا۔ ''وہ مردِ مجاہد ہے...... میرا خواب، میری امیدوں کا مرکز...... حق تعالیٰ نے اسے امین بنایا ہے...... اس نے مصری خزانے کے سارے نوادر خلیفۂ بغداد اور میری خدمت میں بھیج دیئے...... باقی دولت سپاہیوں اور محتاجوں میں تقسیم کردی...... وہ مصر کا درویش وزیر اعظم ہے...... اور وہ بھی عین عالم شباب میں...... حق تعالیٰ اس کی درویشی میں اضافہ کرے۔''

آخر تمام امراء اس مجلس خاص سے اٹھ کر چلے گئے...... مگر اس طرح کہ ان کے چہرے فق تھے...... اور گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔

پھر دوسرے دن سلطان نور الدین زنگی صلاح الدین ایوبی کو اپنے ایک مخصوص کمرے میں لے گئے...... یہ وہی کمرہ تھا جس میں سلطان عادل نے ایک انتہائی خوبصورت منبر رکھا تھا...... اس منبر کی تیاری پر ہزاروں دینار خرچ ہوئے تھے...... سلطان نور الدین محمودؒ نے حلب اور دمشق کے ماہر صناعوں کو طلب کر کہا تھا۔

''اپنا سارا ہنر اس منبر کے نقش و نگار بنانے پر ختم کردو۔''

اور واقعتاً ان ہنرمندوں نے ایسا منبر تراشا تھا کہ وہ صناعی کا بہترین نمونہ نظر آتا تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے مصر میں فاطمی خلیفہ عاضد کا منبر بھی دیکھا تھا...... مگر سلطان نور الدین زنگیؒ کے بنوائے منبر کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔

''صلاح الدین! تم یہ منبر دیکھ رہے ہو؟'' سلطان نور الدین محمود زنگیؒ نے انتہائی جذباتی اور پُرسوز لہجے میں کہا...... ''حق تعالیٰ نے مجھ عاجز بندے کو اپنے درِ رحمت سے سب کچھ عطا کیا...... بس ایک آخری خواہش باقی رہ گئی ہے کہ میری آنکھیں اس وقت بند ہوں جب بیت المقدس فتح ہو چکا ہو...... اور وحدہٗ لاشریک کے نام لیوا قطار در قطار مسجد اقصیٰ میں داخل ہو رہے ہوں...... اور پھر میں اس منبر پر کھڑے ہو کر اہل ایمان سے خطاب کروں...... چاہے اس خطبے کے دوران مجھے موت ہی کیوں نہ آجائے۔'' یہ کہتے کہتے سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"آپ سلطان عادل ہیں...... حق تعالیٰ آپ کی یہ خواہش بھی پورے کرے گا۔" یہ جذباتی منظر دیکھ کر صلاح الدین ایوبی کی آنکھیں بھی اشکبار ہوگئی تھیں...... "اللہ نے آپ کو ہم مسلمانوں کیلئے سائبان بنایا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ تادیر سلامت رہیں گے...... اور بیت المقدس کی فتح آپ ہی کے زیر قیادت ہوگی۔"

"یہ کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا؟" خلاف توقع آج سلطان نورالدین زنگی کا لہجہ بہت اداس تھا۔

"اگر وہ منظر دیکھنے سے پہلے میری آنکھیں بجھ جائیں اور میں زیر خاک سو جاؤں تو تم اپنی آنکھیں کھلی رکھنا اور اس وقت تک جاگتے رہنا جب تک کہ تثلیث کا آخری بندہ بھی اس ارضِ مقدس کی حدود سے باہر نہ نکل جائے۔" تثلیث کے بندوں سے سلطان عادل کی مراد عیسائی تھے جو آج بھی تین خداؤں کو مانتے ہیں...... "بس یہی میری آخری نصیحت ہے...... اور یہی وصیت...... جہاد، جہاد اور صرف جہاد...... انصاف، انصاف اور صرف انصاف۔"

پھر اہل دمشق نے اپنی آنکھوں سے یہ عجیب منظر دیکھا کہ سلطان نورالدین زنگی اپنے تمام امراء کے ساتھ صلاح الدین ایوبی کو رخصت کرنے کے لئے دمشق کی سرحد تک آئے...... پھر گھوڑے سے اتر کر صلاح الدین سے بڑے والہانہ انداز میں گلے ملے...... پھر اس کی پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے نہایت جذباتی لہجے میں بولے۔

"تم اہل ایمان کا سرمایہ ہو...... اللہ تمہاری حفاظت کرے۔"

پھر سلطان عادل اس وقت تک کھڑے رہے جب تک صلاح الدین ایوبی اور اس کا فوجی دستہ نظروں سے اوجھل نہیں ہوگیا۔

☆

صلاح الدین ایوبی کو دمشق سے رخصت ہوکر مصر پہنچے ہوئے بہ مشکل ایک ہفتہ گزرا ہوگا کہ اس کے جاسوسوں نے ایک خوفناک اطلاع دیتے ہوئے کہا...... "شاہ یروشلم مصر پر قبضہ کرنے کی خواہش سے فی الحال دستبردار ہوچکا ہے...... مگر اہل ایمان کے خلاف اس کی سازشیں ابھی تک جاری ہیں...... آج کل 'ایلہ' کے قلعے میں مسلسل صلیبیوں کا اجتماع ہورہا ہے...... تاکہ وہ اس قلعے کو مضبوط مرکز بناکر حجاز مقدس پر قبضہ کرسکیں۔"

حجاز مقدس کا ذکر سن کر صلاح الدین ایوبی کے چہرے پر شدید اذیت و کرب کا رنگ ابھر آیا۔

جاسوسوں نے اس خوفناک منصوبے کی مزید تفصیلات بتاتے ہوئے کہا...... "ان صلیبیوں کو در پردہ شاہ یروشلم اموری اور سسلی (صقلیہ) کے حکمراں کی بھرپور تائید و حمایت حاصل ہے...... اگر فوری طور پر اس کا تدارک نہیں کیا گیا تو بہت زیادہ مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں۔"

یہ خبر سن کر صلاح الدین ایوبی نے ایک دن کی بھی تاخیر نہیں کی...... مصر کا انتظام اپنے والد کے سپرد کیا...... اور ایک لشکر جرار لے کر عسقلان اور رملہ کی طرف بڑھا...... ایلہ کے راستے میں یہ دونوں شہر ایک آہنی دیوار کی حیثیت رکھتے تھے...... اس دیوار کو گرائے بغیر صلاح الدین ایوبی ایلہ تک نہیں پہنچ

سکتا تھا...... پھر بھی اس نے بندگان خدا کا خون بہانے سے گریز کیا...... اور دونوں شہروں کے عیسائی حکمرانوں کے نام ایک خصوصی پیغام بھیجا۔

"اگر اسلامی لشکر کو عسقلان اور رملہ سے گزرنے کے لئے راہداری دی گئی تو پھر میرا اور تمہارا کوئی جھگڑا نہیں...... میں تمہارے علاقے سے چپ چاپ گزر جاؤں گا...... اور اگر تم نے مزاحمت کی تو پھر شمشیر ہی ہماری تقدیروں کا فیصلہ کرے گی۔"

عسقلان اور رملہ کے عیسائی حکمران جانتے تھے کہ اگر صلاح الدین ایوبی کا لشکر ان کے علاقوں سے گزر گیا تو پھر اس کا ہدف "ایلہ" کے سوا کوئی دوسرا مقام نہیں ہوگا...... اس لئے ان دونوں نے صلاح الدین ایوبی کے اس پیغام کا جواب بڑے جارحانہ انداز میں دیا...... اور آمادۂ جنگ ہوگئے۔ عسقلان اور رملہ کے عیسائی حاکموں کا خیال تھا کہ وہ اپنے علاقوں میں مضبوط بھی ہیں...... اور محفوظ بھی......

بالآخر ان دونوں مقامات پر ایک خونریز جنگ ہوئی جس میں میدان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھ رہا...... بے شمار عیسائی فوجی قتل ہوئے...... جس کے نتیجے میں یہ دونوں شہر صلیبی فتنہ گروں سے پاک ہوگئے...... عام باشندوں سے صلاح الدین ایوبی نے کوئی تعرض نہیں کیا...... بوڑھوں، عورتوں، بچوں اور صلح پسند عیسائیوں کو اماں بخشی گئی...... صلاح الدین ایوبی کا یہ طرز عمل دیکھ کر عیسائیوں کی بڑی تعداد مسلمان ہوگئی۔

پھر وہ مرد مجاہد بحیرۂ احمر کی طرف بڑھا جس کے شمالی حصے پر خلیج عقبہ واقع ہے...... اور یہیں عیسائیوں کا مضبوط ترین قلعہ "ایلہ" ہے جو اس وقت اسلام کے خلاف سازشوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔

جیسے ہی صلاح الدین ایوبی کی فوج ایلہ کے قریب پہنچی، صلیبی سپاہی محصور ہوگئے...... ان کے پاس کئی سال کا سامان رسد موجود تھا اس لئے وہ بڑے اطمینان کے ساتھ قلعہ بند ہوگئے...... ایلہ کے عیسائیوں کا خیال تھا کہ صلاح الدین ایوبی زیادہ دن تک محاصرہ جاری نہ رکھ سکے گا...... اور آخر تنگ آکر مصر کی طرف لوٹ جائے گا...... مگر صلاح الدین ایوبی نے خیمہ زن ہوتے ہی اپنے جنگی ماہرین سے کھلے الفاظ میں کہہ دیا تھا۔

"میں ناکام واپس جانا بھی نہیں چاہتا...... اور زیادہ دن انتظار بھی نہیں کرسکتا۔"

تمام جنگی ماہرین صلاح الدین ایوبی کے فیصلے پر حیران تھے...... ان کی سمجھ میں ایسی کوئی چال نہ آرہی تھی کہ جس کے ذریعے انتہائی مختصر وقت میں اس جنگ کا نتیجہ برآمد ہوسکے...... آخر اس محاصرے کو کئی ماہ گزر گئے...... اسلامی لشکر نے اپنی منجنیقوں سے قلعے کی فصیلوں پر مسلسل سنگ باری کی...... مگر دیواریں اتنی مضبوط تھیں کہ شگاف تو کجا، ان میں ہلکی سی دراڑ بھی نہ پڑ سکی...... اس دوران صلاح الدین ایوبی سخت اذیت میں مبتلا تھا...... اگر وہ "ایلہ" کا محاصرہ اٹھا کر واپس چلا جاتا تو یہ احساس اسے سکون سے جینے نہیں دیتا کہ صلیبیوں کی یہ سازش حجاز مقدس کے حوالے سے کیا گل کھلائے گی؟ اور اگر زیادہ دن تک محاصرہ جاری رکھتا تو یہ اندیشے اسے مضطرب رکھتے کہ اس کی عدم

موجودگی میں کہیں مصر اندرونی شورشوں کی لپیٹ میں نہ آ جائے..... اسی پریشانی کے عالم میں وہ ہر نماز کے بعد طویل دعا کرتا۔

"اے مالک بحر و بر..... تو اپنی طاقت کے ہر زاویئے اظہار پر قادر ہے..... جسے چاہے برقرار رکھے..... اور جسے چاہے مٹا دے..... یا تو "ایلہ" کے فتنہ گروں پر آسمان سے کوئی عذاب نازل کر یا پھر اپنے اس حقیر بندے کی رہنمائی فرما کہ ان مفسدوں کا کس طرح قلع قمع کیا جائے۔"

بالآخر ایک رات صلاح الدین ایوبی سویا تو اس نے دیکھا کہ شاریہ خیمے میں داخل ہوتی ہے اور انتہائی پرسکون لہجے میں کہتی ہے۔"یوسف حضرت عمرو بن العاصؓ کا طریقہ اختیار کرو..... حق تعالیٰ تمہاری مراد پوری کر دے گا۔"

گھبرا کر صلاح الدین ایوبی کی آنکھ کھل جاتی ہے..... وہ ادھر ادھر دیکھتا ہے مگر شاریہ کہیں نظر نہیں آتی..... پھر نیند کا خمار زائل ہوتے ہی اسے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس نے ایک خواب دیکھا ہے..... مگر وہ خواب بے مقصد نہیں تھا..... صلاح الدین کو فوراً ہی وہ تاریخ ساز واقعہ یاد آ گیا۔

یہ حضرت عمر فاروقؓ کا زمانہ خلافت تھا جب مسلمان روم پر حملہ آور تھے..... مگر رومی فوج قلعہ بند ہو کر اطمینان سے بیٹھ گئی تھی..... محاصرہ نے اس قدر طول کھینچا کہ چھ ماہ گزر گئے اور جنگ کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا..... مجبوراً اسلامی سپہ سالاروں نے حضرت عمرؓ کو پوری تفصیل لکھی..... اور محاصرہ جاری رکھنے کیلئے دس ہزار تازہ دم فوج بھیجنے کی درخواست کی..... اس خط کے جواب میں حضرت عمر فاروقؓ نے مشہور صحابی حضرت عمرو بن العاصؓ کو بھیج دیا..... اور ساتھ ہی یہ بھی تحریر کر دیا..... "تمہیں دس ہزار فوج نہیں، بصرف حضرت عمرو بن العاصؓ کی ضرورت ہے۔ انشاءاللہ یہ تنہا تمہارا مسئلہ حل کر دیں گے۔"

حضرت عمرو بن العاصؓ نے روم پہنچتے ہی دو چار دن تک شہر کے گرد و نواح اور قلعے کی ظاہری حالت کا جائزہ لیا..... پھر آپؓ نے سالار لشکر سے فرمایا..... "کل نماز فجر کے بعد تمام خیمے اکھیڑ ڈالو..... اور دشمن کو یہ واضح تاثر دو کہ تم لوگ ناکام و نامراد واپس جا رہے ہو۔"

رومی حکمران نے بڑی مسرت کے ساتھ مسلمانوں کی واپسی کا منظر دیکھا..... پھر اس نے اپنے کچھ جاسوس لشکر اسلام کے تعاقب میں روانہ کئے۔ ان جاسوسوں نے بیس پچیس میل تک اسلامی فوج کا پیچھا کیا..... پھر انہوں نے واپس آ کر اپنے حکمران کو اطلاع دی کہ واقعتاً لشکر اسلام جا چکا ہے..... اب اس کے لوٹنے کا کوئی امکان باقی نہیں..... اس مصدقہ اطلاع کے بعد قلعے کے دروازے کھول دیئے گئے..... پورا شہر چھ مہینے سے ویران پڑا تھا..... لشکر اسلام کے جاتے ہی گلی کوچوں اور بازاروں کی گمشدہ رونقیں لوٹ آئیں..... اور رومی باشندے پورے جوش و خروش کے ساتھ کاروبار زندگی میں مصروف ہو گئے۔

تقریباً 100 میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے اسلامی لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا..... ایک فوجی دستہ دائیں طرف مڑا..... اور دوسرا بائیں طرف..... دونوں فوجی دستوں کو ہدایت تھی کہ وہ طویل چکر کاٹ کر قلعے کے عقب میں پہنچ جائیں..... پھر دونوں دستے دائیں اور

بائیں سے تیزی کے ساتھ نمودار ہوں۔

پھر جب لشکر اسلام حضرت عمرو بن العاصؓ کی ہدایت کے مطابق واپس لوٹے تو رومی باشندے روزمرہ کے عیش و عشرت میں مبتلا تھے..... اور ان کی فوج بے خبری کی حالت میں گہری نیند سو رہی تھی..... نتیجتاً لشکر اسلام ان پر عذاب ناگہانی کی طرح نازل ہوا۔ رومی سپاہیوں کو اتنی مہلت بھی نہ مل سکی کہ وہ بھاگ کر دوبارہ قلعہ بند ہو جاتے..... انجام کار ان کی بڑی تعداد تہہ تیغ ہو گئی..... کچھ سپاہی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور باقی غلام بنا لئے گئے۔

واضح رہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ کا شمار دنیا کے ذہین ترین افراد میں ہوتا ہے..... اس کے علاوہ آپ فاتح مصر بھی تھے۔

آخر صلاح الدین ایوبی نے یہی طریقہ اختیار کیا..... پھر جب ایلہ کے صلیبی قلعے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئے اور حسب عادت رنگ رلیاں منانے لگے تو صلاح الدین ایوبی کے لشکر نے انہیں اس طرح پیس ڈالا جیسے چکی کے دو پاٹوں کے درمیان گندم..... عیسائی سپاہیوں کی ایک بہت ہی معمولی تعداد فرار ہونے میں کامیاب ہو سکی..... نصف سے زیادہ مزاحمت کرتے ہوئے قتل ہو گئے اور باقی نے ہتھیار ڈال کر اماں طلب کی..... مگر صلاح الدین ایوبیؒ نے انہیں معاف نہیں کیا..... کیونکہ وہ متعصب اور فتنہ گر سپاہی تھے..... سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ ایلہ میں عام شہریوں کا نام و نشان تک نہیں تھا..... گلی گلی قحبہ خانے آباد تھے جہاں صرف خوبصورت عیسائی طوائفیں رہتی تھیں.....

صلاح الدین نے فوری طور پر ایلہ سے ان بدکار عورتوں کو نکال دیا..... پھر اپنے ایک فوجی دستے کو اس کام پر مامور کر دیا کہ صلیبیوں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر جو مسلم خاندان ایلہ ہجرت کر گئے تھے انہیں دوبارہ ان کے آبائی وطن میں آباد کیا جائے۔

عسقلان، رملہ اور ایلہ کی فتوحات پر خلیفہ مستعصی بامر اللہ اور سلطان نور الدین محمود زنگیؒ نے صلاح الدین ایوبی کو مبارکباد کے خطوط کے ساتھ قیمتی تحائف بھی بھیجے۔ اس عرصے میں زبیدہ خانم بھی مصر پہنچ چکی تھیں..... ماں، باپ اور بھائی صلاح الدین کی اس کامیابی پر مسرت کے جذبے سے سرشار تھے..... مگر صلاح الدین ایوبی بہت دن تک بس ایک ہی بات پر غور کرتا رہا کہ شاریہ اس کے خواب میں کیوں آئی تھی..... ؟ آخر وہ کونسی روحانی طاقت تھی جس نے شاریہ کو اس کے اضطراب سے باخبر کر دیا تھا۔

☆

اس دوران عمارہ یمنی نام کے ایک شعلہ بیان شاعر کچھ مصری امراء اور سسلی کے عیسائی حاکم کے ساتھ صلاح الدین ایوبی کو قتل کر کے مصر میں دوبارہ فاطمی خلافت قائم کرنا چاہتا تھا..... مگر صلاح الدین ایوبی کے ایک ہمدرد زین الدین علی نے اسے بروقت خبردار کر دیا..... صلاح الدین ایوبی نے فوری طور پر اس سازش میں شریک ہونے والے تمام افراد کو گرفتار کر لیا..... اور پھر انصاف کے تقاضے پورے کرنے کیلئے مصر کی عدالت عالیہ میں ان پر مقدمہ چلایا گیا۔ آخر جب ان کا جرم

ثابت ہوگیا تو انہیں سرِعام پھانسی پر لٹکا دیا گیا تا کہ دوسرے فتنہ گروں کو عبرت حاصل ہو۔

ابھی اس واقعے کو چند دن ہی گزرے ہوں گے کہ سلطان نورالدین زنگیؒ کے حکم پر صلاح الدین ایوبی نے 568 ہجری میں کرک پر لشکر کشی کی اور اس کا محاصرہ کرلیا...... اسی محاصرے کے دوران صلاح الدین ایوبی کو ایک جاں گداز خبر ملی...... اس کا باپ نجم الدین ایوب گھوڑے سے گر کر مر گیا تھا۔ صلاح الدین نے سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے نام معذرت نامہ تحریر کیا اور ''کرک'' کا محاصرہ چھوڑ کر قاہرہ روانہ ہوگیا۔

صلاح الدین ایوبی راستے کے خطرات کی پروا کئے بغیر طوفانی رفتار سے قاہرہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسے بس ایک ہی فکر تھی کہ وہ کسی طرح اپنے والد کا آخری دیدار کرلے۔ یہ بھی اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ اس وقت قاہرہ پہنچا، جب نجم الدین ایوب کا جنازہ قبرستان لے جایا جارہا تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے کفن ہٹا کر باپ کا چہرہ دیکھا۔ آنکھوں میں اندوہ و غم کا غبار بھرا ہوا تھا...... مگر اس نے لوگوں کے سامنے اپنے آنسو بہنے نہیں دیئے۔

نجم الدین ایوب کی موت کا سبب اس کا شوق چوگان بازی تھا۔ وہ اس قدر تیز گھوڑا دوڑایا کرتا تھا کہ دیکھنے والے دہشت زدہ ہو جاتے تھے۔ 18 ذی الحجہ 568 ہجری کو قاہرہ کے ''باب النصر'' کے قریب چوگان کھیلتے ہوئے وہ گھوڑے سے گر پڑا اور شدید زخمی ہوگیا۔ طبیبوں نے نجم الدین ایوب کی جان بچانے کی بہت کوشش کی...... مگر ضربات اتنی گہری تھیں کہ وہ ان کے اثر سے بے ہوش ہوگیا...... اور پھر اسی بے ہوشی کے عالم میں رخصت ہوگیا۔

اگرچہ نجم الدین ایوب اپنے بیٹے صلاح الدین کو منحوس تصور کرتا تھا۔ مگر صلاح الدین ایوبی کو اپنے باپ سے بے پناہ محبت تھی۔ وہ نجم الدین ایوب کی موت پر بہت زیادہ سوگوار تھا۔ بار بار وہ اپنی والدہ زبیدہ خانم سے اپنی جذباتی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتا۔

''پہلے چچا رخصت ہوگئے...... اور اب والد بھی چلے گئے...... جبکہ مجھے ان کے مشوروں کی شدید ضرورت تھی۔''

زبیدہ خانم نے بڑی محبت سے بیٹے کو سمجھایا۔ ''کسی کے ماں باپ ہمیشہ زندہ نہیں رہتے۔ یہ تو سب وقتی اور مادی سہارے ہیں...... تم اس ذات پاک پر بھروسہ کرو جس کے قبضے میں پوری کائنات ہے...... جو اپنے بندوں کی رہنمائی بھی کرتا ہے اور مشکل کشائی بھی...... جس نے تم جیسے ایک عام نوجوان کو مصر کی وزارت عظمیٰ تک پہنچایا...... وہی آئندہ بھی تمہاری مدد کرے گا۔''

والدہ کی باتوں سے صلاح الدین ایوبی میں نیا حوصلہ پیدا ہوا۔

پھر زبیدہ خانم نے اپنے بیٹے سے ایک عجیب سوال کیا۔ ''صلاح الدین! مجھے بتاؤ کہ تم یہ جنگیں کس کے لئے لڑ رہے ہو؟ اپنی ہوس اقتدار کی تکمیل کے لئے...... یا تمہارا کوئی اور مقصد ہے؟''

صلاح الدین ایوبی نے حیرت سے والدہ محترمہ کی طرف دیکھا اور نہایت پرسوز لہجے میں کہا۔

''میدان جنگ کی طرف اٹھنے والا میرا ایک ایک قدم اسلام کی سربلندی کے لئے ہے۔''

''اگر تم اپنے قول میں سچے ہو تو پھر پستی کی طرف کیوں دیکھتے ہو؟'' زبیدہ خانم نے باوقار لہجے میں کہا۔ ''اگر تمہاری ساری جدوجہد اسلام کی سربلندی کے لئے ہے تو وہ قادر مطلق تمہیں کبھی سرنگوں نہیں ہونے دے گا۔ اگر کبھی تم کمزور پڑ جاؤ گے تو وہ تمہیں غالب کردے گا اور اگر تم تنہا رہ جاؤ گے تو وہ تمہاری مدد کے لئے غیبی لشکر بھیج دے گا۔ بس اس کے قہر سے پناہ مانگتے رہو...... اور اس کا رحم طلب کرتے رہو۔ انسان کی نجات کا یہی ایک راستہ ہے۔''

صلاح الدین ایوبی نے والدہ کی باتیں سنیں اور پھر ان کی آغوش میں سر رکھ کر کسی معصوم بچے کی طرح رونے لگا۔

☆
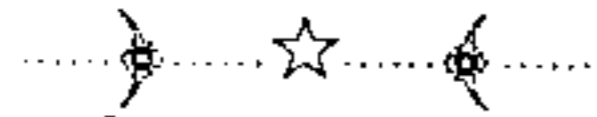
نجم الدین ایوب کی موت خود صلاح الدین ہی کے لئے نہیں، سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے لئے بھی ایک بڑا المناک حادثہ تھی۔ نجم الدین ایوب ایک بہادر اور تجربہ کار سپہ سالار تھا۔ اس کے مرتے ہی دشمنوں کا خیال تھا کہ نوجوان صلاح الدین مصر کی سیاست پر اپنی گرفت مضبوط نہیں رکھ سکے گا اس لئے کمیں گاہوں میں چھپے ہوئے دشمن باہر نکل آئے۔

سب سے پہلے ایک شخص عبدالنبی خارجی نے یمن پر قبضہ کر کے خلیفہ بغداد مستضی بامراللہ کا خطبہ موقوف کر کے اپنا خطبہ جاری کردیا۔ جیسے ہی صلاح الدین ایوبی کو خبر ملی، اس نے اپنے بڑے بھائی شمس الدولہ توران شاہ کو ایک لشکر جرار دے کر یمن کی طرف روانہ کردیا۔ شاہ یروشلم اموری کے جاسوس بھی ہر وقت صلاح الدین ایوبی کی تاک میں لگے رہتے تھے۔ جیسے ہی شمس الدولہ اپنی فوج لے کر یمن کی جانب بڑھا، شاہ اموری کے خبررسانوں نے اسے اطلاع دیتے ہوئے کہا۔

''یہ ہمارے لئے ایک سنہری موقع ہے کہ ہم آگے بڑھ کر مصر کے ساحلی شہر دمیاط اور کچھ دوسرے سرحدی علاقوں پر قبضہ کرلیں۔ یمن پر فوج کشی کے باعث صلاح الدین ایوبی کی عسکری قوت نصف سے بھی کم رہ گئی ہے۔''

شاہ یروشلم اموری نے دمیاط کے حوالے سے اپنی پچھلی شکست کو فراموش نہیں کیا تھا۔ جب سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے لشکر نے بروقت دمیاط پہنچ کر شاہ اموری کے سارے منصوبے کو خاک میں ملا دیا تھا...... اور باقی کسر بارش اور ہوا کے طوفان نے پوری کردی تھی۔ شاہ اموری اپنی اس شکست کو یاد کر کے اکثر پیچ و تاب کھایا کرتا تھا...... اگر اس کا بس چلتا تو وہ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ اور صلاح الدین ایوبی کے ساتھ ان کے خاندانوں کا نام و نشان تک مٹا دیتا۔

ابھی وہ دمیاط کی شکست کے زخموں کو کرید ہی رہا تھا کہ فرانس کا مشہور کاہن بطریق یروشلم پہنچا۔ شاہ اموری ذاتی طور پر بطریق سے واقف نہیں تھا۔ مگر بطریق شاہ فرانس لوئیس ہفتم کا خصوصی خط لے کر آیا تھا۔ اس خط میں تحریر تھا۔

''یسوع مسیح، آپ کی اور یروشلم کی حفاظت کریں۔ میں مقدس کاہن بطریق کو آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ یہ تمہیں بتائیں گے کہ کن اوقات میں مسلمانوں پر حملہ کیا جائے تا کہ صلیبی آئندہ

شکست و ریخت سے محفوظ رہ سکیں۔ مقدس کاہن بے شمار روحانی طاقتوں کے مالک ہیں۔''
شاہ فرانس لوئیس ہفتم کا خط پڑھ کر شاہ یروشلم کے چہرے پر نا قابل بیان مسرت کی لہر دوڑ گئی...... اور وہ کاہن بطریق کے ساتھ بڑی عزت و احترام کے ساتھ پیش آیا۔ اموری نے فوری طور پر کاہن بطریق کے لئے اپنے محل کے ایک گوشے میں بہترین رہائش کا انتظام کیا اور بطریق کو دنیا بھر کی آسائشیں فراہم کر دیں۔

بطریق اپنے وقت کا زبردست ماہر نجوم تھا۔ مگر وہ بے خبر عوام پر اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے خود کو ''کاہن'' کہا کرتا تھا۔ زمانہ قدیم میں ''کہانت'' ایک جادوئی عمل تھا جس کے ذریعے ''چھوٹے شیاطین'' آسمان پر جایا کرتے تھے...... اور فرشتوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن لیا کرتے تھے...... اور پھر وہی گفتگو زمین پر آ کر ''کاہن'' کو سنا دیتے تھے۔ کاہن اس گفتگو کی بنیاد پر بادشاہوں کے دربار میں بیٹھ کر پیش گوئیاں کرتا تھا۔ پھر وہ باتیں سچ ثابت ہوتی تھیں...... اور سادہ لوح عوام کی نظروں میں کاہن ایک مقدس شخصیت قرار پاتا تھا کہ اس کا تعلق آسمانی دنیا سے ہے۔
''کہانت'' کا یہ سلسلہ صدیوں جاری رہا۔ پھر جب حضور اکرم ﷺ کی پیدائش مبارک کا وقت قریب آیا تو آسمان پر فرشتوں کے پہرے بٹھا دیئے گئے اور شیطانوں کے تمام راستے بند کر دیئے گئے۔ پھر بھی اگر کوئی شیطان آسمان پر جا کر فرشتوں کی گفتگو سننے کی کوشش کرتا ہے تو ایک جلتا ہوا ستارہ اس کا تعاقب کرتا ہے۔ اس طرح شیطان یا تو جل کر راکھ ہو جاتا ہے یا پھر فرار ہو جاتا ہے۔ موجودہ سائنس ان جلتے اور ٹوٹتے ستاروں کو ''شہاب ثاقب'' کہتی ہے...... مگر قرآن کریم کے مطابق یہ وہی ستارے ہیں جو شیاطین کو ہلاک کرنے کے لئے مارے جاتے ہیں۔ سورۃ الصفات میں اس کا مختصر ذکر موجود ہے۔

اس بندش کے باوجود کوئی شیطان اڑتی اڑتی نامکمل خبر زمین تک لے جاتا تھا اور کاہن کو منتقل کر دیتا تھا۔ اس طرح ہزاروں خبروں میں کوئی ایک خبر سچ نکلتی تھی اور کاہن کی دھوم مچ جاتی تھی...... ورنہ حقیقتاً جو صحیح کاہن تھے انہوں نے اس حقیقت کا اعتراف کر لیا تھا کہ پیغمبر اسلام کے دنیا میں آنے کے بعد ''کہانت'' ختم ہو چکی...... مگر بطریق ایک عیار شخص تھا۔ اس نے بعض جادوئی عمل کر کے ایک چھوٹے شیطان کو تسخیر کر لیا تھا۔ جو مختلف انداز میں شعبدہ بازی کے کرتب دکھایا کرتا تھا۔ موجودہ زمانے میں بھی ایسے شعبدہ باز اور جادوگر موجود ہیں جو انسانوں کو ''ہپناٹائز'' کر دیتے ہیں...... اور ان کی نظر باندھ دیتے ہیں۔
سفلی علوم چونکہ شیطانی علوم ہوتے ہیں، اس لئے ان کا عامل بھی غلیظ اور گندے کردار کا حامل ہوتا ہے۔ کاہن بطریق کا بھی یہی حال تھا۔ وہ زیادہ تر شراب کے نشے میں غرق رہتا تھا اور اس کے ساتھ ہر وقت خوبصورت عیسائی لڑکیاں رہتی تھیں...... جو بطریق کی خدمت گار کہلاتی تھیں۔ ان لڑکیوں کی وہی حیثیت تھی جو پرانے زمانے میں ''دیوداسیوں'' کی ہوتی تھی۔ دیوداسیاں مندروں کی خدمت کے ساتھ بدکار پجاریوں کی ہوس کی تکمیل بھی کرتی تھیں۔

شاہ یروشلم خود شراب پیتا تھا اور نہایت عیاش انسان تھا۔ اس لئے اسے کاہن بطریق کے کردار میں کوئی عیب نظر نہیں آیا۔ پھر بھی اس نے چند روز بعد ہی بطریق کی روحانی طاقت کا امتحان لے لیا۔
شاہ یروشلم اموری۔ نے کاہن بطریق سے سوال کیا تھا۔
''کیا مستقبل قریب میں میرے لئے کوئی اچھی خبر ہو سکتی ہے؟''
کاہن بطریق نے اپنا پہلا شعبدہ دکھانے کے لئے کمرے میں اندھیرا کر دیا...... پھر زور زور سے اپنا کوئی منتر پڑھنے لگا۔ وہ نامانوس الفاظ شاہ یروشلم کی سمجھ سے بالاتر تھے۔ کچھ دیر تک کمرہ بطریق کے منتر سے گونجتا رہا۔ پھر وہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد کمرے کی چھت سے ایک گولہ نمودار ہوا جو اپنے حجم میں چودھویں رات کے چاند کے برابر تھا۔ شاہ یروشلم نے بڑی حیرت سے اس روشن گولے کو دیکھا۔
گولہ آہستہ آہستہ نیچے آیا اور کمرے کے وسط میں اتنی بلندی پر ٹھہر گیا کہ دراز قامت انسان کا ہاتھ بھی اسے چھو نہیں سکتا تھا۔ کاہن بطریق شاہ یروشلم سے مخاطب ہوا۔
''اب اپنا سوال دہرائیں۔ آپ کو فوراً جواب مل جائے گا۔''
صلیبی شہنشاہ اموری نے اپنا سوال دہرایا تو روشنی کے گولے سے ایک ہیبت ناک آواز ابھری۔
''تمہیں بہت جلد ایک اچھی خبر ملے گی۔''
جیسے ہی وہ آواز ختم ہوئی، روشنی کا گولہ غائب ہو گیا۔ کاہن بطریق نے اٹھ کر اندھیرے کمرے میں دوبارہ کافوری شمع جلا دی۔ شاہ یروشلم کے چہرے سے غیر معمولی خوشی کا اظہار ہو رہا تھا۔
پھر دوسرے دن ہی اموری کے جاسوسوں کا خط آ گیا۔ یہ خبر سن کر شاہ یروشلم پر ہیجانی کیفیت طاری ہو گئی۔ نجم الدین ایوب جیسے تجربہ کار سالار کی موت اور صلاح الدین ایوبی کی فوجی طاقت کا دو حصوں میں تقسیم ہو جانا ایک اتفاق تھا۔ مگر شاہ اموری نے اس اتفاق کو کاہن بطریق کی روحانی طاقت سے تعبیر کیا...... اور وہ بلا تاخیر دمیاط پر حملے کی تیاریاں کرنے لگا۔ لشکر کی روانگی سے پہلے شاہ اموری نے بطریق سے مشورہ لینا ضروری سمجھا۔
''مقدس کاہن...... مجھے بتائیں کہ میری یہ جنگی مہم ناکام تو نہیں رہے گی؟''
بطریق نے پہلے اپنے علم نجوم سے مدد لیتے ہوئے وقتی زائچہ بنایا...... کچھ دیر تک غور و فکر کرنے اور حساب لگانے کے بعد اس کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ ابھر آئی۔
''شہنشاہ کو مبارک ہو کہ تمام ستاروں کی رفتار آپ کے حق میں ہے اور دشمن کے خلاف اگر آسمان نے مداخلت نہیں کی تو آپ کی فتح یقینی ہے۔''
پھر بطریق نے اپنی تسلی کے لئے روشنی کے گولے سے بھی مدد لی اور اس سے بھی یہی آواز آئی کہ شہنشاہ کو عظیم الشان کامیابی حاصل ہو گی۔
یہ دونوں خبریں سن کر شاہ یروشلم آنکھوں میں فتح کا خمار لئے ہوئے اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھا۔ ابھی صلیبی لشکر نے نصف فاصلہ طے کیا ہو گا کہ یکایک اندھیرا سا پھیلنے لگا۔ اگرچہ وہ ٹھیک

دوپہر کا وقت تھا۔

شاہ اموری نے بدلتے ہوئے موسم کو بڑی حیرت سے دیکھا۔ پھر اس نے اپنے سالار ولیم جوزف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''کہیں ایسا تو نہیں کہ گزشتہ محاصرے کی طرح ہم پھر کسی آفت آسمانی کا شکار ہو جائیں۔''

''وہ تو محض ایک اتفاق تھا مقدس شہنشاہ.... '' سالار ولیم جوزف نے پر جوش لہجے میں کہا۔ ''اور یہ موسم بھی آندھیوں کا ہے..... احتیاطاً ہم کچھ دیر کے لئے اپنا سفر روکے دیتے ہیں۔ اگر آندھی آئی بھی تو چند گھنٹوں سے زیادہ اس کا اثر باقی نہیں رہے گا۔''

ولیم جوزف کے مشورے سے شہنشاہ اموری نے اپنی فوج کو آگے بڑھنے سے روک دیا اور آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔

اندھیرا اور گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ سالار ولیم جوزف اور دوسرے سپاہی بھی پریشان نظر آ رہے تھے۔ پھر کچھ دیر بعد کسی کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ عین دوپہر کا وقت تھا مگر اس پر آدھی رات کا گمان ہو رہا تھا۔ پھر یکایک ہوا کے جھونکے چلنے شروع ہو گئے۔ یہ کالی آندھی کے آثار تھے۔

''آسمان پھر ہمارے خلاف گردش کر رہا ہے۔'' شاہ یروشلم اموری نے چیخ کر کہا۔ ''واپس لوٹ چلو..... کہیں یہ سیاہ آندھی ہمیں برباد ہی نہ کر ڈالے۔''

سالار ولیم جوزف نے اپنے حکمراں کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ''مقدس شہنشاہ! ہماری فوج آدھے سے زیادہ فاصلہ طے کر چکی ہے۔ ہمیں آندھی کے رکنے کا انتظار کرنا چاہئے۔''

''میں اس آندھی کو خوب جانتا ہوں۔ یہ نہیں رکے گی۔'' شاہ اموری نے غضب ناک لہجے میں کہا اور اپنے گھوڑے کا رخ یروشلم کی طرف موڑ دیا۔

مجبوراً سالار ولیم جوزف اور اس کے لشکر نے بھی واپسی کا سفر شروع کر دیا۔ آندھی کے جھونکوں کی شدت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ اندھیرا ہونے کے باعث گھوڑوں کو دوڑایا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ مجبوراً صلیبی لشکر بہت احتیاط کے ساتھ چیونٹی کی چال سے واپس جا رہا تھا۔

شاہ اموری انتہائی غضبناک اور نفرت آمیز لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ''کاہن بطریق نے کیسے کہہ دیا تھا کہ مجھے اس جنگی مہم میں عظیم الشان کامیابی حاصل ہوگی؟ سب جھوٹ بولتے ہیں۔''

پھر ایک اور حیرت انگیز صورت حال پیدا ہوئی۔ اندھیرا ختم ہو گیا..... مگر آندھی کے جھکڑوں میں پہلے سے زیادہ تیزی پیدا ہو گئی۔ ہر طرف صحرا کا غبار ہی غبار تھا۔ جس نے تمام صلیبی سپاہیوں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ کسی قدر اجالا ہونے کے سبب عیسائی سپاہیوں کو راستہ نظر آنے لگا تھا۔ مجبوراً شاہ اموری اور اس کی فوج کو پوری رات ایک کھلے میدان میں گزارنی پڑی۔ اس کا خیال تھا کہ رات میں آندھی کا زور ٹوٹ جائے گا۔ مگر حیرت انگیز طور پر ہوا کے جھونکوں کی شدت میں کوئی کمی نہیں آئی۔

پھر جب صبح ہوئی تو صلیبیوں نے دوبارہ واپسی کا سفر شروع کر دیا۔ بالآخر یہ شکست خوردہ لشکر یروشلم کے قریب پہنچا۔ تقریباً تمام سپاہی اس خوف ناک آندھی سے متاثر ہوئے تھے۔ شاہ یروشلم

اموری بھی کئی بار گھوڑے سے گرا تھا اور اس کے جسم پر کئی ہلکے زخم آئے تھے۔ سیکڑوں کی تعداد میں گھوڑے اور ان کے سوار آپس میں ٹکرا کر شدید زخمی ہوئے تھے۔ جن کے لئے سفر جاری رکھنا مشکل تھا۔ وہ اسی صحرا میں لاوارثوں کی طرح پڑے رہے اور بھوک پیاس سے مر گئے۔

یروشلم پہنچ کر شاہ اموری نے بھرے دربار میں کاہن بطریق کو ذلیل کیا۔ ''تیرا علم جھوٹا ہے۔ اس لئے تجھ پر لازم ہے کہ اسی وقت یروشلم کی حدود سے نکل جا۔ میں تیری صورت تک دیکھنا نہیں چاہتا۔''

بطریق بہت عیار انسان تھا۔ اس نے پہلے ہی اپنے بچاؤ کا ایک دروازہ کھلا رکھا تھا۔ وہ بڑے باوقار انداز میں کھڑا ہوا اور اس نے انتہائی پُر جلال لہجے میں شاہ اموری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''مقدس شہنشاہ کو یاد ہوگا۔ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اگر آسمان نے مداخلت نہیں کی تو اس جنگ میں آپ ہی کو فتح حاصل ہوگی۔ مگر اس کا کیا علاج ہے کہ اس بار بھی آسمان نے مسلمانوں ہی کا ساتھ دیا۔ اب آپ ہی بتائیں کہ میں کیا کر سکتا ہوں؟''

کاہن بطریق کا جواب سن کر شاہ اموری نرم پڑ گیا..... پھر انتہائی افسردہ لہجے میں بولا۔ ''مجھے یہ بتا کہ آسمان پر کس کی حکومت ہے؟''

کاہن بطریق نے برجستہ جواب دیا۔ ''خداوند یسوع مسیح کے سوا آسمان پر کس کی حکومت ہو سکتی ہے؟''

''تو پھر کیا خداوند ہم سے ناراض ہیں؟'' یہ کہتے کہتے شاہ یروشلم کا چہرہ بہت زیادہ اداس ہو گیا تھا۔

''یقیناً'' کاہن بطریق کا جادو چل گیا تھا۔ اس نے اپنی آواز میں مزید رعب و جلال پیدا کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر ایسا نہ ہوتا تو لاکھوں کا صلیبی لشکر چند ہزار مسلمان سپاہیوں سے کیسے شکست کھا جاتا؟''

''پھر خداوند ہم سے کیسے راضی ہوں؟'' شاہ یروشلم اموری نے انتہائی غم زدہ لہجے میں کہا۔

''اس شکست کی سب سے بڑی وجہ سلطان نور الدین زنگیؒ ہے۔'' اچانک کاہن بطریق نے نیا انکشاف کرتے ہوئے کہا۔ ''جب تک وہ درمیان سے نہیں ہٹے گا، صلیبی کوئی جنگ نہیں جیت سکیں گے۔''

یہ سن کر شاہ یروشلم حیرت زدہ رہ گیا۔ پھر وہ انتہائی ناگوار لہجے میں بولا۔ ''اسے راستے سے کون ہٹائے گا؟ شاہ یروشلم بالڈون ثالث مرحوم نے ہزار کوشش کر لیں مگر سلطان نور الدین کو شکست دینے کی حسرت دل میں لئے زیر خاک چلے گئے۔ شہنشاہ فرانس لوئیس ہفتم، شہنشاہ جرمنی اور شاہ قسطنطنیہ نے شکست کھا کر آئندہ سلطان زنگیؒ سے جنگ نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ آج کل سب کے سب اپنی عشرت گاہوں میں دنیا کے مزے لوٹ رہے ہیں..... اور عیسائیت کو ایک مردہ لاش کی طرح مسلمانوں کی خوراک بننے کے لئے راستے میں پڑا ہوا چھوڑ دیا ہے۔'' اچانک شاہ اموری کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا اور وہ بہت زیادہ جذباتی نظر آ رہا تھا۔ ''ملکہ ایلیز اانگلستان جا کر بیٹھ گئی۔ بس انطاکیہ کے حکمراں ریمنڈ نے صلیبی پرچم کو بلند رکھنے کی کوشش کی۔ مگر اسے بھی سلطان نور الدین زنگیؒ کھا گیا۔''

"اب سلطان کسی کو نہیں کھا سکے گا...... بلکہ اسے موت کھائے گی۔" کاہن بطریق نے اتنی بلند آواز میں کہا کہ پورا دربار گونج اٹھا۔

ایک لمحے کے لئے شاہ یروشلم اموری کا چہرہ فرط مسرت سے کھل اٹھا۔ مگر دوسرے ہی لمحے وہ انتہائی سخت لہجے میں کاہن بطریق سے مخاطب ہوا۔ "اگر تیرا یہ دعویٰ درست ثابت نہ ہوا...؟"

"تو پھر مقدس بادشاہ کو میری بات پر یقین کر لینا چاہئے کہ میں یروشلم چھوڑ کر کسی جنگل میں روپوش ہو جاؤں گا۔" کاہن بطریق نے انتہائی جذباتی لہجے میں کہا۔ "اگر اس طرح بھی مقدس بادشاہ کی تسلی نہ ہو تو میرا منہ کالا کر کے یروشلم سے نکال دیں۔"

کاہن بطریق کی باتیں سن کر شاہ اموری کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اور وہ سلطان نور الدین زنگیؒ کی موت کا انتظار کرنے لگا۔

☆
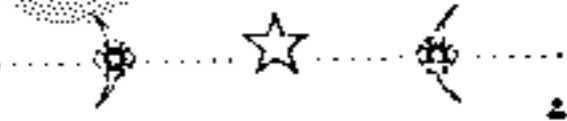
صلاح الدین کے بڑے بھائی شمس الدولہ توران شاہ نے یمن پہنچ کر خلافت کے نئے دعویدار عبدالنبی خارجی سے ایک خونریز جنگ کی اور اسے شکست فاش سے دوچار کیا۔ عبدالنبی خارجی شدید ناکامی و نامرادی کی حالت میں میدان جنگ سے فرار ہوا۔ مگر شمس الدولہ کے نائب سیف الدولہ نے دور تک اس کا تعاقب جاری رکھا۔ یہاں تک کہ اس نے بھاگتے میں عبدالنبی خارجی پر تلوار کا گہرا وار کیا۔ جس کے اثر سے عبدالنبی خارجی لہرا کر گھوڑے کی پشت سے زمین پر گر پڑا۔ سیف الدولہ نے اس کا سر کاٹ کر ایک بڑے خوان میں رکھا اور اسے صلاح الدین ایوبی کی خدمت میں قاہرہ روانہ کر دیا۔ صلاح الدین ایوبی ایک رحمدل حکمران کی حیثیت سے کسی مسلمان کی یہ رسوائی پسند نہیں کرتا تھا مگر عبدالنبی بن مہدی خارجی ایک بدعقیدہ انسان تھا...... اور اس نے مرکز اسلامی کے خلاف بغاوت کی تھی۔ اس لئے صلاح الدین نے اس کا کٹا ہوا سر سلطان نور الدین زنگیؒ کی خدمت میں دمشق روانہ کر دیا۔

سلطان عادل نے ایک خارجی کا یہ انجام دیکھ کر حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا...... اور پھر وہی سر خلیفۂ بغداد مستعضی بامر اللہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ جواباً خلیفۂ بغداد نے سلطان نور الدین محمود زنگیؒ اور صلاح الدین ایوبی کو قیمتی تحائف بھیجے۔ مزید یہ کہ صلاح الدین ایوبی کو ایک خط بھی تحریر کیا جس کی عبارت درج ذیل تھی۔

"نوجوان! اللہ تعالیٰ تمہیں مزید استقامت دے...... اور تمہاری حفاظت فرمائے کہ تم دین کی سربلندی کا نشان ہو۔"

☆
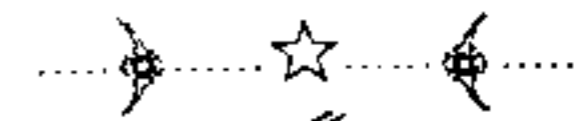
یہ 569 ہجری کا واقعہ تھا۔ سلطان نور الدین زنگیؒ کے خیال میں یروشلم پر فیصلہ کن ضرب لگانے اور بیت المقدس کو فتح کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ چنانچہ سلطان عادل نے اپنے زیر اثر تمام ریاستوں کے حاکموں کو بہت رازدارانہ طور پر چند خطوط لکھے...... جن کا مفہوم کچھ اس طرح تھا۔

"انسانی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ قدرت کی طرف سے اسے جو ذمے داریاں سونپی گئی ہیں وہ انہیں جلد از جلد پوری کرے۔ مجھے اپنی زندگی کی آخری اور سخت ترین مہم درپیش ہے۔ اس کے لئے بہت زیادہ جنگی وسائل درکار ہوں گے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم اپنی ریاست کے خزانے سے کس حد تک میری مالی مدد کر سکتے ہو۔"

ان خطوط کے ساتھ ہی سلطان نور الدین محمود زنگیؒ نے اپنے ایک معتمد خاص امیر موفق کو مصر روانہ کیا تاکہ وہ صلاح الدین ایوبی سے مصر کی پانچ سالہ آمدنی اور خرچ کا حساب طلب کرے اور مصر کے وزیر اعظم سے پوچھے کہ وہ بیت المقدس کی جنگ میں اپنے خزانے سے لشکر اسلام کی کتنی مدد کر سکتا ہے؟

مصر پر حکومت کرتے ہوئے صلاح الدین ایوبی کو پانچ سال ہو چکے تھے۔ جیسے ہی امیر موفق بن قیسرانی سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کا خط لے کر مصر پہنچا، صلاح الدین ایوبی نے محکمۂ مالیات کے تمام کارندوں کو مصر کی آمدنی اور اخراجات کا مکمل حساب تیار کرنے کا حکم دے دیا۔

ادھر سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کے معتمدین خاص بیت المقدس کی جنگی مہم کے لئے دن رات امکانی وسائل جمع کرنے میں مصروف تھے...... اور ادھر دمشق میں عیدالفطر کے دوسرے دن سلطان عادل اپنے امراء کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر "میدانِ اخضر" گئے...... کچھ دیر تک چوگان کھیلتے رہے۔ پھر جب گھوڑے سے اترے تو ایک امیر ہمام الدین نے انتہائی مسرت آمیز لہجے میں کہا۔

"سلطان عادل! آج کیسا مبارک دن ہے کہ ہم سب اس میدان میں جمع ہیں۔ مگر اللہ جانے کہ اگلے سال ہم میں سے کون یہاں موجود ہوگا اور کون بچھڑ جائے گا۔" یہ کہتے کہتے امیر ہمام الدین کا لہجہ کسی قدر اداس ہو گیا تھا۔

جواباً سلطان نور الدین زنگیؒ نے مسکراتے ہوئے انتہائی شگفتہ لہجے میں کہا۔ "ہمام الدین! ایک سال تو بہت طویل عرصہ ہے۔ ہم تو یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ہم اگلے ماہ اس میدان میں جمع ہوں گے یا نہیں؟"

یہ الہامی الفاظ تھے جو سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کی زبان سے ادا ہوئے تھے۔ دوسرے دن سے ہی سلطان عادل کو گلے میں ہلکی سی تکلیف ہوئی پھر یہ بڑھتے بڑھتے "خناق" کی شکل اختیار کر گئی۔ (خناق گلے کی ایک خطرناک بیماری ہے جس میں انسان کا گلا بند ہو جاتا ہے اور اس کی موت واقع ہو جاتی ہے)

شام، حلب اور دمشق کے مایہ ناز طبیبوں نے قدیم کتابیں کھنگال ڈالیں...... اور مجرب ترین نسخے تجویز کئے۔ مگر کوئی دوا مرضِ الموت کو نہیں ٹال سکی۔ آخر 21 شوال 569ھ کا المناک دن آ گیا۔

سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کے گرد سارے امراء جمع تھے۔ سلطان عادل کی سانس رک رک کر آ رہی تھی...... اور آنکھیں بے نور ہوتی جا رہی تھیں۔ والئ دمشق کے ہونٹ کانپے۔ جیسے وہ کچھ کہہ رہے ہوں۔ تمام امراء فوراً ہی جھک گئے...... اور سلطان عادل کی بات سننے کی کوشش کرنے لگے۔

"الوداع میرے دوستو...... الفراق میرے ساتھیو......!" سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کی آواز بہت مدھم تھی اور لرز رہی تھی۔

تمام امراء کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آج اسلام کا ایک عظیم مجاہد ان سے رخصت ہو رہا تھا۔

پھر سلطان عادل نے بے نور ہوتی ہوئی آنکھوں سے کمرے کی چھت کی طرف دیکھا..... اور نہایت غم زدہ لہجے میں کہا۔ ''میری آخری آرزو..... میرا آخری خواب.....''

چند قریبی اور معتمد امراء کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں میں اور تیزی آ گئی۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ سلطان عادل کا آخری خواب کیا تھا؟

کچھ دیر کے لئے سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ طبیب سمجھے کہ سلطان عادل کی روح پرواز کر چکی ہے۔ مگر جب انہوں نے نبض دیکھی تو ابھی زندگی کے آثار باقی تھے۔

سلطان عادل نے دوبارہ آنکھیں کھولیں۔ ایک بار پھر ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔ امراء نے فوراً ہی جھک کر کان لگا دیئے۔ ''صلاح الدین..... کو میرا..... سلام..... پہنچا دینا..... اور اُسے..... اس کا وعدہ یاد..... دلا دینا.....'' سلطان نورالدین محمود زنگیؒ رک رک کر بول رہے تھے۔

امیر ہمام الدین زار و قطار رو رہا تھا۔ اس نے سلطان عادل سے سوال کیا۔ ''کیسا وعدہ؟''

سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے آنکھیں بند کر لیں۔ مگر ہونٹ کانپ رہے تھے۔ ''وہ..... خوب..... جانتا ہے۔''

اس کے بعد سلطان عادل نے کلمۂ طیبہ پڑھا..... اور دارِ فانی سے رخصت ہو گئے۔

سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی وفات کی خبر سن کر دمشق میں کہرام برپا ہو گیا۔ لوگ گریہ وزاری کرتے ہوئے اپنے گھروں سے نکل آئے۔ اس مردِ مجاہد کا جنازہ ''میدانِ اخضر'' میں رکھا ہوا تھا..... جہاں اسلام کا عظیم سپہ سالار چوگان کھیلا کرتا تھا۔

دمشق کے باشندے روتے ہوئے آتے تھے اور نماز جنازہ پڑھ کر میدان سے باہر نکل جاتے تھے..... تاکہ دوسرے لوگ اس سعادت میں شریک ہو سکیں۔ اس طرح ہزاروں اہلِ ایمان نے سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی نماز جنازہ کئی بار پڑھی۔

پھر اس عظیم مجاہد کو مدرسہ نوریہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ جسے سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے بڑے ذوق و شوق کے ساتھ اپنی نگرانی میں تعمیر کرایا تھا۔ جہاں سینکڑوں طالب علم حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔

☆
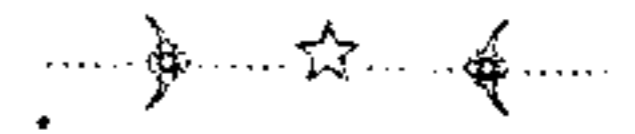
صلاح الدین ایوبی نے سلطان عادل کے کارندے امیر موفق بن قیسرانی کو اپنے پانچ سالہ دورِ وزارت کا تمام حساب سمجھایا۔ پھر جب وہ مطمئن ہو گیا تو صلاح الدین نے سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے لئے قیمتی تحائف دیئے اور اسے رخصت کرنے کے لئے قاہرہ کی سرحد تک آیا لیکن امیر موفق ابھی راستے ہی میں تھا کہ سلطان عادل کا انتقال ہو گیا۔

پھر جب اس جاں گداز واقعے کی خبر مصر پہنچی تو صلاح الدین ایوبی اس وقت دربار میں تھا اور اپنے امراء سے خطاب کر رہا تھا۔ یہ خبر سنتے ہی چند لمحوں کے لئے صلاح الدین ایوبی پر سکتہ طاری ہو گیا۔ پھر وہ تخت سے اٹھا۔ حاضرین دربار نے دیکھا۔ صلاح الدین ایوبی زار و قطار رو رہا تھا اور بار بار یہ

الفاظ دہرا رہا تھا۔

''ہائے میرے آقا (مالک)..... ہائے میرے سردار..... اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔''

حاضرین دربار بھی اداس تھے..... اور بعض امراء جو سلطان عادل کے مقام کو سمجھتے تھے۔ وہ بھی اس طرح رونے لگے جیسے ان کا باپ ان سے بچھڑ گیا ہو۔

سلطان نورالدین زنگیؒ نے ساری زندگی میں صرف ایک شادی کی۔ ان کی شریک حیات کا نام رضیع خاتون بنت معین الدین تھا۔ وہ اپنی سیرت و کردار کے اعتبار سے ایک بلند درجہ خاتون تھیں۔ گھر کا سارا کام کاج اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ سلطان عادل جو معمولی رقم انہیں دیتے تھے اسی سے سارا خرچ چلاتی تھیں..... نہ کوئی ملازمہ تھی اور نہ کوئی کنیز..... اگر ان کے شوہر ایک درویش صفت بادشاہ تھے تو رضیع خاتون ایک درویش صفت ملکہ..... سلطان نورالدین زنگیؒ نے 58 سال کی عمر میں وفات پائی اور 28 سال اسلامی مساوات کے ساتھ حکومت کی۔ اس طویل عرصے میں سلطان عادل کے حرم میں رضیع خاتون کے علاوہ کسی لونڈی، کنیز یا دوسری عورت کا گزر نہیں ہوا۔

سلطان نورالدین زنگیؒ کی صرف دو اولادیں تھیں۔ ایک لڑکی جس کا نام شمس النساء تھا۔ اور دوسرا لڑکا ملک صالح اسماعیل جس کی عمر صرف گیارہ سال تھی۔ دمشق، شام اور دوسری ریاستوں کے تمام امراء نے اتفاقِ رائے کے ساتھ ملک صالح کو سلطان عادل کا جانشین قرار دے کر تخت پر بٹھا دیا۔ ان میں سے کچھ امراء سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے خاندان سے مخلص تھے لیکن امیروں کی اکثریت سازشی اور طالع آزما تھی۔ یہ لوگ ایک گیارہ سالہ بچے کو ڈھال بنا کر اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کی جنگ لڑنا چاہتے تھے۔

سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے تمام امراء میں صلاح الدین ایوبی سب سے زیادہ بااثر اور طاقتور امیر تھا۔ دمشق اور شام کے خود غرض امراء کی آنکھوں میں صرف صلاح الدین ایوبی ہی خار بن کھٹک رہا تھا۔ ان لوگوں نے سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی تدفین کے فوراً بعد ہی صلاح الدین ایوبی کے خلاف رضیع خاتون کے کان بھرنے شروع کر دیئے تھے۔

''سلطان مرحوم و مغفور نے جس غلام کو ہم سب سے زیادہ نوازا، آج وہی اپنے آقا کے غم میں شریک نہیں ہے۔''

رضیع خاتون نے بڑے تحمل کے ساتھ ان امراء کی باتیں سنیں اور پردے کے پیچھے سے مخاطب ہوئیں۔ ''تم لوگ یہ کس طرح کہہ سکتے ہو کہ صلاح الدین ہمارے غم میں شریک نہیں ہے؟''

سازشی امراء نے ایک کمزور دلیل کا سہارا لیا جو بظاہر بہت طاقتور نظر آ رہی تھی۔ ''اگر وہ خاندانِ نوریہ کے ساتھ مخلص ہوتا تو اب تک سلطان ملک صالح کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے اپنی وفاداری کا ثبوت دے چکا ہوتا۔ اس جاں گداز موقع پر نہ وہ خود آیا اور نہ ملکہ عالیہ کی خدمت میں کوئی تعزیت نامہ ارسال کیا۔ یہی وہ علامت ہے کہ جس سے صلاح الدین ایوبی کی سرکشی اور بغاوت کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ عنقریب دیکھ لیں گی کہ اس نے اپنی گردن سے خاندانِ نوریہ کی غلامی کا طوق

اتار پھینکا ہے۔''

رضیع خاتون کو ان امراء کی یہ بات شدید ناگوار گزری۔ ''یہ بات میرے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتی کہ صلاح الدین سلطان عادل کے خاندان کے خلاف سرکشی اختیار کرسکتا ہے۔ بدگمانی سے بچو کہ اہلِ ایمان کے لئے یہ ایک خطرناک بیماری ہے۔ صلاح الدین کو کوئی مصروفیت بھی ہو سکتی ہے۔ سلطان عادل کی وفات کی خبر مصر میں تاخیر سے بھی پہنچ سکتی ہے۔'' رضیع خاتون کا لہجہ انتہائی سخت تھا۔

زمانہ ساز اور خوشامدی امراء کا خیال تھا کہ وہ ایک سیدھی سادی گھریلو خاتون کو بہت جلد اپنی باتوں کے شیشے میں اتار لیں گے...... مگر آج انہیں اندازہ ہوا کہ رضیع خاتون کتنی دوراندیش عورت تھیں۔ بالآخر وہ امراء ناکام ونامراد واپس چلے گئے...... مگر ان کے فتنہ گر ذہن صلاح الدین کے خلاف سازش کا کوئی نیا منصوبہ تراشنے میں مصروف تھے۔

☆

ادھر صلاح الدین ایوبی نے مصر کی تمام مسجدوں میں ملک صالح کا خطبہ پڑھوایا...... اور ٹکسال میں فوری طور پر ایک نیا سکہ ڈھالا گیا جس پر ملک صالح کا نام نمایاں طور پر کندہ تھا۔ پھر صلاح الدین ایوبی نے دمشق جانے کی تیاریاں شروع کردیں۔ اگرچہ مصر کے سیاسی حالات پرسکون تھے لیکن صلیبی کسی وقت بھی شورش برپا کرسکتے تھے۔ اسی خیال سے سالار عبداللہ قرشی اور امیر عزالدین نے صلاح الدین ایوبی کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

''اگر آپ مناسب سمجھیں تو کسی نمائندے کے ہاتھ سلطان ملک صالح کے نام تعزیت نامہ ارسال کردیجئے۔ ہمارے نزدیک اس وقت آپ کا مصر چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔''

''یہ میں جانتا ہوں'' صلاح الدین ایوبی نے نہایت غم زدہ لہجے میں کہا۔ ''مگر پھر بھی میرا جانا نہایت ضروری ہے۔ میرے آقا کے خاندان پر رنج والم کا جو پہاڑ ٹوٹا ہے، اس کا اندازہ یہاں بیٹھ کر نہیں کیا جاسکتا۔ میں ان کے دکھ کو کم نہیں کرسکتا لیکن کم سے کم اپنی موجودگی تو ظاہر کرسکتا ہوں۔ تعزیت نامہ ارسال کرنا تو ایک عام سی رسم ہے اور سلطان عادل مجھے اپنے خواص میں بھی سرفہرست رکھتے تھے۔ اگر یہ وقت گزر گیا تو میں زندگی بھر اپنی عدم شرکت کا کوئی عذر نہیں پیش کرسکوں گا۔ ہوسکتا ہے کہ دمشق اور شام کے لوگ میرے اس عمل کو احسان فراموشی سے تعبیر کریں اور میں اس طعنہ زنی کے ساتھ زندہ رہنا نہیں چاہتا۔'' یہ کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

پھر صلاح الدین ایوبی نے مصر کا انتظام عارضی طور پر اپنے بڑے بھائی شمس الدولہ توران شاہ کے سپرد کیا اور خفیہ طور پر سالار عبداللہ قرشی اور امیر عزالدین کو سختی کے ساتھ ہدایت کردی۔ ''کسی بھی قانون شکن کو معاف نہ کرنا، چاہے وہ میرا بڑا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔'' صلاح الدین ایوبی کا اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ اگر توران شاہ کی نیت میں فتور آجائے تو اس کے ساتھ بھی عام باغیوں جیسا سلوک کیا جائے۔

پھر صلاح الدین ایوبی ایک فوجی دستے کے ساتھ برق رفتاری کے انداز میں دمشق پہنچا۔

صلاح الدین نے اپنے اس سفر کو بہت خفیہ رکھا تھا۔ پھر جب وہ قصر خلافت میں داخل ہوا تو ہر شخص اس کی آمد پر حیران رہ گیا۔ جو امراء سلطان نورالدین زنگی سے مخلص تھے، وہ صلاح الدین کو قصر خلافت میں دیکھ کر بہت خوش ہوئے...... اور جو سازشی امراء رضیع خاتون کے سامنے صلاح الدین ایوبی کو سرکش وغدار ثابت کرنے کی کوشش کررہے تھے، ان کے دل آتشِ حسد سے جل اٹھے تھے اور چہرے مسخ ہوکر رہ گئے تھے۔

صلاح الدین ایوبی کسی سے بات کئے بغیر سیدھا حرم سرا میں پہنچا، جہاں رضیع خاتون عدت کے دن گزار رہی تھیں۔ صلاح الدین، سلطان عادل کے گھر کے ایک فرد کی طرح تھا۔ رضیع خاتون اس سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ صلاح الدین ایک بیٹے کی طرح گھٹنوں کے بل ان کے سامنے جھک گیا اور زاروقطار رونے لگا۔ رضیع خاتون نے مادرانہ شفقت کے ساتھ اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور خود بھی رونے لگیں۔

''مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔''

☆

پھر دوسرے دن عجیب منظر تھا۔ جب گیارہ سالہ سلطان ملک صالح دربار میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے صلاح الدین ایوبی تھا...... اور بعد میں دوسرے امراء...... صلاح الدین نے خم ہوکر ملک صالح کو تخت پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب ملک صالح تخت پر بیٹھ گیا تو صلاح الدین نے دائیں جانب دست بستہ کھڑے ہوکر حاضرین دربار سے خطاب کیا۔ اس کے آنسو بہہ رہے تھے اور آواز شدتِ جذبات سے بھرائی ہوئی تھی۔

''آج ہم اہلِ درد کے لئے یہ سب سے زیادہ جاں گداز گھڑی ہے کہ سلطان عادل ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں۔ مگر پھر بھی یہ مقامِ شکر ہے کہ ہم آقازادے سلطان ملک صالح کی شکل میں اپنے مرحوم آقا کو دیکھ رہے ہیں۔ حق تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ آقا کی یہ نشانی تادیر سلامت رہے...... اور ''پرچم نوری'' کے سائے میں تمام ملت اسلامیہ متحد ہوجائے۔'' یہ کہہ کر صلاح الدین ایوبی کچھ دیر کے لئے خاموش ہوگیا۔

پورے دربار پر گہرا سکوت طاری تھا۔ سلطان مرحوم کے وفادار زاروقطار رو رہے تھے۔

مختصر سی خاموشی کے بعد صلاح الدین ایوبی کی پرجلال آواز دوبارہ گونجنے لگی۔ ''بادشاہ اچھی زمین میں، اچھے پھل کے لئے بیج بوتے ہیں۔ اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور اپنی صفوں میں کسی قسم کے اختلاف کو داخل نہ ہونے دو...... کہ دشمن اس سے فائدہ اٹھائے گا اور وہ نعمتیں جو زمانے نے عاجز ہوکر ان کے حق داروں تک پہنچائی تھیں، ان سے چھن جائیں گی۔ تم سیسہ پلائی ہوئی دیوار اور ایک دوسرے کے دست و بازو بن جاؤ۔ ایسے دلوں کی شکل میں ڈھل جاؤ، جن میں ایک دوسرے کے لئے سراسر شفقت ومحبت ہو۔ ایسی تلواریں بن جاؤ جو ایک نیام میں یکجا ہوجائیں۔ یاد رکھو کہ کفر اسلام پر حملہ آور ہونے کے لئے متحد ہے۔ اگر تمہارے دلوں سے نفاق نہیں نکلا تو قدرت تمہیں عذاب میں مبتلا

کردے گی...... اور تمہارا رعب جاتا رہے گا۔ میں برسر دربار اعلان کرتا ہوں کہ ہم آقا نورالدین مرحوم کے حامی و مددگار ہیں۔ آخری سانس تک ''خاندان نوریہ'' پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔ ہر حاضر وغائب پر واضح رہے کہ جو ہمارے آقا ملک صالح کی مخالفت کرے گا، ہماری تلواریں اس کے خلاف نیام سے باہر آجائیں گی۔'' یہ کہہ کر صلاح الدین ایوبی نے اپنی تلوار ملک صالح کے قدموں میں رکھ دی اور جھک کر ننھے سلطان کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔

پورا دربار آفرین اور مرحبا کے نعروں سے گونج اٹھا۔ یہ منظر دیکھ کر مخالفین کے چہرے سیاہ ہوگئے تھے۔

رضیع خاتون پردے کے پیچھے سے اپنے نوعمر بیٹے کی تخت نشینی کی رسم دیکھ رہی تھیں۔ صلاح الدین ایوبی کی اثر انگیز تقریر سن کر ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ ''اللہ تمہاری حفاظت کرے...... تم نے وفاداری کا حق ادا کر دیا۔''

☆
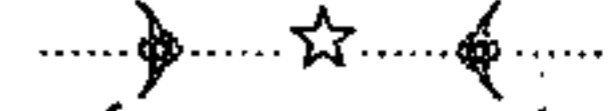
سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی وفات کی خبر نے پوری عیسائی دنیا میں ناقابل بیان مسرت کی لہر دوڑا دی۔ شہنشاہ فرانس لوئیس ہفتم جو چند سال پہلے سلطان عادل سے شکست کھا کر ناکام و نامراد فرانس واپس چلا گیا تھا اور اس نے آئندہ کسی صلیبی جنگ میں شرکت نہ کرنے کی قسم کھائی تھی۔ سلطان نورالدین زنگیؒ کی موت کی خبر سنتے ہی لوئیس ہفتم نے اپنی قسم توڑ ڈالی اور اس قسم کا کفارہ ادا کرنے کے لئے سب سے پرانی اور قیمتی شراب سے غسل کیا۔ اور پھر اپنے امراء کے ساتھ مل کر سات دن تک ایسا جشن منایا کہ لوئیس ہفتم اور اس کے امیروں کی حرکات دیکھ کر فحاشی و عریانی بھی پناہ مانگنے لگی۔ پھر جب ہوس و بدکاری کی محفل ختم ہوئی تو اس نے شاہ یروشلم اموری کی خدمت میں قیمتی تحائف بھیجے اور مبارکباد کا ایک خط بھی تحریر کیا۔

''عیسائیت کا سب سے بڑا دشمن مر گیا۔ آگے بڑھ کر چھوٹے موٹے دشمنوں کا بھی قلع قمع کردو۔ پھر یہاں تک پیش قدمی کرو کہ مسلمانوں کے مقدس شہر مکہ اور مدینہ بھی تمہارے قبضے میں آجائیں۔ میرے سارے وسائل اس جنگ کے لئے وقف ہیں۔''

شہنشاہ فرانس لوئیس ہفتم کا یہ خط یروشلم کے دربار میں بآواز بلند پڑھا گیا۔ کاہن بطریق جو شاہ اموری کے قریب دائیں ہاتھ پر بیٹھا تھا، جوشِ جذبات میں اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا اور چیخنے کے انداز میں کہنے لگا۔ ''یہ سب میری روحانی طاقت کا کرشمہ ہے کہ عیسائیت کا سب سے بڑا دشمن موت سے ہمکنار ہوا۔''

شاہ یروشلم نے بھرے دربار میں کاہن بطریق کی روحانی طاقت کا اعتراف کیا۔ قیمتی انعامات سے نوازا اور ساتھ ہی یہ مطالبہ بھی کر دیا کہ سلطان زنگیؒ کی طرح صلاح الدین ایوبی کو بھی ہلاک کر دیا جائے۔ تاکہ ہمارے راستے کا آخری پتھر بھی ختم ہو جائے۔

کاہن بطریق نے سر دربار اعلان کیا۔ ''خداوند یسوع مسیح کے کرم سے صلاح الدین ایوبی بھی

بہت جلد اپنے عبرتناک انجام کو پہنچے گا۔''

شہنشاہ فرانس لوئیس ہفتم کی طرح شہنشاہ جرمنی کانرڈ نے بھی شاہ یروشلم کو مبارکباد کا خط لکھا۔ اور ایک بار پھر صلیبی جنگ کے لئے اپنے مالی وسائل کی پیشکش کی۔

انگلستان کی اوباش ملکہ ایلیزا کی خوشی بھی ناقابل بیان تھی۔ کیونکہ اس نے بھی دوسری صلیبی جنگ میں سلطان نورالدین زنگیؒ کے ہاتھوں بدترین شکست کھائی تھی۔ اب اس کا بیٹا رچرڈ دس سال کا ہوگیا تھا۔ ملکہ ایلیزا اپنی نگرانی میں اسے جنگی تربیت دے رہی ہے۔ سلطان عادل کی موت کی خبر سن کر ملکہ ایلیزا نے جوشِ جذبات میں رچرڈ کو گلے سے لگالیا تھا اور اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا تھا۔

''بیٹے...... بس چند سال کی بات اور ہے...... تم جوان ہو کر اپنی ماں کے خواب کی تعبیر پیش کروگے۔''

''کیسا خواب؟'' رچرڈ نے معصومیت سے پوچھا۔

''تمہاری ماں نے زندگی میں کوئی نیک کام نہیں کیا ہے۔'' ملکہ ایلیزا پاگل سی ہو رہی تھی۔ ''اب میرے گناہوں کے کفارے کی ایک ہی صورت ہے کہ تم مسلمانوں سے صلیبیوں کی شکست کا شدید انتقام لو۔ تاکہ تمہاری ماں مرنے کے بعد خداوند یسوع مسیح کے دربار میں سرخروئی کے ساتھ داخل ہو سکے۔''

سلطان عادل کی وفات کے فوراً بعد تمام عیسائی ایک بار پھر بڑی معرکہ آرائی کے لئے جمع ہو رہے تھے کہ اسی دوران صلیبیوں نے شام کے سرحدی علاقے بانیاس پر حملہ کر دیا۔ اس سے پہلے کہ صلاح الدین ایوبی مسلمانوں کی مدد کو پہنچتا۔ شام کے کچھ غدار امراء نے عیسائیوں سے صلح کرلی اور صلاح الدین ایوبی کے خلاف اتحاد قائم کرلیا۔

اس سارے فساد کی جڑ شام کے کچھ عیش پرست اور خودغرض امرأ تھے جن کی قیادت امیر شمس الدین ابن مقدم کر رہا تھا جو اس وقت شامی افواج کا سالار بھی تھا۔ ابن مقدم کو حسام الدین حسین کی معاونت حاصل تھی...... جو شام کا ایک طاقتور امیر تھا...... شمس الدین ابن مقدم اور حسام الدین حسین کے درمیان ایک انتہائی اور سفاکانہ معاہدہ طے پایا تھا۔

''پہلے صلاح الدین ایوبی سے نجات حاصل کرنا...... پھر سلطان نورالدین زنگیؒ کی بیوہ رضیع خاتون، بیٹی شمس النساء اور گیارہ سالہ بیٹے کو قتل کر کے شام اور دمشق پر مکمل قبضہ کرلینا۔''

واضح رہے کہ دونوں امرأ شمس الدین ابن مقدم اور حسام الدین نہایت اوباش اور بدکار انسان تھے...... انہیں سلطان نورالدین زنگیؒ مرحوم سے شدید نفرت تھی...... کیونکہ سلطان عادل نے اپنی تمام ریاستوں میں سخت احتسابی نظام جاری کیا تھا...... جس کے سبب کوئی امیر شراب اور رقص کے قریب نہیں جاسکتا تھا...... نہ رشوت لے سکتا تھا...... اور نہ بیت المال میں غبن کرکے اپنے ذاتی سرمائے میں اضافہ کرسکتا تھا...... سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی حیات ہی میں یہ دونوں امیر چھپ چھپ کر بڑی باغیانہ اور فاسقانہ گفتگو کیا کرتے تھے۔

''یہ کوئی زندگی ہے کہ ہم مخلوق خدا کی خدمت کرتے کرتے مر جائیں......اور عیش و آرام کی ایک سانس بھی نہ لے سکیں۔ ہمیں نہیں چاہئے یہ خیالی جنت اور تصوراتی حوریں.....ہمیں اسی زمین پر جیتی جاگتی فردوس اور گوشت و پوست کی زندہ حوریں درکار ہیں......ہم آخرت کے اعتبار پر اپنی چند روزہ زندگی برباد نہیں کر سکتے۔''

جب سلطان عادل کا انتقال ہوا تو دمشق اور شام آنسوؤں کے سیلاب میں ڈوب گئے تھے مگر یہ دونوں امیر اور ان کے ہم خیال لوگ جشن منا رہے تھے......شراب بہہ رہی تھی اور سیم تن رقاصائیں ناچ رہی تھیں......اب انہیں کوئی فکر نہیں تھی......کیونکہ ان کے جرائم پر تازیانے برسانے والا قبر میں سو رہا تھا۔

پھر اپنی اسی گناہ گارانہ زندگی کو زیادہ رنگین اور پائیدار بنانے کے لئے امیر شمس الدین ابنِ مقدم اور امیر حسام الدین حسین نے سلطان عادل کے خاندان کے قتل کا منصوبہ بنایا......مگر وہ دونوں خبیث انسان اپنے منصوبے میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے تھے......جب تک صلاح الدین ایوبی زندہ تھا اور صلاح الدین جیسے طاقتور حکمران کو راستے سے ہٹانا ان دونوں کے بس میں نہیں تھا......آخر انہوں نے ایک اور شرمناک منصوبہ بنایا۔

سلطان عادل کے رخصت ہوتے ہی شکست خوردہ صلیبیوں نے شام کے ایک قریبی علاقے ''بانیاس'' پر حملہ کر دیا......شمس الدین ابنِ مقدم نے اس صورتحال سے فائدہ اٹھایا......اور عیسائی سالار کو اپنے خیمے میں بلا کر صلح کی پیشکش کی۔

''ہمارے تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں......تم بھی عیش و آرام سے جیو اور ہمیں بھی سکون سے رہنے دو۔''

عیسائی سالار گرانٹ نے بڑی حیرت سے شمس الدین ابنِ مقدم کی بات سنی۔ ''مجھے یقین نہیں آتا کہ تم سلطان نور الدین زنگیؒ کے امیر ہو؟'' گرانٹ کے لہجے میں حیرت کے ساتھ ہلکا سا طنز بھی شامل تھا۔

''ہم 28 سال سے سلطان کی قید میں تھے۔'' شمس الدین ابنِ مقدم نے ناگوار لہجے میں کہا۔ ''سلطان ایک مذہبی جنونی تھے......اور ہمیں ان کے نظریات سے شدید اختلاف تھا......مگر اب ہم آزاد ہیں......اور ہمیں اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا حق ہے۔''

صلیبی سالار گرانٹ انتہائی شاطر انسان تھا......اس نے ابن مقدم کو مزید کریدتے ہوئے کہا۔ ''کیا یہ تمہارے ذاتی خیالات ہیں......یا سارے مسلمان ایسا ہی سوچتے ہیں؟'' گرانٹ نے بڑی ہوشیاری سے ایک اور چال چلی تھی جسے اقتدار کا بھوکا شمس الدین ابن مقدم سمجھنے سے قاصر رہا۔

''بہت سے لوگ ہیں جو اس قید سے نکلنا چاہتے ہیں۔'' شمس الدین ابن مقدم نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ ''مگر ابھی وہ وقت کا انتظار کر رہے ہیں......فی الحال میں اور میرا لشکر خونریزی نہیں چاہتا۔''

''اگر تم ہم سے دوستی چاہتے ہو تو اس کا ثبوت فراہم کرو۔'' صلیبی سالار گرانٹ نے مسکراتے

ہوئے کہا۔ وہ مختصر سی گفتگو کے دوران شمس الدین ابن مقدم کی عیش پرستانہ اور بزدلانہ فطرت سے واقف ہو چکا تھا۔

''کیا یہ ثبوت کافی نہیں کہ میں تم سے مستقل صلاح کرنے کیلئے تیار ہوں؟ مگر اس صلاح کی ایک بنیادی شرط ہے۔'' آخر شمس الدین ابن مقدم نے بھی بڑی ہوشیاری کے ساتھ اپنی چال چل دی۔

''کیسی شرط؟'' ایک لمحے کیلئے صلیبی سالار چونکا۔ مگر اس نے فوراً ہی اپنے اعصاب پر قابو پالیا۔

''سلطان مرحوم کے سارے غلام اپنے پیروں کی زنجیروں اور گردنوں کی طوق کاٹ دینا چاہتے ہیں......مگر ایک شخص ایسا ہے جو آخری سانس تک سلطان ہی کا غلام رہنا چاہتا ہے۔'' شمس الدین ابن مقدم نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اور وہ ہے صلاح الدین ایوبی......''

صلاح الدین ایوبی کا نام سنتے ہی صلیبی سالار گرانٹ کے چہرے پر شدید نفرت کا رنگ ابھر آیا۔

''صلاح الدین ایوبی کو ہماری یہ صلح بہت گراں گزرے گی۔'' شمس الدین ابنِ مقدم نے اپنی بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''وہی ایک زہر آلود خنجر ہے جو خواب میں بھی مجھے اپنی شہ رگ کے قریب لہراتا نظر آتا ہے۔''

ابنِ مقدم کی بات سن کر سالار گرانٹ کچھ دیر گہری سوچ میں ڈوبا رہا......پھر اس کے ہونٹوں پر ایک انتہائی معنی خیز اور عیار مسکراہٹ ابھر آئی۔

''ہم بہت جلد تمہیں اس خوف سے نجات دلا دیں گے......بلکہ اس خنجر ہی کو توڑ دیں گے۔''

''اگر صلاح الدین ایوبی نے مجھ پر حملہ کر دیا؟'' شمس الدین ابنِ مقدم نے پریشان لہجے میں کہا۔

''اگر صلاح الدین نے ایسا کیا تو ساری دنیا کی عیسائی فوجیں تمہاری پشت پر ہوں گی۔'' صلیبی سالار گرانٹ نے پُرجوش لہجے میں ابنِ مقدم کو یقین دلایا......پھر دونوں کے درمیان تحریری طور پر صلح کا معاہدہ طے پا گیا......جس میں واضح طور پر درج تھا کہ عیسائی اور مسلمان ایک دوسرے پر دست اندازی نہیں کریں گے اور سرحدوں پر امن و سکون قائم رکھیں گے۔

صلیبی سالار گرانٹ اور شمس الدین ابنِ مقدم کے درمیان دوسرا معاہدہ زبانی طے پایا تھا۔ جس کے مطابق عیسائی دنیا مل کر شمس الدین ابنِ مقدم کو شام اور دمشق میں برسر اقتدار لانے کی کوشش کرے گی......اور جواب میں ابنِ مقدم اسلامی دنیا میں صلیبیوں کے جاسوس کے فرائض انجام دے گا۔

معاہدے کے بعد سالار گرانٹ نے اس دوستی یا اتحاد کو مضبوط کرنے کے لئے شمس الدین ابنِ مقدم سے بانیاس کا کچھ علاقہ طلب کیا......ابن مقدم شام و دمشق پر حکمرانی کے خواب دیکھ رہا تھا......اس نے بلا تاخیر گرانٹ کا مطالبہ تسلیم کر لیا......اور بانیاس کے آدھے سے زیادہ علاقے پر صلیبیوں کا قبضہ ہو گیا۔

اس کے بعد سالار گرانٹ نے آخری چال چلی جو بظاہر سیدھی سادی تھی......مگر حقیقتاً ٹیڑھی تھی......جسے ابنِ مقدم سمجھ ہی نہیں سکا۔ سلطان نور الدین زنگیؒ کی وفات سے چند ماہ پہلے عیسائیوں

نے ایک بار پھر شورش برپا کی تھی..... اور ایک رومی شہزادے کی قیادت میں حران کے نواحی علاقے پر حملہ کر دیا تھا..... یہ صلیبی فوج منتخب شہسواروں پر مشتمل تھی..... اس لشکر کا ایک ایک سپاہی اسلام دشمنی میں اندھا ہو رہا تھا..... سلطان نورالدین زنگیؒ نے خبر ملتے ہی پوری طاقت سے حران پر حملہ کیا۔ شام تک خونریز جنگ ہوتی رہی۔ آخر صلیبیوں کو شکست ہوئی اور ہزاروں سپاہی قیدی بنا لئے گئے۔ سلطان عادل نے ان عیسائی قیدیوں کو طبریہ کے قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ رومی شہزادے نے ان سپاہیوں کی رہائی کے سلسلے میں سلطان نورالدین زنگیؒ کو لاکھوں دینار فدیہ دینے کی پیشکش کی تھی..... جواب میں سلطان عادل نے رومی شہزادے کو انتہائی سخت الفاظ میں خط تحریر کیا تھا۔

''یہ وہ قیدی ہیں جنہوں نے بے گناہ، مجبور اور کمزور مسلمانوں کا قتل عام کیا ہے..... اگر ان کے بدلے میں تم ساری دنیا کی دولت بھی دے دو تو میں ان کے پیروں کی زنجیریں نہیں کاٹوں گا۔''

صلیبی سالار گرانٹ نے ان ہی عیسائی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا تھا..... شمس الدین ابنِ مقدم کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ یہ صلیبی قیدی کتنے خونخوار اور اسلام دشمن ہیں؟ اس نے سالار گرانٹ کو خوش کرنے کیلئے یہ مطالبہ بھی منظور کر لیا..... اور خوں آشام بھیڑیوں کو دوبارہ مسلمانوں کا گوشت کھانے کیلئے چھوڑ دیا۔

یہ تھیں اس سفاک معاہدے کی تفصیلات جو صلیبی سالار اور شامی امیر ابن مقدم کے درمیان طے پایا تھا..... اس تکلیف دہ خبر کو سن کر صلاح الدین ایوبی آدھے راستے سے مصر کی لوٹ گیا..... پھر وہ مصر کے قاضی امام شرف الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

یہ وہی امام شرف الدینؒ ہیں جو اس وقت اسلامی دنیا کے سب سے بڑے عالم اور انتہائی عابد و زاہد انسان تھے۔ سلطان نورالدین زنگیؒ بھی ان کے احترام میں تخت سے نیچے اتر آتے تھے..... اور اس وقت تک تخت پر نہیں بیٹھتے تھے جب تک امام صاحب تشریف فرما نہیں ہوتے تھے۔ جب صلاح الدین ایوبی نے خلیفہ عاضد کے اقتدار کا خاتمہ کر کے عباسی خلیفہ مستنصی بامراللہ کا خطبہ پڑھوا دیا تو سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے امام شرف الدینؒ سے بڑے عاجزانہ لہجے میں درخواست کی تھی کہ وہ مصر کا منصب قضا قبول فرمالیں..... اور اس علاقے کو بدعقیدہ لوگوں سے صاف کر دیں..... صلاح الدین ایوبی نے امام شرف الدینؒ کی رہنمائی میں مصر کے طویل و عریض قید خانے کو ''مدرسۂ شافعیہ'' اور مشہور عشرت کدے ''دار الغزل'' کو ''مدرسۂ مالکیہ'' میں تبدیل کر دیا تھا۔

''ابھی سلطان عادل کا کفن بھی میلا نہیں ہوا ہے کہ ملت اسلامیہ کی بنیادوں میں گہرے شگاف پڑنے شروع ہو گئے ہیں۔'' صلاح الدین ایوبی امام شرف الدینؒ کے سامنے دست بستہ بیٹھا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ''شامیوں اور عیسائیوں کی صلح کا ایک ہی مطلب ہے کہ شام اور مصر الگ الگ ہو جائیں..... تمام اسلامی ریاستوں اور صلیبیوں کے درمیان ایک ہی جھگڑا ہے۔ پھر دوسری ریاستوں کو اس معاہدے میں شامل کیوں نہیں کیا گیا۔''

یہ خبر سن کر امام شرف الدینؒ بھی بہت زیادہ مضطرب نظر آ رہے تھے..... مگر ان کے پاس اس سوال

کا کوئی جواب نہیں تھا۔

''آپ ہی ہم سب کے درمیان ایک محترم ہستی ہیں۔'' صلاح الدین ایوبی نے اپنی خلش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''شامی اور دمشقی امراٗ بھی آپ کی عزت کرتے ہیں..... براہ کرم اس مسئلے کو فوری طور پر حل کریں..... ورنہ اس صلح نامے کے انتہائی سنگین نتائج برآمد ہوں گے۔''

امام شرف الدینؒ نے حیرت و غم کے ساتھ صلاح الدین ایوبی کی طرف دیکھا۔ ''میں اس مسئلے کو کس طرح حل کر سکتا ہوں؟''

''میں جانتا ہوں کہ ضعیف العمری کی وجہ سے آپ اس قدر طویل سفر اختیار نہیں کر سکتے..... مگر اپنے مراسلوں کے ذریعے شامی اور دمشقی امراٗ کو قائل کر سکتے ہیں۔'' صلاح الدین ایوبی نے امام صاحب کے سامنے تجویز پیش کی۔

امام شرف الدینؒ کچھ دیر تک حسرت زدہ نظروں سے صلاح الدین ایوبی کے اداس اور غمزدہ چہرے کو دیکھتے رہے..... پھر ان کی بوڑھی آنکھوں میں آنسو آ گئے..... ''جب ملت کے مفاد پر انسانی نفس کی طلب حاوی ہو جائے تو پھر وہ بصارت اور سماعت دونوں سے محروم ہو جاتا ہے..... ایسے بدنصیبوں پر تحریر و تقریر کوئی اثر نہیں کرتی..... ان کا علاج بس شمشیر ہی کر سکتی ہے..... اور میرے بوڑھے ہاتھ تو صحیح طور پر قلم بھی نہیں پکڑ سکتے.....'' یہ کہتے کہتے امام شرف الدینؒ کی اشک ریزی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

بڑی عجیب صورتحال تھی۔ صلاح الدین ایوبی تو خود اس پریشان کن صورتحال سے نجات پانے کے لئے امام شرف الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا..... مگر جب امام صاحب کو اپنے آپ سے بھی زیادہ اداس پایا تو خود انہیں تسلیاں دینے لگا۔

''میرے بازو بھی آپ ہی کے بازو ہیں۔'' صلاح الدین ایوبی نے نہایت عقیدت مندانہ لہجے میں کہا..... ''اور بفضل حق تعالیٰ ابھی ان میں شمشیر اٹھانے کی طاقت موجود ہے۔''

''اللہ تعالیٰ تادیر ان بازوؤں کو توانا رکھے۔'' امام شرف الدینؒ نے دعا دیتے ہوئے کہا۔ ''سلطان عادل بھی تمہیں اپنا دست بازو سمجھتے تھے۔ اسی لئے ساری ذمے داری بھی تم ہی پر عائد ہوتی ہے..... اگر اس وقت تم نے خاموشی اختیار کی تو ہوس پرستوں کی پرشور آوازیں فضا پر چھا جائیں گی..... پھر شاید تم دمشق اور شام کی رعایا کو اپنی بات نہ سمجھا سکو۔''

صلاح الدین ایوبی نے امام شرف الدینؒ کی بات کا مفہوم سمجھ لیا تھا..... مگر پھر بھی ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ''شیخ! میں آپس کی خونریزی سے بہت ڈرتا ہوں۔''

''خون فاسد تو جسم سے نکالنا ہی پڑے گا..... ورنہ ایک دن سارا بدن سڑ جائے گا۔'' امام شرف الدینؒ نے اداس لہجے میں کہا۔ ''پہلے فہم و فراست اور تدبر سے کام لے کر سمجھاؤ..... اور اتمام حجت کر ڈالو..... اگر کوئی منطقی دلیل کام نہ کرے تو پھر شمشیر کی زبان میں بات کرو..... میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔''

☆

صلاح الدین ایوبی کو اس کی زندگی کا سب سے مشکل مرحلہ درپیش تھا۔ اگرچہ امام شرف الدینؒ جیسے بزرگ کی دعائیں اس کے ساتھ تھیں...... مگر پھر بھی وہ اذیتناک ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا...... ایک دن اس نے معتمد امرأ کے خفیہ اجلاس میں اپنے اس کرب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"میں بفضل حق تعالیٰ موت سے نہیں ڈرتا...... کفار کے خلاف جنگ کرنا اور میدان جنگ میں شہید ہو جانا میری زندگی کی سب سے بڑی آرزو ہے...... مگر اس وقت کیا صورتحال ہوگی جب میری تلوار کی زد میں کسی مسلمان کا گلا ہوگا...... اور کسی اہلِ ایمان کی شمشیر کا ہدف میری گردن ہوگی...... قاتل بھی میں...... اور مقتول بھی میں۔"

واقعتاً صورتحال بہت سنگین تھی...... کوئی امیر، صلاح الدین ایوبی کو مشورہ نہ دے سکا۔

بالآخر اس نے اپنے چھوٹے بھائی سیف الدین ملک عادل کے ہاتھ ایک طویل خط شمس الدین ابنِ مقدم کو بھیجا...... جس میں شامی مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ہونے والے معاہدے پر سخت تنقید کی گئی تھی۔

جب سیف الدین ملک عادل اپنے بڑے بھائی صلاح الدین ایوبی کا مکتوب لے کر دربار شام میں پہنچا تو شمس الدین ابنِ مقدم اور امیر حسام الدین حسین نے اس کے ساتھ بڑا ذلت آمیز سلوک کیا۔ جب خط دے کر سیف الدین ملک عادل کرسی پر بیٹھ گیا تو شمس الدین ابنِ مقدم نے انتہائی غضبناک لہجے میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"کھڑے ہو جاؤ...... غلام زادوں کو اپنی حیثیت نہیں بھولنی چاہئے۔"

سیف الدین ملک عادل بھی ایک شجاع باپ کا بیٹا تھا، فوراً ہی کھڑا ہو گیا...... اور باآواز بلند کہنے لگا۔ "میں غلام ہوں یا آقا زادہ، آپ کو صرف یہ دیکھنا چاہئے کہ میں ایک سفیر کی حیثیت سے دربار شام میں داخل ہوا ہوں...... ایک سفیر کو وہی عزت و احترام ملنا چاہئے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے۔"

"تم اسی اعزاز کے مستحق ہو کہ اس وقت تک ہمارے سامنے کھڑے رہو، جب تک تمہیں تمہارے لائے ہوئے خط کا جواب نہیں مل جاتا۔" شمس الدین ابنِ مقدم کے لہجے میں وہی حقارت تھی۔

اگرچہ سیف الدین ملک عادل نوجوان تھا...... مگر اس نے بے مثال قوت برداشت کا مظاہرہ کیا...... خاموش کھڑا رہا۔

پھر صلاح الدین ایوبی کا خط سر دربار پڑھا گیا...... مصر کے حاکم نے واضح الفاظ میں لکھا تھا کہ یہ ایک انتہائی سفاکانہ معاہدہ ہے...... جس سے مسلمانوں کی شکست ظاہر ہوتی ہے...... میرا مشورہ ہے کہ اس معاہدے کو فوراً منسوخ کیا جائے۔"

شمس الدین ابنِ مقدم نے صلاح الدین ایوبی کا خط ہاتھ میں لے لیا...... پھر اسے بغور دیکھتا رہا...... دربار پر گہرا سکوت طاری تھا...... سیف الدین ملک عادل خاموشی سے صورتحال کا مشاہدہ کر رہا تھا...... اچانک شمس الدین ابنِ مقدم ملک عادل سے مخاطب ہوا۔

"تمہارے خیال میں صلاح الدین مجھ سے کس جواب کی توقع رکھتا ہے۔" ابنِ مقدم کا لہجہ بدستور تحقیر آمیز تھا۔

"میں کسی کے دل کا حال کیسے جان سکتا ہوں؟" ملک عادل نے باوقار لہجے میں جواب دیا۔

"جس طرح کچھ دیر پہلے آپ نے سفارتی آداب کی دھجیاں اڑائی ہیں، اس منظر کو دیکھتے ہوئے مجھے کسی بہتر جواب کی توقع نہیں۔"

"جواب ہمیشہ برابر والے کی بات کا دیا جاتا ہے۔" شمس الدین ابنِ مقدم کا غرور و تکبر اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا...... یہ کہہ کر شمس الدین ابنِ مقدم نے صلاح الدین ایوبی کے خط کے کئی ٹکڑے کر دیئے...... اور انہیں ہوا میں اڑا دیا...... "اس ہذیان کا یہی جواب ہے۔"

ابنِ مقدم کی اس حرکت کے جواب میں بیک وقت کئی امرأ کے قہقہے گونجے...... ان میں سب سے بلند قہقہہ امیر حسام الدین حسین کا تھا جو اس سازش میں ابنِ مقدم کا معاون خاص تھا...... باقی درباری نہ صرف خاموش تھے بلکہ ان کے چہروں سے شدید ناگواری کا رنگ نمایاں تھا۔ ان لوگوں نے اپنی آنکھوں سے ایسے کئی مناظر دیکھے تھے، جب سلطان نورالدین محمود زنگیؒ صلاح الدین ایوبی کو دیکھ کر فرطِ محبت میں کھڑے ہو جاتے تھے۔ آج اسی شخص کے خط کے ٹکڑے دربار کے فرش پر بکھرے ہوئے تھے۔

اس ذلت آمیز سلوک کا احساس کر کے اس کا دل کچھ دیر کیلئے دھواں سا ہو گیا تھا...... مگر جلد ہی اس نے اپنے اعصاب پر قابو پا لیا...... پھر اسی باوقار لہجے میں شمس الدین ابنِ مقدم سے مخاطب ہوا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں اس خط کے ٹکڑے اپنے ساتھ لے جاؤں؟"

"ہماری خواہش تو یہی تھی کہ صلاح الدین خود ہمارے دربار میں حاضر ہوتا...... اور درخواست پیش کرتا...... پھر ہم اس کی آنکھوں کے سامنے یہی عمل دہراتے۔" شمس الدین ابنِ مقدم کی رعونت کی کوئی انتہا نہیں رہی تھی...... "پھر بھی ہمارے سکون کیلئے یہ کافی ہوگا کہ وہ اپنی نظروں سے اپنی تحریر کا انجام دیکھ لے۔"

سیف الدین ملک عادل آہستہ آہستہ آگے بڑھا...... اور اس نے صلاح الدین ایوبی کے خط کے تمام ٹکڑوں کو جمع کیا...... پھر انہیں شدتِ جذبات کے ساتھ بوسہ دیا...... خط کے اس احترام کی وجہ یہ تھی کہ صلاح الدین ایوبی کے مکتوب کی ابتداء اللہ کے پاک نام سے ہوتی تھی پھر جب ملک عادل واپس جانے لگا تو شمس الدین ابنِ مقدم نے پکار کر کہا۔

"صلاح الدین سے کہہ دینا کہ وہ فطری طور پر احسان فراموش اور لالچی ہے...... اسے ملت اسلامیہ کے اتحاد سے کوئی دلچسپی نہیں...... وہ اس بہانے اپنے آقا کی سلطنت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے...... مگر ہم جیسے وفاداران مملکت کے جیتے جی اس کا یہ خواب پورا نہیں ہوگا۔"

سیف الدین ملک عادل نے ابنِ مقدم کی بات ضبط و تحمل کے ساتھ سنی اور دربار سے نکل کر چلا گیا۔

☆

اس کے بعد شمس الدین ابنِ مقدم نے ایک اور چال چلی...... مجد دالدین ابنِ دایہ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کا معتمد خاص تھا۔ سلطان عادل کی وفات کے بعد ان کی اہلیہ رضیع خاتون نے مجد دالدین کو اپنے کمسن بیٹے ملک صالح کا نگران اور اتالیق بنا دیا تھا...... شمس الدین ابنِ مقدم اور امیر حسام الدین حسین اچھی طرح جانتے تھے کہ مجد دالدین کو کسی بھی قیمت پر خریدا نہیں جا سکتا...... ان کے خیال میں اگر مجد دالدین دس سال اور زندہ رہ گیا تو ملک صالح جوانی کی منزل کو پہنچ جائے گا...... اور ملک کے انتظامات پر اس کی گرفت مضبوط ہو جائے گی اور ان دونوں کی خواہش اقتدار بارآور ہونے سے پہلے ہی دم توڑ دے گی......

مجد دالدین صرف سیاسی امور ہی کا ماہر نہیں...... بہترین سالار بھی تھا...... وہ دن کے وقت ملک صالح کو شہسواری، تیر اندازی اور شمشیر زنی سکھاتا...... پھر رات کے وقت کئی گھنٹے اس موضوع پر طویل تقریریں بھی کرتا کہ ایک کامیاب حکمران میں کیا کیا صفات ہونی چاہئیں۔

خاندانِ نوریہ سے مجد دالدین کی یہ وفاداری شمس الدین ابنِ مقدم اور امیر حسام الدین حسین کیلئے ایک مستقل خطرہ بنتی جا رہی تھی...... آخر ان دونوں ہوس کار اور نمک حرام امیروں نے مجد دالدین، اس کی بیوی اور دو جوان بیٹوں کو اس وقت قتل کرا دیا جب یہ پورا گھرانا گہری نیند سویا ہوا تھا...... اس اجتماعی قتل سے پورے دمشق اور شام میں دہشت پھیل گئی......

دمشق کے سرکاری کارندوں نے مجد دالدین اور اس کے اہلِ خانہ کے قتل کی تحقیق شروع کی...... مگر وہ قاتلوں تک پہنچنے میں ناکام رہے...... کیونکہ یہ ایک مکمل اور پراسرار منصوبہ بندی تھی جس کی نقاب کشائی کرنا آسان کام نہیں تھا۔

سیف الدین ملک عادل مصر پہنچ چکا تھا اور اس نے بڑے بھائی کی خدمت میں اس خط کے ٹکڑے پیش کر دیئے جسے شمس الدین ابنِ مقدم نے سرِ دربار چاک کر ڈالا تھا...... اور اس ذلت آمیز سلوک کے بارے میں بتا دیا جو اس کے ساتھ روا رکھا گیا تھا۔

صلاح الدین ایوبی کے ہاتھ میں اس کے اپنے خط کے ٹکڑے تھے جنہیں وہ بار بار دیکھ رہا تھا...... اور چہرے پر گہری اداسی چھائی ہوئی تھی۔ پھر وہ اسی حالت میں اٹھ کھڑا ہوا۔

پھر جب صلاح الدین ایوبیؒ امام شرف الدینؒ کی خانقاہ میں داخل ہوا تو اس وقت کئی معززین شہر امام صاحب کی خدمت میں حاضر تھے...... صلاح الدین ایوبیؒ کو دیکھتے ہی وہ تمام لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں انتہائی معذرت خواہ ہوں کہ آپ حضرات کی مجلس میں خلل انداز ہوا۔ مگر میں مجبور تھا کہ امام صاحب کی خدمت میں اہم ترین مقدمہ پیش کرتا۔ اس میں کسی طرح بھی تاخیر نہیں کی جا سکتی تھی۔"
صلاح الدین ایوبی کا لہجہ کسی قدر عاجزانہ تھا۔ وہ ہمیشہ علماء کا احترام کرتا تھا...... اور اس وقت امام شرف الدینؒ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تمام حضرات مصر کے بڑے بڑے عالم تھے۔
مصری علماء صلاح الدین ایوبی کی بات سن کر فوراً ہی امام شرف الدینؒ کی مجلس سے اٹھ کر چلے

گئے...... صلاح الدین ایوبی نے فوراً ہی اپنے خط کے ٹکڑے امام صاحب کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے عرض کیا۔
"یہ ہے میرے اس خط کا جواب جو میں نے امیر شمس الدین ابنِ مقدم کو تحریر کیا تھا...... زبانی گالیاں الگ ہیں جو مجھے غلام زادہ ہونے کے حوالے سے دی گئی ہیں۔" یہ کہہ کر صلاح الدین ایوبی نے امام شرف الدینؒ کو اس ملاقات کی مکمل تفصیلات سنا دیں جو اس کے چھوٹے بھائی سیف الدین ملک عادل اور امیر شمس الدین ابنِ مقدم کے درمیان دربارِ شام میں ہوئی تھیں۔
امام شرف الدینؒ صلاح الدین ایوبی کی گفتگو سن کر بہت غمزدہ ہوئے اور نہایت کربناک لہجے میں کہنے لگے...... "فرزند میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ تحریروں اور مراسلوں کا وقت گزر چکا ہے...... حجت تمام ہو چکی۔ اب تم اللہ کا نام لے کر اپنی شمشیر بے نیام کرو اور ان امراء کے ٹکڑے کر ڈالو جو قصرِ خلافت کے ٹکڑے کر کے اپنے چھوٹے چھوٹے گھر آراستہ کرنا چاہتے ہیں۔"
امام شرف الدینؒ کی بے لاگ گفتگو سن کر صلاح الدین ایوبیؒ کے چہرے کی ساری افسردگی دور ہو گئی...... اور ایک نیا رنگ جھلکنے لگا...... جس میں جوش کے ساتھ اضطراب کی آمیزش بھی تھی
"شیخ! اپنے خط کا یہ حشر دیکھ کر میں پہلے ہی طے کر چکا تھا کہ اب یہ معاملات مذاکرات کی مجلسوں میں بیٹھ کر طے نہیں ہو سکیں گے۔ ظاہر ہے کہ مجلسوں میں ناکام ہونے کے بعد انسان میدانِ جنگ کا رخ کرتا ہے...... میں اس سلسلے میں صرف اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ از روئے شریعت میرا یہ اقدام ناحق تو نہیں ہوگا؟"
"ہرگز نہیں......" یکایک امام شرف الدینؒ کے لہجے سے جلالِ روحانی کا اظہار ہونے لگا تھا۔
"حق کے خلاف تو وہ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔"
اگرچہ امام شرف الدینؒ نے اس کے خیالات کی پرزور تائید و حمایت کر دی تھی...... لیکن پھر بھی صلاح الدین ایوبی کے چہرے پر تذبذب اور ذہنی کشمکش کے آثار نمایاں تھے...... کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد صلاح الدین نے انتہائی مؤدبانہ لہجے میں عرض کیا۔ "شیخ محترم، میں اس نازک ترین معاملے میں آپ کی زبانِ مبارک سے واضح دلیل سننا چاہتا ہوں۔"
امام شرف الدینؒ مسکرائے۔ "میرے خیال سے تم یہ سوچ کر فکر و پریشانی میں مبتلا ہو کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر خنجر آزمائی کیسے کرے؟ تمہاری اس ذہنی الجھن کا منطقی جواب یہ ہے کہ جب مسلمانوں کا ایک گروہ مرکز سے جدا ہو کر ذاتی ہوسِ اقتدار میں مبتلا ہو جائے تو اس جماعت کو مفسد، سرکش اور باغی قرار دے دیا جاتا ہے۔ عامتہ المسلمین اور اسلامی سلطنت کے مفاد میں ایسے تمام لوگ سزا کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔" امام شرف الدینؒ نے صلاح الدین ایوبیؒ کی ذہنی خلش دور کرنے کیلئے وضاحت سے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان شراب نوشی کرتا ہوا پکڑا جائے تو اسے سرِعام کوڑوں کی سزا دی جاتی ہے۔ اس صورتحال میں سزا دینے والے بھی مسلمان ہوتے ہیں...... اور سزا یافتہ انسان بھی کلمہ گو ہوتا ہے...... فی الحال تم یہی سمجھ لو کہ شامی امراء

شمس الدین ابنِ مقدم اور حسام الدین حسین نے سرعام شراب پی ہے اور ان کا جرم ثابت ہو چکا ہے اس لئے تم پر لازم ہے کہ تم ان دونوں پر کھلے میدان میں حد جاری کرو...... تاکہ دیکھنے والے کو عبرت حاصل ہو...... اور وہ لوگ جو شراب پینے کی شدید خواہش رکھتے ہیں ان کا یہ جذبۂ عیش کوشی تکمیل سے پہلے فنا ہو جائے۔"

امام شرف الدینؒ کے یہ دلائل سن کر صلاح الدین ایوبیؒ مطمئن نظر آنے لگا...... پھر جب وہ درسگاہ سے اٹھ کر جانے لگا تو امام شرف الدینؒ اسے رخصت کرنے دروازے تک آئے...... اور آخری ہدایت کے طور پر بولے۔

"تم ان ساری باتوں کو میرا فتویٰ سمجھو...... اگر میری کم علمی کے سبب یہ فتویٰ غلط اور ناقص ہے تو قیامت کے دن اس کا وبال اور عذاب بھی میری ہی گردن پر ہوگا...... اور حق تعالیٰ کے سامنے تم بری الذمہ قرار پاؤ گے۔"

جوشِ عقیدت میں صلاح الدین ایوبیؒ نے امام شرف الدینؒ کے دست مبارک کو بوسہ دیا۔

"دلوں کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے...... اگر تمہارے دماغ میں بھی بوئے اقتدار موجود ہے تو پھر میں بری الذمہ ہوں۔ اپنے اعمال کے ذمہ دار تم خود ہو گے...... میری دعائیں اس وقت تک تمہارے ساتھ رہیں گی جب تک تم حق پر قائم رہو گے۔"

یہ سنتے ہی صلاح الدین ایوبی پر گریہ طاری ہو گیا۔

☆

پھر کچھ دن بعد مجد الدین ابن دایہ اور اس کے اہلِ خانہ کے قتل کی خبر بھی مصر پہنچ گئی۔ صلاح الدین ایوبی کی نظر میں صورت حال لحظہ بہ لحظہ سنگین ہوتی جا رہی تھی...... اب اس کے لئے ناگزیر ہو گیا تھا کہ وہ مصر سے کوچ کر کے براہ راست دمشق پہنچے اور اس سلسلے میں رضیع خاتون سے بات کر کے اگلا قدم اٹھائے۔

ابھی صلاح الدین ایوبی دمشق جانے کی منصوبہ بندی کر ہی رہا تھا کہ صورتحال نے ایک اور عجیب کروٹ بدلی۔ سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کی ایک بیٹی شمس النساء تھی جس کی عمر اب اٹھارہ سال ہو چکی تھی۔ شمس النساء اپنے والد کی طرح ایک تعلیمیافتہ، مذہبی احکام کی پابندی کرنے والی اور خوبصورت دوشیزہ تھی...... سلطان عادل کی زندگی میں وہ شادی کی عمر کو پہنچ چکی تھی...... اور بڑے بڑے امرأ کے لڑکوں کے رشتے بھی آنے شروع ہو گئے تھے...... مگر سلطان نور الدین زنگیؒ کو کوئی لڑکا پسند نہیں آیا تھا...... اور اس کی ایک ہی وجہ تھی کہ سارے امیر زادے عیش پرستانہ زندگی کے دلدادہ تھے...... اور کسی ایک نوجوان کے دل میں بھی شوق جہاد نہیں تھا...... ابھی سلطان عادل کسی اور رشتے کا انتظار کرتے، فرشتۂ اجل نے خود ان کا رشتہ زندگی اور زمین سے توڑ دیا تھا...... سلطان نور الدین محمود زنگیؒ نے اپنی بیٹی شمس النساء کو مذہبی تعلیم کے ساتھ فوجی تربیت بھی دی تھی تاکہ برے وقت میں ایک لڑکی کسی حد تک اپنا دفاع کر سکے۔

سلطان کی وفات کے بعد ایک بار پھر شمس النساء کے رشتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا...... بڑے بڑے امرأ نے اپنے بیٹوں کے پیغام بھیجے تھے۔ امیر حسام الدین حسین جو شمس الدین ابنِ مقدم کا معاون خاص تھا، اس نے بھی رضیع خاتون کے سامنے اپنے بیٹے جلال الدین کا نام پیش کیا تھا۔ شمس النساء سے رشتہ کرنے والوں کے پیش نظر ایک ہی مقصد تھا کہ اس شادی کے ہوتے ہی وہ دمشق اور شام پر قبضہ کر لیں گے...... اور کمسن ملک صالح کو راستے سے ہٹا دیں گے...... ان امیدواروں میں سب سے زیادہ طاقتور نام موصل کے حکمراں سیف الدین کا تھا...... جو رشتے میں سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کا حقیقی بھتیجا تھا...... سیف الدین کو پورا یقین تھا کہ زنگی خاندان کا ممتاز ترین فرد ہونے کے باعث رضیع خاتون اس رشتے سے انکار نہیں کر سکیں گی...... سیف الدین کے ذہن میں بھی دیگر امیر زادوں کی طرح وہی خود غرضانہ منصوبہ تھا کہ سلطان نور الدین زنگیؒ کا داماد ہوتے ہی دمشق اور شام بھی اس کے زیر نگیں آ جائیں گے...... پھر وہ اس رشتے کے حوالے سے صلاح الدین ایوبی کو بھی اپنا مطیع بنا لے گا۔

رضیع خاتون رشتوں کی بھرمار سے بہت زیادہ پریشان نظر آ رہی تھیں...... شوہر کی موت کے بعد وہ مستقل بیمار رہنے لگی تھیں۔ انہیں کھانسی کی شکایت تھی...... پھر اسی کھانسی نے فکر انگیز شکل اختیار کر لی تھی...... طبیبان خاص نے رضیع خاتون کو آرام کے ساتھ تمام فکروں اور غموں سے دور رہنے کی تاکید کی تھی...... ورنہ یہی کھانسی دق جیسے موذی مرض کی شکل اختیار کر سکتی ہے۔ ایک تو شوہر کی جدائی، دوسرے سیاسی بازی گروں کی چالیں...... مجد الدین ابن دایہ اور اس کے اہلِ خانہ کے قتل نے رضیع خاتون کو مزید خوفزدہ کر دیا تھا کہ کہیں ان سازشیوں کے ہاتھ ملک صالحؒ کی گردن تک نہ پہنچ جائیں...... اسی صورتحال کے پیش نظر رضیع خاتون اپنی زندگی میں بیٹی کی شادی کر دینا چاہتی تھیں...... مگر وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پا رہی تھیں کہ داماد کیلئے کس کا انتخاب کریں۔ رضیع خاتون کا جھکاؤ موصل کے حاکم سیف الدین کی طرف تھا کہ وہ اسی خاندان کا ایک فرد تھا...... اسی دوران میں دوسرے امرأ کی خواتین بھی ایک دوسرے کے خلاف رضیع خاتون کے کان بھرتی رہتی تھیں...... ہر ماں اپنے بیٹے کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیتی تھیں...... مگر دوسرے امیدواروں میں دنیا بھر کے عیب نکال دیتی تھیں...... الغرض اسی شور میں رضیع خاتون کی قوت فیصلہ بہت کمزور پڑ گئی تھی۔ خاندان میں ایسا کوئی ہمدرد بزرگ موجود نہیں تھا جو خطرات میں گھری ہوئی ایک ماں کو صحیح مشورہ دیتا۔

آخر اسی کشمکش میں ایک دن رضیع خاتون نے اپنے شوہر سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کو خواب میں دیکھا...... سلطان عادل اپنی رفیقۂ حیات کو مخاطب کر کے انتہائی محبت آمیز لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"رضیع خاتون! تمہیں شمس النساء کیلئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں...... اللہ کی ذات پر بھروسا کرو...... اور صلاح الدین کو اپنی دامادی میں قبول کر لو...... وہ حقیقی مجاہد ہے...... اور مجاہد کبھی کسی کو مایوس نہیں کرتا۔"

تقریباً ایک سال بعد رضیع خاتون نے شوہر کو خواب میں دیکھا تھا...... کچھ دیر کیلئے بیس سال کی

رفاقتوں کے تمام مناظر آنکھوں میں گھوم گئے اور وہ رونے لگیں...... پھر یہ سوچ کر مسکرانے لگیں کہ سلطان عادل نے خواب میں آکر ان کے دل و دماغ سے پہاڑ جیسا بوجھ ہٹا دیا تھا لیکن اب ایک اور مسئلہ ان کے سامنے کھڑا تھا کہ وہ صلاح الدین ایوبی سے کس طرح رابطہ کریں؟

......☆......

ابھی رضیع خاتون صلاح الدین کو دمشق بلانے کیلئے کسی معتبر قاصد کو تلاش کر رہی تھیں کہ صلاح الدین ایوبی دس ہزار منتخب شہسواروں کے ساتھ دمشق آپہنچا...... تمام سازشی امرأ صلاح الدین کی اچانک آمد پر حیران ہو رہے تھے......اور رضیع خاتون کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا کہ انہیں کسی زحمت کے بغیر منہ مانگی مراد مل گئی تھی۔

صلاح الدین ایوبی کسی تاخیر کے بغیر رضیع خاتون کی خدمت میں حاضر ہوا......اور اس نے شمس الدین ابنِ مقدم اور امیر حسام الدین حسین کے سارے کرتوت بیان کر دیئے۔ ''اگر ان سازشی امرأ پر جلد قابو نہیں پایا گیا تو دمشق، شام اور مصر میں کوئی رشتہ باقی نہیں رہے گا...... اگر تعلق کا یہ ڈورا ٹوٹا تو سلطان عادل کی عظیم الشان سلطنت تسبیح کے دانوں کی طرح بکھر جائے گی......اور میں اپنی زندگی میں یہ سب کچھ نہیں ہونے دوں گا۔'' اگرچہ صلاح الدین ایوبی رضیع خاتون کے سامنے ایک انتہائی فرمانبردار بیٹے کی طرح بہت نرم لہجے میں نظریں جھکا کر بات کرتا تھا...... مگر آج وہ بہت زیادہ جذباتی نظر آرہا تھا...... اس کی آواز بھی بلند تھی......اور چہرے سے غصہ بھی جھلک رہا تھا۔

رضیع خاتون کو کانوں کان خبر نہیں تھی کہ شامی امرأ اور صلیبیوں کے درمیان صلح کا معاہدہ ہو چکا ہے...... ایک پردہ دار اور گھریلو خاتون ہونے کی وجہ سے نہ وہ سیاست کی پیچیدگیوں کو سمجھ سکتی تھیں اور نہ باہر کی خبر رکھ سکتی تھیں...... پھر جب صلاح الدین ایوبی نے یہ خوفناک انکشاف کیا تو کچھ دیر کیلئے رضیع خاتون سکتے میں آگئیں...... پھر ان کی یہ کیفیت زائل ہوئی تو بہت ادا لہجے میں کہنے لگیں...... ''مجھ کمزور عورت کے پاس اس کا علاج بھی تو نہیں۔''

''مادر ملکہ...... ابھی آپ کا یہ خادم زندہ ہے۔'' صلاح الدین ایوبی نے انتہائی پرجوش اور جاں نثارانہ لہجے میں کہا...... ''اگر آپ مجھ سے بدگمان نہ ہوں تو میں ان نمک حرام امرأ کو سزا دینا چاہتا ہوں۔''

''میں تم سے کبھی بدگمان نہیں ہو سکتی۔'' رضیع خاتون نے انتہائی محبت آمیز لہجے میں کہا۔ ''تم سلطان عادل کا حرف اعتبار ہو۔'' پھر رضیع خاتون نے اپنا خواب بیان کرتے ہوئے صلاح الدین ایوبی کو سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی خواہش سے باخبر کیا۔

صلاح الدین ایوبی کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آرہا تھا......وہ بہت دیر تک گہرے سکوت کے عالم میں بیٹھا رہا...... پھر اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے...... ''میں غلام کہاں؟ اور آقا زادی کہاں؟ ایک بے جوڑ رشتہ ہے...... خاندانِ نوریہ میرے بارے میں کیا کہے گا؟ دمشق اور شام میں آپ کی مخالفت اور بڑھ جائے گی۔''

''مجھے خاندان کے افراد کی طعنہ زنی کی کوئی فکر نہیں۔'' رضیع خاتون نے پرعزم لہجے میں کہا۔ ''میں ہر حال میں سلطان عادل کی خواہش پر عمل کروں گی...... وہ تمہیں مجاہد سمجھتے تھے......اور ایک مجاہد ہی اس عظیم مجاہد کا داماد ہو سکتا ہے۔''

صلاح الدین ایوبی نے رضیع خاتون کے اصرار اور در پردہ اپنے آقا سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے حکم پر سر تسلیم خم کر دیا...... پھر اس نے پانچ سپاہیوں پر مشتمل ایک فوجی دستہ بلا تاخیر مصر روانہ کر دیا...... تاکہ صلاح الدین ایوبی کی والدہ زبیدہ خانم اس شادی میں شریک ہو سکیں...... اس کے ساتھ ہی صلاح الدین نے امام شرف الدینؒ کی خدمت میں ایک التجا نامہ بھی ارسال کر دیا۔

''شیخ محترم! مجھے آپ کی جسمانی کمزوری کا شدید احساس ہے...... مگر آپ صرف میری خاطر دمشق تشریف لانے کی زحمت گوارہ کریں گے۔'' اپنے اس خط میں صلاح الدین نے صاف صاف لکھ دیا تھا کہ اس کا نکاح امام صاحب ہی پڑھائیں گے۔

......☆......

صلاح الدین کی دمشق آمد کی خبریں موصل اور شام پہنچ چکی تھیں...... موصل کے حاکم سیف الدین نے اس اطلاع کو حیرت کے سنا تھا...... مگر اسے کسی قسم کی پریشانی نہیں تھی...... کیونکہ وہ صلاح الدین ایوبی کے ارادوں سے باخبر نہیں تھا...... اس کے برعکس شمس الدین ابن مقدم اور امیر حسام الدین حسین بدحواس ہو گئے تھے......ان کے نزدیک صلاح الدین ایوبی کی آمد کسی نئے طوفان کا پیش خیمہ تھی... وہ دونوں ''گرگِ باراں دیدہ'' امکانی خطرات اور ان کے پیش بندی کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ سلطان ملک صالح کا قاصد ایک خط لے کر آیا جس میں تحریر تھا۔

''کسی تاخیر کے بغیر دمشق حاضر ہوں...... مملکت کے انتظامی امور میں آپ دونوں کی شرکت اور مشورے ضروری ہیں۔''

سلطان ملک صالح کا حکم نامہ پڑھ کر شمس الدین ابنِ مقدم اور امیر حسام الدین کے چہرے فق ہو گئے...... دمشق میں موجود ان دونوں کے جاسوسوں نے انہیں پہلے ہی خبر پہنچا دی تھی کہ صلاح الدین ایوبی اپنے دس ہزار جانبازوں کے ساتھ آیا ہوا ہے...... اس لئے انہیں اپنی گرفتاری کا خدشہ تھا...... پھر دونوں نے ایک ہی بہانہ تراشا کہ وہ شدید بیماری کے سبب اتنا طویل سفر طے نہیں کر سکتے۔ صحت یاب ہوتے ہی سلطان کی زیارت کو حاضر ہوں گے......اور ان کی عدم موجودگی میں جو فیصلے بھی کئے جائیں گے ان پر دل و جان کے ساتھ عملدرآمد ہو گا۔

جب یہ دونوں خط رضیع خاتون کے سامنے پڑھے گئے، اس وقت صلاح الدین ایوبی کے ساتھ سلطان ملک صالح بھی موجود تھا۔ قاصد نے بتایا کہ شمس الدین ابنِ مقدم اور امیر حسام الدین بہت زیادہ صحتمند نظر آرہے تھے...... ملک صالح اپنی کم عمری کے سبب اس چال کو نہیں سمجھ سکا...... مگر رضیع خاتون اس راز کو پا گئیں کہ یہ دونوں شاہی امرأ کسی بڑی سازش میں شریک ہیں۔

''مادر ملکہ! اب آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ یہ دونوں سلطنت نوریہ کے ساتھ کتنے مخلص ہیں؟''

صلاح الدین ایوبی نے اداس لہجے میں کہا۔

''میں سمجھتی ہوں۔'' رضیع خاتون نے سخت اور اونچی آواز میں کہا...... جس سے ان پر کھانسی کا دورہ پڑ گیا...... اور وہ حال سے بے حال ہو گئیں۔

...... ☆ ......

تقریباً پندرہ دن بعد امام شرف الدینؒ اور زبیدہ خانم دمشق پہنچ گئے...... پھر اسلامی سادگی اور روایت کے ساتھ شمس النساء اور صلاح الدین ایوبی رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔ یہ شادی موصل، دمشق اور شام کے امراً کیلئے اس قدر حیران کن تھی جیسے آسمان ٹوٹ کر زمین پر گر پڑا ہو...... سب سے زیادہ تکلیف نورالدین محمود زنگیؒ کے حقیقی بھتیجے سیف الدین والیٔ موصل کو پہنچی تھی جو شمس النساء سے شادی کر کے سلطنت نوریہ پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے شادی کی خبر سن کر اپنی چچی رضیع خاتون کے نام ایک گستاخانہ خط تحریر کیا تھا۔

''میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ آپ ایک غلام زادے کو اپنا داماد بنا کر خاندان زنگی کے عظمت و جلال کو اس طرح خاک میں ملا دیں گی۔ میں نے اپنے باپ کی موت کے صدمے کو بھلا دیا...... مگر اس جانگداز حادثے کو زندگی بھر فراموش نہیں کر سکوں گا۔''

شادی کے کچھ دن بعد رضیع خاتون نے صلاح الدین ایوبی اور شمس النساء کو خلوت میں طلب کیا...... پہلے بیٹی اور داماد کو سلامتی کی دعائیں دیں...... پھر صلاح الدین کو مخاطب کر کے کہا۔

''اب میں تمہیں اجازت دیتی ہوں کہ تم سلطنتِ نوریہ کے کسی بھی باغی کو سزا دے سکتے ہو...... اب کوئی نہیں پوچھے گا کہ تم کون ہو؟''

مادر ملکہ کی اس اجازت کے بعد صلاح الدین نے دمشق کا دربار آراستہ کیا۔ ''سلطنتِ نوریہ'' کے تمام امیروں کو شرکت کے دعوت نامے بھیجے گئے۔ جو امراً خاندانِ زنگی کے وفادار اور صلاح الدین ایوبی کے بہی خواہ تھے...... وہ اس خصوصی دربار میں شریک ہوئے تھے۔ موصل کے حکمراں اور سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے حقیقی بھتیجے سیف الدین نے سیاسی چال چلتے ہوئے ایک معذرت نامہ ارسال کر دیا تھا۔

''میں اپنی ریاست کے کچھ اندرونی مسائل میں الجھا ہوا ہوں، اس لئے مجھے شرکت سے معذور سمجھا جائے...... ویسے میں اپنے مرحوم چچا سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی روح سے وفادار ہوں...... اور اس عہدِ وفا کو ہر حال میں نبھاؤں گا۔''

شمس الدین ابنِ مقدم اور امیر حسام الدین حسین پہلے بھی ملک صالح کے حکم پر دمشق حاضر نہیں ہوئے تھے...... پھر جب صلاح الدین ایوبی کو خاندانِ زنگی کے داماد ہونے کا شرف حاصل ہو گیا تو یہ دونوں امیر اور بھی زیادہ محتاط ہو گئے...... ادھر شادی کی رسمیں ادا ہو رہی تھیں...... ادھر شمس الدین ابنِ مقدم اور امیر حسام الدین بدحواسی کے عالم میں بانیاس پہنچ کر صلیبی سپہ سالار گرانٹ سے ملے تھے...... اور کھلے الفاظ میں اپنا مدعا بیان کر دیا تھا۔

''اب وقت آ گیا ہے کہ عیسائی اور مسلم اتحاد ایک مشترکہ لائحہ عمل کے ساتھ میدان میں اتر آئے۔''

عیسائی سالار نے دونوں کی طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا تھا...... ''اتحاد اپنی جگہ ہے...... مگر میدان عمل میں اترنے سے تمہاری کیا مراد ہے؟ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم نورالدین زنگیؒ کے مقبوضات پر پیش قدمی کر دیں......؟''

امیر حسام الدین اور شمس الدین ابنِ مقدم نے سالار گرانٹ کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس سے درخواست کی۔ ''ہم فوری طور پر شاہ یروشلم اموری سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔''

سالار گرانٹ دل ہی دل میں بہت خوش ہوا کہ ان نادان اور لالچی پرندوں نے خود ہی اپنی گردنیں اور بازو جال کے حوالے کر دیئے...... مگر وہ دکھاوے کے طور پر یہی کہتا رہا...... ''شاہ یروشلم ہر انسان کو اپنی زیارت و ملاقات سے شرف یاب نہیں کرتے...... ان کے روبرو حاضر ہونا دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔''

شمس الدین ابنِ مقدم اور امیر حسام الدین بہت دیر تک صلیبی سالار گرانٹ کی خوشامد کرتے رہے کہ یہ ملاقات بہت ضروری ہے۔ آخر جب شام کے یہ دونوں غدار امراً مکمل طور پر عاجز نظر آنے لگے تو سالار گرانٹ بہت رازداری کے ساتھ، انتہائی خفیہ راستوں سے ان دونوں کو عیسائیوں کا لباس پہنا کر شاہ یروشلم اموری کے پاس لے گیا...... سالار گرانٹ پہلے ہی شاہ اموری کو شمس الدین ابنِ مقدم اور امیر حسام الدین کے بارے میں بہت تفصیل سے سب کچھ بتا چکا تھا...... اس لئے جب یہ دونوں غدار شامی امراً شاہ اموری کے خلوت کدے میں داخل ہوئے تو صلیبی حکمراں نے بڑے والہانہ انداز میں ان کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔

''خداوند یسوع مسیح تم پر مہربان ہو کہ اب تم دونوں ناکام و نامراد نہیں رہو گے...... خود چل کر آئے ہو اس لئے فتح و نصرت ہر میدان میں تمہارے قدم چومے گی۔''

حکمرانی کے خواب نے شمس الدین ابنِ مقدم اور امیر حسام الدین حسین کی آنکھوں سے بینائی چھین لی تھی اور وہ دونوں بے اختیارانہ انداز میں شاہ یروشلم اموری کے ہاتھوں کو بار بار بوسے دے رہے تھے۔

جب شاہ اموری نے ان دونوں کی حرص و ہوس کی شدت کا اندازہ کر لیا تو قیمتی شراب سے شامی امراء کی تواضع کی...... پھر جب شراب کے اثر سے شمس الدین ابنِ مقدم اور امیر حسام الدین کے دماغ بوجھل ہو گئے تو شاہ یروشلم نے انتہائی عاجزانہ مگر شاطرانہ انداز میں ان دونوں سے سوال کیا......

''آخر آپ معزز لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟''

''سالار گرانٹ نے آپ کو بتایا ہو گا کہ ہم دونوں کو جنگ و جدل سے شدید نفرت ہے...... اور ہم نے اپنی اس نفرت کا ثبوت دینے کے لئے بانیاس کے محاذ پر صلیبی لشکر کے خلاف شمشیریں بے نیام نہیں کی تھیں۔'' شمس الدین ابنِ مقدم نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''مجھے معلوم ہے۔'' شاہ یروشلم اموری کے لہجے میں شاہانہ وقار کے ساتھ غرور و تمکنت کا رنگ بھی

شامل تھا۔

''ہم نے اس دوستی کی بنیاد کو مضبوط تر کرنے کیلئے اپنا کچھ علاقہ بھی صلیبی لشکر کے حوالے کر دیا تھا۔'' اب کی بار امیر حسام الدین بولا۔ اس کے لہجے میں انتہائی جوش تھا...... ''اور وہ خطرناک عیسائی قیدی بھی آزاد کر دیئے جنہیں سلطان نورالدین زنگیؒ نے تاحیات قید خانے میں رکھنے کی قسم کھائی تھی۔''

''مجھے یہ بھی معلوم ہے۔'' شاہ اموری کے لہجے میں وہی شاہانہ بے نیازی تھی۔ ''مجھے سب کچھ معلوم ہے...... ان باتوں کو بار بار دہرانے کی ضرورت نہیں...... بات انتہائی مختصر کرو...... اور یہ بتاؤ کہ تمہارے یہاں آنے کا مقصد کیا ہے؟''

''آپ کو معلوم ہے کہ صلاح الدین سلطان نورالدین زنگیؒ کا داماد بننے والا ہے۔'' شمس الدین ابنِ مقدم نے کہا...... اور شاہ اموری کے چہرے پر اپنے اس انکشاف کا ردعمل تلاش کرنے لگا۔

شمس الدین ابنِ مقدم کی اس بات کا ردعمل توقع کے مطابق بہت شدید تھا...... شاہ یروشلم اپنی زرنگار کرسی سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا...... اسے شامی امیر کی بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ ''یہ رشتہ...... کیسے ممکن ہوا؟ کہاں ایک غلام زادہ...... اور کہاں ایک بااختیار سلطان کی بیٹی؟'' حیرت کی زیادتی کے سبب شاہ اموری کی زبان سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے۔

''ہم یہی بتانے حاضر ہوئے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی ایک نہایت مکار، چالاک اور شاطر سالار ہے۔'' شمس الدین ابنِ مقدم نے شاہ اموری کو خوش کرنے کیلئے نہایت نفرت آمیز لہجے میں کہا۔ ''اس نے اپنی چرب زبانی سے ایک احمق خاتون کو شیشے میں اتار لیا ہے۔'' ابنِ مقدم کا اشارہ سلطان نورالدین زنگیؒ کی بیوہ رضیع خاتون کی طرف تھا۔ ''اس شادی کے بعد صلاح الدین ایوبی مصر کے علاوہ شام اور دمشق کا بھی مالک ہو جائے گا...... پھر موصل اور دوسری ریاستیں بھی اس کے قبضے میں چلی جائیں گی۔''

شاہ اموری دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھ گیا...... اس انکشاف کے بعد وہ بہت زیادہ فکر مند نظر آ رہا تھا۔

''اس سیاسی اتحاد کے معاہدے نے صلاح الدین کو ہمارا بھی جانی دشمن بنا دیا ہے......'' امیر حسام الدین حسین نے وحشت زدہ لہجے میں کہا...... ''ہم نہیں جانتے کہ کل ہمارا کیا حشر ہوگا؟ جلد یا بدیر وہ شام پر حملہ آور ہوگا...... مسلمان سپاہیوں پر اس کا گہرا اثر ہے۔''

شمس الدین ابنِ مقدم نے اپنی بات میں زور پیدا کرنے کیلئے ایک اور صریح جھوٹ بولا۔ ''جس طرح ماضی میں آپ لوگ صلیبِ مقدس کی قسمیں کھا کر میدان جنگ میں اترے تھے...... اسی طرح آج کل صلاح الدین ایوبی ایک طویل و عریض میدان میں دمشق کے فوجیوں سے حلف لے رہا ہے......''

''کیسا حلف؟'' شاہ یروشلم اموری نے چونک کر پوچھا۔

''ہمارے جاسوسوں نے خبر دی ہے کہ صلاح الدین نے قرآن مقدس کو ایک بلند مقام پر رکھ دیا

ہے۔'' شمس الدین ابنِ مقدم نے اپنے جھوٹ میں رنگ آمیزی کیلئے انتہائی جذباتی لہجہ اختیار کیا تھا...... ''صلاح الدین قطار در قطار کھڑے ہوئے سپاہیوں میں سے ایک ایک کو بلاتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ وہ قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائیں کہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے، جب تک روئے زمین سے عیسائیوں کا نام و نشان نہیں مٹا دیں گے۔''

یہ سن کر شاہ یروشلم کی پریشانی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔

''دمشق کے سپاہیوں سے حلف لینے کے بعد صلاح الدین شام کی طرف بڑھے گا۔'' امیر حسام الدین حسین نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ ''کون مسلمان ایسا ہے جو قرآن مقدس پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانے سے انکار کرے گا؟ انجام کار شام کے بیشتر سپاہی صلاح الدین کے ہمنوا ہو جائیں گے...... اور ہماری فوجی طاقت برائے نام رہ جائے گی...... ہم شہنشاہ کی خدمت میں اسی لئے حاضر ہوئے ہیں کہ اگر ایسی صورتحال پیش آئی تو ہمیں کیا کرنا چاہئے؟''

شاہ اموری بہت دیر تک اس پیچیدہ اور نازک مسئلے پر غور کرتا رہا...... اس کے چہرے سے ذہنی کشمکش کے آثار نمایاں تھے۔

شمس الدین ابنِ مقدم نے شاہ اموری کی یہ کیفیت دیکھ کر یہی سمجھا کہ یروشلم کا حکمران اپنا دامن بچا رہا ہے...... ابنِ مقدم کے شاطر ذہن نے فوراً ہی نئی چال چلی...... ''اگر شہنشاہ ہماری مدد نہیں کر سکتے تو ہمیں حکم دیں...... ہم اپنی صفوں میں واپس چلے جائیں گے اور صلاح الدین ایوبی کی وفاداری کا حلف اٹھا لیں گے......''

ابنِ مقدم کی بات سن کر شاہ یروشلم مسکرایا...... ''تم واپس نہیں جاؤ گے...... ہماری پناہ میں رہو گے......''

اس کے بعد شاہ اموری، شمس الدین ابنِ مقدم اور امیر حسام الدین حسین کے درمیان نیا تحریری معاہدہ ہوا جس کے مطابق ضرورت کے وقت صلیبی فوجیں ان دونوں کی مدد کریں گی...... یہاں تک کہ وہ دمشق اور شام پر اپنا قبضہ مکمل کر لیں۔

یہ معاہدہ کاہن بطریق کی رائے کے مطابق بہترین ساعت میں ہوا تھا...... تمام ستارے شاہ یروشلم کے حق میں تھے...... بطریق نے یہ دعویٰ بھی کیا تھا کہ مذکورہ معاہدہ ایشیا میں صلیبی فتوحات کا نیا دروازہ کھول دے گا۔

یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب صلاح الدین ایوبی اور شمس النساء کی شادی کے دعوت نامے شمس الدین ابنِ مقدم اور امیر حسام الدین کو بھیجے گئے تھے...... اور وہ دونوں غدار اس وقت یروشلم میں بیٹھے سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی وراثت کا سودا کر رہے تھے۔

......☆......
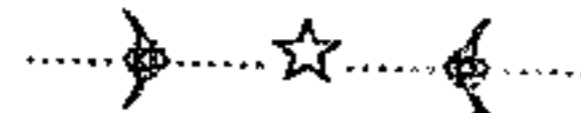
دربار آراستہ تھا...... سلطان ملک صالح تخت خلافت پر جلوہ افروز تھا...... اس کے بائیں ہاتھ پر صلاح الدین ایوبی کی نشست تھی...... یہ منظر اس بات کا ثبوت پیش کر رہا تھا کہ صلاح الدین ایوبی

ملک صالح کا فرمانبردار تھا...... اس موقع پر خواتین کیلئے پردے کا خاص اہتمام کیا گیا تھا کیونکہ مادر ملکہ رضیع خاتون درباری کارروائی کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی تھیں...... اس موقع پر نو بیاہتا دلہن شمس النساء بھی موجود تھی جو اپنے شوہر کی تقریر سننا چاہتی تھی۔

آخر درباری کارروائی کا آغاز قرآن مقدس کی تلاوت سے ہوا...... کلام الٰہی کے ہیبت و جلال اور قاری عبدالستار کی مسحور کن آواز نے حاضرین دربار پر سکتہ سا طاری کر دیا تھا۔ تلاوت کے بعد صلاح الدین ایوبی اپنی نشست پر کھڑا ہوا...... پہلے اپنے اللہ کی کبریائی بیان کی...... پھر نہایت پُر جلال لہجے میں اہل دربار سے مخاطب ہوا۔

''مجھے یہ کہتے ہوئے بہت افسوس ہو رہا ہے کہ سلطان ملک صالح کی طرف سے بار بار دی جانے والی دعوت کے باوجود ''سلطان نوریہ'' کے کئی اہم اور ذمہ دار امرا اس اجتماع میں شریک نہیں ہوئے۔ جہاں بیٹھ کر ہم سب ملت اسلامیہ کو درپیش مسائل پر گفتگو کرنا چاہتے تھے...... اور اس کے ساتھ ہی باہمی مشورے سے آئندہ کے لئے لائحہ عمل بھی طے کرنا چاہتے تھے کہ بیرونی خطرات سے کس طرح محفوظ رہا جائے...... اور اس سلسلے میں اجتماعی کردار کے ساتھ ہمارا انفرادی کردار کیا ہوگا؟ مگر یہ خالی کرسیاں چیخ چیخ کر بتا رہی ہیں کہ ہم نے سلطان عادل سے کئے ہوئے وعدے فراموش کر دیئے...... میں ذاتی طور پر ایک عملی انسان ہوں...... اور بلند بانگ دعوؤں کو قطعاً پسند نہیں کرتا...... لیکن آج مجھے مجبوراً یہ اعلان کرنا پڑ رہا ہے کہ میں ایک بار وعدہ فراموش انسانوں کو ان کا وعدہ ضرور یاد دلاؤں گا...... اگر وہ اپنے غلط فیصلوں پر نادم ہو کر واپس لوٹ آئے تو میں والہانہ انداز میں اپنے گلے لگاؤں گا...... لیکن اس تنبیہہ کے باوجود انہیں اپنے حلف کے الفاظ یاد نہیں آئے تو ایسے بدعہد لوگوں کے لئے سلطنت نوریہ کے کسی گوشے میں کوئی جگہ باقی نہیں رہے گی...... میں نے بھی سلطان عادل سے ایک عہد کیا ہے یا تو وہ عہد پورا ہو کر رہے گا یا پھر اسے نبھاتے نبھاتے میری جان چلی جائے گی...... جو سلطان ملک صالح کا وفادار ہے، وہ میرا محبوب اور مخدوم ہے...... اور جس نے میرے آقا زادے کے حکم سے سرتابی کی، وہ میرا بدترین دشمن ہے۔''

صلاح الدین ایوبی کی تقریر اتنی اثر انگیز تھی کہ اکثر حاضرین دربار کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

شمس النساء نے پہلی بار صلاح الدین ایوبی کی شخصیت کے حقیقی خدوخال دیکھے تھے۔ ''مجھے آپ کی رفیقۂ حیات ہونے پر فخر ہے۔'' ایک پاکباز اور وفادار بیوی نے جذبات کی گہرائیوں کے ساتھ اپنے شریک سفر کو خراج تحسین پیش کیا۔

صلاح الدین ایوبی کی زندگی میں سکون اور خوشی کے لمحات بہت ہی مختصر تھے...... اچانک ایک برق رفتار قاصد مصر سے دمشق پہنچا اور اس نے صلاح الدین ایوبی کو اطلاع دی کہ فرنگیوں کا ایک بحری بیڑہ اسکندریہ کی بندرگاہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔

صلاح الدین ایوبی نے فوری طور پر مادر ملکہ رضیع خاتون اور اپنی بیوی سے کہا...... ''مجھے ایک سخت جنگی مہم درپیش ہے...... اس لئے میں آج ہی مصر واپس جانا چاہتا ہوں۔''

شوہر کی بات سن کر شمس النساء نے کہا ''میں بھی آپ کے ہمراہ چلوں گی۔''

صلاح الدین ایوبی نے جواباً کہا...... ''آپ اس ہنگامی سفر میں میرا ساتھ نہیں دے سکیں گی...... جب صلیبیوں کا یہ خطرہ ٹل جائے گا تو میں خود دمشق آ کر آپ کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔''

''ہنگامی سفر سے آپ کی کیا مراد ہے؟'' شمس النساء نے مسکراتے ہوئے شوہر سے پوچھا۔

''میرا مطلب ہے کہ اس دشوار سفر میں آپ کو بہت زحمت ہوگی...... اور میں یہ پسند نہیں کرتا۔'' صلاح الدین نے اپنی رفیق سفر کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''میں ایک مجاہد کی بیٹی ہوں...... اور دوسرے مجاہد کی بیوی۔'' شمس النساء نے محبت آمیز مگر پُر جلال لہجے میں کہا۔ ''میں اس سفر میں آپ کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی...... آپ تیاری کریں میں ابھی آتی ہوں۔'' یہ کہہ کر شمس النساء کمرے سے نکل گئی۔

بیوی کے جاتے ہی صلاح الدین ایوبی نے مادر ملکہ کی خدمت میں عرض کیا۔ ''اگر مجھے یہ جنگی مہم درپیش نہ ہوتی تو میں کچھ اور دن دمشق میں ٹھہرتا تاکہ یہاں کی ساری سیاسی صورتحال واضح ہو جاتی۔''

''میرے بیٹے اللہ تمہارے قدموں پر منزلِ حیات کو آسان کرے۔'' رضیع خاتون نے اداس لہجے میں کہا...... انہیں بیٹی اور داماد کے بچھڑنے کا دکھ تھا...... مگر وہ خود بھی ایک مجاہد کی بیوی تھیں اور انہوں نے اپنی شادی شدہ زندگی میں ایسے بے شمار مناظر دیکھے تھے کہ سلطان نورالدین زنگیؒ ایک محاذ جنگ سے لوٹ ہی رہے ہوتے تھے کہ دشمنوں نے دوسرا محاذ کھول دیا اور سلطان عادل گھر آتے آتے میدان جنگ کی طرف پلٹ گئے۔ رضیع خاتون کی نظروں میں ملنے اور بچھڑنے کی زیادہ اہمیت نہیں رہی تھی...... مگر چونکہ اب وہ بیوہ ہو گئی تھیں...... اور امرا کی سازشوں نے ان کی پریشانیوں میں اضافہ کر دیا تھا...... اس لئے وہ صلاح الدین کے جانے سے بہت زیادہ فکرمند نظر آ رہی تھیں...... پھر بھی رضیع خاتون نے اپنے داماد کو ایک مجاہدہ کی طرح رخصت کرتے ہوئے کہا...... ''بیٹے! تم اول و آخر ایک مجاہد ہو...... تمہارا حجلۂ عروسی بھی میدان جنگ ہے...... اور تمہاری تفریح گاہ بھی عرصۂ کارزار...... میری دعا ہے کہ حق تعالیٰ تمہیں فتح و نصرت سے ہمکنار کرے۔''

صلاح الدین ایوبی کھڑا ہو گیا...... ''اللہ کرے کہ میرے سارے اندازے غلط ہوں...... مگر مجھے دو آدمیوں سے شدید خطرہ لاحق ہے...... ایک سلطان عادل کا بھتیجا والیٔ موصل...... اور دوسرا سلطان ملک صالح کا مشیر خاص گمشت گین آپ ان کی حرکات و سکنات پر گہری نظر رکھئے گا...... میں نے باقی امرا کو تاکید کر دی ہے کہ وہ پرچہ نویسوں کے ذریعے مجھ سے مسلسل رابطہ رکھیں......'' یہ کہہ کر صلاح الدین ایوبی نے مادر ملکہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا...... اور مصر کی طرف روانہ ہو گیا۔

صلاح الدین ایوبی کو اس وقت شدید حیرت ہوئی جب شمس النساء اس کے دوش بہ دوش اپنے پسندیدہ گھوڑے پر سفر کر رہی تھی...... صلاح الدین ایوبی اس راز سے بے خبر تھا کہ سلطان نورالدین زنگیؒ نے اپنی بیٹی کو مکمل فوجی تربیت دی تھی...... اور شمس النساء کا شمار بہترین شہسواروں میں ہوتا تھا...... شادی سے چند دن پہلے تک شمس النساء بلاناغہ میدانِ اخضر میں شہسواری کی مشق کرتی تھی...... یہ وہی

میدان تھا جہاں سلطان عادل چوگان کھیلا کرتے تھے۔

☆

شامی امراً شمس الدین ابن مقدم اور امیر حسام الدین حسین سے خفیہ معاہدے کے بعد شاہ یروشلم نے ان صلیبیوں کو اکسایا تھا جو مصر سے کم فاصلے پر آباد تھے۔ شاہ اموری نے اپنے ایک فوجی دستے کو بہت سا اسلحہ دے کر ان عیسائیوں کی مدد کیلئے بھیجا جو بحری قزاقی میں بڑی شہرت اور مہارت رکھتے تھے۔ شاہ یروشلم کا منصوبہ یہ تھا کہ صلیبی لشکر بحری قزاقوں کی مدد سے مصر کی مشہور بندرگاہ اسکندریہ پر قبضہ کرلے گا۔ پھر اس طرح صلاح الدین ایوبی کے خلاف آہستہ آہستہ حصار تنگ ہوتا چلا جائے گا...... سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی زندگی میں بھی شاہ یروشلم نے مصر کے ایک اور اہم ساحلی شہر دمیاط پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر سلطان عادل کی بروقت امداد اور آفت آسمانی نے اس کی منصوبہ بندی کو خاک میں ملا دیا تھا ..... مگر اب صورتحال پہلے سے بہت زیادہ مختلف تھی ..... سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی وفات اور مسلمان امراء کے ذاتی اختلافات نے شاہ اموری کو پورا یقین دلا دیا تھا کہ اس بار اسے یقینی طور پر فتح حاصل ہوگی..... صلاح الدین ایوبی طوفان برق و باد کی طرح قاہرہ پہنچا اور اپنی رفیقۂ حیات کو قصر خلافت میں چھوڑ کر اسکندریہ کی طرف بڑھا۔ اس کی برق رفتاری کا یہ عالم تھا کہ بارہ گھنٹوں کا طویل سفر صرف چھ گھنٹے میں طے کیا۔ اس وقت صلیبیوں کا بحری بیڑہ تقریباً پون فاصلے طے کر چکا تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے فوری طور پر اپنے بحری دستے کو حکم دیا کہ وہ بلا تاخیر سمندری حدود چھوڑ کر اسکندریہ کے ساحل پر پہنچ جائے..... اپنے امیر کا فرمان سن کر مسلمان سپاہیوں کو شدید حیرت ہوئی تھی۔

پھر جب وہ بحری دستہ کنارے پر پہنچا تو صلاح الدین ایوبی اپنے فوجیوں کا منتظر تھا۔ پھر وہ تمام سپاہیوں کو لے کر اسکندریہ کے قلعے کی طرف بڑھا..... سارے فوجی اپنے امیر کی منصوبہ بندی کو سمجھنے سے قاصر تھے۔

صلیبی بیڑہ کسی مزاحمت کے بغیر آگے بڑھ رہا تھا۔ عیسائی سالار کو اس بات پر حیرت تھی کہ صلاح الدین نے سمندری حدود کو کھلا کیوں چھوڑا۔

صلیبی بیڑے نے وہ رات کھلے سمندر میں گزاری..... عیسائی فوجی ساحل کے قریب پہنچ چکے تھے۔ تمام فوجی ماہرین رات بھر آپس میں مشورے کرتے رہے..... اور پھر اس نتیجے پر پہنچے کہ صلاح الدین ایوبی ایک نوجوان اور ناتجربہ کار سالار ہے۔ اس نے ماضی کے واقعات کے پیش نظر اپنی ساری فوجی طاقت دمیاط کے ساحلی شہر پر لگادی ہوگی..... اور اسکندریہ کو اس لئے کھلا چھوڑ دیا ہوگا کہ ادھر سے صلیبیوں کے حملے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ان قیاس آرائیوں اور مفروضات کی ایک بڑی وجہ شاہ یروشلم اموری کا وہ خط بھی تھا جس میں اس نے تحریر کیا تھا کہ ہمیں محاذ بدل کر حملہ کرنا چاہئے۔ اس طرح ہم دشمن کی بے خبری سے بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

پھر جب سورج طلوع ہوا تو اسکندریہ کے ساحل پر مصری فوج کا نام و نشان تک نہیں تھا......

صلیبیوں کو یقین آگیا کہ صلاح الدین نے اسکندریہ کو محفوظ علاقہ سمجھ کر اس کے دفاعی انتظامات پر کوئی خاص توجہ نہیں دی ہے..... یہ سوچ کر عیسائی بحری قزاقوں نے صلیب کا نعرہ بلند کیا...... اور بے نیام شمشیروں کے ساتھ ساحل پر اترنے لگے..... صلیبی سپاہیوں کی تعداد دس ہزار کے قریب تھی پھر وہ محتاط انداز میں آگے بڑھنے لگے..... یہاں تک کہ شہر کی فصیل تک پہنچ گئے...... اور انہیں مزاحمت کے ظاہری آثار نظر نہ آئے...... یہ صلیبیوں کے لئے بڑا فکر انگیز لمحہ تھا...... انہوں نے کسی نامعلوم خطرے کا احساس کرتے ہوئے اپنی پیش قدمی روک دی۔

بحری قزاقوں کے سرغنہ بورال نے اپنے جنگی مشیروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے آج تک کسی محاذ جنگ پر ایسا سناٹا نہیں دیکھا...... دور تک کوئی آدم زاد ہی نظر نہیں آتا...... میرا ذاتی خیال ہے کہ یہ صلاح الدین ایوبی کی کوئی چال ہے۔''

واقعی وہ صلاح الدین کی جنگی چال ہی تھی جب بورال کے سپاہی لوٹ کر اسکندریہ کے ساحل تک واپس جانا چاہتے تھے تو مسلمان سپاہیوں نے اپنی کمیں گاہوں سے نکل کر صلیبیوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

اسلامی لشکر کی یہ کمیں گاہیں بڑے عجیب انداز میں تعمیر کی گئی تھیں..... چند سال پہلے دمیاط پر حملے کے وقت صلاح الدین ایوبی کو تجربہ ہو چکا تھا کہ ساحلی شہروں کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ نتیجتاً اس نے تمام ساحلی شہروں کے گرد گہری خندقیں کھدوادی تھیں۔ عام طور پر اس قسم کی خندقوں کو پانی سے لبریز رکھا جاتا ہے..... مگر یہ سارے انتظامات ان علاقوں میں ممکن ہیں جہاں پانی کے بڑے بڑے ذخائر موجود ہوتے ہیں..... ریگستانی علاقوں میں یہ سہولت میسر نہ ہونے کے باعث اسکندریہ کی خندقوں کو پانی سے بھرا نہیں جاسکتا تھا۔ اس لئے صلاح الدین ایوبی نے اپنی فطری ذہانت سے ایک نیا اور انوکھا طریقہ اختیار کیا تھا۔ ان ساری خندقوں کو پتھروں سے بند کردیا گیا تھا۔ ان تمام پتھروں میں چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے جن کے ذریعے باہر کی تازہ ہوا خندقوں کے اندر داخل ہوتی تھی...... تاکہ خندقوں میں چھپے ہوئے سپاہی سانس لے سکیں۔ اس طویل خندق میں ہر دس گز کے بعد ایک بہت ہلکا پتھر تھا جسے آسانی کے ساتھ اٹھا کر مسلح سپاہی مختصر ترین وقت میں باہر آسکتے تھے۔

پھر جب صلیبی سپاہی شہر پناہ کے دروازے تک آگئے...... اور پھر انہوں نے کسی نامعلوم خطرے کے احساس سے واپسی کا ارادہ کیا تو صلاح الدین ایوبی کے تمام سپاہی چاروں طرف سے نکل آئے تھے...... اور صلیبی بحری قزاق بری طرح محصور ہوکر رہ گئے تھے...... اس کے بعد ایک خونریز جنگ شروع ہوگئی...... جو چھ گھنٹے تک جاری رہی...... اس جنگ میں تین سو مسلمانوں نے شہادت کا درجہ حاصل کیا۔ اس کے برعکس صلیبیوں کی تعداد دس ہزار کے قریب تھی...... آٹھ ہزار قتل کردیئے گئے...... باقی عیسائیوں کو قیدی بنالیا گیا...... اور تمام بحری جہاز مسلمانوں کے قبضے میں آگئے۔ صلاح الدین ایوبی کے حق میں یہ ایک بہت ہی نفع بخش فتح تھی۔

☆

شاہ یروشلم نے بڑی اذیت کے ساتھ صلیبیوں کی اس عبرتناک شکست کی خبر سنی...... اپنے سیاسی اندازوں کے مطابق اسے پورا یقین تھا کہ صلیبی لشکر آسانی کے ساتھ اسکندریہ کی بندرگاہ پر قبضہ کرلے گا...... مگر ایک عیسائی سپاہی کا بھی زندہ بچ کر واپس نہ آنا، ایک ایسی ناقابل یقین خبر تھی جس نے شاہ یروشلم ہی کو نہیں، پوری عیسائی دنیا کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ شاہ اموری کے بقول اسکندریہ کی شکست نے عیسائیت کی گردن شرم سے جھکا دی تھی...... اسی احساس کو زائل کرنے کیلئے شاہ یروشلم اپنے خاص کمرے میں بند ہو کر تین دن تک شراب پیتا رہا...... اگرچہ شاہِ اموری ایک انتہائی اوباش حکمران تھا...... اور اس کی حرام سرا میں سیکڑوں حسین کنیزیں اور ہوش ربا رقاصائیں موجود تھیں...... لیکن ان تین دنوں میں اس نے کسی عورت کی قربت اختیار نہیں کی...... اگر کسی امیر نے حاضر ہونے کی کوشش کی تو شاہِ اموری نے چیخ کر کہا......

''میں اس وقت سوگ کی حالت میں ہوں...... کوئی میرے قریب نہ آئے...... لوگوں سے کہو کہ وہ اپنے بادشاہ کے غم میں شریک ہوں۔''

بس خدمت گار دونوں وقت شاہ اموری کو کھانا پہنچا دیا کرتے تھے...... بادشاہ کے اس عمل سے عیسائی رعایا بھی بہت اداس تھی۔ پھر چوتھے دن شاہِ اموری نے اپنا دربار آراستہ کیا اور انتہائی سوگوار لہجے میں حاضرین دربار سے مخاطب ہوا۔

''اگر تم لوگوں کے خون میں ذرا بھی غیرت ہے تو اس شکست کو ہمیشہ یاد رکھو گے۔''

ابھی شاہ اموری کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ تمام اہلِ دربار اپنی نشستوں پر کھڑے ہو گئے...... اور بیک زبان کہنے لگے...... ''ہم خداوند یسوع مسیحؑ اور صلیب مقدس کی قسم کھاتے ہیں کہ اس شکست کو کبھی فراموش نہیں کریں گے...... اور اسکندریہ کی شکست کا انتقام لیں گے۔'' حاضرین کی پُرشور آوازوں سے پورا دربار گونج رہا تھا...... ابھی وہ لوگ مزید عہد و پیمان کرنا چاہتے تھے کہ شاہِ اموری نے انہیں ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''اپنی اپنی جگہ بیٹھ جاؤ کہ ابھی میری بات مکمل نہیں ہوئی ہے۔''

بادشاہ کا ناگوار رنگ دیکھ کر تمام حاضرین دربار دوبارہ اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔

''اب ان قسموں اور وعدوں سے کام نہیں چلے گا۔'' یکایک شاہِ اموری کا لہجہ غضبناک ہو گیا تھا۔ ''بالڈون ثالث کے زمانے میں بھی اسی انداز کی قسمیں کھائی گئی تھیں...... شاہ فرانس اور شاہ جرمنی اپنی لاکھوں کی فوج لے کر آئے تھے...... اور شکست کھا کر اس طرح واپس چلے گئے تھے کہ جیسے یہ کوئی شطرنج کی بازی ہو...... یروشلم کے درو دیوار انہیں آوازیں دیتے رہے...... مگر انہوں نے پلٹ کر نہیں دیکھا...... یاد رکھو کہ میں خیالوں کی دنیا میں رہنے والا شہنشاہ نہیں ہوں...... مجھے ماضی کے حکمرانوں کی طرح الفاظ سے نہیں بہلایا جاسکتا...... میں عمل چاہتا ہوں...... عمل اور صرف عمل۔''

یہ کہہ کر شاہِ اموری چند لمحوں کیلئے خاموش ہو گیا...... اور گہری نظروں سے اہلِ دربار کے چہروں کا جائزہ لینے لگا۔

تمام درباری پریشان نظر آرہے تھے۔

شاہِ اموری نے نیا فرمان جاری کر دیا۔ ''یروشلم کی حدود میں بسنے والے ماں باپ پر لازم ہے کہ اگر ان کے پانچ بیٹے ہیں تو وہ اپنے چار بیٹے کلیسا کی حفاظت کیلئے وقف کر دیں...... وہ سب کے سب شاہی فوج میں شامل ہوں گے...... اور ان کا ایک ہی مقصدِ حیات ہو گا کہ وہ محاذ جنگ پر جائیں...... اور صلیب کی حفاظت کریں...... پھر جب حالت امن ہو تو وہ بحری اور بری قزاق بن کر مسلمانوں کے تجارتی قافلے لوٹیں...... اور کلیسا کے دشمنوں کو ایک لمحے کیلئے بھی چین سے بیٹھنے نہ دیں۔''

یہ ایک انتہائی سخت فرمان تھا جس پر عمل کرنا ہر عیسائی کے بس کی بات نہیں تھی...... اپنے جوان بیٹوں کو کلیسا کے نام پر قربان کر دینا، ایثار کی آخری منزل ہوتی ہے جس سے گزرتے ہوئے بڑے بڑے بہادروں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ چونکہ حاضرین میں زیادہ تر امراء اور سرمایہ دار حضرات تھے، جو خود بھی عیش پرستانہ زندگی کے عادی تھے اور ان کے جواں سال بیٹے بھی...... اس لئے یروشلم کے آسودہ حال طبقے کو شاہ یروشلم کا یہ حکم بہت گراں گزرا تھا...... مگر وہ مجبوراً اپنی سانس روکے بیٹھے تھے۔

پھر ایک شخص اپنی نشست پر کھڑا ہوا اور اس نے کسی قدر اداس لہجے میں شاہ یروشلم سے سوال کیا۔ ''اگر خداوند خدا کے حکم سے کسی ماں باپ کا صرف ایک ہی بیٹا ہو......؟''

شاہ یروشلم نے جواباً کہا...... ''اس پر یہ قانون نافذ نہیں ہوتا...... ہاں اگر وہ ماں باپ خوشی سے اپنے اکلوتے بیٹے کو صلیب کی حفاظت کیلئے لئے وقف کر دیں تو یہ ان کی عظیم قربانی ہو گی...... اور خداوند یسوع مسیحؑ آخرت میں ان خاندان کو بڑے انعام و اکرام سے نوازیں گے۔''

اس کے ساتھ ہی شاہ اموری نے ایک نئے قانون کے نفاذ کے ساتھ ایک نیا مالیاتی شعبہ قائم کر دیا۔ اس قانون کے مطابق یروشلم میں بسنے والا ہر باشندہ اپنی آمدنی کا چوتھائی حصہ پابندی کے ساتھ حکومت کو ادا کرے گا...... اور یہ رقم صرف ہتھیاروں اور گھوڑوں کی خریداری کیلئے وقف ہو گی...... تاکہ مستقبل قریب میں مسلمانوں کے خلاف ایک نئی طاقتور فوج تیار کی جاسکے۔

شاہِ اموری کے ان اعلانات نے پورے یروشلم میں جنگی فضا پیدا کر دی تھی...... پھر جب دربار برخاست ہو گیا تو یروشلم کے تمام امراء اور سرمایہ دار خلوت میں شاہ اموری سے ملے اور اس قانون کو منسوخ کرنے کیلئے کہا جس کے تحت یروشلم میں رہنے والے تمام خاندانوں کے لڑکے جبری طور پر فوج میں بھرتی کئے جائیں گے۔

شاہ اموری نے مسکراتے ہوئے کہا...... ''یہ نیا قانون امراء کے لڑکوں کے لئے نہیں...... مگر رعایا کو مطمئن کرنے کیلئے اعلان تو کرنا ہی پڑتا۔''

اپنے بادشاہ کا جواب سن کر تمام امراء اور سرمایہ دار مسکرانے لگے۔ ''ہمیں مقدس شہنشاہ سے یہی امید تھی کہ ہمارے حقوق کا خاص خیال رکھا جائے گا۔''

''پھر بھی عوام کو دکھانے کیلئے آپ لوگ کبھی کبھی فوجی اجتماعات میں شرکت کر لیا کریں۔'' شاہ

اموری نے شراب کا پیالہ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہا...... دوسرے امرا اور حاضرین بھی شاہ یروشلم کے ساتھ بے تکلفانہ شراب نوشی میں مشغول تھے...... ''آپ خود ہی سوچیں کہ ہم اور ہمارے بچے کس طرح جنگ کر سکتے ہیں...... کثرت شراب نوشی اور عیش پرستی نے ہمارے جسموں کو کھوکھلا کر دیا ہے...... محاذ جنگ پر تو ان ہی غریبوں کے تندرست و توانا بچے جا سکتے ہیں...... ان کے جسموں میں خون بھی زیادہ ہوتا ہے...... اور مذہب کے نام پر کٹ مرنے کی تڑپ بھی۔''

عیسائی حکمرانوں کی یہی بزدلی اور منافقت تھی جس کی وجہ سے ان کی فوجیں پے در پے شکست کھا رہی تھیں۔

☆
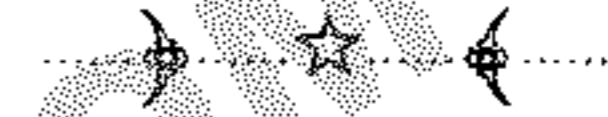
اسکندریہ کی کامیاب ترین مہم سے فارغ ہو کر صلاح الدین ایوبی قاہرہ پہنچا...... اس وقت تک اس کی والدہ محترمہ زبیدہ خانم اور امام شرف الدینؒ بھی دمشق سے قاہرہ پہنچ چکے تھے...... صلاح الدین ایوبی کو اسکندریہ پر حملے کی خبر سن کر بہت عجلت میں اپنی بیوی شمس النساء کے ہمراہ قاہرہ آنا پڑا تھا۔

اس لئے یہ دونوں بزرگ ہستیاں بعد میں روانہ ہوئی تھیں...... اور سست رفتاری کے ساتھ آرام دہ گاڑیوں میں قاہرہ پہنچی تھیں۔

صلاح الدین ایوبی سب سے پہلے والدہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ زبیدہ خانم نے اسکندریہ کی فتح کے ساتھ بیٹے کو مزید فتوحات کی دعاؤں سے سرفراز کیا۔

پھر وہ اپنی بیوی شمس النساء سے ملا...... اور ایک قیمتی ہار شادی کے تحفے کے طور پر اپنی شریکِ حیات کو نذر کیا۔ ''مصر کے خزانے میں بہت سے نوادر موجود ہیں...... مگر وہ سب رعایا کی امانت ہیں...... صرف یہ ہار میری ذاتی کمائی کا نتیجہ ہے۔''

شمس النساء نے بڑی حیرت سے اپنے اس شوہر کی طرف دیکھا جو ایک مالدار اسلامی ریاست کا سربراہ تھا۔

''میں بیت المال سے جتنی رقم ذاتی خرچ کیلئے لیتا ہوں، اس سے بس یہ ایک ہی ہار بن سکتا تھا۔'' صلاح الدین ایوبی نے باوقار مگر محبت آمیز لہجے میں کہا۔ ''آپ ایک عظیم مجاہد کی بیٹی ہیں...... اگر قبول کریں تو میں اسکندریہ کی اس فتح کو اپنی محبت کے تحفے کے طور پر پیش کرتا ہوں۔''

شمس النساء نے ایک نظر شوہر کی طرف دیکھا...... اور شرما کر سر جھکا لیا...... ''میں اس تحفے کو دل و جان سے قبول کرتی ہوں۔ مگر ابھی آپ پر بہت سے تحفے قرض ہیں۔ اور آخر میں تحفۂ عظیم۔''

بیوی کی بات سن کر صلاح الدین ایوبی کو حیرت ہوئی...... پھر اس نے مسکراتے ہوئے اپنی شریکِ حیات سے پوچھا۔

''تحفۂ عظیم سے آپ کی کیا مراد ہے؟ وضاحت کریں۔''

شمس النساء بھی مسکرانے لگی...... ''اگر وضاحت کر دی جائے تو بات کا سارا حسن ختم ہو جاتا ہے...... مزہ تو اس میں ہے کہ اِدھر دل میں خیال گزرے اور اُدھر ساتھی کو خبر ہو جائے......'' شمس النساء بہت

پڑھی لکھی خاتون تھی...... اور اسے بات کرنے کا سلیقہ بھی آتا تھا...... اس لئے صلاح الدین اُلجھ کر رہ گیا...... وہ بار بار بیوی سے تحفے کی وضاحت طلب کرتا رہا...... مگر شمس النساء یہی کہتی رہی......

''آپ خود فیصلہ کریں کہ ایک مجاہد کی بیٹی اور بیوی کے شایانِ شان کیا تحفہ ہو سکتا ہے؟''

راز و نیاز اور محبت کی باتوں کے یہ لمحات بہت مختصر تھے...... اچانک صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں نے خبر دی کہ شمس الدین ابنِ مقدم اور امیر حسام الدین حسین نے شام کی خودمختاری کا اعلان کر دیا ہے...... صلاح الدین کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ دونوں نمک حرام امیر اتنی جلد اپنی گردنوں سے سلطان عادل کا طوقِ غلامی اتار پھینکیں گے۔

صلاح الدین فوری طور پر امام شرف الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شیخ کو اس سنگین ترین صورتحال سے آگاہ کر کے ان سے مشورے کا طالب ہوا...... امام شرف الدینؒ نے کسی تامل کے بغیر شمس الدین ابنِ مقدم اور امیر حسام الدین پر لشکر کشی کا فتویٰ جاری کر دیا۔ ''ان دونوں سے یہاں تک جنگ کرو کہ ان کی سرکشی و بغاوت کی آخری علامت تک مٹ جائے...... اگر تم ان پر قابو پا لو تو بلا دریغ قتل کرا دینا...... ورنہ خراب زمین سے خراب فصل ہی پھوٹتی رہے گی۔''

☆
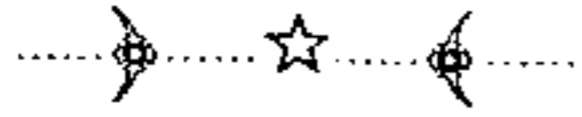
صلاح الدین ایوبی نے فوری طور پر ایک برق رفتار قاصد اپنے بڑے بھائی شمس الدولہ توران شاہ کی خدمت میں بھیجا جو اس وقت یمن کا حاکم تھا۔ صلاح الدین نے اپنے خط میں تحریر کیا تھا......

''یمن کو اللہ کی حفاظت میں چھوڑ دو...... اور اپنی تمام فوج لے کر شام کی طرف بڑھو۔''

اس کے بعد صلاح الدین نے مصر کا انتظام اپنے چھوٹے بھائی سیف الدین ملک عادل اور سالار عبداللہ قرشی کے سپرد کیا...... اور نصف فوج لے کر شام کی طرف بڑھا...... شمس الدین ابن مقدم اور شاہ یروشلم کے درمیان پہلے ہی ایک دوسرے کی مدد کا معاہدہ طے پا چکا تھا...... جس کے نتیجے میں شام اور بانیاس کے عیسائی سپاہی ان دونوں غداروں کی صفوں میں شامل ہو چکے تھے......

شمس الدین ابنِ مقدم اور امیر حسام الدین انتہائی اطمینان کی حالت میں تھے...... ایک تو انہیں صلیبیوں کی بھرپور فوجی امداد پر بھروسا تھا۔ اور دوسرے اس بات کا یقین تھا کہ صلاح الدین ایوبی کسی بھی حال میں مصر کو چھوڑ کر شام نہیں پہنچ سکتا۔

پھر جب صلاح الدین ایوبی ایک لشکر جرار کے ساتھ شام کے نواحی علاقے میں پہنچا تو شمس الدین ابنِ مقدم اور امیر حسام الدین شدید حیرت کے عالم میں اپنی فوج لے کر صلاح الدین کی پیش قدمی کو روکنے کیلئے آگے بڑھے...... ابنِ مقدم کے لشکر میں پانچ ہزار مسلمان سپاہی تھے...... اور دس ہزار صلیبی فوجی...... جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو صلاح الدین ایوبی نے اپنی فوجی علم بردار کو حکم دیا کہ وہ اسلامی پرچم بلند کرے...... یہ وہی پرچم تھا جسے سلطان نورالدین محمود زنگیؒ میدان جنگ میں استعمال کرتے تھے۔ صلاح الدین ایوبی کے حکم پر اس کے نقیبوں نے چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا۔

''مسلمانو! غور سے دیکھو کہ یہ وہی پرچم ہے جسے کل تک تم سلامی دیا کرتے تھے...... کیا تم نے

سلطان عادل سے سارے وعدے فراموش کر دیئے ہیں...... ذرا اپنے حال پر غور کرو۔ تم ان صلیبیوں کے دوش بدوش کھڑے ہو جو تمہارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، تمہارے مذہب اور خود تمہاری جانوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں......آج تم ان درندوں کو خوش کرنے کیلئے اپنے بھائیوں کے گلے کاٹو گے......کل یہی درندے مطلب نکل جانے کے بعد اپنے خنجر تمہاری گردنوں میں پیوست کر دیں گے۔“

یہ ایک ایسی جذباتی تقریر تھی جسے سن کر شامی مسلمان رونے لگے......اور پھر چند لمحے بعد ہی ابنِ مقدم کو چھوڑ کر صلاح الدین کے لشکر سے جا ملے......مشکل سے سوڈیڑھ سو سپاہی ابنِ مقدم کے ساتھ رہ گئے جنہیں بڑے بڑے عہدوں اور مال و زر کی لالچ دی گئی تھی۔

شامی سپاہیوں کی واپسی کا منظر دیکھ کر صلاح الدین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے......پھر اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے انتہائی رقت آمیز لہجے میں کہا۔ ”اے ذاتِ اقدس! یہ تیرا احسان عظیم ہے کہ تو نے بھٹکے ہوئے لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف موڑ دیا......اب یہ لڑائی ان سے ہوگی جو تیری وحدانیت کے منکر ہیں۔“

صلیبی تو اس خیال سے میدان جنگ میں آئے تھے کہ وہ شامی سپاہیوں کو اگلے مورچوں پر رکھ کر مسلمان کو مسلمان سے لڑائیں گے......پھر جب صلاح الدین کا لشکر نڈھال ہو جائے گا تو وہ آگے بڑھ کر ایک بھرپور ضرب لگائیں گے......اور شام پر قبضہ کر لیں گے......مگر جب انہوں نے شامی سپاہیوں کو الگ ہوتے دیکھا تو ان کے ہوش و حواس اڑ گئے......صلیبی سالار گرانٹ نے فوری طور پر عیسائی سپاہی کو امن کا سفید جھنڈا دے کر صلاح الدین کے پاس بھیجا۔

”ہم شمس الدین ابنِ مقدم اور امیر حسام الدین کی دعوت پر شام آئے تھے......ورنہ ہمارا تمہارا کوئی جھگڑا نہیں......ہمیں راستہ دے دو......ہم اسی وقت واپس جا رہے ہیں۔“

صلاح الدین ایوبی نے انتہائی غضبناک اور نفرت آمیز لہجے میں عیسائی قاصد کو جواب دیتے ہوئے کہا۔ ”اب تو جنگ ہی تمہاری واپسی کا فیصلہ کرے گی......اگر تم ہماری صفوں کے درمیان سے راستہ بنا سکتے ہو تو واپس چلے جاؤ۔“

جیسے ہی عیسائی قاصد صلاح الدین ایوبی کا جواب لے کر صلیبی سالار گرانٹ کے پاس پہنچا، لشکر اسلام نے عیسائی فوج پر حملہ کر دیا۔ صلیبی فوج اس حیثیت میں نہیں تھی کہ وہ یلغار کا جواب یلغار سے دے۔ دس ہزار عیسائی اور ڈیڑھ دو سو مسلمان کچھ دیر تک دفاعی جنگ لڑتے رہے......پھر انہوں نے پیچھے ہٹتے ہوئے فرار کی راہیں تلاش کیں۔ ابنِ مقدم اور امیر حسام الدین شام کے خفیہ راستوں سے صلیبی لشکر کو میدان جنگ سے نکال کر لے جانا چاہتے تھے......پھر بھی اس کشمکش میں ایک ہزار کے قریب عیسائی سپاہی قتل ہو گئے......امیر حسام الدین بھی بھاگتا ہوا مارا گیا......لیکن ابنِ مقدم، سالار گرانٹ کے ساتھ بانیاس کے علاقے کی طرف فرار ہو گیا۔

اگرچہ صلاح الدین ایوبی کو فتح حاصل ہو چکی تھی......لیکن اس نے صلیبی فوج کا تعاقب جاری رکھا......

یہاں تک کہ صلیبی سالار گرانٹ اپنے علاقے بانیاس میں داخل ہو گیا......گرانٹ کا خیال تھا کہ صلاح الدین ایوبی بانیاس کی سرحد سے شام کی طرف واپس لوٹ جائے گا......لیکن اس وقت صلیبیوں کی حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی، جب اسلامی لشکر بانیاس کی حدود میں داخل ہو گیا۔

سالار گرانٹ مطمئن تھا کہ وہ اپنے علاقے میں موجود ہے......اور اس کی باقی فوج بھی بانیاس کا دفاع کرنے میں شریک ہو جائے گی اس طرح صلیبی سپاہ کو لشکر اسلام پر عددی برتری بھی حاصل تھی۔ گرانٹ کو یقین تھا کہ اگر صلاح الدین نے بانیاس میں داخل ہونے کی غلطی کی تو شکست فاش اس کا مقدر بنے گی......مگر لوحِ آسمان پر کچھ اور ہی تحریر کیا گیا تھا۔

صلاح الدین ایوبی اور اس کا لشکر اس جانبازی کے ساتھ لڑا کہ صبح سے غروب آفتاب تک اس جنگ میں ہزاروں صلیبی لقمۂ اجل بن گئے......اور سالار گرانٹ رات کے اندھیرے میں بچے کھچے سپاہیوں کے ساتھ فرار ہو گیا......غدار شمس الدین ابنِ مقدم بھی اس کے ہمراہ تھا۔

یہ وہی بانیاس تھا جس کے کچھ حصے پر عیسائیوں کا قبضہ تھا......باقی حصہ غدار ابنِ مقدم نے صلح کرتے وقت صلیبیوں کو بطور تحفہ دے دیا تھا......صلاح الدین نے نہ صرف مسلمانوں کا علاقہ واپس لے لیا......بلکہ عیسائیوں کے علاقے پر بھی غلبہ حاصل کر لیا۔

ابھی صلاح الدین ایوبی بانیاس کے نئے انتظامات میں مصروف تھا کہ اس کے چھوٹے بھائی سیف الدین ملک عادل کا خط پہنچا جس میں بیک وقت دو المناک سانحوں کی اطلاع دی گئی تھی......

ایک یہ کہ دمشق میں صلاح الدین ایوبی کی ساس رضیع خاتون کا انتقال ہو گیا تھا۔

اور دوسری تکلیف دہ خبر یہ تھی کہ سلطان نور الدین محمود زنگی کے حقیقی بھتیجے والی موصل سیف الدین نے ”جزیرہ“ پر قبضہ کرنے کے ساتھ ہی اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔

صلاح الدین ایوبی کیلئے یہ دونوں خبریں بہت زیادہ اذیتناک تھیں......رضیع خاتون کی موت اس کا ذاتی غم تھا......لیکن مادر ملکہ کی بے وقت موت کے منفی اثرات ملکی سیاست پر بھی پڑ سکتے تھے......اور اس کی بنیادی وجہ ملک صالح کی نوعمری تھی......اب اس کے سر پر کسی ایسے بزرگ کا سایہ نہیں رہا تھا، جو اسے اپنی بات ماننے پر مجبور کر دیتا۔

سلطان عادل کے بھتیجے سیف الدین کی خود مختاری کا اعلان صلاح الدین ایوبی کیلئے تکلیف دہ ضرور تھا......مگر حیران کن نہیں تھا۔ وہ پہلے ہی پوری ”سلطنت نوریہ“ پر قبضہ کر لینے کی تدبیریں سوچ رہا تھا......اور اس نے اپنے اسی منصوبے کی تکمیل کیلئے رضیع خاتون سے شمس النساء کا رشتہ مانگا تھا......انکار کی صورت میں سیف الدین نے اپنی محترم چچی کو جس قدر گستاخانہ خط تحریر کیا تھا، اسے پڑھ کر ہی اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ مستقبل قریب میں سیف الدین کے کیا ارادے ہوں گے؟ اگر وہ صرف اپنی خود مختاری کے اعلان پر قناعت کرتا تو یہ ایک فطری عمل ہوتا کیونکہ موصل کا علاقہ اس کی آبائی جاگیر میں شامل تھا......لیکن اپنی حدود سلطنت سے نکل کر ”جزیرہ“ پر قبضہ کر لینا، سیف الدین کی بدنیتی کی غمازی کر رہا تھا......اور انسانی حرص و ہوس اور بدنیتی کی کوئی انتہا نہیں ہوتی......صلاح الدین کو یقین

تھا کہ سیف الدین مزید گل کھلائے گا...... مگر وہ اس وقت مجبور تھا...... خاموشی سے یہ تماشا دیکھتا رہا۔
پھر بھی اس نے اپنی بیگم شمس النساء کو طویل تعزیت نامہ تحریر کیا جس کے ایک ایک حرف سے بے لوث محبت کی خلش اور خوشبو پھوٹ رہی تھی۔

''میری شریک سفر! تم پر اللہ کی سلامتی ہو...... تم اندازہ کر سکتی ہو کہ اس اندوہناک اور جانگداز خبر سے مجھ پر کیا گزری ہوگی؟ مگر میں اس وقت اتنا مجبور ہوں کہ تمہاری تالیف قلب کیلئے قاہرہ نہیں پہنچ سکتا...... جب تک بانیاس کا قضیہ ختم نہیں ہو جاتا، میں شام ہی میں مقیم رہوں گا۔ تم ملک عادل کے ساتھ دمشق چلی جاؤ...... میں اس مہم سے فارغ ہوتے ہی تم سے آملوں گا۔''

اس کے ساتھ ہی صلاح الدین ایوبی نے ایک تعزیت نامہ سلطان ملک صالح کے نام بھی تحریر کیا جس میں والدہ کی جدائی کے صدمے کو برداشت کرنے کی تلقین کے ساتھ تجدید عہد بھی کیا گیا تھا۔

''جب تک میں زندہ ہوں سلطنت نوریہ کے استحکام کیلئے کوشش جاری رکھوں گا۔ آپ بھی چاپلوس اور خوشامدی امیروں سے الگ رہیں...... نمک حرام ابن مقدم کا قصہ پاک ہوتے ہی میں خود بھی حاضر خدمت ہوں گا۔''

صلاح الدین ایوبی کا یہ خط اطاعت و وفاداری، احسان شناسی اور محبت کی ایک یادگار دستاویز تھا...... مگر گمشت گین نے صلاح الدین کے اس دعوت نامے کو سلطان ملک صالح کے سامنے انتہائی غلط رنگ میں پیش کیا۔

گمشت گین سلطان ملک صالح کا مشیر اعلیٰ تھا...... سلطان نورالدین محمود زنگی کی وفات کے وقت وہ قلعے کے نائب منصب دار کے چھوٹے سے عہدے پر فائز تھا...... ذاتی طور انتہائی چرب زبان، خوشامدی، خودغرض، عیار اوباش انسان تھا...... سلطان عادل کے انتقال کے بعد گمشت گین نے چالیس دن تک اپنے حکمراں کی موت کا سوگ اس طرح منایا کہ وہ ہر وقت ماتمی انداز میں گریہ وزاری کرتا رہتا تھا...... بار بار رضیع خاتون کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا...... اور چیخ چیخ کر کہتا تھا۔

''عدل و انصاف کا سورج غروب ہو گیا...... اور زمین پر گہری تاریکی چھا گئی...... ہائے میرا آقا...... ہائے میرا بادشاہ۔''

رضیع خاتون ایک صاف دل اور سچی خاتون تھیں...... وہ گمشت گین کی اس مکارانہ گریہ وزاری سے متاثر ہو کر اسے خاندان زنگی کا بہت بڑا ہمدرد سمجھنے لگیں...... اس طرح وہ سلطان ملک صالح کے حلقے میں شامل ہو گیا...... اور ترقی کرتے کرتے نوعمر حکمراں کا مشیر خاص بن گیا...... گمشت گین چونکہ فطرتاً ایک کمینہ انسان تھا...... اس لئے دوسرے امرأ کی کمزوریوں پر نظر رکھتا تھا...... پھر وہی کمزوریاں ثبوت کے ساتھ، ادر ملکہ رضیع خاتون کے سامنے پیش کر دیا کرتا تھا...... نتیجتاً گمشت گین کو خاندان زنگی میں ایک مخلص اور معتبر رکن سلطنت سمجھا جانے لگا تھا...... یہ گمشت گین کی خوش نصیبی تھی کہ ایک سال پہلے شمس النساء کی شادی صلاح الدین ایوبی سے ہو گئی...... اور وہ دمشق سے رخصت ہو کر مستقل طور پر مصر چلی گئی...... شمس النساء ملک صالح سے نہ صرف عمر میں بڑی تھی بلکہ سیاسی امور کی تعلیم میں

بھی وہ بہت آگے تھی...... اگر شمس النساء دمشق میں موجود ہوتی تو وہ گمشت گین کو اپنے چھوٹے بھائی کے اتنے قریب ہرگز نہ آنے دیتی...... گمشت گین نے شمس النساء کی عدم موجودگی سے بھرپور فائدہ اٹھایا...... اور سلطان ملک صالح کے قریب ہوتا چلا گیا۔

گمشت گین اس قدر عیار تھا کہ جب وہ سلطان ملک صالح کی خلوت میں داخل ہوتا تو سب سے پہلے دمشق کے نوعمر حکمراں کو سجدہ کرتا...... پہلی بار جب گمشت گین نے سجدہ کیا تو سلطان ملک صالح نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

''بابا محترم فرماتے تھے کہ ایک انسان کا دوسرے انسان کو سجدہ کرنا حرام ہے...... بلکہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے روبرو خم بھی نہیں ہونا چاہئے کہ سب مسلمان برابر ہیں۔''

یہ سنتے ہی گمشت گین کے شیطانی ذہن نے اپنے سجدے کا جواز تراشتے ہوئے ملک صالح سے کہا۔ ''سلطان ذیشان! یہ وہ سجدہ نہیں ہے جو ایک مسلمان اپنے اللہ کو کرتا ہے...... یہ سجدۂ تعظیمی ہے...... میں نے سلطان عادل کا نمک کھایا ہے...... اس لئے ان کے احترام میں آپ کو سجدہ کرتا ہوں...... یہ میری وفا کا ثبوت ہے...... اگر باقی امرأ بھی مخلص ہوتے تو وہ بھی میری طرح آپ کو سجدہ کرتے۔''

ملک صالح کے معصوم ذہن پر یہ بات نقش ہو کر رہ گئی...... اور وہ گمشت گین کے فریب میں آ گیا۔
جب تک مادر ملکہ رضیع خاتون زندہ رہیں، وہ بیٹے کے شب و روز پر گہری نظر رکھتیں...... اور اپنی معلومات کی حد تک ملک صالح کو سیاست کے نشیب و فراز سمجھاتی رہتیں...... پھر جیسے ہی رضیع خاتون کی آنکھیں بند ہوئیں، گمشت گین کی بن آئی...... اس کے راستے کی آخری دیوار بھی گر گئی تھی...... اور اسے کھل کھیلنے کا پورا موقع مل گیا تھا۔

جس دن رضیع خاتون کا انتقال ہوا ملک صالح پر رنج والم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ مشفق باپ کے بعد آخری مہربان ہستی بھی دنیا سے رخصت ہو گئی تھی...... روتے روتے ملک صالح کی آنکھیں سوج گئی تھیں...... تدفین کے بعد جب رات آئی تو ملک صالح اپنے مخصوص کمرے میں اداس بیٹھا تھا...... گمشت گین اس کے پیروں پر سر رکھ کر کچھ دیر تک روتا رہا...... پھر سلطان ملک صالح سے کہنے لگا۔

''سلطان ذیشان! آپ کچھ دیر کے لئے سو جائیں۔'' گمشت گین نے انتہائی ہمدردانہ لہجے میں کہا...... ''آنکھ لگ جائے گی تو بڑی حد تک آپ کے ذہن سے اس صدمہ عظیم کا بوجھ اتر جائے گا۔''

''ہمیں نیند نہیں آتی۔'' سلطان ملک صالح نے نہایت غمزدہ لہجے میں کہا۔ ''بار بار والدہ محترمہ کا چہرہ نظروں کے سامنے ابھر آتا ہے۔''

گمشت گین فوراً ہی سلطان ملک صالح کے کمرے سے نکل گیا...... اور پھر تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک بلوریں جام تھا جو شراب سے لبریز تھا۔ ''سلطان ذیشان! اسے نوش کر لیجئے...... آپ کو ذہنی سکون بھی مل جائے گا...... اور گہری نیند بھی آ جائے گی۔''

''یہ تو شراب ہے۔'' ملک صالح نے چونک کر کہا۔ ''مذہباً بھی حرام ہے...... اور صحت کیلئے

بھی نقصان دہ۔"

گمشت گین بڑا شاطر اور چرب زبان شخص تھا...... اس نے قرآن کریم کی ایک آیت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔ "اگر تم حالتِ اضطرار کا شکار ہو جاؤ تو مردار بھی کھا سکتے ہو...... اس وقت آپ پر رنج والم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ اس اذیت و کرب کو دور کرنے کیلئے آپ شراب نہیں پی رہے ہیں بلکہ دوا استعمال کر رہے ہیں...... جب آپ کی یہ کیفیت زائل ہو جائے تو شراب ترک کر دیجئے گا۔"

سلطان ملک صالح نے گمشت گین کی بات کو حیرت کے ساتھ سنا...... فتنہ گر کو اپنی چال کامیاب ہوتی نظر آ رہی تھی۔ "لوگ کچھ بھی کہیں...... مگر حقیقت یہ ہے کہ شراب اور رقص بادشاہوں کی شان ہے...... اگر کوئی حکمران ان چیزوں کا استعمال نہیں کرتا تو پھر اس میں اور رعایا میں کیا فرق رہ جائے گا؟ دراصل بادشاہ وہی ہے جو شاہانہ روش اختیار کرے تاکہ عوام پر اس کا رعب و جلال قائم رہے۔"

اس قسم کے مزید دلائل سن کر سلطان ملک صالح کا ناپختہ ذہن بھٹک گیا...... اور وہ اپنے مشیر اعلیٰ کے فریب میں آ گیا...... پھر اس نے اپنی والدہ کے غم کو بھولنے کیلئے وہ حرام سیال حلق سے اتار لیا جو مزے میں انتہائی تلخ تھا...... تھوڑی دیر بعد جب سلطان ملک صالح بیہوشی کی حد تک گہری نیند سو گیا تو گمشت گین کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ ابھر آئی...... وہ ایک شاہین بچے کو زیر دام لانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

دوسرے دن بھی سلطان ملک صالح نے شراب کو دوا سمجھ کر استعمال کیا...... اور پھر وہ ایک ہفتے میں ام الخبائث (خباثتوں کی ماں) شراب کا عادی ہو گیا...... اس کے بعد گمشت گین نے نئی چال چلی۔

"اللہ...... مادر ملکہ کی مغفرت کرے...... انسان سے انجانے میں غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں......" گمشت گین نے سر جھکا کر بڑے عاجزانہ لہجے میں سلطان ملک صالح کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "مگر بعض غلطیاں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کا ازالہ نہیں کیا جا سکتا...... اور آنے والی نسلوں کو بھی اس کی سزا کاٹنی پڑتی ہے۔"

سلطان ملک صالح نے چونک کر اپنے مشیر اعلیٰ کی طرف دیکھا۔ "تم کیا کہنا چاہتے ہو گمشت گین؟" والدہ مرحومہ کی غلطی کا ذکر سن کر سلطان ملک صالح کے چہرے پر ناگواری کا رنگ ابھر آیا تھا۔

"صلاح الدین ایوبی کچھ بھی ہو جائے...... مگر اس کی گردن میں سلطان عادل کا طوق غلامی ہمیشہ رہے گا۔" گمشت گین نے بڑی احتیاط سے اپنی بات آگے بڑھائی۔ "مادر ملکہ نے اسے داماد ہونے کا شرف بخشا...... مگر وہ غلام کا غلام ہی رہا...... اور اس نے اپنی ذات دکھا دی۔"

سلطان ملک صالح اپنے مشیر اعلیٰ کی بات اب بھی نہیں سمجھا تھا...... وہ اب بھی حیرت و ناگواری سے گمشت گین کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"جب مادر ملکہ کی وفات پر دشمنوں کی آنکھیں اشکبار تھیں، اس وقت صلاح الدین آپ کو تعزیت کے چند جھوٹے الفاظ تحریر کر رہا تھا۔" آخر گمشت گین کی نفرت بے نقاب ہو گئی اور وہ کھل کر صلاح

الدین ایوبی کے خلاف زہر فشانی کرنے لگا۔ "کیا وہ ایک دن کیلئے آپ کا غم بانٹنے مصر سے دمشق نہیں آ سکتا تھا؟" یہ کہہ کر گمشت گین نے قصداً اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

اب سلطان ملک صالح کی کیفیت بدل گئی تھی۔ "انہوں نے اپنی مجبوری تحریر کر دی تھی...... وہ اس وقت شام کے محاذ پر دشمنوں سے الجھے ہوئے ہیں۔ اس کی معذرت قبول کی جا سکتی ہے۔" سلطان ملک صالح نے صلاح الدین ایوبی کی وکالت کرتے ہوئے کہا۔

"یہ مجبوری نہیں سلطان ذیشان! ایک سیاسی چال ہے۔ ایک بہانہ ہے۔" گمشت گین نے سلطان ملک صالح کو صلاح الدین ایوبی کے خلاف بھڑکاتے ہوئے کہا۔ "صلاح الدین نے مادر ملکہ کے غم میں شریک نہ ہو کر ثابت کر دیا ہے کہ اسے اپنے آقا کے خاندان کے دکھ درد سے کوئی دلچسپی نہیں...... آپ بہت جلد یہ منظر دیکھ لیں گے کہ سیف الدین والیٔ موصل کی طرح صلاح الدین بھی اپنی خودمختاری کا اعلان کر دے گا...... اگر ایسا نہ ہو تو سلطان ذیشان کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ اپنے اس غلام کا منہ کالا کر کے پورے شہر میں گشت کرائیں۔"

سلطان ملک صالح کے چہرے پر شدید فکر و پریشانی کے آثار نظر آنے لگے...... گمشت گین نے بڑی مکاری کے ساتھ دونوں کے درمیان شک کا بیج بو دیا تھا۔

......}......☆......{......

کچھ دن بعد ہی شمس النساء صلاح الدین ایوبی کے چھوٹے بھائی اور اپنے دیور ملک عادل کے ساتھ مصر سے دمشق پہنچ گئی...... پہلے وہ ملک صالح کے گلے لگ کر خوب روئی...... پھر جب دل کا غبار کچھ ہلکا ہوا تو والدہ کی قبر پر فاتحہ خوانی کیلئے حاضر ہوئی...... شمس النساء کے اچانک دمشق پہنچ جانے سے مشیر اعلیٰ گمشت گین بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ شمس النساء بہت لائق فائق اور زیرک خاتون ہے جو سیاسی امور پر گہری نظر رکھتی ہے۔ گمشت گین کو خدشہ تھا کہ کہیں شمس النساء زیادہ دنوں تک دمشق میں قیام نہ کرے...... اور پھر اس کے بوئے ہوئے بیج پھوٹنے سے پہلے ہی خاک میں مل کر چورا نہ ہو جائیں۔

پھر اسی رات جب شمس النساء چھوٹے بھائی سے تنہائی میں ملنے کیلئے ملک صالح کے کمرے کے قریب پہنچی تو دروازے پر ایک مسلح محافظ موجود تھا۔ جیسے ہی شمس النساء اندر داخل ہونے کیلئے آگے بڑھی، محافظ نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"اس وقت سلطان آرام کر رہے ہیں...... حکم ہے کہ کوئی شخص بھی ان کے سکون میں خلل انداز نہ ہو......" مسلح محافظ گمشت گین کا آدمی تھا۔ اس لئے وہ نہیں جانتا تھا کہ اس سے مخاطب ہونے والی نقاب پوش خاتون کون ہے؟

محافظ کا طرز گفتگو دیکھ کر شمس النساء کے ماتھے پر بل پڑ گئے...... اور اس نے انتہائی سخت لہجے میں کہا۔ "تم مجھے جانتے ہو کہ میں کون ہوں؟"

"آپ کوئی بھی ہیں...... مگر سلطان معظم کا یہی حکم ہے کہ اس وقت ان کے کمرے میں کوئی نہیں

جا سکتا۔" مسلح محافظ نے اپنی ذمے داری اور فرض نبھاتے ہوئے اونچی آواز میں کہا...... وہ نقاب پوش خاتون کو قصرِ خلافت کی کوئی کنیز سمجھ رہا تھا۔

محافظ کے تحقیر آمیز لہجے نے شمس النساء کو سخت برہم کر دیا تھا...... اس نے تیزی کے ساتھ اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیا اور انتہائی غضبناک لہجے میں محافظ سے مخاطب ہوئی۔

"میں تیرے سلطان معظم کی بڑی ہمشیرہ ہوں...... کیا اب بھی تو مجھے اندر جانے سے روکنے کی طاقت رکھتا ہے......؟"

مسلح محافظ شدتِ خوف سے لرزنے لگا۔

شمس النساء تیزی سے آگے بڑھی اور سلطان ملک صالح کے کمرے میں داخل ہوگئی...... پھر جو کچھ اس کی آنکھوں نے دیکھا...... وہ ناقابل بیان تھا...... سلطان ملک صالح اپنے ریشمی بستر پر بیٹھا تھا...... اور اس کے ہاتھ میں شراب سے لبریز جام تھا...... مشیر اعلیٰ گمشت گین کسی غلام کی طرح بستر کے نیچے فرش پر بیٹھا تھا۔

چھوٹے بھائی کو شراب پیتے دیکھ کر شمس النساء کو کچھ دیر کے لئے سکتہ سا ہوگیا...... گمشت گین بد حواسی کے عالم میں فرش سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور اس نے ادب کا مظاہرہ کرنے کیلئے دونوں ہاتھ باندھ لئے۔

سلطان ملک صالح نے بڑی بہن کو دیکھ کر کسی قسم کی گھبراہٹ یا پریشانی کا مظاہرہ نہیں کیا...... دمشق کے نوعمر حکمراں نے شمس النساء کے سامنے شراب کے پیالے کو منہ تو نہیں لگایا...... مگر کسی قدر ناگوار لہجے میں کہا۔

"آپ کو اس وقت یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔"

شمس النساء نے بڑی حسرت زدہ نظروں سے چھوٹے بھائی کی طرف دیکھا...... اور انتہائی غمزدہ لہجے میں کہا۔ "واقعی مجھے یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔"

یہ کہہ کر شمس النساء نے گمشت گین کی طرف دیکھا جو مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑا تھا۔

"گمشت گین! تو وقت کے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ۔" شمس النساء کی آنکھوں میں دنیا بھر کی نفرت سمٹ آئی تھی...... اور زبان سے ادا ہونے والے ایک ایک لفظ سے طنز کا زہر ٹپک رہا تھا...... "تو نے سلطان عادل کے نمک کا حق خوب ادا کیا...... خوب ادا کیا......"

اتنا کہہ کر شمس النساء تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل گئی۔

اس کے جاتے ہی نمک حرام گمشت گین نے سلطان ملک صالح کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے...... اور بڑی مکاری کے ساتھ اپنے جسم پر مصنوعی لرزہ طاری کرتے ہوئے کہا۔

"خداوند نعمت...... میں تو آپ کے رحم و کرم ہی کے سہارے زندہ ہوں...... اور اسی عنایتِ خاص کے ذریعے دمشق میں پہچانا جاتا ہوں...... آپ نے شہزادی صاحبہ کے تیور دیکھ لئے...... بندہ نواز! مجھے بتایئے کہ اب میں کیسے زندہ رہوں گا...... اور میرا ٹھکانا کہاں ہوگا؟" آج تو گمشت گین نے

خوشامد کی انتہا کر دی تھی...... اور اس نے الفاظ کے پیچ و خم کے ساتھ سلطان ملک صالح کو خدا کہہ کر پکارا تھا۔

سلطان ملک صالح نے اطمینان کے ساتھ شراب کا ایک گھونٹ لیا اور بے نیازانہ لہجے میں بولا...... "وہ میری بڑی بہن ہیں اس لئے...... ان کا احترام مجھ پر لازم ہے...... مگر جہاں تک امور مملکت کا تعلق ہے تو اس میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا...... میں اس ملک کا مطلق العنان حکمراں ہوں......" یہ کہتے کہتے سلطان ملک صالح کے چہرے سے غرورِ شاہی جھلکنے لگا تھا۔

والیٔ دمشق و شام کی بات سن کر گمشت گین نے سکون کا سانس لیا...... اس کا منصوبہ تکمیل تک پہنچ گیا تھا...... نوعمر سلطان اتنی جلدی اپنے راستے سے بھٹک جائے گا، گمشت گین نے سوچا بھی نہ تھا...... اپنی پہلی کامیابی کے بعد غدارِ ملّت دوسرے منصوبے پر غور کرنے لگا...... جو بہت زیادہ خطرناک تھا۔

......}......☆......{......

اس واقعے کے بعد شمس النساء اذیت و کرب کی شدت سے رات بھر نہ سو سکی...... پھر وہ اذان فجر کے ساتھ ہی بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی...... وضو کیا اور نماز پڑھنے لگی...... پھر اس نے طویل سجدہ کیا اور اتنا روئی کہ مصلے اس کے آنسوؤں سے تر ہوگیا...... شمس النساء کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ملک صالح اتنی جلدی تباہی کے راستے پر چل پڑے گا...... اور سلطان عادل کی عظیم الشان سلطنت اتنی تیزی کے ساتھ سیاسی طوفانوں کی زد میں آجائے گی۔

اس سے پہلے کہ سلطان ملک صالح دربار جاتا، شمس النساء نے تنہائی میں اتمامِ حجت کے طور پر چھوٹے بھائی سے کھل کر گفتگو کی۔ "تم اس نیک سیرت باپ کے بیٹے ہو جس کے کردار کی دشمن بھی قسمیں کھاتے ہیں۔"

اس سے پہلے کہ شمس النساء اپنی بات مکمل کرتی، سلطان ملک صالح درمیان میں بول اٹھا۔ "بابا محترم کا اپنا طریقۂ کار تھا، یہ ضروری تو نہیں کہ میں بھی ان کی روش اختیار کروں...... میں کامیاب حکمرانی کیلئے جو مناسب سمجھوں گا، وہی کروں گا۔" سلطان ملک صالح کے اندر وہ نوجوان فرمانروا بول رہا تھا جس کی ذہنی سطح بہت کم تھی...... اور جذبات سمندر کی لہروں کی طرح باغی و سرکش۔

چھوٹے بھائی کی یہ بیباکی دیکھ کر شمس النساء کو ایک اور صدمہ پہنچا...... جسے برداشت کرنے کیلئے اسے اپنی پوری اعصابی طاقت استعمال کرنی پڑی۔ "ملک صالح تم جلد از جلد اپنے بدکار مشیروں سے نجات حاصل کر لو...... ورنہ وقت تمہیں اتنی مہلت بھی نہیں دے گا کہ تم اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر سکو۔"

بڑی بہن کی نصیحت سن کر ملک صالح مشتعل ہوگیا...... "عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں...... میں یہ ہرگز پسند نہیں کروں گا کہ تم مجھے مشورے دے کر میرا ذہنی سکون برباد کرو۔" یہ کہہ کر ملک صالح کمرے سے نکل کر دربار کی طرف چلا گیا۔

شمس النساء کی آخری امید بھی دم توڑ چکی تھی...... پھر اس نے چند دن سے زیادہ قصر خلافت میں

ٹھہرنا گوارہ نہیں کیا...... شمس النساء تو اسی روز مصر واپس چلی جانا چاہتی تھی...... مگر دوسرے عزیز داروں کے دکھانے کیلئے وہ ایک ہفتے دمشق میں ٹھہر گئی۔ ایک ہفتے تک وہ روزانہ اپنے والد اور والدہ کی قبر پر جاتی تھی...... اور آنسو بہا کر محل چلی آتی تھی...... اس دوران ملک صالح نے ایک بار بھی بڑی بہن سے اپنے توہین آمیز رویتے پر معذرت نہیں کی۔

آخر رسمِ دنیا کی تکمیل کر کے شمس النساء اپنے دیور ملک عادل کے ساتھ مصر روانہ ہو گئی...... رخصت کے وقت سلطان صالح کچھ دور شمس النساء کو چھوڑنے کیلئے آیا...... مگر یہ محض دکھاوا اور دنیاداری تھی۔

......}......☆......{......

ادھر سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کی سلطنت چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو رہی تھی...... اور ادھر صلاح الدین ایوبی نے شام کو صلیبیوں کی دراز دستی سے بچانے کے لئے بانیاس پر قبضہ کر لیا تھا...... عیسائی سالار گرانٹ اور غدار شمس الدین ابنِ مقدم نے فرار ہو کر شاہ یروشلم اموری کے پاس پناہ حاصل کی تھی...... اسکندریہ کے بعد یہ دوسری بڑی شکست تھی جس نے اموری کے ہوش و حواس اڑا دیئے تھے...... صلیبی فرمانروا نے اسی میں عافیت جانی کہ وہ فی الوقت صلاح الدین ایوبی سے عارضی صلح کر لے...... اور پھر کسی مناسب موقع پر صلح نامہ چاک کر کے والیٔ مصر سے اس شکست کا شدید انتقام لے...... بالآخر اپنے ذہن میں ایک خاص منصوبہ ترتیب دینے کے بعد شاہ اموری نے سالار گرانٹ کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ صلاح الدین سے امن و صلح کی بات چیت شروع کرے۔

جب صلیبی سفیر خیرسگالی اور صلح کا پیغام لے کر بانیاس پہنچا تو صلاح الدین نے اسے قلعے میں ٹھہرایا...... اور کسی فیصلے تک پہنچنے کیلئے ایک رات کی مہلت مانگی...... سلطان نور الدین زنگیؒ کی خدمت میں رہ کر بڑی حد تک صلیبیوں کی عیاری اور عہد شکنی سے واقف ہو چکا تھا اس لئے وہ دلی طور پر سالار گرانٹ سے کسی قیمت پر صلح کرنا نہیں چاہتا تھا...... مگر والیٔ موصل کی خود مختاری کے اعلان نے ”سلطنت نوریہ“ کی مضبوط ترین عمارت میں گہرے شگاف ڈالنے شروع کر دیئے تھے۔ اس واقعے سے صلاح الدین ایوبی ذہنی طور پر بہت پریشان تھا۔ آخر طویل غور و فکر کے بعد اس نے سالار گرانٹ کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھا دیا...... مگر اس کے ساتھ یہ شرط بھی عائد کر دی کہ غدار شمس الدین ابن مقدم کو اس کے حوالے کر دیا جائے۔

شاہ اموری نے ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر صلاح الدین ایوبی کی شرط مان لی۔ پھر جب شمس الدین ابنِ مقدم کو زنجیریں پہنا کر یروشلم کے محل سے بانیاس کی طرف لے جایا جانے لگا تو وہ دھاڑیں مار کر رونے لگا...... اور اس نے شاہ یروشلم کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا......

”مقدس شہنشاہ! میں تو آپ کا سیاسی حلیف ہوں...... مجھے آپ اس طرح تنہا نہ چھوڑیں۔“

شاہ اموری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”سیاست میں کوئی مستقل حلیف اور حریف نہیں ہوتا...... آج کا دشمن کل کا دوست بھی ہو سکتا ہے۔“ شاہ یروشلم کے ایک جملے نے صلیبیوں کی عیارانہ فطرت کی عکاسی کر دی تھی۔

شمس الدین ابنِ مقدم جانتا تھا کہ صلاح الدین ایوبی اسے کبھی معاف نہیں کرے گا...... موت کو اس قدر نزدیک پا کر اس نے شاہ یروشلم اموری کے پیروں پر سر رکھ دیا...... اور انتہائی گداگرانہ لہجے میں کہنے لگا...... ”اگر مقدس شہنشاہ مجھے پناہ دے دیں تو میں اپنا مذہب ترک کر کے عیسائیت اختیار کرنے کیلئے تیار ہوں۔“

شمس الدین ابنِ مقدم کی التجا سن کر شاہ اموری بہت زور سے ہنسا اور اس نے ابنِ مقدم کے سر کو ٹھوکر لگاتے ہوئے کہا...... ”دنیا کے احمق ترین انسان! تیری بات پر کون اعتبار کرے گا؟ جب تو اپنے مذہب کے ساتھ وفادار نہیں ہو سکتا تو پھر عیسائیت تجھے کیسے قبول کر لے گی۔ اگر کل تیری زندگی کو نیا خطرہ لاحق ہوا تو پھر عیسائیت کو چھوڑ کر تو یہودی بن جائے گا۔“

شاہ یروشلم اموری شمس الدین ابنِ مقدم کے ساتھ انتہائی ذلت آمیز اور سفاکانہ سلوک کر رہا تھا...... مگر اس کی بے حیائی کا یہ عالم تھا کہ وہ زندگی کی بھیک مانگے جا رہا تھا اس کی یہ حالت دیکھ کر شاہ اموری نے ایک اور سنگین مذاق کرتے ہوئے کہا...... ”چلو ہم لوگ تمہیں عیسائی تسلیم کر لیتے ہیں مگر عیسائیت کے اپنے بھی تو کچھ تقاضے ہوتے ہیں...... وہ تجھ سے زبانی دعوے نہیں عملی ثبوت فراہم کرنے کا مطالبہ کرتی ہے۔“

شاہ یروشلم کی بات سن کر ابنِ مقدم کے زرد چہرے پر امید کی ہلکی سی سرخی دوڑ گئی...... ”مقدس شہنشاہ مجھ سے عیسائی ہونے کا جو بھی ثبوت مانگیں گے میں اس کا بھرپور عملی مظاہرہ کروں گا۔“

شمس الدین ابنِ مقدم کا جواب سن کر شاہ یروشلم اموری نے ایک طویل قہقہہ لگایا جو کسی طرح رکنے میں نہیں آتا تھا...... ابنِ مقدم آنکھیں پھاڑے شدید حیرت و استعجاب کے عالم میں اموری کی طرف دیکھے چلا جا رہا تھا۔

پھر جب شاہ یروشلم کا ہذیانی قہقہہ ختم ہوا تو اس نے انتہائی سنجیدہ لہجے میں شمس الدین ابنِ مقدم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا...... ”عیسائیت تجھ سے قربانی مانگتی ہے...... اگر تو اسلام کے لئے قربان نہیں ہوتا تو پھر صلیب کے نام پر قربان ہو جا۔“ یہ کہہ کر شاہ یروشلم نے اپنے سپاہیوں کو اشارہ کیا اور وہ شمس الدین ابنِ مقدم کو کھینچتے ہوئے کمرے سے باہر لے گئے۔

پھر نئے صلح نامے کے مطابق صلاح الدین ایوبی نے بانیاس کے مقبوضہ علاقے عیسائیوں کو واپس کر دیئے اور غدار ابنِ مقدم اپنے ہمراہ لے کر مصر واپس آ گیا۔

پھر صلاح الدین ایوبی نے شمس الدین ابنِ مقدم کو اس کی نمک حرامی کی عجیب سزا دی...... والیٔ مصر نے لوہے کا ایک قد آدم پنجرہ بنوایا...... اور اس پنجرے میں ابنِ مقدم کو قید کر دیا...... قاہرہ کے سب سے بڑے قید خانے سے روزانہ صبح کے وقت ایک گھوڑا گاڑی نکلتی تھی جس کے درمیان میں وہ آہنی پنجرہ رکھا ہوتا تھا...... پھر وہ یہ گھوڑا گاڑی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی قاہرہ کی تنگ گلیوں اور کشادہ راستوں سے گزرتی ہوئی سب سے بڑے چوراہے پر رک جاتی...... اس دوران قاہرہ کے بچے، جوان اور بوڑھے اپنے گھروں سے نکل آتے اور انہیں جس قدر ناشائستہ الفاظ یاد ہوتے وہ سب کے

سب شمس الدین ابنِ مقدم کی شان میں استعمال کر ڈالتے...... بعض شریر بچے گھوڑا گاڑی پر چڑھ جاتے اور ابنِ مقدم کے منہ پر اتنا تھوکتے کہ اس کا چہرہ بچوں کے لعاب دہن سے تر ہو جاتا۔ قاہرہ کے بہت سے نوجوان سنگ باری کر کے ابن مقدم کو لہولہان کرنا چاہتے تھے مگر صلاح الدین ایوبی کی طرف سے اس اذیتناک عمل کی اجازت نہیں تھی...... یہ ایک ایسی ذلت آمیز اور عبرتناک سزا تھی جسے دیکھ کر وہ لوگ بھی لرز اٹھتے تھے جو عقیدتاً باطنی تھے...... یا وہ بدکار لوگ جو خالص اسلامی سلطنت کے خلاف سازش کرنا چاہتے تھے۔

......}......☆......{......

بانیاس کے کھوئے ہوئے علاقے واپس لینے اور ابن مقدم کو اس کے انجام تک پہنچانے کے بعد صلاح الدین ایوبی دمشق کی سیاسی صورتحال کی طرف متوجہ ہوا پھر جب شمس النساء نے گمشتگین کے مذموم ارادے اور اپنے چھوٹے بھائی کے بگڑ جانے کے واقعات شوہر کو سنائے تو اذیت و کرب کی شدت سے صلاح الدین ایوبی کا چہرہ دھواں ہو گیا۔

پھر اس نے بڑی مشکل سے اپنے جذباتی ہیجان پر قابو پایا...... اور فوری طور پر دمشق جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔

"اس سفر سے آپ کو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔" شمس النساء نے اداس لہجے میں کہا۔

"مگر میں تو اس موقع پر سلطان کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔" صلاح الدین ایوبی نے تیز لہجے میں کہا... اب اداسی کی جگہ اس کے چہرے سے نیا عزم اور جوش جھلکنے لگا تھا۔

"آپ کی محبت اور فرض شناسی اپنی جگہ مگر صالح ہماری مداخلت کو پسند نہیں کرتا۔" شمس النساء کا لہجہ بدستور اداس تھا...... "جب وہ اپنی بڑی بہن ہی کی زبان نہیں سمجھا تو پھر وہ کسی دوسرے کو کیا خاطر میں لائے گا؟"

صلاح الدین ایوبی نے بہت دیر تک اپنی رفیقۂ حیات کو قائل کرنے کی کوشش کی مگر شمس النساء نے صاف صاف کہہ دیا۔ "دمشق جانے میں آپ کی جان کو خطرہ لاحق ہے۔"

بیوی کی بات سن کر صلاح الدین ایوبی مسکرانے لگا۔ "مجاہد کی اپنی جان ہی کب ہوتی ہے، وہ تو اپنی سانسیں اللہ کے ہاتھ فروخت کر چکا ہوتا ہے...... اب اس کی موت میدان جنگ میں واقع ہو یا بستر علالت پر...... میرے لئے کوئی صلیبی علاقہ یا دمشق دونوں برابر ہیں۔"

"دونوں برابر نہیں ہو سکتے......" شمس النساء نے مؤدبانہ لہجے میں شوہر کی پیش کردہ دلیل کو مسترد کرتے ہوئے کہا۔ "صلیبی ہمارے کھلے دشمن ہیں...... ہمیں ان سے ہر وقت بدترین سلوک کی توقع رکھنی چاہئے...... مگر وہ دشمن جو بظاہر دوستی کی قبا پہنے ہوئے ہیں......؟ دونوں میں بہت فرق ہے...... بہرحال، میں اس فضا میں آپ کو دمشق جانے نہیں دوں گی۔"

بیوی کا اصرار اور سیاسی صورتحال کا تقاضا، صلاح الدین ایوبی نے فی الحال دمشق جانے کا ارادہ ترک کر دیا...... مگر وہ اپنی جگہ خاموش نہیں بیٹھا۔

اس نے فوری طور پر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے حقیقی بھتیجے والیٔ موصل سیف الدین کے نام پر ایک پُراثر خط تحریر کیا۔

"برادر محترم! شاید آپ کو اندازہ نہیں کہ میں سلطان عادل سے کتنی عقیدت رکھتا ہوں...... آپ کا تو سلطان مرحوم و مغفور سے خون کا رشتہ ہے...... میں تو اس گھوڑے کا بھی احترام کرتا ہوں جس پر کبھی میرے آقا سوار ہوئے تھے یا چند لمحوں کیلئے اس کی پشت پر اپنا دست مبارک رکھا تھا...... اس وضاحت کے بعد میری درخواست ہے کہ آپ "سلطنت نوریہ" کو تقسیم ہونے سے بچالیں...... میں اس حقیقت سے باخبر ہوں کہ سلطان عادل نے اپنی خوشی سے آپ کو موصل کی حکومت عطا کی تھی۔ آپ کی میراث ہے بالفرض سلطنت موصل آپ کی جاگیر نہ بھی ہوتی تو میں ہر حال میں اسے آپ ہی کا حق سمجھتا...... کیونکہ یہ سلطان عادل کا فیصلہ تھا۔ خدا وہ وقت نہ لائے کہ کوئی دوسرا آپ کی میراث پر بری نظر ڈالے...... اگر ایسا ہوا تو میں اپنے ساری فوجی وسائل کے ساتھ موصل کا دفاع کروں گا...... لیکن مجھے ایک شکایت ہے کہ آپ نے "دیار جزیرہ" پر قبضہ کر کے ایک نہایت بری رسم کی بنیاد ڈال دی ہے۔ میری التجا ہے کہ آپ فوری طور پر "دیار جزیرہ" سلطان ملک صالح کو واپس کریں...... اور ان سے اپنے اس جذباتی عمل پر معذرت کر لیں...... اس کے ساتھ ہی میں جناب والا کی خدمت میں ایک تجویز پیش کرتا ہوں کہ تمام اسلامی ریاستوں کے سربراہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر پر حاضر ہوں...... اور قسم کھائیں کہ آپس میں متحد رہیں گے...... اور تمام اہل ایمان مل کر اسلام کے سب سے بڑے دشمن صلیبیوں کا مقابلہ کریں گے...... یہاں تک کہ انہیں بیت المقدس سے نکال پھینکیں۔"

اس کے ساتھ ہی صلاح الدین ایوبی نے دوسرا خط سلطان ملک صالح کے نام تحریر کیا۔ "میرے آقازادے! مجھے اس خبر سے شدید صدمہ پہنچا ہے کہ آپ کے چچازاد بھائی سیف الدین نے سلطان عادل سے بدعہدی کی اور سلطنت نوریہ کے ایک اہم علاقے دیار جزیرہ پر غاصبانہ قبضہ کر لیا...... اگر اس کی بدنیتی کا یہی عالم رہا تو اس کی ہوس اقتدار سے آپ کے دوسرے علاقے بھی محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔ اس لئے میری درخواست ہے کہ آپ جرأتمندانہ قدم اٹھائیں اور سیف الدین سے مطالبہ کریں کہ وہ فوری طور پر دیار جزیرہ سے اپنی فوجیں واپس بلالے۔ اگر سیف الدین آپ کا یہ مطالبہ تسلیم نہیں کرتا تو بلاتاخیر ساری تفصیلات لکھ دیں...... میرے جانباز سپاہی پابہ رکاب ہیں...... گھوڑوں کی لگامیں ان کے ہاتھوں میں ہیں...... اور چہروں کا رخ دمشق کی طرف ہے...... اپنے اللہ کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میری شمشیر اس وقت تک نیام میں نہیں جائے گی جب تک میں اپنے آقازادے کو ان کا حق نہیں دلا دوں گا...... مجھے بڑی بے چینی کے ساتھ آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔

خاندان زنگی کا ادنیٰ خادم صلاح الدین ایوبی۔"

والیٔ مصر نے احسان شناسی اور سلطان نورالدین زنگیؒ سے وفاداری کا حق ادا کر دیا تھا...... مگر یہ ملت اسلامیہ کی بدنصیبی تھی کہ دونوں طرف سے موصول ہونے والے جوابات نے صلاح الدین ایوبی کو انتہائی رنج و الم میں مبتلا کر دیا تھا۔

موصل کے حکمران سیف الدین نے انتہائی ذلت آمیز لہجے میں صلاح الدین ایوبی کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر کیا تھا۔ "اے غلام ابنِ غلام! تجھے یہ جرأت کیونکر ہوئی کہ تو نے مجھے برادر محترم کہہ کر پکارا؟ میں تیری عیاری اور فتنہ گری کو خوب سمجھتا ہوں...... تو مذہب کی آڑ میں جو کھیل کھیلنا چاہتا ہے، میرے جیتے جی تجھے اس میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکے گی...... یاد رکھ کہ سلطنت نوریہ کے ایک ایک گوشے پر میرا پیدائشی حق ہے...... اور سرزمین مصر جس پر آج کل تو قابض ہے، وہ بھی سلطنت نوریہ کی حدود میں شامل ہے۔"

صلاح الدین ایوبی کے چہرے پر گہری اداسی چھائی ہوئی تھی...... اس نے انتہائی دل شکستگی کے عالم میں والیٔ موصل کا خط ایک طرف رکھ دیا...... اور آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے نہایت پُرسوز لہجے میں بولا۔

"اے مالک کون و مکاں...... تو اپنی قدرت کے ہر زاویۂ اظہار پر قادر ہے...... اگر تو نے اپنی رحمتِ خاص سے ان نادانوں کے دل و دماغ کو نہیں بدلا تو سلطان عادل کی عمر بھر کی کوششوں کا خون ہو جائے گا...... اور ہم خود غرض و نفس پرست لوگ اس قیمتی خون کو بہت سستے داموں میں غیروں کے ہاتھوں فروخت کر ڈالیں گے۔"

کچھ دن بعد ہی دمشق سے سلطان ملک صالح کا جواب بھی آ گیا جو سیف الدین کے جواب کی طرح تحقیر آمیز بھی تھا اور ہمت شکن بھی...... اس خط پر مہر تو ملک صالح کی تھی...... مگر سارے مندرجات گمشت گین کے تحریر کردہ تھے۔

"یہ میرا اور سیف الدین کا خاندانی معاملہ ہے...... ایک غلام کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دو آقاؤں کے درمیان مداخلت کرے۔"

اپنے لئے غلام کا لفظ پڑھ کر صلاح الدین کو ملال تو ضرور ہوا...... مگر اس کی یہ کیفیت چند لمحوں میں زائل ہو گئی...... کیونکہ وہ خاندان زنگی کی طرف سے یہ طعنہ سننے کا عادی ہو چکا تھا...... مگر سلطان ملک صالح کے خط میں جو دوسری بات تحریر کی گئی تھی، وہ اپنی معنویت کے اعتبار سے انتہائی فکر انگیز تھی...... سلطان ملک صالح نے صلاح الدین ایوبی کے خلوص اور دیانتداری کا مذاق اڑاتے ہوئے لکھا تھا۔

"اگر تم اپنے مرحوم آقا کے اتنے ہی وفادار ہو تو اپنی وفا کا ثبوت دینے کیلئے فوری طور پر مصر کی حکومت میرے حوالے کر دو...... اور خود دمشق آ کر اپنی ساری زندگی میرے ایک درباری کی حیثیت سے گزار دو۔"

سلطان ملک صالح کا آخری مطالبہ پڑھ کر صلاح الدین ایوبی کو یہ سمجھنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگی کہ اس خط کا محرر کون ہے؟ شمس النساء اسے پہلے ہی بتا چکی تھی کہ نوخیز حکمران گمشت گین جیسے عیار انسان کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن کر شراب کا عادی ہو چکا ہے۔

سلطان ملک صالح کے مشیرِ اعلیٰ کا پورا نام سعد الدین گمشت گین تھا...... بظاہر اپنے مذہبی عقیدت کے مطابق وہ ایک عام مسلمان تھا مگر حقیقتاً گمشت گین کا کوئی عقیدہ نہیں تھا...... وہ اپنی مطلب براری

کے لئے کسی بھی مذہب کے ماننے والوں میں شامل ہو سکتا تھا۔ پہلے اس نے چودہ سالہ ملک صالح کو کمال ہوشیاری کے ساتھ شراب کا عادی بنایا...... اور پھر اس کی خلوت میں خوبصورت رقاصائیں داخل کر دیں...... انجام کار مادر ملکہ رضیع خاتون کے انتقال کے چند ماہ بعد ہی سلطان نور الدین محمود زنگیؒ جیسے ولی صفت انسان کا بیٹا ایک اوباش حکمران بن چکا تھا۔

صلاح الدین ایوبی نے والیٔ سیف الدین اور سلطان ملک صالح کے خطوط اپنی شریک کے سامنے رکھ دیئے...... شمس النساء نے دونوں خط بہت غور سے پڑھے...... بڑی عجیب اور تکلیف دہ صورتحال تھی...... ایک خط اس کے اپنے حقیقی چھوٹے بھائی کا تھا...... اور دوسرا اس کے سگے چچازاد بھائی کا...... اور دونوں خط تقریباً ایک ہی انداز میں اس کے شوہر کے نام تحریر کئے گئے تھے۔ "میں نے پہلے ہی آپ کو اس صورتحال سے آگاہ کر دیا تھا کہ معاملات ہماری گرفت سے نکل چکے ہیں...... مجھے اس بات پر شدید ندامت ہے کہ میرے دونوں بھائیوں نے آپ کیلئے انتہائی نازیبا کلمات استعمال کئے۔" شمس النساء کا لہجہ بہت اداس اور شکستہ تھا۔

"مجھے تمہاری پرخلوص رفاقت حاصل ہے...... اس لئے میں کسی تہمت یا طعنہ زنی کی پروا نہیں کرتا۔" صلاح الدین ایوبی نے بیوی کی دل جوئی کرتے ہوئے کہا...... "مگر تمہارا یہ خیال درست نہیں کہ معاملات ہماری گرفت سے نکل چکے ہیں...... ہاں، اگر ہم نے کچھ دن اور غفلت و کوتاہی برتی تو معاملات کے ساتھ وقت بھی ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا...... اور گزرے ہوئے وقت کو حق تعالیٰ کے سوا دنیا کی تمام طاقتیں مل کر بھی واپس نہیں لا سکتیں...... میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں خط و کتابت اور سفارت کارآمد ثابت نہیں ہو سکتی...... اس لئے میں دمشق جانے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔"

شوہر کی بات سن کر شمس النساء بدحواس ہو گئی اور وحشت زدہ انداز میں بولی...... "میں قسم دیتی ہوں کہ آپ دمشق نہیں جائیں گے۔"

"میں آپ کو حکم دیتا ہوں کہ اپنی قسم واپس لیں اور اس کا کفارہ ادا کریں۔" شادی کے بعد صلاح الدین ایوبی نے پہلی بار بیوی سے بات کرتے ہوئے اتنا سخت لہجہ اختیار کیا تھا۔ "مجھے یہ قبول ہے کہ آپ بیوگی کا لباس پہن لیں...... مگر یہ گوارا نہیں کہ سلطنت نوریہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں...... اور سفید فام درندے بے شمار مسلم دوشیزاؤں کو اپنی کنیزیں بنا لیں۔"

پھر اسی دن صلاح الدین ایوبی نے اپنے سالاروں اور امیروں کا خفیہ اجلاس طلب کیا...... شوہر کے حکم پر شمس النساء بھی نقاب پہن کر اس اجلاس میں شریک ہوئی...... صلاح الدین ایوبی نے اپنے معتمد امراء کے سامنے تمام صورتحال بیان کی اور حاضرین کو اپنے ارادے سے باخبر کرتے ہوئے کہا۔

"اگر میں اس جنگ میں مارا جاؤں تو تم لوگ شہزادی شمس النساء کو اپنا امیر منتخب کر لینا...... اور فسادیوں سے یہاں تک جنگ کرنا کہ یا تو وہ لقمۂ اجل بن جائیں...... یا تم خود پیوند خاک ہو جاؤ۔"

پھر دوسرے دن صلاح الدین ایوبی امام شرف الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پھر ان کی دعاؤں کے سائے میں ایک ہزار منتخب شہسوار اپنے ساتھ لے کر دمشق کی طرف روانہ ہوا۔ اس سفر میں

صلاح الدین کا معتمد خاص امیر عز الدین بھی اس کے ہمراہ تھا۔

......}......☆......{......

مکار گمشت گین نے سلطان ملک صالح سے خط تو تحریر کرا دیا تھا...... مگر وہ صلاح الدین ایوبی سے ہر وقت خوفزدہ رہتا تھا کہ کب وہ کسی آفت ناگہانی کی طرح دمشق پر نازل ہو جائے...... اس لئے حفظِ ماتقدم کے طور پر سلطان ملک صالح کو لے کر حلب چلا گیا...... یہاں گمشت گین کے ہم خیال فتنہ گروں کی تعداد بہت زیادہ تھی...... اسی باعث وہ حلب کو اپنے لئے محفوظ ترین علاقہ سمجھتا تھا...... صلاح الدین ایوبی برق رفتری کے ساتھ آگے بڑھا اور دمشق پہنچ گیا...... یہاں کے بیشتر باشندوں کے دل صلاح الدین کے ساتھ تھے...... اور وہ اسے سلطان عادل کا حقیقی جانشین سمجھتے تھے...... نتیجتاً قلعدار نے صلاح الدین کا پرجوش استقبال کیا...... اور قلعے کا دروازہ کھول دیا......
صلاح الدین ایوبی کیلئے یہ ایک مبارک علامت تھی کہ اس نے کسی مسلمان کے خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر دمشق پر قبضہ کر لیا تھا۔

دمشق کا انتظام سنبھالتے ہی صلاح الدین ایوبی نے چھوٹے بھائی ملک عادل کو بھی اپنے پاس بلا لیا۔ اس کے ساتھ ہی اپنی بیوی شمس النساء کے نام ایک طویل خط بھی تحریر کیا۔

"بفضل حق تعالیٰ میری مہم کا پہلا مرحلہ بہت سکون اور سلامتی کے ساتھ طے پا گیا۔ اہلِ دمشق نے پوری سچائی اور خوش دلی کے ساتھ میری آواز پر لبیک کہا۔ خدا کرے کہ باقی لوگ بھی میرے جذبات کی آواز سمجھ لیں۔ اور سیاست کے سمندر میں کوئی طوفان بلا خیز اٹھنے سے پہلے ہی دم توڑ دے۔ میں اس وقت کے تصور سے ہی لرزاں رہتا ہوں کہ جب ایک محاذ جنگ پر دونوں طرف مسلمان صف آراء ہوں۔ بہرحال یہ میری خواہش اور دعا ہے۔ ورنہ آج سے پہلے بھی اہلِ ایمان کے درمیان بڑے خوفناک تصادم ہوئے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ملت اسلامیہ کو شدید نقصان پہنچا ہے۔ اس لئے تمہیں بھی کسی غیر متوقع صورتحال کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اور کبھی کبھی امام شرف الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر میرے لئے دعاؤں کی درخواست کرتی رہا کرو۔"

......}......☆......{......

ملک عادل، ایک ہزار سپاہیوں کے ہمراہ دمشق پہنچا۔ صلاح الدین ایوبی کچھ دن تک بہت خاموشی سے دمشق کے ان انتظامی معاملات کا جائزہ لیتا رہا جو سلطان نور الدین زنگیؒ کے انتقال کے بعد نئے امیروں کے ذریعے کئے گئے تھے۔ اس سلسلے میں صلاح الدین ایوبی نے دمشق کے ان مقامی باشندوں سے خفیہ مشورے کئے جو حقیقتاً اس کے سچے ہمدرد اور بہی خواہ تھے۔

ان لوگوں نے بڑے رازدارانہ انداز میں صلاح الدین ایوبی کو بتایا۔ "جب سے سلطان ملک صالح سعد الدین گمشت گین جیسے خبیث اور شاطر انسان کے زیر اثر آئے ہیں۔ اسی روز سے دمشق کا نظام مملکت زیر و زبر ہوا ہے۔ قاضی تقی الدین جو سلطان نور الدین زنگیؒ کے نامزد کردہ تھے۔ اور اپنے نام کی طرح انتہائی متقی انسان تھے۔ انہیں گمشت گین نے زہر دے کر مار ڈالا۔"

یہ اذیت ناک خبر سن کر صلاح الدین ایوب بری طرح چونک اٹھا۔ اور اس کے چہرے پر شدید نفرت و غضب کا رنگ ابھر آیا۔ "کیا قاضی تقی الدین جیسے معزز اور بااثر انسان کو اتنی آسانی سے زہر دے کر قتل کیا جا سکتا تھا؟ پورے دمشق میں کسی نے کوئی احتجاج نہیں کیا؟"

"کسی کو پتہ ہی کب چلا کہ قاضی تقی الدین کی موت زہر کے اثر سے واقع ہوئی ہے۔" ایک شخص نے اداس لہجے میں کہا۔

"تو پھر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ قاضی صاحب کو زہر دے کر ہلاک کیا گیا تھا۔" صلاح الدین ایوبی نے انتہائی تیز لہجے میں اس شخص سے سوال کیا۔

"یہ راز تو اس وقت فاش ہوا جب قاضی تقی الدین کو غسل دیا گیا۔" دوسرے شخص نے قاضی صاحب کی غیر طبعی موت کے بارے میں انکشاف کرتے ہوئے کہا۔ "جب قاضی تقی الدین کی تدفین ہو چکی تو غسال نے ان کے عزیزوں کو بتایا کہ ان کے ہونٹوں پر خون کے ہلکے ہلکے نشانات موجود تھے۔"

"دراصل واقعہ یہ تھا کہ وفات سے ایک دن پہلے قاضی تقی الدین رات کے وقت سرکاری دعوت میں شریک ہوئے تھے۔ پھر اسی دعوت میں کھانے کے ذریعے انہیں زہر دیا گیا۔ زہر اتنا خطرناک اور سریع الاثر تھا کہ غذا کے چند لقمے کھاتے ہی قاضی صاحب کو خون کی ایک بہت بڑی قے ہوئی۔ اور شاہی دسترخوان سے اٹھتے اٹھتے ان کی موت واقع ہو گئی۔ پھر گمشت گین کے حکم پر قاضی تقی الدین کے منہ کا خون صاف کر کے لاش ان کے گھر بھیج دی گئی مگر پھر بھی اس مردِ مومن کے خون کے کچھ داغ باقی رہ گئے۔"

صلاح الدین ایوبی ذاتی طور پر قاضی تقی الدین سے واقف تھے۔ وہ ایک پاکباز اور بلند حوصلہ انسان تھے۔ کسی مقدمے کا فیصلہ کرتے وقت وہ بڑی سے بڑی سفارش یا دباؤ کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ جب صلاح الدین ایوبی پر یہ راز کھلا کہ اس مردِ باصفا کو قتل کیا گیا ہے تو والیٔ مصر کے دکھ کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ اس نے دل ہی دل میں عہد کیا کہ قاضی تقی الدین کے قتل میں جتنے لوگ بھی شریک تھے۔ وہ ان سب کو عبرت ناک سزائیں دے گا۔

دمشق کے مقامی باشندوں نے صلاح الدین ایوبی کو بتایا۔ قاضی صاحب کی وفات کے بعد گمشت گین نے اپنے آدمی رکن الدین کو منصب قضا پر فائز کیا۔ رکن الدین علمی اعتبار سے بھی کم تھا۔ اور کردار کے لحاظ سے بھی کمزور۔ رشوت لے کر بڑے سے بڑے مجرم کو رہا کر دیتا ہے۔ اسی کے دور میں دو قانون بنائے گئے۔ پہلے قانون کے مطابق دمشق کے امراء تمام مذہبی اور اخلاقی پابندیوں سے آزاد کر دیئے گئے۔ وہ کسی کو قتل کریں، سرعام شراب پئیں یا کسی معصوم دوشیزہ کی آبروریزی کریں۔ ان پر کسی قسم کی شرعی حد جاری نہیں ہو گی۔ دوسرا قانون دمشق کے غریب اور کمزور لوگوں کے لئے بنایا گیا ہے۔ اگر کوئی مفلس انسان شراب پیتا ہے تو اسے 80 کوڑے مارے جاتے ہیں۔ فاقوں سے [illegible] ہو کر چوری کرتا ہے تو اس کے ہاتھ کاٹ دیئے جاتے ہیں۔"

صلاح الدین ایوبی نے بڑے اذیت وکرب کے عالم میں یہ داستان خونچکاں سنی جس میں قرآن وسنت کے احکام کے ساتھ بڑا سنگین مذاق کیا گیا تھا۔ پھر جب صلاح الدین ایوبی نے قاضی رکن الدین اور دوسرے امراء کو تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ یہ تمام لوگ اس کی آمد کی خبر سنتے ہی دمشق سے فرار ہو کر حلب چلے گئے ہیں۔ جہاں گمشت گین اور دوسرے بدکار امراء کا اجتماع ہے۔ اور سلطان ملک صالح محض ایک آلۂ کار ہے جو ان کے اشارروں پر ناچتا رہتا ہے۔ صلاح الدین ایوبی کو یہ بھی پتا چلا کہ سعدالدین گمشت گین اپنی خوشامدانہ حرکتوں اور چال بازیوں سے اتنی طاقت پکڑ گیا ہے کہ وہ حلب کا گورنر بن گیا ہے۔ اور سلطنت نوریہ کے سارے انتظامات اسی کے ہاتھوں میں ہے۔

صلاح الدین ایوبی کئی دن تک شدید ذہنی کشمکش میں مبتلا رہا۔ پھر وہ ایک دن "مدرسۂ نوریہ" پہنچا۔ جہاں سلطان نورالدین محمود زنگی کا مزار مبارک تھا۔ سلطان عادل کو دنیا سے رخصت ہوئے تین سال سے زیادہ ہو چکے تھے۔ اس عرصے میں بڑی تبدیلیاں واقع ہوئی تھیں۔ مدرسۂ نوریہ حدیث وفقہ کے طالب علموں سے بھر گیا تھا۔ اور مزار پر بڑے بڑے درویش جمع رہتے تھے۔ مدرسے کی فضا میں ہر وقت ذکرِ الٰہی سے گونجتی رہتی تھیں۔

صلاح الدین ایوبی، سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے مزار پر حاضر ہوا۔ اس نے پہلی بار یہاں ایک عجیب بات محسوس کی۔ قبر کے احاطے میں ایک روشنی سی پھیلی ہوئی تھی۔ اور روشنی کیوں نہ ہوتی؟ جو مردِ مومن یہاں زیرِ خاک سو رہا تھا، اس نے اپنی آخری سانس تک کفار اور مشرکین کے خلاف جہاد کیا تھا۔ اور یہ وہی دنیا کا خوش نصیب ترین انسان تھا جسے تین بار سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تھی۔

مشہور مؤرخ اور تذکرہ نگار ابن خلکان اپنا تجربہ اور مشاہدہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ "ایک بار مجھے انتہائی مشکل مسئلہ درپیش تھا جو ہزار کوششوں کے باوجود کسی بھی طرح حل نہیں ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ میں نے اپنے تمام مادی وسائل اور تعلقات استعمال کر لئے تھے۔ مگر وہ مسئلہ حل ہونے کے بجائے روز بروز الجھتا ہی جا رہا تھا۔ میں سخت ذہنی پریشانی میں گرفتار تھا کہ ایک دن میرا ایک قریبی دوست مجھ سے ملنے کے لئے آیا۔ تو میں نے اس کے سامنے اپنی ساری الجھن بیان کی۔ میرا دوست کچھ دیر تک سوچتا رہا اور پھر نہایت پُر اثر لہجے میں بولا۔

"اگر تم میری بات مانو تو ایک بار سلطان نورالدین زنگیؒ کے مزار پر حاضر ہو کر دعا مانگو۔ مجھے یقین ہے کہ حق تعالیٰ تمہاری یہ مشکل دور فرما دے گا۔"

مؤرخ ابن خلکان لکھتا ہے کہ مجھے اپنے دوست کی یہ بات کچھ عجیب سی معلوم ہوئی۔ مگر میں اپنے اس مسئلے سے اس قدر پریشان تھا کہ مجبوراً سلطان نورالدین زنگیؒ کے مزار پر چلا گیا۔ اور بہت ہی پُر درد لہجے میں دعا مانگی۔ پھر چند روز بھی نہ گزرے تھے کہ میرا وہ مشکل ترین مسئلہ اس طرح حل ہو گیا کہ میں آج بھی اس واقعے کو ناقابلِ یقین تصور کرتا ہوں۔ ابن خلکان کے علاوہ تاریخ میں اور بھی بہت سے بڑے لوگوں کے ایسے واقعات درج ہیں کہ جن کی دعائیں سلطان نورالدین زنگیؒ کے مزار پر حاضر

ہونے کے بعد سنی گئیں۔

اسی طرح جب صلاح الدین ایوبی، سلطان نورالدین زنگیؒ کے مزار پر حاضر ہوا تو اس نے چاروں طرف ایک عجیب سی روشنی کا احساس کیا۔ اور پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو اس پر شدید رقت طاری ہو گئی۔ اس نے اشکبار آنکھوں کے ساتھ دعا مانگی۔ "اے خلاقِ عالم۔ اے مالکِ بحر و بر۔ اے بلندوں کو پست کر دینے والے۔ اور اے حقیر و کمترین لوگوں کو اوجِ کمال تک پہنچانے والے۔ مجھے توفیق و استقامت دے کہ میں تیرے اس مجاہد کی خواہش کی تکمیل کر سکوں۔ اور میرے کمزور کاندھوں پر جو بارِ امانت رکھا گیا ہے اسے اپنی تمام تر ناتوانی کے باوجود اٹھا سکوں۔ بے شک تو ہی ہمیں ہدایت دینے والا ہے۔ اور تو ہی ہمارے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔"

اس دعا کے بعد صلاح الدین ایوبی نے دمشق کے تمام باشندوں کو "میدان اخضر" میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ پھر جب وہ طویل و عریض میدان دمشق کے پریشان حال عوام سے بھر گیا تو صلاح الدین ایوبی ایک اونچے منبر پر کھڑا ہوا۔ جہاں سے وہ میدان کے آخری گوشے تک کھڑے ہوئے لوگوں کو آسانی سے دیکھ سکتا تھا۔

جیسے ہی صلاح الدین ایوبی منبر پر نمودار ہوا اور دمشق کے باشندوں نے اسے دیکھا تو پورا میدان فریاد و فغاں سے گونجنے لگا۔ لوگ ماتمی انداز میں اپنی اپنی روداد الم بیان کر رہے تھے۔

"صلاح الدین! تجھے معلوم ہے کہ سلطان عادل کی وفات کے بعد ہم مجبوروں پر کیا گزری۔ وہ مردِ حق دنیا سے کیا گیا کہ عدل و انصاف یتیم ہو گئے۔ خونخوار درندے گلی کوچوں میں کھلے پھرتے ہیں۔ اور جس کا چاہتے ہیں خون پی لیتے ہیں۔ انہیں روکنے والا کوئی نہیں۔ ہماری عزت و آبرو لٹ گئی۔ گھروں کو آگ لگا دی گئی۔ اور ہمارے غیرت مند جوانوں کو قتل کر دیا گیا۔"

فریاد کیا تھی، اس کا ایک ایک لفظ تیروں اور نیزوں کی طرح تھا جو صلاح الدین کے دل میں پیوست ہو گیا۔ یہاں تک کہ شدتِ غم سے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ پھر تیزی سے بہتے ہوئے آنسوؤں نے والئ مصر کی داڑھی کو بھگونا شروع کر دیا۔

پھر جب شور فغاں کچھ کم ہوا تو منبر کے قریب کھڑے ہوئے ایک بوڑھے شخص نے انتہائی دردناک لہجے میں صلاح الدین ایوبی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تو اتنی دیر سے ہم تک کیوں آیا؟ کیا ہماری چیخیں تیرے کانوں تک نہیں پہنچ رہی تھیں؟ ہم تو اپنے پیاروں کی لاشوں پر ماتم کر چکے اور ہماری آنکھیں تو روتے روتے خشک ہو چکیں۔ مگر کل تجھے بھی مرنا ہے۔ ہمیں بتا کہ قیامت کے دن اپنے مالک کے سامنے کیا منہ لے کر جائیگا؟ کیا تجھے اس لئے مسلمانوں کا امیر بنایا گیا تھا کہ تو اپنے محل کے دروازے بند کر کے گہری نیند سو جائے۔ اور باہر تاریک گلی کوچوں میں اہلِ ایمان کی عزتیں لٹتی رہیں۔ اور ان کی لاشیں گور و کفن کو ترستی رہیں۔"

بوڑھے کی فریاد اس قدر رجا نگداز تھی کہ صلاح الدین ایوبی پر لرزہ طاری ہو گیا۔ پھر اس نے بڑی مشکل سے اپنی جذباتی اور ہیجانی کیفیت پر قابو پایا۔ اور دمشق کے مظلوم عوام سے مختصر خطاب کیا۔

صلاح الدین نے ہزاروں انسانوں تک اپنی آواز پہچانے کے لئے عجیب وغریب انتظام کیا تھا۔ ہر دس پندرہ گز کے فاصلے پر بلند آواز رکھنے والے نقیب کھڑے کئے گئے تھے...... جو صلاح الدین ایوبی کی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ عوام تک پہنچاتے تھے۔ والئ مصر نے کہا۔

"اب وہ بولیں گے جن کی زبانیں بند کر دی گئی تھیں۔ میں تمہاری کھوئی عزتیں واپس نہیں لا سکتا۔ مگر اتنا یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ کسی کی بیٹی بے آبرو نہیں ہوگی۔ چاہے وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو۔ اگر ایسا کوئی واقعہ پیش آ جائے تو تمہیں اجازت ہے کہ سر عام میرا گریبان پکڑ سکتے ہو۔" شدت جذبات سے صلاح الدین ایوبی کی آواز بھرائی ہوئی تھی اور آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ "میں تمہارے ان غیور لڑکوں کو واپس نہیں لا سکتا جنہیں عین عالم جوانی میں زیر خاک سلا دیا گیا۔ لیکن اگر آج کے بعد کسی ظالم امیر کا خنجر تمہارے کسی نوجوان کی شہ رگ تک پہنچتا ہے تو اس کے خون کا الزام میری گردن پر۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ تمہارے جلے ہوئے گھر دوبارہ تعمیر کرا دیئے جائیں۔"

صلاح الدین ایوبی کے اس اعلان سے وحشت زدہ چہروں پر اطمینان اور سکون کی ہلکی سی لہر ابھری۔ مگر اس کے ساتھ ہی ایک نوجوان نے والئ مصر سے سوال کیا۔ "امیر! اگر آپ واپس چلے گئے تو وہی درندے دوبارہ لوٹ آئیں گے جو اس وقت آپ کے خوف سے اپنے محفوظ غاروں میں روپوش ہو گئے ہیں۔"

اس نوجوان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے صلاح الدین ایوبی نے کہا۔ "میں تمہیں ان درندوں کے رحم وکرم پر تنہا چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ بفضل حق تعالیٰ میں نے ان کی واپسی کے تمام دروازے بند کر دیئے ہیں۔ اور وہ آج کل جن محفوظ غاروں میں روپوش ہیں، انشاء اللہ انہیں بھی بہت جلد کھود ڈالوں گا۔ پھر تمہارے مجرم تمہاری ہی عدالت میں کھڑے ہوں گے۔ تم سب پر اللہ کی سلامتی ہو۔" یہ کہہ کر صلاح الدین ایوبی منبر سے نیچے اتر آیا۔ اور پورا میدان اخضر دعائیہ کلمات کے شور سے گونجنے لگا۔

......}☆{......

اگرچہ صلاح الدین ایوبی نے دمشق کے ایک ایک گوشے پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی لیکن اس کا دل ہوس اقتدار کے جذبات سے یکسر خالی تھا۔ اسی لئے اس نے سلطان ملک صالح کے نام کا خطبہ جاری رکھا تھا۔ پھر اپنی اطاعت وفرمانبرداری کو عملی طور پر ثابت کرنے کے لئے صلاح الدین ایوبی نے اپنے ایک معتمد خاص کو خط دے کر حلب روانہ کیا۔ وہ خط بڑے والہانہ اور عقیدت مندانہ انداز میں لکھا گیا تھا۔

"میرے مخدوم! آپ پر اللہ کی سلامتی ہو۔ ہم لوگ جس زمانے سے گزر رہے ہیں، وہ سخت بددیانتی اور عہد شکنی کا زمانہ ہے۔ کوئی کسی پر یقین نہیں کرتا۔ مگر میں آپ کا حرف اعتبار ہوں۔ میری درخواست ہے کہ صرف چند دنوں کے لئے دمشق تشریف لے آئیں۔ میں کسی بدنیتی سے یہاں نہیں آیا ہوں۔ مجھے اہل دمشق نے دعوت دی تھی کہ میں ان کی فریاد کو پہنچوں۔ اور انہیں سفاک و بدکار

امراء کے ظلم وستم سے نجات دلاؤں۔ مجھے افسوس ہے کہ ان نمک حرام امراء نے جن کی گردنوں میں سلطان عادل کا طوق غلامی ہے آپ کو رعایا سے دور رکھا۔ میری خواہش ہے کہ ایک بار میرے ہمراہ دمشق کے گلی کوچوں میں پھر کر ان ستم رسیدہ انسانوں کی تالیف قلب کر دیجئے۔ جنہیں بہت ستایا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیجئے کہ آج بھی تمام مساجد میں آپ ہی کے خطبات کی گونج سنائی دیتی ہے۔ خاندان زنگی کا ادنیٰ خادم صلاح الدین ایوبی۔"

جب والئ مصر کا یہ محبت نامہ حلب کے دربار میں پڑھا گیا تو گمشت گین اور دوسرے غدار امراء کے ہوش وحواس اڑ گئے۔ ان لوگوں نے فوری طور پر صلاح الدین ایوبی کے قاصد سے کہہ دیا کہ چند روز میں اس کے خط کا جواب مصر پہنچ جائیگا۔

پھر قاصد کے جاتے ہی دربار برخاست کر دیا گیا اور گمشت گین کے کہنے پر حلب کے تمام امراء ایک کمرے میں جمع ہوئے۔ قطب الدین بن حسان نے صلاح الدین ایوبی کا خط کئی بار بہ آواز بلند پڑھا۔ اور اپنے ساتھی امراء سے کہا کہ اس مکتوب کے رموز ونکات پر روشنی ڈالیں۔ کمرے کی فضا پر گہرا سکوت طاری تھا اور تمام امراء غور وفکر میں ڈوبے ہوئے تھے۔ نوعمر ملک صالح بڑی حیرت سے اپنے ہر امیر کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

آخر بہت غور وخوض کے بعد گمشت گین اور دوسرے امراء نے بیک زبان کہا۔ "یہ سلطان ذیشان کے خلاف ایک گہری سازش ہے۔ اگر صلاح الدین خاندان زنگی سے مخلص ووفادار ہوتا تو دمشق کے معاملے میں مداخلت ہی کیوں کرتا؟ وہ اسلام کے نام پر سلطنت نوڑیہ کے سادہ لوح عوام کو کھلا فریب دے رہا ہے۔"

سیاسی فتنہ گروں کی چالوں سے بے خبر سلطان ملک صالح نے اپنے امراء کا تبصرہ سن کر چہرے سے یہ تاثر دیا کہ جیسے وہ سچ کہہ رہے ہیں۔

مکار گمشت گین نے اپنے نادان آقا کی اس کیفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک اور بھرپور ضرب لگائی۔ "سلطان ذیشان اس کا تو یہ مطلب ہے کہ جیسے ہمارے دلوں میں اپنے مذہب کے لئے کوئی جذبہ اور کوئی تڑپ ہی نہیں۔ بلکہ صلاح الدین کے اقدامات سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جیسے ہم لوگ کافر ہیں۔" یہ کہتے کہتے منافق گمشت گین نے اپنے چہرے پر مصنوعی رنج وغم طاری کر لیا تھا۔

سلطان ملک صالح گمشت گین کی فریب کاری سے بہت زیادہ متاثر ہوا تھا۔ "یقیناً آپ لوگ میرے ہمدرد اور والد محترم کے وفادار ہیں۔ اس نازک صورت حال میں آپ لوگ جو فیصلہ کریں گے وہ میرے لئے قابل قبول ہوگا۔"

گمشت گین اور اس کے ہم نوا دوسرے امراء کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ناسمجھ پرندے نے بڑی آسانی سے انکے بچھائے ہوئے جال کے پھندوں کے درمیان اپنی گردن رکھ دی تھی۔ بس ڈوریاں کھینچنے کی دیر تھی۔

پھر گمشت گین نے سرکاری کاتب کو بلا کر صلاح الدین ایوبی کے خط کا جواب تحریر کرایا۔ "اگر تم

واقعتاً خاندان زنگی کے وفادار ہو تو ایفائے عہد کا عملی مظاہرہ کرو۔ اور بلا تاخیر دمشق چھوڑ کر مصر واپس چلے جاؤ۔ یا پھر اگر تم انتظامی معاملات پر گفتگو کرنا ہی چاہتے ہو تو خود تن و تنہا ہماری خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔"

پھر جب سرکاری کاتب نے سلطان ملک صالح کو سنانے کے لئے تحریر کردہ عبارت بہ آواز بلند پڑھی تو حلب کے مکار امراء نے گمشت گین کی ذہانت کی تعریف میں "سبحان اللہ، سبحان اللہ" کی صدائیں بلند کیں۔

امیر قطب الدین بن حسان نے انتہائی پرجوش لہجے میں کہا۔ "اس غلام زادے کے خط کا جواب اس سے بہتر انداز میں ممکن ہی نہیں۔" سلطان ملک صالح گمشت گین کی چال کو سمجھنے سے قاصر رہا اور خود بھی اپنے امراء کی ہاں میں ہاں ملانے لگا۔

......}......☆......{......

پھر جب سلطان ملک صالح کا قاصد دمشق کے دربار میں پہنچا تو صلاح الدین ایوبی تخت سے کھڑا ہو گیا۔ تمام حاضرین دربار اور صلاح الدین ایوبی کے جاں نثار سپاہیوں نے اپنے سربراہ کے اس عمل کو بڑی حیرت سے دیکھا۔ صلاح الدین ایوبی پیدائشی طور پر ایک انتہائی حساس انسان تھا۔ اس نے حاضرین کی اس کیفیت کو ان کے چہروں سے چند لمحوں میں پڑھ لیا۔ پھر بہ آواز بلند سلطان ملک صالح کے قاصد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"تم جب واپس حلب جاؤ تو یہ واقعہ سلطان معظم کے گوش گزار کر دینا کہ میں تمہارے احترام میں اس لئے کھڑا ہوا ہوں کہ تمہیں میرے آقا زادے سے ایک نسبت خاص ہے۔ ورنہ با اختیار سربراہ کسی قاصد کے احترام میں کھڑے نہیں ہوتے۔" یہ کہہ کر صلاح الدین ایوبی دوبارہ تخت پر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے بڑی عقیدت کے ساتھ سلطان ملک صالح کے خط کو بوسہ دیا۔ اور پھر اسے کھول کر پڑھنے لگا۔

خط کی ابتدائی سطریں پڑھتے ہی صلاح الدین ایوبی کے چہرے کا رنگ بدلنا شروع ہو گیا تھا۔ حاضرین دربار نے صاف محسوس کر لیا کہ صلاح الدین ایوبی کے چہرے سے اداسی جھلکنے لگی تھی۔ پھر جیسے جیسے وہ خط پڑھتا گیا۔ اس کی مایوسی بڑھتی رہی۔ مگر اس نے فوراً ہی اپنے جذبات پر قابو پا لیا۔ تاکہ اہل دربار اس کی دلی کیفیت سے باخبر نہ ہو سکیں۔ اب صلاح الدین ایوبی اپنے چہرے سے مکمل طور پر پرسکون نظر آ رہا تھا۔ پھر جب سلطان ملک صالح کا خط تمام ہوا تو صلاح الدین ایوبی کے ہونٹوں پر ایک جبری مسکراہٹ نمایاں تھی۔

اپنے سربراہ کی مطمئن حالت دیکھ کر تمام مصری فوجیوں نے سمجھ لیا کہ سارے معاملات بحسن و خوبی طے پا گئے ہیں۔

پھر صلاح الدین ایوبی سلطان ملک صالح کے قاصد سے مخاطب ہو کر بولا...... "آج رات تم آرام کرو......اور کل صبح ہوتے ہی میرا جواب لے کر حلب، روانہ ہو جانا......" اس کے ساتھ ہی صلاح الدین ایوبی دربار سے اٹھ کر چلا گیا۔

سلطان ملک صالح کا قاصد پرتکلف اور لذیذ ترین کھانا کھانے کے بعد انتہائی سکون کی گہری نیند سو رہا تھا......اور دوسری طرف صلاح الدین ایوبی شدید ذہنی اذیت میں گرفتار، اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ سلطان ملک صالح کی طرف سے اس قدر حوصلہ شکن جواب آئے گا۔ ہر چند کہ ملک صالح چودہ سال کا ایک ناتجربہ کار نوجوان تھا......مگر کم فہم نہیں تھا۔ اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ سلطان نور الدین محمود زنگی کا فرزند تھا۔ اس لئے اس میں اتنی عقل تو ہونی ہی چاہئے کہ وہ بات کی گہرائی کو نہ سہی مگر اس کا ظاہری مفہوم تو سمجھ لے۔ صلاح الدین ایوبی بار بار خط کو دیکھ رہا تھا۔ خط پر مہر ملک صالح ہی کی تھی۔ مگر تحریر کسی اور کی تھی۔ صلاح الدین اس شخص کو بھی جانتا تھا جو اس ظالمانہ عبارت کا خالق تھا۔ یہ خط اس قدر شاطرانہ اور عیارانہ انداز میں لکھا گیا تھا کہ سلطان ملک صالح اور صلاح الدین ایوبی کی ملاقات ممکن نہیں رہی تھی۔

صلاح الدین ایوبی یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح تنہائی میں اس کی ملاقات سلطان صالح سے ہو جائے تاکہ وہ نوعمر حکمراں کو سیاست کے نشیب و فراز سمجھا سکے اور ان امراء سے دور رہنے کی تلقین کر سکے جو وفاداری کی قبا پہن کر بدترین جفاکاری کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ صلاح الدین ایوبی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس خط کا کیا جواب دے؟ صلاح الدین یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ دوسرے امراء کو اس اختلاف کا پتہ چلے......اور پھر کسی کی زبان لڑکھڑا جائے تو بات فرنگیوں تک پہنچ جائے۔

آخر جب صلاح الدین کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا تو اس نے مشورے کے لئے اپنے سالار امیر عزالدین اور چھوٹے بھائی ملک عادل کو اپنے کمرے میں طلب کر لیا۔ باری باری دونوں امیروں نے سلطان ملک صالح کا خط پڑھا......اور ایک ہی رائے دی۔

"سلطان کے اس خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ گفت و شنید کے سارے در بند ہو چکے ہیں۔ یا پھر کسی سیاست کے تحت بند کر دیئے گئے ہیں۔ آپ کو تن تنہا حلب بلانا ایک سیاسی چال ہے، جس کے مضمرات انتہائی خطرناک ہو سکتے ہیں۔"

واقعی یہ گمشت گین کے شیطانی دماغ کی خوفناک اور دہری چال تھی۔ اگر صلاح الدین ایوبی اکیلا حلب میں داخل ہوتا ہے تو اسے گرفتار کر لیا جائے گا......پھر اس سے ایک ایسی دستاویز تحریر کرائی جائے گی جس کے تحت وہ مملکت مصر کی سربراہی سے دستبردار ہونے کا اعلان کرے گا۔ اور اس کے تمام علاقوں پر سلطان ملک صالح کا قبضہ ہو جائے گا۔ بعد میں یا تو صلاح الدین کو قید میں رکھا جائے گا یا پھر صورت حال کا جائزہ لے کر اسے قتل کر دیا جائے گا۔

گمشت گین کی اس چال کا دوسرا پہلو نسبتاً کم خطرناک تھا۔ مگر اس کے سوچے ہوئے سیاسی منصوبے کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے کافی تھا۔ گمشت گین کے خیال میں اگر صلاح الدین ایوبی تن تنہا حلب نہیں آتا تو پھر سلطان ملک صالح پر بڑی آسانی سے یہ بات ثابت کی جا سکتی ہے کہ وہ سلطنتِ نوریہ کا غدار ہے اور سلطانِ عادل کی حکومت پر قبضہ کرنے کا خواب دیکھ رہا ہے۔ دونوں صورتوں میں گمشت گین کی کامیابی تھی......اور وہ آئندہ پیش آنے والے واقعات سے ایک خاص

لذت محسوس کر رہا تھا۔

آخر طویل بحث و مباحثے کے بعد صلاح الدین ایوبی نے امیر عزالدین اور ملک عادل کے مشورے سے سلطان ملک صالح کے خط کا جواب اپنے قلم سے تحریر کیا۔

"مجھے نہایت افسوس ہے کہ سلطان معظم نے میری وفاداری اور عقیدت پر بدترین شک کیا۔ بلکہ میرے جذبات کا خون ہی کر ڈالا..... شاید آپ کو معلوم نہیں کہ میرے اور سلطان عادل کے درمیان ایک معاہدہ تھا کہ میں اپنی جان دے کر بھی ان کے ورثے کی حفاظت کروں گا۔ اس وراثت میں آپ کا بھی ایک مناسب حصہ ہے۔ مگر زیادہ حصہ ان اہلِ ایمان کا ہے جو نہایت کمزور اور مفلوک الحال ہیں۔ آپ جب بھی دمشق تشریف لائیں گے، میری آنکھوں کو فرشِ راہ پائیں گے۔ خادم کی طرف سے معذرت قبول فرمائیے..... نہ تو میں دمشق چھوڑ کر مصر واپس جا سکتا ہوں..... اور نہ سلطان معظم کی خدمت میں حاضر ہو سکتا ہوں۔"

......}......☆......{......

دوسرے دن صبح ہوتے ہی سلطان ملک صالح کا قاصد حلب کی طرف روانہ ہوا۔ اور صلاح الدین ایوبی نے اپنے ایک نائب سپہ سالار کو حکم دیا کہ وہ برق رفتاری کے ساتھ مصر پہنچے۔ اور اپنے ساتھ دس ہزار منتخب سوار لے کر شام کے مضافاتی علاقے میں دوبارہ اس سے آ ملے، امیر عزالدین اور ملک عادل نے صلاح الدین ایوبی کے اس حکم کو بڑی حیرت سے سنا..... مگر اپنے امیر کے ارادوں کو سمجھنے سے قاصر رہے۔

پھر جب صلاح الدین ایوبی کا جواب حلب پہنچا تو گمشت گین اور دوسرے غدار امراء کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا..... وہ اپنے منصوبے میں بڑی آسانی سے کامیاب ہو گئے تھے۔

سلطانِ ذیشان! میں نے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ غلام زادہ غلام زادہ ہوتا ہے۔ زبانی جمع خرچ ہو تو یہ بڑھ چڑھ کر بولتے ہیں..... مگر جب آزمائش کا وقت آتا ہے تو پشت دکھا دیتے ہیں۔ جیسا کہ صلاح الدین نے کیا۔ میری ناچیز رائے کے مطابق آپ کو دمشق پر فاتحہ پڑھ لینی چاہئے۔"

سلطان ملک صالح نے ایک بار پھر اسی حماقت اور نادانی کا مظاہرہ کیا..... اگر کوئی مخلص اور دانشمند امیر ہوتا تو اس نوعمر حکمران کو یہ نکتہ سمجھاتا کہ صلاح الدین ایوبی اب بھی اس کا وفادار ہے۔ مگر بدقسمتی سے سلطان ملک صلاح کے تمام امیر و مشیر نہایت خود غرض اور بے رحم انسان تھے۔ ہر شخص اپنی اپنی بساط کے مطابق ملک صالح کی ناتجربہ کاری سے کھیل رہا تھا۔ اور اپنی جاگیر میں توسیع کے منصوبے بنا رہا تھا۔

گمشت گین کی باتیں سن کر سلطان ملک صالح کو غصہ آ گیا..... اور اس نے چیخ کر تمام امراء کو مخاطب کرتے ہوئے کہا..... "کیا تم میں کوئی ایسا نہیں ہے جو اس غلام زادے کو اس سرکشی کی سزا دے سکے۔"

یہ بڑا مشکل سوال تھا۔ سلطان ملک صالح کے تمام امراء شرابی، بدکار اور بزدل تھے۔ کسی میں اتنی

ہمت نہیں تھی کہ وہ میدان جنگ میں صلاح الدین کے مقابل کھڑا بھی ہو سکے۔ سلطان ملک صلاح کا سوال سن کر سارے امراء کی گردنیں جھک گئی تھیں۔ اور آنکھیں دربار کے فرش پر گڑی ہوئی تھیں۔ آخر ہمت کر کے امیر قطب الدین بن حسان اپنی جگہ کھڑا ہوا اور پرجوش لہجے میں بولا......

"سلطان معظم! ہماری بنیادی غلطی یہ ہے کہ ہم برابری کی سطح پر صلاح الدین سے گفتگو کر رہے ہیں۔"

"پھر کیا ہونا چاہئے؟" سلطان ملک صالح نے انتہائی تند و تیز لہجے میں کہا۔

"آپ ایک بار اس کے سامنے اپنی آقائیت کا بھرپور مظاہرہ کریں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ خوف زدہ ہو جائے گا اور پھر ہمیشہ کے لئے آپ کے سامنے گھٹنے بھی ٹیک دے گا اور سر بھی......" امیر قطب الدین بن حسان نے مشورہ دیتے ہوئے کہا..... امیر قطب الدین ملک صالح کا رشتے دار بھی ہوتا تھا۔

پھر طویل بحث و تمحیص کے بعد صلاح الدین کے نام دوسرا خط تحریر کیا گیا...... اور خود امیر قطب الدین بن حسان خط لے کر دمشق کی طرف روانہ ہوا۔

جب صلاح الدین ایوبی نے یہ خبر سنی تو وہ اپنے پانچ سو بہترین سوار لے کر امیر قطب الدین بن حسان کا پرجوش استقبال کرنے کے لئے دمشق کی حدود سے باہر نکلا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ امیر قطب الدین خاندان زنگی کا ایک معزز فرد تھا۔ اور اپنے آقا کی نسبت سے صلاح الدین ایوبی پر اس کا احترام فرض تھا۔ امیر قطب الدین بن حسان کے ساتھ بھی پچاس مسلح سوار تھے

جب دونوں کا آمنا سامنا ہوا تو صلاح الدین ایوبی نے اسلامی رسم کے مطابق بہ آواز بلند "السلام علیکم ورحمتہ اللہ" کہا..... اور گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ امیر قطب الدین بن حسان کے ماتھے پر بل پڑے ہوئے تھے..... اور چہرے سے انتہائی کبر و غرور کا رنگ جھلک رہا تھا، اس نے صلاح الدین ایوبی کے سوال کا جواب ٹیڑھی گردن کے اشارے سے دیا...... اور گھوڑے کی پشت پر بیٹھا رہا۔

صلاح الدین ایوبی نے امیر قطب الدین بن حسان کے تیوروں سے اندازہ کر لیا کہ سلطان ملک صلاح کا یہ رشتے دار قاصد کس ارادے اور نیت کے ساتھ دمشق آیا ہے۔ نتیجتاً وہ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہو گیا..... اور امیر قطب الدین کو اپنے ہمراہ لے کر محل چلا گیا..... پھر صلاح الدین نے حلب کے خصوصی سفیر کو ایک انتہائی آراستہ کمرے میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے ٹھہرایا۔ اور خدمت گاروں کو ہدایت دی کہ وہ امیر قطب الدین بن حسان کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں۔

امیر قطب الدین اپنی خاندانی عظمت کے نشے میں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ صلاح الدین ایوبی دوبارہ اس کی خدمت میں حاضر ہو گا اور خوشامدانہ رویہ اختیار کرے گا..... مگر صلاح الدین نے اس کمرے کی طرف رخ بھی نہیں کیا..... پھر جب رات کے کھانے کے لئے امیر قطب الدین کے سامنے دستر خوان بچھایا گیا تو اس وقت بھی صلاح الدین ایوبی موجود نہیں تھا۔ یہ صورتحال دیکھ کر امیر قطب الدین نے خدمت گاروں سے کہا......

"یہ کونسا طریقہ ہے مہمان نوازی کا کہ میزبان غائب ہے۔" امیر قطب الدین کا لہجہ تحقیر آمیز تھا۔
صلاح الدین ایوبی نے اپنے خدمت گاروں کو پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ انہیں اس سوال کا کیا جواب دینا ہے؟ "ہمارے امیر ہر شخص کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے۔" امیر قطب الدین بن حسان پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ پھر اس نے خدمت گاروں کو انتہائی درشت لہجے میں مخاطب کر کے کہا۔ "اپنے امیر کو جا کر بتا دو کہ ہم کھانے سے پہلے شراب پینے کے عادی ہیں۔ فوری طور پر ہمارے لئے بہترین شراب کا انتظام کیا جائے۔"

"محترم مہمان کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے امیر شراب کو حرام سمجھتے ہیں۔ اور اس جرم کی سزا 80 کوڑے ہیں۔ جس میں امیر و غریب کی کوئی تخصیص نہیں۔" ایک خدمت گار نے ادب کے ساتھ جواب دیا مگر اس کے لہجے سے ایک مسلمان کا وقار جھلک رہا تھا۔
یہ سن کر امیر قطب الدین کا غصہ اور بھی بھڑک اٹھا...... اس نے چیخ کر کہا...... "اپنے امیر سے کہو کہ ہم اسی وقت اس سے ملنا چاہتے ہیں۔"
دوسرے امیر نے معذرت خواہانہ لہجے میں جواب دیا۔ "ہمارے امیر بہت ضروری سرکاری کاموں میں مصروف ہیں۔ یہ ملاقات تین دن بعد ہو سکے گی۔"
امیر قطب الدین اور اس کے فوجی خدمت گاروں نے اس طرح کھانا کھایا کہ جیسے وہ بھیک میں دی ہوئی غذا کھا رہے ہوں۔ دوسرے دن امیر قطب الدین نے صلاح الدین ایوبی سے ملنا چاہا ...... مگر اسے جواب دیا گیا کہ کہ ایک دن گزر گیا، ابھی دو دن باقی ہیں امیر قطب الدین کا غصہ اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا۔ اس نے صلاح الدین ایوبی کے خدمت گاروں سے کہا۔ "اپنے امیر کو جا کر بتا دو کہ ہم حلب واپس جا رہے ہیں اور اس طرح ہماری واپسی کے نتائج بہت ہی خطرناک ہوں گے۔"
تھوڑی دیر بعد ایک خدمت گار نے قطب الدین بن حسان کو بتایا۔ "ہمارے امیر فرماتے ہیں کہ اگر آپ جانا چاہتے ہیں تو تشریف لے جائیں۔ سپاہی آپ کو دمشق کی سرحد تک بحفاظت چھوڑ آئیں گے۔"

اب امیر قطب الدین بن حسان کو اندازہ ہو گیا تھا کہ بات بہت زیادہ بگڑ چکی ہے۔ مگر وہ اتنا مجبور تھا کہ صلاح الدین ایوبی سے ملاقات کئے بغیر حلب واپس بھی نہیں جا سکتا تھا۔

......}......☆......{......

پھر تیسرے دن صلاح الدین ایوبی نے امیر قطب الدین حسان کو تنہا کمرے میں بلایا...... امیر قطب الدین کے چہرے پر غیظ و نفرت کا رنگ نمایاں تھا مگر صلاح الدین ایوبی کے ہونٹوں پر ایک مخصوص مسکراہٹ تھی جس میں طنز و حقارت کے بجائے صبر و تحمل کی جھلک موجود تھی۔ خلاف عادت صلاح الدین ایوبی امیر قطب الدین کے احترام میں کھڑا بھی نہیں ہوا۔ سلطان ملک صالح کے سفیر خاص کو اب بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ صلاح الدین ایوبی اسے مسلسل نظر انداز کر رہا ہے، اس لئے وہ بھی کھڑا رہا اور اس نے اسی حالت میں وہ خط صلاح الدین ایوبی کی طرف بڑھا دیا جو حلب کے تمام

امراء کے مشورے سے تحریر کیا گیا تھا۔
"اسے پڑھ اور فوراً جواب دے۔" امیر قطب الدین حسان نے صلاح الدین ایوبی کو اس طرح مخاطب کیا جیسے کوئی آقا سخت نفرت و غضب کے عالم میں اپنے غلام کو پکار رہا ہو۔
صلاح الدین نے مسکراتے ہوئے امیر قطب الدین کے ہاتھ سے خط لے لیا اور بیٹھے بیٹھے بلند آواز میں خود ہی پڑھنے لگا۔
"جن تلواروں نے تجھے مصر کا مالک بنایا تھا وہ ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ اور جن نیزوں کی مدد سے تو مصر کی عمارتوں پر قابض ہوا، وہ ہمارے کاندھوں پر ہیں۔ جن لوگوں نے تجھے مصری لشکر سے بچایا تھا، اب وہ تجھے دمشق سے نکالیں گے۔ اگر تو اپنی خاندانی حیثیت بھول گیا ہے تو ہم تجھے یاد دلائیں کہ تو سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے غلاموں میں ایک ادنیٰ غلام تھا۔ اور تجھ پر اپنے آقا زادے کی اطاعت فرض تھی۔"
خط پڑھنے کے بعد صلاح الدین ایوبی نے ان مہروں کو بہت غور سے دیکھا جو خط پر ثبت کی گئی تھیں۔ یہ تمام مہریں حلب کے امراء کی تھیں، ان میں کوئی مہر سلطان ملک صلاح کی نہیں تھی۔
"تو نے خط پڑھ لیا؟" امیر قطب الدین بن حسان کا لہجہ بدستور ذلت آمیز تھا۔ اس سے پہلے کہ میں حلب کا رخ کروں تو اپنے گھوڑوں کی لگام مصر کی طرف موڑ لے۔"
صلاح الدین ایوبی نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ پورے اطمینان کے ساتھ اس خط کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرتا رہا۔ والیٔ مصر کا یہ طرز عمل دیکھ کر امیر قطب الدین بن حسان اپنا سارا غصہ بھول گیا تھا۔ اور حیرت کی شدت سے آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔ پھر جب اس کی یہ کیفیت زائل ہوئی تو امیر قطب الدین بن حسان نے وہی ذلت آمیز رویہ اختیار کیا اور صلاح الدین ایوبی کو بدترین گالیاں دینے لگا۔ والیٔ مصر نے انتہائی ضبط و تحمل سے کام لیا۔ اور اپنے خدمت گار کو آواز دی۔
دوسرے ہی لمحے ایک دراز قامت اور مسلح خدمت گار حاضر ہوا۔ اور اپنے فرمانروا کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ والیٔ مصر کے حکم کا منتظر تھا۔
صلاح الدین ایوبی نے اپنا زاویہ بدلا اور کھڑا ہو گیا۔ اب اسکے چہرے پر ناگواری اور تلخی کا رنگ نمایاں تھا۔ "تم لوگوں نے میرے ساتھ جو ظالمانہ بلکہ کافرانہ رویہ اختیار کیا ہے اس کی کم سے کم سزا یہ تھی کہ میں تمہارا منہ کالا کر کے دمشق کی حدود سے نکال دوں...... اور زیادہ سے زیادہ یہ کہ تمہاری گردن کاٹ دوں...... اور تلوار کی نوک سے پیشانی پر تحریر کر دوں کہ...... یہ تمام امراء کی طرف سے لکھے ہوئے خط کا جواب ہے۔" اتنا کہہ کر صلاح الدین ایوبی کمرے سے جانے لگا۔ پھر یکایک پلٹا اور امیر قطب الدین بن حسان کو انتہائی تلخ لہجے میں مخاطب کر کے بولا۔
"اپنے اعلیٰ نسب ساتھیوں کو بتا دینا کہ آئندہ اس غلام زادے کی زبان نہیں، تلوار بات کرے گی۔" یہ کہہ کر صلاح الدین ایوبی تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل گیا...... اور امیر قطب الدین بن حسان پر سکتے کی اتنی شدید کیفیت طاری ہو گئی کہ وہ پتھر کا انسان نظر آنے لگا۔

......}......☆......{......

پھر جیسے ہی امیر قطب الدین دمشق کی حدود سے باہر نکلا، ایک برق رفتار قاصد داخل ہوا...... یہ مصر کے سالار عبداللہ قریشی کا ایک خصوصی خط لے کر آیا تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے اپنی عدم موجودگی میں مصر سے دمشق تک سفارت کا زبردست انتظام کیا تھا۔ اسے اپنی مملکت کی تازہ بہ تازہ خبریں بروقت موصول ہوتی رہیں۔ سالار عبداللہ قریشی نے اپنے خط کے ذریعے شاہ یروشلم اموری کے مرنے کی خبر دی تھی...... صلاح الدین اپنے ذاتی دشمن کی موت پر بھی خوش نہیں ہوتا تھا...... مگر شاہ اموری نہایت متعصب اور سب سے بڑا اسلام دشمن حکمراں تھا۔ اس لئے اس کی موت پر صلاح الدین ایوبی کو کسی قدر خوشی ہوئی اور بے اختیار اس کی زبان سے یہ قرآنی آیت ادا ہوئی۔ ”ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔“

شاہ اموری کی موت ایک ناگہانی موت تھی۔ اسکندر اور بانیاس میں صلیبیوں کی شکست فاش سے شاہ یروشلم کو شدید صدمہ پہنچا تھا۔ پھر اس نے کاہن بطریق کو تنہائی میں طلب کر کے اس شعبدہ باز سے پوچھا تھا...... جب سے تو فرانس چھوڑ کر یروشلم آیا ہے، مسلسل صلیبیوں کی فتح کی پیش گوئیاں کر رہا ہے۔ مگر عیسائی لشکر ہر محاذ پر شکست کھا رہا ہے یا تو تیرا علم جھوٹا ہے اور تو یسوع مسیح کے نام پر ہم لوگوں کو بے وقوف بنا رہا ہے۔ یا پھر یہ تیرے منحوس قدموں کا اثر ہے کہ صلیبی مسلسل مسلمانوں سے مار کھا رہے ہیں۔“

کاہن بطریق نے اپنی جان بچانے کے لئے بہت بہانے تراشے۔ مگر شاہ یروشلم اموری نے کاہن بطریق کی ایک نہیں سنی اور اسے قید خانے میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ”اگر واقعی تیرے اندر روحانیت ہے تو قید خانے کے دروازے اور پیروں میں پڑی ہوئی زنجیریں توڑ کر نکل جا۔“

کاہن بطریق نے شاہ یروشلم کو بہت ڈرایا کہ وہ اس کی دل آزاری سے باز آجائیں۔ ورنہ خداوند یسوع مسیح شہنشاہ کو معاف نہیں کریں گے۔“

شاہ اموری نے بطریق کی باتوں کا کوئی اثر قبول نہیں کیا اور اس پر سخت پہرے بٹھا دیئے۔ شاہ یروشلم بطریق سے اس قدر ناراض تھا کہ اگر درمیان میں شہنشاہ فرانس لوئیس ہفتم نہ ہوتا تو اب تک وہ اس جھوٹے کاہن کو قتل کرا چکا ہوتا۔

شاہ اموری بہت ہوس پرست اور بلانوش انسان تھا۔ ایک دن اس پر وحشت طاری تھی۔ صلاح الدین ایوبی نے اسکندریہ اور بانیاس کے محاذوں پر اسے جس طرح ذلیل کیا تھا، ان دونوں واقعات نے عیسائی دنیا میں شاہ اموری کی ساکھ کو شدید نقصان پہنچایا تھا۔ شہنشاہ جرمنی کانرڈ سوم، شہنشاہ فرانس، شاہ قسطنطنیہ اور انگلستان کی ملکہ ایلیزا نے اموری کو کم و بیش ایک ہی مضمون کے خطوط تحریر کئے تھے۔

”تم نے یروشلم کی تخت نشینی کے وقت تمام عیسائی دنیا سے وعدہ کیا تھا کہ تم بہت جلد مسلمانوں سے صلیبی جنگوں کی شکست کا انتقام لو گے۔ اس سلسلے میں تمہیں ہر قسم کی جنگی اور مالی مدد فراہم کی گئی تھی۔

مگر تم اپنے وعدوں کی تکمیل نہ کر سکے۔ بلکہ تمہارا وجود صلیبیوں کی رسوائی کا سبب بنتا جا رہا ہے۔ تم نے یہ بھی کہا تھا کہ سلطان نور الدین زنگی کی موت کے بعد اسلامی ریاستیں عیسائیوں کے لئے ایک تر نوالہ ثابت ہوں گی۔ مگر تم صلاح الدین ایوبی جیسے ناتجربہ کار سالار سے دو بار شکست کھا چکے ہو۔ اب تمہارے سامنے دو ہی راستے ہیں یا تو فوری طور پر صلیبیوں کا گم شدہ وقار دوبارہ بحال کرنے کے لئے صلاح الدین کو شکست دو...... یا پھر یروشلم کے تخت سے دستبردار ہو کر گوشہ گمنامی میں چلے جاؤ تا کہ ہم یروشلم کی حکمرانی کے لئے ایسے جانباز شخص کا انتخاب کر سکیں جو عیسائیت کے نام پر سب کچھ قربان کر دینے کا حوصلہ رکھتا ہو۔“

ان خطوط نے شاہ اموری کو بدحواس کر دیا تھا اور اسے صاف نظر آرہا تھا کہ وہ بہت جلد اقتدار سے محروم کر دیا جائے گا۔ اس اذیت ناک احساس سے نجات پانے کے لئے اموری دن رات شراب کے نشے میں غرق رہتا تھا۔ پھر ایک دن شدید سردی کے موسم میں شاہ اموری نے معمول سے زیادہ شراب پی۔ اور اپنا اضطراب دور کرنے کے لئے کھلی ہوا میں محل کی چھت پر ٹہلنے لگا۔ پھر اچانک اس پر بیک وقت سرسام اور فالج کا خوفناک حملہ ہوا طبی امداد پہنچائی گئی۔ مگر دوسرے دن شاہ اموری مسلمانوں کو شکست فاش دینے اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر قبضہ کرنے کی خواہش دل میں لئے دنیا سے رخصت ہو گیا۔

اموری کے انتقال کے وقت اس کا بیٹا بمشکل دس گیارہ سال کا ہو گا۔ اسی کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔ بڑا عجیب اتفاق تھا۔ مسلمانوں میں سب سے زیادہ طاقتور حکمراں سلطان نور الدین محمود زنگی تھے۔ اور انتقال کے وقت ان کے بیٹے ملک صالح کی عمر بھی گیارہ سال تھی۔ شاہ اموری کی ناگہانی موت اور سلطان ملک صالح کا امرائے حلب کے فریب میں آجانا۔ دو بہت بڑے واقعات تھے، جس نے تاریخ کا رخ موڑ دیا تھا۔

......}......☆......{......

امیر قطب الدین بن حسان کے جاتے ہی صلاح الدین ایوبی نے اپنے چھوٹے بھائی ملک عادل کو دمشق کا نگراں بنایا...... اور خود ایک ہزار جانبازوں کا دستہ لے کر شام کی طرف روانہ ہوا۔ پھر اس نے برق رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ کر ”حمص“ پر قبضہ کر لیا۔ حمص کے قلعے دار نے وفاداری کا حلف اٹھایا تو صلاح الدین ایوبی حماہ کی طرف بڑھا۔ حماہ کا قلع دار اس راز سے واقف تھا کہ سلطان عادل صلاح الدین ایوبی کو کس قدر چاہتے تھے اس لئے وہ نیاز مندانہ انداز میں باہر آیا اور قلعہ صلاح الدین کے حوالے کر دیا۔

گمشتگین اور دوسرے غدار امراء کے ساتھ سلطان ملک صالح کو بھی صلاح الدین ایوبی کی پیش قدمی کی خبریں مل رہی تھیں۔ اس لئے سب کے سب پریشان نظر آ رہے تھے۔ اور مسلسل سوچ رہے تھے کہ اس طوفان کو کیسے روکا جائے۔

حماہ پر قابض ہونے کے بعد صلاح الدین ایوبی کے سالار امیر عزالدین نے عرض کیا...... ”اگر

آپ اجازت دیں تو میں ایک سفیر کی حیثیت سے حلب چلا جاؤں..... خط وکتابت کے مقابلے میں روبرو گفتگو زیادہ اثر انگیز ہوتی ہے۔ آخری کوشش کر کے دیکھ لیتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ سلطان معظم ان غداروں کے نرغے سے نکل آئیں۔ اور سلطنت نوریہ تباہی و بربادی سے بچ جائے۔"

صلاح الدین ایوبی نے اجازت دے دی مگر امیر عزالدین جیسے ہی حلب کی حدود میں داخل ہوا، اسے گمشت گین کے حکم پر گرفتار کر کے ایک اندھے کنویں میں قید کر دیا گیا۔ صلاح الدین ایوبی اپنے سفیر کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا اور ادھر تمام غدارانِ سلطنت نادان ملک صالح کو میدان میں لے آئے تھے۔ جہاں ہزاروں باشندے جمع تھے۔ اور اپنے سلطان کی تقریر سننے کے لئے بے چین تھے۔ ملک صالح اپنے امیروں کے درمیان گھرا ہوا میدان میں داخل ہوا۔ یہ نمک حرام لوگ بڑی عیاری کے ساتھ عاقبت نااندیش حکمراں کو طوطے کی طرح ایک مخصوص سبق یاد کرا کے لائے تھے۔

سلطان ملک صالح ایک اونچی جگہ پر کھڑا ہوا اور رو رو کر ہجوم سے خطاب کرنے لگا۔ "اے حلب کے باشندو! میری بات غور سے سنو..... تم میں جو بڑے ہیں، وہ میرے باپ کی جگہ ہیں۔ اور جوان میرے بھائی ہیں..... میرے والد محترم کے احسانات یاد کرو..... اور مجھے احسان فراموش صلاح الدین سے نجات دلاؤ..... جو میری جاگیروں پر قبضہ کرتا ہوا حلب کے قریب آپہنچا ہے۔"

سلطان ملک صالح کی فریاد سن کر سادہ لوح عوام بھی رونے لگے۔ پھر "باب الغراق" کا میدان پر شور اور جذباتی نعروں سے گونجنے لگا۔

"سلطان معظم! ہم یقین دلاتے ہیں کہ اگر نمک حرام صلاح الدین حلب میں داخل ہوا تو ہماری لاشوں سے گزر کر جائے گا ورنہ خود اس کی لاش یہاں سے واپس جائے گی۔"

نادان ملک صالح اہلِ حلب کے پرجوش نعروں سے بہت متاثر ہوا۔ اور اسے یقین آگیا کہ صلاح الدین ایوبی حلب کی حدود میں داخل نہ ہو سکے گا اور اگر اس نے یہ غلطی کی تو سلطنت نوریہ کے وفاداروں کی خونریز تلواریں صلاح الدین ایوبی کے لہو سے اپنی پیاس بجھائیں گی۔ سلطان ملک صالح حقیقتاً صلاح الدین کی لاش ہی دیکھنا چاہتا تھا۔ کیونکہ گمشت گین اور امیر قطب الدین بن حسان جیسے فتنہ گر غداروں نے نوعمر حکمراں کے ذہن میں یہ بات نقش کر دی تھی کہ صلاح الدین کی موت ہی سلطنت نوریہ کی زندگی ہے۔

واضح رہے کہ حلب کے باشندوں میں "باطنیوں" کی اکثریت تھی۔ اگرچہ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے تعاون سے صلاح الدین ایوبی نے مصر میں نہ صرف ان کا زور توڑ دیا تھا بلکہ اس بدعقیدہ اور اسلام دشمن قبیلے کی حکومت کا بھی خاتمہ کر دیا تھا۔ لیکن حلب اور شام میں اس گمراہ جماعت کا بہت زور تھا۔ مصر اور دمشق کے باطنی بھی فرار ہو کر حلب میں جمع ہو گئے تھے۔ پھر ان سب فتنہ گروں نے مل کر سلطان ملک صالح کی کمزوری سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

ملک صالح کی تقریر سننے کے بعد باطنیوں کے سربراہ ابن قرمطہ نے سلطان سے ملاقات کی۔ اس وقت گمشت گین اور امیر قطب الدین بن حسان کے علاوہ کچھ اور خود غرض امراء بھی موجود تھے۔

"ہم چاہتے ہیں کہ سلطان عادل نے ہماری مذہبی رسموں پر جو پابندیاں عائد کی تھیں، وہ فی الفور اٹھالی جائیں۔" ابن قرمطہ نے نہایت عیاری کے ساتھ اپنی چال چلی۔

"میں والد محترم کے قائم کردہ اصولوں میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکتا۔" سلطان ملک صالح نے سوچے سمجھے بغیر جواب دیا۔

ابن قرمطہ بھی بڑا چالاک انسان تھا۔ وہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر کھڑا ہو گیا۔ "جب ہم آزادی کے ساتھ اپنی مذہبی رسمیں ادا نہیں کر سکتے تو پھر ہمارا عدم و وجود برابر ہے۔" ابن قرمطہ کے لہجے سے شدید اداسی جھلک رہی تھی۔ "سلطان عادل تو ہمیں پہلے ہی قیدی بنا چکے ہیں۔ اب اگر صلاح الدین ایوبیؒ حلب میں داخل ہو کر ہمیں قتل کر دے۔ اور ہماری جاگیروں کو آگ لگا دے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اب ہم کسی معاملے میں نہیں بولیں گے۔" ابن قرمطہ نے در پردہ یہ دھمکی دیدی تھی کہ اگر صلاح الدین ایوبی نے حلب پر حملہ کیا تو کوئی باطنی سلطان ملک صالح کا ساتھ نہیں دے گا۔

یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔ سلطان ملک صالح کا گھبرا جانا تو ایک فطری امر تھا کہ وہ سیاست کے پیچ وخم سے ناآشنا تھا۔ مگر گمشت گین اور امیر قطب الدین بن حسان جیسے گرگ باراں دیدہ بھی پریشان نظر آنے لگے۔ باطنیوں کے ساتھ نہ دینے کا ایک ہی مفہوم تھا کہ دمشق کی طرح حلب بھی آسانی کے ساتھ صلاح الدین ایوبی کے قبضے میں چلا جائیگا۔ اور پھر غدار امراء گھر کے رہیں گے، نہ گھاٹ کے۔

جیسے ہی ابن قرمطہ جانے کے لئے کھڑا ہوا، گمشت گین نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ابھی بات مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی ہے۔ ہمیں کچھ سوچنے کا موقع دیا جائے۔"

"آپ حضرات خوب غور کر لیں۔ مگر اس کا خیال رہے کہ ہماری شرائط میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔" ابن قرمطہ نے نرم لہجے میں ایک اور دھمکی دی۔ پھر اس کے ساتھ ہی کمرے سے نکل کر چلا گیا۔

سلطان ملک صالح تو جانتا بھی نہیں تھا کہ باطنی کس قدر خوفناک لوگ ہیں اور سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے ان کی مذہبی رسموں پر پابندی کیوں لگائی ہے۔ لیکن گمشت گین اور دوسرے امراء اس تخریب کار جماعت کی نیتوں اور ارادوں سے خوب باخبر تھے۔ ان لوگوں نے سلطان ملک صالح کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

"جس قدر جلد ممکن ہو، اس جماعت پر عائد کردہ ساری پابندیاں ہٹالی جائیں۔ ہم اس وقت صلاح الدین ایوبی کے ساتھ حالت جنگ میں ہیں۔ اور جب فضا اس قدر سنگین ہو جائے تو پھر مصلحتاً دشمن کو بھی دوست کہنا پڑتا ہے۔"

"آخر اس جماعت کے لوگ کون ہیں۔ اور وہ کیسی پابندیاں ہیں؟" سلطان ملک صالح شدید حیرت کے عالم میں اپنے ہر امیر کا منہ دیکھ رہا تھا۔

عیار گمشت گین نے اس موقع پر زبردست حاضر دماغی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "سلطان عادل نے سیاسی مصلحت سے کام لیتے ہوئے یہ پابندیاں عائد کر دی تھیں۔ اب سیاست کا تقاضا یہ ہے کہ آپ وہ پابندیاں ہٹالیں۔ جیسے ہی ہمارا مطلب نکل جائے گا یعنی ہم صلاح الدین ایوبی پر قابو پا

لیں گے، وہی پابندیاں دوبارہ عائد کر دی جائیں گی۔ یہ تو شطرنج کے مہروں کا کھیل ہے۔ حسب ضرورت انہیں بساط پر گردش دی جاتی ہے۔ ان کے محاذ اور مورچے بدلے جاتے ہیں۔ اور کبھی کبھی انہیں کٹوا بھی دیا جاتا ہے۔"

سلطان ملک صالح گمشت گین اور دوسرے امراء کی اس پیچیدہ چال کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ اور اسی روز ابن قرمطہ کو بلا کر کہہ دیا گیا۔ "تم اپنی مذہبی رسمیں ادا کرنے میں مکمل طور پر آزاد ہو۔ مگر اس کے بدلے میں تمہیں اپنی حب الوطنی کا ثبوت دینا ہوگا۔"

ابن قرمطہ انتہائی چرب زبان شخص تھا۔ "سلطان معظم! آزمائش کی وہ گھڑی تو آنے دیجئے۔ میری جماعت کا ایک ایک فرد سلطان کی آبرو اور وطن کے ناموس پر کٹ مرے گا۔"

فوراً ہی یہ خبر شام بھی پہنچ گئی۔ وہاں خفیہ طور پر ایک جشن خاص منایا گیا۔ جی بھر کے شراب پی گئی۔ اور بدمستی کے عالم میں نعرے لگائے گئے۔

"اب وقت آ گیا ہے، سلطان نور الدین محمود زنگی سے انتقام لینے کا۔ ہم ملک صالح کو پھانسی دے کر اس کی لاش چوراہے پر لٹکائیں گے۔ اور سلطان نور الدین زنگی، کی قبر کھود کر اس کی ہڈیاں آگ میں جلائیں گے۔"

......}......☆......{......

ادھر یہ فتنہ گر مسلمانوں کا لباس پہن کر ملت اسلامیہ کے خلاف بدترین سازش کر رہے تھے۔ اور ادھر صلاح الدین ایوبی اپنے سفیر امیر عز الدین کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ پھر جب ایک ہفتہ اسی کشمکش اور انتظار میں گزر گیا تو صلاح الدین ایوبی نے اپنا دوسرا سفیر بھیجا۔ وہ ہر حال میں اپنے آقا زادے سلطان ملک صالح کو غدار امراء کے آہنی پنجوں سے نکالنا چاہتا تھا۔ گمشت گین نے صلاح الدین ایوبی کے دوسرے سفیر کو بھی گرفتار کر کے اندھے کنویں میں ڈالنا چاہا۔ مگر امیر قطب الدین بن حسان نے اسے منع کیا۔

"اگر ہم اسی طرح صلاح الدین کے ہر سفیر کو گرفتار کر کے کسی کنویں میں قید کرتے رہے تو وہ شک میں مبتلا ہو جائیگا۔ بہتر یہی ہے کہ اس سفیر کو سلطان سے ملا دو۔ سفارت کا انجام تو وہی ہوگا، جو ہم چاہیں گے۔"

بالآخر صلاح الدین ایوبی کے دوسرے سفیر کو سلطان ملک صالح کے سامنے پیش کر دیا گیا۔

جب صلاح الدین ایوبی کے نئے سفیر نے امیر عز الدین کے بارے میں پوچھا تو ملک صالح نے گورنر حلب گمشت گین کی طرف دیکھا۔ واضح رہے کہ بدترین خوشامد کے صلے میں عاقبت نا اندیش ملک صالح نے گمشت گین کو حلب کا گورنر بنا دیا تھا۔ اب وہ بدکار و عیار انسان ریاست کے سفید و سیاہ کا مالک تھا۔

گورنر گمشت گین نے اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا۔ "عز الدین نام کا کوئی شخص حلب کے دربار تک نہیں پہنچا۔"

نئے سفیر نے یہ اطلاع بڑی حیرت کے ساتھ سنی مگر خاموش رہا۔ پھر اس نے خواہش ظاہر کی کہ وہ سلطان سے کچھ دیر کے لئے تنہائی میں ملنا چاہتا ہے۔ صلاح الدین کے نئے قاصد کی بات سن کر گمشت گین اور قطب الدین نے شدید حیرت کے انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر فوراً ہی امیر قطب الدین بن حسان صلاح الدین کے قاصد سے مخاطب ہوا۔

"سلطان ذیشان، اپنے ہم منصب لوگوں کو خلوت میں شرف باریابی عطا کرتے ہیں۔ سفیر کا فرضِ منصبی صرف اتنا ہے کہ وہ وقت ضائع کئے بغیر اپنے آنے کا مقصد بیان کر دے۔" گمشت گین اور امیر قطب الدین دمشق کے سفیر کو تنہائی کی ملاقات سے اس لئے روکنا چاہتے تھے کہ صلاح الدین ایوبی نے یقینی طور پر کوئی خاص پیغام سلطان ملک صالح کے لئے بھیجا ہے۔ اور وہ پیغام ان امراء کے حق میں نہیں ہو سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ امیر عز الدین کو سلطان کی خلوت میں پہنچانے کے بجائے اندھے کنویں کی اذیت ناک تنہائی میں پہنچا دیا تھا۔

آخر صلاح الدین ایوبی کا قاصد سب کے سامنے اپنا مقصد بیان کرنے پر مجبور ہو گیا۔ "والیٔ مصر کی خواہش ہے کہ مسلمان آپس کی خونریزی سے محفوظ رہیں اور مکمل یکجہتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، کاندھے سے کاندھا ملا کر، اپنے سب سے بڑے دشمن صلیبیوں کے خلاف صف آراء ہو جائیں۔"

اس سے پہلے کہ سلطان ملک صالح صلاح الدین کے قاصد کی بات کا جواب دیتا، گمشت گین درمیان میں بول اٹھا۔ "یہ انداز سفارت نہیں، کھلی منافقت ہے۔"

گورنر حلب گمشت گین کی یہ دریدہ دہنی دیکھ کر صلاح الدین ایوبیؒ کے قاصد کو شدید رنج پہنچا۔ اور انتہائی قوت برداشت کا مظاہرہ کرنے کے باوجود اس کے چہرے سے ناگواری اور لہجے سے تلخی جھلکنے لگی۔ "والیٔ مصر ایک سچے اور دیانت دار انسان ہیں۔ جو کچھ ان کے دل میں ہوتا ہے، وہی زبان پر۔"

"تیرے بقول، اگر صلاح الدین سچا ہے تو اپنی دیانت داری کا ثبوت پیش کرے۔" ایک بار پھر گمشت گین نے مداخلت کی۔ "پہلے دمشق اور شام کے علاقے خالی کرے اور مصر واپس جائے۔ پھر وہاں سے اپنا سفیر حلب بھیجے۔"

"میں آپ سے گفتگو نہیں کر رہا ہوں۔" صلاح الدین ایوبی کے قاصد سعید الدین کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ "میں سلطان مکرم کے جواب کا انتظار کر رہا ہوں۔" اچانک سعید الدین کا لہجہ سخت ہو گیا تھا۔

ایک لمحے کے لئے گمشت گین بدحواس ہو گیا۔ مگر فوراً ہی اس نے نئی چال چلی اور سلطان ملک صالح کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"سلطان ذیشان! آپ نے ایک غلام ابن غلام کا لہجہ دیکھا۔ یہ سفارت نہیں ہے، اپنا حکم مسلط کرنے کی ابتدا ہے۔"

"گمشت گین ہماری زبان میں بول رہا ہے۔" سلطان ملک صالح ایک بار پھر غدار امراء کے فریب میں آ گیا تھا۔ "جو کچھ تم سے کہا جا رہا ہے اسے حرف بہ حرف صلاح الدین کے گوش گزار کر دو۔"

یہ منظر دیکھ کر کہ سلطان ملک صالح کو غدار امراء نے بری طرح اپنے جال میں جکڑ لیا ہے۔ قاصد سعید الدین کے چہرے پر شدید اذیت و کرب کا رنگ ابھر آیا۔ اور اس نے انتہائی عاجزانہ لہجے میں والئ حلب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''سلطان معظم! میں آپ کو حق تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ ملت اسلامیہ کے عظیم تر مفاد میں والئ مصر سے بالمشافہ گفتگو کر لیجئے۔ اگر آپ دمشق تشریف لانا نہیں چاہتے تو اپنی فوج کے ہمراہ دمشق اور حلب کے درمیانی علاقے میں چلے آیئے۔ اور پھر گفتگو کے لئے کسی مخصوص مقام کا انتخاب کر لیجئے۔ میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں کہ یہ ملاقات کتنی ضروری ہے؟''

اب کی بار امیر قطب الدین بن حسان نے مداخلت کی جو خاندان زنگی سے قریبی تعلق رکھتا تھا۔ ''اگر اس غلام زادے کو ملت اسلامیہ سے اتنی ہی محبت ہے تو وہ خود کیوں نہیں چلا آتا؟'' امیر قطب الدین بن حسان نے دوبارہ اپنی پرانی چال آزمائی۔

قاصد سعید الدین نے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ سلطان ملک صالح کو اپنی بات سمجھانے میں ناکام ہو چکا ہے اس لئے وہ کھڑا ہو گیا۔ مگر جاتے جاتے اس نے وہ خوف ناک راز بھی ظاہر کر دیا جسے وہ اب تک اپنے سینے میں چھپائے ہوئے تھا۔

''سلطان معظم! میں ایک مخلص اور وفادار کارندے کی حیثیت سے اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ آپ کو آنے والے طوفان کی ہولناکیوں سے باخبر کر دوں۔ وہ طوفان جو بدقسمتی سے آپ کو نظر نہیں آ رہا ہے۔''

یہ کہہ کر قاصد سعید الدین نے نفرت آمیز نظروں سے گمشت گین، امیر قطب الدین بن حسان اور دوسرے امراء کی طرف دیکھا۔ پھر انتہائی باوقار لہجے میں سلطان ملک صالح کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ ''میرے امیر صلاح الدین ایوبی زمین کے ایک ٹکڑے پر قبضہ کرنے کے لئے دمشق نہیں آئے ہیں۔ ان کی آمد کا ایک ہی مقصد ہے کہ وہ نمک حرام امیروں کی سازشوں کا پردہ چاک کر ڈالیں۔ اور آپ کی جان اور جاگیر کو دوست نما دشمنوں کی دراز دستی سے بچا سکیں۔'' یہ کہہ کر قاصد سعید الدین تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔ اس نے نہایت جرأت و بیباکی کے ساتھ اپنا فرض ادا کر دیا تھا۔

اگرچہ گمشت گین اور قطب الدین وغیرہ نے اپنی چرب زبانیوں اور عیاریوں کا مظاہرہ کر کے سلطان ملک صالح کو مطمئن کر دیا تھا۔ مگر قاصد سعید الدین کی بات سن کر وہ نادان حکمراں چونکا ضرور تھا۔

قاصد سعید الدین شدید ناکامی کی حالت میں دمشق کی طرف واپس جا رہا تھا۔ مگر گمشت گین کے اشارے پر اس وقت قتل کر دیا گیا، جب وہ حلب کی حدود سے نکل کر تھوڑی ہی دور گیا تھا۔ پھر اس کی لاش گھسیٹ کر جنگل کے ایک تاریک گوشے میں دفن کر دی گئی۔ صلاح الدین ایوبی کی سفارت مکمل طور پر ناکام ہو چکی تھی۔ اس کا ایک سفیر امیر عز الدین اندھے کنویں میں قید تھا اور دوسرا قاصد زیر خاک سو رہا تھا۔

..... } ..... ☆ ..... { .....

صلاح الدین ایوبی نے دوسرے دن تک قاصد سعید الدین کا انتظار کیا۔ مگر جب وہ واپس نہیں آیا تو پہلی بار اس کے چہرے پر نفرت و غضب کا رنگ ابھرا۔ پھر اس نے نماز ادا کی۔ اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔

''اے مالک ارض و سما! تو علیم و خبیر بھی ہے۔ اور سمیع و بصیر بھی۔ تجھے خوب معلوم ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ اور کیا سوچ رہا ہوں؟ اور تجھے یہ بھی پتا ہے کہ میں آئندہ کیا چاہوں گا۔ اور کیا سوچوں گا؟ پھر بھی اے کریم، مجھ پر کرم کر۔ اور میرے ہادی، مجھے ہدایت دے کہ میں کس راستے پر چلوں؟''

صلاح الدین ایوبی نے طویل دعا مانگی، اور پھر جب رات کو سویا تو اس نے امام شرف الدینؒ کو خواب میں دیکھا۔ آپ والئ مصر کو مخاطب کر کے فرما رہے تھے۔

''صلاح الدین! عمارت کی ان دیواروں کو گرا دو جنہیں دیمک کھا چکی ہے۔ اگر یہ دیواریں فوری طور پر منہدم نہیں کی گئیں تو دیمک بنیادوں میں بھی اتر جائے گی اور پھر اس کا کوئی علاج نہیں ہوگا۔'' اس کے ساتھ ہی امام شرف الدینؒ کا پُرنور چہرہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

فوراً ہی صلاح الدین ایوبی کی آنکھ کھل گئی۔ وہ بہت دیر تک اس خواب کی تعبیر پر غور کرتا رہا۔ دمشق میں ایسا کوئی بزرگ موجود نہیں تھا، جس سے صلاح الدین ایوبی اپنے خواب کے بارے میں مشورہ کرتا۔ پھر خود ہی اس نتیجے پر پہنچا کہ دیمک زدہ دیواروں سے امام شرف الدینؒ کی مراد حرص و ہوس کے مارے ان امراء سے ہے جو اپنے نفس کی تسکین کے لئے ملت اسلامیہ کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔ ان دیواروں کو گرانے سے امام کی مراد یہی ہے کہ بے دریغ انہیں قتل کر دیا جائے۔ اور ان امراء کا قتل اسی وقت ممکن ہے جب آگے بڑھ کر دمشق کی طرح حلب پر بھی قبضہ کر لیا جائے۔ یہ سوچ کر صلاح الدین ایوبی پر وحشت سی طاری ہونے لگی۔ قبضے کا ایک ہی مفہوم تھا۔ خونریز جنگ۔ اور صلاح الدین ایوبی ابھی تک اسی نازک اور سنگین لمحے کا سامنا کرنے سے گریزاں تھا۔ لیکن امام شرف الدینؒ جیسے عابد و زاہد بزرگ نے اس کے خواب میں آکر واضح اشارہ دیا تھا کہ جنگ کے بغیر سلطنت نوریہ کی بنیادوں کو بچانا تقریباً ناممکن ہے۔

بالآخر شدید ذہنی کشمکش اور اذیت ناک مرحلے سے گزر کر صلاح الدین ایوبی اس نتیجے پر پہنچ ہی گیا کہ بری طرح الجھی ہوئی اس سیاسی گتھی کو ناخن تدبیر سے نہیں، تلوار کی نوک ہی سے سلجھایا جا سکتا ہے۔ پھر اس نے اپنے سات سو سپاہیوں کے ساتھ آگے بڑھ کر حلب کا محاصرہ کر لیا۔ یہ صلاح الدین ایوبی کی شجاعت اور اولوالعزمی کا کھلا ثبوت تھا کہ اس نے فوج کے ایک مختصر دستے کے ساتھ اتنا بڑا اقدام اٹھایا۔ ورنہ سات سو سپاہی اس قابل نہیں ہوتے جو غیر سرزمین پر جارحانہ انداز اختیار کر سکیں۔ اتنی مختصر سی فوج تو دفاعی جنگ بھی نہیں لڑ سکتی۔

عام انسان کہہ سکتا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کا یہ اقدام احمقانہ تھا کہ چند سپاہی لے کر اپنے سے کئی گنا بڑی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے اس کے علاقے میں داخل ہو گیا تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی ایک راسخ العقیدہ اور نیک سیرت حکمراں تھا۔ وہ ہر حال میں قادر مطلق کی تائید پر یقین

رکھتا تھا۔ دوسرے یہ کہ صلاح الدین نے بہت پہلے اس صورتحال کا اندازہ کرلیا تھا۔ اور اسی لئے اپنے ایک نائب کو قبل از وقت مصر روانہ کر دیا تھا تا کہ دس ہزار منتخب شہسوار حلب پہنچ سکیں۔ پھر جیسے ہی صلاح الدین ایوبی کا مختصر لشکر حلب کے محاصرے کے لئے ''جبل جوشن'' پر خیمہ زن ہوا، اس کے دوسرے دن ہی مصر سے دس ہزار تازہ دم سپاہیوں کا لشکر بھی حلب پہنچ گیا۔ اس غیبی تائید پر صلاح الدین ایوبی نے اپنے خالق کا شکر ادا کیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اپنی مخصوص دعا کی۔

''اے قادرِ مطلق! تو اپنی بے مثال اور لازوال قدرت سے اس جنگ کو ٹال دے...... ہمارے دلوں کو ایک دوسرے کے لئے نرم کر دے...... اور اہلِ ایمان کے خون کو اتنا ارزاں نہ کر کہ دشمنانِ اسلام ہمارا تماشا دیکھیں۔''

ادھر صلاح الدین ایوبی اپنے رب کے حضور میں سرِ نیاز جھکائے، گریہ وزاری کر رہا تھا۔ اور دوسری طرف سلطان ملک صالح اپنے امراء سے کہہ رہا تھا۔ ''دشمن ہمارے دروازے تک آ پہنچا ہے۔ تم قلعے سے نکل کر اس کا مقابلہ کیوں نہیں کرتے؟ آخر تمہیں کس بات کا انتظار ہے۔ کیا تم اس وقت گھر سے باہر نکلو گے، جب وہ چار دیواری کے اندر داخل ہو جائیگا۔''

سلطنت نوریہ کی بقاء کے لئے اپنی جانیں دینے کی قسمیں کھانے والے فطرتاً انتہائی بزدل تھے۔ ان میں سے کوئی بھی صلاح الدین ایوبی کی گزشتہ معرکہ آرائیوں اور فتوحات کو نہیں بھولا تھا، جب اس جانباز مجاہد نے فوج کی قلیل تعداد کے ساتھ صلیبیوں کے بڑے بڑے لشکروں کو شکست فاش سے دوچار کیا تھا۔ اسی لئے گمشت گین اور قطب الدین جیسے ناکارہ امیر کھلے میدان میں صلاح الدین ایوبی کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔

''سلطانِ ذیشان! ہم کیوں اپنے سپاہیوں کو موت کے منہ میں جھونکیں۔ صلاح الدین کو ''جبل جوشن'' پر پڑا رہنے دیں۔ وہ کب تک ''حلب'' کا محاصرہ کئے رہے گا۔ آخر ایک دن موسم کی سختیوں سے تنگ آ کر خود ہی چلا جائے گا۔'' گمشت گین نے بڑی عیاری سے جواب دیا۔ ''ہم ہر طرح محفوظ ہیں۔ اور ہمارے پاس کئی سال کا سامان رسد موجود ہے۔''

''ہم صلاح الدین کو شکست خوردہ حالت میں دیکھنا چاہتے ہیں۔'' سلطان ملک صالح نے انتہائی نفرت آمیز اور غضب ناک لہجے میں کہا۔ ''وہ کیسا عجیب لمحہ ہوگا، جب ہم اسے زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھیں گے......''

''سلطانِ ذیشان! دانش مندوں کا کہنا ہے کہ اگر دشمن خود ہی مر جائے تو ہمیں اپنے تیر اور تلواریں ضائع نہیں کرنے چاہئیں۔'' گمشت گین نے جبراً مسکرانے کی کوشش کی۔ ورنہ اس خوف سے اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا کہ کہیں سلطان اسے صلاح الدین سے مقابلے کے لئے میدان جنگ کی طرف نہ روانہ کر دے۔

سلطان ملک صالح اب اتنا کم فہم بھی نہیں تھا کہ کسی دلیل کے بغیر گمشت گین کی باتوں سے بہل جاتا۔ ''یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمارے تیر بھی ضائع نہ ہوں۔ اور صلاح الدین بھی ہلاک ہو جائے۔''

سلطان ملک صالح کے چہرے سے بدستور غصہ جھلک رہا تھا۔

''تیر تو ضائع ہوں گے۔ مگر کسی اور کے۔'' یہ کہہ کر گمشت گین جھکا اور کچھ دیر تک سلطان ملک صالح سے سرگوشی میں باتیں کرتا رہا۔

قریب بیٹھے ہوئے امراء بھی حیرت زدہ تھے کہ آخر گمشت گین اتنی راز داری کے ساتھ گفتگو کیوں کر رہا ہے؟

چند لمحوں کے لئے سلطان ملک صالح کے ہونٹوں پر گہرا تبسم ابھرا۔ مگر فوراً ہی وہ بہت زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔ ''کچھ بھی ہو، ہمیں صلاح الدین کا سر چاہئے۔'' یہ کہہ کر سلطان ملک صالح خفیہ اجلاس سے اٹھ کر اپنے خصوصی کمرے میں چلا گیا۔ جہاں ایک نوخیز اور حسین لڑکی شراب کی صراحی لئے اس کی منتظر تھی۔ سلطان ملک صالح کے اعصاب پر صلاح الدین ایوبی کا جو خوف طاری تھا، وہ اسے شراب کے ساغر میں ڈبونے لگا۔

......}......☆......{......

گمشت گین اس حقیقت سے باخبر تھا کہ اگر صلاح الدین ایوبی حلب پر حملہ کر دیتا ہے تو سلطان ملک صالح کی فوج تین چار گھنٹے سے زیادہ مزاحمت نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے اس نے فوراً ہی ایک نئی چال چلی۔ باطنیوں کی جماعت کے سربراہ ابنِ قرمطہ کو اپنے خصوصی کمرے میں طلب کر کے اس مکار انسان نے کہا۔

''ابنِ قرمطہ تو جانتا ہے کہ تیرے قبیلے کی مذہبی رسموں پر عائد کردہ پابندیاں کس نے ہٹوائیں؟''

ابنِ قرمطہ گمشت گین سے بھی زیادہ عیار تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''سارا حلب جانتا ہے کہ اس میں امیر گمشت گین کا ہاتھ ہے۔''

''تو پھر تو اور تیری جماعت اپنا عہد پورا کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔'' گمشت گین نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔ ''دشمن ہمارے سر پر آ پہنچا ہے۔ اپنی جماعت کے ایک ایک جوان سے کہو کہ کل وہ مسلح ہو کر صلاح الدین سے مقابلے کے لئے تیار ہو جائیں۔''

گمشت گین کی بات سن کر ابنِ قرمطہ کچھ دیر کے لئے بدحواس ہو گیا۔ پھر اس نے بڑی مشکل سے اپنی بگڑتی ہوئی حالت پر قابو پایا۔ ''امیر! آپ بھول رہے ہیں ہمارے معاہدے میں یہ شرط شامل نہیں تھی۔''

''پھر وہ کونسی شرط تھی کہ جس کے تحت تمہیں مذہبی آزادی بخشی گئی؟'' گمشت گین کی آواز کچھ اور سخت ہو گئی تھی۔

''شرط یہ تھی کہ اگر صلاح الدین یا کوئی بھی دشمن حلب پر حملہ آور ہوگا تو میری جماعت کا ایک ایک تندرست و توانا شخص حملہ آور کا مقابلہ کرے گا۔'' ابنِ قرمطہ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''اور حملہ کس کو کہتے ہیں؟'' گمشت گین نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''یہ محاصرہ ہے۔'' ابنِ قرمطہ نے بھی اسی انداز میں چال چلی۔ ''جب دونوں طرف سے تلواریں

کھنچ جائیں اور گردنیں کٹ کر زمین پر گرنے لگیں تو میں سمجھوں گا کہ جنگ چھڑ گئی۔" ابنِ قرمطہ انتہائی عیار انسان تھا۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ اگر صلاح الدین ایوبی حلب پر حملہ آور ہوتا ہے تو وہ اپنی جماعت کو لے کر شام چلا جائے گا۔ پھر والیٔ مصر اور سلطان ملک صالح آپس میں ٹکرا کر تباہ ہو جائیں گے۔ اور انجام کار باطنیوں کو دوبارہ مصر پر اپنی حکومت قائم کرنے کا موقع مل جائیگا۔

طویل گفتگو کے بعد گمشت گین سمجھ گیا کہ ابنِ قرمطہ جیسا فتنہ گر اس کے فریب میں نہیں آئیگا۔ آخر گمشت گین نے اسی میں عافیت سمجھی کہ ابنِ قرمطہ سے کھل کر بات کر لے۔ "یاد رکھو کہ اگر ایک بار صلاح الدین ایوبی حلب کی حدود میں داخل ہو گیا تو نہ ہم بچیں گے۔ اور نہ تیری جماعت۔ اس لئے جنگ کرنے کے بجائے زندہ رہنے کی تدبیر سوچ۔"

گمشت گین کی بات سن کر ابنِ قرمطہ نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ "گورنر حلب! اب آپ سیدھے راستے پر آئے۔"

"میں نہیں جانتا کہ میرا مذہب کیا ہے۔ اور تم کس عقیدے کے مالک ہو۔" دونوں فتنہ گر ایک دوسرے کے سامنے بے نقاب ہو رہے تھے۔ "میں بھی صلاح الدین سے نجات چاہتا ہوں۔ اور تم لوگ بھی۔ بہتر یہی ہے کہ صلاح الدین کو درمیان سے ہٹا کر مصر کا اقتدار تمہاری جماعت کے حوالے کر دیا جائے۔"

"اور باقی علاقے؟" ابنِ قرمطہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "جب دو شرکاء میں تجارت ہوتی ہے تو برابر کا منافع ہوتا ہے۔"

گمشت گین اقتدار کی ہوس میں اس قدر اندھا ہو رہا تھا کہ اس نے سلطنت نوریہ کو تقسیم کر ڈالا۔

"مصر اور شام تمہارا۔ حلب اور دمشق میرا۔"

ابنِ قرمطہ نے یہ سودا منظور کر لیا۔ اور اسی دن رات کے اندھیرے میں شام روانہ ہو گیا۔

......}......☆......{......

ادھر صلاح الدین ایوبی کے قتل اور سلطنت نوریہ کی تقسیم کے خفیہ معاہدے ہو رہے تھے اور ادھر یروشلم میں شاہ اموری کی موت کے بعد ایک نیا انقلاب آ گیا تھا۔ شاہ اموری دنیا کا بدکار ترین انسان ہونے کے ساتھ، ان چند صلیبیوں میں سے ایک تھا جو مسلمانوں کو مٹانے کے ساتھ ساتھ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر بھی قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ مگر قدرت کے فیصلے بھی عجیب ہوتے ہیں۔ شاہ اموری نے بانیاس اور اسکندریہ کے محاذ پر صلاح الدین ایوبی سے بدترین شکست کھائی۔ اسکے ساتھ ہی وہ اپنی زندگی میں بھی دنیا کا انتہائی بدنصیب انسان تھا۔ اموری کی پہلی بیوی سے ایک لڑکا بالڈون پیدا ہوا۔ ابھی بالڈون ایک ہی سال کا تھا کہ وہ جذام (کوڑھ) کے مرض میں مبتلا ہو گیا۔ شاہ اموری نے پوری عیسائی دنیا سے بہترین طبیب یروشلم بلائے۔ مسلمان حکیموں کو بھی اپنے دربار میں طلب کیا۔ انہیں بڑے بڑے انعامات کی پیش کش کی گئی۔ قدیم و جدید تمام نسخے آزما لئے گئے۔ مگر بالڈون کا مرض کم ہونے کے بجائے بڑھتا ہی چلا گیا۔ شاہ اموری اپنے کوڑھی بیٹے کو دیکھتا۔ اور تنہائی میں روتا رہتا کہ

اس کا ولی عہد سلطنت ایک ایسی بیماری میں مبتلا ہے کہ کوئی اس کے نزدیک بیٹھنا بھی گوارہ نہیں کرتا۔ پھر وہ یروشلم پر حکومت کس طرح کریگا؟ شاہ اموری نے اپنی اس محرومی کو دور کرنے کے لئے بہت سی شادیاں کیں۔ مگر کسی ایک بیوی سے بھی کوئی اولاد پیدا نہ ہو سکی۔ بالآخر اسی اذیت کے عالم میں ایک دن شاہ اموری کی موت واقع ہو گئی۔ یروشلم کے توہم پرستوں نے اموری کی موت کو کاہن بطریق کی بددعا کا نتیجہ سمجھا جسے اموری نے مرنے سے چند روز پہلے قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ اموری کی آخری رسوم کے ادا ہوتے ہی یروشلم کے امیروں اور وزیروں نے کاہن بطریق کو قید خانے سے نکالا۔ اور اس مکار شخص سے معافی مانگی۔

اب یروشلم کی تخت نشینی کا مسئلہ تھا۔ اموری کا وارث بالڈون کی شکل میں موجود تھا۔ اس کی عمر دس سال کے قریب تھی۔ اور کوڑھ اس قدر پھیل چکا تھا کہ پورا جسم اس کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔ مجبوراً بالڈون کو ایک علیحدہ کمرے میں رکھا گیا تھا۔ خدمت گار اس کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔ اپنی فطری مجبوری کے باعث بالڈون تخت نشینی کے قابل نہیں تھا۔ بالآخر امراء کے طویل مشوروں کے بعد ریمنڈ کو بالڈون کا وارث بنا کر یروشلم کے تخت پر بٹھا دیا گیا۔

واضح رہے کہ ایک ریمنڈ انطاکیہ کا حکمراں تھا جو مسلمانوں سے جنگ کرتے ہوئے میدان میں مارا گیا تھا۔ یہ ریمنڈ ثانی تھا۔ طرابلس کا حکمراں۔ حارم کی جنگ میں سلطان نورالدین زنگیؒ نے ریمنڈ کو گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ ریمنڈ نے اسی حالت اسیری میں آٹھ سال گزارے۔ پھر فخرالدین مسعود بن زعفرانی کی سفارش پر سلطان نورالدین محمود زنگیؒ نے ڈیڑھ لاکھ دینار تاوان اور ایک ہزار مسلمان قیدیوں کو آزاد کرنے کے بدلے میں ریمنڈ کو چھوڑ دیا تھا۔ اب ریمنڈ ایک بال و پر ٹوٹا ہوا شاہین تھا جو طوفانی ہواؤں میں اڑنے کے بجائے زمین پر رینگتا رہتا تھا۔ اچانک اس کی قسمت نے کروٹ لی۔ اور وہ یروشلم کا نگراں بادشاہ بن گیا۔ عیسائی امراء نے ریمنڈ کا انتخاب اس لئے کیا تھا کہ وہ بھی شاہ اموری کی طرح مسلمانوں سے شدید نفرت کرتا تھا۔ اور اہلِ ایمان کے مقامات مقدسہ پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ مختصر یہ کہ ریمنڈ اس وقت تمام صلیبی بادشاہوں میں سب سے زیادہ محترم تھا۔ تخت نشینی سے پہلے ریمنڈ نے انجیل مقدس پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی تھی کہ وہ بہت جلد صلیبیوں کی گزشتہ شکستوں کا حساب برابر کر دے گا۔

......}......☆......{......

ابنِ قرمطہ گمشت گین سے گفتگو کرنے کے بعد شام پہنچا۔ جہاں باطنیوں کی بہت بڑی اکثریت تھی۔ اور سنان نامی ایک شخص ان کی قیادت کر رہا تھا۔ باطنی بھی کئی فرقوں میں تقسیم تھے۔ مگر ان سب کا مقصد ایک ہی تھا کہ اہلِ ایمان میں پھوٹ ڈالی جائے۔ یہاں تک کہ اسلامی سلطنت مکمل طور پر تباہ ہو جائے۔ باطنی مذہب کا خلاصا یہ ہے کہ انسانی حیات چار روزہ ہے۔ اس مختصر سی مدت میں آدمی کو چاہیئے کہ وہ زمین پر پائی جانے والی ہر خوشی اور لذت حاصل کرے۔ ہر شخص کو عورت اور شراب کے استعمال کی کھلی آزادی ہے۔ اپنا مطلب نکالنے کے لئے جھوٹ اور منافقت سے کام لینا بڑی عبادت

ہے۔ باطنیوں کا پہلا امیر عبداللہ ابنِ سبا یہودی تھا۔ جس کی فتنہ انگیزیوں نے مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑایا جس کے نتیجے میں خلیفۂ سوم حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کا جانگداز واقعہ پیش آیا۔ پھر یہ باطنی تحریک سفر کرتے کرتے حسین بن صباح تک پہنچی۔ جس نے "قلعہ المَوت" میں اپنی جنت تعمیر کی تھی۔ اور اس کے ساتھ ہی فدائیوں کی ایک جماعت بھی بنائی تھی۔ اس جماعت میں چھانٹ چھانٹ کر سفاک ترین لوگ شامل کیے گئے تھے۔ باطنیوں کے اس فرقے کا نام "حشاشین" تھا۔ اس فرقے سے تعلق رکھنے والے افراد آدم خور کہلاتے تھے اور ان آدم خوروں کا سربراہ سنان تھا۔

ابنِ قرمطہ نے شام پہنچتے ہی سنان سے ملاقات کی اور گمشت گین اور دوسرے حلبی امراء کی طرف سے پیش کش کی۔ "اگر صلاح الدین ایوبی کو قتل کر دیا جائے تو زرِ کثیر کے علاوہ کئی شہر بھی حشاشین کے حوالے کر دیئے جائیں گے۔"

صلاح الدین ایوبی کو قتل کرنا تو حشاشین کے نزدیک افضل ترین عبادت تھی۔ ابنِ قرمطہ کی بات سن کر سنان نے ہذیانی انداز میں ایک قہقہہ لگایا۔ "ابنِ قرمطہ، میرے آدم خور بہت دن سے بھوکے بھی ہیں اور پیاسے بھی۔ آج تو ایک طویل عرصے کے بعد ایک بہت بڑی دعوت لے کر آیا ہے۔ صلاح الدین ایوبی کی لاش سے تو سلطان نورالدین زنگی کا حساب بھی لینا ہے۔"

پھر سنان نے پچاس آدم خور حشیشان کو طلب کیا۔ جو تیر اندازی، شمشیر زنی اور شہسواری کے ساتھ گوریلا جنگ لڑنے کے بھی ماہر تھے۔ انہیں کچھ ہدایات دیں اور ابنِ قرمطہ کے ساتھ حلب روانہ کر دیا۔ پھر جب ابنِ قرمطہ جانے لگا تو سنان نے پُر زور الفاظ میں اسے نصیحت کی۔

"جیسے ہی صلاح الدین کا کام تمام ہو جائے، ایک لمحہ ضائع کیے بغیر گمشت گین اور اس کے ہم نوا امیروں کے ساتھ سلطان ملک صالح کو بھی قتل کرا دینا۔"

......}......☆......{......

پھر حشاشین کا یہ آدم خور دستہ بڑی رازداری کے ساتھ حلب پہنچا۔ اس کے بعد گمشت گین کے جاسوسوں کی نشاندہی پر حشاشین نے صلاح الدین ایوبی کے فوجیوں کی طرح لباس پہنے...... اور دوسرے دن "جبلِ جوشن" پہنچ کر صلاح الدین کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ حشاشین کا منصوبہ کامیاب تھا...... مگر یہ صلاح الدین ایوبی کی خوش بختی تھی کہ یکایک آدم خوروں کی چال ان ہی پر الٹ گئی۔ صلاح الدین ایوبی کے لشکر میں ایک امیر حاکم بوقبیس نجم الدین تھا۔ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی وفات کے بعد نجم الدین نے ملت اسلامیہ کی سالمیت کے لئے صلاح الدین ایوبی کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ بوقبیس شام کا سرحدی علاقہ ہے۔ اس لئے نجم الدین حشاشین کی جماعت کے اکثر افراد کو پہچانتا تھا۔ جب یہ باطنی آدم خور صلاح الدین کے لشکر میں شامل ہو کر اپنا ہدف تلاش کرنے لگے تو حاکم بوقبیس نے ان میں سے ایک شخص کو پہچان لیا۔ مگر وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور نجم الدین نے اس شخص کا گریبان پکڑ کر چیختے ہوئے کہا۔

"آلِ شیطان! میں تمہیں خوب جانتا ہوں کہ تم لوگ کس ارادے سے یہاں آئے ہو؟ مگر یاد رکھو

کہ تم میری زندگی میں اپنے ناپاک منصوبے کو تکمیل تک نہیں پہنچا سکو گے۔"

راز فاش ہوتے ہی باطنی آدم خور نے برق رفتاری کے انداز میں زیرِ لباس چھپا ہوا خنجر نکالا اور نجم الدین کے شکم میں اتار دیا۔ مگر نجم الدین نے اس کا گریبان نہیں چھوڑا۔ اور چیخ کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "امیر صلاح الدین کو مطلع کر دو کہ ہمارے لشکر میں حشاشین گھس آئے ہیں۔ ان پر سخت نظر رکھی جائے۔ اور ہر سپاہی کی تلاشی لی جائے۔" نجم الدین کی آواز سن کر دوسرے حشاشین بھی پلٹ پڑے۔ اور نجم الدین کے کئی ساتھیوں کو قتل کر دیا۔ اس دوران آدم خور نے نجم الدین کے شکم پر کئی مہلک وار کیے۔ مگر وہ بہت شجاع اور سخت جان آدمی تھا۔ اس نے آدم خور کو نہیں چھوڑا۔ یہاں تک کہ نجم الدین کا ایک سپاہی وہاں پہنچا اور اس نے آدم خور کو قتل کر دیا۔ بہت زیادہ زخم کھانے اور خون بہہ جانے سے نجم الدین لڑکھڑا کر گر پڑا۔ سپاہی نے اسے اٹھانے کی کوشش کی۔ مگر نجم الدین نے لڑکھڑاتے ہوئے لہجے میں سپاہی سے کہا...... "مجھے چھوڑ دو...... اور امیر صلاح الدین کی حفاظت کرو۔"

اس سے پہلے ہی نجم الدین کا ایک سپاہی چیخ چیخ کر صلاح الدین ایوبی کو حشاشین کی آمد سے باخبر کر چکا تھا۔ دو آدم خوروں نے صلاح الدین ایوبی کے خیمے میں گھسنے کی کوشش کی مگر بروقت اطلاع مل جانے پر طغرل امیر جاندار نے ان دونوں حشاشین کو قتل کر دیا جو صلاح الدین ایوبی پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ انجام کار بڑی مشکل سے اس فتنے پر قابو پایا گیا اور ایک ایک آدم خور کو قتل کر دیا گیا۔ مگر پھر بھی حشاشین نے صلاح الدین کے دو سو سے زیادہ سپاہیوں کو شہید کر دیا تھا۔

صلاح الدین ایوبی نجم الدین کے قریب پہنچا تو اس کی آخری سانسیں تھیں۔ حاکم بوقبیس نے کلمۂ شہادت پڑھا...... اور لڑکھڑاتی زبان میں صلاح الدین ایوبی سے مخاطب ہوا۔ "امیر! اللہ آپ کی حفاظت کرے۔" اس کے ساتھ ہی نجم الدین اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا۔

صلاح الدین ایوبی گھٹنوں کے بل زمین پر جھک گیا اور اس نے نجم الدین کی پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے انتہائی رقت آمیز لہجے میں کہا۔ "ملتِ اسلامیہ پر قربان ہونے والے، اللہ تجھ پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل کرے۔"

......}......☆......{......

اس منصوبے کی ناکامی کے بعد گمشت گین اور دوسرے غدار امراء بدحواس ہو گئے۔ محاصرہ طول پکڑتا جا رہا ہے اور اہالیانِ شہر مضطرب نظر آنے لگے تھے۔ کیونکہ ان کے روزمرہ کے کاموں میں بہت زیادہ خلل پڑنے لگا تھا۔ بہت سے لوگ جلوس کی شکل میں قصرِ خلافت کے نیچے جمع ہوئے اور فریادی لہجے میں سلطان ملک صالح کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔ "سلطان محترم! ہمیں خوف و ہراس کی اس اذیت ناک صورت حال سے نجات دلائی جائے۔ نہ ہم راتوں کو چین سے سو سکتے ہیں۔ اور نہ دن کے اجالے میں شہر سے نکل کر کوئی روزگار تلاش کر سکتے ہیں۔ اب ہمارے گھروں میں فاقہ کشی کی نوبت آ گئی ہے۔"

رعایا کا شور فغان سن کر سلطان ملک صالح گھبرا گیا۔ اور اس نے چاہا کہ وہ صلاح الدین ایوبی سے صلح کی بات کر کے اپنی رعایا کو پر سکون کر سکے۔ لیکن گمشت گین اور دوسرے غدار امراء نے ایک بار پھر سلطان ملک صالح کو ورغلایا۔

"آپ کی طرف سے صلح کی پیشکش کا ایک ہی مفہوم ہے کہ آپ نے اپنے غلام کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں۔" گمشت گین جان بوجھ کر ایسے تحقیر آمیز الفاظ استعمال کر رہا تھا کہ جنہیں سن کر سلطان ملک صالح اشتعال میں آ جائے۔ "شکست خوردہ انسان کو فاتح کا ہر مطالبہ ماننا پڑتا ہے۔ ممکن ہے کہ صلاح الدین ایوبی آپ سے حلب چھوڑنے کا مطالبہ کرے۔ یا پھر آپ کو اپنا محکوم بنا کر حلب کی حکومت بھیک کے طور پر بخش دے۔" فریب کار گمشت گین نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ نو عمر حکمراں کے دماغ پر ایک بھرپور ضرب لگائی۔ جس کی تکلیف سے سلطان ملک صالح چیخ اٹھا۔

"ایک غلام کی محکومی قبول کرنے سے تو بہتر ہے کہ ہم زہر پی کر خودکشی کر لیں یا اپنے ہی خنجر سے اپنی شہ رگ کاٹ دیں۔"

گمشت گین کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ اس نے انتہائی پُر جوش لہجے میں کہا۔ "خودکشی تو صلاح الدین ایوبی کرلے گا یا پھر سلطان عزیز کی شمشیر آبدار اس کی شہ رگ کاٹے گی۔ ایک غلام کے ساتھ صلح کی گفتگو کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ ہم کرائے کی فوج حاصل کر لیں اور صلاح الدین کو محاصرہ اٹھانے پر مجبور کر دیں۔"

سلطان ملک صالح نے حیران و پریشان نظروں سے گمشت گین کی طرف دیکھا...... وہ اپنے گورنر کی بات سمجھنے سے قاصر رہا تھا۔

گمشت گین نے اپنے منصوبے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا...... "اگر ہم شاہ یروشلم ریمنڈ کو صلاح الدین پر حملہ کرنے کی دعوت دیں تو ہمارے کئی مقاصد بیک وقت پورے ہو سکتے ہیں۔ صلاح الدین صلیبی فوج کی آمد کی خبر سن کر حلب سے فرار ہو جائے گا یا پھر اس نے ریمنڈ کا مقابلہ کیا تو صلاح الدین اس جنگ میں شکست کھا کر مارا بھی جا سکتا ہے۔ اور بالفرض وہ جیت بھی گیا تو اس کی فوج کا ایک بڑا حصہ اس معرکہ آرائی میں کام آ جائے گا۔ اس کے بعد حلب کی فوج آسانی کے ساتھ صلاح الدین کا خاتمہ کر ڈالے گی۔"

بہت گہری چال تھی...... سلطان ملک صالح نے گمشت گین کی ذہانت کی تعریف کی۔ مگر تھوڑی ہی دیر بعد اس کے چہرے پر گہری اداسی چھا گئی اور اس نے شکستہ لہجے میں کہا۔ "مگر ریمنڈ کو کیا پڑی ہے۔ وہ کیوں ہماری مدد کو آنے لگا۔"

ہم کچھ دن کے لئے ریمنڈ کی فوج کو کرایہ پر حاصل کر لیں گے۔" گمشت گین نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اور ہم صلیبی لشکر کو اس کی مزدوری کی مناسب قیمت ادا کریں گے۔"

سلطان ملک صالح کے ہونٹوں کی گم شدہ مسکراہٹ لوٹ آئی۔ کیسا عجیب وقت تھا؟ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ آخری سانس تک بیت المقدس حاصل کرنے کے لئے صلیبیوں سے جنگ کرتے

رہے۔ اور ہزاروں بار اپنی جان کو خطرات میں ڈالا۔ آج ان ہی کا عیش پسند بیٹا عیسائی لشکر کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی دعوت دے رہا تھا۔

پھر جب امرائے حلب کی طرف سے ریمنڈ کو یہ پیش کش ہوئی کہ اگر وہ صلاح الدین ایوبی کو محاصرہ اٹھانے پر مجبور کر دیتا ہے تو اسے ان کوششوں کے بدلے میں ڈیڑھ لاکھ دینار پیش کئے جائیں گے۔ گمشت گین کا مراسلہ پڑھ کر شاہ یروشلم کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ اُبھری اور پھر اسے اپنے وہ آٹھ سال یاد آ گئے جو اس نے سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی قید میں گزارے تھے۔ اور ڈیڑھ لاکھ دینار تاوان دے کر رہائی حاصل کی تھی۔

ریمنڈ نے فوری طور پر گمشت گین کے مراسلے کا جواب تحریر کر دیا۔ "اگر مجھے دس لاکھ دینار بطور پیشگی ادا کئے جائیں تو میں صلاح الدین ایوبی کو فرار ہونے پر مجبور کر سکتا ہوں۔"

دس لاکھ دینار بہت بڑی رقم تھی۔ سلطان ملک صالح سوچ میں پڑ گیا۔ اس ادائیگی کے بعد ریاست کے خزانے پر برا اثر پڑ سکتا تھا۔ یہ سوچ کر اس نے فوری طور پر انکار کر دیا۔

"اگر آپ ریمنڈ کو یہ رقم ادا نہیں کریں گے تو زندگی بھر اپنے غلام کو خراج دینا پڑے گا۔" گمشت گین نے بدحواس ملک صالح کے ذہن پر ایک اور ضرب لگائی۔

بالآخر دس لاکھ دینار ریمنڈ کی خدمت میں اس طرح پیش کر دیئے گئے جیسے سلطان ملک صالح صلیبی بادشاہ کا قرض ادا کر رہا ہو۔

ریمنڈ نے دونوں ہاتھوں میں دینار اٹھائے، پھر ایک قہقہہ لگاتے ہوئے سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی روح کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "سلطان! میں اپنی شکست، قید اور تاوان کو بھولا نہیں ہوں۔ تو تو دنیا سے چلا گیا...... مگر تیری اولاد سارے قرض سود در سود ادا کرے گی۔"

دس لاکھ دینار پیشگی وصول کرنے کے بعد شاہ یروشلم ریمنڈ نے انتہائی جارحانہ انداز اختیار کرتے ہوئے صلاح الدین ایوبی کے نام ایک خط تحریر کیا۔

"اب اہلِ حلب تنہا نہیں ہیں۔ میرے ساتھ پوری عیسائی دنیا، سلطان ملک صالح کی پشت پناہ اور مددگار ہے۔ میں تجھے اتنی مہلت دیتا ہوں کہ تو حلب کا محاصرہ اٹھا کر دمشق چلا جائے۔ پھر دمشق کی حدود چھوڑ کر مصر کے حصار میں سمٹ جائے۔ اسی میں تیری سلامتی ہے۔"

جب صلاح الدین ایوبی شاہ یروشلم کا خط پڑھ چکا تو اس نے بڑے بے نیازانہ انداز میں عیسائی سفیر کی طرف دیکھا۔ پھر مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں ریمنڈ کو پہچانتا ہوں۔ جب سلطان عادل نے تمہارے شہنشاہ کو گرفتار کیا تھا، میں بھی اس معرکے میں شریک تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے ریمنڈ کو کسی گیدڑ کی طرح میدان جنگ سے فرار ہوتے...... پھر زنجیروں میں جکڑا ہوا واپس آتے دیکھا تھا۔ مجھے اس کے ایام اسیری بھی یاد ہیں۔ پھر جس طرح اس نے سلطان نورالدین زنگیؒ کے قدموں پر سر رکھ کر اپنی زندگی کی بھیک مانگی تھی، میں وہ منظر بھی نہیں بھولا ہوں۔"

صلاح الدین ایوبی کی تحقیر آمیز گفتگو سن کر صلیبی سفیر کا سرخ و سفید چہرہ سیاہی مائل ہو گیا تھا۔ "وائی

مصر کو شاہ یروشلم کی طاقت کا اندازہ نہیں۔ جب وہ میدان جنگ کی طرف بڑھیں گے تو ساری دنیا کے عیسائی لشکر حرکت میں آ جائیں گے۔"

صلاح الدین ایوبی نے صلیبی سفیر کی اس لاف زنی کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اٹھ کر کھڑا ہوا اور باوقار لہجے میں ریمنڈ کے قاصد سے مخاطب ہوا۔ "اب تم جا سکتے ہو۔"

یہ کہہ کر صلاح الدین ایوبی کمرے سے جانے لگا۔ "اور شہنشاہ کے خط کا جواب؟" صلیبی سفیر سارے دعوے بھول گیا تھا۔ اور اب اس کے چہرے پر حیرت و فکر کا غبار اڑ رہا تھا۔

صلاح الدین ایوبی جاتے جاتے پلٹا۔ اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "اب میدان جنگ میں تمہارے شہنشاہ سے ملاقات ہوگی۔"

صلیبی قاصد کو صلاح الدین ایوبی سے اس ذلت آمیز سلوک کی ذرا بھی توقع نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ صلاح الدین ایوبی پوری عیسائی دنیا کے شریک جنگ ہونے کی دھمکی سن کر گھبرا جائے گا۔ اور سیاست سے کام لیتے ہوئے صلح جوئی کا راستہ اختیار کرے گا۔ مگر صلاح الدین ایوبی تو آندھی کے کسی تیز جھونکے کی طرح گزر کر چلا گیا۔

......}......☆......{......

اس وقت سلطان ملک صالح، گمشت گین، قطب الدین بن حسان اور دوسرے غدار امراء کی خوشی ناقابلِ بیان تھی، جب ان لوگوں نے قلعے کی فصیل سے یہ منظر دیکھا کہ "جبل جوشن" سے صلاح الدین ایوبی کے سپاہی اپنے خیمے اکھاڑ رہے تھے۔

"سلطانِ ذیشان! آپ کو یہ پہلی کامیابی مبارک ہو۔" عیار گمشت گین نے پرجوش لہجے میں کہا۔

سلطان ملک صالح اپنی خوشی کا مظاہرہ کرتے کرتے اچانک اداس نظر آنے لگا تھا۔ "یہ کامیابی ضرور ہے۔ مگر ہم نے اسے بہت مہنگے داموں خریدی ہے۔"

گمشت گین نے برجستہ جواب دیا۔ "سلطان ذیشان! سیاست بھی ایک تجارت ہے۔ ہم بہت جلد اس مالی نقصان کو پورا کر لیں گے۔"

سلطان ملک صالح کو دس لاکھ دینار جانے کا بہت افسوس تھا۔ گمشت گین کی زبان سے اس نقصان کی تلافی کا ذکر سن کر شدید حیرت زدہ لہجے میں بولا۔ "ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس خسارے کو کس طرح پورا کیا جائے گا؟"

"وہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔" گمشت گین نے دعوے کے انداز میں کہا۔ "میں ایک سال کے اندر اس بوجھ کو ہلکا کر دوں گا۔"

"مجھے اس بارگراں کو اتارنے کا طریقہ بتاؤ۔" سلطان ملک صالح گمشت گین کی گفتگو سے مطمئن نہیں ہوا تھا۔

"ہم نے یہ رقم شاہی خزانے سے لی ہے۔" گمشت گین نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "یہی رقم رعایا سے لے کر دوبارہ خزانے میں جمع کر دی جائیگی۔ ان پر زیادہ سے زیادہ ٹیکس

لگائیں گے۔ اور مالداروں کے لئے حکم نامہ جاری کریں گے کہ وہ وطن کی حفاظت کے لئے زیادہ سے زیادہ مالی قربانیاں دیں۔"

"اس طرح تو رعایا پر بہت بوجھ پڑ جائے گا۔" سلطان ملک صالح نے نوعمری کے باوجود ذہانت کی بات کی تھی۔

گمشت گین کے شیطانی دماغ نے فوری طور پر جواز تراش لیا۔ "سلطان ذیشان! کامیاب اور دانشمند حکمراں وہ ہے جو وقتاً فوقتاً اپنی رعایا پر اس قسم کے بوجھ ڈالتا رہے۔ تاکہ ان کی کمر بھی جھکی رہے۔ اور سر بھی۔ یہ عوام بہت بے وفا اور ناشکرے ہوتے ہیں۔ انہیں زیادہ عیش و آرام دو تو یہ بغاوت پر اتر آتے ہیں۔ اگر آپ نے اہلِ دمشق کو مکمل طور پر دبا دیا ہوتا تو وہ کبھی صلاح الدین کو خوش آمدید نہ کہتے۔ ان پر اتنا خوف طاری کر دیجئے کہ وہ خواب میں بھی آپ کے نام سے کانپتے رہیں۔"

گمشت گین اپنا مطلب نکالنے کے لئے ملک صالح کو رعایا پر ظلم و تشدد کا راستہ دکھا رہا تھا۔ ناپختہ ذہن رکھنے والے سلطان کے ذہن میں یہ بات جم گئی۔ اور وہ مطمئن نظر آنے لگا۔

صلاح الدین ایوبی کا لشکر طویل محاصرہ اٹھا کر جا چکا تھا۔ شہر کے دروازے کھول دیئے گئے تھے۔ اور حلب کے باشندے خوش تھے کہ ان کے سروں پر منڈلانے والا موت کا سایہ دور ہو چکا تھا۔

......}......☆......{......

صلاح الدین ایوبی حلب کا محاصرہ اٹھا کر انطا کیہ کی طرف بڑھا جو چند سال پہلے صلیبیوں کا گڑھ تھا۔ مگر اب وہاں مسلمانوں کی حکومت قائم تھی۔ شاہ یروشلم ریمنڈ نے صلاح الدین ایوبی کی دھمکی کو محض ایک سیاسی چال سمجھا تھا۔ اور اسی غلط فہمی کی وجہ سے اس نے اپنی فوج "حمص" کی طرف بڑھائی۔ سلطان ملک صالح کے دس لاکھ دینار تو وہ پہلے ہی کھا چکا تھا۔ اب وہ مسلمانوں کی ذاتی رنجش اور آپس کی چپقلش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے "حمص" کے علاقے کو بھی ہضم کرنا چاہتا تھا۔

ریمنڈ خود کو نہایت شاطر اور ماہر جنگ حکمراں سمجھتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ بہت آسانی کے ساتھ حمص پر قبضہ کر لے گا۔ مگر ریمنڈ کی یہ خوش فہمی اس وقت دور ہو گئی، جب اس نے صلاح الدین ایوبی کے لشکر کو حمص کے قریب پایا۔ ریمنڈ کے جاسوسوں نے اسے اطلاع دی تھی کہ صلاح الدین ایوبی محاصرہ اٹھا کر دمشق کی طرف جا رہا ہے۔ صلیبی جاسوسوں کی یہ اطلاع درست تھی۔ کیونکہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے صلاح الدین کے لشکر کو دمشق کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ مگر والیٔ مصر کی جنگی چال یہ تھی کہ وہ دمشق کی طرف جاتے جاتے ایک بہت لمبا چکر کاٹ کر انطا کیہ جا پہنچا تھا۔ جہاں سے حمص بہت قریب تھا۔ اللہ نے صلاح الدین ایوبی کو بے پناہ فراست بخشی تھی۔ اسے پہلے سے اندازہ تھا کہ شاہ یروشلم کوئی شرارت ضرور کرے گا۔ حمص کے دفاعی انتظامات برائے نام تھے۔ ریمنڈ نے اسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر حمص پر حملہ کر دیا۔ یہاں کے نگراں نے بھاگ کر قلعے میں پناہ لی۔ اور دروازے بند کر لئے۔

اس سے پہلے کہ ریمنڈ اپنی منجنیقوں سے قلعے کی دیواروں میں شگاف ڈال کر "حمص" پر قبضہ کر

لے، عقب سے صلاح الدین ایوبی کا لشکر کسی بلائے ناگہانی کی طرح آپہنچا۔ ریمنڈ کے لاشعور میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ صلاح الدین ایوبی ایسی خوف ناک چال چلے گا کہ صلیبی لشکر کی جان پر بن جائیگی۔ ریمنڈ نے چند گھنٹوں تک ایوبی لشکر کی یلغار کے خلاف مزاحمت کی...... مگر وہ مرد میدان نہیں تھا۔ اپنے سیکڑوں سپاہیوں کی جان کی قربانی دینے کے بعد بھاگ کھڑا ہوا۔

صلاح الدین کے لشکر نے دور تک ریمنڈ کی فوج کا تعاقب کیا۔ پھر جب اسے یقین ہوگیا کہ یہ مکار صلیبی شہنشاہ واپس نہیں آئے گا۔ تو اس نے اپنے لشکر کو رک جانے کا حکم دیا۔ اس مختصری معرکہ آرائی میں کئی سو صلیبی مارے گئے۔ اور اتنے ہی گرفتار کر لئے گئے۔ پھر صلاح الدین ایوبی نے صلیبی اسیروں کو ایک خیمے میں جمع کر کے ان سے پوچھ گچھ شروع کی۔ صلاح الدین کا ایک ہی سوال تھا۔

''تمہارا بادشاہ ریمنڈ سلطان ملک صالح کی مدد کو کیوں آیا تھا؟''

زیادہ تر عیسائی قیدی اس راز سے بے خبر تھے...... وہ اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے یہی کہتے رہے۔ ''ہم تو اپنے بادشاہ اور سپہ سالار کے حکم کے غلام ہیں۔ ہمیں تو بس ایک ہی سبق دیا گیا ہے کہ مسلمان ہمارے ازلی دشمن ہیں۔ انہیں طرح طرح سے اذیتیں پہنچانا...... اور دنیا سے نیست و نابود کرنا ہمارا فرض عین اور سب سے بڑی عبادت ہے۔''

صلاح الدین ایوبی ایک ایک صلیبی قیدی کو الگ الگ بلا کر اس سے ایک ہی سوال پوچھتا رہا۔ مگر اسے اپنے مقصد میں صاف ناکامی نظر آرہی تھی کہ ایک سپاہی نے بڑی عجیب بات کہی۔ ''ہمارے بادشاہ نے سلطان ملک صالح کے اشارے پر جنگ شروع کی ہے۔''

صلاح الدین ایوبی کے چہرے پر گہری خوشی کے آثار نظر آنے لگے۔ اس نے صلیبی قیدی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر تم مجھے کھل کر سچ سچ ساری باتیں بتا دو تو میں تمہاری آزادی کا وعدہ کرتا ہوں۔''

عیسائی قیدی نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ ''یہ اندر کی باتیں ہیں۔ بڑے لوگوں کے فیصلے ہیں۔ میں پورے وثوق سے تو نہیں بتا سکتا۔ مگر یروشلم میں یہ خبر عام ہے کہ شہنشاہ ریمنڈ نے آپ پر حملہ کرنے کے لئے سلطان ملک صالح سے بہت بڑی رقم لی ہے۔ اور عیسائی لشکر کے ایک ایک سپاہی کو بتا دیا گیا ہے کہ حلب کے مسلمان ان کے دوست ہیں۔''

سلطان اس سازش کی تہہ تک پہنچ چکا تھا۔ حسب وعدہ اس نے صلیبی قیدی کو رہا کر دیا۔ اور باقی اسیران جنگ کو اپنے ایک سالار کی نگرانی میں مصر بھیج دیا۔ اور ساتھ ہی یہ حکم بھی جاری کر دیا کہ مزید تازہ دم فوج فوری طور پر دمشق کی طرف روانہ کی جائے۔

......}......☆......{......

شاہ یروشلم نے حمص سے فرار ہوتے وقت اپنے ایک معتبر ایلچی کو خط دے کر حلب روانہ کر دیا تھا۔ اس خط میں مختصراً تحریر تھا۔ ''یہ صلیبیوں کا جاہ و جلال تھا کہ میرے لشکر کے حرکت کرتے ہی صلاح الدین ایوبی حلب سے فرار ہوگیا۔ میں نے اس کے دل و دماغ پر اس قدر خوف طاری کر دیا ہے کہ وہ

آئندہ ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔''

سلطان ملک صالح اور اس کے غدار امراء نے ریمنڈ کے قاصد کی خوب خاطر مدارات کی۔ ابھی وہ عیسائی سفیر حلب کے محل میں مہمان خصوصی کے طور پر مقیم تھا کہ سلطان ملک صالح کے جاسوسوں نے انتہائی خوف زدہ لہجے میں اطلاع دی۔

صلاح الدین ایوبی کا لشکر دوبارہ حلب کی طرف بڑھ رہا ہے۔

جب یہ اطلاع دی گئی، اس وقت محل میں ایک محفل ناؤنوش برپا تھی۔ سلطان ملک صالح اپنے امراء اور عیسائی قاصد کے ساتھ شراب پی رہا تھا اور ایک سیم تن لڑکی رقص کر رہی تھی۔ صلاح الدین کے لشکر کی آمد کی خبر سن کر شرکائے محفل کے ہوش اڑ گئے۔ گمشت گین پر اس قدر بدحواسی طاری ہوئی کہ اس کے ہاتھ سے شراب کا بھرا ہوا پیالہ چھوٹ گیا۔ اس کے کپڑوں کے ساتھ ساتھ محفل کا قیمتی فرش بھی خراب ہوگیا۔ تمام امراء تصویر حیرت بنے ہوئے تھے۔ گمشت گین پر اس قدر وحشت طاری تھی کہ وہ گھبرا کر کھڑا ہوگیا۔ اور اس کا خیال کئے بغیر کہ محفل میں سلطان ملک صالح بھی موجود ہے، وہ عیسائی سفیر پر برس پڑا۔

''بادشاہ ریمنڈ کا خط غلط ہے۔ یا صلاح الدین ایوبی کی واپسی کی خبر۔''

عیسائی سفیر ایک شاطر انسان تھا۔ اور سلطان ملک صالح کی کمزوریوں سے بھی باخبر تھا۔ ''جو کچھ میرے بادشاہ نے لکھا ہے، وہ حرف بہ حرف درست ہے۔ اور باقی سب کچھ جھوٹ ہے۔''

''تمہارے بادشاہ کا لکھا ہوا درست ہے اور ہمارے جاسوسوں کا آنکھوں دیکھا غلط ہے؟'' گمشت گین نے انتہائی مشتعل لہجے میں چیختے ہوئے کہا۔

صلیبی سفیر نے بھی موقع کی مناسبت سے نہایت عیاری کا مظاہرہ کیا اور سخت لہجے میں گمشت گین سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''جب تم لوگ شراب کو برداشت نہیں کر سکتے تو پیتے کیوں ہو؟ نشے میں تم نے اس حقیقت کو بھی فراموش کر دیا کہ تمہارا مخاطب کون ہے؟'' یہ کہہ کر عیسائی سفیر سلطان ملک صالح کی طرف مڑا۔ ''سلطان معظم! مجھے نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آپ کے امراء بہت دریدہ دہن اور گفتگو کے آداب سے ناواقف ہیں۔ اگر ان کا فوری علاج نہیں کیا گیا تو یہ لوگ آپ کو اور آپ کی حکومت کو بہت جلد عبرت ناک انجام تک پہنچا دیں گے۔'' یہ کہہ کر عیسائی سفیر جانے لگا۔

سلطان ملک صالح گھبرا کر اپنی نشست سے اٹھا اور عیسائی سفیر کو روکنے کی کوشش کرنے لگا۔

''معاف کیجئے سلطان معظم! میں اس محفل میں ایک لمحے کے لئے بھی نہیں بیٹھ سکتا جہاں میرے بادشاہ کو توہین آمیز لہجے میں مخاطب کیا جاتا ہو۔ اور احسان کا بدلہ بدترین احسان فراموشی سے دیا جاتا ہو۔'' یہ کہہ کر عیسائی سفیر اس مجلس کیف و نشاط سے نکل گیا۔ دراصل وہ خود ہی حلب سے جانے کا بہانہ ڈھونڈ رہا تھا۔ یہ بات تو اس کی سمجھ میں بھی نہیں آئی تھی کہ صلاح الدین ایوبی دوبارہ کس ارادے کے ساتھ حلب کی طرف لوٹ رہا ہے؟

عیسائی سفیر کے جاتے ہی سلطان ملک صالح اس قدر غضب ناک ہوا کہ اس نے یہ کہہ کر گمشت

گین کو امراء کی محفل سے نکال دیا۔ "اس بدمزگی کے ذمے دار تم ہو۔"

......}......☆......{......

سلطان ملک صالح کے جاسوسوں کی اطلاع درست تھی۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت صلاح الدین ایوبی کا لشکر حلب کی حدود میں داخل ہوا۔ اور دوبارہ "جبلِ جوشن" پر خیمہ زن ہو گیا۔ محصور باشندے جنہوں نے بہت دن بعد کھلی فضا میں سانس لی تھی اور اپنے کام کاج کی تلاش میں گھروں سے نکلے تھے، دوبارہ بھاگ بھاگ کر شہر میں داخل ہونے لگے۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد شہر کے دروازے بند ہو گئے۔

صلاح الدین ایوبی کی واپسی کی خبر سن کر سلطان ملک صالح پر تو حیرت و پریشانی کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ اس نے فوراً ہی گمشت گین کو طلب کیا اور انتہائی غضب ناک لہجے میں کہا۔ "یہ کیا تماشا ہے کہ ہم نے ریمنڈ کو دس لاکھ دینار بھی ادا کئے۔ اور صلاح الدین نے دوبارہ ہمیں گھیر لیا۔"

خود گمشت گین کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ صلاح الدین ایوبی ایک ماہ کے لئے حلب کا محاصرہ اٹھا کر کہاں روپوش ہو گیا تھا۔ "میں کیا عرض کر سکتا ہوں سلطان معظم!" گمشت گین کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔ اور اس کی زبان سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے۔

"ہم نے یہ تجارت تیرے ہی کہنے پر شروع کی تھی۔ اور اس نقصان کا ذمے دار بھی تو ہی ہے۔" سلطان ملک صالح کا لہجہ اس قدر جارحانہ تھا کہ گورنر حلب اس کے سامنے ایک کمزور ترین غلام نظر آ رہا تھا۔

دوسرے امراء، جو گمشت گین کے اثر و رسوخ سے جلتے تھے، آج ان کی خوشی کا عالم ناقابل بیان تھا۔

"اسی وقت یروشلم جا۔ اور ریمنڈ کو بتا کہ صلاح الدین دوبارہ لوٹ آیا ہے۔" سلطان ملک صالح نے اسی طیش کے عالم میں گمشت گین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ صلاح الدین کا مستقل انتظام نہیں کر سکتا تو ہماری رقم واپس کر دے۔"

گمشت گین بدحواسی کے عالم میں کمرے سے نکلا۔ اس کی بچھائی ہوئی بساط الٹنے والی تھی۔

گمشت گین کے جاتے ہی امیر قطب الدین بن حسان نے جو سلطان ملک صالح کا رشتے دار تھا، اس نے والیٔ حلب کے کان بھرنے شروع کر دیئے۔ "گمشت گین درپردہ خود بھی باطنی عقائد رکھتا ہے۔ اس لئے وہ حلب کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔"

سلطان ملک صالح نے دوسرے امراء کو حکم دیا کہ وہ کچھ دیر کے لئے کمرے سے باہر چلے جائیں۔ پھر جب تنہائی ہو گئی تو ملک صالح نے امیر قطب الدین سے کہا۔ "ذرا صلاح الدین کے قضیئے سے فارغ ہو جاؤں۔ پھر گمشت گین سے نجات حاصل کر لوں گا۔ اب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں اس کی عیاریوں کے جال میں پھنس کر اپنے ہمدردوں اور مہربانوں سے دور ہوتا جا رہا ہوں۔"

امیر قطب الدین بن حسان کے چہرے پر خوشی کا رنگ ابھر آیا۔ آج قدرت نے اسے ایک ایسا سنہری موقع فراہم کر دیا تھا کہ جب وہ اپنے سب سے طاقتور حریف کو شکست دے سکتا تھا۔ "سلطانِ

معظم! ہم لوگ تو آپ کے احترام میں خاموش رہتے تھے۔" امیر قطب الدین نے بڑے عاجزانہ لہجے میں کہا۔ "میں یہ نہیں کہتا کہ آپ نے ایک غیر خاندان کے فرد کو اتنے بڑے عہدے پر فائز کر کے غلطی کی تھی۔ مگر اتنا ضرور عرض کروں گا۔ کہ اپنا خون آخر اپنا خون ہوتا ہے۔ میں آپ کو اس اذیت میں نہیں دیکھ سکتا۔ میری جان حاضر ہے۔ جس وقت بھی حکم دیں گے۔ قربان کر دوں گا۔" امیر قطب الدین بھی اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے بدترین خوشامد پر اتر آیا تھا۔ یہ بھی خاندان زنگی کے ان حریص اور خود غرض افراد میں سے تھا کہ اگر اسے موقع ملتا تو سلطان ملک صالح کو قتل کر کے حلب کے تخت پر قابض ہو جاتا۔

"گھبراؤ نہیں۔ آئندہ حلب کے عامل تم ہی ہو گے۔" سلطان ملک صالح نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا۔

امیر قطب الدین بن حسان نے فوراً ہی گھٹنوں کے بل جھک کر سلطان ملک صالح کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ "میں آپ کا شکر گزار ہوں سلطانِ معظم کہ حقدار کو اس کا حق مل گیا۔"

پھر جیسے ہی امیر قطب الدین بن حسان سیدھا ہوا، سلطانِ ملک صالح کا خصوصی خدمت گار قمر الدین کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں صلاح الدین ایوبی کا خط تھا۔ سلطان نے خدمت گار سے خط لے کر امیر قطب الدین کی طرف بڑھا دیا۔

امیر قطب الدین نے بہ آواز بلند پڑھنا شروع کیا۔ "سلطانِ محترم! مجھے اس واقعے سے شدید اذیت پہنچی ہے کہ آپ نے ہمارے بدترین دشمن ریمنڈ کو ایک بھاری رقم ادا کر کے اہلِ ایمان پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ کاش! آپ یہ لاکھوں دینار حلب کے بدحال لوگوں پر خرچ کر کے ان کی دعائیں لیتے تاکہ اللہ بھی راضی ہو جاتا اور سلطان عادل کی روح بھی خوش ہوتی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ حالات اس قدر سنگین رخ اختیار کر لیں گے۔ جو آپ کا سب سے بڑا ہمدرد اور خادم ہے، آپ اسی کی جان کے درپے ہیں؟ میں تو اسی وقت دنیا سے جاؤں گا، جب حق تعالیٰ کی طرف سے میری سانسوں کا شمار ختم کر دیا جائے گا۔ مگر آپ تو خدا کے لئے سلطانِ عادل کی اس عظیم وارثت کو اس طرح ختم نہ کیجئے۔ اگر آپ اپنے گرد جمع ہونے والے غدار امراء کو معزول کر کے حوالۂ زنداں کر دیں تو میں یہ بھول جاؤں گا کہ آپ کے ایماء پر باطنیوں کے ایک گروہ نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اور میں یہ بھی فراموش کر دوں گا کہ ایک ولی صفت انسان کے بیٹے نے اپنے کلمہ گو بھائیوں کے قتل عام کے لئے کرائے کے قاتل بلائے تھے۔ اور وہ قاتل جن کی زندگی کا مقصد ہی اسلام کی بنیادیں اکھاڑ پھینکنا ہیں۔"

امیر قطب الدین بن حسان صلاح الدین ایوبی کا خط پڑھتا جا رہا تھا۔ اور سلطانِ ملک صالح کا چہرہ غصے سے سرخ ہوتا جا رہا تھا۔

صلاح الدین ایوبی نے اپنے خط کے آخر میں انتہائی شائستہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے لکھا تھا۔

"اب یہ حلب کا محاصرہ اسی وقت اٹھایا جائیگا۔ جب میں دنیا سے اٹھ جاؤں گا۔ یا پھر آپ ان نمک

حرام امراء کو ہمیشہ کیلئے اپنی محفل سے اٹھا دیں گے۔ آپ کا خادم اور خیر خواہ۔ صلاح الدین ایوبی۔''

والیٔ مصر کا خط تمام ہوا تو شدت غضب سے سلطانِ ملک صالح کا پورا جسم کانپ رہا تھا۔

امیر قطب الدین بن حسان نے بڑی عیاری کے ساتھ اس آگ کو پوری شدت سے ہوا دی۔

''آپ نے سن لیا، اپنے غلام کا حکم نامہ؟''

''سن لیا۔ خوب سن لیا۔'' سلطان ملک صالح نے ہذیانی انداز میں چیختے ہوئے کہا۔ ''گمشت گین کو آنے دو۔ پھر فیصلہ ہو جائے گا۔ اس دنیا سے وہ اٹھے گا۔ یا ہم اٹھیں گے۔'' یہ کہہ کر سلطانِ ملک صالح کمرے سے نکل گیا۔ اور امیر قطب الدین حلب پر حکمرانی کے خواب دیکھنے لگا۔

......}☆{......

شاہ یروشلم ریمنڈ اور گمشت گین ایک مخصوص کمرے میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ وہاں کوئی تیسرا شخص موجود نہیں تھا۔

''سلطان ملک صالح اس بات پر سخت برہم ہے کہ آپ نے اپنے معاہدے کی تکمیل نہیں کی۔'' گمشت گین نے سہمے ہوئے لہجے میں شکایتاً کہا۔

''وہ کس طرح؟'' ریمنڈ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ ''ہم کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتے۔ جو کہتے ہیں، اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔''

''صلاح الدین ایوبی نے دوبارہ حلب کا محاصرہ کر لیا ہے۔'' گمشت گین نے دبے لفظوں میں کہا۔ ''آپ اس پر پھر دباؤ ڈالیں تاکہ وہ محاصرہ اٹھا کر مصر واپس چلا جائے۔''

گمشت گین کی بات سن کر شاہ یروشلم ریمنڈ نے ایک تضحیک آمیز قہقہہ لگایا۔ پھر بڑے عیارانہ لہجے میں بولا۔ ''دس لاکھ دینار پیشگی ادا کر دو۔ ہم دوبارہ صلاح الدین کو فرار ہونے پر مجبور کر دیں گے۔''

گمشت گین کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ ریمنڈ سے اس جواب کی توقع نہیں رکھتا تھا۔ پھر جب گمشت گین نے زیادہ بحث کی اور شاہ یروشلم کو قائل کرنے کی کوشش کی تو ریمنڈ نے سخت لہجے میں کہا۔ ''اصولی طور پر یہ معاہدہ طے پایا تھا کہ صلاح الدین حلب کا محاصرہ اٹھا کر واپس چلا جائے۔ ساری دنیا نے دیکھا کہ میں نے اسے فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔ اب یہ میری ذمے داری نہیں کہ وہ دوبارہ کیوں لوٹ آیا؟ اگر سلطان ملک صالح نیا معاہدہ طے کرنا چاہتا ہے تو اس پر گفتگو ہو سکتی ہے۔''

یہ کہہ کر ریمنڈ نے اپنے خدمت گاروں کو آواز دی۔ پھر جب دو مسلح محافظ کمرے کے اندر آئے تو شاہ یروشلم نے گمشت گین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''انہیں پوری حفاظت کے ساتھ ہماری مملکت کی سرحدوں تک پہنچا دو۔''

پھر جب گمشت گین ریمنڈ کے کمرے سے باہر نکلا تو اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ اور وہ اس خیال سے خوف زدہ تھا کہ سلطان ملک صالح کا سامنا کس طرح کرے گا؟ ریمنڈ اس کے ساتھ ایک ایسی چال چل گیا تھا کہ اب جس کا کوئی توڑ نہیں تھا۔

......}☆{......

گمشت گین راستے بھر سلطان ملک صالح کے عتاب سے بچنے کی تدبیریں سوچتا رہا۔ آخر اس کے شیطانی دماغ نے ایک مضبوط بہانہ تراش ہی لیا۔

پھر جب گمشت گین دربار حلب میں داخل ہوا تو امیر قطب الدین سلطان ملک صالح کے دائیں ہاتھ پر اطمینان سے بیٹھا تھا۔ اور اس کے چہرے پر فاتحانہ جھلک تھی۔ گمشت گین ایک لمحے میں سب کچھ سمجھ گیا۔ یہ وہی نشست تھی جہاں کچھ دن پہلے خود گمشت گین بیٹھا کرتا تھا۔

''اس کا مطلب ہے کہ میرے پیچھے انقلاب آ چکا ہے...... اور شاید مجھے گورنر حلب کے عہدے سے معزول کر دیا گیا ہے۔'' گمشت گین نے دل ہی دل میں کہا۔ اور چند قدم آگے بڑھ کر سلطان ملک صالح کی خدمت میں غلامانہ سلام پیش کیا۔

''کیا خبر لائے؟'' سلطان ملک صالح نے تحکم آمیز لہجے پوچھا۔

گمشت گین بڑے اطمینان کے ساتھ سیدھا ہوا۔ اور حاضرین دربار پر ایک اُچٹتی ہوئی نظر ڈالی...... اور بڑے شاطرانہ لہجے میں بولا۔ ''بڑی عجیب خبر ہے سلطان ذیشان۔''

''عجیب؟'' ایک لمحے کے لئے سلطان ملک صالح چونکا۔ پھر اس نے تیز لہجے میں کہا۔ ''وہ عجیب خبر بیان کی جائے۔''

''سلطان ذیشان! وہ خبر مکمل رازداری اور تنہائی چاہتی ہے۔'' گمشت گین نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''ہم چاہتے ہیں کہ سب کچھ سر دربار بیان کیا جائے۔'' سلطان ملک صالح نے بہ آواز بلند کہا۔ اور حاضرین دربار کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہاں بیٹھنے والا ایک ایک فرد ہمارا ہمدرد اور جاں نثار ہے۔''

گمشت گین نے دل ہی دل میں حاضرین دربار کو مغلظات بکیں۔ اور امیر قطب الدین بن حسان پر ایک نظر ڈالتے ہوئے والیٔ حلب سے مخاطب ہوا۔ ''سلطان ذیشان! میں کسی کی وفاداری پر شک نہیں کرتا۔ مگر اس خبر کا عام ہو جانا سلطنتِ نوریہ کے حق میں نہیں ہے۔'' گمشت گین نے بڑی ذہانت سے اپنی چال چلی۔

سلطان ملک صالح تیزی سے تخت پر کھڑا ہو گیا۔ سلطان کی تقلید میں دوسرے حاضرین بھی کھڑے ہو گئے۔ پھر ملک صالح تخت سے اُترا اور گمشت گین کے ساتھ دربار سے نکل گیا۔ دوسرے امراء کو حیرت ہوئی کہ آخر گمشت گین یروشلم سے ایسی کونسی خبر لایا ہے۔ جو صرف تنہائی ہی میں سنائی جا سکتی ہے۔ لیکن امیر قطب الدین بن حسان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ وہ تو سلطان ملک صالح کے اس اعلان کا منتظر تھا جس کے تحت اسے حلب کا نیا گورنر بنایا جانے والا تھا۔ مگر اب صورتحال یہ تھی کہ سلطان اسی مکار گمشت گین کے ساتھ رازداری کی باتیں سننے اپنے مخصوص کمرے میں جا چکا تھا۔

پھر گمشت گین نے بڑے دردناک لہجے میں شاہ یروشلم کی عیاری کی داستان سناتے ہوئے کہا۔

''سلطان ذیشان! ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ عیسائی اس قدر کینہ پرور ہوتے ہیں۔ وہ تو ریمنڈ کی ایک

چال تھی جس کے ذریعے اس نے آپ کو دھوکا دیا۔ اور دس لاکھ دینار کھا گیا۔"

جیسے ہی گمشت گین کی بات مکمل ہوئی سلطان ملک صالح وحشیانہ انداز میں چیخ اٹھا۔ "تو نے اس بات کی ضمانت لی تھی کہ ریمنڈ کسی بھی حال میں دھوکا نہیں دے گا۔"

"مگر میں ایک بات سے بے خبر تھا، سلطانِ ذیشان!" گمشت گین نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"اس ذلیل انسان نے اس طرح سلطانِ عادل کی روح سے بدلہ لیا ہے۔"

اپنے والد سلطان نورالدین محمود زنگی کا نام سن کر سلطان ملک صالح سنبھل گیا۔ اور انتہائی حیرت زدہ لہجے میں کہنے لگا۔ "سلطانِ عادل کی روح سے انتقام؟ وہ کس طرح؟"

"صلاح الدین کے محاصرے سے ہم لوگ اتنے بدحواس ہو گئے تھے کہ ہماری نظریں ماضی کے جھروکوں میں نہیں جھانک سکیں۔" گمشت گین نے سلطان ملک صالح کو نرم پڑتا دیکھ کر اپنی چرب زبانی کا جادو جگانا شروع کر دیا۔ "سلطانِ عادل نے ریمنڈ کو آٹھ سال قید میں رکھ کر ڈیڑھ لاکھ دینار کے بدلے آزاد کیا تھا۔ اس وقت آپ بہت چھوٹے ہوں گے۔ اس لئے آپ کو بھی یہ واقعہ یاد نہیں رہا۔"

یہ انکشاف سن کر سلطان ملک صالح حیران رہ گیا۔

"سلطانِ ذیشان! مجھے شدید صدمہ ہے کہ اتنی بڑی رقم رائیگاں گئی۔" گمشت گین نے افسوس ناک لہجے میں کہا۔ "مگر آپ کے غلام نے بھی ایسی چال چلی کہ ریمنڈ جیسے شاطر انسان سے یہ راز اگلوا لیا۔ ورنہ آئندہ ہمیں ناقابلِ تلافی نقصانات سے دوچار ہونا پڑتا۔ ریمنڈ جوشِ جذبات میں وہ بات کہہ گیا جو اس نے نو سال سے اپنے سینے کی گہرائیوں میں چھپا رکھی ہے۔"

"کیسی بات؟" سلطان ملک صالح کی حیرت میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

یہی وہ لمحہ تھا جب گمشت گین نے عیاری کی انتہا کو چھو لیا۔ "سلطان ذیشان! وہ بات تو میں اپنی زبان پر لا ہی نہیں سکتا۔ خدا اس وقت کے لئے مجھے زندہ نہ رکھے۔" یہ کہتے کہتے گمشت گین کی آواز لرزنے لگی تھی۔ اور اس کے چہرے پر شدید رنج و الم کے آثار نمایاں ہو چلے تھے۔

"تم وہ بات کہہ ڈالو......" گمشت گین کی وحشت دیکھ کر سلطان ملک صالح بھی گھبرا گیا تھا۔

گمشت گین بڑی ریاکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ریمنڈ کے وہ الفاظ دہرانے سے انکار کرتا رہا جو شاہ یروشلم نے اپنی زبان سے ادا نہیں کئے تھے۔ سلطان ملک صالح کا اصرار بھی بڑھتا رہا...... اور اضطراب بھی۔ آخر جب گمشت گین نے اندازہ کر لیا کہ سلطان ملک صالح مکمل طور پر وحشت کے جال میں پھنس چکا ہے تو اس نے آخری ضرب لگائی۔

"ریمنڈ نے کہا تھا کہ میں نے ڈیڑھ لاکھ دینار کا سود دس لاکھ دینار کی شکل میں وصول کیا ہے......" مکار گمشت گین کانپتی ہوئی آواز میں بول رہا تھا۔ "مگر ابھی آٹھ سالہ قید کا قرض باقی ہے۔ اور یہ قرض اسی شکل میں ادا ہو گا جب میں سلطان ملک صالح کو اپنی آنکھوں سے زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھ لوں گا۔"

یہ سنتے ہی سلطان ملک صالح کا چہرہ خوف سے زرد ہو گیا۔

"ریمنڈ نے یہ کہنے کے بعد تین بار صلیب کی قسم کھائی تھی۔" گمشت گین جال میں پھنسے ہوئے شکار کی بے کسی دیکھ کر لطف اندوز ہو رہا تھا۔ "سلطان ذیشان! ریمنڈ کے آخری الفاظ یہ تھے کہ اگر میں سلطان ملک صالح کو پابہ زنجیر کر کے قید خانے میں نہ ڈالوں تو میرے عیسائی ہونے پر لعنت ہے۔"

گمشت گین نے یہ جھوٹ اس قدر صفائی سے بولا تھا کہ سلطان ملک صالح کو محسوس ہونے لگا تھا جیسے شاہ یروشلم ریمنڈ حلب کے محل میں داخل ہو گیا ہے اور اس کی طرف زنجیریں لئے بڑھ رہا ہے۔

"اب کیا ہو گا گمشت گین؟" سلطان ملک صالح کسی سہمے ہوئے بچے کی طرح نظر آ رہا تھا۔

"سلطان عادل نے ریمنڈ جیسے کینہ پرور انسان کو چھوڑ کر بہت غلطی کی۔ جس کا خمیازہ ہمیں بھگتنا پڑ رہا ہے۔" بزدل اور کم فہم بیٹا اپنے اس عظیم باپ پر الزام تراشی کر رہا تھا، جس کی کوششوں کے طفیل سلطان ملک صالح حلب کے تخت پر بیٹھا تھا۔ اور دوسرے مسلمان امراء عزت و آبرو کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

"ابھی آپ کا یہ غلام زندہ ہے سلطانِ ذیشان۔" گمشت گین کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ اس نے بڑی ذہانت سے امیر قطب الدین بن حسان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

......}......☆......{......

صلاح الدین ایوبی نے خاندان زنگی سے وفاداری ثابت کرنے کے لئے آخری قدم اٹھایا۔ اور والیٔ موصل سیف الدین کے نام جو سلطان ملک صالح کا چچازاد بھائی تھا ایک خط تحریر کیا۔ جس میں انتہائی برادرانہ لہجہ اختیار کیا گیا تھا۔ "میں ملتِ اسلامیہ کے اتحاد کے نام پر آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ دیارِ جزیرہ سلطان ملک صالح کو واپس کر کے اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیں۔ اور میرے ساتھ مل کر ان منافقین کا صفایا کر دیں جو ہماری صفوں میں شامل ہو کر اسلام کو شدید نقصان پہنچا رہے ہیں۔" صلاح الدین ایوبی کے تحریر کردہ ایک ایک لفظ سے ملت کا درد جھلک رہا تھا۔

مگر جب سیف الدین کا جواب آیا تو صلاح الدین ایوبی کئی دن اداس رہا۔ والیٔ موصل نے انتہائی تحقیر آمیز لہجے میں صرف ایک سطر پر مشتمل جواب دیا تھا۔ "سب سے بڑا منافق تو خود ہے۔"

اس سے پہلے بھی صلاح الدین ایوبی نے سیف الدین کو کئی خط تحریر کئے تھے۔ اور ان کے جواب میں اسے "غلام زادے" کے طعنے سننے پڑے تھے۔ اب کی بار والیٔ مصر کو منافق کہہ کر پکارا گیا۔ صلاح الدین کئی دن تک اپنے آپ سے الجھتا رہا۔ پھر وہ نصف فوج حلب کے محاصرے پر چھوڑ کر برق رفتاری کے ساتھ "بعلبک" کی طرف بڑھا۔ اس شہر کا حاکم یمن نامی ایک شخص تھا۔ اس نے خوف زدہ ہو کر ایک نامہ بر کبوتر کے ذریعے ملک صالح کو پیغام بھیجا کہ سلطان فوری طور پر اس کی مدد کو آئیں۔ ورنہ صلاح الدین ایوبی بعلبک پر قبضہ کر لے گا۔ نامہ بر کبوتر بروقت پہنچ گیا تھا مگر سلطان ملک صالح میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ وہ قلعے سے باہر نکل سکتا۔ بعلبک کے حاکم کی مدد کرنا تو بہت دور کی بات تھی۔ آخر یمن نے صلاح الدین ایوبی سے امان طلب کی اور بعلبک کا قلعہ اس کے حوالے کر دیا۔

یہ خبر والیٔ موصل کے لئے بڑی حیران کن تھی۔ سیف الدین سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ صلاح الدین اس قدر جرأت کا مظاہرہ کرے گا کہ اس کی شہ رگ کے قریب پہنچ جائے گا۔ نتیجتاً سیف الدین نے اپنے چھوٹے بھائی عزالدین مسعود کو ایک بھاری لشکر دے کر حلب کی طرف روانہ کیا۔ ساتھ ہی سلطان ملک صالح کے نام ایک محبت نامہ بھی تحریر کیا۔

"برادرم! تم مجھ سے عمر میں اتنے چھوٹے ہو کہ میرے بیٹوں اور تم میں کوئی فرق نہیں۔ ہمیں چاہئے کہ پچھلے اختلافات کو بھلا کر ہم ایک ہو جائیں۔ اور اپنے مشترکہ دشمن صلاح الدین ایوبی کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں۔"

یہ سیف الدین کی ایک گہری چال تھی کہ سلطان ملک صالح اس صورتحال سے گھبرا کر فوجی اتحاد پر آمادہ ہو جائے گا۔ پھر صلاح الدین کو کچل دینے کے بعد حلب اور دمشق پر بھی قبضہ کر لیا جائے گا۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔ سلطان ملک صالح صلاح الدین ایوبی کے ساتھ شاہ یروشلم ریمنڈ سے بھی خوف زدہ تھا۔ اس لئے فوراً ہی اپنے چچا زاد بھائی سیف الدین کے فریب میں آ گیا۔ پھر تمام امراء کے سامنے عزالدین مسعود اور ملک صالح نے حلف اٹھایا کہ ہم آخری سانس تک اپنے دشمن کے خلاف متحد رہیں گے۔

گمشت گین نے خاندان زنگی کو گلے ملتے دیکھا تو اسے اپنے منصوبوں کا قلعہ زمین بوس ہوتا نظر آنے لگا۔ عزالدین مسعود کے حلب پہنچنے کے دوسرے دن ہی گمشت گین سلطان ملک صالح سے تنہائی میں ملا اور اس اتحاد کی شدید مخالفت کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "یہ تو ایسا ہی ہے کہ سلطانِ ذیشان آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں ہاتھ دے دیں۔ اور یقین کر لیں کہ آگ آپ کو نہیں جلائے گی۔ یا سانپ اپنی فطرت بدل کر ڈسنا چھوڑ دے گا۔ یا درندے گھاس کھانا شروع کر دیں گے۔"

گمشت گین کا انداز گفتگو کچھ ایسا تھا جیسے وہ سلطان ملک صالح کی کم عقلی کا مذاق اڑا رہا ہو۔ والیٔ حلب ریمنڈ کے معاملے میں پہلے ہی گمشت گین سے جلا بیٹھا تھا۔ یہ تضحیک آمیز باتیں سن کر غصے سے بے قابو ہو گیا۔ اور فوراً ہی گمشت گین کی گرفتاری کا حکم جاری کر دیا۔ اس عیار شیطان نے اپنی جان بچانے کے لئے سلطان کے قدموں پر سر رکھ دیا...... مگر اس کا وقت پورا ہو چکا تھا۔ ملک صالح نے اسے الٹا لٹکا دیا...... اور خدمت گاروں کو حکم دیا کہ گمشت گین کے چہرے کے نیچے آگ جلائیں تاکہ دھواں اس کی ناک میں جائے۔ یہ ایک، ایسی اذیت ناک سزا تھی کہ دھوئیں سے بچنے کے لئے وہ مچھلی کی طرح تڑپتا تھا...... مگر ایک دن میں ہی اپنی ساری طاقت گنوا بیٹھا۔ پھر وہ اتنا نڈھال ہو گیا کہ اپنے جسم کو حرکت بھی نہیں دے سکتا تھا۔ نتیجتاً ناک میں دھواں بھر جانے سے اس کا دم گھٹ گیا۔ اور پھر اقتدار کے لئے ہر گناہ کرنے والا اس حالت میں دنیا سے رخصت ہوا کہ گمشت گین کا چہرہ دیکھنے والے ڈر جاتے تھے۔ اس کی آنکھیں ابلی ہوئی تھیں۔ اور زبان باہر نکل آئی تھی۔

......}......☆......{......

جب صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں نے اسے خبر دی کہ موصل کا لشکر حلب پہنچ گیا ہے اور

دونوں حکمرانوں کے درمیان فوجی معاہدہ طے پا چکا ہے تو وہ تیز رفتاری کے ساتھ حلب کی طرف بڑھا اور تیسری بار "جبلِ جوشن" پر خیمہ زن ہوا۔ صلاح الدین نے ایک بار پھر مسلمانوں کو خونریزی سے بچانے کے لئے صلح کی گفتگو کا آغاز کرنا چاہا۔ مگر عزالدین مسعود نے شرط رکھی کہ وہ پہلے سارے علاقے چھوڑ کر مصر واپس جائے۔ پھر صلح کے مذاکرات ہمارے پسندیدہ مقام پر ہوں گے۔ موصل اور حلب کے حکمرانوں کی یہ شرط بدنیتی اور فریب کی عکاس تھی۔ اس لئے صلاح الدین ایوبی نے اسے سختی کے ساتھ ماننے سے انکار کر دیا۔

ان ہی دنوں ایک انتہائی جانگداز واقعہ پیش آیا۔ مصر میں زبیدہ خاتون شدید بیمار تھیں۔ آنے والے قاصد نے صلاح الدین ایوبی کو اطلاع دی تھی کہ اس کی والدہ بمشکل چند دنوں کی مہمان ہیں۔ اس نے فوری طور پر چھوٹے بھائی ملک عادل کو دمشق سے بلایا۔ اور اس درخواست کے ساتھ مصر روانہ کر دیا۔ "ہر بیٹے کی تمنا ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اپنی ماں کی خدمت کر سکے۔ مگر میں جس کام پر مامور کیا گیا ہوں، وہاں سے رخصت ملنا فی الحال ناممکن نظر آتا ہے۔ میری اس نافرمانی کو یہ سوچ کر معاف کر دیجئے گا کہ آپ کا بیٹا بہت مجبور تھا۔"

جب ملک عادل مصر پہنچا تو زبیدہ خاتون کی آخری سانسیں تھیں۔ انہوں نے بیٹے کا خط سنا اور آنکھیں اشکوں سے لبریز ہو گئیں۔ پھر نحیف اور کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں تم سے راضی ہوں بیٹے۔ اللہ بھی تم سے راضی رہے۔" اس کے بعد کلمۂ شہادت پڑھا اور دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

......}......☆......{......

صلح کے مذاکرات ناکام رہے عزالدین مسعود اور ملک صالح نے افرادی قوت کی زیادتی کے نشے میں قلعے سے نکل کر صلاح الدین ایوبی کے لشکر پر حملہ کیا۔ مگر بدترین شکست کھائی۔ عزالدین مسعود بھاگ کر موصل چلا گیا۔ اور سلطان ملک صالح دوبارہ قلعہ بند ہو گیا۔

آخر محاصرے سے تنگ آ کر ملک صالح نے صلاح الدین ایوبی کو غیر مشروط صلح کی پیشکش کی۔ صلاح الدین تو پہلے ہی اپنے آقازادے کو نمک حرام اور غدار امراء کے نرغے سے نکالنا چاہتا تھا۔ اس نے فوراً ملک صالح کی بات مان لی اور دمشق واپس چلا گیا۔

جب یہ خبر والیٔ موصل سیف الدین کو پہنچی تو اس نے فوری طور پر ایک خط سلطان ملک صالح کو تحریر کیا۔ "تم نے کیسی نادانی کی ہے کہ دشمن سے صلح کر لی۔ فوری طور پر اس معاہدے کو چاک کر ڈالو۔ میں عیسائی لشکر کے ساتھ بہت جلد پہنچ رہا ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی سیف الدین نے صلاح الدین کو بے خبر رکھنے کے لئے ایک خط اس کے نام بھی تحریر کیا۔ "میرے بھائی صلاح الدین! میں اپنی گزشتہ حرکات پر سخت نادم ہوں۔ واقعی تم اپنے دل میں ملت اسلامیہ کا بے پناہ درد رکھتے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ پچھلی ساری کوتاہیوں کو معاف کرتے ہوئے میری طرف کامل دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ گے...... بے شک! ہماری نجات اسی میں ہے کہ ہم سب مل کر صلیبیوں کا مقابلہ کریں۔ اور سلطان عادل کے خواب کی تعبیر تلاش کریں۔ ورنہ بروزِ حشر ہم حق

تعالیٰ کو کیا منہ دکھائیں گے؟"

سیف الدین کا قاصد پہلے حلب آیا اور والئ موصل کا خط ملک صالح کے حوالے کیا۔ سلطان نے مسکراتے ہوئے قاصد کی طرف دیکھا اور چند سطروں میں جواب لکھ دیا۔ "صلح کا معاہدہ محض مصلحت اور وقت کی ضرورت ہے۔ موقع ملتے ہی اسے چاک کر دیا جائیگا۔ اور ٹکڑے ہوا میں اڑا دیئے جائیں گے۔"

سلطان ملک صالح کا جواب لے کر قاصد دمشق آیا اور غلطی سے سلطان ملک صالح کا جواب صلاح الدین ایوبی کے حوالے کر دیا۔ آقا زادے کا خط پڑھ کر صلاح الدین کو شدید قلبی اذیت پہنچی۔ مگر وہ آہنی اعصاب کا انسان تھا اس نے چہرے سے اپنی دلی کیفیت ظاہر نہیں ہونے دی...... اور شگفتہ مسکراہٹ کے ساتھ ملک صالح کا خط قاصد کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ خط کسی اور کے لئے ہے۔ تم نے غلطی سے مجھے دیدیا ہے۔"

اپنی اس غلطی پر قاصد کے ہوش اڑ گئے۔ پھر صلاح الدین ایوبی نے والئ موصل سیف الدین کا خط پڑھا۔ اور فوری طور پر مختصر جواب لکھا۔ "اگر آپ نے خلوص و دیانت کے ساتھ میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے تو مجھے اپنی توقع سے زیادہ کشادہ دل پائیں گے۔ اگر ملتِ اسلامیہ کے اتحاد کی خاطر میری جان بھی چلی جائے تو یہ ایک نہایت حقیر قربانی ہوگی۔"

قاصد کے جاتے ہی صلاح الدین ایوبی نے آسمان کی طرف دیکھا۔ ایک تو والدہ کی موت کا صدمہ۔ دوسرے فریب کار سیاست کا بدترین مظاہرہ۔ صلاح الدین ایوبی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "الٰہی! یہ کیسے لوگ ہیں؟ انہیں ہدایت دے اور مجھے صبر عطا کر۔"

پھر اسی روز صلاح الدین ایوبی نے ایک برق رفتار قاصد کو خط دے کر مصر روانہ کیا۔ یہ خط ملک عادل کے نام تھا۔ "تم فوری طور پر تازہ دم فوج لے کر دمشق پہنچو۔ مجھے یہاں کی ہواؤں اور فضاؤں سے بڑے فتنوں کی بو آ رہی ہے۔"

صلاح الدین کا خط ملتے ہی ملک عادل پانچ ہزار سپاہیوں کے ساتھ دمشق پہنچ گیا۔ اس بار صلاح الدین کا سب سے چھوٹا بھائی ملک تقی الدین بھی مصری لشکر کے ساتھ تھا۔

جب صلاح الدین کی تازہ دم فوج دمشق پہنچ گئی۔ تو اس نے سلطان ملک صالح کے نام ایک جارحانہ خط تحریر کیا۔

"آج تک میں نے آپ سے جس لہجے میں بات کی ہے، اگر اسی زبان میں پتھروں سے گفتگو کرتا تو شاید اب تک وہ بھی پگھل چکے ہوتے۔ سلطانِ عادل کی غلامی کا طوق تو قبر کے اندر بھی میری گردن میں رہے گا۔ مگر آج میں آپ کی اطاعت سے منحرف ہوتا ہوں۔ اب میرے کسی علاقے میں آپ کے نام کا خطبہ جاری نہیں رہے گا۔"

صلاح الدین ایوبی کا خط پڑھ کر کچھ دیر کے لئے سلطان ملک صالح کو سکتہ سا ہو گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ صلاح الدین ایوبی اتنی جلد اس قدر باغیانہ روش اختیار کرے گا۔ اگر سلطان ملک

صالح میں ذرا بھی عقل ہوتی اور اس کی فطرت میں غرور و تکبر شامل نہ ہوتا تو وہ والئ مصر کو موردِ الزام اور قصوروار نہ ٹھہراتا۔ صلاح الدین ایوبی تو سلطان نورالدین محمود زنگی کی وفات کے بعد سے ہی نہ صرف نوعمر سلطان کو سیاست کے پیچ و خم سمجھانے اور غدار امراء سے ہوشیار رہنے کی تلقین کر رہا تھا بلکہ اپنی طرف سے بھی مسلسل اطاعت و فرمانبرداری کے زندہ ثبوت پیش کر رہا تھا۔ اب اسے ملت اسلامیہ کی محرومی سمجھیں یا پھر خود سلطان ملک صالح کی بدنصیبی قرار دیں کہ اس نے سارے خیرخواہانہ مشورے جھٹلا دیئے اور صلح و صفائی کے تمام سنہری موقع گنوا دیئے۔ خاندانی عظمت کے جادو میں گرفتار سلطان ملک صالح نے صرف عاقبت نااندیشی ہی کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ اپنے وفادار ترین شخص کے ساتھ بدترین حرکت کی کہ ملت اسلامی کے نگہبان کو آدم خور حشاشین سے مل کر قتل کرانے کی کوشش کی، اب یہ صلاح الدین ایوبی کی انتہائی خوش قسمتی تھی کہ حق تعالیٰ نے اسے دشمنوں کی انتہائی خوفناک سازشوں سے محفوظ رکھا۔

یہی وہ حالات و اسباب تھے کہ جن سے تنگ آ کر صلاح الدین ایوبی نے اپنے آقا زادے سلطان ملک صالح کی اطاعت سے انحراف کیا۔ خط بھیجنے کے باوجود صلاح الدین ایوبی نے دل ہی دل میں یہ فیصلہ بھی کیا تھا کہ اگر خط پڑھنے کے بعد سلطان ملک صالح خود چل کر اس کے پاس آتا ہے اور ملت اسلامیہ کے اتحاد کی کوششوں میں اس کے ساتھ تعاون کرتا ہے تو وہ اپنا حکم واپس لے لے گا اور دوبارہ سلطان ملک صالح کے نام کا خطبہ جاری کر دے گا۔ یہ صلاح الدین ایوبی کے خلوص و دیانت کی انتہا تھی۔ وہ سلطان ملک صالح پر سیاسی دباؤ ڈال کر اسے راہ راست دکھانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔

مگر سلطان ملک صالح نوشتۂ دیوار کو نہ پڑھ سکا اور وہ صلاح الدین ایوبی کا خط لے کر اپنے حقیقی چچا زاد بھائی والئ موصل سیف الدین کے پاس پہنچا۔ سیف الدین نے بڑی حیرت سے صلاح الدین ایوبی کا حکم نما خط دیکھا اور پھر والئ مصر کا وہ خط نکال کر سلطان ملک صالح کو دکھایا جو اس نے سیف الدین کے خط کے جواب میں تحریر کیا تھا۔

پھر دونوں بھائیوں میں بہت دیر تک اس موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ آخر میں سیف الدین نے انتہائی تحقیر آمیز لہجے کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "ایک طرف وہ غلام زادہ تمہارے نام کا خطبہ منسوخ کرتا ہے اور دوسری طرف ملت اسلامیہ کے اتحاد کیلئے اپنی جان کی قربانی دینے کی پیشکش کرتا ہے۔ میں نے آج تک اس سے زیادہ ریاکار انسان نہیں دیکھا۔" یہ کہتے کہتے والئ موصل کا چہرہ نفرت و غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔

سلطان ملک صالح نے والئ موصل کی ہاں میں ہاں ملائی اور صلاح الدین کے بارے میں انتہائی نازیبا کلمات استعمال کرتے ہوئے کہا۔ "برادر محترم! میں تو دمشق گنوا چکا، اب موصل اور آپ کے دوسرے علاقوں کی باری ہے اگر بروقت صلاح الدین کے لمبے اور لالچی ہاتھ نہیں کاٹے گئے تو پھر کچھ بھی باقی نہ بچے گا۔"

سیف الدین بہت دیر تک اس پیچیدہ مسئلے پر غور کرتا رہا۔ پھر اس نے صلاح الدین ایوبی کے خلاف ایک اور چال چلی۔

سیف الدین نے فوری طور پر اپنے قاصد کو ایک خط دیکر دمشق روانہ کیا۔ وہ خط کیا تھا، منافقت اور عیاری کی ایک مختصر داستان تھی جس کا ہر لفظ بظاہر آبِ حیات تھا لیکن در پردہ زہر قاتل۔ سیف الدین نے صلاح الدین ایوبی کو نہایت محبت آمیز لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا۔

''برادر عزیز! ملت اسلامیہ کے اتحاد کے لئے تمہاری قلبی کیفیات جان کر مجھے ناقابلِ بیان مسرت حاصل ہوئی ہے، اب اس کارِ عظیم کی تکمیل میں ہمیں لمحوں کی تاخیر بھی نہیں کرنی چاہیے۔ میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ جلد از جلد موصل چلے آؤ تاکہ تمہاری تجویز کو عملی رنگ دے کر آخری شکل دے دی جائے۔''

سیف الدین کی چال یہ تھی کہ اگر صلاح الدین ایوبی اس کے خط سے متاثر ہو کر موصل آتا ہے تو حلب اور موصل کی فوجیں راستے میں گھات لگا کر بیٹھ جائیں گی اور موقع ملتے ہی صلاح الدین کے چند مسلح محافظوں پر اچانک کمین گاہوں سے نکل کر حملہ کر دیں گی۔ نتیجتاً یا تو صلاح الدین مارا جائے گا یا پھر اسے گرفتار کر لیا جائے گا اور پھر اس کے راستے کا یہ بھاری پتھر ہمیشہ کے لئے ہٹ جائے گا مگر سیف الدین کو اس واقعہ کی خبر نہیں تھی کہ قاصد کی غلطی سے اس کا ایک خط صلاح الدین ایوبی کی نظروں سے گزر چکا ہے۔

صلاح الدین ایوبی والئ موصل سیف الدین کا خط پڑھ کر زیرِ لب مسکرایا۔ پھر اس نے بلا تاخیر سیف الدین کے مکتوب کے جواب میں ایک مختصر خط تحریر کیا۔ صلاح الدین ایوبی نے سیف الدین کے سامنے ایک نئی تجویز رکھتے ہوئے تحریر کیا تھا۔

''میں فوری طور پر موصل آنے کے لئے تیار ہوں مگر اس کے ساتھ ہی میری یہ شرط بھی ہے کہ تمام مسلم علاقوں کے سربراہ آپ کے دارالحکومت میں جمع ہوں گے پھر ایک عہد نامہ تحریر کیا جائے گا کہ کسی مسلم ریاست کا امیر کسی دوسری اسلامی ریاست کے مفادات کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرے گا اور اگر کسی سربراہ سے یہ جرم سرزد ہوگا تو تمام اتحادی مل کر اسے بھرپور سزا دیں گے۔''

صلاح الدین ایوبی نے سیف الدین کی چال اسی پر الٹ دی تھی۔ والئ مصر خوب جانتا تھا کہ موصل کا اوباش حکمران اس تجویز کو کبھی قبول نہیں کرے گا۔

جیسے ہی موصل کا قاصد خط کا جواب لے کر دمشق سے روانہ ہوا، صلاح الدین ایوبی اپنے لشکر کے ساتھ حماہ کی طرف بڑھا۔

اپنے سراغ رسانوں کی زبانی صلاح الدین ایوبی کی پیش قدمی کی خبر سن کر والئ موصل سیف الدین اور سلطان ملک صالح حیرت زدہ رہ گئے۔ سیف الدین کبھی صلاح الدین کے اس خط کو دیکھتا تھا جس میں اس نے تمام اسلامی ریاستوں کے سربراہوں کا اجلاس بلانے کی تجویز پیش کی تھی اور کبھی ان جاسوسوں کا منہ دیکھتا تھا جن کی خبروں کے مطابق صلاح الدین ایوبی کا لشکر حماہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اگرچہ سیف الدین اور سلطان ملک صالح پر صلاح الدین ایوبی کی نیت اور ارادے کا اظہار نہیں ہوا تھا لیکن پھر بھی دونوں حکمرانوں نے والئ مصر کی پیش قدمی کو اپنے لئے سنگین خطرہ محسوس کیا۔ نتیجتاً حلب اور موصل کی 20 ہزار فوج تیز رفتاری کے ساتھ حماہ کے قلعے میں پہنچی۔ سلطان ملک صالح واپس حلب جا چکا تھا لیکن اس کی فوجی تائید سیف الدین کو حاصل تھی۔

صلاح الدین ایوبی گرد و نواح کے تمام علاقوں کا جائزہ لیتا ہوا آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ والئ مصر کے منصوبے سے اس کے امراء بھی بے خبر تھے۔

سیف الدین نے کچھ دن تک حماہ کے قلعے میں قیام کیا۔ مگر جب صلاح الدین ایوبی ''بیت الشراب'' کے قریب پہنچ گیا جو حماہ سے 50 میل کے فاصلے پر واقع تھا تو سیف الدین بھی اپنے لشکر کے ہمراہ قلعے سے باہر نکلا اور شہر سے 10 میل کے فاصلے پر خیمہ زن ہو گیا۔ اس کے جاسوسوں نے یہ اطلاع بھی فراہم کی تھی کہ صلاح الدین کے فوجیوں کی تعداد تین چار ہزار سے زیادہ نہیں ہے اور حقیقت بھی یہی تھی کہ مصر سے آنے والے پانچ ہزار سپاہیوں میں سے صلاح الدین نے دو ہزار فوجی دمشق کے دفاع کے لئے متعین کر دیئے تھے اور تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ حماہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

جاسوسوں کی اس اطلاع پر سیف الدین نے خوشی کا اظہار کیا کہ اس کے اور صلاح الدین کے درمیان افرادی قوت کا کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے اگر والئ مصر حماہ پر حملہ آور ہوا تو شرمناک شکست سے دوچار ہوگا۔

ادھر والئ موصل سیف الدین اپنی کثرت افواج پر نازاں تھا اور ادھر صلاح الدین ایوبی بہت احتیاط کے ساتھ اپنی صفیں درست کر رہا تھا پھر جب والئ مصر کی منصوبہ بندی مکمل ہو چکی تو اس نے اپنے قاصد کو ایک طویل خط دے کر سیف الدین کے لشکر کی طرف روانہ کیا۔

جب صلاح الدین کا قاصد سیف الدین کے خیمے کے قریب پہنچا تو اسے اندر سے کسی مطربہ کے گانے کی دلکش آواز سنائی دی۔ صلاح الدین ایوبی کا قاصد گانے کی آواز سن کر حیرت زدہ رہ گیا اور دل ہی دل میں کہنے لگا۔

''محاذِ جنگ اور یہ رقص و سرود کی محفل؟''

صلاح الدین ایوبی کا قاصد خیمے کے دروازے پر حیرت و استعجاب میں ڈوبا ہوا بہت دیر تک کھڑا رہا۔ ابھی والئ موصل سیف الدین نے قاصد کو اندر طلب نہیں کیا تھا پھر اچانک مطربہ کے گانے کی آواز بند ہو گئی اور ساز بھی خاموش ہو گئے۔

دراصل واقعہ یہ تھا کہ والئ موصل سیف الدین نہ صرف رقص و سرود کا دلدادہ تھا بلکہ شراب کا رسیا بھی تھا۔ اپنے حکمران کی یہ روش دیکھ کر امراء بھی لہو و لعب اور گناہوں کے راستے پر اتنے آگے بڑھ گئے تھے کہ ان کی واپسی ناممکن تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب صلاح الدین ایوبی کا قاصد حماہ پہنچا تھا تو سیف الدین کے خیمے میں رقص و سرود کی محفل آراستہ تھی اور اس وقت سیف الدین کے خیمے میں 100 کے قریب گانے والیاں اور اتنے ہی سازندے موجود تھے۔ صلاح الدین ایوبی کے قاصد کی

آ مدسن کر سیف الدین نے تمام گانے والیوں اور ساز بجانے والوں کو اپنے خیمے سے چلے جانے کا حکم دیا۔ پھر جب خیمے میں اس کے خاص امراء رہ گئے تو صلاح الدین ایوبی کے قاصد کو اندر طلب کرلیا گیا۔

قاصد نے سفارتی آداب کا مظاہرہ کرتے ہوئے سیف الدین کی خدمت میں مؤدبانہ سلام کے ساتھ صلاح الدین کا خط پیش کر دیا۔

پھر امیر قطب الدین بن حسان نے صلاح الدین کا خط بآواز بلند پڑھنا شروع کیا۔ صلاح الدین ایوبی نے مالکِ حقیقی کی حمد وثناء کرنے کے بعد اپنے خط کی ابتداء اس مشہور حدیث سے کی تھی۔

"والیٔ موصل کو معلوم ہونا چاہیے کہ مردِ مومن ایک سوراخ سے دوبارہ ڈسا نہیں جاتا۔ اتفاق سے میں آپ کا وہ خط پڑھ چکا ہوں جو آپ نے سلطان ملک صالح کو معاہدہ توڑ دینے کے لئے لکھا تھا اور اس کے ساتھ ہی والیٔ حلب کو یہ نوید بھی سنائی تھی کہ آپ صلیبی لشکر کے ساتھ مل کر مجھے نیست و نابود کر ڈالیں گے اب یہ تو اللہ ہی جانتا ہے کہ کون باقی رہے گا اور کون مٹ جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور جسے چاہتا ہے فنا کر ڈالتا ہے۔ میں نے ملتِ اسلامیہ کے اتحاد کیلئے آپ لوگوں کے سامنے گداگروں کے انداز میں اپنا دامن پھیلایا کہ اس میں زر و جواہر نہیں، خلوص، دیانت اور وفا کے وہ دینار و درہم ڈال دیں جس سے قومیں ترقی پاتی ہیں اور تہذیبیں سرخرو ہوتی ہیں مگر صد حیف آپ حضرات نے میرے پھیلے ہوئے دامن کو ایک گداگر کا کشکول ہی سمجھا۔ اللہ اپنی تمام مخلوقات کے ساتھ میری نیت اور ارادے سے بھی باخبر ہے۔ اب میں اس حقیقت سے باخبر ہو گیا ہوں اور مایوس بھی ہو گیا ہوں کہ آپ حضرات کے زنگ آلود دل و دماغ کو صیقل نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج میں اس خط کے ذریعے ملتِ اسلامیہ کے اتحاد کیلئے کوئی سوال نہیں کر رہا ہوں بلکہ آپ کے سامنے یہ مطالبہ کر رہا ہوں کہ جلد از جلد حماہ کا علاقہ خالی کر دیا جائے تا کہ میں اپنے منصوبے کی تکمیل کے لئے آگے قدم بڑھا سکوں۔ واضح رہے کہ اگر آپ نے اہلِ ایمان کے کشت و خون کے بغیر حماہ کا قلعہ چھوڑ دیا تو مجھے بیحد مسرت حاصل ہو گی۔ اور اگر آپ نے یہی طے کر لیا ہے کہ زمین مسلمانوں کے خون سے تر ہو جائے تو پھر اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ میں شدید مجبوری کی حالت میں اس نتیجے پر پہنچ چکا ہوں کہ اس خون کا بہہ جانا ہی بہتر ہے جو بہت دنوں سے ملتِ اسلامیہ کے جسم میں فساد پیدا کر رہا ہے۔"

جیسے جیسے امیر قطب الدین بن حسان صلاح الدین ایوبی کا خط پڑھتا جا رہا تھا والیٔ موصل سیف الدین کی حالت غضب میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ پھر جب امیر قطب الدین بن حسان آخری سطر پر پہنچا تو سیف الدین کی قوتِ برداشت جواب دے گئی۔ اور وہ چیخ کر امیر قطب الدین سے مخاطب ہوا۔

"قطب الدین! ایک پاگل کی لکھی ہوئی تحریر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔"

امیر قطب الدین نے مسکراتے ہوئے صلاح الدین ایوبی کا خط سیف الدین کی طرف بڑھایا۔

"یہ خط آپ کے نام ہے۔ آپ ہی اپنے دستِ مبارک سے اسے چاک کریں گے۔"

یہ سن کر سیف الدین نے بڑے غرور و تکبر کے انداز میں اپنے دونوں ہاتھوں کو غور سے دیکھا پھر امیر قطب الدین بن حسان سے مخاطب ہو کر بولا۔ "یہ ایک طاقتور حکمراں کے ہاتھ ہیں۔ اپنے خاندانی غلام کی تحریر کو چھونا بھی ان کی توہین ہے۔"

امیر قطب الدین بن حسان نے سیف الدین کو خوش کرنے کیلئے پُر جوش لہجے میں کہا۔ "اگر یہ بات ہے تو آپ کا خادم صرف تحریر ہی کے نہیں، صلاح الدین ایوبی کے ٹکڑے کرنے کے لئے بھی تیار ہے۔" اتنا کہہ کر قطب الدین بن حسان نے صلاح الدین ایوبی کے خط کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دیئے۔ پھر ان ٹکڑوں کو مٹھی میں دبا کر اپنی نشست سے اٹھا۔ اور سیف الدین کے قدموں میں ڈال دیئے۔ پھر ایک زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔

"یہ ایک غلام کا جھکا ہوا سر ہے جو اپنے آقا کے قدموں کو چھو رہا ہے۔"

سیف الدین نے امیر قطب الدین بن حسان کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم بہت ذہین انسان ہو۔"

قاصد کو اس کے لائے ہوئے پیغام کا جواب مل گیا تھا۔ اس نے سیف الدین کو رخصتی سلام کیا اور واپس جانے کے لئے مڑا۔ دوسرے ہی لمحے کمرے میں والیٔ موصل کی پُرجلال آواز گونجی۔

"قطب الدین! یہ ہماری روایات کے خلاف ہے کہ ہم قاصد کو تواضع کے بغیر جانے دیں۔"

صلاح الدین ایوبی کا قاصد پلٹا اور اس نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ "تواضع تو آپ کر چکے۔"

"ابھی کہاں؟" سیف الدین نے ہنستے ہوئے کہا۔ اور پھر امیر قطب الدین بن حسان سے کہا۔

"ذرا اس کو ہماری افواجِ قاہرہ کا نظارہ تو کراؤ۔"

یہ سنتے ہی امیر قطب الدین تیزی سے اٹھا اور صلاح الدین کے قاصد کو اپنے ساتھ لے کر کمرے سے نکل گیا۔

……{☆}……

پھر امیر قطب الدین نے اپنے ہرکاروں کے ذریعے موصل اور حلب کے سپاہیوں کو ایک طویل و عریض میدان میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ اتنی دیر امیر قطب الدین نے صلاح الدین ایوبی کے قاصد کو اپنے کمرے میں بٹھائے رکھا اور اسے پُرتکلف کھانا کھلایا۔ پھر جب سیف الدین کی ساری فوج میدان میں جمع ہو گئی تو امیر قطب الدین بن حسان صلاح الدین ایوبی کے قاصد کو لے کر اپنے مکان سے نکلا۔ کچھ دیر بعد دونوں گھوڑے میدان کے قریب پہنچ گئے جہاں حدِ نظر تک سیف الدین کے سپاہیوں کے سر نظر آ رہے تھے۔

امیر قطب الدین بن حسان نے بڑے متکبرانہ انداز میں اپنی شمشیر بے نیام کی اور پھر تلوار سے میدان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم ہمارے جانبازوں کا یہ جمِ غفیر دیکھ رہے ہو؟"

امیر قطب الدین بن حسان کا خیال تھا کہ صلاح الدین ایوبی کا قاصد یہ منظر دیکھ کر گھبرا جائے

گا، یا اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار نمایاں ہو جائیں گے مگر اس شخص نے بے نیازانہ کہا۔ ''میدان جنگ میں فوج ہی ہوتی ہے یہ کوئی عجیب منظر تو نہیں، جسے آپ کے امیر سیف الدین مجھے بطور خاص دکھانا چاہتے تھے۔''

صلاح الدین ایوبی کے قاصد کی اس بے نیازی پر امیر قطب الدین بن حسان جل اٹھا۔ ''امیر سیف الدین یہ چاہتے تھے کہ تو ہمارے جانبازوں کا شمار کر لے اور صلاح الدین کو جا کر بتا دے کہ اس کے واپس جانے ہی میں عافیت ہے۔''

''میں آپ کا پیغام بھی اپنے امیر تک پہنچا دوں گا۔'' قاصد کے سکون و اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

اس کا یہ طرز عمل دیکھ کر امیر قطب الدین بن حسان مزید غضب ناک ہو گیا۔ ''کیا تیرے امیر کے مٹھی بھر سپاہی اس لشکر جرار کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟''

امیر قطب الدین کے غصے کا مظاہرہ دیکھ کر قاصد پہلی بار مسکرایا۔ ''امیر محترم ہمیں سلطان عادل کے زمانے کے واقعات سناتے تھے۔'' قاصد کے لہجے سے غیر معمولی سکون جھلک رہا تھا۔ ''امیر محترم کا کہنا ہے کہ سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کے چند ہزار سپاہیوں نے دوسری صلیبی جنگ میں کئی لاکھ عیسائی سپاہیوں کو شکستِ فاش دی تھی۔''

امیر قطب الدین بن حسان قاصد کے اس طنز کو برداشت نہ کر سکا۔ اس نے بڑے شائستہ انداز میں سیف الدین کی افواج قاہرہ کا مذاق اڑایا تھا۔

''بدبخت! وہ سلطانِ عادل تھے۔'' امیر قطب الدین بن حسان نے ہذیانی انداز میں چیختے ہوئے کہا۔ ''ان کی شجاعت و استقامت کا مقابلہ ایک غلام زادے سے کر رہا ہے؟''

قاصد آہنی عصاب کا مالک تھا اور سفیر کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تم لوگ جسے بار بار غلام کہہ کر اپنی آتشِ حسد کو ٹھنڈا کرنا چاہتے ہو۔ ہو وہ غلام بھی تو سلطانِ عادل کا تربیت یافتہ ہے۔ اس میں اپنے آقا کی کچھ صفات تو آئیں گی۔''

قاصد کے اس جواب کے بعد امیر قطب الدین بن حسان ایک لمحے کیلئے بھی نہ ٹھہر سکا اور صلاح الدین ایوبی کے لئے انتہائی غیر مہذبانہ الفاظ استعمال کرتے ہوا چلا گیا۔ قاصد کچھ دیر تک امیر قطب الدین کے گھوڑے کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اس میدان پر نظر ڈالی جہاں سیف الدین کے بقول اس کی افواجِ قاہرہ جمع تھیں۔ بے شک! جنگ کے مادی نقطۂ نظر سے صلاح الدین ایوبی اور سیف الدین کے لشکروں میں کوئی مقابلہ اور کوئی توازن نہیں تھا۔ مگر فتح و شکست کا معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ صلاح الدین ایوبی کے قاصد نے میدان پر آخری نظر ڈالی اور قرآنِ حکیم کی یہ آیت پڑھتا ہوا اپنے لشکر کی طرف چلا گیا۔

''اللہ کا حکم ہر شے پر غالب ہے۔'' (ترجمہ)

......}......☆......{......

سیف الدین کا طرز عمل، حلب اور موصل کی فوجوں کا اجتماع، محفل رقص و سرود۔ الغرض قاصد نے تمام واقعات کی تفصیل صلاح الدین ایوبی کے گوش گزار کر دی۔ والیٔ مصر نے تین دن تک اپنے مورچے بھی درست کیے۔ اور اپنے دونوں مشترکہ دشمنوں کے حملے کا انتظار کرنے لگا۔ مگر جب سیف الدین اور سلطان ملک صالح کے لشکروں نے کوئی پیش قدمی نہیں کی تو صلاح الدین کو اندازہ ہو گیا کہ سیف الدین میں آگے بڑھ کر حملہ کرنے کی ہمت نہیں، ورنہ اب تک وہ پیش قدمی کر چکا ہوتا۔ آخر وہ فیصلہ کن لمحہ آ گیا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو جمع کر کے مختصر تقریر کی۔

''میرے سراغ رسانوں نے اطلاع دی ہے کہ ہمارے حریفوں کی افرادی قوت ہم سے تقریباً چھ، سات گنا زیادہ ہے اس لئے یہ مقابلہ آسان ثابت نہیں ہو گا۔ میں چاہتا ہوں کہ ہر بات کا فیصلہ ابھی ہو جائے۔ جسے میدان جنگ سے دن کے اجالے میں فرار ہونا ہے۔ وہ اسی وقت رات کے اندھیرے میں واپس چلا جائے۔ مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔''

یہ صلاح الدین کا ایک ایسا جذباتی انداز تھا کہ جسے دیکھ کر اس کے تمام سپاہی مضطرب ہو گئے اور پورا میدان ان کے شور سے گونج اٹھا۔

''آپ ایک مقصد عظیم کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔ ہم شکست اور فرار کی تہمتیں اٹھا کر واپس جانے کے لئے نہیں آئے ہیں یا تو حماہ کے صحرا میں ہماری قبریں بنیں گی یا پھر اس سرزمین پر ہماری فتح و نصرت کا پرچم بلند ہو گا۔''

اپنے سپاہیوں کا جوابی نعرہ سن کر صلاح الدین ایوبی کے ہونٹوں پر ایک آسودہ مسکراہٹ ابھر آئی۔ پھر اس نے اپنا دایاں ہاتھ فضا میں بلند کرتے ہوئے کہا۔ ''ہم سب پر اللہ کی رحمتیں سایہ فگن ہوں اور وہ ہمارے ناتواں قدموں کو میدان جنگ میں کوہ گراں سے بھی زیادہ استقامت دے۔''

اس رات صلاح الدین ایوبی ایک لمحے کے لئے بھی نہ سو سکا۔ سخت زمین کے بستر پر لیٹا جنگ کی منصوبہ بندی کرتا رہا، پھر تہجد کی نماز ادا کر کے سجدے کی حالت میں گریہ وزاری کرتا رہا۔

''اے دلوں کا حال جاننے والے، تجھ پر وہ باتیں بھی روشن ہیں جو ابھی ہمارے ذہنوں میں پیدا بھی نہیں ہوئیں۔ اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے غیب سے یقین دلا دے تاکہ میں تیرے بندوں کو ہلاکت میں ڈالے بغیر واپس چلا جاؤں اور اگر میں حق پر ہوں تو مجھے ان منافق مسلمانوں اور تمام دشمنانِ اسلام پر غلبہ عطا کر۔''

سجدے کی حالت میں یہی دعا کرتے کرتے کچھ دیر کے لئے صلاح الدین ایوبی کی آنکھ لگ گئی۔ پھر اس نے خواب میں ایک عجیب منظر دیکھا۔

سورج نصف النہار پر ہے اور اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے۔ پھر اچانک سورج اپنے محور سے ہٹ کر زمین کی طرف سفر کرنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ حماہ کے صحرا میں اتر آتا ہے۔ پھر سورج کا رخ اس طرف ہوتا ہے جہاں صلاح الدین ایوبی کا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ بالآخر خورشید ضیا بار صلاح الدین ایوبی کے خیمے میں داخل ہو جاتا ہے۔ جہاں والیٔ مصر زمین پر سو رہا ہے

سورج اور قریب آتا ہے۔ پھر سورج اور صلاح الدین ایوبی کے درمیان برائے نام فاصلہ رہ جاتا ہے۔ پھر سورج کی تپش سے گھبرا کر صلاح الدین ایوبی کی آنکھ کھل جاتی ہے اور وہ بستر سے اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے۔ سلسلۂ خواب ٹوٹا تو صلاح الدین ایوبی نے اپنے آپ کو سجدے کی حالت میں پایا۔ پھر اس نے اس خواب کی یہی تعبیر لی کہ انشاء اللہ اسے اپنے حریفوں اور دشمنوں پر فتح حاصل ہوگی۔

دوسری طرف والیٔ موصل سیف الدین کے خیمے میں بھی شب بیداری کا سماں تھا۔ بس فرق اتنا تھا کہ والیٔ مصر صلاح الدین ایوبی گریہ وزاری کرتے ہوئے خالقِ حقیقی سے استعانت طلب کر رہا تھا اور سیف الدین اپنے امراء کے ساتھ کسی خوبصورت مطربہ کا نغمۂ دلنواز سن رہا تھا۔ بعض روایتوں کے مطابق ہنگامۂ رقص و سرود کے ساتھ شغلِ جام کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

اعتراض کرنے والے کہہ سکتے ہیں کہ جب والیٔ موصل سیف الدین حالت جنگ میں تھا تو اسے نغمہ و رقص اور شراب نوشی کی محفل سجانے کی کیا ضرورت تھی۔ تاریخی حوالے سے اس سوال کا ایک ہی جواب ہے کہ امیر قطب الدین اور دوسرے امراء نے سیف الدین کو یقین دلا دیا تھا کہ صلاح الدین ایوبی محض دھمکیوں سے کام لے رہا ہے اگر وہ جنگ کی صلاحیت رکھتا ہوتا تو اب تک اس کا لشکر حرکت میں آچکا ہوتا۔ سیف الدین کے اس اطمینان کی دوسری خاص وجہ اس کی فوج اور سامانِ جنگ کی کثرت تھی۔

......}......☆......{......

صلاح الدین ایوبی نے نمازِ فجر ادا کی اور اپنے لشکر کو یلغار کا حکم دیا۔ ہراول دستے کی قیادت خود صلاح الدین ایوبی کر رہا تھا۔ قلب میں اسکا سالار عبداللہ قریشی تھا۔ اور اس کے دونوں چھوٹے بھائی ملک عادل اور تقی الدین عمر فوج کے سب سے پچھلے دستے میں شامل تھے۔

عام طور پر ساری دنیا میں جنگ کا یہ روایتی طریقہ رائج ہے کہ اگر کوئی بادشاہ یا حکمراں معرکہ آرائی میں شریک ہوتا ہے تو وہ اپنے آپ کو لشکر کے قلب میں رکھتا ہے مگر صلاح الدین ایوبی قصداً فوج کے ہراوّل دستے میں شامل ہوا تھا تاکہ اس کے سپاہیوں کے حوصلے بلند رہیں اور وہ دشمن سے نبرد آزما ہوتے وقت اس صورتحال کو نظر میں رکھیں کہ ان کا امیر سب سے آگے یعنی موت کے منہ میں ہے۔

پھر جب گھوڑوں کے سموں سے اٹھنے والے غبار نے آسمان کو دھندلا کر دیا تو والیٔ موصل سیف الدین کے سر سے طاقت کا خمار اتر گیا اور اسے یقین آگیا کہ والیٔ مصر کے تیور خطرناک ہیں۔

پھر حلب اور موصل کا مشترکہ لشکر جنگ کے نقارے بجاتا ہوا بڑی دھوم دھام سے آگے بڑھا یہاں تک کہ "بیت الشراب" کے قریب دونوں فوجیں آپس میں متصادم ہوگئیں۔

تقریباً دو گھنٹے تک سیف الدین کے لشکر نے صلاح الدین ایوبی کی مختصر فوج کا جم کر مقابلہ کیا مگر جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا موصلی اور حلبی سپاہیوں کی سانسیں پھولنے لگیں اور بھاری تلواریں چلاتے ہوئے بازو سست پڑنے لگے اور اس کی بنیادی وجہ صرف یہ تھی کہ سیف الدین کی طرح اس کے سپاہیوں کی اکثریت بھی عیش پرست اور شراب نوش تھی۔ وہ لوگ جنگی مشقوں اور جسمانی ورزشوں

سے جی چراتے تھے۔ نتیجتاً وہ تھوڑی ہی دیر میں تھک گئے اور پھر جانیں بچانے کے لئے میدانِ جنگ سے فرار ہوگئے۔ اپنے سپاہیوں کی یہ حالت دیکھ کر سیف الدین اور اس کے امراء بھی صلاح الدین ایوبی کا مقابلہ کرنے کے بجائے میدان کارزار سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس افراتفری اور بدحواسی کے عالم میں ہزاروں موصلی اور حلبی سپاہی اس طرح گرفتار کر لئے گئے جیسے وہ فوجی نہ ہوں اپنے ریوڑ سے بھٹکی ہوئی بھیڑ بکریاں ہوں۔ صلاح الدین ایوبی کے پُرجوش سپاہی دور تک تعاقب کر کے سیف الدین کے مغرور فوجیوں کو قتل کر دینا چاہتے تھے مگر صلاح الدین ایوبی کا سختی سے یہ حکم تھا کہ بھاگنے والوں کا پیچھا نہ کیا جائے۔ آخر وہ بھی ہمارے کلمہ گو بھائی ہیں۔ بدقسمتی سے اپنے ظالم حکمرانوں کے فریب میں آگئے ہیں۔

پھر صلاح الدین ایوبی حق تعالیٰ کی کبریائی بیان کرتے ہوئے فاتحانہ حیثیت سے حماہ کے قلعے میں داخل ہوا۔ والیٔ مصر کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اسے اتنی آسانی کے ساتھ اور ایک بڑی خونریزی کے بغیر 20 ہزار کے لشکر پر غلبہ حاصل ہو جائے گا۔

صلاح الدین ایوبی نے سب سے پہلے اصطبل پر قبضہ کیا۔ جس کے نتیجے میں سیکڑوں اعلیٰ نسل کے گھوڑے اس کے ہاتھ آئے۔ شمشیروں، نیزوں، خنجروں اور تیر کمانوں کا بھی ایک بڑا ذخیرہ قلعے میں موجود تھا۔ وہ بھی والیٔ مصر کے تصرف میں آگیا۔ پھر قلعے کے محافظوں کی مدد سے وہ خزانہ بھی تلاش کر لیا گیا جو تہہ خانوں میں محفوظ تھا۔ اسی تلاش کے دوران وہ کمرے بھی کھولے گئے جہاں شراب سے لبریز بلوریں صراحیاں موجود تھیں۔ شراب کا اتنا بڑا ذخیرہ دیکھ کر صلاح الدین ایوبی کچھ دیر کے لئے حیرت زدہ رہ گیا۔ اس نے والیٔ موصل سیف الدین کی عیش پرستیوں کے واقعات تو بہت سنے تھے مگر وہ ان قصوں کو مبالغہ آمیز افسانے سمجھتا تھا۔ والیٔ مصر کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ سلطان نورالدین زنگیؒ جیسے ولی صفت حکمراں کا حقیقی بھتیجا اس قدر بدکار بھی ہوسکتا ہے۔

پھر اس وقت صلاح الدین ایوبی کے اذیت و کرب میں مزید اضافہ ہوگیا جب اس نے دیکھا کہ قلعے میں سیکڑوں خوبصورت رقاصائیں اور مطربائیں موجود تھیں۔ حماہ کا قلعہ کیا تھا ایک اوباش حاکم کا عشرت کدہ تھا۔

پھر جب صلاح الدین ایوبی حماہ کے سبزہ زار کی طرف گیا تو ایک اور منظر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ سبزہ زار میں سیکڑوں پنجرے رکھے ہوئے تھے جن کے اندر بلبلیں، فاختائیں، قمریاں، طوطے اور مختلف النوع پرندے بند تھے۔ ان معصوم پرندوں کو قید کی حالت میں دیکھ کر صلاح الدین ایوبی کو بہت ترس آیا۔ وہ بےتابانہ آگے بڑھا اور ایک ایک کر کے تمام پنجروں کے دروازے کھول دیئے۔ پھر اس وقت تک سبزہ زار میں کھڑا رہا جب تک تمام پرندے اپنے پنجروں سے نکل کر درختوں کی شاخوں پر نہیں بیٹھ گئے۔ پھر کچھ دیر تک سبزہ زار کی فضاؤں میں آزاد پرندوں کی چہچہاہٹوں کا شور سنائی دیتا رہا۔ یہ منظر دیکھ کر صلاح الدین ایوبی کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ ابھر آئی اور والیٔ مصر کو یوں محسوس ہوا جیسے طویل قید سے رہائی پانے والے پرندے اس کو دعائیں دے رہے ہوں۔

پھر صلاح الدین ایوبی کے حکم پر شراب کی تمام صراحیاں قلعے کے میدان میں جمع کی گئیں، اس کے ساتھ ہی موسیقی کے بہت سے آلات بھی تھے جن میں سارنگیاں اور بربط وغیرہ شامل تھے۔ ناچنے اور گانے والی عورتوں کو بھی میدان میں لایا گیا۔ اس کے بعد صلاح الدین ایوبی نے اپنی شمشیر خارا شگاف سے شراب کی تمام صراحیاں اور موسیقی کے سارے آلات توڑ ڈالے۔

پھر وہ بلند جگہ پر کھڑا ہوا اور پوری طاقت کے ساتھ اپنے سپاہیوں سے مخاطب ہوا۔ والیٔ مصر کی آواز اس کے تمام سپاہیوں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اس لئے صلاح الدین ایوبی نے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تقریر کی صلاحیت رکھنے والے نقیب کھڑے کر دیئے تھے جو والیٔ مصر کی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ کو اس طرح دہراتے تھے کہ صلاح الدین ایوبی کا پیغام اس کے آخری سپاہی تک پہنچ جاتا تھا۔

''لوگو! میں تمام آفاتِ ارضی وسماوی سے اپنے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، میری بات بہت غور سے سنو، تمہیں سیف الدین کے 20 ہزار کے لشکر پر اس لئے غلبہ حاصل نہیں ہوا کہ تم اپنے حریف سے زیادہ جانباز وشجاع تھے یا تمہاری شمشیریں دشمن کی تلواروں سے زیادہ انوکھی اور کاٹ دار تھیں۔ تمہیں یہ فتح اس لئے حاصل ہوئی کہ تمہارا دشمن اپنی کثرتِ گناہ کے سبب اسی سزا کا مستحق تھا۔ یہ سب کچھ تمہاری جنگی مہارت کے سبب ظہور پذیر نہیں ہوا بلکہ یہ ایک کھلا ہوا عذاب الٰہی تھا جو گمراہوں اور نافرمانوں پر نازل ہو کر رہا۔ اگر تم نے بھی یہی کج روی اور سرکشی اختیار کی تو ایک دن یہی عذاب تمہیں بھی آگھیرے گا۔ میں اس برے وقت سے اپنے اللہ رحمٰن ورحیم کی پناہ مانگتا ہوں۔''

اپنی اس مختصر تقریر کے بعد صلاح الدین ایوبی ان موصلی اور حلبی سپاہیوں سے مخاطب ہوا جو زنجیریں پہنے اس کے سامنے کھڑے تھے۔ ''اس وقت حق تعالیٰ نے مجھے یہ قدرت بخشی ہے کہ تمہارے کاندھوں کو تمہاری گردنوں کے بوجھ سے ہلکا کر دوں۔ یا تمہاری آنکھیں نکلوا کر تمہیں معذوروں اور محتاجوں کی طرح زندگی کے ناہموار راستوں پر بھٹکنے کے لئے تنہا چھوڑ دوں۔ یا پھر تمہیں تاریک زنداں کے حوالے کر دوں تا کہ تم سنگی دیواروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر ایک دن خود ہی مر جاؤ۔ تمہیں خبر ہے کہ وہ کیسی حرام موت ہوگی؟'' یہ کہہ کر صلاح الدین ایوبی کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا اور گہری نظروں سے اسیرانِ جنگ کے چہروں کا جائزہ لینے لگا۔

صلاح الدین ایوبی کا اعلان سن کر موصلی اور حلبی سپاہیوں کے چہرے موت کے خوف سے زرد پڑ گئے اور ان کی آنکھوں کی پتلیاں کانپنے لگیں۔

''مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔'' صلاح الدین ایوبی کی پُرجلال آواز دوبارہ فضا میں ابھری۔ ''میں تمہیں آزاد کرتا ہوں، اور اس کے ساتھ ہی یہ حسنِ ظن بھی رکھتا ہوں کہ تم ہمیشہ میرے احسان کو یاد رکھو گے اور آئندہ کسی ایسے امیر کی اطاعت نہیں کرو گے جس کی بدکاری سے اہلِ اسلام کے عزت ووقار کو نقصان پہنچتا ہو۔''

اس کے بعد صلاح الدین ایوبی نے تمام جنگی قیدیوں کو رہا کر دیا۔ اسیروں میں والیٔ موصلی

سیف الدین کا ایک مصاحب امیر مظفر بھی تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے تمام پنجرے امیر مظفر کے حوالے کرتے ہوئے اسے حکم دیا۔

''ان سب کو اٹھا کر اپنے آقا کے پاس لے جا اور اس تک میرا یہ پیغام پہنچا کہ وہ جانور پالا کرے اور انہیں سے کھیلا کرے۔ کیونکہ شمشیروں کے ساتھ کھیلنا مردوں ہی کو زیب دیتا ہے۔''

......}☆{......

اس کے بعد صلاح الدین ایوبی نے اپنی جنگی ترجیحات میں اس منصوبے کو سرفہرست رکھا کہ پہلے سلطان ملک صالح پر قابو پایا جائے تا کہ آئندہ حلب اور موصل کی فوجیں کسی محاذ پر یکجا نہ ہو سکیں۔ سیف الدین کی سرکوبی کو اس نے ثانوی حیثیت دی تھی۔

اپنی اسی منصوبہ بندی کے تحت والیٔ مصر نے سب سے پہلے ''منبج'' کے قلعے پر حملہ کیا۔ اس کا حاکم امیر قطب الدین بن حسان تھا۔ یہ وہی شخص تھا جو سب سے پہلے سلطان ملک صالح کا پیغام لے کر دمشق آیا تھا اور اس نے صلاح الدین ایوبی سے نہایت تحقیر آمیز لہجے میں بات کی تھی۔ اور حماہ کی جنگ میں بھی سیف الدین کے ہمراہ والیٔ مصر کے مقابلے کے لئے آیا تھا۔ میدان جنگ سے فرار ہونے کے بعد امیر قطب الدین نے سکون کی سانس لی تھی مگر یہ بات اس کے ذہن کے بعید ترین گوشے میں بھی نہیں تھی کہ صلاح الدین ایوبی زنگی خاندان کے تمام امراء کی بربادی کا فیصلہ کر چکا ہے۔ جیسے ہی امیر قطب الدین نے والیٔ مصر کی آمد کی خبر سنی، وہ قلعے سے باہر نکل آیا اور اس نے اپنی جان بچانے کے لئے صلاح الدین ایوبی کا پرجوش استقبال کیا۔ صلاح الدین چاہتا تو امیر قطب الدین حسان سے اپنی تحقیر وتوہین کا شدید انتقام لے سکتا تھا مگر اس نے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے معاف کر دیا۔ پھر بھی والیٔ مصر نے امیر قطب الدین بن حسان کو مخاطب کرتے ہوئے اتنا ضرور کہا۔

''میں اس بات کو فراموش کر سکتا ہوں کہ تو نے مجھے ہزار بار غلام زادہ کہہ کر پکارا۔ مگر تیرا یہ جرم ناقابل معافی ہے کہ تو نے اپنی زمین کے چھوٹے سے ٹکڑے کو بچانے کے لئے صلیبیوں سے سازباز کی جو اسلام کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ تیرا منہ کالا کر کے شہر کے ایک ایک گلی کوچے میں پھراؤں ... پھر اذیتیں دے دے کر مار ڈالوں تا کہ مسلمانوں کی قبا پہنے ہوئے تجھ جیسے منافقوں کو عبرت حاصل ہو۔ لیکن کیا کروں کہ مجھے سلطان عادل سے شرم آتی ہے۔ میں تجھ جیسے ذلیل فطرت انسان کو صرف اس لئے معاف کرتا ہوں کہ تو سلطان عادل کا رشتے دار ہے۔ اگر تیرے خون میں غیرت کا ایک ذرہ بھی شامل ہے تو اپنی باقی زندگی ملت اسلامیہ کے اتحاد کے لئے وقف کر دے۔ سیف الدین اور سلطان ملک صالح کو سمجھا کہ وہ فتنہ گری سے باز آجائیں۔''

وہ لمحہ بڑا عجیب تھا جب امیر قطب الدین بن حسان اپنی ریاست منبج سے خالی ہاتھ رخصت ہو رہا تھا۔ اور صلاح الدین ایوبی اس کا خزانہ اپنے سپاہیوں میں تقسیم کر رہا تھا۔

......}☆{......

امیر قطب الدین بن حسان ایک بدکار اور کینہ پرور انسان تھا۔ اس نے اپنے گناہوں کا بوجھ ہلکا

کرنے کے بجائے اپنے آپ کو معصیت کی دلدل میں اتار لیا۔ منبج سے نکل کر وہ سیدھا سیف الدین کے پاس موصل پہنچا۔ اور اس نے رقت آمیز لہجے میں اپنی شکست و رسوائی کی داستان سنائی۔ سیف الدین کو بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ کھلے میدان میں صلاح الدین ایوبی کو شکست نہیں دے سکتا تھا۔ نتیجتاً دونوں منافق سر جوڑ کر بیٹھے۔ اور والیٔ مصر سے انتقام لینے کے منصوبے بنانے لگے۔

پھر سیف الدین نے امیر قطب الدین کو بھاری رقم دے کر حشاشین کے سردار سنان کے پاس شام بھیجا۔ اور اس سے درخواست کی کہ اگر وہ ہمیں صلاح الدین ایوبی سے نجات دلا دے گا تو موجودہ رقم سے آٹھ گنا زیادہ رقم اس کی خدمت میں بطور نذر پیش کی جائے گی۔

اس سے پہلے گمشت تگین نے بھی حشاشین کے سردار سنان کی خدمات حاصل کی تھیں۔ جس کے نتیجے میں باطنیوں کے اس آدم خور گروہ کے کچھ لوگوں نے صلاح الدین ایوبی پر بھرپور حملہ کیا تھا۔ مگر تائیدِ غیبی کے سبب والیٔ مصر محفوظ رہا تھا۔

جب امیر قطب الدین بن حسان نے رقم دیتے ہوئے باطنیوں کے سردار سنان سے حشاشین کی پچھلی ناکامی کا ذکر کیا تو سنان کچھ دیر کے لئے سوچ میں پڑ گیا۔ پھر یکایک اس خبیث کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ ابھری۔ ”تمہیں یقین کر لینا چاہئے کہ اب کی بار صلاح الدین ایوبی زندہ نہیں بچے گا۔ بالفرض اگر میرے آدم خور اسے قتل کرنے میں ناکام رہے تو میں معاہدے کے مطابق میں سیف الدین کی رقم واپس کر دوں گا۔“

امیر قطب الدین یہ خوش خبری لے کر واپس موصل پہنچ گیا۔ پھر دونوں شکست خوردہ امیر بڑی بے چینی کے ساتھ صلاح الدین کے قتل کی خبر سننے کا انتظار کرنے لگے۔

……}……☆……{……

امیر قطب الدین کے علاقے پر قبضہ کرنے کے بعد صلاح الدین ایوبی ایڈیسہ کے قلعے کی طرف بڑھا۔ کسی زمانے میں ایڈیسہ عیسائیوں کی سب سے مضبوط پناہ گاہ تھی جسے حاصل کرنے کے لئے سلطان نورالدین زنگیؒ نے اپنے بہت سے جانبازوں کی قربانیاں دی تھیں۔ اب یہ قلعہ سلطان ملک صالح کے زیرِ نگین تھا۔ حلب اور موصل کا زور توڑنے کے لئے ضروری تھا کہ اس علاقے پر قبضہ کر لیا جائے۔ اسی حکمت عملی کے باعث صلاح الدین ایوبی نے آگے بڑھ کر ایڈیسہ کا محاصرہ کر لیا۔ والیٔ مصر کو خدشہ تھا کہ کہیں سلطان ملک صالح اور سیف الدین دوبارہ عیسائیوں کو حملے کی دعوت نہ دے دیں اور وہ محصور ہو کر رہ جائے۔ اسی لئے صلاح الدین ایوبی کو بہت زیادہ احتیاط کرنی پڑی۔ محاصرے کو ایک ماہ گزر چکا تھا۔ اس دوران میں صلیبی تو سلطان ملک صالح کی مدد کو نہیں آئے مگر صلاح الدین ایوبی پر ایک نئی قیادت ٹوٹ پڑی۔ حشاشین کے آٹھ آدم خور ایڈیسہ پہنچ کر کسی نہ کسی طرح صلاح الدین ایوبی کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ والیٔ مصر روزانہ ان سپاہیوں کو نئی ہدایات دینے جاتا تھا جو منجنیقیں چلانے کے ماہر تھے۔ ایک مہینے کی مسلسل سنگ باری سے قلعے کی مضبوط ترین دیواروں میں بڑے بڑے شگاف پڑ گئے تھے اور وہ فتح ہونے کے قریب ہی تھا کہ ایک دن صلاح

الدین ایوبی منجنیق چلانے والوں کے پاس کھڑا انہیں ہدایات دے رہا تھا کہ اچانک ایک آدم خور حشیشہ خنجر نکال کر کسی عقاب کی طرح والیٔ مصر پر جھپٹا۔ اور پوری طاقت سے اس کے سر پر وار کیا۔ صلاح الدین ایوبی اس وقت خود پہنے ہوئے تھا۔ اس لئے اس کا سر تو محفوظ رہا مگر رخسار پر گہرا زخم آ گیا۔ صلاح الدین ایوبی نے انتہائی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حشیشہ کی گردن پکڑ لی اور اسے زمین پر دے مارا۔ ابھی یہ کشمکش جاری تھی کہ صلاح الدین کے ایک جاں نثار سیف الدین بازکوج نے آگے بڑھ کر حشیشہ کا کام تمام کر دیا۔ صلاح الدین ایوبی سنبھلا ہی تھا کہ دوسرا حشیشہ خنجر لے کر والیٔ مصر پر جھپٹا۔ امیر داؤد نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر حشیشہ نے اس کی پیشانی پر خنجر کا گہرا وار کیا۔ اس کے اثر سے امیر داؤد زمین پر گر پڑا۔ اس سے پہلے کہ حشیشہ دوبارہ صلاح الدین پر جھپٹتا، ایک سپاہی نے پیچھے سے اس پر وار کیا اور حشیشہ کا سر کٹ کر زمین پر گر پڑا۔ پھر فوراً ہی تیسرا حشیشہ خنجر بکف بڑھا۔ مگر اسے صلاح الدین ایوبی کے چچازاد بھائی ناصر الدین بن شیرکوہ نے قتل کر دیا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے سات حشاشین قتل کر دیئے گئے۔ مگر ایک فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

صلاح الدین ایوبی زخمی حالت میں اپنے خیمے تک پہنچا اور بے ہوش ہو گیا۔ بظاہر والیٔ مصر کے رخسار کا زخم اتنا خطرناک نہیں تھا۔ جس کے اثر سے صلاح الدین بے ہوش ہو جاتا۔ مگر جب کئی گھنٹے بعد بھی اسے ہوش نہیں آیا تو تمام سالاروں کو تشویش لاحق ہو گئی۔ فوری طور پر طبیب کو طلب کیا گیا۔ اس عرصے میں صلاح الدین کے چہرے پر سوجن آنی شروع ہو گئی تھی۔ یہی حال امیر داؤد کا تھا جس کی پیشانی پر حشیشہ کے خنجر کا زخم آیا تھا۔ طبیب خاص نے بہت غور و فکر کے بعد اپنی رائے کا اظہار کیا۔

”بڑھتی ہوئی سوجن سے اندازہ ہوتا ہے کہ خنجر زہر آلود تھا۔“

طبیب کی تشخیص سن کر تمام سالار گھبرا گئے۔

”کیا تمہارے پاس اس زہر کا تریاق نہیں ہے؟“ صلاح الدین ایوبی کے چھوٹے بھائی ملک عادل نے بدحواسی کے لہجے میں کہا۔

”میں نہیں جانتا کہ کونسا زہر استعمال کیا گیا ہے۔“ طبیب بھی پریشان نظر آ رہا تھا۔

پھر صلاح الدین ایوبی اور امیر داؤد کو بے ہوشی کی حالت میں کئی دافع زہر دوائیں پلائی گئیں۔ اور زخموں پر کئی مرہم لگائے گئے۔ مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ شام تک امیر داؤد انتقال کر گیا۔

صلاح الدین ایوبی کے چہرے کی سوجن بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ آخر طبیب نے انتہائی غم زدہ لہجے میں اس بات کا اعتراف کر لیا کہ زہر مکمل طور پر خون میں سرایت کر گیا ہے۔ اور والیٔ مصر کے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔

سات آدم خور حشیشان صلاح الدین ایوبی کو قتل کرنے کی مہم میں ہلاک ہو چکے تھے۔ مگر ایک حشیشہ کسی نہ کسی طرح فرار ہو کر شام پہنچ چکا تھا اور اس نے اپنے امیر سنان کو یہ اطلاع پہنچا دی تھی کہ صلاح الدین ایوبی ایک حشیشہ کے خنجر سے بری طرح زخمی ہو چکا ہے۔ امیر سنان نے اس کامیابی پر ایک انتہائی پر جوش نعرہ لگایا۔

"آج ہمارا سب سے بڑا دشمن اپنے انجام کو پہنچا۔"

حشیشان کے امام سنان کا یہ اظہار مسرت اس لئے تھا کہ باطنیوں کے تمام فرقے صلاح الدین ایوبی کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے تھے اور یہ امر واقعہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی نہ صرف صحیح العقیدہ مسلمان تھا بلکہ فرض وسنت پر بھی سختی کے ساتھ کاربند رہتا تھا اور اس نے دل کی گہرائیوں کے ساتھ اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اسے غلبہ حاصل ہوگیا تو وہ ان باطنیوں کی جڑیں تک اکھاڑ پھینکے گا جو ملت اسلامیہ کے انتشار وافتراق کا بنیادی سبب تھے۔ اس لئے جب ایک حشیشہ کے خنجر سے صلاح الدین ایوبی کے زخمی ہونے کی خبر شام پہنچی تو باطنیوں کے تمام فرقوں میں جشن منانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ کیونکہ ان کے خیال میں خنجر کے ذریعے صلاح الدین ایوبی کے جسم میں جو زہر داخل کیا گیا تھا وہ ناقابل علاج تھا۔ اس لئے باطنیوں نے اپنے طور پر صلاح الدین ایوبی کی موت کا یقین کرلیا تھا۔

پھر اس خبر کو حشیشان کے امام سنان نے والیٔ موصل اور سلطان ملک صالح کے درباروں تک بھی پہنچادیا تھا اور دونوں حاکموں کو صلاح الدین کی موت کی پیشگی مبارکباد بھی دے دی تھی۔ اس طرح موصل اور حلب میں بھی جشن کا سا سماں تھا۔ سیف الدین اور سلطان ملک صالح ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ والیٔ مصر کی موت کی خبر کے منتظر تھے۔

ادھر صلاح الدین ایوبی کی حالت لحظہ بہ لحظہ بگڑتی جارہی تھی، زہر کے اثر سے پورا جسم سوج گیا تھا اور نیلا بھی پڑ گیا تھا۔ تمام اطباء مایوس ہوچکے تھے اور تمام امراء بدحواس تھے۔ آدم خور حشیشہ کے خنجر کے اثر سے امیر داؤد کی موت نے صلاح الدین ایوبی کے تمام سالاروں اور امیر کو بھی اس خدشہ میں مبتلا کردیا تھا کہ کہیں خدانخواستہ والیٔ مصر بھی اس زہر کے اثر سے موت کے خونی ہاتھوں کی گرفت میں نہ آجائے۔ وہ رات لشکر ایوبی کے ایک ایک سپاہی پر بہت گراں تھی۔ بظاہر صبح ہونا بھی مشکل نظر آرہی تھی۔

پھر نصف شب کے قریب صلاح الدین ایوبی نے اسی بے ہوشی کی حالت میں امام شرف الدینؒ کو اپنے خیمے میں داخل ہوتے دیکھا۔ امام شرف الدینؒ بہت بے قرار ومضطرب نظر آرہے تھے، وہ تیزی سے صلاح الدین ایوبی کے قریب آئے کچھ دیر تک نہایت کرب کے عالم میں والیٔ مصر کو دیکھتے رہے، پھر آسمان کی طرف نظر کرتے ہوئے فرمایا۔

"اے قادر مطلق تو اپنی رحمت کے ہر زاویۂ اظہار پر قادر ہے، میں تیری بخشی ہوئی زندگی گزار چکا۔ مگر میں یہ راز نہیں جانتا کہ تیرے یہاں میری کتنی سانسوں کا شمار باقی رہ گیا ہے۔ اگر میرے نصیب میں کچھ سانسیں باقی ہیں تو وہ اس مجاہد کو بخش دے جو موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ اے مسیحائے حقیقی اس کے جسم میں سرایت کر جانے والے زہر کے تمام اثرات بد کو زائل فرمادے اور اسے اس مقصد عظیم کی تکمیل تک زندہ رکھ، جس کے لئے یہ مجاہد جان توڑ کوششیں کررہا ہے۔"

یہ کہہ کر امام شرف الدینؒ جھکے اور انہوں نے اپنے ہونٹ صلاح الدین ایوبی کے زخم پر رکھ دیئے جو حشیشہ کے خنجر کے وار سے اس کے رخسار پر ابھرا تھا۔ امام شرف الدینؒ کچھ دیر تک اسی حالت میں

رہے پھر وہ سیدھے ہوئے اور انہوں نے اپنا دست مبارک والیٔ مصر کے سر پر رکھتے ہوئے دعائیہ لہجے میں فرمایا۔ "اے مرد مجاہد، تجھ پر اللہ کی سلامتی ہو۔"

اس کے بعد امام شرف الدینؒ صلاح الدین ایوبی کے خیمے سے نکل کر چلے گئے۔

تھوڑی ہی دیر بعد والیٔ مصر کے خیمے میں موجود تمام امیروں اور سالاروں نے یہ ناقابل یقین منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کئی دن سے بے ہوش صلاح الدین ایوبی اچانک اٹھ کر بیٹھ گیا ہے چہرے کی تمام سوجن غائب ہے اور زخم کا نشان بھی موجود نہیں ہے۔

"ابھی ابھی شیخ شرف الدینؒ تشریف لائے تھے، وہ کہاں ہیں؟" صلاح الدین ایوبی نے پُر جوش اور مضطرب لہجے میں امراء کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

والیٔ مصر کا سوال سن کر تمام امراء کو شدید حیرت ہوئی۔ پھر صلاح الدین ایوبی کے چھوٹے بھائی ملک عادل نے حیرت زدہ لہجے میں مؤدبانہ عرض کیا۔ "شیخ محترم یہاں کہاں؟ وہ تو مصر میں ہیں۔"

صلاح الدین ایوبی بہت دیر تک امراء کے سامنے اپنی بات پر اصرار کرتا رہا کہ امام شرف الدینؒ نہ صرف خیمے میں تشریف لائے تھے بلکہ حضرت شیخ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بہت سی دعائیں بھی دی تھیں۔

اس موضوع پر بہت دیر تک والیٔ مصر اور امراء کے درمیان گفتگو ہوتی رہی، آخر ایک امیر نے جو امام شرف الدینؒ کے عارفانہ مقام سے کسی قدر واقف تھا، یہ کہہ کر صلاح الدین ایوبی اور دوسرے سالاروں کو قائل کردیا کہ وہ امام صاحب کا روحانی سفر تھا جو انہوں نے مصر سے ایڈیسہ تک کیا تھا۔ اور ان ہی کے دعاؤں کے اثر سے یہ مہلک زخم چند لمحوں میں مندمل ہوا تھا۔ ورنہ بڑے بڑے طبیب تو اس زہر کا تریاق تلاش کرنے میں ناکام ہوچکے تھے۔ یہ سوچتے ہی صلاح الدین ایوبی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ خیمے میں موجود تمام سالاروں اور امیروں کی آنکھیں بھی بھیگ گئی تھیں کہ حضرت شیخ کی دعاؤں سے والیٔ مصر کو شفا حاصل ہوئی تھی۔

......}......☆......{......

ہوش میں آتے ہی سب سے پہلے صلاح الدین ایوبی نے نماز شکرانہ ادا کی پھر صبح ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

پھر صبح ہوتے ہی صلاح الدین ایوبی نے اپنے سب سے چھوٹے بھائی ملک تقی الدین عمر کو ایک خط دے کر شیخ امام شرف الدینؒ کی خدمت میں مصر روانہ کیا۔ اس خط میں صلاح الدین ایوبی نے بڑے عقیدت مندانہ لہجے میں تحریر کیا تھا۔

"شیخ محترم اب مجھے یقین ہوگیا ہے کہ میں ایک لمحے کے لئے بھی آپ کی دعاؤں کے حلقے سے دور نہیں۔ آپ کا دم عالم اسلام کے لئے بڑی رحمت ونعمت سے کم نہیں، میری دعا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم میں مزید اضافہ کرے۔"

ملک تقی الدین عمر کو خط دینے کے ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کی تھی کہ حضرت شیخ کی خدمت میں قیمتی

نذر پیش کی جائے اگرچہ امام کسی کی نذر قبول نہیں کرتے لیکن تم یہ رسم ضرور ادا کرنا۔

ملک تقی الدین عمر کو مصر روانہ کرنے کے بعد صلاح الدین ایوبی ایڈیسہ کے قلعے کی طرف متوجہ ہوا جس کا محاصرہ ایک ماہ سے جاری تھا اور یہ قلعہ فتح ہونے ہی والا تھا کہ صلاح الدین کے ساتھ وہ جان لیوا واقعہ پیش آ گیا کہ اگر حق تعالیٰ غیب سے بروقت اس کی مدد نہ کرتا تو صلاح الدین ایوبی کا جنازہ مصر جا چکا ہوتا یا پھر اسے اسی علاقے میں کسی جگہ دفن کر دیا گیا ہوتا مگر مشیتِ الٰہی یہی تھی کہ اسے نئی زندگی دی جائے تاکہ وہ اپنا مقصدِ عظیم حاصل کر سکے۔

بالآخر آٹھ دن کی مسلسل سنگ باری کے بعد ایڈیسہ کے حاکم نے قلعے کا دروازہ کھول دیا اور اپنی جان کی اماں طلب کر کے سلطان ملک صالح کے پاس حلب چلا گیا۔

☆

سلطان ملک صالح اور سیف الدین تو صلاح الدین ایوبی کی موت کی خبر کا انتظار کر رہے تھے۔ مگر جب حاکم ایڈیسہ نے اسے اپنی پسپائی اور قلعہ صلاح الدین ایوبی کے حوالے کرنے کی خبر سنائی تو سلطان ملک صالح اس قدر برہم ہوا کہ اس نے سر دربار اٹھ کر اعزاز الدین کے منہ پر کئی زوردار تھپڑ مارے۔ اور گالیاں دینے کے انداز میں کہا۔

"تو ایڈیسہ کے قلعے میں دفن کیوں نہیں ہو گیا۔ بے غیرت! تو نے سلطانِ عادل کی عظیم میراث کو اتنی آسانی سے دشمن کے حوالے کر دیا؟"

"اعزاز الدین بھرے دربار کے سامنے اپنی یہ توہین برداشت نہ کر سکا اور اس نے نہایت جرأت و بے باکی کے ساتھ سلطان ملک صالح کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا" سلطان عادل کی عظیم میراث کو گنوانے کا ذمہ دار میں نہیں، آپ اور آپ کے چچازاد بھائی سیف الدین ہیں۔ میں نے کتنی بار قاصد بھیجا کہ حلب اور موصل کی فوجیں پشت سے صلاح الدین پر حملہ کر دیں۔ اس حملے کے نتیجے میں یا تو والیٔ مصر محاصرہ اٹھا کر واپس چلا جاتا یا پھر آمادۂ جنگ ہوتا جس کے نتیجے میں حلب، موصل اور ایڈیسہ کی فوجیں مل کر اسے شکست سے دوچار کر سکتی تھیں۔ ورنہ کم سے کم اتنا ضرور ہوتا کہ صلاح الدین ایوبی کے لشکر کا ایک بڑا حصہ تباہ و برباد ہو جاتا۔ اور پھر وہ آپ کے علاقوں پر حریصانہ نظریں ڈالنے کے قابل نہ رہتا۔ مگر افسوس کسی نے میری ایک نہیں سنی۔ آپ بھی بار بار یہی کہتے رہے کہ مقابلہ جاری رکھو۔ عنقریب حلب کی فوج تمہاری مدد کو آ رہی ہے اور وہ والیٔ موصل سیف الدین جو خود کو بڑا مردِ میدان اور دنیا کا سب سے شجاع انسان سمجھتا ہے، وہ بھی یہی جھوٹی تسلیاں دیتا رہا کہ بہت جلد موصل کا لشکر تمہاری مدد کو پہنچنے والا ہے۔ مگر صد حیف...... میری مدد کو کوئی نہیں آیا۔" یہ کہہ کر اعزاز الدین چند لمحوں کیلئے خاموش ہو گیا اور اس نے نفرت آمیز نظروں سے حاضرین دربار کی طرف دیکھا۔ پھر وہ پلٹا اور اس نے اسی بے باکانہ لہجے میں والیٔ حلب سلطان ملک صالح کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔" سلطانِ معظم... میں نے صرف ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ سامان رسد کی انتہائی کمی کے باوجود 38 دن تک صلاح الدین ایوبی کے لشکر کا مقابلہ کیا۔ اگر اس طویل عرصے میں آپ کے یا

سیف الدین کے چند ہزار فوجی ہی غبار اڑاتے ہوئے آ جاتے تو آج ایڈیسہ کا قلعہ صلاح الدین ایوبی کے قبضے میں نہ ہوتا۔ لیکن یہ میرا حسنِ ظن تھا، محض ایک خواب تھا کہ ابھی سلطانِ عادل کے وارثوں میں غیرت و شجاعت باقی ہے۔ لیکن اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ میں سے کوئی بھی صلاح الدین ایوبی کو شکست نہیں دے سکتا۔ کیونکہ صلاح الدین ایوبی ہی سلطانِ عادل کا حقیقی وارث ہے۔ جامِ شراب اٹھانے والوں سے کبھی تلواروں کا بوجھ نہیں اٹھ سکتا۔"

اعزاز الدین اس قدر دل برداشتہ ہو چکا تھا کہ وہ اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکا اور اس نے سر دربار سلطان ملک صالح اور سیف الدین کی اوباشیوں کا پردہ چاک کر دیا۔

پھر اس حق گوئی کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ سلطان ملک صالح غصے سے پاگل ہو گیا۔ اور اس نے فوراً ہی ایک طاقتور حبشی جلاد کو بلا کر اعزاز الدین کی گستاخیوں کی سزا کا حکم جاری کر دیا۔ اور وہ سزا یہ تھی کہ حبشی جلاد حاضرین دربار کے سامنے ایڈیسہ کے قلعہ دار اعزاز الدین کے کوڑے لگا رہا تھا۔

حاضرین کا خیال تھا کہ طاقتور جلاد کا ایک ہی کوڑا اعزاز الدین کو چیخنے پر مجبور کر دے گا۔ مگر اس وقت اہلِ دربار کی حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ جب انہوں نے اعزاز الدین کو خون میں نہائے ہوئے دیکھا لیکن اس کے ہونٹ سختی کے ساتھ بند تھے۔ اس کے چہرے پر شدید اذیت و کرب کا رنگ نمایاں تھا۔ لیکن ابھی تک اہلِ دربار نے اعزاز الدین کی کوئی چیخ نہیں سنی تھی۔ یہ صبر و ضبط اور قوت و برداشت کا ایک مثالی منظر تھا۔

اعزاز الدین اپنے خون میں نہایا ہوا دربار کے فرش پر پڑا تھا۔ اور سلطان ملک صالح بار بار اس سے کہہ رہا تھا۔

"اگر تو میرے قدموں پر سر رکھ کر اپنے اس گناہ کی معافی مانگ لے تو میں تجھے زندگی بخش سکتا ہوں۔"

اعزاز الدین اس قدر زخمی ہو چکا تھا کہ اس میں بولنے کی طاقت نہیں رہی تھی۔ پھر بھی ایڈیسہ کے قلعہ دار نے اپنی تمام تر اعصابی قوت کو سمیٹ کر لڑکھڑاتی زبان سے آخری الفاظ ادا کئے۔

"اگر معافی مانگنی ہوتی تو پھر سچ بولتا ہی کیوں؟ اللہ سلطانِ عادل کے ورثے کی حفاظت کرے۔"

یہ کہتے ہوئے اعزاز الدین بے ہوش گیا...... اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہو گئی۔

سلطان ملک صالح نے اعزاز الدین کے گستاخانہ کلمات کے اثر کو زائل کرنے...... اور دوسرے امراء پر اپنا رعب و جلال قائم رکھنے کیلئے اعزاز الدین کی لاش حلب کے گلی کوچوں میں ایک عبرتناک منظر بنا کر گھمایا۔ اعزاز الدین کی لاش کے ساتھ سلطانی نقیب بلند آواز میں صدائیں لگاتے جاتے تھے۔

"یہ اس منافق کی سزا ہے جو سلطنتِ نوریہ کا غدار تھا۔"

سلطان ملک صالح نے اعزاز الدین کو قتل کر کے اپنے غصے اور نفرت کی آگ تو ٹھنڈی کر لی تھی۔ مگر ایڈیسہ کے ہاتھ سے نکل جانے کے باعث وہ بہت زیادہ خوفزدہ ہو گیا تھا۔ اور اب صلاح الدین

کی گرفت سے بچنے کیلئے نئی منصوبہ کر رہا تھا۔

......}......☆......{......

صلاح الدین ایوبی کو مصر سے نکلے ہوئے ایک سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اس دوران اس کی والدہ محترمہ کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ اور وہ محاذِ جنگ پر الجھا ہوا تھا۔ اسی دوران میں صلاح الدین کو پہلے بیٹے کی پیدائش کی خبر بھی ملی تھی۔ اور اس نے سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی نسبت اپنے بڑے بیٹے کا نام بھی نورالدین رکھا تھا۔ دمشق، شام اور ایڈیسہ پر قبضہ کرنے کے بعد صلاح الدین ایوبی کو اپنے پیاروں کی یادیں ستانے لگی تھیں۔ اور سامنے کوئی محاذ جنگ بھی نہیں تھا۔ اس لئے صلاح الدین ایوبی نے مصر واپس جانے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر جب وہ اپنے لشکر کے ہمراہ ایک فاتح کی حیثیت سے واپس جا رہا تھا تو تمام مقبوضہ علاقوں کے باشندے اسے رخصت کرنے کیلئے اپنے گھروں سے نکل کر شاہراہوں پر جمع ہو گئے تھے اور رو رو کر التجائیں کر رہے تھے۔

''آپ ہی ہمارے امیر ہیں۔ پھر ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟''

عوام کی محبتوں کا یہ مظاہرہ دیکھ کر صلاح الدین ایوبی اس قدر متاثر ہوا تھا کہ خود بھی گھوڑے سے نیچے اتر آیا تھا۔ اور انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''حق تعالیٰ نے کچھ اور علاقے بھی میرے زیرِ انتظام کئے ہیں۔ اس لئے مجھ پر وہاں کے لوگوں کے بھی کچھ حقوق ہیں۔ میں ان کے حقوق ادا کر کے بہت جلد تم سے آ ملوں گا۔''

کچھ لوگوں نے اس خوف کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر آپ کے جانے کے بعد وہ ظالم دوبارہ لوٹ آئے؟'' لوگوں کا اشارہ والئ موصل سیف الدین اور سلطان ملک صالح کے ظالم امرا کی طرف تھا۔

''مجھے اُمید ہے کہ اب وہ جفا کار ادھر کا رخ نہیں کریں گے۔'' صلاح الدین ایوبی نے اپنے عوام کی تالیف قلب کی خاطر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اور اگر وہ آئے بھی تو میں تم سے زیادہ دور نہیں ہوں۔ تمہاری ایک پکار پر دوڑا چلا آؤں گا۔''

آخر صلاح الدین اپنے سارے علاقوں کے نظم و نسق کا جائزہ لیتا اور تمام عاملین کو سخت ہدایات دیتا ہوا مصر پہنچا۔

مصر کی حدود میں پہنچتے ہی صلاح الدین ایوبی نے ایک اندوہناک خبر سنی۔ ایڈیسہ سے رخصت ہوتے وقت والئ مصر نے نیت کی تھی کہ وہ سب سے پہلے شیخ امام شرف الدینؒ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوگا۔ اور پھر والدہ محترمہ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے جائے گا۔ مگر اس کی ایک خواہش نا آسودہ رہ گئی۔ کیونکہ شیخ امام شرف الدینؒ پندرہ دن پہلے انتقال کر گئے تھے۔ یہ جانگداز خبر سن کر صلاح الدین یوبی کو سکتہ سا ہو گیا۔ یہاں تک کہ جب یہ کیفیت زائل ہوئی تو والئ مصر کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ صلاح الدین ایوبی کو شیخ امام شرف الدینؒ کے وصال کا اتنا ہی صدمہ ہوا تھا جتنا کہ اپنی والدہ محترمہ کی وفات کا۔ مگر ایک اعتبار سے والئ مصر کو شیخ امام شرف الدینؒ کے انتقال کا غم زیادہ تھا۔ کیونکہ والدہ

محترمہ کی موت اس کے ذاتی نقصان میں شمار ہوتی تھی۔ مگر شیخ امام شرف الدینؒ کا دنیا سے رخصت ہونا پوری ملتِ اسلامیہ کے لئے ایک نقصان عظیم تھا۔ امام اپنے وقت کے بہت بڑے عالم ہی نہیں تھے، نہایت عابد و زاہد اور مستجاب الدعوات انسان تھے۔ ان کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ اہلِ اسلام کے سروں سے بہت سی بلائیں ٹال دیا کرتا تھا۔ پھر جب صلاح الدین ایوبی نے مصر کے کچھ علماء اور امام کے خدمت گاروں سے ان کی بیماری کے بارے میں پوچھا تو والئ مصر کو بتایا گیا۔

''امام بالکل صحت مند تھے۔ یہ تقریباً ایک ماہ پہلے کی بات ہے کہ ایک رات امام سو کر اٹھے تو انہیں ہلکا ہلکا بخار تھا۔ شروع میں اس معمولی سی بیماری کی طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ مگر جب بخار بڑھتا ہی چلا گیا تو مصر کے تمام طبیبانِ خاص کو دکھایا گیا۔ مختلف دوائیں دی گئیں۔ مگر بخار میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ سارے طبیب بخار کی وجہ جاننے سے قاصر رہے۔ پھر وصال سے ایک دن پہلے اپنے تیمارداروں اور خدمت گاروں کو مخاطب کر کے بار بار ایک ہی مخصوص جملہ فرماتے تھے۔

''تمہاری ان دواؤں سے کچھ نہیں ہوگا۔ میرا وقتِ سفر آ پہنچا ہے...... اب مصر کی زمین پر امام رہے گا یا مجاہد۔''

خدمت گار امام سے ان الفاظ کا مفہوم دریافت کرتے تو کوئی جواب نہیں دیتے۔ بس یہی فرماتے کہ ''یہاں امام تو بہت ہیں۔ مگر مجاہد کوئی نہیں۔ اگر میں مر گیا تو دوسرے امام پیدا ہو جائیں گے۔ لیکن تمہیں ایسا کوئی دوسرا مجاہد نہیں ملے گا۔ اللہ اس کی حفاظت کرے۔ پھر امام نے کلمۂ شہادت پڑھا اور تیز ہوا کے جھونکے کی طرح دنیا سے رخصت ہو گئے۔'' امام کے انتقال کی تفصیلات سن کر صلاح الدین ایوبی کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں میں شدت آ گئی اور اس کے ساتھ ہی اس کے تصورات میں وہ منظر بھی ابھر آیا کہ جب والئ مصر ایڈیسہ کے محاصرے کے وقت ایک حشیشہ کے خنجر سے زخمی ہو کر اپنے خیمے میں بے ہوش پڑا تھا۔ اور شیخ امام شرف الدینؒ خواب کی حالت میں اس کے قریب آئے تھے اور نہایت پرسوز لہجے میں اس کی صحت یابی کیلئے دعا فرمائی تھی۔

صلاح الدین ایوبی یہ راز کس کو بتاتا۔ بس دل ہی دل میں امام کی محبتوں کو یاد کر کے روتا رہا۔ پھر قصر خلافت میں داخل ہونے سے پہلے اپنے پورے لشکر کے ساتھ اس قبرستان میں پہنچا۔ جہاں امام شرف الدینؒ کی آخری آرام گاہ تھی۔ سپاہیوں کا ہجوم دیکھ کر اہلِ شہر کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے فاتح مصر کسی بادشاہ کے دربار میں سلامی کیلئے حاضر ہوا ہو۔ صلاح الدین ایوبی بہت دیر تک امام شرف الدینؒ کی قبر پر کھڑا ہوا فاتحہ خوانی کرتا رہا۔ اس دوران ایک لمحے کیلئے بھی اس کے آنسو نہیں تھمے تھے۔

پھر اسی سوگوار حالت میں صلاح الدین ایوبی اپنی والدہ کی قبر پر حاضر ہوا۔ اشکبار آنکھوں کے ساتھ مادرِ مہربان کی مغفرت کیلئے دعائیں کیں۔ اور سب سے آخر میں قصر خلافت پہنچا جہاں شمس النساء نے اپنے ایک سالہ بیٹے نورالدین کے ساتھ شوہر کا استقبال کیا۔

......}......☆......{......

ابھی مصر میں صلاح الدین ایوبی نے آرام و سکون کے چند دن بھی نہیں گزارے تھے کہ سلطان

ملک صالح نے ایڈیسہ کے قلعے کو صلاح الدین ایوبی کے قبضے سے چھڑانے کیلئے ایک نئی چال چلی۔ اس نے بڑی بہن شمس النساء کو ایک محبت بھرا پر اثر خط تحریر کیا۔

''میری عزیز بہن...... یہ سیاست و ریاست کتنی بری شے ہے کہ خونی رشتوں کو بھی جدا کر دیتی ہے، تمہیں دیکھے ہوئے زمانے گزر گئے۔ بس خدا ہی جانتا ہے کہ میں اس حوالے سے تمہارے لئے اپنے دل میں کیسی تڑپ محسوس کرتا ہوں۔ اسے میری نادانی ہی سمجھو کہ میں اپنی نوعمری اور نا تجربہ کاری کے سبب دشمنوں کو دوست سمجھ بیٹا اور ان کے فریب میں آ گیا۔ اب آنکھیں کھلی ہیں تو وقت بدل چکا ہے۔ میں تم سے ملنے کے لئے بہت مضطرب ہوں مگر کیا کروں کہ میرے اور تمہارے درمیان شکوک و شبہات کی خلیج حائل ہے۔ میری کم فہمی اور نادانی اپنی جگہ لیکن ان رشتوں کو پامال کرنے میں تمہارے شوہر کا بڑا ہاتھ ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ والدہ محترمہ کی غلطی سے یہ رشتہ قائم ہوا جو کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا، یہ اسی بے جوڑ شادی کا نتیجہ ہے کہ سلطنت نوریہ کی سالمیت کے شدید خطرہ لاحق ہو گیا ہے اور اس خطرے کی بنیادی وجہ تمہارے شوہر کی غلامانہ ذہنیت ہے۔ دراصل صلاح الدین تمہارے عظیم والد کی روح سے انتقام لینا چاہتا ہے اور اس انتقام کی بھی بنیادی وجہ وہی احساس غلامی ہے کہ اس کے باپ دادا ہمارے بزرگوں کے سامنے دربار میں ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے۔ تمہیں اندازہ نہیں کہ میں نے اسے سمجھانے کی کتنی کوششیں کیں مگر ناکام رہا، تمہارے خیال میں اگر میں دروغ گوئی سے کام لے رہا ہوں تو اپنے شوہر سے پوچھو کہ اس نے صرف مصر کے علاقے پر قناعت کیوں نہیں کی۔ سلطان عادل کے علاقوں دمشق اور ایڈیسہ پر قبضہ کیوں کیا؟ اگر وہ فطرتاً منتقم المزاج نہیں ہے تو اس نے خطبات سے میرا نام خارج کیوں کیا؟ خاندان زنگی کی وارث، میری مشفق و مہربان بہن! تم جانتی ہو کہ خطبے سے میرا نام خارج کرنا ایسا ہی ہے کہ جیسے تمہارے شوہر نے سلطان عادل کے فرمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہوں۔ کیا اس کا یہ عمل اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ انتقاماً سلطان عادل کے نام و نشان مٹانے کے درپے ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ آج تم میری والدہ محترمہ کی جگہ ہو۔ اسی لئے میں تم سے التجا کر رہا ہوں کہ اپنے عظیم والد اور خاندان زنگی کے عظمت و جلال کو بچانے کے لئے اپنے شوہر کو سمجھاؤ کہ وہ بلا تاخیر اپنے مقبوضہ علاقوں میں دوبارہ میرے نام کا خطبہ جاری کرے اور اس کے ساتھ ہی دمشق اور ایڈیسہ کے علاقے مجھے واپس لوٹا دے۔ اگر تم نے میری اس درخواست پر فوری کارروائی نہیں کی تو میں سمجھوں گا کہ تم سلطان عادل کی حقیقی وارث نہیں ہو اور میں تمہیں اس وقت سے بھی ڈراتا ہوں کہ تم میدان حشر میں اپنے مرحوم و مغفور والد کو کیا جواب دو گی۔''

شمس النساء نے اپنے چھوٹے بھائی کے خط کو کئی بار پڑھا۔ پھر اس نے سلطان ملک صالح کا وہ خط اپنے شوہر صلاح الدین ایوبی کے سامنے رکھ دیا۔ والئ مصر نے بڑے ضبط و تحمل کے بعد وہ ریا کارانہ تحریر پڑھی اور کسی تاثر کا اظہار کئے بغیر اپنی شریک حیات سے سوال کیا۔ ''آپ کیا چاہتی ہیں؟''

شمس النساء نے فوری طور پر کوئی جواب نہ دیا۔ خاموشی سے شوہر کی طرف دیکھتی رہیں۔

صلاح الدین ایوبی شمس النساء کی مجبوریوں سے واقف تھا، ایک طرف اس کا حقیقی چھوٹا بھائی تھا۔ جس نے بڑی بہن سے درخواست کی تھی اور دوسری طرف اس کا شوہر...... ایک عورت کے لئے یہ بڑا سنگین آزمائشی لمحہ تھا جب دونوں قریبی رشتے گردشِ حالات کے سبب آپس میں متصادم ہو گئے تھے۔

صلاح الدین ایوبی نے اپنی شریکِ سفر کی ذہنی کشمکش کو دور کرنے کے لئے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ایک چھوٹے بھائی نے پہلی بار اپنی بڑی بہن سے کوئی سوال کیا ہے۔ میرے خیال میں اسے خالی ہاتھ لوٹانا مناسب نہیں، اگر آپ چاہیں تو دمشق اور ایڈیسہ کے علاقے سلطان کو واپس کر دیں۔ میں دوبارہ ان کے نام کا خطبہ جاری کرائے دیتا ہوں۔''

شوہر کی بات سن کر شمس النساء کی آنکھوں میں دنیا بھر کی محبت سمٹ آئی پھر اس نے ایک تبسم دلنواز کے ساتھ صلاح الدین ایوبی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے یقین تھا کہ ایسی نازک ساعتوں اور آزمائشی لمحوں میں آپ مجھے تنہا نہیں چھوڑیں گے، میں ہمیشہ اس بات پر نازاں رہوں گی کہ آپ نے اہلِ وفا کی طرح رسم وفا نبھائی۔ سلطنتِ اسلامیہ ہماری موروثی جاگیر نہیں کہ سلطان ملک صالح اس پر اپنا دعویٰ ثابت کرے۔ سلطان عادل کا حقیقی جانشین وہی ہو گا جو ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنی پوری زندگی اہلِ ایمان کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کر دے، آپ کے روز و شب کا ایک ایک لمحہ میرے سامنے ہے۔ آپ کے دل میں بھی ملت اسلامیہ کے لئے وہی تڑپ ہے جو میرے بابا محترم کے سینے میں بھی ایک مستقل درد بن کر رہتی تھی۔ میں ملک صالح کو سلطان عادل کی جانشینی کا اہل نہیں سمجھتی، میرا اور اس کا خونی رشتہ ضرور ہے جو مرتے دم تک قائم رہے گا، مگر وہ خود غرض و نادان محبتوں کا رشتہ توڑ چکا، یہ جاننے کے بعد کہ ملک صالح آپ کی جان کے درپے ہے، میں اس سے کوئی رشتہ کیسے قائم رکھ سکتی ہوں۔''

اس کے بعد سلطان نور الدین زنگی کی بلند کردار اور جانباز بیٹی نے سلطان ملک صالح کے نام ایک مختصر خط تحریر کیا۔ ''میں جانتی ہوں کہ تمہارے اوباش اور گمراہ مشیر تمہیں سیدھے راستے کی طرف جانے نہیں دیں گے مگر میں ایک بہن کی حیثیت سے تمہیں آخری بار نصیحت کرتی ہوں کہ جو کچھ میسر ہے، اسے غنیمت جانو اور رعایا کی فلاح و بہبود کا خیال رکھو تا کہ تمہیں دنیا و آخرت کے رنج و الم سے نجات حاصل ہو۔''

شمس النساء نے سلطان ملک صالح کے خط کا جواب لکھنے کے بعد وہ تحریر بھی اپنے شوہر کو دکھائی جسے پڑھ کر صلاح الدین ایوبی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ نہایت پُرسوز لہجے میں کہنے لگا۔

''سلطان عادل کے مجھ پر بے شمار احسانات ہیں مگر یہ احسان سب سے بڑھ کر ہے کہ تم جیسی محبت کرنے والی اور حق شناس خاتون میرے شریک سفر ہے، اگر اس مشکل ترین مرحلے میں مجھے تمہارا تعاون حاصل نہ ہوتا تو خدا ہی جانتا ہے کہ میں کس اذیت و کرب کا شکار رہتا۔''

شوہر کی جذباتی گفتگو سن کر شمس النساء نے انتہائی پُرجوش لہجے میں کہا۔ ''اگر آج کے بعد ملک صالح آپ کے خلاف کسی سازش میں ملوث پایا جائے تو میری طرف سے اجازت ہے کہ آپ آگے

بڑھ کر حلب پر بھی قبضہ کر لیں تا کہ ہمیشہ کے لئے ان شرانگیزیوں کا سدباب ہو سکے مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

......}......☆......{......

اسی زمانے میں ایک اور المناک واقعہ پیش آیا کہ خلیفۂ بغداد مستفی بامراللہ کا انتقال ہو گیا اور ناصر الدین اس کا جانشین قرار پایا۔ خلیفہ مستفی کو صلاح الدین ایوبی سے ایک خاص انسیت تھی، وہ والیٔ مصر کو مجاہد ملت کہہ کر مخاطب کرتا تھا اور اس نے کئی بار صلاح الدین ایوبی کے لئے قیمتی تحائف بھیجے تھے اس کے علاوہ صلیبیوں سے معرکہ آرائی کے موقع پر وہ صلاح الدین ایوبی کو ہر قسم کی مالی اور فوجی مدد بھی فراہم کرتا تھا، اس تمام صورتحال کے تناظر میں والیٔ مصر ایک مہربان حاکم اور دوست کی اعانت سے محروم ہو چکا تھا۔ مزید یہ کہ صلاح الدین ایوبی نئے خلیفہ ناصر الدین کے کردار و مزاج سے بھی نا آشنا تھا تاہم اس نے فوری طور پر اپنا قاصد بغداد بھیجا، قاصد نے دربار خلافت پہنچ کر سب سے پہلے صلاح الدین ایوبی کی طرف سے خلیفہ مستفی کی وفات پر تعزیت پیش کی۔ پھر والیٔ مصر کا ایک خط نئے خلیفہ ناصر الدین کے حوالے کیا۔ صلاح الدین ایوبی نے اس مکتوب میں ملتِ اسلامیہ کے افتراق و انتشار کی بڑی اثر انگیز تصویر کشی کی تھی۔

"میں اس تلخ ترین حقیقت کو خلیفۂ محترم کے گوش گزار کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اکثر اسلامی ریاستوں کے حکمراں اخلاقی اعتبار سے انتہائی پستیوں میں اتر چکے ہیں، وہ بے غیرتی کی حد تک نفس پرستی کا شکار ہیں۔ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سربلندی کے لئے ہمہ تن اور روز و شب مصروف ہوں۔ اس کے برعکس میرے دوسرے دینی بھائی مجھے نیچا دکھانے کے لئے صلیبیوں سے ساز باز کر رہے ہیں، یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اسلامی ریاستوں کے خزانے اور دیگر مادی وسائل اسلام ہی کے خلاف استعمال ہو رہے ہیں، میں نے اب تک صرف سلطان عادل کے احترام میں حلب کو ملک صالح کے زیر تصرف رہنے دیا ہے۔ مگر اس عاقبت نا اندیش حاکم کی کینہ پروری کا یہ عالم ہے کہ اس نے دوبار حشاشین آدم خوروں سے مجھ پر حملہ کرایا۔ یہ تو محض تائید الٰہی ہے کہ میری زندگی شیاطین کے شدید حملوں کے باوجود محفوظ رہی۔ میری خلیفۂ محترم سے التجا ہے کہ اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے ان بے عقل حاکموں کو سمجھائیں جو اپنی محکومی کے ساتھ اہلِ ایمان کی غلامی کا بھی انتظام کر رہے ہیں۔

خادم اسلام صلاح الدین ایوبی۔

......}......☆......{......

عباسی خلیفہ ناصر الدین نے بہت ذوق و شوق کے ساتھ صلاح الدین ایوبی کا خط پڑھا۔ پھر والیٔ مصر کو قیمتی تحائف بھیجے اور جواب میں ایک محبت آمیز اور پرجوش خط تحریر کیا۔

"میں اپنے پیشرو خلیفہ مستفی بامراللہ مرحوم و مغفور کی طرح آپ کو مجاہد اسلام تصور کرتا ہوں۔ اور آپ کے تمام اصلاحی اقدام کو ملت اسلامیہ کے حق میں مفید تر سمجھتا ہوں، میں اپنی سی کوشش ضرور کروں گا کہ تمام اسلامی ریاستوں کے حاکم۔ اگر ایک پرچم کے نیچے جمع نہیں ہو سکتے تو کم از کم ایک

دوسرے کو نقصان تو نہ پہنچائیں۔ رہا باطنیوں کا معاملہ تو وہ کسی بھی اعتبار سے قابل معافی نہیں۔ اگر آپ اس فتنے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں تو یہ ملت اسلامیہ کی بڑی خدمت شمار ہوگی۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت سے لے کر آج تک شیاطین کی یہ جماعت ایک دن کے لئے بھی چین سے نہیں بیٹھی ہے، بس اللہ ہی جانتا ہے کہ ان کی شرانگیزیوں نے مسلمانان عالم کو کیسے کیسے آزار پہنچائے۔ آپ بخوبی اس راز سے واقف ہیں کہ خلافت بغداد کس قدر محدود وسائل رکھتی ہے پھر بھی میری تمام تر تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں۔"

خلیفۂ بغداد ناصر الدین کا مخلصانہ جواب پا کر صلاح الدین ایوبی کو ایک قسم کی توانائی حاصل ہوئی۔ اور اس نے باطنیوں کے تمام گروہوں کا قلع قمع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر والیٔ مصر اس ارادے سے شام کی طرف بڑھا اور اس نے ان بدعقیدہ لوگوں کی بستیاں اجاڑنی شروع کر دیں۔ چونکہ صلاح الدین کو باطنیوں کی کمین گاہوں کا صحیح پتہ نہیں تھا۔ اس لئے بہت سے حشیشان خفیہ راستوں سے فرار ہو کر اپنے امیر سنان کے پاس پہنچ گئے جو عرف عام میں شیخ الجبال کہلاتا تھا۔ اس موقع پر بہت سے بوڑھے، بچے اور عورتیں اس کے ہاتھ آئیں۔ والیٔ مصر کے امراء نے اسے مشورہ دیا کہ ان تمام اسیروں کو قتل کرا کے ان کے گھروں کو آگ لگا دی جائے۔

صلاح الدین ایوبی فطرتاً ایک نرم دل انسان تھا جو انتہائی حالتِ مجبوری میں انسانی خون بہانے کے لئے اپنی شمشیر بے نیام کرتا تھا۔ ورنہ اکثر مواقع پر قتال و جدال سے گریزاں رہتا تھا۔ یہ اس کی صلہ رحمی تھی کہ مسلمان تو مسلمان، وہ عیسائیوں کو بھی معاف کر دیا کرتا تھا۔ باطنیوں کے سلسلے میں بھی وہ اپنی اسی روش پر گامزن رہا۔

"یہ ناتواں بوڑھے، کمزور عورتیں اور معصوم بچے میرا ہدف نہیں، میں ان سرکش باطنی جوانوں کی تلاش میں ہوں جو صبح و شام نئے فتنے اٹھاتے ہیں۔"

"آخر یہ ان ہی بدعقیدہ لوگوں کی اولادیں ہیں۔ انہیں معاف کر دینا ایسا ہی ہے کہ جیسے ہم چھوٹے چھوٹے فتنوں کی پرورش کریں اور پھر یہ فتنے جوان ہو کر پوری طاقت کے ساتھ اسلام پر حملہ آور ہوں۔" ایک امیر نے صلاح الدین ایوبی کے فیصلے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا۔

"ہمارے جنگی قوانین بھی دوسروں قوموں کے اصولوں سے مختلف ہیں۔ ہم بوڑھوں، بچوں اور عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے، اللہ ہمارا حامی و مددگار ہے۔"

جب نواحی علاقے کے حشیشان فرار ہو کر شام پہنچے اور انہوں نے اپنے امیر شیخ الجبال سنان کو صلاح الدین ایوبی کے خوفناک عزائم کی خبر دی تو سنان گھبرا گیا۔ شیخ الجبال نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ کوئی مسلم حکمراں اس جرأت و بے باکی کے ساتھ حشیشان کو نیست و نابود کرنے کے ارادے سے اس کے مضبوط ترین مرکز کی طرف رخ کرے گا۔ اب تک تو یہی ہوتا آیا تھا کہ سنان پہاڑوں کے خفیہ غاروں میں بیٹھ کر اسلامی ریاستوں کے معاملات میں دخل اندازی کرتا تھا۔ اور اپنے آدم خوروں کے ذریعے مطلوبہ آدمیوں کو قتل کرا دیا کرتا تھا۔ مگر صلاح الدین ایوبی کے معاملے میں اسے دوبار

شدید ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ ایک حشیشہ کے خنجر سے زخمی ہونے اور پورے جسم میں زہر سرایت کر جانے کے باوجود صلاح الدین ایوبی کا زندہ بچ جانا یقیناً کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔ جب والیٔ مصر کے صحت یاب ہونے کی خبر شیخ الجبال سنان کو پہنچی تھی تو کچھ دیر کے لئے فرطِ حیرت سے اسے سکتہ سا ہو گیا تھا۔ اور اب وہی صلاح الدین ایوبی برق رفتاری کے ساتھ اس کے مرکز کی طرف بڑھ رہا تھا۔

یہ خبر سن کر شیخ الجبال نے اپنے معتمد و خاص مشیروں سے مشورے شروع کر دیئے کہ اس سنگین صورتحال میں اسے کیا کرنا چاہیے۔ سنان کے معتمد مشیروں میں ایک شخص حریق بھی تھا جو اپنے وقت کا ایک بڑا کاہن اور نجومی تھا۔ اس نے پریشان لہجے میں سنان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "شیخ! جہاں تک میرا علم بتاتا ہے۔ یہ صلاح الدین ایوبی پر ہمارا کوئی وار کارگر نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ شخص آگے چل کر ہمارے لئے ایک عذاب بن جائے گا، سیلاب آنے سے پہلے کوئی ایسا بند باندھ لیں کہ والیٔ مصر کی فوجیں ادھر کا رخ نہ کریں۔ اگر وہ ہمارے مرکز تک پہنچ گیا تو پھر ہم دربدر ہو جائیں گے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس طرح اس علاقے میں ہماری تحریک ہی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔"

حریق کی باتوں نے شیخ الجبال سنان کو انتہائی وحشت میں مبتلا کر دیا تھا۔ آخر طویل غور و فکر کے بعد شیخ الجبال سنان صلاح الدین ایوبی کے حقیقی ماموں شہاب الدین محمود بن تکش کے پاس پہنچا اور اسے تمام صورتحال سے باخبر کرتے ہوئے التجا کے لہجے میں بولا۔ "تم اپنے بھانجے صلاح الدین کو روکو۔ وہ ہماری ہلاکتوں و بربادی کے درپے ہے۔"

شیخ الجبال کی بات سن کر شہاب الدین محمود بن تکش سوچ میں پڑ گیا کہ وہ صلاح الدین سے باطنیوں کی جان بخشی کے لئے سفارش کرے یا نہ کرے؟

شہاب الدین کو ذہنی کشمکش کا شکار پا کر شیخ الجبال نے ایک اور شیطانی چال چلی۔ اس نے پچاس ہزار دیناروں سے بھری ہوئیں تھیلیاں صلاح الدین ایوبی کے ماموں شہاب الدین کے قدموں میں رکھ دیں۔ اور انتہائی عاجزانہ لہجے میں بولا۔ "اگر تم اپنے بھانجے کو اس کے خونی ارادوں سے باز رکھنے میں کامیاب ہو گئے تو میں اس سے کہیں زیادہ رقم تمہاری نذر کروں گا بلکہ موقع بہ موقع تمہیں ایسے ہی قیمتی تحائف موصول ہوتے رہیں گے۔"

صلاح الدین ایوبی کا ماموں شہاب الدین فطرتاً لالچی انسان نہیں تھا مگر عام انسانوں کی طرح عیش و آسائش کی زندگی گزارنا چاہتا تھا۔ مصر، دمشق اور ایڈیسہ کے علاقوں پر قابض ہو جانے کے بعد شہاب الدین نے کئی بار بھانجے سے درخواست کی تھی کہ وہ اسے بھی کوئی بڑی جاگیر عطا کرے تا کہ اس کی باقی زندگی خوش حالی کے ساتھ گزر سکے۔ مگر صلاح الدین ایوبی نے یہ کہہ کر ماموں کی درخواست مسترد کر دی تھی کہ یہ تمام جاگیریں عوام کی ملکیت ہیں ان پر میرا یا میرے اہلِ خاندان کا کوئی حق نہیں۔ آپ جتنی خدمات انجام دیتے ہیں۔ اس کا معاوضہ آپ کو مل جاتا ہے۔ اس سے زیادہ میرے اختیار میں کچھ نہیں۔ شہاب الدین محمود بن تکش صلاح الدین کی طرف سے مایوس ہو چکا تھا۔ اسلئے اس نے حشیشان کے امام شیخ الجبال کی طرف سے پیش کی جانے والی بھاری رشوت قبول کر لی۔

اور تیز رفتاری کے ساتھ صلاح الدین ایوبی سے ملنے کے لئے روانہ ہو گیا۔

جب شہاب الدین محمود بن تکش اپنے بھانجے سے ملنے روانہ ہوا تو اس وقت صلاح الدین ایوبی دمشق میں مقیم تھا اور شام کے حشیشان پر فیصلہ کن حملہ کرنے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ پھر ماموں اور بھانجے کی تنہائی میں ملاقات ہوئی۔

"بیٹے! تم اس وقت دو طرفہ جنگ میں مصروف ہو۔" شہاب الدین محمود بن تکش نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔ "ایک طرف خاندان زنگی کے دو طاقتور افراد سیف الدین اور سلطان ملک صالح ہیں اور دوسری طرف پوری صلیبی دنیا ہے۔ میں اپنے علم اور طویل جنگی تجربے کی بنیاد پر پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ موجودہ صورتحال کے تناظر میں ایک تیسری طاقت سے الجھنا انتہائی غیر دانشمندی ہے۔"

صلاح الدین ایوبی پوری توجہ اور انہماک سے اپنے حقیقی ماموں کی گفتگو سن رہا تھا۔ مگر تیسری طاقت کے ذکر پر وہ چونک اٹھا۔ "تیسری طاقت سے آپ کی کیا مراد ہے؟" صلاح الدین ایوبی انتہائی مؤدبانہ لہجے میں ماموں سے مخاطب ہوا۔

"میری مراد حشیشانِ شام سے ہے۔" شہاب الدین محمود بن تکش نے بہت احتیاط کے ساتھ گفتگو شروع کی۔ "ان کا مذہبی نظریہ ہمارے عقیدے سے کچھ مختلف سہی...... مگر وہ ہیں تو مسلمان...... پھر تم خواہ مخواہ ان سے دشمنی کیوں مول لیتے ہو؟ سیاست تو اسی کا نام ہے کہ وقت ضرورت دشمن کو بھی دوست بنا لیا جائے۔"

اگرچہ صلاح الدین ایوبی اپنے ماموں کا بہت احترام کرتا تھا مگر اس وقت شہاب الدین محمود بن تکش کی گفتگو سن کر اس کے چہرے پر ناگواری کا رنگ ابھر آیا، تاہم اس نے شائستگی اور احترام کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ "مجھے اس بات سے شدید دکھ پہنچا ہے کہ آپ ان گمراہوں کو مسلمان سمجھتے ہیں؟" صلاح الدین ایوبی کے لہجے سے انتہائی اذیت و کرب کا اظہار ہو رہا تھا۔

"اگر یہ مسلمان نہیں تو پھر کون ہیں؟" شہاب الدین نے تیز لہجے میں پوچھا۔

ماموں کا اندازِ گفتگو دیکھ کر صلاح الدین ایوبی کو ایک بار پھر بہت تعجب ہوا، اب کی مرتبہ اس کے لہجے میں تلخی شامل ہو گئی تھی اور آواز بھی معمول سے زیادہ بلند ہو گئی تھی۔ "میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی ہے کہ آخر آپ حشیشانِ شام کی وکالت کیوں کر رہے ہیں؟"

"اس لئے کہ ان کے امیر شیخ الجبال نے مجھ سے اس بات کی شکایت کی ہے کہ تم اس کے ہم عقیدہ لوگوں پر بے جا مظالم ڈھا رہے ہو، یہاں تک کہ تم نے ان کی چھوٹی چھوٹی بستیاں اجاڑنی شروع کر دی ہیں۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس مہم کے بعد تم ان کے مرکز پر حملہ کر کے باطنیوں کی نسلیں تک مٹا دو گے۔" یہ کہتے کہتے شہاب الدین محمود بن تکش کی آواز میں کسی قدر سختی پیدا ہو گئی تھی۔

قدرت نے صلاح الدین ایوبی کو شجاعت و استقامت کے ساتھ ذہانت و فراست بھی بخشی تھی۔ وہ ایک لمحے میں سمجھ گیا کہ شہاب الدین کی اس گفتگو کے پس پردہ کون سے محرکات شامل ہیں؟" شیخ

الجبال نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ اس نے والیٔ موصل سیف الدین اور والیٔ حلب سلطان ملک صالح سے ایک بہت بڑی رقم لے کر مجھے صفحۂ ہستی سے مٹانے کی قسم کھائی ہے اور اس سلسلے میں وہ دو مرتبہ اپنی سی بھرپور کوشش بھی کر چکا ہے۔ اگر حق تعالیٰ کی ذات پاک میری حامی و ناصر نہ ہوتی تو میں اس وقت آپ سے گفتگو کرنے کے بجائے زیر خاک سو رہا ہوتا۔" یہ کہتے کہتے صلاح الدین ایوبی کے لہجے سے بہت زیادہ تلخی جھلکنے لگی تھی۔

شہاب الدین محمود بن تکش نے اندازہ کر لیا تھا کہ اس کا بھانجا مذہبی معاملات میں بہت زیادہ جذباتی اور حساس ہے، اس لئے اس نے صلاح الدین ایوبی کو نرم کرنے کے لئے نیا طریقہ اختیار کیا۔

"شیخ الجبال سنان اپنی اس اضطراری حرکت پر بہت زیادہ نادم ہے، اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ آئندہ تمہیں اپنا بہترین دوست تصور کرے گا بلکہ یوں کہو کہ اس نے مجھے ثالث بنا کر بھیجا ہے تاکہ میں شیخ الجبال اور تمہارے درمیان دوستی کا رشتہ قائم کرا دوں۔"

شیخ الجبال جیسے شیطان کی بے جا حمایت اور وکالت پر صلاح الدین ایوبی کا خون کھول اٹھا تھا۔ مگر اس نے اتنے قریبی رشتے کی پاسداری کے لئے انتہائی ضبط و تحمل سے کام لیا۔ "میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک ہے کہ مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔ مگر میں تو دو بار ڈسا جا چکا اور اب تیسری بار کی تیاری ہے۔" اگرچہ صلاح الدین ایوبی کی آواز دھیمی تھی لیکن اس کے لہجے میں شدید طنز پوشیدہ تھا۔

شہاب الدین محمود بن تکش نے ایک بار پھر اپنے بھانجے کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ آئندہ شیخ الجبال اور اس کی جماعت تمہارے معاملے میں انتہائی دوستانہ روش اختیار کریں گے۔

ابھی شہاب الدین کی بات مکمل ہونے بھی نہیں پائی تھی کہ صلاح الدین ایوبی درمیان میں بول اٹھا۔ اب اس کی قوتِ برداشت جواب دے چکی تھی اس نے باآواز بلند کہا۔ "مجھے حق تعالیٰ کی مدد کے سوا کسی کی دوستی درکار نہیں۔ یہ میرا اور شیخ الجبال کا معاملہ ہے۔ براہِ کرم آپ درمیان سے ہٹ جائیں۔"

"صلاح الدین! میں خوب جانتا ہوں کہ تم نے اپنے بہت سے دشمنوں کو معاف کیا ہے۔ اگر سنان کو بھی معاف کر دو گے تو یہ تمہاری اعلیٰ ظرفی کا ایک اور عظیم الشان مظاہرہ ہوگا۔ دوسرے یہ کہ میری بات بھی رہ جائے گی۔" شہاب الدین محمود بن تکش صلاح الدین ایوبی کے غصے کو کم کرنے اور اس سنگین مرحلے کو ٹالنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا اور اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ شہاب الدین شیخ الجبال سنان سے بہت بھاری رقم لے چکا تھا۔

اپنے حقیقی ماموں کا ملتجیانہ انداز دیکھ کر صلاح الدین ایوبی کا لہجہ بھی بہت زیادہ نرم ہو گیا۔ "اگر شیخ الجبال اور میرے درمیان ذاتی دشمنی ہوتی تو میں اسے کبھی کا معاف کر چکا ہوتا۔ مگر وہ منافق وریاکار اپنی بدعقیدگی کے سبب ملت اسلامیہ کا دشمن ہے، اور میرے نزدیک ایسے شخص کو معاف کرنا ایسا ہی ہے، جیسے معاذ اللہ۔ میں اپنے مذہب سے برگشتہ ہو جاؤں۔ شیخ الجبال ہر حال میں واجب القتل ہے۔"

شہاب الدین محمود بن تکش نے حشیشان کے امام سنان کو بچانے کی آخری کوشش کی۔ "چلو، میں تسلیم کئے لیتا ہوں کہ شیخ الجبال راہ راست پر نہیں ہے لیکن اگر میں سفارش کروں کہ تم سنان کے خلاف جارحانہ کارروائی بند کر دو اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دو تو؟"

"میں مذہبی معاملات میں اپنے مرحوم والدین کا بھی غلط حکم ماننے سے انکار کر دیتا۔ آپ تو پھر ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔" یہ کہتا ہوا صلاح الدین ایوبی اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا لہجہ سخت تھا اور چہرے سے شدید ناگواری جھلک رہی تھی۔

صلاح الدین کا جواب سن کر شہاب الدین محمود بن تکش بھی غصے میں آ گیا اور اس نے اپنے حقیقی بھانجے کو انتہائی سخت لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تمہیں اقتدار نے مغرور و سرکش بنا دیا ہے یہاں تک کہ تم بزرگوں کا احترام بھی بھول گئے ہو۔"

صلاح الدین ایوبی جاتے جاتے پلٹا اور بہت مؤدبانہ لہجے میں بولا۔ "میں بزرگوں کا احترام نہیں بھولا ہوں۔ مگر آپ کے دل سے یقیناً خوف الٰہی رخصت ہو گیا ہے۔ ورنہ ایک دشمن اسلام کی حمایت میں اتنے سرگرم نہ ہوتے۔ حق تعالیٰ میری بدگمانی کو معاف کرے، مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آپ نے آخرت کے بدلے دنیا خرید لی ہے۔ وہ دنیا جو نہایت بے وفا اور سخت بے اعتبار ہے۔" یہ کہہ کر صلاح الدین ایوبی کمرے سے نکل گیا۔

بھانجے کی طرف سے صاف انکار سن کر شہاب الدین محمود بن تکش سخت پیچ و تاب میں مبتلا تھا۔ بار بار ایک ہی بات سوچ رہا تھا کہ ناکامی کی صورت میں، شیخ الجبال سنان کی طرف سے دی ہوئی رشوت واپس کرنی پڑے گی اور وہ اتنی بڑی رقم لوٹانا نہیں چاہتا تھا۔

......}......☆......{......

اپنے ماموں شہاب الدین محمود بن تکش سے گفتگو کے بعد صلاح الدین نے صورتحال کا صحیح اندازہ کر لیا تھا۔ اس لئے وہ شیخ الجبال اور اس کے آدم خور حشیشان کو سنبھلنے کا موقع دینا نہیں چاہتا تھا۔ والیٔ مصر پانچ ہزار منتخب سپاہیوں کو لے کر شام کے پہاڑی علاقے کی طرف بڑھا۔ جہاں باطنیوں کا مضبوط مرکز تھا۔ صلاح الدین کے ساتھ وہ شہسوار تھے جو گوریلا جنگ کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ پہاڑی علاقوں میں بھی لڑنے کے ماہر تھے۔

شیخ الجبال سنان اپنی زمین دوز پناہ گاہ میں مسرور و مطمئن بیٹھا تھا۔ اسے یقین تھا کہ شہاب الدین محمود بن تکش کو اتنی بڑی رشوت دینے کے بعد وہ اور اس کی جماعت صلاح الدین ایوبی کی یورشوں سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائیں گی۔ پہاڑوں کے درمیان یہ زمین دوز پناہ گاہ دراصل شیخ الجبال کی وہ "زمینی جنت" تھی جو اس نے اپنے امام حسن بن صباح کی تقلید میں قائم کی تھی۔ پہاڑی چٹانوں کو کاٹ کر ایک بڑا ہموار میدان بنایا گیا تھا پھر اس پتھریلے میدان میں زرخیز علاقوں سے لا کر مٹی ڈالی گئی تھی۔ اور اس طرح ایک انتہائی دلکش سبزہ زار بنایا گیا تھا۔ حسن بن صباح کی جنت کی طرح شیخ الجبال کی جنت ارضی میں بھی دودھ اور شہد کی نہریں بہتی تھیں اور ہر طرف خوبصورت عورتوں کی

www.pdfbooksfree.blogspot.com

ٹولیاں محوِ خرام رہتی تھیں۔ یہ وہ ''حوریں'' تھیں جو رقص و سرور کے ذریعے شیخ الجبال اور اس کے معتقد خاص کا دل بہلایا کرتی تھیں۔

ابھی شیخ الجبال اپنی جنت کے نظاروں میں گم تھا کہ صلاح الدین ایوبی کا برق رفتار لشکر شام کی حدود میں داخل ہو گیا۔ اس علاقے میں عیسائیوں کی بھی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ حشیشان اور صلیبیوں کے درمیان کئی سال پہلے ایک معاہدہ طے پا چکا تھا اس معاہدے کی رو سے باطنی آدم خور اور شام کے مقامی عیسائی ایک دوسرے کے حلیف تھے۔ معاہدے کی صرف ایک ہی شق تھی کہ اگر کوئی بیرونی طاقت صلیبیوں پر حملہ آور ہو گی تو حشیشان کی فوج عیسائی لشکر کے ساتھ مل کر بیرونی حملہ آور کا مقابلہ کرے گی۔ اسی طرح اگر حشیشان کسی دشمن کی زد پر ہوں گے تو عیسائی فوجی اپنے تمام تر جنگی وسائل کے ساتھ باطنیوں کی مدد کریں گے۔ الغرض یہی وہ معاہدہ تھا جس کے تحت شیخ الجبال سنان اپنے آپ کو بہت زیادہ محفوظ سمجھتا تھا۔

جب صلاح الدین ایوبی کا لشکر شام کی حدود میں داخل ہوا تو عیسائیوں اور حشیشان میں کھلبلی مچ گئی۔ آج سے پہلے اتنی بڑی تعداد میں مصری فوجیوں نے شام کا رخ نہیں کیا تھا۔ صلاح الدین ایوبی کی یلغار کو آفتِ ناگہانی سمجھتے ہوئے صلیبیوں نے فوری طور پر صف بندی شروع کر دی۔ اور ایک قاصد کو صلاح الدین ایوبی کے لشکر کی طرف یہ پیغام دے کر روانہ کیا۔

''ہم عیسائی ایک امن پسند قوم ہیں۔ اور کئی صدیوں سے مسلمانوں کے ساتھ پر سکون زندگی بسر کر رہے ہیں۔ پھر ہمارے علاقے پر یہ فوجی یلغار کیوں؟''

والیٔ مصر صلاح الدین ایوبی نے عیسائی سالار رانتھونی کا خط پڑھا اور مختصر جواب تحریر کیا۔

''ہم اہلِ ایمان ہیں۔ اور عیسائیوں سے زیادہ صلح و امن پر یقین رکھتے ہیں۔ ہماری یہ جنگ ان بدعقیدہ حشیشان کے خلاف ہے جو بظاہر مسلمانوں جیسے نام رکھتے ہیں۔ مگر در پردہ وہ ملت اسلامیہ کو مسلسل نقصان پہنچا رہے ہیں اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ صلیبیوں اور حشیشان کے درمیان ایک جنگی معاہدہ بھی موجود ہے جس کے تحت تم دونوں ایک دوسرے کے حلیف قرار پائے ہو۔ میں صرف حشیشان کی سرکوبی کے لئے شام آیا ہوں۔ اگر اس معاہدے کے تحت عیسائی فوجی میرے راستے میں مزاحم ہوئے تو پھر میری یلغار صلیبیوں کے خلاف بھی کھلا ہوا اعلان جنگ ہوگا۔ میں تم پر واضح کئے دیتا ہوں کہ یہ جنگ مختصر اور محدود نہیں ہوگی۔ خواہ اس کا نتیجہ میری ہلاکت و بربادی کی صورت میں ظاہر ہو۔ مگر میں اپنے آپ سے عہد کر چکا ہوں کہ جب تک میرا ایک سپاہی بھی زندہ رہے گا۔ اس وقت تک یہ جنگ جاری رہے گی۔''

عیسائی سالار رانتھونی نے صلیبیوں کے خلاف صلاح الدین کی کئی معرکہ آرائیوں کے قصے سنے تھے مگر اپنے اس خط میں والیٔ مصر قہرِ مجسم نظر آ رہا تھا۔ صلاح الدین ایوبی کی تحریر پڑھ کر سالار رانتھونی بری طرح خوف زدہ ہو گیا۔ اس نے فوری طور پر اپنے قاصد کو دوسرا خط دے کر والیٔ مصر کے پاس بھیجا جس میں صاف صاف تحریر تھا۔

''میں حاکم مصر کو یقین دلاتا ہوں کہ حشیشان اور عیسائیوں کے درمیان ایسا کوئی جنگی معاہدہ موجود نہیں ہے۔ آپ تک پہنچنے والی اطلاعات محض افواہوں پر مبنی ہیں۔ اگر آپ مجھے تحریری طور پر یقین دلا دیں کہ اس جنگ میں کسی عیسائی کو کوئی گزند نہیں پہنچے گی تو صلیبی لشکر بھی کسی قسم کی مزاحمت نہیں کرے گا۔''

صلاح الدین ایوبی یہی چاہتا تھا۔ اس نے بلا تاخیر یہ تحریر لکھ کر عیسائی قاصد کے حوالے کر دی۔

''اگر اس فوجی مہم میں شام کے عیسائیوں نے مداخلت نہیں کی تو لشکر اسلام ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کا محافظ ہے اور اگر ماضی کی طرح عہد شکنی سے کام لیا گیا تو ہماری شمشیریں آزاد ہیں، جس کے ساتھ جیسا چاہیں سلوک کریں۔''

اس کے بعد صلاح الدین ایوبی کے سپاہی شام کی حدود میں داخل ہو گئے، اس اچانک افتاد سے پورا شہر سہما ہوا تھا۔ مگر صلاح الدین ایوبی کے نقیبوں نے گلی کوچوں میں گھوم کر عام شہریوں کو یقین دلایا تھا کہ لشکر اسلام جنگ کی غرض سے نہیں، چند باغیوں کی گرفتاری کیلئے شام کی حدود میں داخل ہوا ہے۔

عیسائی سالار رانتھونی نے یہاں تک تو اپنے عہد کی پاسداری کی کہ عیسائی فوج کو خاموش تماشائی بننے کا حکم دے دیا۔ مگر اپنے کچھ معتبر آدمیوں کو اس اطلاع کے ساتھ شیخ الجبال کے پاس بھیج دیا کہ وہ اپنے دفاعی انتظامات مضبوط تر کر لے کیونکہ صلاح الدین ایوبی اس کی تلاش میں شام آ پہنچا ہے۔

......}......☆......{......

صلاح الدین ایوبی شیخ الجبال سنان کے خفیہ مراکز کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس لئے اس نے مقامی معززین کو طلب کیا اور ان کے سامنے تمام صورتحال بیان کرتے ہوئے کہا۔ ''میں اس سلسلے میں آپ حضرات سے صرف اتنا تعاون چاہتا ہوں کہ ان شیاطین کی خصوصی پناہ گاہوں کی نشاندہی کر دیں تا کہ ایک ہی کوشش میں ان فتنہ گروں کا خاتمہ کیا جا سکے۔''

صلاح الدین ایوبی کی بات سن کر اس وقت موجود تمام معززین شام گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ ان کی یہ کیفیت دیکھ کر والیٔ مصر نے یہی سمجھا کہ یہ مقامی لوگ شیخ الجبال سے خوف زدہ ہیں، اس لئے اس کے بارے میں کچھ بتانے سے گریزاں ہیں۔

صلاح الدین ایوبی نے اپنے اس اندیشے کا اظہار کیا تو شام کے ایک ممتاز عالم عبدالرحمٰن بن سعد نے جواباً کہا۔ ''ہم حشیشان سے خوفزدہ نہیں کہ حق و باطل کے درمیان معرکہ آرائی تو اس وقت سے ہے۔ جب قابیل نے حضرت ہابیل کی گردن پر خنجر چلایا تھا اور یہ خیر و شر کی کشمکش اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ زمین پر قیامت نازل نہیں ہو جاتی۔ امر واقعہ یہ ہے کہ وہ ایک انتہائی منظم گروہ ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ شیخ الجبال کے ماننے والے کہاں کہاں ہیں اور کس کس بھیس میں ہیں؟ میری آپ سے بھی یہ درخواست ہے کہ پوری تحقیق کئے بغیر ہر کس و ناکس سے ملاقات نہ کریں۔''

عبدالرحمٰن بن سعد کی بات سن کر صلاح الدین ایوبی کو چند لمحوں کے لئے وہ دونوں مناظر یاد آ گئے جب حشیشان اس کے فوجیوں کے لباس میں مصری لشکر کے اندر داخل ہو کر اس پر حملہ آور ہوئے تھے۔

شام کے معززین اور علماء بھی اسے محتاط اور ہوشیار رہنے کی تلقین کر رہے تھے۔

صلاح الدین ایوبی دوسرے ہی لمحے تصورات کی دنیا سے نکل آیا اور عبدالرحمٰن بن سعد سے مخاطب ہوا۔ ’’اس کا مطلب ہے کہ میں شیخ الجبال کے مرکز یا خفیہ پناہ گاہ تک نہیں پہنچ سکتا۔‘‘ والیٔ مصر کے لہجے سے مایوسی جھلکنے لگی تھی۔

’’اللہ نہ کرے کہ آپ اپنے ارادوں میں ناکام ہوں۔‘‘ عبدالرحمٰن بن سعد کے لہجے سے صلاح الدین ایوبی کے لئے انتہائی عقیدت کا اظہار ہو رہا تھا۔ ’’اس وقت تو آپ تمام عالم اسلام کی امیدوں کا مرکز ہیں۔ ہماری اطلاعات کے مطابق حشیشان کی پناہ گاہیں اسی سلسلۂ کوہسار میں ہیں۔ مگر یہ بات پورے یقین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی کہ شیخ الجبال کس پہاڑی غار میں روپوش ہے۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ فدائین کی ایک بڑی تعداد ہر وقت اس کی حفاظت کے لئے موجود رہتی ہے۔‘‘

عبدالرحمٰن بن سعد اور دوسرے معززین شہر کی فراہم کردہ اطلاعات اس قدر ناکافی تھیں کہ ان کے ذریعے شیخ الجبال کے صحیح ٹھکانے پر نہیں پہنچا جا سکتا تھا، یہ بات تو عام طور پر مشہور تھی کہ سنان شام کے سلسلۂ کوہسار میں رہتا ہے اور اسی لئے اس نے شیخ الجبال (پہاڑیوں کا بزرگ یا امیر) کا لقب اختیار کیا تھا۔

جب معززین شہر اور علماء کا وفد صلاح الدین ایوبی سے ملاقات کر کے واپس جانے لگا تو عبدالرحمٰن بن سعد نے والیٔ مصر سے ایک اور درخواست کرتے ہوئے کہا۔ ’’تمام اہلِ ایمان کی دلی خواہش ہے کہ ہمیشہ کیلئے اس فتنے کی بیخ کنی کر دی جائے۔ مگر اس کے ساتھ ہی میری یہ گزارش بھی ہے کہ آپ جب بھی اس کام کا آغاز کریں تو اسے تکمیل تک پہنچا کر ہی دم لیں۔ اگر شیخ الجبال بچ کر فرار ہو گیا تو وہ مقامی مسلمانوں کے لئے قہرِ مجسم بن جائے گا۔‘‘

......}......☆......{......

صلاح الدین ایوبی کے خیمے کے باہر پچاس مسلح محافظ پہرہ دے رہے تھے۔ اور والیٔ مصر شدید ذہنی کشمکش کے عالم میں دونوں ہاتھ پشت پر باندھے ٹہل رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے ہدف تک کس طرح پہنچے۔ یہاں تک کہ سوچتے سوچتے پوری رات گزر گئی۔ پھر اس نے نمازِ فجر ادا کی۔ اور دیر تک بڑے پُرسوز لہجے میں اپنی اس مہم کی کامیابی کے لئے دعائیں مانگتا رہا۔ پھر اسی دوران اسے ایک عجیب سا خیال آیا۔ اور والیٔ مصر کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔

شب بیداری کے سبب صلاح الدین ایوبی نے کچھ دیر آرام کیا۔ پھر جب وہ نیند سے بیدار ہوا تو اس نے دوبارہ معززینِ شہر سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔

ظہر کی نماز کے بعد تمام عمائدینِ شہر صلاح الدین ایوبی کے خیمے میں جمع ہوئے۔ ’’کیا یہاں حشیشان کی کوئی عبادت گاہ موجود ہے؟‘‘ والیٔ مصر نے عبدالرحمٰن بن سعد سے سوال کیا۔

’’یہاں باطنی عقیدے سے تعلق رکھنے والے افراد کی ایک درسگاہ موجود ہے جسے وہ دارالعمل کے نام سے پکارتے ہیں۔ اسی جگہ ان کی دینی تعلیم و تربیت ہوتی ہے۔ اور یہیں وہ اپنے طریقے سے

عبادت کرتے ہیں۔‘‘

’’کیا ہماری اور ان کی عبادت میں فرق ہے؟‘‘ صلاح الدین ایوبی نے عبدالرحمٰن بن سعد سے دوسرا سوال کیا۔

’’عبادت کا کیا ذکر؟‘‘ عبدالرحمٰن بن سعد کے لہجے سے شدید تلخی جھلک رہی تھی۔ ’’جب حشیشان کا پیغمبر ہی الگ ہے تو پھر ان کا اور ہمارا طریقۂ عبادت کس طرح یکساں ہو سکتا ہے؟ یہ سب کے سب اس مردود، ساحرالموت حسن بن صباح کے ماننے والے ہیں جن کی زندگی کا ایک ہی مقصد ہے کہ اہلِ ایمان کی صفوں میں انتشار برپا کیا جائے۔ ان لوگوں کا پہلا ہدف وہ راسخ العقیدہ مسلمان ہوتا ہے جو اسلام کی ترویج و ترقی میں سرگرم نظر آتا ہے۔ کردار کے کمزور اور بے عمل مسلمان نوجوانوں کو دولت، عورت، شراب اور دنیا کے دیگر تعیشات کی ترغیب دیتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ لوگ اپنے آبائی مذہب سے منحرف ہو کر باطنیوں کی جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں، اس طرح اس آدم خور فرقے کی جمعیت میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔‘‘

عبدالرحمٰن بن سعد کی زبانی یہ انکشاف سن کر صلاح الدین ایوبی کے چہرے پر شدید نفرت و غضب کا رنگ نمایاں ہو گیا۔ پھر کچھ دیر کے لئے والیٔ مصر کے ذہن میں اپنے حقیقی ماموں شہاب الدین محمود بن تکش کا چہرہ ابھر آیا جس نے حشیشان کے خلاف کی جانے والی کارروائی سے صلاح الدین ایوبی کو باز رکھنے کی سر توڑ کوششیں کی تھیں۔ عبدالرحمٰن بن سعد کی گفتگو کی روشنی میں خود اس کا سگا ماموں حشیشان کا آلۂ کار بن گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ دمشق سے شام کی طرف یلغار کرنے سے پہلے صلاح الدین ایوبی نے شہاب الدین محمود بن تکش کو دمشق کے محل میں نظر بند کر دیا تھا۔ اور اسکے کمرے کے باہر دس تندرست و توانا مسلح محافظوں کا پہرہ بٹھا دیا تھا۔ اور محافظوں کے لئے حکم تھا کہ شہاب الدین کوئی بھی بہانہ کرے، اسے کمرے سے باہر جانے نہ دیا جائے اور اگر زیادہ سرکشی پر اتر آئے تو بلا تاخیر اسے زنجیریں پہنا دی جائیں۔ صلاح الدین ایوبی نے اس خیال کے تحت اپنے حقیقی ماموں کو نظر بند کیا تھا کہ کہیں شہاب الدین واپس جا کر شیخ الجبال سنان کو اس کے منصوبے سے باخبر نہ کر دے۔ مگر یہ کام پہلے ہی عیسائی سالار انطونی کر چکا تھا اور تمام حشیشان نے اپنے اپنے خفیہ مورچے سنبھال لئے تھے۔

کچھ دیر بعد صلاح الدین ایوبی دوبارہ تصورات کی دنیا سے نکل کر حقائق کی فضاء میں آ گیا تھا۔ اس نے کسی قدر تلخ لہجے میں عبدالرحمٰن بن سعد سے ایک اور سوال کیا۔ ’’شام مکمل طور پر اسلامی ریاست ہے۔ پھر حشیشان کو یہ آزادی کس نے دی ہے کہ وہ کھلے عام اپنی شیطانی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔‘‘

عبدالرحمٰن بن سعد نے نہایت کرب ناک لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔ ’’حق تعالیٰ سلطانِ عادل کی مغفرت کرے۔ جب تک وہ حیات رہے، حشیشان کی سخت نگرانی کی جاتی تھی۔ سرکاری جاسوس ہر وقت کسی شکاری پرندے کی طرح ان شیاطین کے تعاقب میں رہتے تھے۔ نتیجتاً اس گروہ کی

سرگرمیاں ان کی چند پناہ گاہوں تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں۔ حشیشان کے علاوہ باطنیوں کے دوسرے فرقوں پر بھی سخت پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں۔ مگر سلطانِ عادل کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی سلطان ملک صالح اور والئ موصل سیف الدین نے ان تمام گروہوں کو مکمل آزادی دے دی۔ انجام کار یہ پہلے سے بھی زیادہ طاقتور ہو گئے۔ مزید قیامت یہ ہے کہ درپردہ ان دشمنانِ اسلام کو عیسائیوں اور یہودیوں کی پشت پناہی بھی حاصل ہے۔ یہی دونوں قومیں حشیشان کو مالی اور جنگی وسائل فراہم کرتی ہیں۔"

اس قسم کی خبریں تو صلاح الدین تک پہلے بھی پہنچ چکی تھیں۔ مگر آج ایک نہایت ثقہ شخص اور معتبر عالم نے نہ صرف ان اطلاعات کی تصدیق کر دی تھی بلکہ کچھ نئے انکشافات بھی کیے تھے۔

"بے شک! آپ کا شمار شام کے ممتاز علماء میں ہوتا ہے اس لیے میں توقع رکھتا ہوں کہ آپ اپنے علم کی روشنی میں میری رہنمائی کریں گے۔" صلاح الدین ایوبی نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ "کیا اسلامی فقہ کسی بھی اعتبار سے حشیشان کو مسلمان تصور کرتا ہے؟"

"ہرگز نہیں۔" عبدالرحمٰن بن سعد نے پرجلال اور دوٹوک لہجے میں کہا۔ "ان کا دینِ اسلام سے برائے نام بھی تعلق نہیں۔"

عبدالرحمٰن بن سعد کا فتویٰ سن کر صلاح الدین ایوبی کے ہونٹوں پر ایک آسودہ مسکراہٹ ابھر آئی۔

"اللہ آپ کو جزائے عظیم دے کہ بہت دن بعد آج مجھے ایک اذیت ناک ذہنی خلش سے نجات مل گئی۔ جو راتوں کو سونے نہیں دیتی تھی۔"

☆
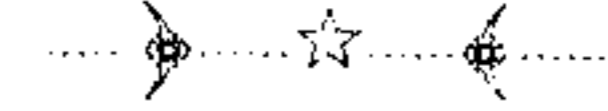
عبدالرحمٰن بن سعد کے جاتے ہی صلاح الدین ایوبی نے اپنے پچاس سواروں کا ایک دستہ کچھ مقامی لوگوں کی نگرانی میں حشیشان کی تربیت گاہ کی طرف روانہ کرتے ہوئے سپاہیوں کو حکم دیا۔

"دارالعمل کے نگراں اور دیگر منتظمین کو فوری طور پر پیش کیا جائے اگر وہ لوگ خوشی سے آئیں تو انہیں عام شہریوں کی طرح لایا جائے، مزاحمت کریں تو ان سے مقابلہ کیا جائے۔ مگر اس طرح کہ انہیں زخمی کر کے بے دست و پا کر دیا جائے، خاص طور پر اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ ان میں سے کوئی ہلاک نہ ہونے پائے۔"

ان ہدایات کے ساتھ صلاح الدین ایوبی کے سپاہی حشیشان کی تربیت گاہ دارالعمل پہنچے، تربیت گاہ کے دروازے پر دو مسلح پہرہ دار موجود تھے۔ وہ صلاح الدین ایوبی کے سپاہیوں کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ انہیں پہلے ہی خبر مل چکی تھی کہ والئ مصر حشاشین کی تلاش میں شام آ پہنچا ہے۔ شیخ الجبال نے فوری طور پر انہیں خفیہ پیغام دیا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کے لشکر کے ساتھ کسی قسم کے تصادم کی راہ اختیار نہ کی جائے اور ذہانت و تدبر کے ساتھ اس بلا کو یہاں سے ٹال دیا جائے۔

"آپ لوگ کون ہیں اور یہاں کیوں آئے ہیں؟" ایک حشیشہ پہرہ دار نے صلاح الدین ایوبی کے سپاہیوں سے پوچھا۔

"تمہارے اس دارالعمل کا نگرانِ اعلیٰ کون ہے؟ ایک مصری سپاہی نے اس خوبصورت عمارت کی طرف دیکھا جس کے دروازے پر ایک بڑا اور خوب صورت پتھر نصب تھا اور پتھر پر بہت جلی حروف کے ساتھ عربی زبان میں "دارالعمل" کندہ تھا۔

"شیخ ابوریحان اس درس گاہ کے معلم اعلیٰ ہیں۔" دارالعمل کے محافظ سپاہی نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"شیخ ابوریحان سے جا کر کہو کہ والئ مصر صلاح الدین ایوبی انہیں شرف ملاقات بخشنا چاہتے ہیں۔" مصری سپاہی نے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔

"ہمارے شیخ کسی امیر یا حاکم سے نہیں ملتے۔" حشیشہ محافظ نے بھی صلاح الدین ایوبی کے سپاہیوں پر رعب ڈالنے کے لئے بلند آواز میں کہا۔

"انہیں یادِ خدا کے سوا دنیا کی کسی شے سے کوئی غرض نہیں۔ اس وقت بھی شیخ اپنی عبادت و ریاضت میں مصروف ہوں گے۔ ہم میں سے کسی کو اجازت نہیں کہ اس موقع پر ان کی محویت میں خلل ڈالا جائے۔"

"اپنے شیخ سے کہو کہ وہ کچھ دیر کے لئے عبادت موقوف کر دیں اور ہمارے ساتھ چل کر والئ مصر کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔" دوسرے مصری سپاہی نے سخت لہجے میں کہا۔

"شیخ کا جو حکم تھا وہ تمہیں سنا دیا گیا۔" دوسرے حشیشہ محافظ نے بھی اپنی آواز میں سختی پیدا کرتے ہوئے کہا۔ حالانکہ وہ اندر سے سہما ہوا تھا۔

"تمہارے شیخ کا حکم ہم نے سن لیا۔ اب تم اندر جاؤ اور اپنے شیخ تک والئ مصر کا حکم پہنچا دو۔" تیسرے مصری سپاہی نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز سے سختی کے ساتھ غصہ بھی جھلک رہا تھا۔ "یہ ملاقات تو ہو کر رہے گی۔ ہم اہلِ ایمان کا یہ مزاج نہیں کہ ہم کسی کی عبادت گاہ یا درس گاہ کے در و دیوار اور فرش کو انسانی خون سے رنگین کر دیں لیکن اگر تم نے والئ مصر کے حکم کی تعمیل میں تاخیر کی تو پھر ہماری شمشیریں بااختیار ہیں۔"

جب حشیشہ محافظوں نے اندازہ کر لیا کہ یہ طوفان کسی طرح ٹلنے والا نہیں تو ان میں سے ایک "دارالعمل" کی عمارت کے اندر چلا گیا پھر وہ کئی پر پیچ راستوں اور تہہ خانوں سے گزر کر ایک زمین دوز کمرے میں پہنچا۔ پھر اس نے دروازے پر دستک دی۔

اس وقت شیخ ابوریحان ایک خوبصورت نوخیز لڑکی کے ہاتھ سے شراب پی رہا تھا اور انتہائی سرخوشی کے عالم میں اپنے ریشمی بستر پر بیٹھا جھوم رہا تھا۔ اسے یہ بے جا اور بے وقت مداخلت سخت ناگوار گزری۔ "یہ کون بے ادب ہے؟" شیخ ابوریحان نے چیخ کر کہا۔

"شیخ! موت ہمارے دروازے تک پہنچ گئی ہے۔" باہر سے حشیشہ محافظ کی انتہائی خوفزدہ آواز ابھری۔

موت کا نام سن کر اس خوبصورت لڑکی کے ہاتھ سے شراب کی صراحی بستر پر گر گئی اور وہ دہشت

زدہ انداز میں اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

"کیسی موت؟" شیخ ابو ریحان نے اپنی وحشت پر قابو پانے کی کوشش کی مگر اس کی آواز سے بھی لرزش نمایاں تھی۔

حشیشہ محافظ اجازت کے بغیر دروازہ کھول کر شیخ ابو ریحان کے کمرے میں داخل ہوگیا۔ اور پھر اس نے تمام صورتحال بیان کر دی۔

شیخ ابو ریحان اگرچہ ایک سرخ وسفید بوڑھا تھا لیکن اپنے محافظ کی زبانی پورا واقعہ سن کر اس کے چہرے پر موت کی سی زردی چھا گئی۔ "کیا تم اپنی ذہانت و ہوشیاری سے اس مصیبت کو ٹال نہیں سکتے؟" شیخ ابو ریحان کے لہجے میں کپکپاہٹ کچھ اور نمایاں ہوگئی تھی۔

"شیخ محترم! ہم نے ہر چال چل کر دیکھ لی۔ مگر یہ طوفان ٹلنے والا نہیں۔ سلامتی اسی میں ہے کہ آپ فوری طور پر کچھ دیر کے لئے صلاح الدین ایوبی کے پاس چلے جائیں اگر آپ نے ذرا بھی تاخیر کی تو اس کے سپاہی اپنی بے نیام شمشیروں کے ساتھ دارالعمل میں داخل ہو جائیں گے اور پھر ہر طرف خون ہی خون ہوگا۔"

صورتحال کی یہ سنگینی دیکھ کر شیخ ابو ریحان کا سارا نشہ ہرن ہوگیا۔ اور اس نے کانپتے ہاتھوں سے اپنی وہ قبا پہنی جس سے عالمانہ شان ظاہر ہوتی تھی۔ پھر اس نے لرزتی انگلیوں سے اپنے سر کے بے ترتیب بالوں اور داڑھی کو درست کیا۔ پھر اس نے اس نوخیز اور خوبصورت لڑکی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا جو کچھ دیر پہلے اسے شراب پلا رہی تھی۔ "فوراً شیخ الجبال کی خدمت میں حاضری دو اور عرض کرو کہ دشمن ہمارے گھر تک آ پہنچا ہے۔ اپنے دفاعی انتظامات مضبوط تر کر دیں۔"

یہ سنتے ہی وہ لڑکی کمرے کے دوسرے دروازے سے نکل کر ایک اور کمرے میں چلی گئی۔

☆

پھر شام کے مقامی باشندوں نے بڑی حیرت سے یہ منظر دیکھا کہ شیخ ابو ریحان بڑی شان کے ساتھ ایک گھوڑا گاڑی میں بیٹھا ہے اور اس کے بیس مسلح محافظ گھوڑوں کی لگامیں پکڑے چل رہے تھے۔ اور یہ سب لوگ صلاح الدین ایوبی کے شہ سواروں کے نرغے میں تھے۔

جب حشیشان کے مسلح سپاہی اور شیخ ابو ریحان صلاح الدین ایوبی کی خیمہ گاہ کے دروازے پر پہنچے تو مصری سپاہیوں نے شیخ ابو ریحان اور دوسرے حشیشان کی سخت تلاشی لی اور پھر انہیں غیر مسلح کر کے والئ مصر کے روبرو حاضر کر دیا۔

"ہم تارک الدنیا لوگوں کو کس لئے اس زحمت میں مبتلا کیا گیا ہے؟" ابو ریحان شراب کے اثر سے اپنی جگہ کھڑا جھوم رہا تھا۔ اور اس کے چہرے سے شدید ناگواری کی جھلک نمایاں تھی۔

صلاح الدین ایوبی نے بہت غور سے شیخ ابو ریحان کی طرف دیکھا جس کی باتوں اور آنکھوں سے نشے کی کیفیت صاف نمایاں تھی۔

"بیٹھ جاؤ۔ ہم اہلِ ایمان عمر رسیدہ لوگوں کا احترام کرتے ہیں۔"

شیخ ابو ریحان ستر سال کے قریب ایک طویل قامت بوڑھا تھا۔ مگر اس کے تمام اعضاء مضبوط و توانا تھے اور چہرے کی رنگت سفید و سرخ تھی۔

"میں یہاں بیٹھنے نہیں آیا۔ اپنا مقصد بیان کرو اور مجھے جلد سے جلد رخصت دے دو۔" شیخ ابو ریحان کے لہجے سے ناگواری کا رنگ جھلک رہا تھا۔

"کیا تم مسلمان ہو؟" صلاح الدین ایوبی نے انتہائی صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے نرم لہجے میں سوال کیا۔ مگر وہ پلکیں جھپکائے بغیر شیخ ابو ریحان کے چہرے کا مسلسل جائزہ لے رہا تھا۔

والئ مصر کا سوال سن کر شیخ ابو ریحان کی بڑی بڑی آنکھوں میں ایک عجیب سا رنگ ابھرا جس میں خوف کی آمیزش تھی۔ مگر وہ نہایت مضبوط اعصاب کا انسان تھا۔ اس نے فوراً ہی اپنے اعصاب پر قابو پالیا اور استقامت کے لہجے میں کہا۔ "میرا مذہب اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔"

صلاح الدین ایوبی کی عقابی نظروں نے شیخ ابو ریحان کے چہرے پر ابھرنے والے خوف کی لمحاتی کیفیت کو محسوس کر لیا تھا۔ "پھر تمہارا نام، وضع قطع اور لباس مسلمانوں جیسے کیوں ہیں؟" والئ مصر نے شیخ ابو ریحان سے ایک اور عجیب سوال کر ڈالا۔

"میں لباس پہننے اور نام اختیار کرنے میں مکمل آزاد ہوں۔" شیخ ابو ریحان نے بلند آواز میں ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"بہت سے یہودیوں اور عیسائیوں کے نام بھی مسلمانوں جیسے ہیں۔ کیا ان کا تعلق بھی مذہب اسلام سے ہے؟"

شیخ ابو ریحان نے اپنے طور پر ایک مضبوط دلیل پیش کی تھی۔ مگر صلاح الدین ایوبی نے اس کی دلیل کو مسترد کرتے ہوئے کہا۔

"عرب کے قدیم عیسائیوں اور یہودیوں کے کچھ نام ملتے جلتے ضرور ہیں لیکن ان کے حلئے اہلِ ایمان سے بالکل مماثلت نہیں رکھتے۔"

"آئندہ میں اپنا حلیہ بدل ڈالوں گا تاکہ میری شکل و صورت مسلمانوں سے مشابہہ نہ رہے۔" شیخ ابو ریحان کے ہونٹوں پر تحقیر آمیز مسکراہٹ ابھر آئی۔

"بس میرے آخری سوال کا جواب اور دے دو۔ اس کے بعد تم آزاد ہو۔" یہ کہتے ہوئے صلاح الدین ایوبی اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور اس نے شیخ ابو ریحان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ "شیخ الجبال سنان اس وقت کہاں ہے؟ مجھے اس کی ایک ایک پناہ گاہ کا سراغ چاہیے۔"

سنان کا نام سن کر ایک لمحے کے لئے شیخ ابو ریحان گھبرا گیا۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ "میں کسی شیخ الجبال کو نہیں جانتا۔"

صلاح الدین ایوبی نے اس کے بعد شیخ ابو ریحان سے کوئی سوال نہیں کیا۔ بس اپنے سپاہیوں سے مخاطب ہو کر اس قدر بولا۔ "تم ان لوگوں پر اتنا تشدد کرو کہ ان کی زبانیں سینوں میں چھپے ہوئے راز اُگلنے پر مجبور ہو جائیں۔"

صلاح الدین کا حکم سنتے ہی شیخ ابوریحان ہذیانی انداز میں چیخ اٹھا۔ ''کیا یہی اسلام ہے کہ تم غیر مسلموں کا جرم بتائے بغیران پر یہ ظلم ڈھانے چلے ہو؟''

صلاح الدین ایوبی نے شیخ ابوریحان کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اپنے سپاہیوں کے لئے نیا حکم جاری کر دیا۔ ''پورے دارالعمل کا محاصرہ کرلو اور اندر داخل ہوکر ایک ایک چیز کا بغور جائزہ لو یہاں تک کہ پوری عمارت کا فرش کھود ڈالو۔ اگر وہاں کچھ اور خدمت گار موجود ہوں تو انہیں بھی گرفتار کر کے پوچھ گچھ کرو کہ شیخ الجبال کے خفیہ ٹھکانے کہاں ہیں؟''

☆

وہ رات شیخ ابوریحان اور دوسرے حشیشان پر بہت بھاری تھی۔ صلاح الدین ایوبی کے طاقتور سپاہی تھوڑے تھوڑے وقفے سے ان پر تازیانے برسا رہے تھے۔ ان باطنی قیدیوں کے لئے ایک الگ خیمہ مخصوص کر دیا گیا تھا۔ جسے سینکڑوں مصری سپاہی گھیرے ہوئے تھے۔ صبح ہوتے ہوتے شیخ ابو ریحان اور دوسرے حشیشان کے لباس دھجیوں میں تبدیل ہو گئے تھے اور جسم کے مختلف حصوں سے خون رس رہا تھا۔ نماز فجر ادا کرنے کے بعد جب صلاح الدین ایوبی اس خیمے میں داخل ہوا تو سب کے سب زمین پر نیم جاں پڑے ہوئے تھے۔ مگر ابھی تک کسی نے زبان نہیں کھولی تھی۔ ''میں طے کر چکا ہوں کہ تم لوگ یا تو شیخ الجبال کی مکمل نشاندہی کر دو گے یا پھر تمہیں موت کا ذائقہ چکھایا جائے گا، مجھے نہیں معلوم کہ تم لوگ کس عقیدے سے تعلق رکھتے ہو۔ اس لئے میرے سپاہیوں کو وصیت کے طور پر بتا دو کہ مرنے کے بعد تمہاری آخری رسمیں کس طرح ادا کی جائیں؟'' یہ کہہ کر صلاح الدین ایوبی جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ شیخ ابوریحان زمین پر پڑے پڑے کراہا۔

''خدا کے لئے مجھے تھوڑی سی شراب پلا دو۔ تاکہ میں تمہیں کچھ بتانے کے قابل ہوسکوں۔''

تازیانوں کی جراحت اور موت کے خوف نے شیخ ابوریحان کو زبان کھولنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''ہم شراب نہیں پیتے اس لئے تیری خواہش پوری نہیں کی جاسکتی۔'' صلاح الدین ایوبی نے سخت لہجے میں کہا۔

''تو پھر مجھے دارالعمل لے چلو۔'' شیخ ابوریحان نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''وہاں شراب بھی ہے اور وہیں شیخ الجبال کی پناہ گاہ بھی ہے۔''

شیخ ابوریحان کا گداگرانہ انداز دیکھ کر صلاح الدین ایوبی کے ہونٹوں پر فاتحانہ تبسم ابھر آیا۔ پھر شیخ ابوریحان اور دوسرے زخمی حشیشان کو دارالعمل لے جایا گیا، خود صلاح الدین ایوبی بھی پوری طرح مسلح ہوکر اپنے حفاظتی دستے کے ساتھ دارالعمل میں داخل ہوا جہاں اس کے سپاہی جگہ جگہ سے فرش کھود رہے تھے۔ مگر انہیں کسی قسم کی کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اور ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ دارالعمل ایک انتہائی پیچیدہ طلسم کدہ تھا۔ اسپین کے ''طلسم طلیطلہ'' کی طرح جسے بڑے ماہر کاریگروں نے تعمیر کیا تھا۔

آخر جاں بخشی کی شرط پر شیخ ابوریحان نے دارالعمل کے طلسم کدہ کا ایک ایک راز کھول دیا۔ یہاں

تہہ در تہہ اور پیچ در پیچ تہہ خانے تھے جن تک کسی رہنما (گائیڈ) کے بغیر رسائی ممکن نہیں تھی۔ تہہ خانوں میں سیکڑوں خوبصورت عورتیں اور دیگر منتظمین روپوش تھے۔ شراب اور کھانے پینے کے سامان کا بہت ذخیرہ موجود تھا۔ جگہ جگہ حسن بن صباح کے بت نصب تھے۔ یہیں وہ سرنگ بھی موجود تھی جو شام کے سلسلہ کوہسار تک جاتی تھی۔ اسی سرنگ کے ذریعے شیخ الجبال سنان اپنے طلسم کدے میں آتا تھا۔ اور خطرے کے وقت اسی راستے سے گزر کر اپنی پہاڑی پناہ گاہوں میں روپوش ہو جاتا تھا۔ صلاح الدین نے فوری طور پر ان تمام عورتوں اور دارالعمل کے خدمت گاروں کو گرفتار کر کے ایک طویل و عریض کمرے میں بند کر دیا۔ شراب کے تمام مٹکے، صراحیاں اور دیگر ساز و سامان توڑ دیا گیا۔ مگر حسن بن صباح کے سارے مجسموں کو حفاظت کے ساتھ مصری خیموں میں لے جایا گیا۔

شیخ ابوریحان کے حکم پر اس کے ایک خاص خدمت گار نے ان تمام غاروں کی نشاندہی کر دی جہاں شیخ الجبال اور اس کے پانچ ہزار مسلح فدائین چھپے ہوئے تھے۔

مکمل معلومات حاصل کرنے کے بعد صلاح الدین ایوبی نے حشیشان کے خلاف اپنا نقشۂ جنگ ترتیب دیا۔ پہلے اس نے شام کے تمام علاقوں سے سیکڑوں من نفط (مٹی کا تیل) روئی اور کپڑا جمع کیا۔ پھر ہر غار کے دہانے پر پانچ سو مسلح سپاہی کھڑے کر دیئے۔ حشیشان کے فرار کے تمام راستے بند کرنے کے بعد والیٔ مصر نے دارالعمل کی سرنگ سے اپنی جنگ کا آغاز کیا۔ سب سے پہلے بہت دیر تک سرنگ میں مٹی کا تیل بہایا گیا۔ پھر روئی اور کپڑے کو تیل میں بھگو کر ان کی مشعلیں بنائی گئیں اور پھر ان میں آگ لگا کر پوری طاقت سے سرنگ کے اندر پھینک دیا گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں آگ بھڑک اٹھی اور دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہوا جیسے آگ کا ایک دریا ہے جو آگے ہی بڑھتا جا رہا ہے۔

یہی عمل تمام غاروں میں دہرایا گیا تھا۔ جہاں تک بہایا جانے والا مٹی کا تیل پہنچ سکتا تھا وہاں تک مشعلوں نے آگ لگا دی۔ صلاح الدین کا حکم تھا کہ سرنگ اور غاروں کے دہانوں کی آگ ایک لمحے کے لئے بھی بجھنے نہ پائے۔ نتیجتاً مصری سپاہی تھوڑی تھوڑی دیر بعد جلتی ہوئی مشعلیں اندر پھینکتے رہے تاکہ شعلوں کی تپش اور دھوئیں کا تسلسل جاری رہے۔

شیخ الجبال اور اس کے پانچ ہزار فدائین کو عیسائی سالار انتھونی اور شیخ ابوریحان کے ذرائع سے صلاح الدین ایوبی کے خوفناک ارادوں کی اطلاعات مل چکی تھی۔ مگر وہ یہ سوچ کر مطمئن تھے کہ اگر صلاح الدین کا پورا لشکر بھی ان محفوظ پناہ گاہوں میں داخل ہوگیا تو وہ حشاشین کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا بلکہ یہ پُر پیچ اور پراسرار پہاڑی غار مسلمان سپاہیوں کا مدفن بن جائیں گے۔ شیخ الجبال سنان کے اطمینان کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ان محفوظ پناہ گاہوں میں اسلحے کے ساتھ سامان خورد و نوش کے بھی بڑے ذخائر موجود تھے جو کئی سال کام آسکتے تھے۔ بیشک شیخ الجبال شیطانی تدبیریں سوچنے میں بہت آگے تھا۔ مگر صلاح الدین ایوبی جنگی چالوں کا ماہر تھا۔ اس نے حشیشان کی پناہ گاہوں میں اپنے فوجی بھیجنے کے بجائے آگ کے سپاہی روانہ کئے جنہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے شیخ الجبال اور اس کے فدائین کو چاروں طرف سے گھیر لیا ان آدم خوروں نے آگ کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو

بھاگ کر زمین دوز راستے سے دوسرے غار میں داخل ہوئے۔ مگر وہاں بھی بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے تیزی سے انکی طرف بڑھ رہے تھے۔ پھر حیشانِ وقت کا وہ لعنت زدہ گروہ بدحواس ہو کر تیسرے غار میں داخل ہوا۔ لیکن وہاں بھی آگ کے سوا کچھ نہیں تھا۔ یہ ہولناک منظر دیکھ کر شیخ الجبال ہذیانی انداز میں چیخا اور عیسائی سالار انھونی اور اپنے نائب شیخ ابوریحان کو غلیظ گالیاں بکنے لگا۔ ''ناپاک کتو! تم نے صلاح الدین ایوبی کی ڈالی ہوئی ہڈیاں کھالیں اور مجھ جیسے شیر کو مروا دیا جو تمہارا محافظ و نگہبان تھا۔'' شیخ الجبال وحشیانہ انداز میں چیختا ہوا چوتھے غار میں پہنچا۔ وہاں بھی آگ کے شعلے اس کے منتظر تھے۔ اب شیخ الجبال کی قوتِ برداشت مکمل طور پر جواب دے چکی تھی اس نے انتہائی کربناک لہجے میں اپنے پیغمبر حسن بن صباح کو پکارا۔ ''تو نے اپنے ماننے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ تو ہر مصیبت کے وقت ہماری مدد کو آئے گا۔ پھر تو آ کیوں نہیں جاتا؟ ہمیں اس آگ سے نجات دے۔'' پورے غار میں دھواں بھر گیا تھا۔ جس کے اثر سے شیخ الجبال کا دم گھٹنے لگا۔ ''ہم نے تیرے پیچھے اپنا سب کچھ لٹا دیا۔ مگر افسوس اس عذاب کے وقت تو نے بھی ہمیں تنہا چھوڑ دیا، تو جھوٹا تھا۔'' دھوئیں کی وجہ سے شیخ الجبال گھٹی گھٹی آواز میں بول رہا تھا۔ پھر وہ آخری بار پوری طاقت سے چیخا۔ ''تجھ پر خدا کی لعنت ہو۔'' یہ کہتے کہتے شیخ الجبال بے ہوش کر زمین پر گر پڑا۔

عجیب عبرت ناک منظر تھا۔ اگر کوئی باہر سے آ کر دیکھنے والا ہوتا تو اسے شیخ الجبال کی محفوظ پناہ گاہوں پر دوزخ کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کا گمان ہوتا۔ جہاں ہر طرف آگ کے شعلے اور دھواں بھرا ہوا تھا۔ تمام غاروں میں روپوش مسلح فدائین آگ اور دھوئیں سے بچنے کے لئے کچھ دیر تک تو ادھر ادھر بھاگتے رہے۔ مگر جب اس آفت ناگہانی نے ان کا پیچھا نہیں چھوڑا تو مجبوراً انہوں نے طے کر لیا کہ وہ بے کسی کی موت مرنے کے بجائے کھلے میدان میں صلاح الدین ایوبی کی فوج کا مقابلہ کریں گے۔ مگر ان بے خبروں کو معلوم نہیں تھا کہ اب مقابلے کا وقت گزر چکا ہے۔ تمام غاروں کے دہانوں پر نہ صرف آگ بھڑک رہی تھی بلکہ والیٔ مصر کے مسلح اور مستعد سپاہی بھی موجود تھے۔ مزید ایک مصیبت یہ بھی تھی کہ غاروں کے دہانے تنگ تھے جن سے بمشکل دو افراد ہی نکل سکتے تھے۔ اور یہ مصیبت خود حشاشین کی لائی ہوئی تھی۔ دشمنوں کی نظر سے بچنے کے لئے غاروں کے دروازے بہت چھوٹے بنائے گئے تھے۔ یہ ایک بہترین حفاظتی تدبیر تھی۔ مگر انہیں کیا معلوم تھا کہ ایک دن یہی تنگ غار ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیں گے۔ ہر حشیشہ اپنی جان بچانے کی فکر میں تھا۔ نتیجتاً غاروں کے دہانوں تک پہنچنے کے لئے آپس میں کشمکش شروع ہو گئی اور پھر اس کشمکش کا انجام یہ ہوا کہ بیشتر حشیشان ان تنگ راستوں میں بری طرح پھنس کر رہ گئے۔ باہر نکلنے کی کوشش میں ایک دوسرے کو مارنے لگے۔ ان کی اپنی ہی تلواریں تھیں اور اپنے ہی جسم۔ اس طرح بہت سے حشیشان آپس میں لڑ کر ہلاک ہو گئے۔ ان کی ایک بڑی تعداد دم گھٹنے سے مر گئی۔ اور تھوڑے بہت آگ اور دھوئیں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے، انہیں صلاح الدین ایوبی کے سپاہیوں کی شمشیریں کھا گئیں۔ بہت تھوڑے لوگ اس طرح باہر آئے کہ آگ نے انہیں جھلسا دیا تھا اور وہ غاروں سے نکلتے وقت زندگی کی اماں مانگ رہے تھے۔

سب سے زیادہ عبرت خیز منظر اس غار میں نمایاں تھا جہاں شیخ الجبال سنان پتھریلے فرش پر بے ہوش پڑا تھا۔ اور اس کے فدائین اسے روندتے ہوئے اپنی جانیں بچانے کے لئے باہر نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ چند لمحوں تک شیخ الجبال دردناک آواز میں چیختا رہا۔

''یہ میں ہوں تمہارا شیخ...... مجھے باہر نکالو۔''

مگر اس قیامت کی سی گھڑی میں کوئی کسی کی نہیں سن رہا تھا۔ یہاں تک کہ شیخ الجبال اپنے ہی معتقدین کے پیروں سے کچل کر ہلاک ہو گیا۔

☆

شیخ الجبال اور شام کے آدم خور حشیشان سے نجات حاصل کرنے کی خوشی میں صلاح الدین ایوبی نے شام کے ایک طویل و عریض میدان میں اپنی پوری فوج کے ساتھ نماز شکر ادا کی۔ پھر اسی میدان میں حسن بن صباح کے وہ تمام چھوٹے بڑے مجسمے لائے گئے جنہیں ''دارالعمل'' پر قبضہ کرنے کے بعد حاصل کیا گیا تھا۔ پھر اس منظر کو دیکھنے کے لئے شام کے تمام شہریوں کو میدان میں جمع ہونے کی ہدایت دے دی گئی۔ انسانی ہجوم میں عیسائی سالار انھونی کے کئی جاسوس بھی شامل تھے۔

مقامی مسلمانوں کے جمع ہو جانے کے بعد صلاح الدین نے اپنے ایک سپاہی کو حکم دیا کہ وہ ''ساحر الموت'' کے سارے مجسموں کو پاش پاش کر دے۔ جب صلاح الدین ایوبی کا سپاہی حسن بن صباح کے بتوں کو توڑ رہا تھا تو پورا میدان ''اللہ اکبر'' کے نعروں سے گونج رہا تھا۔ پھر جب یہ عمل ختم ہو گیا تو والیٔ مصر ایک بلند جگہ پر کھڑا ہوا اور اس نے شامی مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم اس تاریخی سرزمین کو ان فتنہ گروں کے وجود سے پاک کرنے میں کامیاب ہو گئے جو اسلام کی قبا میں ہمارے بدترین دشمن تھے۔ میں حق تعالیٰ کی تائید و نصرت کے بھروسے پر تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ ایسا کوئی گروہ نہ تمہارے عقائد پر شب خون مارے گا اور نہ یہ شیاطین تمہاری عزت و آبرو پر حملہ آور ہوں گے۔ یاد رکھو اگر شام میں کوئی دوسرا شیخ الجبال پیدا ہوا تو خلاقِ عالم دوسرا صلاح الدین بھی پیدا کر دے گا۔ ہر بت ٹوٹنے کے لئے ہے۔ تم بھی اپنے سینے کی گہرائیوں میں چھپے ہوئے نفسانی خواہشات کے بتوں کو توڑ ڈالو...... بس نجات و عافیت کا یہی ایک راستہ ہے۔'' اس مختصر تقریر کے بعد والیٔ مصر نیچے اتر آیا۔

مصری سپاہی اور شامی باشندے اس قدر جذباتی ہو گئے تھے کہ میدان بہت دیر تک سربلندیٔ اسلام اور صلاح الدین ایوبی کی سلامتی کے نعروں سے گونجتا رہا۔

☆

شیخ الجبال اور آدم خور حشیشان کے بدترین انجام پر شام کے عیسائیوں میں صف ماتم بچھ گئی تھی۔ اگرچہ دونوں کے عقائد میں شدید اختلاف تھا لیکن مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں عیسائی ایک ہی عقیدہ اور لائحہ عمل رکھتے تھے۔ بلکہ حقیقت یہ تھی کہ اس علاقے میں ایک دوسرے کے تعاون ہی سے دونوں کا وجود قائم تھا۔

سالار انقونی کو یقین ہی نہیں آتا تھا کہ صلاح الدین ایوبی حشیشان کو مٹانے کے لئے ایسی عجیب چال چلیں گے اور اسے اتنی جلد کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ تاریخ کا یہ عجیب موڑ تھا۔ آدم خور حشیشان کی دردناک تباہی و بربادی کے بعد شامی عیسائیوں کیلئے سنگین لمحہ فکریہ پیدا ہو گیا تھا۔ اور انہیں اپنی بقا بھی شدید خطرے میں نظر آ رہی تھی۔ حالانکہ صلاح الدین ایوبی نے سالار انقونی کے ساتھ کئے جانے والے معاہدے کی پوری پوری پاسداری کی تھی۔ اور اس طویل ہنگامہ آرائی کے دوران میں کسی صلیبی کے جسم پر ایک خراش تک نہیں آئی تھی۔ اس کے برعکس عیسائیوں کی پوری تاریخ بدعہدی، فریب کاری اور جبر وتشدد سے بھری ہوئی تھی۔ صلیبیوں کے نزدیک یہ بہترین دانشمندی تھی کہ اپنی مطلب براری کے لئے بڑے سے بڑے معاہدے کو چاک کر کے اس کے ٹکڑے ہوا میں اڑا دیئے جائیں۔ اگر صلاح الدین ایوبی اسلامی روش ترک کر کے دنیاداری سے کام لیتا تو اس کے لئے بہترین موقع تھا کہ وہ حشیشان کے ساتھ ساز باز رکھنے کو بنیاد بنا کر شام کے عیسائیوں کا نام ونشان تک مٹا دیتا۔ لیکن اس نے اپنی مذہبی رواداری کو پیش نظر رکھا۔ اور جیسے ہی سالار انقونی نے صلح وامن کے لئے ہاتھ بڑھایا، والئ مصر نے تحریری طور پر یہ دستاویز لکھ دی کہ شام کے تمام عیسائی اسلام کی امان میں ہیں۔ اور اب وہی انقونی صلاح الدین ایوبی کی اس کامیابی کو عیسائیت کے لئے سب سے بڑا خطرہ قرار دے رہا تھا۔

آخر طویل غور وفکر کے بعد سالار انقونی نے شامی عیسائیوں کی بقا کے لئے اپنے ذہن میں ایک نیا منصوبہ ترتیب دیا۔ اور فوری طور پر حلب روانہ ہو گیا۔ یہاں اس نے سلطان ملک صالح سے تنہائی میں ملاقات کر کے حشیشان کی بربادی کا واقعہ سنایا اور پھر اپنے خدشات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''حشیشان ہمارے اتحاد ثلاثہ کا ایک نہایت مضبوط ستون تھے۔'' اتحاد ثلاثہ سے سالار انقونی کی مراد تین سیاسی طاقتیں تھیں۔ عیسائی، موصل اور حلب کے حکمراں، اور باطنیوں کا آدم خور حشیشان، ''شیخ الجبال کی موت نے شام کے علاقے میں صلاح الدین ایوبی کو ناقابل تسخیر بنا دیا۔ اہل دمشق، پھر ایڈیسہ اور اب شام، اگر والئ مصر کے توسیع پسندانہ عزائم کے راستے میں مضبوط دیوار کھڑی نہ کی گئی تو پھر دیگر علاقے بھی والئ مصر کی دست برد سے محفوظ نہیں رہیں گے۔''

حشیشان کی تباہی کی اطلاع ایسی ہی تھی جیسے کسی دشمن نے ایک بھاری پتھر اٹھا کر سلطان ملک کے سر پر مار دیا ہو۔ والئ حلب کچھ دیر تک شدید اذیت وسکوت کے عالم میں سالار انقونی کا منہ دیکھتا رہا۔ پھر انتہائی شکستہ لہجے میں سالار انقونی سے مخاطب ہوا۔ ''پھر اسے کس طرح روکا جائے؟ حلب اور موصل کی اتحادی فوجیں دو بار اس غلام زادہ سے شکست کھا چکی ہیں۔'' یہ کہتے کہتے سلطان ملک صالح کے چہرے پر شدید نفرت وغضب کا رنگ ابھر آیا تھا۔

''اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہم شاہ یروشلم ریمنڈ سے فوجی تعاون کریں اور صلاح الدین کے بڑھتے ہوئے عسکری سیلاب کو روک کر ہمیشہ کے لئے اس سے نجات حاصل کر لیں۔ یا اگر والئ مصر کی مکمل تباہی ممکن نہ ہو تو پھر اسے مصر کے علاقے تک محدود کر دیں۔'' سالار انقونی نے بڑی ہوشیاری

سے نئی چال چلی۔ ایک طرف وہ شام کے علاقے میں اپنا تحفظ چاہتا تھا۔ اور دوسری طرف وہ تمام مسلمانوں کو عیسائیوں کا دست نگر بنانے کی خواہش رکھتا تھا تا کہ صلیبیوں کے لئے اپنے سب سے بڑے منصوبے کی تکمیل میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔ جب سلطنت اسلامی کی مرکزیت ختم ہوئی اور خلافت عباسیہ ایک مختصر سے خطۂ ارض تک محدود ہو کر رہ گئی تو عیسائی دنیا نے بہت رازداری کے ساتھ دو منصوبے ترتیب دیئے تھے۔ پہلا منصوبہ بیت المقدس کی بازیابی تھا جسے وہ آسانی کے ساتھ تکمیل تک پہنچا چکے تھے۔ اور دوسرا منصوبہ مکہ معظمہ اور مدینۂ منورہ پر مکمل تسلط حاصل کرنا تھا تا کہ صلیبی مسلمانوں سے اپنی ماضی کی شکستوں کا بھرپور انتقام لے سکیں۔ سالار انقونی عیسائیوں کے اسی منصوبے کی راہ ہموار کرنے کے لئے سلطان ملک صالح کو مسلم عیسائی اتحاد کی ترغیب دے رہا تھا۔

سالار انقونی کی زبان سے شاہ یروشلم ریمنڈ کا نام سن کر سلطان ملک صالح دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ یہ وہی عیار ریمنڈ تھا جس نے دمشق کا محاصرہ ختم کرانے کے لئے سلطان ملک صالح سے بہت بڑی رقم لی تھی اور عین موقع پر اس نے دھوکا دیا تھا۔ والئ حلب جی بھر کے شاہ ریمنڈ کو مغلظات دینا چاہتا تھا لیکن مصلحتاً خاموش رہا۔ پھر جب سالار انقونی نے بات آگے بڑھانی چاہی تو سلطان ملک صالح یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

''میں اکیلا کچھ نہیں کر سکتا۔ اگر میرے بھائی والئ موصل اس تجویز سے متفق ہوئے تو پھر میں آئندہ کے لئے کچھ سوچوں گا۔''

سلطان ملک صالح کو نیم رضامند پا کر سالار انقونی برق رفتاری کے ساتھ سیف الدین کے پاس موصل پہنچا۔ وہ ان دونوں خوفزدہ بھائیوں کو سنبھلنے کا موقع دینا نہیں چاہتا تھا۔ پھر جب اس نے والئ موصل سیف الدین کے سامنے حشاشین کے عبرتناک انجام کی منظر کشی کی تو سیف الدین حواس باختہ ہو گیا اور وہ اوباش حکمراں جو دن رات ساغر ومینا اور ناچنے گانے والیوں کے درمیان گھرا رہتا تھا، عیسائی سالار کے سامنے ہی چیخنے لگا۔

''اب کیا ہوگا انقونی!! اب کیا ہوگا؟'' یہ کہتے وقت والئ موصل سیف الدین کی حالت ایک خوف زدہ بچے کی سی ہو گئی تھی۔ عیسائی سالار سے گفتگو کرتے وقت اسے یہ احساس نہ رہا تھا کہ وہ غیرت مند، شجاع اور فاتح مسلمانوں کی اولاد ہے۔ مگر سیف الدین بھی کیا کرتا۔ حد سے بڑھی ہوئی شراب نوشی اور ہوس پرستی انسان کی اعصابی وجسمانی صلاحیت کو تباہ کر کے اسے بزدل وناکارہ بنا دیتی ہے۔

والئ موصل سیف الدین کی بدحواسی دیکھ کر عیسائی سالار انقونی زیر لب مسکرایا...... سیف الدین اسے اس کمزور پرندے کے مانند نظر آ رہا تھا جو بڑی آسانی کے ساتھ اپنی گردن اور پنجے صیاد کے بڑھائے ہوئے جال کی طرف بڑھا دیتا ہے۔ والئ موصل کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سالار انقونی نے اپنا شیطانی منصوبہ پیش کر دیا۔

''اب شاہ یروشلم ریمنڈ ہی ہماری آخری امید ہیں۔''

سیف الدین نے چونک کر سالار انقونی کی طرف دیکھا۔

انقونی نے اپنی تمام تر عیاری اور شیطنیت کو بروئے کار لاتے ہوئے سیف الدین کے سامنے آئندہ پیش آنے والے حالات کا نقشہ اسی انداز سے کھینچا جس طرح وہ اپنا یہ نسخہ والیٔ حلب سلطان ملک صالح پر آزما چکا تھا۔

''ہمیں صلاح الدین ایوبی کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے کے لئے شاہ یروشلم کے ساتھ مستقل طور پر اتحاد کر لینا چاہئے۔''

سالار انقونی کی تجویز سن کر سیف الدین گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اگرچہ والیٔ موصل پہلے بھی صلاح الدین ایوبی کو شکست دینے کیلئے عیسائی فوجیوں کی مدد حاصل کر چکا تھا لیکن شاہ یروشلم سے مستقل اتحاد قائم کرنے میں اسے تامل تھا۔

سالار انقونی نے سیف الدین کو فکر مند پا کر اس کے شکستہ اعصاب پر ایک اور بھرپور ضرب لگائی۔

''شاہ یروشلم سے دوستی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ساری عیسائی دنیا آپ کی پشت پناہ ہوگی۔''

سیف الدین عیش پرست ضرور تھا۔ مگر اتنا کم فہم نہیں تھا کہ وہ اس نئے اتحاد اور دوستی کے نقصانات کو سمجھنے سے قاصر رہتا۔ سیف الدین اس راز سے باخبر تھا کہ موصل اور یروشلم کا اشتراک عمل بالآخر ملت اسلامیہ کیلئے سخت ضرر رساں ثابت ہوگا۔ مگر جب انسانی ضمیر مردہ ہو جاتا ہے تو وہ اپنے عزت و ناموس، وطن، ملت یہاں تک کہ ذاتی عقائد بھی حرص و ہوس کی نیلام گاہ میں فروخت کر دیتا ہے۔ انجام کار سیف الدین نے بھی یہی کیا۔

''اگر شاہ یروشلم اس اتحاد اور دوستی کیلئے آمادہ ہیں تو میں خود کو بھی رضامند پاتا ہوں۔'' والیٔ موصل سیف الدین نے دبے لہجے میں کہا۔ سالار انقونی کے ہونٹوں کی مسکراہٹ اور گہری ہوگئی۔

بڑا حیا سوز اور عبرتناک منظر تھا۔ یہ اس شخص کے الفاظ تھے جس کے حقیقی چچا سلطان نور الدین زنگی نے دوسری صلیبی جنگ میں چھ لاکھ سے زیادہ عیسائیوں کو شکست دی تھی۔

☆
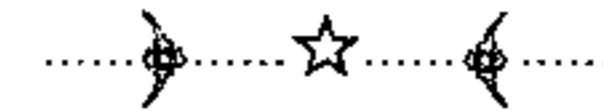
ادھر اپنے اور بیگانے مل کر صلاح الدین ایوبی کے خلاف سازشوں کے نئے جال بن رہے تھے۔ اور ادھر مجاہد ملت اپنی اصلاحات میں مصروف تھا۔ حشیشان آدم خوروں کا قلع قمع کرنے کے بعد والیٔ مصر ان باطنیوں کی طرف متوجہ ہوا جو اپنے عقائد پر قائم تھے مگر حشیشان کی طرح فتنہ پرور اور جابر و سفاک نہیں تھے۔ صلاح الدین ایوبی نے باطنیوں کے عمائدین کو ایک خفیہ اجلاس میں طلب کر کے کہا۔

''میں نہیں جانتا کہ واضح ہدایت آنے کے بعد تم نے عامتہ المسلمین سے جدا ہو کر اپنی علیحدہ صفیں کیوں قائم کیں؟ اپنے الگ مکتب، مدرسے، منبر اور تحریکیں کیوں شروع کیں؟ آخر اہل ایمان نے تم پر ایسی کون سی قیامت ڈھائی تھی کہ تم دشمنان اسلام سے جا ملے؟'' صلاح الدین ایوبی کا لہجہ انتہائی سخت بھی تھا اور تلخ بھی۔

فرقہ باطنیہ کے کچھ امیروں نے والیٔ مصر کی بات کا جواب دینا چاہا مگر صلاح الدین ایوبی نے انہیں خاموش کر دیا۔ ''اب ان بحث و مباحث کا وقت گزر چکا ہے۔'' باطنیوں کے عمائدین سے

خطاب کرتے وقت صلاح الدین ایوبی کا لہجہ انتہائی پُرجلال اور آواز معمول سے زیادہ بلند تھی۔ ''جب انسان کی سرشت میں انکار شامل ہو جاتا ہے تو وہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی اندھا اور سنتے ہوئے بہرا بن جاتا ہے۔ شیطان کی مثال ہمارے سامنے ہے، وہ روز ازل میں حق تعالیٰ کے روبرو حاضر تھا اور کھلی آنکھوں سے خلاقِ عالم کی بے پناہ قدرت کا مشاہدہ کر رہا تھا پھر بھی اس نے آدم کو سجدہ نہیں کیا۔ کھلی نشانیاں موجود ہوتے ہوئے، شکوک و شبہات کے پیچھے بھاگنے والوں کی مثال ابلیس رجیم جیسی ہے۔ جب حق تعالیٰ کی آخری کتاب مقدس میں یہ حکم نازل ہو چکا کہ پیغمبر اسلام ﷺ تمہیں جو کچھ عطا کریں وہ کسی پس و پیش کے لے لو اور جس کام سے روک دیں اس سے فوراً باز آ جاؤ تو پھر تم لوگ کس کی تلاش میں بھٹکتے پھر رہے ہو، میرے صادق القول اور باعمل علماء اپنے دلائل سے اس حقیقت کو ثابت کر چکے ہیں کہ تم لوگ عامتہ المسلمین میں سے نہیں ہو۔ جب میں تائید غیبی کے سہارے آدم خور حشیشان کی پناہ گاہوں کو ان کے مدفن بنا سکتا ہوں تو میرے لئے یہ کام کہیں آسان ہے کہ میں تمہیں ایک قطار میں کھڑا کر کے قتل بھی کرا سکتا ہوں۔ تمہارے گھروں کو آگ لگا کر تمہیں دربدر بھی کر سکتا ہوں۔ مگر میں اسلام کی صلۂ رحمی اور رواداری کے صدقے میں زندہ رہنے کا موقع فراہم کرتا ہوں۔ مگر یہ سلامتی اور زندگی چند اہم باتوں کے ساتھ مشروط ہے۔'' یہ کہہ کر صلاح الدین ایوبی کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا۔

باطنی عمائدین کے چہرے ایک انجانے خوف سے زرد ہو رہے تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ صلاح الدین ایوبی ان کے زندہ رہنے کے لئے کیا شرائط پیش کرے گا۔

مختصر سے وقفۂ سکوت کے بعد صلاح الدین ایوبی دوبارہ ان سے مخاطب ہوا۔ ''شام کی سرزمین پر قیام کرنے کے لئے تمہیں غیر مسلموں کی طرح جزیہ ادا کرنا ہوگا اور اس کے بدلے میں حکومت وقت تمہیں سلامتی جان و مال کی مکمل ضمانت دے گی اگر اس سلسلے میں حکومتی کارندوں سے کسی قسم کی کوتاہی سرزد ہوگی تو تمہیں عدالت عالیہ تک جانے کا حق حاصل ہوگا۔ حکومتی کارندوں کی غلطی ثابت ہو جانے کے بعد وہ سزا کے مستحق قرار پائیں گے اور تمہارے نقصانات کی مکمل تلافی کی جائے گی۔ تمہیں اپنے عقائد کے مطابق عبادت اور دیگر مذہبی رسمیں ادا کرنے کی پوری آزادی حاصل ہوگی مگر تم سلطنت اسلامیہ کی حدود میں رہ کر اپنے عقائد کی تبلیغ نہ کر سکو گے۔ میرے جاسوس ہر وقت تمہاری حرکات و سکنات کی نگرانی کریں گے۔ اگر تم نے حشیشان کی طرح محفوظ پناہ گاہیں، سرنگیں تعمیر کرنے یا عیسائیوں اور یہودیوں سے ساز باز کرنے کی کوشش کی تو یہ عمل سلطنت اسلامیہ کے خلاف کھلی بغاوت کے مترادف سمجھا جائے گا اور بغاوت کی سزا موت کے سوا کچھ نہیں ہوگی۔ اگر تم میں سے کسی فرد یا خاندان کو میری یہ شرائط منظور نہیں تو وہ شام کی سکونت ترک کر کے اپنے تمام مال و متاع کے ساتھ کسی غیر مسلم علاقے میں جا کر آباد ہو سکتا ہے۔''

صلاح الدین ایوبی نے اسلامی عدل و مساوات کے تحت اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔ یہ ایک بہترین فیصلہ تھا جس نے بدعقیدہ لوگوں کو پناہ بھی بخشی تھی اور انہیں عامتہ المسلمین سے الگ بھی کر دیا تھا۔

جیسے ہی صلاح الدین ایوبی کی طرف سے عائد کردہ شرائط کی تفصیل ختم ہوئی تو ایک باطنی امیر نے کسی قدر ناگوار لہجے میں کہا۔ ''کیا والیٔ موصل سیف الدین اور والیٔ حلب سلطان ملک صالح مسلمان نہیں ہیں؟''

باطنی امیر کا سوال بظاہر بہت عجیب اور حیران کن تھا مگر صلاح الدین ایوبی ایک لمحے میں سوال کی گہرائی تک پہنچ گیا اور اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''کیا میں نے اشارتاً یا کنایتاً ان دونوں حضرات کو کافر قرار دیا؟''

''جب یہ دونوں حکمراں آپ کے نزدیک مسلمان ہیں تو واضح رہنا چاہیے کہ سلطان ملک صالح اور سیف الدین نے ہمیں اپنی مذہبی رسموں کی آزادانہ ادائیگی کی تحریری اجازت دی ہے۔'' یہ کہہ کر وہ باطنی امیر اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے صلاح الدین ایوبی کو ایک دستاویز پیش کی جسے سونے کی جلد میں محفوظ کر دیا گیا تھا۔

صلاح الدین ایوبی نے اس سنہری دستاویز کو کھول کر دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی۔ ''اب ان کاغذات کی کوئی حیثیت نہیں۔ حاکم رخصت، حکم کالعدم اب میرے اور تمہارے درمیان نئی دستاویز تیار کی جائے گی جس پر دونوں فریق سختی کے ساتھ عمل پیرا ہوں گے۔''

صلاح الدین ایوبی کے اس بے نیازانہ طرز عمل پر تمام باطنی عمائدین کے چہرے اتر گئے۔ اگرچہ وہ نوشتۂ دیوار پڑھ چکے تھے لیکن پھر بھی انہوں نے والیٔ مصر کی خدمت میں آخری درخواست پیش کرتے ہوئے کہا۔ ''دارالعمل کی عمارت ہمارے حوالے کر دی جائے۔''

باطنی عمائدین کی درخواست سن کر صلاح الدین ایوبی مسکرایا۔ ''اس خواہش کا تو ایک ہی مفہوم ہے کہ تمہارے اور حشیشان کے درمیان گہرے روابط تھے۔''

والیٔ مصر کی اس گرفت پر باطنی عمائدین گھبرا گئے پھر کوئی نیا مطالبہ کئے بغیر وہ انتہائی شکستہ حالت میں اس مجلس خاص سے اٹھ کر چلے گئے کہ اب اسی میں ان لوگوں کی عافیت تھی۔

یہ صلاح الدین کی عظیم الشان کامیابی تھی کہ اس نے شام کے اہلِ ایمان کو حشیشان آدم خوروں سے نجات دلائی تھی۔ مزید یہ کہ والیٔ مصر نے اس علاقے کے تمام باطنیوں کی چھان بین کر کے انہیں عام مسلمانوں کی صفوں سے الگ کر دیا تھا اور ان کی خفیہ سرگرمیوں کی نگرانی کے لئے اپنے جاسوسوں کی ایک جماعت مقرر کر دی تھی۔

پھر والیٔ مصر نے ''دارالعمل'' کی پوری عمارت کو تین بار پانی سے پاک کرایا۔ زمین دوز سرنگ بند کی۔ ''دارالعمل'' کا نام بدل کر ''دارالعلم'' رکھا اور شام کے مشہور عالم عبدالرحمٰن بن سعد کی امامت میں نماز شکرانہ ادا کی اور ان ہی کو معلم اعلیٰ مقرر کیا۔

صلاح الدین ایوبی کو مصر سے نکلے ہوئے کئی ماہ ہو چکے تھے، اس نے فوری طور پر اپنے حقیقی بھانجے فرخ شاہ کو یمن سے طلب کیا جو اس کے بڑے بھائی توران شاہ شمس الدولہ کا نائب تھا۔

فرخ شاہ ایک باکردار اور شجاع نوجوان تھا جو صلیبیوں کے ساتھ کئی معرکوں میں کارہائے نمایاں

انجام دے چکا تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے فرخ شاہ کو شام کا حاکم مقرر کیا اور مصر واپس چلا گیا۔

☆
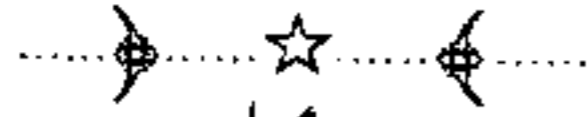
سالار انتھونی صلاح الدین ایوبی کے خلاف مسلسل ریشہ دوانیوں میں مصروف تھا، والیٔ حلب سلطان ملک صالح اور حاکم موصل سے ملاقاتیں کرنے کے بعد انتھونی شاہ ریمنڈ کے پاس یروشلم پہنچا پہلے اس نے حشیشان کی تباہی و بربادی کی تفصیلی خبر دی اور پھر نئے اتحاد کی نوید سنائی۔

عیار ریمنڈ کچھ دیر تک شیخ الجبال اور اس کے آدم خوروں کی موت پر افسوس کا اظہار کرتا رہا۔ ''ہائے ہمارے کیسے عظیم و مخلص دوست تھے، ہم سب پر مقدس باپ اور بیٹے کی رحمتیں نازل ہوں۔'' اس ریاکارانہ تعزیت کے بعد اس نے مسکراتے ہوئے سالار انتھونی کی طرف دیکھا۔ ''سلطان ملک صالح اور سیف الدین کو اس نئے دوستانہ اتحاد کی بھرپور قیمت ادا کرنی ہوگی۔''

''میں ان دونوں کی شکستہ حالت کا خوب مشاہدہ کر چکا ہوں۔'' جواب میں انتھونی کے ہونٹوں پر بھی انتہائی فریب کارانہ مسکراہٹ ابھر آئی۔ ''میں جب موصل اور حلب سے رخصت ہوا تھا تو ان دونوں کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں، شاہ یروشلم کا اشارہ پاتے ہی وہ گھٹنے ٹیک دیں گے، گھٹنے ٹیکنے کے بعد تو سجدہ کرنے کی رسم ہی باقی رہ جاتی ہے۔''

سالار انتھونی کی بات سن کر شاہ یروشلم ریمنڈ بہت دیر تک ہنستا رہا۔ پھر اس نے اس شرط پر اتحاد ثلاثہ کی منظوری دے دی کہ دمشق کا پورا علاقہ اس کے حوالے کر دیا جائے۔

شاہ یروشلم سے ملاقات کرنے کے بعد سالار انتھونی تیز رفتاری کے ساتھ دوبارہ موصل پہنچا اور سیف الدین کے سامنے ریمنڈ کی شرط دہرائی۔ سیف الدین کچھ دیر تک پس و پیش سے کام لیتا رہا۔ مگر اس کے عیاش امراء نے جو انتہائی درجے کے ناکارہ اور بزدل تھے۔ صاحب موصل کو یہی مشورہ دیا کہ بلا تاخیر یروشلم کی شرط مان لی جائے اور اس کے ساتھ یہ جواز بھی پیش کیا کہ دمشق پر صلیبیوں کا قبضہ ہو جانے سے موصل کی سلامتی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ آخر سیف الدین نے اپنی زمین کے ایک ٹکڑے کو بچانے کے لئے شاہ یروشلم کے ہاتھ دمشق کا سودا کر لیا۔

پھر جب یہ خبر سلطان ملک صالح تک پہنچی تو وہ خود موصل آکر سیف الدین سے ملا اور اس معاہدے پر اپنی گہری تشویش کا اظہار کیا۔ والیٔ موصل نے بہت جلد اپنی چرب زبانی سے ناتجربہ کار سلطان ملک صالح کو شیشے میں اُتار لیا۔ ''ایسے معاہدے دیرپا اور مستقل نہیں ہوتے۔ ہواؤں کا رخ دیکھ کر عہد و پیمان کئے جاتے ہیں اور موسم بدلتے ہی توڑ دیئے جاتے ہیں۔'' سیف الدین نے عیار سیاست دانوں کی پرانی منطق اور دلیل پیش کرتے ہوئے کہا۔ ''اور اگر ہمارے لئے ریمنڈ کے ساتھ معاہدہ قائم رکھنا ناگزیر ہو جائے، تب اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں۔ دمشق تو ہمارے ہاتھ سے جا ہی چکا۔ اب اس پر صلاح الدین کا قبضہ ہو یا ریمنڈ کا۔ تمہارے لئے دونوں حالتیں یکساں ہیں، موجودہ صورتحال میں تو امید کی یہ کرن بھی نظر آتی ہے کہ جیسے ہی ریمنڈ کی فوج ادھر کا رخ کرے گی تو صلاح الدین ایوبی دمشق کے دفاع کے لئے ضرور آئے گا پھر یہ فوجی تصادم کیا صورت اختیار کرے گا، یہ خدا

پر چھوڑ دو۔ اس خونریز معرکے میں ریمنڈ بھی ہلاک ہوسکتا ہے اور صلاح الدین بھی۔"

والیٔ موصل سیف الدین نے ایک عقلی مگر سطحی دلیل پیش کر کے اپنے چچا زاد بھائی سلطان ملک صالح کو مطمئن کر دیا تھا۔ مگر وہ ضمیر فروش حاکم کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اپنے عظیم چچا سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے عظیم ورثے کو کس بے رحمی کے ساتھ کتنی کم قیمت پر فروخت کر رہا تھا۔

☆

صلاح الدین ایوبی مصر کے دفاعی انتظامات اور دیگر معاشرتی اصلاحات میں ہمہ تن مصروف تھا کہ اتحاد ثلاثہ کے مطابق شاہ یروشلم ریمنڈ نے اپنی کارروائی کا آغاز کیا۔ پھر اس کی فوج نے راتوں رات تیزی کے ساتھ آگے بڑھ کر "رملہ" پر قبضہ کر لیا۔ جب صلاح الدین ایوبی کے سراغ رسانوں نے اسے یہ اطلاع بہم پہنچائی تو والیٔ مصر نے اس خبر کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ والیٔ مصر کی اس بے پروائی کے دو بنیادی اسباب تھے۔ پہلا یہ کہ وہ اپنے مقبوضہ علاقوں کے نظم و نسق کو درست کرنے میں بہت زیادہ مشغول تھا۔ دوسرے یہ کہ وہ عیسائیوں کی عیارانہ فطرت اور شر انگیزیوں سے بخوبی واقف ہو گیا تھا۔ صلیبی حکمراں اکثر صلاح الدین ایوبی کی توجہ مبذول کرانے اور اس کے اصلاحی عمل کو روکنے کے لئے نئے نئے محاذ کھول دیا کرتے تھے تاکہ والیٔ مصر یکسوئی کے ساتھ اپنا کام جاری نہ رکھ سکے مگر اس بار یہ عیسائیوں کی کوئی شرارت نہیں تھی بلکہ ریمنڈ کا ایک جامع منصوبہ تھا جس کے پیچھے "اتحاد ثلاثہ" کام کر رہا تھا اور یہ والیٔ مصر کی بے خبری تھی کہ اسے اتحاد ثلاثہ کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔

پھر جب نگراں شاہ یروشلم ریمنڈ رملہ پر قبضہ کرنے کے بعد آگے ہی بڑھتا چلا گیا اور دمشق کی شاہراہ پر ایک فوجی چوکی قائم کر دی تو صلاح الدین ایوبی کو دشمن کی اس حرکت کی شدت کا احساس ہوا۔ نتیجتاً اس نے اپنے چھوٹے بھائی ملک عادل کو مصر کی نگرانی پر مقرر کیا اور خود پانچ ہزار سپاہیوں کے ساتھ تیز رفتاری سے دمشق پہنچا۔

اس دوران میں ریمنڈ نے دریائے اردن کے قریب ایک قلعہ بھی فتح کر لیا۔ یہ قلعہ "قلعہ یعقوب" کے نام سے مشہور تھا اور سیاسی و جنگی نقطۂ نظر سے بہت زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ ایک طرف دریائی راستے کا دفاع کرتا تھا اور دوسری طرف اس سے بانیاس کے میدانی علاقے کی بھی حفاظت ہوتی تھی۔ یہ علاقہ زراعتی اعتبار سے بھی دمشق کے لئے بہت اہم تھا۔ یہ زمین چاول و کپاس کی فصلوں کے لئے انتہائی سازگار تھی۔ یہاں لیموں کے باغات بھی بکثرت تھے۔ اب تک یہ زرخیز علاقہ دوستانہ طریقے سے مسلمانوں اور فرینکس کے درمیان تقسیم تھا۔ "شاہ بلوط" کا ایک بہت بڑا درخت دونوں قوموں کی سرحدیں جدا کرتا تھا۔

☆

فرینکس عیسائی سپاہیوں کے اس خصوصی دستے کا نام تھا جسے ہم کسی حد تک "صلیبی فدائین" قرار دے سکتے ہیں۔ اس فوجی دستے نے دونوں صلیبی جنگوں میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اب یہ الگ بات ہے کہ دوسری صلیبی جنگ میں شکست فاش عیسائیوں کا مقدر بن گئی تھی اور فرینکس کو اس خونریز معرکہ

آرائی میں شدید نقصان پہنچا تھا لیکن پھر بھی وہ یروشلم کے لئے "پشت پناہ" سمجھے جاتے تھے۔ فرینکس کا مرکز فلسطین کا علاقہ تھا یہ لوگ نسلی اعتبار سے قدیم جرمن قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ پھر جب انہوں نے اپنا آبائی مذہب ترک کر کے عیسائیت قبول کی تو بہت زیادہ جذباتی اور متشدد ہو گئے۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بنیادی پیغام صلح و آشتی تھا مگر فرینکس اس پر یقین نہیں رکھتے تھے اور اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے دنیا کے ہر ظلم کو روا سمجھتے تھے۔

فرینکس کے بعد صلیبیوں کی طاقت کا دوسرا سرچشمہ ٹمپلرز نائٹس **(Templars Knights)** تھے۔ یہ ان بانکے سجیلے اور بہادر عیسائی جوانوں کی جماعت تھی جو صلیبی جنگوں کے زمانے میں مسلمانوں سے لڑتے تھے اور مسیحی مقامات مقدسہ کی حفاظت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دیتے تھے۔ یہ زمانۂ وسطیٰ کی مشہور اور مضبوط ترین جماعت تھی۔ اس جماعت کو "اخوان کلیسائے یروشلم" "سیاہ کلیسا" اور "سپاہ یسوعؑ" کے ناموں سے بھی پکارا جاتا تھا۔ گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی کی جنگوں کے دوران ٹمپلرز کی بنیاد پڑی۔ **1118**ء میں نو فرانسیسی نائٹس ارض مقدس (یروشلم) میں لڑ رہے تھے۔ پھر ان ہی نائٹس نے ٹمپلرز کی جماعت قائم کی۔ بیت المقدس کی زیارت کو آنے والے زائرین کے لئے آمد و رفت کی سہولتیں فراہم کرنا اس جماعت کے افراد کا اصل مقصد تھا۔ ابتداء میں ٹمپلرز نے اپنا نام "بیت المقدس کے غریب سپاہی" رکھا تھا۔ شروع میں زائرین کے صدقہ و خیرات سے ٹمپلرز کی گزر اوقات ہوتی تھی۔ پھر شاہ یروشلم بالڈون دوم نے اپنے محل کا ایک حصہ ان لوگوں کو رہائش کے لئے دے دیا تھا۔ اس کے بعد اپنا اسلحہ خانہ قائم کرنے کے لئے ٹمپلرز نے ایک اور طویل و عریض عمارت پر قبضہ کر لیا۔ اس عمارت کے حصول میں گرد و نواح کے پادریوں نے ٹمپلرز کی بہت مدد کی، پھر آناً فاناً ٹمپلرز کی جڑیں گہری اور مضبوط ہوتی چلی گئیں پھر یہ جماعت عیسائیوں میں اتنی ہر دلعزیز ہو گئی کہ اس نے کلیسائی نظام میں دستوری حیثیت حاصل کر لی۔ یہاں تک کہ یورپ ہانوریس دوم **(HONORIUS II)** نے ٹمپلرز کو پہلی بار ایک باضابطہ جماعت کی شکل دی اور اس کے ساتھ ہی ان کے دستور کی توثیق بھی کر دی۔ ٹمپلرز کا پرچم سفید تھا۔ پرچم کے درمیان ایک سیاہ دائرے پر صلیب کا سرخ نشان بنا ہوا تھا۔ یورپ میں ٹمپلرز اتنے مقبول ہوئے کہ عوام و خواص نے منقولہ اور غیر منقولہ جائداد کی صورت میں اس جماعت کو بیش قیمت عطیات دیئے۔ عیسائی دنیا کی ہر نسل و قوم کے ممتاز ترین خاندانوں کے افراد "ٹمپلرز" میں شامل ہونے کو اپنے لئے بہت بڑا اعزاز سمجھتے تھے۔

اس جماعت کے تین بنیادی اصول تھے۔ پہلا پاک بازی، دوسرا تنگ دستی اور تیسرا فرمانبرداری۔ جب ٹمپلرز کے پاس دولت کی بہتات ہوئی تو انہوں نے پہلے دو اصولوں پاک بازی اور تنگ دستی کو خیر باد کہہ دیا۔ اب اس جماعت کے افراد دوسرے عیسائی حاکموں کی طرح عیش پرستانہ اور اوباشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ لوگ بے دریغ شراب پیتے اور کلیسا کی خدمت کے لئے منتخب خوبصورت لڑکیوں کے ساتھ خوب داد عیش دیتے۔ ان تمام تر خرابیوں کے باوجود ٹمپلرز کا تیسرا اصول اپنی جگہ قائم تھا۔ مذہبی جنگ کے حوالے سے وہ کلیسا کی خاطر اپنی جان دینے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

☆

جب صلاح الدین ایوبی دمشق پہنچا تو اس کے سراغ رسانوں نے اطلاع دی کہ شاہ یروشلم کے اشارے پر فرینکس نے وہ شاہ بلوط کا درخت کاٹ دیا ہے جو اسلامی اور عیسائی ریاست کی سرحد کی نشاندہی کرتا تھا۔ والیٔ مصر نے فوری طور پر اس پیغام کے ساتھ اپنے سفیر کو ریمنڈ کے پاس بھیجا۔

''مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان برسوں سے طے شدہ سرحد کو آخر کس لئے مسمار کیا گیا ہے، میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ شاہ یروشلم ایسے اقدامات سے گریز کریں جو مسلمانوں کی دل آزاری کا سبب بنیں۔''

ریمنڈ نے صلاح الدین ایوبی کا خط پڑھ کر ایک قہقہہ لگایا جس سے انتہائی تحقیر کا رنگ جھلک رہا تھا، پھر شاہ یروشلم نے والیٔ مصر کے خط کا دو سطری جواب تحریر کر دیا جس سے شدید رعونت اور تکبر کا رنگ جھلک رہا تھا۔

''بااختیار لوگ اپنے کاموں میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتے۔ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہی ہمارے مفاد میں ہے۔''

ریمنڈ کا جواب پڑھ کر صلاح الدین ایوبی نے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوسرا خط تحریر کیا۔ ''اگر شاہ یروشلم کو مالی منفعت درکار ہے تو میں پچھلے معاہدے کو برقرار رکھنے کے لئے دس سے بیس ہزار دینار تک کی رقم پیش کرسکتا ہوں تاکہ دونوں ریاستوں کی کھیتیاں اور چراگاہیں سرسبز و شاداب رہیں۔''

ریمنڈ نے صلاح الدین ایوبی کے اس خط کا جواب بھی نہایت ذلت آمیز انداز میں دیتے ہوئے لکھا۔ ''یہ پورا علاقہ عیسائیوں کی موروثی ملکیت کا درجہ رکھتا ہے اگر تم رضا کارانہ طور پر اپنے دعوٰی سے دست بردار ہو جاؤ تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے۔'' حکمران شاہ یروشلم ریمنڈ جان بوجھ کر صلاح الدین ایوبی کو اشتعال دلانے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ والیٔ مصر غصے میں آ جائے اور دمشق کے محاذ پر جنگ چھڑ جائے حالانکہ شاہ یروشلم چند ماہ پہلے بھی صلاح الدین ایوبی سے پنجہ آزمائی کر چکا تھا۔ یہ اس وقت کا واقعہ تھا جب سلطان ملک صالح نے کئی لاکھ دینار دے کر ریمنڈ کی خدمات خریدی تھیں تاکہ شاہ یروشلم صلاح الدین ایوبی کو دمشق کا محاصرہ اٹھانے پر مجبور کر دے مگر ''حماۃ'' کے معرکے میں والیٔ مصر نے ریمنڈ کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا تھا۔ شاہ یروشلم کے پیش نظر اس چھیڑ چھاڑ کے دو مقاصد تھے۔ ایک طرف وہ دمشق کے پورے علاقے پر قبضہ کرنے کا خواہشمند تھا اور دوسری طرف ''حماۃ'' کی شکست کا بدلہ لے کر اس علاقے میں اپنی عسکری قوت کی ساکھ بھی بحال کرنا چاہتا تھا۔ اس بار ریمنڈ کو یقین کامل تھا کہ وہ صلاح الدین ایوبی پر غلبہ حاصل کر لے گا۔ اور یقین کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ دو اسلامی ریاستوں کی فوجی قوت بھی اس کی پشت پر تھی۔ احتیاط اور پیش بندی کے طور پر ریمنڈ نے صلیبیوں کی دونوں فدائی جماعتوں ''فرینکس'' اور ''ٹمپلرز'' کو بھی طلب کر لیا تھا۔

صلاح الدین ایوبی نے اپنے دونوں خطوط کا مایوس کن جواب پانے کے بعد شاہ یروشلم سے

مذاکرات کی کوشش ترک کر دی اور اپنا لشکر لے کر ''مرج العیون'' کے طویل و عریض میدان کی طرف بڑھا۔ یہ والیٔ مصر کی ایک جنگی چال تھی۔ صلاح الدین ایوبی ''قلعۂ یعقوب'' کو مسمار کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا کہ اس قلعے کے انہدام کے بغیر بانیاس کا دفاع ممکن نہیں تھا اور بانیاس والیٔ مصر کی مرکزی اور اہم ترین فوجی چھاؤنی تھا۔

ریمنڈ کے جاسوس بھی والیٔ مصر کی حرکات و سکنات پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے جیسے ہی ان سراغ رسانوں نے صلاح الدین ایوبی کی حکمت عملی کی اطلاع شاہ یروشلم کو دی تو وہ بھی بلا تاخیر اپنی فوج لے کر شمال کی جانب بڑھا اور کوہستانی راستے سے گزرتا ہوا ''مصیاف'' پہنچ گیا یہاں سے صلاح الدین ایوبی کے فوجی خیمے صاف نظر آ رہے تھے۔

صلیبی اپنی فوج کی کثرت پر اس قدر نشے میں تھے کہ کسی منصوبے کے بغیر صلاح الدین ایوبی کے فوجی خیموں پر حملہ آور ہو گئے۔ نتیجتاً ریمنڈ کی فوج کئی حصوں میں تقسیم و منتشر ہو گئی، اس اچانک حملے سے صلاح الدین ایوبی کے لشکر کا بھی ایک حصہ بدحواس ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ٹمپلرز کے سالار اوڈو نے فتح کے جوش میں دور تک صلاح الدین ایوبی کے فوجی دستے کا تعاقب کیا۔ انجام کار شاہ یروشلم ریمنڈ کی فوج مزید کئی حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ صلاح الدین ایوبی نے اس صورتحال سے بروقت فائدہ اٹھایا اس کی جگہ کوئی دوسرا سالار ہوتا تو ریمنڈ کے فوجی دستے کا سامنا کر کے اسے روکنے کی کوشش کرتا لیکن والیٔ مصر نے عجیب جنگی چال چلی اس نے شاہ یروشلم کا مقابلہ کرنے کے بجائے ٹمپلرز کا تعاقب کرنا شروع کر دیا اس کے ساتھ ہی صلاح الدین ایوبی نے اپنے دوسرے فوجی دستے کو حکم دیا کہ وہ زاویہ بدل کر مختصر راستے سے اس فوجی دستے تک پہنچنے کی کوشش کرے جس کے تعاقب میں سالار اوڈو تھا۔

صلاح الدین ایوبی کے اس حکم پر اس کے شہسواروں نے برق رفتاری کا مظاہرہ کیا اور مختلف گھاٹیوں اور تنگ راستوں سے گزر کر اپنے ان ساتھیوں سے جا ملے جو ٹمپلرز کے اچانک حملے سے بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ صلاح الدین ایوبی کے اس تازہ دم فوجی دستے نے اپنے مفرور سپاہیوں کو یہ خوش خبری سنائی کہ بہت جلد والیٔ مصر کا خصوصی دستہ ان کی مدد کو پہنچنے والا ہے۔

یہ سنتے ہی صلاح الدین ایوبی کے مفرور سپاہی پلٹ پڑے اور ٹمپلرز پر بھرپور جوابی حملہ کر دیا۔ سالار اوڈو اپنی دانست میں یہ جنگ جیت چکا تھا، مصری سپاہیوں کی اس مزاحمتی کوشش کو اس مغرور اور سریع الغضب عیسائی سالار نے یہی سمجھا جیسے نزاع کے عالم میں مبتلا کوئی شخص آخری ہچکی لے رہا ہو، فتح کے نشے میں چور ٹمپلرز نے بھی پورے زور و شور سے مسلمان سپاہیوں کا مقابلہ شروع کر دیا۔ مگر یہ معرکہ آرائی اس وقت ایک خونریز منظر میں تبدیل ہو گئی جب صلاح الدین ایوبی کے دستے نے عقب سے آ کر سالار اوڈو اور اس کے فوجی دستے کو گھیر لیا۔ پھر چند گھنٹوں میں صلیبی فدائین ٹمپلرز کی تقدیر کا فیصلہ ہو گیا۔ بہت سے عیسائی سپاہی قتل ہو گئے یا گرفتار کر لئے گئے، کچھ صلیبیوں نے ''دریائے لکاع'' عبور کر کے قریب کے قلعے ''بلفرٹ'' میں پناہ لی، کچھ میدان جنگ سے فرار ہو کر ''صیدون'' چلے گئے۔

صلاح الدین ایوبی کی فتوحات کی طویل فہرست میں ''مرج العیون'' کی جنگ کوئی بہت بڑی جنگ نہیں تھی لیکن تاریخ میں یہ فتح اس لئے زیادہ شہرت رکھتی ہے کہ اس معرکے میں صلیبیوں کے 70 اعلیٰ فوجی منصب دار گرفتار کر کے صلاح الدین ایوبی کے خیمے میں لائے گئے تھے۔ ان اسیروں میں سالار اوڈو کے ساتھ ٹریپولی (طرابلس) کا کاؤنٹ بھی شامل تھا جس نے ڈیڑھ لاکھ دینار فدیہ دے کر خود کو آزاد کرایا۔

ٹمپلرز کے سالار اوڈو کے پاس فدیہ کے طور پر دینے کے لئے کچھ نہیں تھا، صلاح الدین ایوبی نے اس کی رہائی کے بدلے میں اپنے ایک امیر عزالدین کی رہائی کی تجویز پیش کی، امیر عزالدین اپنے پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ ''قلعۂ یعقوب'' میں قید تھا۔ صلیبیوں نے والئ مصر کی یہ شرط منظور نہیں کی۔ وہ کسی بھی قیمت پر قلعۂ یعقوب میں قید مسلمان سپاہیوں کو چھوڑنے کے لئے آمادہ نہیں تھے۔ سالار اوڈو خود بھی ایک نہایت ظالم اور مغرور انسان تھا۔ ایک انگریز مؤرخ کے بقول اس کے نتھنوں سے سانس کے بجائے قہر و غضب کے شعلے نکلتے تھے۔ ممکن تھا وہ صلاح الدین ایوبی کسی فدیے کے بغیر سالار اوڈو کو آزاد کر دیتا۔ مگر جب والئ مصر کو یہ بتایا گیا کہ ٹمپلرز کا قائد دنیا کا سفاک ترین شخص اور مسلمانوں کا بدترین دشمن ہے تو صلاح الدین ایوبی نے اسے دمشق کے قید خانے میں بھجوا دیا جہاں وہ دیواروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر مر گیا۔

☆
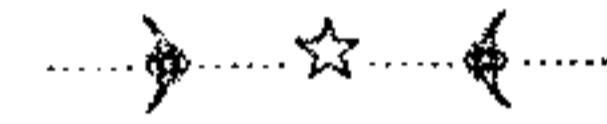
''مرج العیون'' کی فتح کے بعد صلاح الدین ایوبی تیز رفتاری کے ساتھ قلعۂ یعقوب کی طرف بڑھا، صلیبی اس صورتحال سے بے خبر تھے کہ والئ مصر ایک خوف ناک ارادے کے ساتھ ان کی طرف یلغار کر رہا ہے۔ وہ اپنی فتح کا جشن منانے کے لئے شراب پیئے ہوئے تھے اور مسلمان سپاہیوں کو پھانسی دے کر چوراہوں پر لٹکانے کے لئے تختے اور لکڑی کی بلیاں جمع کر رہے تھے کہ اچانک صلاح الدین ایوبی کے سپاہی کسی آفت ناگہانی کی طرح ان کے سروں پر جا پہنچے، عیسائی فوجی یہ ناقابل یقین منظر دیکھ کر بدحواس ہو گئے اور پھر انہوں نے بھاگ کر قلعے کے دروازے بند کر لئے۔

محاصرہ کرنے کے بعد صلاح الدین ایوبی قلعے کی فصیل کا جائزہ لیتا رہا جو بظاہر زیادہ مضبوط نظر نہیں آ رہی تھی۔ نتیجتاً والئ مصر نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ فصیل کے برابر کچی زمین میں سرنگ لگائیں پھر جب سرنگ لگائی جا چکی تو والئ مصر نے سرنگ میں لکڑیاں بھرنے کا حکم دیا۔ عیسائیوں نے جو تختے اور بلیاں مسلمان سپاہیوں کے لئے تیار کئے تھے انہیں کاٹ کر کھودی ہوئی سرنگ میں بھر دیا گیا پھر ان لکڑیوں پر نفط (مٹی کا تیل) چھڑک کر آگ لگا دی گئی۔

دو دن تک شعلے بھڑکتے رہے۔ مگر قلعۂ یعقوب کی فصیل کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچ سکا یہ صلاح الدین ایوبی کے لئے بڑا لمحہ فکریہ تھا کیونکہ شاہ یروشلم بھی اپنی منتشر فوجوں کو جمع کر کے قلعۂ یعقوب کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''قلعۂ یعقوب'' کے عیسائی سپاہی فصیل پر کھڑے مسلمانوں کی ناکامی کا تماشا دیکھ رہے تھے اور

قہقہے لگا رہے تھے۔ صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کے استہزائی عمل پر ذرا بھی توجہ نہیں دی۔ وہ گیارہ بارہ سال کی عمر سے سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے ساتھ جنگوں میں شریک ہوتا تھا۔ اس لئے ایسے بے شمار کھیلوں اور تماشوں کا عادی تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے فوری طور پر اپنے ان فوجی ماہرین سے مشورہ کیا جو قلعوں اور فصیلوں کی تعمیرات کا وسیع علم رکھتے تھے۔

بہت غور و فکر کے بعد ایک ایسے ہی ماہر نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے کہا۔ ''امیر محترم! میرا خیال ہے کہ فصیل کی بنیاد ہمارے اندازے سے بہت زیادہ گہری ہے۔ اگر ہم سرنگ کی مزید کھدائی کریں تو انشاء اللہ ہمیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہو جائے گی۔''

اس کے ساتھ ہی اس ماہر نے والئ مصر کو یہ تدبیر بھی بتائی کہ سرنگ میں لگائی ہوئی آگ بجھا دی جائے۔ پھر بجھی ہوئی لکڑیاں نکال کر سرنگ کو پانی سے بھر دیا جائے۔ اس طرح مٹی گیلی ہو کر نرم پڑ جائے گی...... اور پھر آسانی کے ساتھ کھدائی کا کام جاری رکھا جا سکے گا۔

صلاح الدین ایوبی نے حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے اپنے سپاہیوں کو مخاطب کر کے عجیب اعلان کیا۔ ''جو فوجی ایک مشک پانی لائے گا، اسے ایک دینار بطور انعام دیا جائے گا۔''

والئ مصر کے اس اعلان نے سپاہیوں میں نیا جوش پیدا کر دیا۔ پہلے چند مشکوں سے سرنگ کی آگ بجھائی گئی۔ پھر ادھ جلی لکڑیوں اور کوئلوں سے سرنگ کو صاف کر دیا گیا۔ اس کے بعد صلاح الدین ایوبی کے سپاہی اتنا پانی لائے کہ ہر طرف جل تھل ہو گیا۔ پھر چند گھنٹے انتظار کیا گیا کہ زمین جتنا پانی جذب کر سکتی ہے، اپنے اندر جذب کر لے۔

چند گھنٹوں کے بعد پہلی سرنگ کو مزید گہرا کرنے کا کام شروع ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی کچھ فاصلے پر دوسری سرنگ کھودنے کے کام کا آغاز کر دیا گیا۔ پھر شام تک دونوں سرنگوں کی کھدائی جاری رہی۔

دوسرے دن نماز فجر ادا کرنے کے بعد صلاح الدین ایوبی نے قلعۂ یعقوب کی فصیل گرانے کے لئے نئی حکمت عملی اختیار کی۔ پہلے دونوں سرنگوں میں نفط (مٹی کا تیل) ڈالا گیا۔ جب وہ تیل پوری طرح مٹی میں جذب ہو گیا تو دونوں سرنگوں میں سوکھی لکڑیاں بھر دی گئیں۔ پھر ان پر تیل ڈال کر آگ لگا دی گئی۔ یہ نئی تدبیر بہت زیادہ کارگر ثابت ہوئی۔ چند گھنٹوں کے بعد ہی قلعۂ یعقوب کی مضبوط ترین فصیل کا ایک حصہ زمین بوس ہو گیا۔

یہ 30 راگست 1179ء کا یادگار دن تھا، جب صلاح الدین ایوبی کی فوج اندر داخل ہو گئی۔ یہ پورا قلعہ ایک ہزار صلیبی فدائین فرینکس کے قبضے میں تھا۔ جو شاہ یروشلم کی طرف سے تازہ دم فوجی کمک آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ مگر بدقسمتی سے موت ان کے سروں پر آ پہنچی۔ فرینکس نے تھوڑی دیر تک مسلمانوں کے لشکر کا مقابلہ کیا۔ مگر اب اس کا وقت گزر چکا تھا۔ جب اس مزاحمت میں سو کے قریب فرینکس قتل ہو گئے تو باقی نے ہتھیار ڈال کر صلاح الدین ایوبی سے اپنی زندگی کی امان طلب کی۔ اس سے پہلے والئ مصر نے کئی جنگوں میں گرفتار ہونے والے ہزاروں صلیبیوں کو معاف کیا تھا مگر فرینکس جیسے جنونیوں اور خون آشاموں کے لئے اس کے دل میں کوئی نرم گوشہ موجود نہیں تھا۔ نتیجتاً صلاح

الدین ایوبی نے 900 فرینکس کو قتل کرا کے قلعہ یعقوب کے گہرے کنوئیں میں ڈلوا دیا۔

اس موقع پر شاعر علی دمشقی نے بڑے عجیب اشعار کہے تھے۔ ''جن لوگوں نے حلف اٹھانے کے باوجود عہد شکنی کی۔ ہم انہیں ایسے مکان میں کیسے چھوڑ سکتے ہیں جو ایک عظیم پیغمبر کے نام سے موسوم ہے۔'' (علی دمشقی کا اشارہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف تھا۔ کیونکہ اللہ کے ان ہی برگزیدہ پیغمبر کے نام پر اس قلعے کا نام رکھا گیا تھا)۔

آگے چل کر شاعر علی دمشقی کہتا ہے۔ ''صداقت ایمان کا حصہ ہے۔ اسی لئے میں تمہیں صدق دل سے نصیحت کرتا ہوں کہ یعقوب کا مکان خالی کر دو کیونکہ یوسف آ گیا۔'' صلاح الدین ایوبی کا خاندانی نام یوسف تھا۔ اسی نسبت سے علی دمشقی نے اپنے اشعار میں یہ دونوں حوالے پیش کئے تھے۔

پھر اس وقت تمام مصری سپاہی حیرت زدہ رہ گئے جب صلاح الدین ایوبی نے قلعہ یعقوب کو مسمار کرنے کا حکم دے دیا۔ بعض امراء نے قلعے کے انہدام کا سبب پوچھا تو صلاح الدین ایوبی نے بس اتنا ہی کہا کہ آئندہ بھی یہ کانٹا کھٹکتا ہی رہے گا۔ اس لئے اسے جلا کر خاکستر کر دینا ہی ہمارے مفاد میں ہے۔

پھر قلعہ یعقوب کے در و دیوار ڈھا دینے کے بعد باقی ساز و سامان پر نفط چھڑک کر آگ لگا دی گئی۔ مصری لشکر ایک بڑی فتح حاصل کرنے کے بعد اپنے رب کی حمد و تسبیح کرتا ہوا دمشق کی طرف واپس جا رہا تھا...... اور گرد و نواح میں بسنے والے عیسائی بڑی حسرت و ناامیدی کے ساتھ قلعہ یعقوب سے بلند ہونے والے آگ کے شعلوں کو دیکھ رہے تھے۔

پھر جب نگراں شاہ یروشلم اپنے لشکر کے ساتھ محصور فرینکس کی مدد کرنے کے لئے قلعہ یعقوب پہنچا تو وہاں سیاہ پتھروں کے ڈھیر کے سوا کچھ نہیں تھا۔ پہلے ''حماہ......'' پھر ''حمص......'' پھر ''مرج العیون......'' اور اب تباہ شدہ ''قلعہ یعقوب......'' یہ ریمنڈ کی مسلسل چوتھی شکست تھی۔ اپنی رسوائیوں اور ناکامیوں کو یاد کر کے ریمنڈ پاگل سا ہو گیا اور ہذیانی انداز میں چیخنے لگا۔

''اے خداوند خدا...... مجھے اس وقت تک دنیا سے نہ اٹھائیو، جب تک میں قلعہ یعقوب کی طرح دمشق اور مصر کے قلعوں کو کھنڈر میں تبدیل نہ کر دوں۔''

☆

جب ریمنڈ کی شکست فاش کی خبر موصل اور حلب پہنچی تو دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہوا جیسے دونوں درباروں پر موت کا سناٹا چھا گیا ہے۔ سلطان ملک صالح اس وقت اپنے تخت پر بڑے غرور و شان سے بیٹھا تھا۔ اس تخت میں قیمتی ہیرے اور دیگر جواہر جڑے ہوئے تھے۔ سلطان نور الدین زنگی کا تخت بہت سادہ تھا۔ جس میں دور خلافت کی ہلکی سی جھلک نظر آتی تھی۔ سلطان عادل کے انتقال کے بعد جب سلطان ملک صالح ان کا جانشین قرار پایا تو وہ فوری طور پر اس تخت کو دربار سے اٹھوا کر اس کی جگہ نیا تخت آراستہ کرنا چاہتا تھا۔ جب سلطان کی والدہ رضیع خاتون نے اس تبدیلی کا سبب پوچھا تو ملک صالح نے اس سادہ سے تخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انتہائی تحقیر آمیز لہجے میں کہا تھا۔

''یہ کوئی بادشاہوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے؟''

بیٹے کا جواب سن کر رضیع خاتون نے نہایت برہم لہجے میں کہا۔ ''تمہارے والد محترم انسانوں کے بادشاہ نہیں، مسلمانوں کے امیر تھے۔ بندگان خدا کے حقوق کے محافظ اور نگہبان...... اسی لئے رعایا عقیدت و محبت سے انہیں سلطان عادل کہہ کر پکارتی تھی۔ اس لکڑی کی بظاہر کیا قیمت اور کیا حیثیت ہے۔ مگر اس تخت پر ایک پاکباز انسان بیٹھا کرتا تھا جس کی روحانی تاثیرات اس میں جذب ہو گئی ہیں۔ جو بھی اس تخت پر بیٹھے گا، وہ سلطان عادل کے فیض روحانی سے بہرہ مند ہو گا...... اور حق تعالیٰ اسے معرکہ حیات میں سربلند رکھے گا۔'' یہ کہہ کر رضیع خاتون نے انتہائی سخت لہجے میں بیٹے کو تنبیہہ کی۔ ''میرے جیتے جی یہ تخت دربار سے نہیں اُٹھایا جائے گا۔''

سلطان ملک صالح اس وقت گیارہ سال کا تھا اس لئے والدہ کی دھمکی سے خوفزدہ ہو گیا۔ مگر رضیع خاتون کے انتقال کے فوراً بعد ہی ملک صالح نے سلطان نور الدین محمود زنگی کا تخت اٹھوا کر پرانے سامان کے انبار میں رکھوا دیا اور اس کی جگہ نیا تخت بنوایا جس میں ایرانی بادشاہوں کے تخت جیسی صناعی اور کاریگری نظر آتی تھی۔

آج سلطان ملک صالح بڑے متکبرانہ انداز میں اسی تخت زرنگار پر بیٹھا تھا کہ اسے صلاح الدین ایوبی کی مسلسل فتوحات کی خبر دی گئی۔ یہ خبر سنتے ہی سلطان ملک صالح پر ''درد قولنج'' کا ایسا دورہ پڑا کہ جس کی شدت سے والئ حلب تخت پر بیٹھے بیٹھے تڑپنے لگا...... اور پھر دربار ہی میں بے ہوش ہو گیا۔

پھر جب یہی خبر والئ موصل سیف الدین کو سنائی گئی تو وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے صلاح الدین ایوبی شمشیر بے نیام لئے موصل کے محل میں داخل ہو گیا ہے اور اسے قتل کرنے کے لئے تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ سیف الدین نے اس توہماتی خوف سے نجات حاصل کرنے کے لئے حد سے زیادہ شراب پی لی۔ کثرت بادہ نوشی سے اس کا جگر تباہ ہو چکا تھا۔ تمام درباری طبیب پہلے ہی والئ موصل کو شراب ترک کرنے کی ہدایت کر چکے تھے کہ آئندہ اس حرام شے کے چند گھونٹ بھی اس کے لئے ہلاکت خیز ثابت ہوں گے۔ مگر سیف الدین نے صرف اس سیال کی مقدار بڑی حد تک کم کر دی تھی۔ جس کا فوری طور پر یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ سیف الدین گم صم رہنے لگا۔ مگر شاہ یروشلم ریمنڈ کی شکست فاش نے سیف الدین کو اس قدر دہشت زدہ کر دیا تھا کہ وہ اس خوف سے نجات حاصل کرنے کے لئے اس وقت تک شراب پیتا رہا، جب تک بے ہوش نہیں ہو گیا۔ پھر اسی بے ہوشی کے عالم میں فرشتۂ اجل نے والئ موصل کی سانسیں غصب کر لیں۔

صبح جب خدمت گاران خاص والئ موصل کے کمرے میں داخل ہوئے تو وہ اپنے بستر پر مردہ پایا گیا۔ تکلیف کی شدت سے سیف الدین کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور خون ہونٹوں پر جما ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی سفید ریشمی چادر پر گہرے سبز رنگ کا ایک بڑا سا داغ تھا جسے دیکھ کر گمان ہوتا تھا کہ سیف الدین نے مرنے سے پہلے قے کی تھی۔

والئ موصل کی ناگہانی موت پر پورے محل میں ایک کہرام برپا ہو گیا۔ امراء اور خدام خاص میں

سرگوشیاں ہونے لگیں کہ سیف الدین کو زہر دے کر ہلاک کیا گیا ہے۔ ان شکوک وشبہات کی بنیاد وہی موروثیت اور جانشینی کا جھگڑا تھا۔ سیف الدین کے دو چھوٹے بھائی عزالدین مسعود اور عمادالدین تھے۔ ان دونوں میں عزالدین مسعود بڑا تھا۔ اس لئے وہ خود کو موصل کے تخت کا جائز حقدار سمجھتا تھا۔

سیف الدین ایک طویل عرصے سے ناکارہ زندگی بسر کر رہا تھا۔ اسی باعث عزالدین مسعود کے بہی خواہ امیروں نے کئی بار اسے مشورہ دیا کہ وہ سیف الدین کو معزول کر کے خود اقتدار سنبھال لے۔ مگر عزالدین مسعود بڑے بھائی کا بہت احترام کرتا تھا۔ اس لئے اس نے اپنے مشیروں سے صاف صاف کہہ دیا۔

''اگر برادر معظم مکمل طور پر بھی صاحب فراش ہو جائیں، تب بھی میں ان کی زندگی میں تخت پر بیٹھنے کی گستاخی نہیں کر سکتا۔''

اگرچہ عزالدین مسعود اپنے قول و فعل میں سچا تھا لیکن سیف الدین کے خوشامدی مصاحب نے اس خبر کو ہوا دی کہ والیٔ موصل زہرخورانی کے اثر سے ہلاک ہوئے ہیں۔ یہ خوشامدی مصاحبوں کا وہ گروہ تھا جسے عزالدین مسعود سخت ناپسند کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سیف الدین کے مرتے ہی ان لوگوں کو اپنا وجود خطرے میں نظر آنے لگا تھا۔ اب ان کے نزدیک بچنے کی ایک ہی صورت تھی کہ وہ عزالدین مسعود پر بڑے بھائی کے قتل کا الزام عائد کر کے خاندانِ زنگی میں ہمیشہ کے لئے پھوٹ ڈال دیں۔ اور عزالدین مسعود کو سیف الدین کا قاتل ٹھہرا کر سب سے چھوٹے بھائی عمادالدین کو موصل کے تخت پر بٹھا دیں تاکہ ان نمک حرام امیروں کو نئی زندگی مل جائے اور وہ عزالدین مسعود کی آتشِ انتقام سے محفوظ ہو جائیں۔

ان افواہوں سے پورے زنگی خاندان میں ایک عجیب ہنگامہ برپا تھا۔ تمام افراد کی زبانیں خاموش تھیں۔ مگر ان کی آنکھوں میں عزالدین مسعود کے لئے بدگمانی کے گہرے سائے لرز رہے تھے۔ خود عمادالدین بڑے بھائی کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جن میں شکایت کا ایک سمندر موجزن تھا۔ جیسے وہ عزالدین مسعود سے سوال کر رہا ہو۔

''میرے بھائی! تمہیں اس ظالمانہ سلوک کی کیا ضرورت تھی؟ والیٔ موصل تو خود چند دنوں کے مہمان تھے۔ کیا تمہاری ہوس اقتدار اس قدر بے رحم تھی کہ تم نے بڑے بھائی کی طبعی موت کا بھی انتظار نہیں کیا۔''

عزالدین مسعود اپنے سگے چھوٹے بھائی اور دوسرے قریبی رشتے داروں کی خاموش نگاہوں کا مفہوم خوب سمجھ رہا تھا مگر حالات نے اسے ایک عجیب موڑ پر کھڑا کر کے مجرم کی قبا پہنا دی تھی۔ اس نے کئی بار غم زدہ لہجے میں اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی مگر عمادالدین اور دوسرے قریبی رشتے داروں نے عزالدین مسعود کے آنسوؤں کو فریب کارانہ نمائش سے تعبیر کیا۔

سیف الدین مرحوم کے بے ضمیر مصاحبوں اور خاندانِ زنگی کے پوشیدہ دشمنوں کی چال تقریباً کامیاب ہو چلی تھی کہ درباری طبیبوں نے ان کے انتہائی شاطرانہ منصوبے پر پانی پھیر دیا۔ تمام ماہر

حکیموں کی ایک ہی رائے تھی کہ والیٔ موصل کی موت زہر کھانے سے واقع نہیں ہوئی ہے۔

عزالدین مسعود پر بڑے بھائی کے قتل کا الزام عائد کرنے والے عیار امراء نے اس داغ کی طرف اشارہ کیا جو والیٔ موصل کے چہرے کے قریب سفید چادر پر موجود تھا۔

''ہمارے بادشاہ کے ہونٹوں پر خون کے نشانات اور تکیے پر گہرے سبز رنگ کا داغ، اس بات کی کھلی علامتیں ہیں کہ زہر کے اثر سے ان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا کہ وہ اس دار فانی سے انتقال کر گئے۔'' ایک ریاکار امیر نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔

اس کے ساتھیوں کے نزدیک یہ ایک مضبوط ترین دلیل تھی کیونکہ زہرخورانی سے مرنے والے انسان کے جسم پر یہی علامتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ مگر دربارِ موصل کے حاذق طبیبوں نے یہ کہہ کر اس امیر کی دلیل کو جھٹلا دیا۔ ''والیٔ موصل ایک طویل عرصے سے جگر کے مرض میں مبتلا تھے۔ بدقسمتی سے اس رات انہوں نے بکثرت شراب پی لی۔ جس کے نتیجے میں جگر اور پتہ دونوں بیک وقت پھٹ گئے۔ یہ گہرا سبز نشان صفراوی مادے کا ہے۔''

جب تمام درباری طبیبوں نے اپنے حکیمانہ دلائل سے سیف الدین کی موت کو طبعی اور فطری قرار دے دیا تو عزالدین مسعود کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس نے بآواز بلند کہا۔ ''اس ذات پاک کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جس نے مجھے اہلِ خاندان اور اہلِ موصل کے سامنے بے قصور ثابت کیا۔''

پھر اس کے بعد عمادالدین بڑے بھائی کے گلے لگ کر خوب رویا۔ دیگر اہالیانِ خاندان بھی بہت خوش ہوئے کہ ان کے دلوں میں عزالدین مسعود کی طرف سے جو غبار اور میل آ گیا تھا، وہ صاف ہو گیا۔

الزام تراشنے والے امراء نے اپنی جانیں بچانے کے لئے عزالدین مسعود کے قدموں پر اپنے سر رکھ دیئے۔ مگر اس نے ان فتنہ گروں کو معاف نہیں کیا۔ اس گروہ کے ایک ایک فرد کو گرفتار کر کے قید خانے میں ڈلوا دیا۔

پھر جب سیف الدین کی تدفین عمل میں آ چکی اور سرکاری سوگ کے دن پورے ہو چکے تو عزالدین مسعود نے موصل کے تخت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ان تمام نمک حرام اور زمانہ ساز امراء کو قتل کرا دیا جو زنگی خاندان میں نفاق اور نفرت کا بیج بونا چاہتے تھے۔

☆
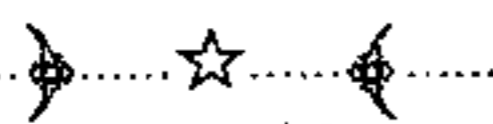
جب سیف الدین کے انتقال کی خبر مصر پہنچی تو ایک صاف دل اور سچے مسلمان کی حیثیت سے صلاح الدین ایوبی نے اپنے اہلِ دربار کے سامنے دکھ کا اظہار کیا اور مرحوم کی مغفرت کے لئے اجتماعی دعا کرائی۔ اگرچہ سیف الدین صلاح الدین کا جانی دشمن تھا لیکن سلطان نورالدین زنگیؒ کے حوالے سے اس خاندان کے ہر فرد کو عزیز رکھتا تھا۔ اپنے اسی قلبی لگاؤ اور اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرنے کے لئے والیٔ مصر نے اپنے سفیر کو تعزیت نامہ دے کر موصل روانہ کیا۔ صلاح الدین کا تحریر کردہ تعزیت نامہ مختصر تھا مگر اس کے ایک ایک لفظ سے ملت اسلامیہ کے لئے انتہائی درد اور خاندانِ زنگی کے لئے گہری عقیدت کا اظہار ہو رہا تھا۔

"مجھے اس خبر نے دلی رنج پہنچایا ہے کہ عظیم خاندان زنگی کے ممتاز ترین رکن عزت مآب امیر سیف الدین اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ حق تعالیٰ ان کی مغفرت کرے اور ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ وہ غم ہے جسے بانٹا نہیں جا سکتا مگر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ میں رنج والم کی ان تکلیف دہ ساعتوں میں اپنے جذبوں کی پوری سچائی کے ساتھ بقدر مراتب شریک ہوں۔ بے شک تقدیر کے معاملات میں انسان ایک مجبور تماشائی کے سوا کچھ نہیں۔ میں اور آپ امیر مرحوم کی سانسیں واپس نہیں لا سکتے۔ مگر اہلِ ایمان کی اس گم شدہ عظمت واخوت کو دوبارہ زندہ کیا جا سکتا ہے جسے ہم نے خود اپنے ہاتھوں سے دفن کیا ہے۔ میں اپنے پیدا کرنے والے کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنے دل سے ماضی کا سارا غبار صاف کر دیا ہے۔ امیر مرحوم سے جو کوتاہیاں سرزد ہوئیں، میں انہیں معاف کرتا ہوں۔ اسی طرح اگر میری طرف سے کسی غلطی کا ارتکاب ہوا ہے تو آپ معاف فرما دیں۔ قدرت انسان کو اس کے اعمال کی درستی کے لئے بار بار مواقع فراہم نہیں کرتی۔ اس سے پہلے کہ ہم سب کی گرفت ہو جائے اور ہم بھی دوسرے فانی انسانوں کی طرح موت کی خوراک بن جائیں، ہمیں اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے متحد ہو کر پوری دیانت و محنت کے ساتھ کوشش کرنی چاہئے۔ اپنے دل و دماغ کو پچھلی کدورتوں سے صاف کر کے میری گزارشات پر غور فرمائیں کہ اس "اتحاد ثلاثہ" میں کوئی خیر و برکت نہیں۔ جس میں کسی مسلمان حکمران کے بجائے ایک صلیبی حاکم شریک ہو۔ موصل، حلب اور مصر، نیا اتحاد ثلاثہ اس طرح بھی ہو سکتا ہے۔ اس میں دنیا کی سلامتی بھی ہے اور آخرت کی نجات بھی......"

نئے والئ موصل کے نام صلاح الدین ایوبی کا تعزیت نامہ اس قدر پُر اثر تھا کہ اسے پڑھ کر دردمند دل رکھنے والا شخص بھی رو پڑتا۔ مگر قومی تفاخر کے طلسم میں گرفتار تنگ نظر اور مغرور عزالدین مسعود نے والئ مصر کے اس محبت نامے کے ساتھ بڑا نفرت آمیز سلوک کیا اور یہ کہہ کر قاصد کو اپنے دربار سے نکال دیا۔

"ہم غلاموں کو اپنے غم میں بھی شریک ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ رہے دیگر معاملات تو ان کے فیصلے درباروں میں نہیں، جنگ کے میدانوں میں ہوتے ہیں۔"

جب صلاح الدین ایوبی نے والئ موصل عزالدین مسعود کا جواب سنا تو اس کے ہونٹوں سے ایک آہ سرد نکل گئی۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے انتہائی کرب ناک لہجے میں کہا۔ "بے شک! تو جسے ہدایت نہ دے اسے سیدھے راستے پر کون لا سکتا ہے۔"

یہ وہ عزالدین مسعود تھا جس نے دو بار میدان جنگ میں صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کھائی تھی اور اب پھر میدان جنگ کی باتیں کر رہا تھا۔

اس موقع پر صلاح الدین ایوبی کے دونوں چھوٹے بھائی ملک عادل اور ملک تقی الدین عمر بھی موجود تھے۔ دربار میں تو وہ دونوں خاموش رہے۔ مگر جب تنہائی ہوئی تو ملک عادل نے بڑے بھائی سے شکایتاً کہا۔ "آپ ہر بار انتہائی عاجزی اور خلوص کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مگر ہر بار نہایت غرور اور

حقارت کے ساتھ آپ کو جواب دیا جاتا ہے۔ آخر یہ عمل کب تک جاری رہے گا؟" ملک عادل کے لہجے سے شدید تلخی اور ناگواری کا اظہار ہو رہا تھا۔

چھوٹے بھائی کا سوال سن کر صلاح الدین ایوبی کے ہونٹوں پر ایک بہت ہی افسردہ مسکراہٹ ابھر آئی۔ "میں سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کا ممنون احسان ہوں کہ ان کی وجہ سے تمہارے والد اور چچا دنیاوی اعتبار سے اعلیٰ عہدوں اور منصب تک پہنچے۔ اس طرح میں سلطان عادل کی محبتوں کا قرض ادا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ دوسرے یہ کہ سلطان ملک صالح ہو...... یا عزالدین مسعود ہو...... یا پھر کوئی اور اسلامی ریاست کا حاکم...... ہم سب کے درمیان علاقائی اور قبائلی تعلق سے کہیں زیادہ معتبر اور مضبوط دینی رشتہ ہے۔ اگر لوگ اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس لئے میں ان کی مفسدانہ حرکتوں سے چشم پوشی بھی کرتا ہوں اور اتمام حجت بھی...... عجب نہیں کہ حق تعالیٰ کسی دن انہیں ہدایت عطا فرما دے اور ملت اسلامیہ آپس کی خونریزی جیسے خوفناک عذاب سے محفوظ ہو جائے۔"

"مگر آپ آئندہ ان کے درباروں میں اپنے قاصد نہیں بھیجیں گے۔" ملک عادل یہ کہتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ "عزالدین مسعود نے میدان جنگ کا ذکر کیا ہے تو گفتگو بھی شمشیروں کی زبان میں ہو گی۔" ملک عادل کا لہجہ مؤدبانہ اور نرم تھا مگر چہرے سے باغیانہ رنگ جھلک رہا تھا۔

☆
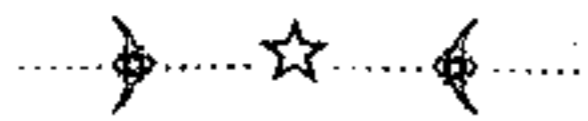
والئ موصل عزالدین مسعود اپنے انتظامی معاملات میں مصروف تھا...... اور ریمنڈ اپنے پایۂ تخت یروشلم میں بیٹھا قلعۂ یعقوب کی بربادی پر ماتم کر رہا تھا کہ صلاح الدین ایوبی 1179ء کے موسم خزاں میں 70 جہازوں کے بیڑے کے ساتھ اس سمندری علاقے کی طرف بڑھا جہاں کئی عیسائی بستیاں آباد تھیں۔ والئ مصر نے ان بستیوں کو خوب تاراج کیا اور ایک ہزار نصرانی سپاہی گرفتار کر لئے۔ صلاح الدین ایوبی نے یہ حکمت عملی اس لئے اختیار کی تھی کہ ان ہی آبی راستوں سے یروشلم کو تازہ فوجی کمک حاصل ہوتی تھی۔ اس علاقے کو پوری طرح تباہ و برباد کرنے کے بعد والئ مصر "صفد" (SAFED) کے علاقے کی طرف بڑھا۔ اتفاق سے اس سال بارش نہ ہونے کے باعث قحط پڑ گیا اور صلاح الدین ایوبی کو سامان رسد حاصل کرنے میں دشواریاں پیش آنے لگیں۔ آخر بہت غور وفکر کرنے کے بعد اس نے پیش قدمی کا منصوبہ ترک کر دیا۔

ابھی صلاح الدین ایوبی مصر واپسی کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک ایک دن حکمراں شاہ یروشلم کا قاصد اس سے آ کر ملا اور حیرت انگیز طور پر ریمنڈ کی طرف سے صلح کی پیشکش کی۔ والئ مصر نے اس پیشکش کو تائید غیبی سے تعبیر کیا۔ قحط سالی کے باعث اسے ہر حال میں واپس جانا تھا۔ مگر حالات کی اس نئی کروٹ نے صلاح الدین ایوبی کی مجبوری کا پردہ رکھ لیا۔ یہ اس کے دور اقتدار میں پہلا موقع تھا کہ جب شاہ یروشلم ریمنڈ نے اس کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھایا تھا۔

پہلے تو صلاح الدین ایوب نے ریمنڈ کی اس پیشکش کو ایک فریب کارانہ سیاسی چال سمجھا مگر تمام عواقب وعوامل پر غور وخوض کرنے کے بعد والئ مصر نے صلح کے لئے اپنا شرائط نامہ تیار کیا اور یروشلم

کے قاصد کے حوالے کر دیا۔ اس دستاویز کی بعض شرائط بہت سخت تھیں۔ جن کے بارے میں خود صلاح الدین کا خیال تھا کہ ریمنڈ کسی طور بھی انہیں تسلیم نہیں کرے گا۔ دراصل صلاح الدین ایوبی نے بھی شاہ یروشلم کے خلاف ایک گہری چال چلی تھی۔ اس طرح وہ شاہ یروشلم کی اعصابی قوت کو آزمانا چاہتا تھا۔

پھر جب کچھ دن بعد یروشلم کا قاصد واپس آیا تو یہ جان کر صلاح الدین ایوبی کو بہت زیادہ حیرت ہوئی کہ ریمنڈ نے اس کی پیش کردہ تمام شرائط تسلیم کر لی تھیں اور اس صلح نامے کی حد تک والیٔ مصر کو اس علاقے کے صلیبیوں پر بالادستی حاصل ہو گئی تھی۔ صلاح الدین ایوبی نے صلح نامے پر اپنی مہر ثبت کر کے دستاویز یروشلم کے قاصد کے حوالے کر دی۔

اس معاہدے کے مطابق شاہ یروشلم ریمنڈ اور والیٔ مصر صلاح الدین ایوبی نے تحریری طور پر اقرار کیا تھا کہ دو سال تک عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی جنگ نہیں ہو گی۔ اس مدت کے گزرنے کے بعد دونوں حکمران تمام عہد و پیمان سے آزاد ہوں گے۔ اس صلح نامہ کی بنیادی اور نمایاں شرط یہ تھی کہ جن سمندری علاقوں پر صلاح الدین ایوبی نے قبضہ کر لیا تھا، وہ اسی کے زیر نگرانی رہیں گے۔

پھر جب یروشلم اور مصر کے درمیان ہونے والی اس صلح کی خبر ٹریپولی (طرابلس) پہنچی تو صلیبی فدائین فرینکس غضب ناک ہو گئے۔ اور انہوں نے طرابلس کے حاکم ایڈم کو مجبور کیا کہ وہ فوراً یروشلم جائے اور ریمنڈ کو معاہدہ توڑنے پر مجبور کر دے۔

ایڈم بلا تاخیر یروشلم پہنچا اور اس نے تنہائی میں ریمنڈ سے ملاقات کر کے تمام صورت حال واضح کر دی۔ ''میں زیادہ دنوں تک فرینکس کا دباؤ برداشت نہیں کر سکتا۔ میرے اقتدار کی بنیاد بھی ان ہی صلیبی جاں نثاروں کے توانا اور مضبوط کاندھوں پر رکھی ہوئی ہے۔ اگر فرینکس نے میری حمایت ترک کر دی تو میں حکومت سے بھی محروم ہو سکتا ہوں اور میری جان بھی جا سکتی ہے۔ اس لئے میری عاجزانہ گزارش ہے کہ صلیبیوں کے عظیم تر مفاد میں اس صلح نامے کو چاک کر ڈالیں۔''

طرابلس کے حاکم ایڈم کی زبانی فرینکس کی جنونی کیفیت کا حال سن کر شاہ یروشلم ریمنڈ بھی گھبرا گیا۔ کیونکہ یہ صلیبی فدائین خود اس کے بھی دست و بازو اور پشت پناہ تھے۔ اگر عام فضا ہوتی تو ریمنڈ ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر فرینکس کا مطالبہ مان لیتا اور معاہدے سے اس طرح منحرف ہو جاتا کہ جیسے کبھی اس کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ ریمنڈ تو اتنا فریب کار اور دروغ گو انسان تھا کہ صلح نامے پر ثبت کی جانے والی مہر کو یہ کہہ کر جھٹلا دیتا کہ یہ مہر نقلی ہے لیکن اس وقت وہ اتنا مجبور تھا کہ نہ تو صلیبی فدائین کا مطالبہ مان سکتا تھا اور نہ صلاح الدین ایوبی سے کیا ہوا معاہدہ توڑ سکتا تھا۔

پھر جب طرابلس کے حاکم ایڈم نے ریمنڈ پر بہت زیادہ دباؤ ڈالا تو بالآخر شاہ یروشلم کو اپنی وہ مجبوریاں بیان کرنی پڑیں جن کے سبب وہ پس و پیش سے کام لے رہا تھا۔ ریمنڈ کے گلے میں ہر وقت سونے کی صلیب پڑی رہتی تھی۔ یکایک شاہ یروشلم جوش میں آ گیا اور صلیب کو ہاتھ میں لے کر

حاکم طرابلس ایڈم سے مخاطب ہوا۔

''صلیب مقدس کی قسم...... پوری عیسائی دنیا میں شاید ہی کوئی صلیبی مجھ سے زیادہ خون کا پیاسا ہو۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں نے خوشدلی کے ساتھ صلاح الدین ایوبی سے صلح کی ہے؟'' جھنجھلاہٹ اور اشتعال کے سبب اس کا چہرہ اتنا سرخ ہو گیا تھا کہ جیسے باریک رگیں پھٹ جائیں گی اور خون باہر چھلک پڑے گا۔

شاہ یروشلم کی یہ ہیجانی کیفیت دیکھ کر ایڈم بھی گھبرا گیا اور اس نے لکنت زدہ لہجے میں کہا۔ ''میں جانتا ہوں شہنشاہ خوب جانتا ہوں۔''

''تم کچھ نہیں جانتے۔'' ریمنڈ نے تیز اور سخت لہجے میں کہا۔ ''تمہیں اپنے اقتدار کو بچانے کے سوا نہ کسی دوسرے کی فکر ہے اور نہ کسی بات کا علم...... تم ابھی تک اسی صلح نامے کے سبب طرابلس کے تخت پر بیٹھے ہو۔''

شاہ یروشلم ریمنڈ کی زبانی یہ انکشاف سن کر ایڈم بدحواس ہو گیا اور سوالیہ نظروں سے ریمنڈ کی طرف دیکھنے لگا۔

''تمہیں خبر ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے سمندر کے کنارے آباد کتنی عیسائی بستیاں اجاڑ دیں؟''
اب شاہ یروشلم ریمنڈ کے لہجے سے بیک وقت حقارت، طنز اور غصہ جھلک رہا تھا۔ ''اگر میں صلاح الدین سے صلح نہ کرتا تو دوسری عیسائی ریاستوں کا وجود بھی خطرے میں پڑ جاتا۔ ہو سکتا ہے کہ تم اور شاہ آرمینیا بھی اپنی سلطنتوں سے محروم ہو جاتے۔ یہ اسی صلح نامے کا نتیجہ ہے کہ تم آزادانہ یہاں بیٹھے ہو اور بڑی روانی کے ساتھ میرے اس ہوش مندانہ فیصلے پر نکتہ چینی کر رہے ہو۔ بہتر یہی ہے کہ تم واپس جاؤ اور صلیبی فدائین کو نرم اور ٹھنڈے لہجے میں مختلف دلائل دے کر سمجھاؤ۔ کچھ فیصلے شمشیروں کے بجائے عقلی تدبیروں سے کرنے پڑتے ہیں۔''

حاکم طرابلس ایڈم ریمنڈ کی بات کا مفہوم سمجھ گیا تھا۔ مگر اس کے چہرے سے فکر و تشویش کے آثار نمایاں تھے۔ جیسے وہ کسی ذہنی کشمکش اور اعصابی دباؤ کا شکار ہو۔

شاہ یروشلم کچھ دیر تک گہری نظروں سے ایڈم کے پریشان چہرے کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اس نے فرینکس کی طرف سے اٹھنے والے ممکنہ طوفان کو روکنے کے لئے اپنی دوسری اور سب سے بڑی مجبوری بھی بیان کر دی۔ ''ایڈم...... میری بات بہت غور سے سنو۔''

حاکم طرابلس جو خیالات کی دنیا میں کھویا ہوا تھا، شاہ یروشلم کی آواز سن کر تصورات کے حصار سے باہر نکل آیا اور بڑی بے چارگی کے انداز میں ریمنڈ کا منہ دیکھنے لگا۔

شاہ یروشلم آگے کی طرف جھکا اور سرگوشی کے انداز میں ایڈم سے کہنے لگا۔ ''پہلے قسم کھاؤ کہ یہ راز میرے اور صرف تمہارے درمیان ہی رہے گا۔ کیونکہ ایک حاکم ہی دوسرے حاکم کی مجبوریوں کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ اگر حکمرانوں کی کوتاہی سے کچھ اہم راز رعایا کے سامنے آ جائیں تو اس کے بڑے خوفناک نتائج برآمد ہوتے ہیں۔''

ریمنڈ کی بات سن کر ایڈم کی حیرت و پریشانی میں مزید اضافہ ہوگیا۔ پھر بھی اس نے مقدس باپ اور بیٹے کو درمیان میں لا کر قسم کھالی کہ یہ راز اس کے ساتھ ہی قبر میں دفن ہو جائے گا۔ یہ بھی بس ایک رسمی مظاہرہ تھا ورنہ عیسائی حکمرانوں کے نزدیک قسم بھی ایک زہریلا اور خطرناک ہتھیار تھا جسے وہ دشمن کو دھوکا دینے کے لئے بڑی کثرت سے استعمال کرتے تھے۔

بہرحال ایڈم سے قسم لینے کے بعد ریمنڈ نے اپنی اس مجبوری کی تفصیلات بتانی شروع کر دیں جس کے باعث اسے والیٔ مصر صلاح الدین ایوبی کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑے تھے اور جس صلح نامے کو صلیبی فدائین نے انتہائی ذلت آمیز اور شرمناک معاہدہ قرار دیا تھا۔ فرینکس کے بقول شاہ یروشلم ریمنڈ نے اس صلح نامے کے ذریعے پوری عیسائی دنیا کی ناک کٹوا دی تھی...... اور صلیبیوں کے عزت و ناموس کو مصر کے چوراہے پر انتہائی سستے داموں نیلام کر دیا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے ایڈم کہ عیسائی دنیا اس وقت کیسے سنگین سیاسی بحران سے گزر رہی ہے؟'' شاہ یروشلم ریمنڈ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

ریمنڈ کی بات سن کر حاکم طرابلس ایڈم ہمہ تن گوش ہوگیا۔

''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ فرانس کے شہنشاہ لوئیس ہفتم انتقال کر چکے ہیں اور ان کی جگہ فلپ آگسٹس تخت نشین ہوا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ فلپ ایک خالص دنیادار اور عیش پرست شہنشاہ ہے۔ اسے مذہب سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں نے کئی بار اپنے قاصد کو اس پیغام کے ساتھ فرانس بھیجا کہ یروشلم کو سخت مالی معاونت کی ضرورت ہے۔ مگر شہنشاہ فلپ نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ابھی وہ اپنی سلطنت کے انتظامی امور میں بے حد مصروف ہے۔ جب حکومت کے ضروری منصوبے تکمیل تک پہنچ جائیں گے تو یروشلم کی طرف بھی دیکھا جائے گا۔'' یہ کہتے کہتے ریمنڈ کے چہرے پر نفرت اور غصے کا رنگ ابھر آیا۔ ''خداوند خدا شہنشاہ لوئیس سے راضی ہو کہ وہ جب تک زندہ رہے صلیبیوں کی بے پناہ مدد کرتے رہے۔ شہنشاہ فلپ سے میری بڑی امیدیں وابستہ تھیں مگر اس کا طرز عمل دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے شہنشاہ لوئیس کی موت کے بعد یروشلم یتیم ہوگیا ہے۔'' یہ کہہ کر ریمنڈ کچھ دیر کے لئے خاموش ہوگیا۔ اب اس کے چہرے پر فکر و پریشانی کے آثار صاف نظر آ رہے تھے۔

یہ انکشاف سن کر حاکم طرابلس ایڈم بھی بدحواس ہوگیا۔ کیونکہ اس کی ریاست بھی یورپ کے بڑے بڑے شہنشاہوں کی مالی مدد پر قائم تھی۔

''صرف یہی نہیں، شاہ قسطنطنیہ الیکسی دوم بھی ہماری مالی مدد اور فوجی مدد سے ہاتھ کھینچ چکا ہے۔'' شاہ یروشلم ریمنڈ نے دوسرا خوفناک انکشاف کرتے ہوئے کہا۔

اس واقعے کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ قسطنطنیہ کا سابق حکمراں شہنشاہ مینول بھی قبر میں سو رہا تھا اور اب اس کی جگہ تخت نشین ہونے والے شہنشاہ الیکسی دوم کو غیر یورپی عیسائیوں کے معاملات سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ اپنی ذات اور حدود سلطنت میں مگن رہنے والا حکمراں تھا۔ اس کے برعکس مرحوم شہنشاہ مینول نہ صرف انتہائی متعصب عیسائی حاکم تھا بلکہ صلیبی جنگوں کے سلسلوں میں سب سے زیادہ

پرجوش اور سرگرم بھی تھا۔ دوسری صلیبی جنگ میں اس نے اپنے بیشتر وسائل عیسائی افواج کے لئے وقف کر دیئے تھے۔

یہ دونوں اہم ترین واقعات سنانے کے بعد شہنشاہ ریمنڈ نے ایڈم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ ہے وہ سب سے بڑی مجبوری جس کے تحت میں نے صلاح الدین ایوبی سے دو سال کیلئے صلح کر لی ہے۔ عام اسلامی اور عیسائی دنیا اسے صلح ہی سمجھے گی۔ مگر میرے نزدیک یہ ایک عارضی مہلت ہے۔''

''عارضی مہلت؟'' ایڈم فوری طور پر شاہ یروشلم کی بات کا مفہوم سمجھنے سے قاصر رہا تھا۔

''یہ عارضی مہلت اس لئے ہے کہ ہم ایشیائی عیسائی اپنی صفوں کو دوبارہ منظم اور مضبوط کر سکیں۔'' شاہ ریمنڈ نے ''عارضی مہلت'' کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''وہ تو ہم صلیبیوں پر خداوند خدا کا خاص کرم ہے کہ مسلمان حکمراں آپس میں لڑ رہے ہیں...... ورنہ اگر وہ متحد ہو کر ہم پر حملہ کر دیں تو یروشلم (بیت المقدس) بڑی آسانی کے ساتھ ان کے قبضے میں چلا جائے گا اور اس علاقے سے ہم صلیبیوں کا وجود تک مٹ جائے گا۔''

''خیر...... مسلمان اب تو کبھی متحد نہیں ہوں گے۔'' حاکم طرابلس ایڈم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ہم نے ان کی صفوں میں اتنی گہری دراڑ ڈال دی ہے جو کبھی نہیں بھر سکے گی۔''

''ایڈم! اس غلط فہمی میں ہرگز نہ رہنا۔'' ریمنڈ نے پرجوش لہجے میں کہا۔ ''ان کے پاس ایک خاص طلسم ہے جسے استعمال کر کے مسلمان ہاری ہوئی جنگ بھی جیت لیتے ہیں۔''

''کیسا طلسم؟'' ایڈم نے ایک بار پھر چونک کر کہا۔

''اللہ اکبر کا نعرہ......'' شاہ یروشلم ریمنڈ نے جواباً کہا۔ ''یہی وہ طلسم ہے جو مسلمانوں کو کسی بھی وقت متحد کر سکتا ہے۔ سلطان نورالدین زنگی نے اسی طلسم کے ذریعے دوسری صلیبی جنگ میں ناممکن اور ناقابل یقین فتح حاصل کی تھی۔ اگرچہ یہ مبالغہ آرائی ہے لیکن میں نے تو اپنے ہم مذہبوں کی زبانی یہاں تک سنا ہے کہ اس نعرے کے اثر سے مردہ مسلمان سپاہی بھی جی اٹھتے تھے...... اور دوبارہ صلیبیوں کے خلاف جنگ شروع کر دیتے تھے۔'' یہ کہتے کہتے شاہ یروشلم ریمنڈ کے چہرے پر بھی خوف و ہراس کی جھلک نظر آنے لگی تھی۔ ''یہ تو مقدس باپ کی خاص رحمت ہے کہ سلطان نورالدین زنگی جلد ہی مر گیا اور اس کے تمام جانشین مسلمانوں کے اس مخصوص طلسم سے بے خبر ہیں۔ مگر سلطان کا غلام صلاح الدین ایوبی اس طلسم کا استعمال کر کے مسلسل فتوحات حاصل کر رہا ہے۔ بس مجھے اسی سے خطرہ ہے۔ خداوند خدا وہ وقت نہ لائے کہ والیٔ مصر پورے عالم اسلام میں یہ طلسم پھونک دے۔''

حاکم طرابلس ایڈم ریمنڈ کی زبانی یہ انکشافات سن کر حیران ہی نہیں، بہت زیادہ پریشان بھی ہوگیا تھا۔ حالات کے اس پس منظر میں صلاح الدین ایوبی سے صلح کر لینا ایک مناسب اقدام ہی نہیں تھا، ایشیائی عیسائیوں کی اہم ترین ضرورت بھی تھا۔ ''میں شہنشاہ کی ذہانت و فراست کو سلام کرتا ہوں کہ آپ کے تدبر نے صلیبیوں پر سے ایک بہت ہی گراں وقت ٹال دیا۔'' ایڈم نے شاہ یروشلم ریمنڈ کی عاقبت اندیشی اور پیش بینی کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے خوشی ہوئی کہ تم نے کسی جذباتی مظاہرے کے بجائے ہوش مندی کا ثبوت دیا۔" شاہ یروشلم ریمنڈ نے پر جوش لہجے میں کہا۔ "میری آزمائش تو ختم ہوئی۔ مگر اب تمہارا سخت امتحان شروع ہونے والا ہے۔ تم صلیب مقدس کے سائے میں طرابلس واپس جاؤ...... اور اس آگ کو عقل کے چھینٹوں سے بجھاؤ جو فرینکس کے دلوں میں بھڑک رہی ہے...... اور انہیں یقین دلا دو کہ مناسب وقت آتے ہی یہ معاہدہ توڑ دیا جائے گا اور اس کی ابتداء میری طرف سے ہوگی۔"

......﴿......☆......﴾......

ایڈم نے طرابلس واپس جا کر فرینکس کے سالار آرنس کو اپنے محل کے ایک مخصوص کمرے میں بلا کر شاہ یروشلم سے ہونے والی گفتگو کی ساری تفصیلات ظاہر کر دیں۔ سوائے ان باتوں کے جن کو پردۂ راز میں رکھنے کے لئے ایڈم نے صلیب مقدس کی قسم کھائی تھی۔

فرینکس کا سالار آرنس ایڈم سے ہونے والی بات چیت کے دوران میں مکمل طور پر خاموش رہا تھا۔ مگر آہستہ آہستہ اس کی پیشانی پر شکنیں ابھر رہی تھیں۔ جو ناپسندیدگی اور ناگواری کی کھلی علامت تھی۔ پھر جب حاکم طرابلس کی زبان سے آخری الفاظ ادا ہوئے تو سالار آرنس کا پورا ماتھا گہری لکیروں سے بھر گیا تھا۔ پھر اس نے انتہائی تلخ لہجے میں ایڈم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"یا تو آپ ہم فدائین کے جذبات کی شدت کو سمجھ نہیں سکے...... یا پھر شاہ یروشلم کو سمجھا نہیں سکے۔" یہ کہتا ہوا سالار آرنس اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر ابھرے ہوئے ناپسندیدگی کے تاثرات صاف ظاہر کر رہے تھے کہ آرنس نے ریمنڈ اور ایڈم دونوں کی تجاویز کو مسترد کر دیا تھا۔ صلیبی فدائین کے سربراہ کا یہ طرز عمل دیکھ کر ایڈم پریشان ہو گیا اور خود بھی گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

"میں اور شاہ یروشلم یہ چاہتے ہیں کہ فی الوقت جذبات کے بجائے ہوش سے کام لینا چاہئے۔"

ابھی ایڈم کی بات مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ سالار آرنس درمیان ہی میں بول اٹھا۔ "ہم فدائین کے پاس جذبوں کے سوا کچھ نہیں...... اگر آپ ہمارا مطالبہ تسلیم نہیں کرتے تو براہ کرم اسی وقت طرابلس کا تخت چھوڑ دیجئے۔ ہم اس پر کسی ایسے شخص کو لا کر بٹھا دیں گے جو ہمارے جذبات کی زبان سمجھتا ہو۔" یہ کہہ کر سالار آرنس تیزی سے جانے لگا۔

اپنے اقتدار کی بساط الٹتے دیکھ کر حاکم طرابلس بہت تیزی سے آگے بڑھا اور اس نے پیچھے سے اس شخص کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا جو خود اپنی ذات میں محض ایک فدائی تھا۔ مگر اس کی حیثیت ایک بادشاہ گر کی تھی۔ "آرنس! میں تمہارے مطالبے سے سر مو بھی انحراف نہیں کر سکتا۔ اگر تم کہو تو میں دوبارہ یروشلم جا کر شاہ ریمنڈ سے بات کرنے کے لئے تیار ہوں۔" ایڈم کی آواز سے انتہائی عاجزی جھلک رہی تھی۔ جیسے وہ آرنس کا ماتحت ہو...... اور ایک غلام اپنے آقا سے التجا کر رہا ہو۔

فرینکس کا سالار آرنس بڑی شان اور غرور سے مڑا۔ اس کی آنکھوں میں ایک خونخوار چمک تھی جیسے کوئی درندہ اپنے شکار پر جھپٹنے کا ارادہ کر رہا ہو۔ "آپ اپنے عہد پر قائم رہیں۔ میں شاہ یروشلم سے اپنے معاملات خود طے کرلوں گا۔" یہ کہہ کر سالار آرنس شاہانہ انداز میں چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

حاکم طرابلس ایڈم نے سردار آرنس کی خوشامد کر کے وقتی طور پر اپنا اقتدار بچا لیا تھا۔ مگر وہ اس وقت سے خوفزدہ تھا جب اسے شاہ یروشلم اور فدائین کے سالار آرنس میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ کیونکہ دو کشتیوں میں سوار ہونے والوں کا انجام غرقابی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

......﴿......☆......﴾......

یروشلم کے ارباب اختیار کے لئے وہ لمحات بڑے گراں تھے جب سالار آرنس اپنے فوجی دستے کے ساتھ یروشلم کی حدود میں اس شان سے داخل ہوا کہ سرحد کے محافظ سپاہیوں نے آگے بڑھ کر اسے انتہائی پر جوش انداز میں سلامی پیش کی اور اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ صلیبی فدائین ہونے کی وجہ سے تمام عیسائی افواج فرینکس کا دل سے احترام کرتی تھیں۔ جب ریمنڈ نے سالار آرنس کی آمد کی خبر سنی تو وہ بھی گھبرا گیا۔ اس کے شاطر اور عیار ذہن نے فوراً ہی اندازہ کر لیا کہ صورت حال بگڑ گئی ہے...... ورنہ فدائین کا قائد اس طرح خاموشی سے یروشلم میں داخل نہ ہوتا۔ اگرچہ ریمنڈ کو سالار آرنس کی آمد شدید ناگوار گزری تھی لیکن اس نے سیاست کا انتہائی ریاکارانہ حربہ اختیار کرتے ہوئے محل کے دروازے پر آرنس کا استقبال کیا۔

"خوش آمدید...... میرے عظیم مجاہد...... خوش آمدید......" یہ کہہ کر ریمنڈ زبردستی آرنس کے گلے لگ گیا۔ مگر دیکھنے والوں نے یہ بھی دیکھا کہ سالار آرنس کا چہرہ ہر جذبے سے عاری اور ہر تاثر سے خالی تھا۔ وہ ایک چٹان کی طرح سخت نظر آ رہا تھا۔ پھر جب ریمنڈ نے اسے اپنے شبستان خاص میں لے جانا چاہا تو آرنس نے انتہائی بے رخی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں اس وقت آپ کا مہمان نہیں...... اپنے حقیقی شہنشاہ کی عیادت اور دیدار کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ شام ہونے سے پہلے طرابلس واپس چلا جاؤں گا۔" یہ کہہ کر آرنس محل کی طویل راہداری میں آگے بڑھا۔

ریمنڈ اپنے غصے کو سینے میں دبائے انتہائی نفرت آمیز نگاہوں سے سالار آرنس کو دیکھتا رہا۔ اب اسے پورا یقین ہو گیا تھا کہ آرنس ایک نئے طوفان کی علامت بن کر محل میں داخل ہوا ہے۔ اس لئے ریمنڈ فوری طور پر اس طوفان کی تباہی سے بچنے کے لئے اپنے خیالوں میں مضبوط بند باندھنے لگا تھا۔

......﴿......☆......﴾......

پھر سالار آرنس تمام شاہی خاندان کے افراد کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہوا جہاں تخت یروشلم کا حقیقی وارث بالڈون چہارم بستر پر خاموش لیٹا تھا۔ اس وقت بالڈون چہارم کی عمر 19 سال تھی...... یعنی بھرپور شباب کا عالم...... مگر اب بالڈون کے لئے جوانی اور بڑھاپا کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ کیونکہ کوڑھ کا موذی مرض اس کے پورے جسم میں سرایت کر گیا تھا۔ نتیجتاً بالڈون کا چہرہ مسخ ہونے لگا تھا...... اور ہاتھ پاؤں کی انگلیاں گلنی شروع ہو گئی تھیں۔ اس عیب کو چھپانے کے لئے بالڈون کے دونوں ہاتھوں اور پیروں پر ریشمی کپڑوں کی پٹیاں لپیٹ دی گئی تھیں۔

فرینکس کے سالار آرنس نے بڑے والہانہ انداز میں اپنے شہنشاہ بالڈون کو سلامی پیش کی۔

بالڈون بہت خوش ہوا اور بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سالار آرّس چند قدم آگے بڑھا اور اس نے اپنی تلوار بالڈون کے قدموں میں رکھ دی۔ بالڈون فدائین کے قائد کی اس جاں نثارانہ ادا سے بہت خوش ہوا اور اس نے پر جوش انداز میں سالار آرّس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے تمہاری اور تمام فرینکس کی سرفروشی پہ ناز ہے۔'' یہ کہہ کر شہنشاہ بالڈون چہارم اپنی ماں سے مخاطب ہوا۔'' سالار آرّس کو قیمتی انعامات سے سرفراز کیا جائے۔''

''میرے لئے سب سے بڑا انعام یہی ہے کہ تمام فرینکس کے سروں پر تادیر شہنشاہ کے دست مہربان کا سایہ قائم رہے۔'' یہ کہہ کر سالار آرّس نے شہنشاہ بالڈون کے سامنے صلاح الدین ایوبی اور ریمنڈ کے درمیان ہونے والے صلح نامے کی تمام تفصیلات ظاہر کر دیں اور اس کے ساتھ ہی بڑے پرسوز لہجے میں فریاد کرنے لگا۔'' میں اور میرے ساتھی اس شرمناک معاہدے سے اس قدر دلبرداشتہ ہوئے ہیں کہ اس کیفیت کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے میں شہنشاہ کی بخشی ہوئی تلوار واپس کرنے آیا ہوں۔ خداوند خدا ہمارے اس گناہ عظیم کو معاف کرے کہ ہم اس کے پاک مکان (بیت المقدس) کی حفاظت نہیں کر سکتے۔''

سالار آرّس کی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ کسی زلزلے سے کم نہیں تھے۔ شہنشاہ بالڈون چہارم کے ساتھ شاہی خاندان کے تمام افراد پر کچھ دیر کے لئے سکتہ سا طاری ہو گیا۔ پھر جب کچھ دیر بعد سکوت کی یہ کیفیت زائل ہوئی تو شہنشاہ بالڈون کی ماں نے سالار آرّس سے پوچھا۔

''آخر اس ذلت و رسوائی کا ازالہ کیونکر ہو سکتا ہے؟''

''اس صلح نامے کو چاک کر کے صلاح الدین ایوبی کے پاس بھیج دیا جائے۔'' سالار آرّس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔'' اگر ریمنڈ اپنے ہاتھوں سے یہ فریضہ انجام نہیں دیتا تو شہنشاہ اسے برطرف کر کے یروشلم کا نیا نگراں مقرر کریں جو صلیبیوں کی برباد شدہ عزت کو بحال کر سکے۔''

پھر اسی وقت ریمنڈ کو اسی کمرے میں طلب کر لیا گیا۔ ریمنڈ ایک شاطر تھا۔ اس نے سالار آرّس کے بچھائے ہوئے جال کو بڑی آسانی سے کاٹ دیا اور یہ کہہ کر اپنے آپ کو صاف بچا لیا۔

''میں نے جو کچھ کیا، عیسائیت کے مفاد میں کیا۔ اگر شہنشاہ کے نزدیک میری حکمت عملی غلط ہے تو میں اس کا ازالہ کرنا بھی جانتا ہوں۔''

یہ کہہ کر ریمنڈ تیزی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا پھر جب وہ واپس کمرے میں آیا تو اس کے ہاتھ میں صلاح الدین ایوبی سے کئے جانے والے صلح نامے کی دستاویز تھی۔ ریمنڈ تیزی سے آگے بڑھا اور اس نے دستاویز کے ٹکڑے کر کے شہنشاہ بالڈون کے قدموں میں رکھ دیئے۔ جہاں پہلے سے سالار آرّس کی تلوار موجود تھی۔ پھر اس نے بڑے پر جوش لہجے میں بآواز بلند کہا۔'' خاندان شاہی کے عزت و ناموس پر میری عقل، سیاست، تدبر، یہاں تک کہ پوری ذات قربان۔ شہنشاہ میری جگہ کسی دوسرے خادم کا انتخاب کر لیں۔''

یہ کہہ کر ریمنڈ جیسے ہی جانے کے لئے مڑا سالار آرّس نے اسے مخاطب کر کے کہا۔'' اب آپ

کے اور فرینکس کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔ اس چاک شدہ دستاویز کو صلاح الدین ایوبی کے پاس بھجوا دیں اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی تحریر کر دیں کہ صلیبی فدائین کو ایسا کوئی معاہدہ منظور نہیں۔''

ریمنڈ نے بڑی ذہانت سے فرینکس کے سالار آرّس کی چال اسی پر الٹ دی تھی اور اپنا اقتدار بچا لیا تھا۔ پھر اچانک اسے ایک نئے اندیشے نے گھیر لیا۔ صلح نامہ چاک کرنے کا صلاح الدین ایوبی پر کیا ردعمل ہوگا؟ والیٔ مصر اسے اپنی توہین بھی قرار دے سکتا ہے۔ یہ ایک مشکل ترین صورت حال تھی۔ مگر کچھ دیر بعد ریمنڈ کے شاطر ذہن نے اس پیچیدہ مسئلے کا حل بھی تلاش کر لیا۔

''چاک شدہ دستاویز صلاح الدین ایوبی کو بھیجنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟'' ریمنڈ نے مسکراتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں کہا۔'' دستاویز کے یہ ٹکڑے تو شہنشاہ بالڈون اور سالار آرّس کو مطمئن کرنے کیلئے کئے گئے تھے۔ اب والیٔ مصر کو یہ کون بتائے گا کہ یروشلم کے محل میں کیا واقعہ پیش آیا تھا؟''

یہ کہہ کر ریمنڈ نے ایک فاتحانہ قہقہہ لگایا۔ اس نے فرینکس کے سالار کو ہرزاویئے سے شکست دے دی تھی۔ اپنی اس کامیابی کی خوشی میں ریمنڈ نے جی بھر کے شراب پی اور سکون کی گہری نیند سو گیا۔

سالار آرّس کے منصوبے کو ناکام بنانے اور سیاسی چالیں سوچنے میں آدھی سے زیادہ رات گزر گئی تھی۔ اس لئے ریمنڈ دیر تک سونے کا ارادہ رکھتا تھا۔ مگر اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ اچانک ریمنڈ کو محسوس ہوا کہ جیسے کوئی اسے جھنجھوڑ رہا ہے اور زور زور سے کہہ رہا ہے۔'' اٹھو شہنشاہ...... جلدی اٹھو۔''

ریمنڈ کی نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے وہ دوسری طرف کروٹ بدل کر سو گیا۔ ریمنڈ کو اٹھانے والا دوسری طرف آیا اور اب کی بار اس نے زیادہ سختی کے ساتھ جھنجھوڑا۔

''شہنشاہ اٹھ جایئے...... تھوڑی دیر بعد آرام کر لیجئے گا۔''

اس مرتبہ اس شخص کی گستاخانہ حرکت پر ریمنڈ کو شدید غصہ آ گیا...... اور وہ چیختا ہوا اٹھ بیٹھا۔'' یہ کون بے ادب ہے؟ کیا اسے نہیں معلوم کہ شہنشاہ کے آرام میں خلل ڈالنے کی کیا سزا ہے؟'' کچی نیند اور شراب کے اثر سے ریمنڈ کی پلکیں اس قدر بھاری تھیں کہ سامنے کھڑا ہوا شخص اسے ایک سائے کی طرح نظر آ رہا تھا۔

''یہ میں ہوں آپ کی بیوی روزی الیگزنڈر......'' سامنے کھڑی ہوئی ایک خوبصورت عورت نے کہا۔ جس کی عمر بیس اکیس سال سے زیادہ نہیں ہوگی جبکہ ریمنڈ اپنی زندگی کے پچاس سال گزار چکا تھا۔

''تم کسی اور وقت نہیں آ سکتی تھیں؟'' ریمنڈ نے اپنی بیوی کو اس طرح ڈانٹتے ہوئے کہا جیسے محل کی کسی کنیز نے اس کے آرام میں خلل ڈال دیا ہو۔

''مجھے آپ سے کوئی کام نہیں۔'' روزی الیگزنڈر کا لہجہ انتہائی تلخ اور نفرت آمیز تھا۔ اس تلخی اور نفرت کی بس ایک ہی وجہ تھی کہ ریمنڈ نے ایک یتیم و بیسر لڑکی کے ساتھ شادی کر کے اس کی زندگی تباہ کر دی تھی۔ روزی خود بھی ایک کاؤنٹ (نواب) کی بیٹی تھی۔ مگر اس کے ماں باپ مر چکے تھے۔ پھر

کچھ قریبی عزیزداروں نے پیسے لے کر روزی کی شادی اوباش ریمنڈ سے کر دی۔ ریمنڈ نے اپنی ہوس کار فطرت کے مطابق کچھ دنوں تک نوخیز اور حسین بیوی کی ناز برداری کی اور پھر اپنے پرانے راستے پر لوٹ گیا۔ ریمنڈ ایک فریب کار اور بوالہوس انسان تھا۔ اس کی نظر میں مذہبی قوانین اور دوسری اخلاقی قدروں کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ وہ درباری امور سے فارغ ہو کر شراب پیتا اور اپنے عشرت کدے میں خوبصورت مطرباؤں کے دل نشین گیت سنتے...... اور سیم تن رقاصاؤں کا رقص دیکھنے کے بعد وہیں سو جاتا۔ دوسری طرف اس کی شریف النفس اور اعلیٰ خاندانی بیوی روزی الیگزینڈر کمرے میں تنہا پڑی اپنی بدبختی پر آنسو بہاتی رہتی۔ آج جب اس نے عشرت کدے میں آ کر شوہر کو بیدار کیا تو ریمنڈ حسب عادت کسی آقا یا مالک کی طرح برس پڑا۔ مگر روزی الیگزینڈر اب اپنی زندگی سے اس قدر بے زار ہو چکی تھی کہ اس نے شوہر کے غصے کا کوئی تاثر نہیں لیا...... بلکہ چیخنے کے سے انداز میں بولی۔

"شہنشاہ بالڈون کا حکم ہے کہ فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہوں۔" یہ کہہ کر روزی الیگزینڈر تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل گئی۔ اس کے چہرے اور لہجے دونوں سے شوہر کے لئے انتہائی حقارت جھلک رہی تھی۔

اگر کوئی اور موقع ہوتا تو ریمنڈ اپنی بیوی کے اس جارحانہ سلوک پر شدید ردعمل کا اظہار کرتا...... لیکن شہنشاہ بالڈون کا نام سنتے ہی اس کا سارا نشہ ہرن ہو گیا تھا۔ وہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ کچھ بدحواسی اور کچھ شراب کا خمار، دونوں چیزوں نے مل کر اس کے قدموں کو غیر متوازن کر دیا تھا۔ نتیجتاً ریمنڈ لڑکھڑا کر اپنے عشرت کدے کے فرش پر گر پڑا۔ مگر کیونکہ وہاں انتہائی نرم اور دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ اس لئے اس کے کوئی چوٹ نہیں آئی۔ پھر ریمنڈ نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اس نے غسل کرنے کے بجائے صرف ہاتھ منہ دھوئے اور لباس تبدیل کر کے شہنشاہ بالڈون کے کمرے میں پہنچا۔

سالار آرنس نے کہا تھا کہ وہ شام ہونے سے پہلے ہی ٹریپولی (طرابلس) واپس لوٹ جائے گا۔ مگر جب ریمنڈ بالڈون کے کمرے میں پہنچا تو آرنس بھی وہاں موجود تھا اور شہنشاہ کے قریب ہی بڑی شان سے ایک زرنگار کرسی پر بیٹھا تھا۔ فرینکس کے سالار کو دیکھ کر ریمنڈ بری طرح چونکا۔ مگر اس نے اپنے چہرے سے کسی تاثر کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ تیزی سے چند قدم آگے بڑھا۔ پھر گھٹنوں کے بل شہنشاہ بالڈون کے سامنے جھک گیا۔ بالڈون نے اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ ریمنڈ نے بڑے جبر اور کراہیت کے ساتھ اس کوڑھ زدہ ہاتھ کو بوسہ دیا۔ رسم غلامی ادا کرنے کے بعد ریمنڈ سیدھا ہوا اور بآواز بلند اپنی زبان سے مخصوص دعائیہ کلمات ادا کرنے لگا۔

"خداوند خدا کے خاص کرم سے شہنشاہ کی عمر اور اقبال مندی میں اضافہ ہو۔" حالانکہ ریمنڈ شب و روز صرف ایک ہی دعا کرتا تھا کہ جلد از جلد شہنشاہ بالڈون کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے تاکہ اسے صبح و شام کوڑھ زدہ ہاتھوں کو بوسہ دینے سے نجات ملے۔

جیسے ہی ریمنڈ خاموش ہوا، شہنشاہ بالڈون نے اسے مخاطب کر کے کہا۔ "کیا صلاح الدین ایوبی کو صلح کا معاہدہ منسوخ کرنے کی اطلاع دے دی گئی؟"

ریمنڈ نے بالڈون کے اس سوال کو اک عام سی بات سمجھا اور پھر بے نیازانہ انداز میں کہنے لگا۔

"شہنشاہ! ایسی کیا جلدی ہے؟ آج کل میں والیٔ مصر کو اس نئے اقدام کی خبر کر دی جائے گی۔"

"مگر مجھے بہت عجلت ہے۔ اس لئے کہ میرے فدائین اس شرمناک معاہدے کا جواب دینے کے لئے بے قرار و مضطرب ہیں۔ تم اسی وقت نئی دستاویز تیار کرواؤ اور صلح نامے کے ٹکڑے میرے پاس لے کر آؤ۔" شہنشاہ بالڈون کے لہجے سے تحکم بھی نمایاں تھا اور تلخی بھی......

اب ریمنڈ کی سمجھ میں سب کچھ آ گیا تھا۔ یروشلم کے محل میں سالار آرنس کی موجودگی بتا رہی تھی کہ اور کوئی نیا گل کھلنے والا ہے۔ ریمنڈ کے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ بالڈون کے کمرے سے نکل کر چلا گیا۔

پھر جب وہ میر منشی سے نئی دستاویز لکھوا رہا تھا تو اس نے دل ہی دل میں قسم کھائی تھی کہ وہ فرینکس کی سیاسی قوت ختم کر کے ہی دم لے گا۔ کیونکہ صلیبی فدائین کے ہوتے ہوئے یروشلم پر مکمل آزادی کے ساتھ حکومت نہیں کی جا سکتی تھی۔ سیاست بھی عجیب شے ہے کہ وہ ذاتی مفادات کے سامنے کسی حوالے یا رشتے کا لحاظ نہیں کرتی۔ یہ فرینکس کی خوں آشام تلواریں ہی تھیں جو ریمنڈ کو اقتدار میں لائی تھیں۔ ورنہ وہ سلطان نورالدین زنگی کی قید میں پڑا ہوا ایک شکست خوردہ انسان تھا۔ آج وہی ریمنڈ اپنے محسن فرینکس کی بنیادیں کھودنے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔

نئی دستاویز کئی بار لکھی گئی۔ ریمنڈ معاہدہ شکنی کے لئے نرم اور مبہم الفاظ لکھوانا چاہتا تھا تاکہ اس کی طرف سے براہ راست صلاح الدین ایوبی کی مخالفت کا اظہار نہ ہو...... مگر سالار آرنس نے مداخلت کی اور ایسے سخت الفاظ استعمال کرائے جن سے مسلمانوں کی کمزوری اور صلیبیوں کی برتری نمایاں ہوتی تھی۔ پھر شہنشاہ بالڈون نے صلح نامے کے ٹکڑے اور نئی دستاویز اپنے خصوصی قاصد کے ہاتھ مصر روانہ کر دی۔

یہ ریمنڈ کی کھلی ہوئی ذلت اور شکست تھی۔ سالار آرنس نے صلیبی فدائین کی بالادستی ثابت کر دی تھی...... اور ریمنڈ کو بتا دیا تھا کہ وہ فرینکس کی تائید و حمایت کے بغیر کچھ بھی نہیں......

......}......☆......{......

صلاح الدین ایوبی کا دربار آراستہ تھا۔ جس کے در و دیوار اور ساز و سامان سے قدیم شاہانہ تکلفات کے بجائے مسلمانوں کی روایتی سادگی کا اظہار ہو رہا تھا۔ پھر اچانک نقیب نے بلند آواز میں پکار کر کہا۔

"شہنشاہ یروشلم کے سفیر خاص باریابی کی اجازت چاہتے ہیں۔"

عیسائی سفیر کی بے وقت آمد کی خبر سن کر صلاح الدین ایوبی کو حیرت ہوئی تھی۔ مگر اس نے ریمنڈ سے حسنِ ظن برقرار رکھا اور فوری طور پر یروشلم کے قاصد کو دربار میں حاضر ہونے کی اجازت دے دی۔

پھر دیکھنے والوں نے صلیبی سفیر کو دربار مصر میں داخل ہوتے دیکھا۔ اس کی چال سے غرور اور چہرے سے فاتحانہ رنگ جھلک رہا تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے عیسائی قاصد کے اس طرزِ عمل کو شدت سے محسوس کیا اور اپنی ذہانت و فراست سے اندازہ کرلیا کہ سیاسی صورت حال میں کوئی غیر معمولی تبدیلی آگئی ہے۔

اور پھر وہ تبدیلی اس وقت ظاہر ہوگئی جب یروشلم کے سفیر نے صلاح الدین ایوبی کے سامنے صلح نامے کے ٹکڑوں کے ساتھ شہنشاہ بالڈون چہارم کا خط بھی پیش کردیا۔ یہ منظر دیکھ کر حاضرین دربار کا خون کھول اٹھا اور ان کے چہرے غصے سے تمتمانے لگے۔ مگر والیٔ مصر حیرت انگیز طور پر پرسکون نظر آرہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے صلاح الدین ایوبی کے چہرے پر شدید ناگواری کی لہر ابھری تھی۔ مگر اس نے انتہائی قوتِ برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ناگواری کی اس طوفانی لہر کو نرم رو مسکراہٹ میں تبدیل کردیا تھا۔ پھر والیٔ مصر نے باوقار لہجے میں عیسائی سفیر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''اپنے ماضی کے تجربات کی روشنی میں، میرے لئے یہ کوئی تعجب خیز عمل نہیں ہے۔ شاید ہی تمہارا ایسا کوئی حکمراں ہو جس نے اپنے وعدے کا پاس اور معاہدے کا احترام کیا ہو۔ پھر بھی اپنے بادشاہ سے کہہ دینا کہ اسلام کا مطلب ہی سلامتی ہے اور اس کے ماننے والے صلح و امن کے سفیر و نقیب ہیں۔ ہم نے اپنی طرف سے حجت تمام کردی۔ شاہ یروشلم با اختیار تھے۔ اس لئے انہوں نے ایک کاغذ کے ٹکڑے کرکے اپنی طاقت کا مظاہرہ کردیا۔'' بظاہر صلاح الدین ایوبی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمایاں تھی مگر اس کے ایک ایک لفظ میں انتہائی طنز پوشیدہ تھا۔ ''ہم اللہ کی زمین پر امن قائم کرنے کے لئے آئے ہیں۔ فی الحال تو تمہاری طرف سے یہ معاہدہ توڑ دیا گیا...... لیکن اگر آئندہ شاہ یروشلم نے ہماری جانب صلح کا ہاتھ بڑھایا تو ہم خوشدلی کے ساتھ اس کا خیر مقدم کریں گے۔''

یہ سن کر عیسائی سفیر کے چہرے پر جوش و مسرت کا ایسا رنگ ابھر آیا جیسے صلیبیوں نے کسی بڑے معرکے میں مسلمانوں کو شکست دے دی ہو۔ پھر دربار سے رخصت ہوتے وقت یروشلم کے قاصد کی رفتار کا انداز پہلے سے زیادہ مغرورانہ ہوگیا تھا۔ جیسے وہ مصر کی سرزمین کو اپنے قدموں سے پامال کرتا ہوا گزر رہا ہو۔ ایک بار پھر حاضرین دربار کے چہروں سے شدید نفرت و غضب کا رنگ جھلکنے لگا تھا۔

آخر ایک مصری سالار سے برداشت نہیں ہوسکا تو وہ اپنی نشست پر کھڑا ہوگیا اور صلاح الدین ایوبی کو مخاطب کرکے کہنے لگا۔ ''امیر محترم! ہمارے لئے یروشلم کا یہ ذلت آمیز رویہ ناقابل برداشت ہے۔'' مصری سالار کا لہجہ مؤدبانہ تھا مگر چہرے کا رنگ بگڑا ہوا تھا۔

صلاح الدین ایوبی نے اپنے سالار کی طرف دیکھا اور پھر تمام حاضرین دربار پر ایک نظر ڈالی۔ ہر چہرہ ایک ہی احساس کی ترجمانی کررہا تھا۔ ''میں اپنے جانبازوں کے جذبات کو خوب سمجھتا ہوں۔'' صلاح الدین ایوبی کی باوقار آواز دربار میں گونجی۔

ابھی والیٔ مصر کی بات مکمل ہونے بھی نہیں پائی تھی کہ اس کا چھوٹا بھائی ملک عادل اپنی نشست پر کھڑا ہوگیا۔ ''تو پھر امیر محترم ہمیں حکم دیں کہ ہم نیا جنگی محاذ کھول دیں اور پھر اپنی اس توہین کا بدلہ

لینے کے لئے کسی عیسائی ریاست کے ٹکڑے ٹکڑے کردیں۔''

صلاح الدین ایوبی نے مسکراتے ہوئے چھوٹے بھائی کی طرف دیکھا۔ ''بیٹھ جاؤ ملک عادل...... سکون سے بیٹھ جاؤ...... اسلام میں غصہ حرام ہے۔ ہم اس وقت دشمن کے ساتھ حالت جنگ میں ہیں...... اور غصہ کرنے والا سپاہی کبھی اپنے صحیح ہدف کو تلاش نہیں کرسکتا۔'' یہ کہہ کر والیٔ مصر تخت سے اٹھا اور تیز قدموں کے ساتھ دربار سے نکل گیا۔

صلاح الدین ایوبی کے چلے جانے کے بعد بھی دربار میں موجود تمام امراء اور سالار آپس میں سرگوشیاں کرتے رہے۔ کسی کو بھی عیسائی سفیر کے ساتھ والیٔ مصر کا یہ نرم رویہ پسند نہیں آیا تھا۔ یہاں تک کہ صلاح الدین ایوبی کے دونوں چھوٹے بھائی ملک عادل اور ملک تقی الدین عمر بڑے بھائی کے اس فیصلے سے اختلاف رکھتے تھے۔ تمام حاضرین دربار کو خاص طور پر صلاح الدین ایوبی کا وہ جملہ ناگوار گزرا تھا، جب اس نے یروشلم کے سفیر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس صلح نامے کی منسوخی کے باوجود اگر آئندہ بھی شاہ یروشلم ہماری طرف صلح کا ہاتھ بڑھائیں گے تو ہم اس کا خیر مقدم کریں گے۔ تمام سالاروں اور امیروں کا خیال تھا کہ والیٔ مصر کو شاہ یروشلم کے گستاخانہ خط کے جواب میں ایک ایسا خط تحریر کرنا چاہئے تھا جس کا ایک ایک لفظ قہر و غضب کی عکاسی کرتا ہو...... مگر اب اس کا وقت گزر چکا تھا۔ مجبوراً تمام اہم منصب داروں نے اپنے امیر کے آگے اطاعت و فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے سر تسلیم خم کردیا اور پھر آہستہ آہستہ ان کے مشتعل جذبات بھی سرد پڑ گئے۔

......{......☆......}......

پھر جب عیسائی سفیر واپس یروشلم پہنچا اور اس نے تمام صورت حال بیان کی تو شہنشاہ بالڈون چہارم اور سالار آرنس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔ وہ ابھی تک یروشلم ہی میں مقیم تھا اور قاصد کی واپسی کا انتظار کررہا تھا۔ جب قاصد نے صلاح الدین ایوبی کے آخری الفاظ دہرائے تو صلیبی فدائین کے قائد نے عیسائیوں کا مخصوص دعائیہ نعرہ لگایا۔

''اے خداوند خدا...... اپنے بندوں پر صلیب مقدس کا سایہ ہمیشہ قائم رکھ......''

یہ کہہ کر سالار آرنس نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ ریمنڈ کی طرف دیکھا۔ ''اگر میں ایسا نہ کرتا تو صلاح الدین ایوبی کے حوصلے اور بڑھ جاتے۔ اس لئے ابتدا ہی میں اس کی ہمت شکنی بہت ضروری تھی۔ اب مجھے یقین ہے کہ آئندہ وہ کسی عیسائی علاقے پر حریصانہ نظر نہیں ڈالے گا۔''

ریمنڈ سالار آرنس کے طنزیہ خطاب پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا رہا۔ مگر زبانی طور پر اس کے اس جرأت مندانہ اقدام کی تعریف کرتا رہا۔ ''بے شک...... تمہارے ہی دم سے ایشیائے کوچک میں صلیبیوں کا وقار قائم ہے۔ خداوند خدا تمہارے سرفروشانہ جذبوں میں اور اضافہ کرے۔'' ریمنڈ نے سیاسی مصلحت سے کام لیتے ہوئے سالار آرنس کے منہ پر اس کی تعریف کی حالانکہ وہ طے کرچکا تھا کہ موقع ملتے ہی اپنے اس حریف کا کام تمام کرڈالے گا۔

سالار آرنس ایک بے حد جذباتی اور جنونی فدائی تھا۔ شہنشاہ بالڈون چہارم کے سامنے ریمنڈ کو نیچا

دکھا کر اسے بے حد مسرت حاصل ہوئی تھی۔ پھر وہ اسی نشے سے سرشار طرابلس واپس چلا گیا۔ یہاں کا حاکم پہلے ہی فرینکس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا۔ جب اس نے سالار آرس کے اس عظیم الشان کارنامے کی تفصیلات سنیں تو وہ کسی غلام کی طرح اس کے آگے جھک گیا۔

......}......☆......{......

موصل کے نئے حاکم عزالدین مسعود نے اپنے درباریوں کو خوش کرنے کے لئے اپنے بڑے بھائی سیف الدین کی موت پر صلاح الدین ایوبی کی تعزیت قبول نہیں کی تھی اور مصر کے سفیر کو ذلیل کر کے دربار سے نکال دیا تھا...... مگر حقیقتاً وہ صلاح الدین ایوبی سے بہت خوفزدہ تھا۔ اس خوف سے نجات حاصل کرنے کے لئے اس نے فوری طور پر اپنا قاصد یروشلم روانہ کیا اور اتحاد ثلاثہ (موصل، حلب، یروشلم) کے معاہدے کی تجدید کرنی چاہی۔ کیونکہ مرج العیون، قلعہ یعقوب، کیفا، الحنا کر اور دیگر ساحلی شہروں پر صلاح الدین ایوبی کے قبضے نے عزالدین مسعود کو ذہنی دہشت میں مبتلا کر دیا تھا۔ اگر حاکم موصل اپنے زیر اقتدار علاقوں پر قناعت کرتا اور عیسائیوں سے ساز باز نہ کرتا تو صلاح الدین ایوبی کی طرف سے اس کی حکومت کو کبھی کوئی خطرہ ہی لاحق نہ ہوتا۔ والیٔ مصر تو اتنا اعلیٰ ظرف انسان تھا کہ زنگی خاندان کے تمام افراد کی گالیاں کھانے اور طعنے سننے کے بعد بھی انتقامی روش اختیار نہیں کی۔ اس کے برعکس سلطان ملک صالح اور عزالدین مسعود کی بے ضمیری کا یہ عالم تھا کہ اپنے دینی بھائی کو تباہ و برباد کرنے کے لئے دشمنان اسلام کی چوکھٹ پر ماتھے رگڑتے رہتے تھے۔

ایک بار پھر عزالدین مسعود نے اسی شرمناک بے حسی اور بے غیرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شاہ یروشلم کی خدمت میں ایک گداگرانہ درخواست پیش کرتے ہوئے لکھا تھا۔ "مجھے یقین ہے کہ ہمارے اور آپ کے درمیان دوستی کا یہ رشتہ تاحیات قائم رہے گا۔"

حاکم موصل عزالدین مسعود کا خط پڑھ کر ریمنڈ کے عیار و شاطر ذہن نے کروٹ لی۔ اس کا دمشق پر قبضہ کرنے کا منصوبہ ناکام ہو چکا تھا۔ جس کا ریمنڈ کو بے حد افسوس تھا۔ موصل کے نئے حکمراں عزالدین مسعود کا خط پڑھ کر اس نے اندازہ کر لیا کہ اپنے بڑے بھائی سیف الدین کی طرح وہ بھی بزدل ہے اور صلاح الدین ایوبی کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔ ریمنڈ نے دل ہی دل میں خداوند خدا کا شکر ادا کیا کہ قدرت نے اسے سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے خاندان سے انتقام لینے کا ایک اور موقع فراہم کر دیا تھا۔ ہر زاویئے سے صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد ریمنڈ نے عزالدین مسعود کے خط کا جواب تحریر کیا جس کے ایک ایک لفظ میں فتنہ و مکاری بھری ہوئی تھی۔

"سب سے پہلے میں آپ کو موصل کی تخت نشینی پر دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اگر میں ذاتی مسائل میں الجھا نہ ہوتا تو بہ نفس نفیس موصل پہنچ کر جشن تاج پوشی میں شریک ہوتا۔ بہرحال میری تمام تر دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اس کے ساتھ ہی میں یہ حقیقت پسندانہ اعتراف کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے اور آپ کے درمیان پہلے سے کسی قسم کی افہام و تفہیم نہیں ہے...... اور یہ ایک فطری عمل ہے کہ قریب آئے بغیر ہم ایک دوسرے کو مکمل طور پر نہیں سمجھ سکتے۔ آپ کے

مرحوم بھائی سیف الدین کی بات ہی کچھ اور تھی۔ وہ میری فطرت شناس تھے اور میں ان کا مزاج آشنا...... خداوند خدا انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ وہ ایک قابل اعتماد دوست تھے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ میرے دشمن یا بدخواہ ہیں...... بلکہ اس مسلمہ حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہوں کہ دوستی اور اعتبار قائم ہونے میں کچھ دیر لگتی ہے۔"

نگراں شاہ یروشلم ریمنڈ کا خط پڑھ کر والیٔ موصل عزالدین مسعود پریشان ہو گیا...... اور پھر اس نے وقت ضائع کئے بغیر دوسرا خط تحریر کر کے اپنے قاصد کو اسی دن یروشلم روانہ کر دیا۔

ریمنڈ کو یقین تھا کہ موصل کا سفیر بہت جلد یروشلم واپس آئے گا۔ مگر اسے یہ توقع نہیں تھی کہ اس کی تحریر عزالدین مسعود پر اس قدر جلد اثر کر جائے گی۔ موصل کے قاصد کو دوبارہ اپنے مخصوص کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر ریمنڈ نے اندازہ کر لیا تھا کہ عزالدین مسعود واقعی بہت زیادہ ضرورت مند تھا۔

پھر جیسے جیسے ریمنڈ والیٔ موصل کا طویل خط پڑھتا گیا، اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ تیز تر ہوتی چلی گئی۔ ایسی مسکراہٹ جس سے کامیابی کا واضح رنگ جھلک رہا تھا۔ عزالدین مسعود نے ریمنڈ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا۔

"میں نے تخت موصل پر بیٹھنے سے پہلے حلف اٹھایا تھا کہ برادر بزرگ سیف الدین مرحوم کے نقش قدم پر چلوں گا...... اور وہ سارے عہد و پیمان نبھاؤں گا جو میرے مرحوم بھائی نے کئے تھے۔ اس لئے میری بات پر یقین کیا جائے کہ میں سابق والیٔ موصل کی طرح آپ کا قابل اعتماد دوست ثابت ہوں گا۔"

نگراں شاہ یروشلم ریمنڈ نے عزالدین مسعود کا خط بند کر دیا اور اپنے خادم خاص کو طلب کر کے کہا۔ "یہ ہمارے مہمان خاص ہیں۔" ریمنڈ نے موصل کے سفیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "انہیں شاہی مہمان خانے میں ٹھہراؤ...... اور نہایت پرتکلف انداز میں ان کی تواضع کرو۔ پھر جب یہ واپس جائیں تو اہل موصل سے کہہ سکیں کہ یروشلم اپنے دوستوں پر کس طرح مہربان ہوتا ہے۔"

پھر جب موصل کا سفیر خادم خاص کے ساتھ کمرے سے چلا گیا تو ریمنڈ نے شراب کا ایک جام لبریز کیا اور گھونٹ گھونٹ کر کے پینے لگا۔ بظاہر وہ شراب پی رہا تھا مگر اس کا شاطر ذہن مسلسل اس تدبیر کے بارے میں سوچ رہا تھا جس کے ذریعے مسعود جیسے بزدل اور احمق حکمراں کو زیر دام لایا جا سکے۔

اگرچہ عزالدین مسعود اپنے خوف و دہشت کی وجہ سے "اتحاد ثلاثہ" کے برقرار رکھنے کے لئے اپنے بڑے بھائی سیف الدین مرحوم سے کہیں زیادہ پرجوش نظر آ رہا تھا...... لیکن ریمنڈ کے خیال میں اب اتحاد ثلاثہ ایک بے مقصد اور بے مصرف معاہدہ تھا۔ کیونکہ اسی معاہدے کے دوران ریمنڈ نے صلاح الدین ایوبی سے کئی محاذوں پر شکست فاش کھائی تھی...... اور کئی اہم علاقے اس کے قبضے سے نکل گئے تھے۔ ان معرکہ آرائیوں کے دوران میں حلب اور موصل نے اس کی کوئی فوجی مدد نہیں کی

تھی...... بس اتنا وعدہ کیا تھا کہ جب صلیبی لشکر دمشق پر حملہ آور ہوگا تو دونوں ریاستیں ریمنڈ کے سپاہیوں کو اپنے علاقے سے بے روک ٹوک گزرنے دیں گی اور پھر جب دمشق پر صلیبی فوج کا قبضہ ہو جائے گا تو وہ اس تسلط کو قانونی طور پر تسلیم کرلیں گی۔ یہ ایک جامع منصوبہ تھا جس کی کامیابی میں ریمنڈ کو ذرہ برابر بھی شک نہیں تھا۔ مگر اس کا کیا علاج کہ قدرت نے ریمنڈ کی ساری تدبیریں اسی پر الٹ دی تھیں۔ وہ صلاح الدین ایوبی کے علاقے پر تصرف حاصل کرنے کے بجائے' اپنے ہی کئی حساس اور اہم علاقوں سے محروم ہو چکا تھا۔ اس صورت حال کے پیش نظر ریمنڈ نے اپنے ذہن سے ''اتحادِ ثلاثہ'' کا تصور اس طرح نکال پھینکا تھا کہ جیسے کبھی اس کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔

پھر بہت غور و فکر کے بعد ریمنڈ نے ایک نہایت ہی خوفناک چال چلی۔ اس نے والیٔ موصل عزالدین مسعود کو صاف صاف لکھا۔

''اتحادِ ثلاثہ اس وقت کی ضرورت تھی۔ اب صورت حال کا تقاضا کچھ اور ہے۔ میں والیٔ حلب سلطان ملک صالح کو قابل اعتبار نہیں سمجھتا۔ ایک تو سیف الدین مرحوم کا حوالہ، دوسرے تمہاری مخلصانہ تحریر جسے پڑھ کر میں بہت متاثر ہوا ہوں۔ میری طرح تم بھی صلاح الدین ایوبی کے توسیع پسندانہ ارادوں سے بے خبر نہیں ہو۔ آج نہیں تو کل، وہ موصل اور حلب کی طرف ضرور بڑھے گا۔ اگر تم اپنی ریاست کی مکمل حفاظت چاہتے ہو تو میں اس کا مستقل بندوبست کرسکتا ہوں۔ مگر اس کی ایک ہی صورت ہوگی کہ ان خدمات کے صلے میں تم ایک لاکھ دینار سالانہ ادا کرو گے...... اور دونوں ریاستوں کے درمیان باقاعدہ ایک تحریری معاہدہ عمل میں لایا جائے گا۔''

ریمنڈ کی اس چال میں کئی نکتے پوشیدہ تھے۔ پہلا یہ کہ شاہ یروشلم جس رقم کو خدمات کا صلہ قرار دے رہا تھا، دراصل وہ ایک قسم کا خراج تھا۔ اگر عزالدین مسعود اس پر راضی ہو جاتا تو دوسری چھوٹی اسلامی ریاستوں پر بھی صلیبیوں کی دہشت طاری ہو جاتی۔ اس چال میں ایک یہ راز بھی پنہاں تھا کہ معاہدے کی صورت میں فرینکس (صلیبی فدائین) موصل میں داخل ہو جائیں...... اور کسی بھی وقت عزالدین مسعود کا اقتدار ختم کیا جاسکتا تھا...... اور آخری صورت یہ تھی کہ اگر صلاح الدین ایوبی موصل پر حملہ آور ہوتا تو مسلمانوں کے ساتھ فرینکس بھی ہلاک ہو جاتے اور پھر ریمنڈ کو صلیبی فدائین سے ہمیشہ کے لئے نجات مل جاتی۔

......}......☆......{......

پھر جب ریمنڈ کا یہ انتہائی پیچیدہ اور پُرفریب خط موصل پہنچا تو عزالدین مسعود بدحواس ہوگیا۔ اگر وہ ریمنڈ کا مطالبہ مان کر ایک لاکھ دینار ادا کرنے کا معاہدہ کرلیتا تو مالی نقصان کے علاوہ ایک عیسائی ریاست کا خراج گزار بن کر رہ جاتا۔ جو ایک نہایت ذلت آمیز اور شرمناک عمل ہوتا۔ بہت ممکن تھا کہ جب یہ رسوا کن خبر عوام میں پہنچتی تو وہ بھی اپنے حکمراں سے بدگمان ہو کر بغاوت پر اتر آتے اور اگر عزالدین مسعود شاہ یروشلم کی پیشکش ٹھکرا دیتا تو ریمنڈ پہلے ہی درپردہ اپنے خط میں یہ دھمکی دے چکا تھا کہ اتحادِ ثلاثہ ختم ہو چکا ہے...... اور اس صورت میں وہ صرف صلاح الدین ایوبی کے

رحم و کرم پر رہ جاتا۔

مسئلہ اس قدر الجھ چکا تھا کہ اس نے والیٔ موصل کی نیندیں حرام کردی تھیں اور سلامتی کا کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا۔ بالآخر عزالدین مسعود نے اپنے خاص خاص امراء کا خفیہ اجلاس طلب کرلیا...... اور ان کے سامنے تمام صورت حال پوری تفصیل کے ساتھ بیان کردی۔ والیٔ موصل کا خیال تھا کہ اس کے سارے امراء نفرت و حقارت کے ساتھ شاہ یروشلم ریمنڈ کی اس پیشکش کو مسترد کردیں گے۔ مگر اس وقت عزالدین مسعود کی حیرت کی انتہا نہ رہی، جب سارے امراء نے ایک عیسائی حکمراں کی اس تجویز کی پرجوش حمایت کردی۔

''سیاست اسی کا نام ہے کہ ہر قیمت پر اپنے آپ کو ہلاکت سے بچایا جائے۔'' موصل کے ایک امیر بلقان نے بلند آواز میں کہا۔ ''وقت ہمیشہ ایک رفتار سے آگے نہیں بڑھتا۔ گرمی کے بعد سردی کا موسم آنا لازمی ہے۔ ہمیں کسی نہ کسی طرح اس قیامت خیز گرمی کو گزار دینا چاہئے۔ پھر اچھا موسم آتے ہی اس معاہدے کو توڑا بھی جاسکتا ہے۔ فی الوقت تو ہمیں اس تیز دھوپ میں ایک سائبان کی ضرورت ہے۔

پھر جیسے ہی امیر بلقان خاموش ہوا، دوسرا امیر شارب بول اٹھا۔ ''اس غاصب صلاح الدین سے محفوظ رہنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم طاقتور حلیف تلاش کریں...... اور اس پورے علاقے میں شاہ یروشلم سے زیادہ طاقتور کوئی دوسرا حاکم نہیں۔'' امیر شارب نے گھما پھرا کر امیر بلقان کی تعریف کردی تھی۔

پھر اس خفیہ اجلاس میں موجود تمام امراء نے ایک ایک کر کے شاہ یروشلم ریمنڈ کی پیش کردہ تجویز کو وقت کی اہم ترین ضرورت قرار دے دیا۔ اس طویل گفتگو کے دوران میں بس ایک ہی شخص ایسا تھا جو حیرت و اذیت کے ساتھ عزالدین مسعود کے تمام مشیروں کے چہرے دیکھ رہا تھا...... اور یہ امیر مہدی تھا، انتہائی شجاع اور مدبر......

امیر مہدی کو خاموش پا کر عزالدین مسعود نے اس کی طرف دیکھا۔ ''امیر مہدی! تم نے کوئی مشورہ نہیں دیا؟''

امیر مہدی بڑے باوقار انداز میں اپنی نشست پر کھڑا ہوا۔ ایک نظر اجلاس میں تمام امراء پر ڈالی اور پھر بہت غم زدہ لہجے میں والیٔ موصل سے مخاطب ہوا۔ ''عزت مآب! جب آپ کے سارے مشیرانِ خاص ایک ہی رائے رکھتے ہیں تو پھر میرے خیالات کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔'' امیر مہدی کی زبان سے ادا ہونے والا ایک ایک لفظ کرب میں ڈوبا ہوا تھا۔

''پھر بھی ہم تمہاری رائے جاننا ضروری سمجھتے ہیں۔'' عزالدین مسعود نے نرم لہجے میں کہا۔

امیر مہدی چند لمحوں تک کھوئی کھوئی نظروں سے والیٔ موصل کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر چند قدم آگے بڑھا اور کمر سے اپنی تلوار کھول کر عزالدین مسعود کے پیروں کے قریب رکھ دی۔ امیر مہدی کے اس طرزِ عمل سے کمرے کی فضا پر گہرا سناٹا چھا گیا۔ ہر امیر اپنی اپنی جگہ شدید حیرت میں مبتلا تھا۔

خود عزالدین مسعود بھی اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور اس نے انتہائی مضطرب لہجے میں اپنے معزز سالار سے پوچھا۔ ''امیر مہدی! یہ کیا ہے؟''

''یہ شمشیر مجھے سلطان عادل نے عطا کی تھی۔'' امیر مہدی نے بہت افسردہ لہجے میں کہا۔

''تو پھر سلطان عادل کی اس نشانی کو اپنے جسم سے الگ کیوں کر رہے ہو؟'' والیٔ موصل عزالدین مسعود کی حیرت ابھی تک برقرار تھی۔

''میں سمجھتا ہوں کہ اب میرا نحیف و لاغر جسم اس امانت کے بارگراں کو اٹھانے کے قابل نہیں رہا۔'' اگرچہ امیر مہدی کے لہجے سے اب بھی گہری اُداسی جھلک رہی تھی لیکن پھر بھی اس کے طرز ادا میں ایک سپاہیانہ شان تھی۔ ''جب کسی سپاہی کو شمشیر دی جاتی ہے تو درپردہ اس سے ایک حلف بھی لیا جاتا ہے کہ وہ جان دے کر بھی اپنے مذہب اور ملک و ملت کی حفاظت کرے گا۔ مگر میں بصد حسرت و یاس اپنا حلف توڑ رہا ہوں کہ اس حلف کو توڑے بغیر وہ بات کہی نہیں جا سکتی، جسے آپ سننا نہیں چاہتے۔''

عزالدین مسعود کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ ''امیر مہدی! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم مبہم اور الجھی ہوئی گفتگو سننا پسند نہیں کرتے۔'' والیٔ موصل کا لہجہ سخت تھا۔

''اسی لئے میں خود کو آپ کی ملازمت سے آزاد کر رہا ہوں جو ایک غلامی بن کر رہ گئی ہے۔''

''اس کے بعد کیا کرو گے؟'' عزالدین مسعود کا لہجہ کچھ اور سخت ہو گیا تھا۔

''اب میں سلطان عادل کے نمک کا حق ادا کروں گا۔'' امیر مہدی کے لہجے سے کرب جھلک رہا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی استقامت و شجاعت بھی نمایاں تھی۔ ''امیر محترم کو یاد ہوگا کہ پہلے میں دربار حلب کا ملازم تھا۔ مگر جب سلطان ملک صالح خوشامدی امیروں کے نرغے میں گھر گئے تو میں اس امید پر موصل چلا آیا کہ شاید یہاں میرے سپاہیانہ اور سرفروشانہ جذبات کی تسکین ہو سکے۔ مگر میں اسے اپنی بدقسمتی کہوں یا گردش وقت کا نام دوں کہ یہاں بھی وہی تماشا ہو رہا ہے۔ میں ایک سال سے خاموشی کے ساتھ مسلسل اس بات کا جائزہ لے رہا ہوں کہ صلاح الدین ایوبی کا کوئی قدم بھی ملت اسلامیہ کے مفاد کے خلاف نہیں ہے۔ اگرچہ سلطان عادل کے خاندان کا ہر فرد اس مردِ مومن کو غلام زادہ، غاصب اور نمک حرام قرار دیتا ہے لیکن اولاد زنگی کے ساتھ اس کا ہر عمل خادمانہ ہے...... ہر بار......''

ابھی امیر مہدی کی گفتگو ناتمام تھی کہ والیٔ موصل جوش غضب میں چیخ اٹھا۔ ''امیر مہدی! تمہیں اس بات کا ہوش ہے کہ تم کس جرم کے مرتکب ہو رہے ہو۔''

''عزت مآب! میں اپنے پورے ہوش و حواس میں ہوں۔'' اچانک امیر مہدی کا لہجہ بے نیازانہ ہو گیا تھا۔ ''آپ میرے جس جرم کی نشاندہی کر رہے ہیں، اسے سیاست کے مذہب میں ایسا گناہ عظیم تصور کیا جاتا ہے کہ جس کی معافی نہیں ہوتی...... پہلے میں نے اپنی سزا منتخب کی ہے۔ پھر زبان کھولی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ آج کے بعد میں نہیں بولوں گا۔ مگر میری درخواست ہے کہ مجھے اپنی

بات مکمل کر لینے دیں...... تاکہ دربار موصل کے در و دیوار گواہ رہیں کہ سلطان عادل کے ایک ادنیٰ خادم نے حق نمک کس طرح ادا کیا تھا؟''

''تمہارے گناہ کی سزا تو مقرر کی جا چکی ہے۔ مگر ہم اپنے شاہانہ اختیار و قدرت کی آبرو رکھتے ہوئے تمہیں چند سانسیں بخشتے ہیں تاکہ تم اپنی بات مکمل کر سکو۔''

''عزت مآب! اس عنایت کا بے حد شکریہ کہ آپ نے مجھے میری بات مکمل کرنے کا موقع دیا...... رہا سانسوں کا معاملہ تو وہ قدرت کے یہاں شمار کی جا چکی ہیں۔ ان میں آپ اضافہ کر سکتے ہیں اور نہ کمی......'' اس طویل اجلاس کے دوران میں پہلی بار امیر مہدی کے ہونٹوں پر ایسا تبسم نمایاں ہوا جس میں گہرا اطمینان اور سکون شامل تھا۔ پھر وہ اپنے ان ساتھی امراء سے مخاطب ہوا جو شاہ یروشلم ریمنڈ کی پیش کردہ تجویز کی نہ صرف حمایت کر رہے تھے...... بلکہ اس معاہدے کو وقت کی اہم ترین ضرورت بھی قرار دے رہے تھے۔ ''میرے نادان ساتھیو...... جب قرآن کریم میں واضح طور پر اس امر کی نشاندہی کی جا چکی کہ یہود و نصاریٰ ہمارے دوست ہو ہی نہیں سکتے تو پھر تم کس امید پر شاہ یروشلم کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہے ہو؟ تم ان اہل ایمان کو دھوکا دے رہے ہو جنہوں نے تم پر اعتبار کر کے تمہاری امارت کو تسلیم کیا یا پھر معاذ اللہ احکام خداوندی کا مذاق اڑا رہے ہو؟'' یہ کہتے کہتے امیر مہدی کا لہجہ انتہائی تلخ اور تند و تیز ہو گیا تھا۔ ''کیا روئے زمین پر بسنے والے تمام کلمہ گو مر چکے ہیں، جو تم موصل کے دفاع کے لئے اپنے بدترین دشمنوں کو صدائیں دے رہے ہو۔ کیا دنیا کا کوئی ہوش مند انسان قزاقوں اور لٹیروں کو اپنے گھر کی نگہبانی پر متعین کر سکتا ہے۔ اگر موصل کا خزانہ، اس قدر لبریز ہو چکا ہے کہ اس میں مزید دولت رکھنے کی جگہ باقی نہیں رہی ہے تو پھر خدا کے لئے یہ رقم موصل کے ان غیرت مند مسلمانوں میں تقسیم کر دو جو ریاست کی حفاظت کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے۔''

یہ کہہ کر امیر مہدی نے اپنا زاویہ تبدیل کیا اور والیٔ موصل عزالدین مسعود کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مخاطب ہوا۔ ''اے سلطان عادل کے لائق احترام وارث! اپنے عظیم بزرگوں کے انتہائی قیمتی ورثے کو غیروں کے ہاتھ اتنے سستے داموں فروخت نہ کریں کہ اہل ایمان کی آنے والی نسلیں ہمارا نام لے کر لعنت بھیجیں...... اور ہماری قبروں پر آ کر تھوکیں اور اپنے بچوں کو بتائیں کہ یہ سو رہے ہیں، وہ ننگ دین و ملت جنہوں نے کثیر تعداد میں ہوتے ہوئے بھی غلامی کی دستاویز پر دستخط کئے اور ایشیائے کوچک کے مٹھی بھر عیسائیوں کو خراج ادا کیا۔''

امیر مہدی نے بے مثال جرأت اظہار سے کام لیتے ہوئے عزالدین مسعود اور اجلاس میں شریک ہونے والے ایک ایک امیر کے چہرے سے منافقت و ریاکاری کا نقاب نوچ پھینکا تھا۔

شراب اور عورت کے رسیا اور بے ضمیر امراء ایک غیرت مند اور دیانتدار انسان کی حقیقت بیانی کو کس طرح برداشت کر سکتے تھے؟ امیر بلقان اور امیر شارب جو عزالدین مسعود کے بہت منہ چڑھے تھے، طیش میں آ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ دوسرے امراء نے بھی ان دونوں کی تقلید کی۔ ''سلطان ذیشان! ہم جاں نثاران سلطنت اس سے زیادہ اپنی توہین برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہمیں

اجازت دیجئے۔"

سیف الدین مرحوم، عزالدین مسعود اور سب سے چھوٹے بھائی عماد الدین کی یہ دلی خواہش تھی کہ لوگ انہیں بھی سلطان نورالدین زنگی کی طرح سلطان کے لقب سے پکاریں۔ مگر یہ اسی وقت ممکن تھا کہ سلطان ملک صالح مرجاتا اور سلطان عادل کے تمام علاقے ان کے قبضے میں آ جاتے۔ امیر بلقان اور امیر شارب جیسے خوشامدی درباریوں نے عزالدین مسعود کی اس کمزوری کو خوب سمجھ لیا تھا۔ اس لئے وہ عزالدین مسعود کو سلطان ذیشان کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ والیٔ موصل کے نفس کو اس لقب سے بہت تسکین ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے وہ ان خوشامدی امراء کی ہر جائز و ناجائز بات مان لیتا تھا۔

اس سے پہلے کہ عزالدین مسعود امیر بلقان، امیر شارب اور دیگر امراء کے شدید احتجاج پر اپنا ردعمل ظاہر کرتا، امیر مہدی بلند اور باوقار انداز میں بول اٹھا۔ "جانا تو مجھے ہے...... آپ معزز حضرات کہاں جائیں گے۔ اللہ ہم سب کو ہدایت دے اور ملت اسلامیہ کی نگہبانی کرے۔ اس وحدہٗ لاشریک کا احسان عظیم ہے کہ مجھ جیسے گناہ گار اور کمزور انسان کو ایک انتہائی مشکل فرض ادا کرنے اور آزمائش کی سخت ترین گھڑی سے گزرنے کی توفیق عطا فرمائی۔"

......}☆{......

امیر مہدی، عزالدین مسعود اور تمام امرائے موصل کی نظر میں غدار سلطنت قرار پا چکا تھا۔ پھر اسی رات اس کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا۔ قتل ہونے سے پہلے امیر مہدی کا جواں سال بیٹا ہادی اور بیوی قید خانے میں ملنے آئے تو اس نے ایک ہی وصیت کی۔ "میری لاش کو موصل میں دفن نہ کرنا۔ اگر ممکن ہو سکے تو اس تن مردہ کو دمشق لے جا کر "مدرسۂ نوریہ" کے ایک گوشے میں زمین کے حوالے کر دینا۔"

یہ سن کر امیر مہدی کی بیوی اور بیٹا رونے لگے تو اس نے مجاہدانہ لہجے میں اپنے وارثوں کو تسلی دی۔

"صبر کے ساتھ اللہ کا شکر بھی ادا کرو کہ تمہارا باپ حرام موت نہیں مر رہا ہے۔" امیر مہدی نے انتہائی محبت سے شریک حیات کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "اہل ایمان کے لئے اللہ کی رحمت کا سایہ کافی ہے۔ باقی تمام سائے ڈھل جانے والے ہیں۔" پھر اس نے اپنے خوبصورت اور جوان بیٹے ہادی کے ماتھے کو بوسہ دیا۔ "میں تم سے راضی ہوں کہ تم ایک فرمانبردار بیٹے ہو...... تمہارے باپ نے تمام زندگی بس ایک ہی دعا کی ہے کہ اللہ بھی تم سے راضی ہو جائے...... تمہیں جب بھی موقع ملے تو مسلمان کے حقیقی امیر صلاح الدین ایوبی کی خدمت میں حاضر ہو کر میرا سلام عقیدت پیش کرنا۔ میں والیٔ موصل کی ملازمت سے استعفیٰ دے کر مصر جانا چاہتا تھا مگر وقت نے میرا ساتھ نہیں دیا۔ اللہ تم دونوں کا محافظ و نگہبان ہو۔" یہ کہہ کر امیر مہدی نے دوسری طرف منہ پھیر لیا تاکہ بیوی اور بیٹا اس کی آنکھوں میں امڈ آنے والے آنسو کو نہ دیکھ سکیں۔

نصف شب کے اندھیرے میں امیر مہدی کو قتل کر دیا گیا۔ مقتول کی وصیت کے مطابق امیر مہدی کی بیوی نے عزالدین مسعود کی خدمت میں شوہر کی لاش دمشق لے جانے کی درخواست پیش کی۔ مگر والیٔ موصل نے انتہائی نفرت و حقارت کے ساتھ اس غمزدہ عورت کو دھتکار دیا۔ "ہم ایسے نمک حرام اور

غدار سلطنت کی قبر بھی اپنے سامنے رکھنا چاہتے ہیں...... تاکہ مٹی کے اس ڈھیر کو دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوتی رہیں۔"

......}☆{......

سالار آرنس شاہ یروشلم کو نیچا دکھا کر طرابلس میں اپنی فتح کا جشن منا رہا تھا۔ اس وقت محفل رقص آراستہ تھی۔ شراب کا دور چل رہا تھا اور ایک حسین مسلمان دوشیزہ ان ہوس کاروں کے درمیان میں ناچ رہی تھی۔ جسے طاقت کی بنیاد پر گھر سے اٹھا کر محفل میں لایا گیا تھا۔ یہ سالار آرنس کا محبوب ترین مشغلہ تھا کہ وہ اکثر خوبصورت مسلمان لڑکیوں کو اسی طرح جبراً اپنی محفل میں نچاتا تھا۔ پھر ان کی آبروریزی کرنے کے بعد انہیں ان کے گھروں کو بھجوا دیتا تھا۔ مقامی مسلمانوں نے سالار آرنس کے اس شرمناک جبر و تشدد کے خلاف کئی بار حاکم طرابلس ایڈم کے دربار میں جا کر شدید احتجاج کیا تھا۔ مگر ان کی فریاد کون سنتا کہ ظلم کا قانون تھا۔ ظالم کی عدالت تھی اور وہی اس کا منصف...... طرابلس کے آسودہ حال مسلمان اپنی عزت و آبرو بچانے کے لئے قریب کی اسلامی ریاستوں کی طرف ہجرت کر گئے تھے لیکن غریب مسلمان جنہیں سامان سفر تک میسر نہیں تھا، وہ فرینکس کے مظالم سہنے کے لئے طرابلس ہی میں رہنے پر مجبور تھے...... اور دن رات رو رو کر خالق کائنات سے دعا کرتے تھے۔ "اے ذات پاک! تو ہر شے پر قادر ہے۔ ہمارے نجات دہندہ کو بھیج اور ان ظالموں کی گرفت کر۔"

مگر وہ نجات دہندہ ابھی تک نہیں آیا تھا...... اور ایک عفت مآب مسلمان دوشیزہ، بدکار آرنس کے سامنے ناچ رہی تھی۔ اس محفل رقص و سرود میں حاکم طرابلس ایڈم بھی موجود تھا پھر یکا یک ایک شخص تیزی سے محفل میں داخل ہوا اور اس نے سالار آرنس کے قریب آ کر سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"ہمارے جاسوسوں نے اطلاع دی ہے کہ صلاح الدین ایوبی کا بحری بیڑہ "طرطوسہ" کی طرف بڑھ رہا ہے۔"

یہ خبر سن کر سالار آرنس اور حاکم طرابلس ایڈم کے ہوش اڑ گئے۔ "طرطوسہ" فرینکس (صلیبی فدائین) کا اہم اور مضبوط ترین مرکز تھا۔ ایڈم اور آرنس سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ صلاح الدین ایوبی طرطوسہ کا رخ کرے گا۔ محفل رقص درہم برہم ہو گئی۔ سالار آرنس اور ایڈم اپنے اس مرکز کو بچانے کے لئے بزم کیف و نشاط سے بھاگے۔

پھر جب طرابلس کی فوج اور فرینکس کا دستہ طرطوسہ پہنچا تو صلاح الدین ایوبی کا بحری بیڑہ لنگر انداز ہو چکا تھا۔ سالار آرنس کا خیال تھا کہ وہ والیٔ مصر کی مختصر فوج کو آسانی سے شکست دے دے گا۔ مگر اس جنگ میں صلاح الدین ایوبی کی حکمت عملی ہی کچھ اور تھی وہ اپنے بحری بیڑے میں صرف دو ہزار سپاہی لے کر آیا تھا۔ ان میں سے ایک ہزار انتہائی ماہر تیر انداز تھے اور ایک ہزار پیدل اور گھڑ سوار سپاہی تھے جو میدانی جنگ لڑنے میں بے پناہ مہارت رکھتے تھے۔ والیٔ مصر کا تیر انداز دستہ سب سے آگے تھا اور اس کے دائیں بائیں پیدل جنگجو سپاہی تھے۔ اس کے برعکس فرینکس اور طرابلس کے سپاہیوں کی تعداد دس ہزار سے زیادہ تھی۔ جن میں سے اکثر گھوڑوں پر سوار تھے۔ صلاح الدین ایوبی

کے تیراندازوں نے دشمن سپاہیوں کو ہدف بنانے کے بجائے ان کے گھوڑوں کو نشانہ بنایا۔ جس کے نتیجے میں سینکڑوں گھوڑے، شدید زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے...... اور جو گھوڑے کم زخمی ہوئے تھے وہ بدحواس ہو کر پیچھے کی طرف بھاگے...... اور اپنے ہی پیدل سپاہیوں کو روند ڈالا۔ تیروں کی بارش اتنی تیز تھی کہ فرینکس اور طرابلس کے فوجیوں کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے میدان جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا۔ کثرت تعداد کے نشے میں چور صلیبی سپاہی بدترین شکست کھا کر محفوظ ٹھکانوں کی طرف بھاگنے لگے۔ ان میں فرینکس کا سالار آرٹس بھی تھا۔ جسے اپنی شجاعت پر بڑا ناز تھا اور وہ کبھی کبھی اپنے غرور و تکبر کے جوش میں کہا کرتا تھا۔ ''میں تنہا سو مسلمان سپاہیوں کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔'' آج وہی آرٹس اور مسلمانوں کے خون کے پیاسے وحشی فرینکس اپنے ہی گھر میں دو ہزار مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ ایک شہسوار مسلمان نے دور تک سالار آرٹس کا تعاقب کیا اور پھر قریب پہنچ کر پیچھے سے فرینکس کے قائد پر تلوار کا بھرپور وار کیا۔ جس کے نتیجے میں سالار آرٹس زخمی ہو کر گھوڑے کی پشت سے گر پڑا۔

یہ خونریز معرکہ آرائی چند گھنٹوں سے زیادہ جاری نہ رہ سکی۔ تین ہزار کے قریب فرینکس مارے گئے یا اپنے ہی گھوڑوں کے سموں سے پامال ہو کر ہلاک ہو گئے۔ تقریباً اتنے ہی طرابلس کے فوجی بھی موت کی خوراک بنے اور باقی فرار ہو گئے۔ سالار آرٹس کو شدید زخمی حالت میں گرفتار کر لیا گیا۔ اس جنگ میں چار سو کے قریب اہلِ ایمان درجۂ شہادت پر فائز ہوئے اور فرینکس کے مضبوط ترین مرکز ''طرطوسہ'' پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

جس منصوبہ بندی کے ذریعے صلاح الدین ایوبی نے باطنیوں کے آدم خور فرقے حشیشان اور شیخ الجبال کا خاتمہ کیا تھا۔ اسی حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے والیٔ مصر نے خوں آشام فرینکس کی کمر توڑ دی تھی جو مسلمانوں کے لئے ایک مستقل دردِسر بنے ہوئے تھے۔

جب طرطوسہ پر صلاح الدین ایوبی کے قبضے کی خبر عیسائی ریاستوں میں پہنچی تو وہاں ایک کہرام برپا ہو گیا...... اور پھر ایک لمحے کی تاخیر کئے بغیر حاکم طرابلس، شاہ آرمینیا اور یروشلم کے سفیر اپنے اپنے حاکموں کی طرف سے غیر مشروط صلح کا پیغام لے کر طرطوسہ کی طرف دوڑ پڑے۔

طرطوسہ کے مسلمان جو ایک طویل عرصے سے صلیبی فدائین کے ناقابل بیان مظالم کا شکار تھے، صلاح الدین ایوبی کی آمد کی خبر سن کر دیوانہ وار چیختے ہوئے اپنے اپنے گھروں سے نکل آئے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں، معصوم بچے بھی تھے اور کمزور و ناتواں بوڑھے بھی...... والیٔ مصر کے والہانہ استقبال کے لئے آنے والوں میں نوجوان بہت کم تھے۔ وہ منظر بڑا دردناک اور اثر انگیز تھا جب طرطوسہ کے بوڑھے مسلمانوں نے زار و قطار روتے ہوئے صلاح الدین ایوبی کے قدموں پر اپنے سر رکھ دیئے۔

''ادب اور تعظیم کا یہ طریقہ اسلام میں جائز نہیں۔'' صلاح الدین ایوبی نے ان سن رسیدہ افراد کو ٹوکتے ہوئے کہا۔

والیٔ مصر کی بات سن کر ایک بوڑھا کھڑا ہوا جس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔

''اے مصر کے بادشاہ! ہم نے تیرا بہت نام سنا ہے۔ بتانے والوں نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ تیرے پاس بہت طاقت ہے۔''

''تمہیں غلط بتایا گیا ہے کہ میں بادشاہ ہوں۔'' صلاح الدین ایوبی نے انتہائی نرم اور عاجزانہ لہجے میں طرطوسہ کے بوڑھے مسلمان کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''آسمان اور زمین کی بادشاہت تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے...... اور تمام قدرت و طاقت کا سرچشمہ بھی اسی کی ذات پاک ہے۔ میں تو صرف مسلمانوں کا امیر ہوں...... مگر ایسا امیر جو اہلِ ایمان کا خدمت گار بھی ہے۔'' والیٔ مصر نے اس بوڑھے مسلمان کی تالیف قلب کرتے ہوئے کہا۔

''تو کچھ بھی ہے...... ہم نے تیری تعظیم میں سر نہیں جھکایا ہے...... ہم تو صرف اسی لئے خم ہوئے ہیں کہ ہمارے کاندھوں سے ان سروں کا بوجھ نہیں اٹھتا۔ زندگی ایک مسلسل عذاب بن کر رہ گئی ہے...... خودکشی کر نہیں سکتے کہ یہ فعل ہمارے مذہب میں حرام ہے۔ ہم نے اس لئے تیرے قدموں میں اپنے سر رکھے ہیں کہ تو انہیں روندتا ہوا گزر جائے۔ موت تو ہمارا مقدر بن چکی ہے۔ صلیبیوں کے ہاتھوں ذلت کی موت مرنے سے تو کہیں بہتر ہے کہ ہمارے ہی بھائی ہمیں قتل کر ڈالیں۔''

بوڑھے کی بات سن کر والیٔ مصر صلاح الدین ایوبی سر سے پاؤں تک لرز اٹھا۔ ''آخر تم لوگوں پر کیا گزری ہے۔'' صلاح الدین ایوبی نے انتہائی رقت آمیز لہجے میں اس بوڑھے سے سوال کیا۔

''اے مسلمانوں کے امیر...... یہ پوچھ کہ ہمارے سروں سے آفات و مصائب کا کون سا طوفان نہیں گزرا ہے؟ فرینکس نے ہمارے سارے نوجوانوں کو قبروں میں سلا دیا ہے۔ چند نوجوان جو تیرے سامنے کھڑے ہیں، وہ قتل ہونے کے لئے آئے ہیں۔'' شدتِ جذبات سے بوڑھے کی کمزور آواز اس کے حلق میں اٹک کر رہ گئی تھی۔

صلاح الدین ایوبی نے اتنی سنگین، نازک اور جذباتی صورت حال اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

بوڑھے نے اپنی پھولی ہوئی سانسوں اور ڈوبتی آواز پر قابو پانے کی کوشش کی اور لڑکھڑاتی زبان میں اپنی بات مکمل کرنی چاہی۔ ''ہمارے گھروں میں وہ بے آبرو لڑکیاں اپنی بدنصیبی کا ماتم کر رہی ہیں، اور جوان ظالموں کی دراز دستی سے بچ گئی ہیں، وہ اپنی بربادی کا انتظار کر رہی ہیں۔ بس یہ میری آخری التجا ہے کہ تم مصر واپس جانے سے پہلے ان کا شور ماتم ضرور سن لینا۔'' یہ کہتے کہتے طرطوسہ کا وہ بوڑھا مسلمان زمین پر گرا اور ضعف و نقاہت کے سبب بے ہوش ہو گیا۔

شدتِ جذبات کے باعث صلاح الدین ایوبی کی آنکھیں بھی نم تھیں۔ بوڑھے کے بے ہوش ہو جانے کے بعد ایک عورت نے فرینکس اور دوسرے عیسائی سپاہیوں کی طرف سے ڈھائے جانے والے مظالم کی داستان جاری رکھنی چاہی۔ مگر والیٔ مصر نے ہاتھ کے اشارے سے اس مسلمان خاتون کو روکتے ہوئے کہا۔ ''تم نے سب کچھ کہہ دیا اور میں نے سب کچھ سن لیا...... باقی اللہ تعالیٰ کی ذات پاک علیم و خبیر ہے۔ بس وہی جانتا ہے کہ آئندہ کیا ہوگا۔''

......}......☆......{......

طرطوسہ میں عیسائیوں کی کوئی فوجی چھاؤنی یا قلعہ موجود نہیں تھا۔ بس ایک طویل و عریض عمارت تھی جو صلیبی فدائین فرینکس کی مرکزی عشرت گاہ تھی جہاں یہ لوگ فارغ اوقات میں تفریح کرنے کے لئے جمع ہوتے تھے...... اور فرینکس کی تفریح اس کے سوا کچھ نہیں تھی کہ وہ جی بھر کے شراب پیتے...... اور گرد و نواح کے علاقوں سے اغوا کی جانے والی مسلمان لڑکیوں کی بے آبروئی کرتے۔ فرینکس کی اکثریت شکست کھا کر طرابلس فرار ہو چکی تھی۔ اس لئے صلاح الدین ایوبی کو ان کی عشرت گاہ پر قبضہ کرنے میں ذرا بھی دشواری پیش نہیں آئی۔ عمارت کی نگرانی کے لئے چند مسلح عیسائی سپاہی موجود تھے۔ جنہوں نے مجاہدین اسلام کو آتا دیکھ کر عمارت سے فرار ہونے کی کوشش کی مگر انہیں گرفتار کر لیا گیا۔

عمارت پر قبضہ کرنے کے بعد صلاح الدین ایوبی سب سے پہلے فرینکس کے سالار آرس کی طرف متوجہ ہوا جو شدید زخمی تھا اور اس کے زخموں سے اب بھی خون بہہ رہا تھا۔ والیٔ مصر نے اپنے ایک طبیب کو حکم دیا کہ وہ آرس کے زخموں پر ایسا مرہم لگائے جس کے اثر سے صلیبی فدائین کا قائد جلد از جلد صحت یاب ہو سکے۔

والیٔ مصر کا یہ ہمدردانہ سلوک دیکھ کر مکار آرس نے ایک نئی چال چلی۔ ''میں نے تمہارے بارے میں جیسا سنا تھا، تمہیں ویسا ہی پایا۔'' سالار آرس کے لہجے سے خوشامد کے بجائے جذباتی جوش جھلک رہا تھا۔ ''واقعی تم شجاع بھی ہو اور اعلیٰ ظرف بھی۔''

''میں کیا ہوں اور کون ہوں؟'' صلاح الدین ایوبی کے ہونٹوں پر ایک عام سا تبسم نمایاں تھا جس میں نہ طنز تھا اور نہ دشمن کے لئے نفرت و حقارت تھی۔ ''یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے آرس...... تم اپنے کام سے کام رکھو...... اور مجھے میرا کام کرنے دو۔''

''تو تمہیں میرا نام بھی معلوم ہے؟'' سالار آرس نے شدید حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''پہلے میں اس نام کے کسی شخص کو نہیں جانتا تھا...... مگر جب میں نے اپنے جہاز سے نکل کر طرطوسہ کی زمین پر قدم رکھا تو تمہاری شہرت کا اندازہ ہوا۔ طرطوسہ کے باشندے تو کجا، یہاں ریت کے ہر ذرّے کی زبان پر تمہارا ہی نام تھا۔'' والیٔ مصر نے اپنے چہرے سے کسی ردعمل کا تاثر دیئے بغیر سرسری انداز میں کہا۔

عیار آرس جو سیاسی چالیں چلنے میں شیطانی دماغ رکھتا تھا۔ وہ ایک مسلمان فاتح کی گفتگو کے رموز و اسرار سمجھنے سے قاصر رہا اور اپنا پرانا حربہ استعمال کرتے ہوئے صلاح الدین ایوبی کی خوشامد پر اتر آیا۔ ''مجھے والیٔ مصر سے اُمید ہے کہ آپ اپنی مذہبی رواداری اور فراخ دلی سے کام لیتے ہوئے مجھے معاف کر دیں گے اور گھر جانے کی اجازت دے دیں گے۔''

''ابھی تم شدید زخمی ہو آرس!'' اس گفتگو کے دوران میں پہلی بار صلاح الدین ایوبی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ''اس حالت میں تم کس طرح گھر جا سکو گے؟ زخم بھر جائیں

تو چلے جانا...... ابھی تو تم گھوڑے پر سوار بھی نہیں ہو سکو گے۔ تمہارا اپنا گھوڑا تو تمہیں زمین پر گرا کر بھاگ چکا ہے۔ نیا گھوڑا تمہیں اپنی پشت پر بیٹھنے نہیں دے گا اور اگر کسی طرح سوار ہو بھی گئے تو ایک ہاتھ سے اجنبی گھوڑے کی لگام کیسے پکڑو گے؟ وہ بھی تمہیں کہیں راستے میں گرا دے گا۔'' آج والیٔ مصر فرینکس کے سالار آرس سے بڑے ہی عجیب لہجے میں بات کر رہا تھا۔

''تمہارے اپنے سپاہی مجھے بحفاظت میرے گھر تک پہنچا سکتے ہیں۔'' سالار آرس کی خوشامد کا رنگ کچھ اور گہرا ہو گیا تھا۔

''میرے سپاہیوں کے پاس ایک لمحہ بھی فالتو نہیں ہے۔'' صلاح الدین ایوبی نے انتہائی خشک لہجے میں کہا اور جانے کے لئے مڑا۔

سالار آرس کی شاطرانہ نظروں نے فوراً ہی اندازہ کر لیا کہ والیٔ مصر اسے اتنی آسانی سے آزادی نہیں بخشے گا۔ اس لئے فرینکس کے قائد نے صلاح الدین ایوبی کو بہت بڑی رشوت کی پیشکش کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہارے مذہب میں تو فدیہ جائز ہے۔''

سالار آرس کی آواز سن کر صلاح الدین جاتے جاتے ٹھہر گیا...... مگر اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

''میں تمہیں اپنی رہائی کے بدلے میں ایک لاکھ دینار تک دے سکتا ہوں۔'' سالار آرس کو یقین تھا کہ اتنی بڑی رقم والیٔ مصر کو اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور کر دے گی۔ مگر اس وقت اس کی حیرت و مایوسی کی کوئی انتہا نہیں رہی، جب صلاح الدین ایوبی پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر کمرے سے نکل کر چلا گیا۔

والیٔ مصر کا یہ بے نیازانہ انداز دیکھ کر سالار آرس پوری طاقت سے چیخا۔ ''اگر والیٔ مصر کی نظر میں فدیے کی یہ رقم کم ہے تو اس میں اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے۔''

صلاح الدین پر فرینکس کے سالار کی اس چیخ کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔ جاتے وقت اس نے پہرے پر مستعد کھڑے ہوئے اپنے سپاہیوں کو سختی کے ساتھ ہدایت کرتے ہوئے کہا۔ ''اس شیطان پر اتنی گہری نظر رکھنا کہ تمہاری آنکھ جھپکنے نہ پائے...... بس جاگتے ہی رہنا...... اگر اونگھ آنے لگے تو اپنے دوسرے چاق و چوبند ساتھیوں کو بلا لینا۔''

......}......☆......{......

طرطوسہ میں مجاہدین اسلام کی تعداد سولہ سو کے قریب تھی۔ کیونکہ چار سو مجاہدین اس جنگ میں جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ اس لئے مسلمان سپاہیوں کی موجودہ تعداد طرطوسہ جیسے علاقے پر قبضہ برقرار رکھنے کے لئے ناکافی تھی۔ اس جنگی مہم میں صلاح الدین ایوبی کا چھوٹا بھائی ملک عادل بھی شریک تھا۔ اسی صورت حال کے پیش نظر اس نے اپنے اندیشوں کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''ہم اس وقت اپنے مرکز اور دارالحکومت سے سینکڑوں میل دور ہیں...... بظاہر فرینکس اور طرابلس کے سپاہیوں کو شکست ہو چکی ہے۔ مگر پھر بھی انہیں یہ رعایت حاصل ہے کہ قریب قریب کئی عیسائی ریاستیں آباد ہیں جو کسی بھی وقت متحد ہو کر ہم پر حملہ آور ہو سکتی ہیں...... کیا ہمارے فوجیوں کی موجودہ تعداد دشمن کے اچانک اور اجتماعی حملے کی متحمل ہو سکتی ہے؟'' ملک عادل کے سوال سے ایک

مدبرانہ سوچ کا اظہار ہو رہا تھا۔

صلاح الدین ایوبی نے محبت آمیز اور تعریفی نظروں سے چھوٹے بھائی کی طرف دیکھا۔

"تمہاری قیاس آرائی درست بھی ثابت ہوسکتی ہے۔"

"تو پھر اس صورت حال میں ہمارا لائحہ عمل کیا ہوگا؟ ہمارے پاس سامان رسد بھی بہت کم ہے...... اور اسلحے کے ذخائر بھی......" اب ملک عادل کے لہجے سے فکر و پریشانی کے آثار صاف نظر آنے لگے تھے۔

صلاح الدین ایوبی نے بہت غور سے چھوٹے بھائی کی طرف دیکھا جو ایک ناتجربہ کار سالار تھا۔ اس لئے قلتِ سپاہ اور کثرتِ افواج کے فلسفے میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ "سارے وسوسوں کو اپنے ذہن کی گہرائیوں سے نکال پھینکو...... بس صبح کے اس منظر کو یاد رکھو کہ جب تم طرطوسہ کے ایک ساحل پر اترے تھے تو تمہاری تعداد صرف دو ہزار تھی۔" صلاح الدین ایوبی نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے انتہائی پرسکون لہجے میں کہا۔ "اور ہمارے دشمنوں کی تعداد دس ہزار سے بھی زیادہ تھی...... کیا وہ تمہاری تلواروں کی کاٹ تھی کہ میدان جنگ دشمن کی لاشوں سے پٹ گیا؟" صلاح الدین ایوبی نے ملک عادل سے سوال کیا اور پھر خود ہی جواب دیتے ہوئے بولا۔ "ہرگز نہیں...... اصول جنگ کے مطابق تم اپنے سے پانچ گنا طاقتور دشمنوں کو شکست نہیں دے سکتے تھے...... وہ تو صرف تائید غیبی تھی جس نے حریفوں کے دلوں میں تمہارا خوف ڈال دیا تھا...... اور اب تم اس خیال سے خوف زدہ ہو رہے ہو کہ اگر نئی جنگ چھڑ گئی تو سامان رسد کہاں سے آئے گا؟ میرے بھائی! جو اپنی بے شمار مخلوق کو صبح و شام رزق عطا کرتا ہے، اسی کے در سے ہمیں بھی وسائل عطا ہوں گے۔ تم بہت زیادہ تھک گئے ہو...... کچھ دیر کے لئے سو جاؤ۔"

بڑے بھائی کا حکم سن کر ملک عادل چلا گیا۔ مگر اس کا چہرہ صاف بتا رہا تھا کہ وہ صلاح الدین ایوبی کی تسلیوں اور دلیلوں سے مطمئن نہیں تھا۔ اسے ہمیشہ والئ مصر سے یہی شکایت رہتی تھی کہ صلاح الدین ایوبی اپنے فوجی سالاروں سے مشورے ضرور کرتا تھا۔ مگر وقت سے پہلے اپنی جنگی حکمت عملی کسی پر ظاہر نہیں کرتا تھا۔

ملک عادل کے جانے کے بعد صلاح الدین ایوبی نے عشاء کی نماز ادا کی اور بہت دیر تک خالق حقیقی کی بارگاہ کرم میں اسلام کی سربلندی کیلئے دعائیں کرتا رہا۔ پھر کمر سیدھی کرنے کیلئے فرش پر ہی لیٹ گیا۔

......}......☆......{......

طرطوسہ کی زمین پر نئے دن کا سورج طلوع ہوا۔ پھر مقامی باشندوں نے یہ منظر دیکھا کہ صلاح الدین ایوبی اپنے تین سو سواروں کے ساتھ ساحل سمندر کی طرف جا رہا تھا۔ بعض مسلمانوں نے اس سے یہی تاثر لیا کہ صلاح الدین ایوبی طرطوسہ چھوڑ کر اپنے ملک واپس جا رہا ہے۔ اس لئے کچھ پریشان حال لوگ چیخ چیخ کر رونے لگے۔

"اے مصر کے بادشاہ جب تجھے لوٹ کر جانا ہی تھا تو پھر یہاں کیوں آیا تھا؟ اب تو یہ سفید درندے ہمارے اور بھی دشمن ہو جائیں گے۔"

ستم رسیدہ لوگوں کی فریاد سن کر صلاح الدین ایوبی نے اپنے گھوڑے کی لگامیں کھینچ لیں اور گھوڑے کی پشت پر بیٹھے بیٹھے ان بدحال مسلمانوں سے مخاطب ہوا۔

"انشاء اللہ اب کوئی درندہ تمہاری طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ طرطوسہ کے ایک ایک مسلمان تک میرا پیغام پہنچا دو کہ میں انہیں اس حال میں چھوڑ کر کبھی واپس نہیں جاؤں گا۔"

والئ مصر کا یہ پرجوش اعلان سن کر زاروقطار روتے ہوئے انسانوں کے چہروں پر خوشی کا رنگ ابھر آیا اور صلاح الدین کا گھوڑا آگے بڑھ گیا۔

ملک عادل اور دیگر سالار اس بات پر حیران تھے کہ ان کا امیر طرطوسہ کے ساحل کی طرف کیوں جا رہا ہے۔

پھر تین سو شہسواروں کا یہ مختصر قافلہ سمندر کے کنارے پہنچ گیا۔ صلاح الدین ایوبی تیزی کے ساتھ گھوڑے کی پشت سے اتر آیا باقی شہسواروں نے بھی اپنے امیر کی تقلید کی۔ مگر اب بھی وہ سب کے سب اس بات پر حیرت زدہ تھے کہ آخر کس مقصد کیلئے والئ مصر طرطوسہ کے ساحل تک آیا ہے؟

صلاح الدین ایوبی کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی اور اس کی بے قرار نظریں سمندر کی وسعتوں میں کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔ کبھی وہ سمندر کے عین درمیان میں دیکھتا...... اور کبھی زاویہ بدل کر اپنے دائیں اور بائیں جانب نظریں دوڑاتا...... کچھ دیر تک تو والئ مصر کی آنکھوں سے تجسس کا رنگ نمایاں رہا...... مگر پھر آہستہ آہستہ اس کے پرجلال چہرے پر مایوسی کا عکس ابھرنے لگا۔ پھر اس نے سمندر کے کنارے ٹہلنا شروع کر دیا۔ تمام سالار اپنے امیر کی اضطرابی کیفیت دیکھ کر پریشان نظر آنے لگے تھے...... لیکن پھر بھی کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ صلاح الدین ایوبی سے اس کی جستجو اور اضطراب کی وجہ دریافت کر سکے۔

والئ مصر مسلسل اسی بے چینی کا شکار تھا۔ تقریباً دو گھنٹے بعد اس کے طرز عمل میں ایک نئی تبدیلی آئی۔ کبھی وہ حد نظر تک سمندر کی طرف دیکھتا...... اور کبھی مایوسانہ انداز میں آسمان کی طرف دیکھ کر پرسوز لہجے میں کہنے لگتا۔

"اے مالک کون و مکاں! سمندر بھی تیرا اور زمین بھی تیری...... تو جسے چاہے برقرار رکھے...... اور جسے چاہے فنا کر ڈالے۔" صلاح الدین ایوبی کے لہجے سے دل کا درد نمایاں تھا۔

ملک عادل اور دوسرے فوجی سالار جو والئ مصر کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے انہوں نے صلاح الدین ایوبی کی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ سن لئے تھے اور پھر حیرت و پریشانی کے عالم میں ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے تھے۔

آخر ملک عادل نے ہمت کر کے والئ مصر سے یہ سوال کر ہی ڈالا۔ "امیر محترم! کیا آپ کو کسی کا انتظار ہے؟"

اس وقت صلاح الدین ایوبی ٹھہر گیا تھا اور مستقل نظریں جمائے ہوئے سمندر کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔

ملک عادل یہی سمجھا کہ والیٔ مصر نے اپنے انہماک کے باعث اس کی آواز نہیں سنی ہے۔ اس لئے ملک عادل نے اب کی بار زیادہ بلند آواز میں اپنا سوال دہرایا۔ ''اس تجسس اور اضطراب سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ بڑی شدت کے ساتھ کسی کے منتظر ہیں؟''

صلاح الدین ایوبی کے زاویۂ نظر میں ذرا سی بھی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ اس نے پیچھے مڑ کے دیکھے بغیر انتہائی سنجیدہ لہجے میں چھوٹے بھائی کو جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''میں نے تمہاری بات سن لی ہے ملک عادل! بار بار دہرانے کی ضرورت نہیں۔''

ملک عادل فوراً سمجھ گیا کہ کوئی اہم راز ہے جس میں والیٔ مصر اپنے حقیقی بھائی کو بھی شریک کرنا نہیں چاہتا۔ یہ سوچ کر ملک عادل چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ مگر اس مسلسل خاموشی سے اس کی اور دوسرے سالاروں کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

پھر کچھ دیر بعد ہی سمندر میں بہت دور ایک سیاہ چٹان سی اُبھری۔ صلاح الدین ایوبی نے بڑی حیرت سے اس سیاہ چٹان کو دیکھا۔ پھر وہ چٹان متحرک نظر آنے لگی۔ یہ منظر دوسرے فوجی سالار بھی دیکھ رہے تھے مگر والیٔ مصر کے غیر معمولی سکوت کے سبب خاموش تھے۔

پھر تھوڑی ہی دیر بعد اس متحرک چٹان کے پیچھے ایک دوسری چٹان اُبھری۔ صلاح الدین ایوبی بڑی تیزی سے پلٹا اور انتہائی پُرجوش لہجے میں اپنے فوجی سالاروں سے مخاطب ہوا۔ ''کیا میری نظریں دھوکا کھا رہی ہیں؟ تم سب بہت غور سے دیکھو...... تمہاری بینائی مجھ سے کہیں زیادہ تیز ہے، کہیں یہ سمندری جہاز تو نہیں جو ہماری جانب بڑھ رہے ہیں؟''

ملک عادل اور دوسرے فوجی سالاروں نے مکمل ارتکازِ نظر کے ساتھ سمندر میں متحرک چٹانوں کو دیکھا۔ پھر سب کے سب بیک زبان پکار اٹھے۔ ''امیر محترم! آپ کی نظریں دھوکا نہیں کھا سکتیں...... واقعتاً یہ سمندری جہاز ہی ہیں جن کا رخ ساحل کی طرف ہے۔''

اپنے سالاروں کی بات سن کر صلاح الدین ایوبی بہت تیزی سے گھوما اور ان جہازوں کو دیکھنے لگا جو کنارے کی طرف آ رہے تھے۔ یکایک صلاح الدین ایوبی نے اپنا دایاں ہاتھ فضا میں بلند کیا اور دل کی طاقت سے نعرہ لگایا۔ ''اللہ اکبر......''

مجاہدین اسلام کی سماعتیں اس مخصوص نعرے کے سوا کسی دوسرے نعرے سے آشنا ہی نہیں تھیں۔ اس لئے صلاح الدین ایوبی کا نعرۂ تکبیر سن کر باقی شہسواروں نے بھی پوری طاقت سے ''اللہ اکبر'' کہا...... تین سو مجاہدین اسلام کی پُرجلال آوازوں سے طرطوسہ کی فضا گونج اٹھی۔

صلاح الدین ایوبی تیزی سے مڑا۔ مجاہدین اسلام نے بڑی حیرت سے اپنے امیر کی طرف دیکھا۔ کچھ دیر پہلے جس چہرے پر فکر اور پریشانی کے گہرے سائے لرز رہے تھے، اب وہی چہرہ جوش مسرت سے دمک رہا تھا۔ والیٔ مصر اپنے فوجی سالاروں سے مخاطب ہوا۔

''میں ان ہی جہازوں کا انتظار کر رہا تھا۔ حق تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے اپنے گناہ گار بندوں کے انتظار کو رائیگاں جانے نہیں دیا۔ اس ذات کریم نے اپنی لازوال قدرت سے سمندر کی سرکش موجوں اور طوفانی ہواؤں کو ہمارے جہازوں پر مہربان کر دیا...... تاکہ وہ عافیت و سلامتی کے ساتھ اپنی منزل تک پہنچ سکیں۔''

یہ کہہ کر صلاح الدین ایوبی چند قدم آگے بڑھا اور اس نے نماز کی نیت باندھ لی۔

والیٔ مصر طرطوسہ کے ساحل کی تپتی ہوئی ریت پر سجدۂ شکر ادا کر رہا تھا اور باقی سالار اس سوچ میں گم تھے کہ یہ بحری جہاز کس مقصد کے تحت اس قدر طویل فاصلہ طے کر کے یہاں آئے ہیں؟ کہیں خدانخواستہ کوئی بری خبر تو نہیں ہے؟ کہیں عیسائیوں نے طرطوسہ میں شکست کھانے کے بعد صلاح الدین ایوبی کے کسی مقبوضہ علاقے پر حملہ تو نہیں کر دیا ہے؟ الغرض تمام فوجی سالاروں کے ذہن مختلف اندیشوں اور وسوسوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ہر شخص اپنے اپنے انداز میں سوچ رہا تھا۔

صلاح الدین ایوبی نے نمازِ شکر ادا کی۔ اور سمندر کی طرف دیکھا پھر وہ اپنے تیر اندازوں سے مخاطب ہوا جن کی تعداد سو کے قریب تھی۔ باقی تیر اندازوں کو فرینکس کی ''عشرت گاہ'' کی نگرانی پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

''تم اپنی اپنی کمانیں چڑھا لو...... ہو سکتا ہے کہ یہ جہاز ہمارے نہ ہوں، دشمن کے ہوں...... ہم اپنی آنکھوں پر اس وقت تک بھروسا نہیں کر سکتے جب تک کہ یہ فاصلے مکمل طور پر ختم نہیں ہو جاتے۔''

اپنے امیر کا حکم سن کر تیر اندازوں نے تیر جوڑ لئے اور کمانیں کھینچ لیں۔

تھوڑی دیر بعد ہی پہلا جہاز کنارے سے آ لگا۔ صلاح الدین ایوبی کا سب سے چھوٹا بھائی ملک تقی الدین عمر جہاز کے عرشے پر کھڑا تھا۔ اس نے بڑے بھائی کو دیکھ کر انتہائی پرجوش انداز میں نعرہ لگایا۔ ''اللہ اکبر......''

جواب میں صلاح الدین ایوبی اور دوسرے فوجی سالاروں نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اب تیر اندازوں کو یقین آ گیا تھا کہ وہ ان کے اپنے ہی جہاز ہیں...... اس لئے انہوں نے کمانیں نیچی کر لیں۔

پھر یکے بعد دیگرے بیس جہاز اور کنارے تک پہنچے۔ ان جہازوں میں تقریباً پانچ ہزار سپاہیوں کے ساتھ سامان رسد بھی موجود تھا۔ اس وقت صلاح الدین ایوبی کے بحری بیڑے میں سو جہاز تھے۔ پچاس جہاز طرطوسہ پہنچ چکے تھے اور باقی دیگر سمندری علاقوں کی نگرانی پر مامور تھے۔

اب ملک عادل اور دوسرے فوجی سالاروں کی سمجھ میں آ چکا تھا کہ ان کے امیر کی جنگی حکمت عملی کیا تھی؟ وہ کس انداز میں منصوبہ بندی کرتا تھا اور اس کی آنکھیں کتنی دور تک دیکھتی تھیں۔

تازہ دم فوجی دستے، اسلحہ اور سامان رسد آ جانے کے بعد صلاح الدین ایوبی کا سارا اضطراب ختم ہو گیا تھا اور اب وہ نہایت پُرسکون نظر آ رہا تھا۔ والیٔ مصر نے اپنی جگہ طے کر لیا تھا کہ اگر عیسائی افواج نے طرطوسہ کو بچانے کے لئے پلٹ کر حملہ کیا تو وہ بے دریغ آگے بڑھ کر طرابلس پر قبضہ کر

لے گا۔ پھر یلغار کرتا ہوا شام کی حدود تک پہنچ جائے گا۔ جہاں اس کا شجاع اور جانباز بھانجا فرخ شاہ بے چینی کے ساتھ اپنے ماموں کے نئے حکم کا انتظار کر رہا تھا۔

……}……☆……{……

طرطوسہ کے دفاعی انتظامات مکمل کرنے کے بعد صلاح الدین ایوبی ان فرینکس کی طرف متوجہ ہوا جو اپنی عشرت گاہ کی حفاظت کرتے ہوئے گرفتار کئے گئے تھے۔ ان صلیبی فدائین کی تعداد سو کے قریب تھی۔ صلاح الدین نے ان تمام فرینکس کو ایک وسیع کمرے میں طلب کیا اور ان سب سے ایک ہی سوال پوچھا۔

"مجھے بتاؤ کہ اس عمارت میں کتنی سرنگیں ہیں، کتنے زمین دوز تہہ خانے ہیں…… اور کتنی خفیہ کمین گاہیں ہیں؟" والیٔ مصر صلاح الدین ایوبی کا لہجہ معمول سے زیادہ نرم تھا۔

"ہم کچھ نہیں جانتے۔" بیک وقت کئی فرینکس بولے۔ "ہمیں تو سالار آرٹس نے صرف عمارت کے دروازوں پر کھڑے ہونے اور ان کی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہم اس راز سے بالکل بے خبر ہیں کہ عمارت کے اندر کتنے کمرے ہیں اور زمین کے نیچے کیا ہے؟ ہم تو محض ایک ادنیٰ خدمت گار ہیں…… اس کے سوا کچھ نہیں۔"

صلاح الدین ایوبی نے فرینکس کی باتیں بہت تحمل کے ساتھ سنیں اور غور سے ان کے چہروں کا جائزہ لیتا رہا۔ اس موقع پر والیٔ مصر کو شیخ الجبال اور اس کے آدم خور حشیشان یاد آ گئے تھے جنہوں نے بڑی سادگی اور معصومیت سے کہا تھا کہ انہیں کچھ نہیں معلوم…… وہ تو صرف شیخ الجبال کے ادنیٰ ترین غلام ہیں…… کم و بیش فرینکس بھی اپنے سالار آرٹس کے بارے میں اسی قسم کی باتیں کر رہے تھے۔ کیونکہ صلاح الدین ایوبی ماضی قریب میں حشیشان کے حوالے سے ایک حیران کن تجربے اور مشاہدے سے گزر چکا تھا۔ اس لئے اس نے فرینکس کے بیانات پر ذرا بھی اعتبار نہیں کیا۔

"میں تمہیں سچ بولنے کا پہلا اور آخری موقع دیتا ہوں…… بار بار سوال کرنا میری عادت نہیں۔"

اب کی مرتبہ صلاح الدین ایوبی کے لہجے سے ایک حکمراں کا جلال بھی نمایاں تھا اور سختی بھی……

"میری طرف سے سچ بولنے والوں کے لئے سب سے بڑا انعام یہ ہو گا کہ ان کی جان بخش دی جائے گی۔ چاہے وہ کتنے ہی گناہ گار ہوں۔"

اس سے پہلے کہ کوئی فرینکس والیٔ مصر کے سوال کا جواب دیتا، صلاح الدین ایوبی نے صلیبی فدائین کو آخری بار تنبیہہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا کہ مجھے جھوٹ سے شدید نفرت ہے۔"

فرینکس نے والیٔ مصر کے الفاظ کی گہرائی کو سمجھنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی…… اور پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت ایک ہی راگ الاپتے رہے۔ "ہم کچھ نہیں جانتے…… ہمیں کچھ نہیں معلوم۔"

فرینکس کا جواب سن کر صلاح الدین ایوبی نے صلیبی فدائین سے دوسرا سوال نہیں کیا اور وہ تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اپنے سپاہیوں سے انتہائی سرد لہجے میں مخاطب ہوا۔ "انہیں اتنا مارو

کہ ان کی زبانیں باہر نکل آئیں…… اور پھر وہ سارے راز کھول کھول کر بیان کرنے لگیں۔" یہ کہہ کر والیٔ مصر تیز قدموں کے ساتھ اس کمرے سے نکل کر چلا گیا۔

پھر چند لمحے بعد ہی پورا کمرہ انسانی چیخوں کے شور سے گونج اٹھا۔ مصری سپاہی صلیبی فدائین کے جسموں پر تازیانوں کی بارش کر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد ہی چند فرینکس تو ضربات کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گئے…… اور کچھ کی زبانیں واقعتاً باہر آ گئیں اور پھر ان زبانوں نے عشرت گاہ کے سینے میں چھپے ہوئے سارے راز کھول دیئے۔

……}……☆……{……

سالار آرٹس کی عشرت گاہ شیخ الجبال کی خفیہ پناہ گاہ کی طرح بہت زیادہ پیچیدہ اور پراسرار تو نہیں تھی لیکن پھر بھی وہاں کئی زمین دوز تہہ خانے تھے۔ جن میں شراب کا بہت بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ کئی کمروں میں طرطوسہ اور اس کے گرد و نواح سے اغوا کر کے لائی جانے والی مسلم دوشیزائیں قید تھیں۔

اس کے علاوہ زیر زمین ایک طویل سرنگ تھی جو طرطوسہ کو طرابلس سے ملاتی تھی۔ فرینکس کا سالار آرٹس اسی سرنگ کے ذریعے طرابلس جایا کرتا تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے فوری طور پر اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ دور تک مضبوط پتھر رکھ کر اس سرنگ کو بند کر دیں۔

پھر والیٔ مصر ان مظلوم مسلم دوشیزاؤں کی طرف متوجہ ہوا جو خوف رسوائی اور شدت غم سے نڈھال ہو رہی تھیں۔ صلاح الدین ایوبی نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ان تمام لڑکیوں کو اپنے سپاہیوں کی نگرانی میں ان کے گھروں تک پہنچا دیا۔

اس دوران میں فرینکس کا سالار آرٹس کئی بار صلاح الدین ایوبی سے ملنے کی خواہش کا اظہار کر چکا تھا۔ مگر والیٔ مصر نے اس کی التجا کو ایک فقیر کی صدا کے برابر بھی حیثیت نہیں دی تھی۔

صلاح الدین ایوبی نے اس قدر تیز رفتاری سے شہر کے انتظامی امور کو تکمیل تک پہنچایا تھا کہ اب طرطوسہ پر اس کا قبضہ مستحکم بھی تھا اور محفوظ بھی۔ اس کے ساتھ ہی والیٔ مصر نے نئی امکانی جنگ کے سارے دفاعی انتظامات بھی مکمل کر لئے تھے۔ اب وہ صلیبیوں کے علاقے میں رہ کر بھی ان کے خلاف ایک بھرپور جنگ لڑ سکتا تھا۔

……}……☆……{……

پھر جیسے ہی طرطوسہ کے انتظامی امور مکمل ہوئے، صلاح الدین ایوبی کو اطلاع دی گئی کہ شاہ آرمینیا کا سفیر ملاقات کا خواہشمند ہے۔

یہ اطلاع پا کر صلاح الدین ایوبی کو بہت حیرت ہوئی۔ پھر اس کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم ابھر آیا۔ اس نے اپنے خادم خاص کو حکم دیا کہ شاہ آرمینیا کے سفیر کو اس کمرے میں بٹھایا جائے جہاں کچھ دن پہلے فرینکس کا سالار آرٹس رہا کرتا تھا۔

صلاح الدین ایوبی کی خاص عادت تھی کہ یا تو وہ ملنے سے انکار کر دیا کرتا تھا لیکن اگر کسی مہمان

سے ملاقات کا وعدہ کر لیتا تھا تو آنے والے کو ایک لمحے کے انتظار کی بھی زحمت نہیں دیتا تھا...... مگر والئ مصر نے اپنی عادت کے خلاف کئی گھنٹے تک شاہ آرمینیا کے سفیر کو انتظار کرایا۔ پھر جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو عیسائی سفیر بڑی بے چینی کے عالم میں ٹہل رہا تھا اور اس کے چہرے سے ناگواری کا رنگ نمایاں تھا۔ صلاح الدین ایوبی کو دیکھتے ہی شاہ آرمینیا کے قاصد نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

"والئ مصر کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنے مہمان کو اتنا انتظار کرائے۔"

صلاح الدین ایوبی نے انتہائی ضبط وتحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ "آنے والے کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ والئ مصر کا بلایا ہوا مہمان نہیں ہے۔" صلاح الدین ایوبی کے لہجے سے غرور وتکبر کے بجائے استقامت اور بے نیازی کا رنگ جھلک رہا تھا۔ "چونکہ مہمان بغیر بلائے آیا ہے، اس لئے اسے خود انتظار کرنا پڑے گا کہ میزبان کب اپنے کاموں سے فارغ ہوتا ہے۔"

والئ مصر کی بے رخی کا یہ انداز دیکھ کر شاہ آرمینیا کے سفیر کا چہرہ اتر گیا اور اس نے اندازہ کر لیا کہ صلاح الدین ایوبی کے ارادے کچھ اور ہیں...... پھر بھی اس نے اپنے ہونٹوں پر ایک جبری اور عیار مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔ "شاہ آرمینیا رہوپن نے والئ مصر کی صحت اور سلامتی کے لئے نیک خواہشات کا پیغام دیا ہے۔"

جواباً صلاح الدین ایوبی نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں بھی دعا گو ہوں کہ حق تعالیٰ انہیں بھی ہدایت کے ساتھ صحت عطا کرے۔ تاکہ وہ اپنی رعایا کے حقوق کی نگہبانی کر سکیں۔" صلاح الدین ایوبی کا جواب بہت معنی خیز تھا جسے آرمینیا کا سفیر سمجھنے سے قاصر رہا۔

اور پھر وہ فوراً ہی اپنی آمد کا مقصد بیان کرنے لگا۔ "شاہ رہوپن کی دلی خواہش ہے کہ آرمینیا اور مصر کے درمیان ایک طویل المیعاد صلح کا معاہدہ ہو جائے تاکہ دونوں ممالک ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکیں۔"

ابھی آرمینیا کے سفیر کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ صلاح الدین ایوبی نے اسے ٹوک دیا۔ "مصر اور آرمینیا کے درمیان نہ کوئی جنگی فضا ہے اور نہ کوئی تنازع...... پھر صلح کا معاہدہ کیا معنی رکھتا ہے۔"

صلاح الدین ایوبی نے مختصر ترین الفاظ میں ایک دلیل دے کر آرمینیائی سفیر کو لاجواب کر دیا تھا۔

شاہ رہوپن کا نمائندہ کچھ دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ بالآخر اسے دل کی بات کہنی ہی پڑی۔

"دراصل شاہ آرمینیا طرطوسہ پر اسلامی فوج کے قبضے سے پریشان ہیں۔"

عیسائی سفیر کی بات سن کر صلاح الدین ایوبی کے چہرے پر شدید ناگواری کا رنگ ابھر آیا۔ "شاہ آرمینیا کو صرف اتنا یاد ہے کہ اسلامی فوج نے طرطوسہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ انہیں یہ خبر نہیں کہ میں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال کر، سمندر کا سینہ چیرتا ہوا یہاں تک کیوں آیا ہوں؟" یکایک والئ مصر کا لہجہ انتہائی تلخ ہو گیا تھا۔ "یہ میرا اور شاہ ریمنڈ کا براہ راست معاملہ ہے۔ جب تک یروشلم اپنے جارحانہ رویے میں اور توہین آمیز سلوک پر واضح الفاظ میں معافی نہیں مانگے گا، اس وقت تک کسی عیسائی ریاست سے صلح کے موضوع پر گفت وشنید نہیں ہو سکتی۔" یہ کہتے ہوئے صلاح الدین ایوبی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

والئ مصر کا دوٹوک جواب سن کر آرمینیائی سفیر بھی کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے سے شدید پریشانی کا اظہار ہو رہا تھا۔ "اور شاہ آرمینیا کی یہ خواہش بھی ہے کہ سالار آرنس کو فوری طور پر رہا کر دیا جائے۔ اس کے بدلے میں آرمینیا کی حکومت فدیے کی منہ مانگی رقم دینے کو تیار ہے۔"

شاہ رہوپن کی فراخدلانہ پیشکش سن کر صلاح الدین ایوبی کے ہونٹوں پر بے ساختہ تبسم ابھر آیا۔ پھر اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "ابھی میں نے سالار آرنس کی فروخت کا فیصلہ نہیں کیا ہے۔ جب نیلام گاہ سجائی جائے گی تو شاہ آرمینیا، شاہ یروشلم اور جتنے بھی عیسائی شہنشاہ ہیں، وہ سب مل کر اس کی بولی لگا سکتے ہیں۔" یہ کہہ کر والئ مصر تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔ اپنی ناکامی پر آرمینیا کے سفیر کا سرخ وسفید چہرہ دھواں ہو کر رہ گیا۔

......{......☆......}......

شاہ رہوپن کے قاصد کے جانے کے بعد طرابلس کا سفیر طرطوسہ پہنچا۔ اس نے بھی اپنے حکمران ایڈم کی طرف سے صلاح الدین ایوبی کو صلح کے معاہدے کے ساتھ سالار آرنس کی رہائی کے لئے بہت بڑی رقم کی پیشکش کی تھی۔

صلاح الدین ایوبی نے آرمینیائی سفیر کی طرح طرابلس کے سفیر کو بھی سخت لہجے میں وہی جواب دیا۔ "جب میں سالار آرنس کو بیچوں گا تو حاکم طرابلس کو بھی اطلاع دے دی جائے گی۔"

پھر جب یہ دونوں عیسائی سفیر ذلت آمیز ناکامی کے بعد اپنی اپنی ریاستوں میں واپس پہنچے تو ایشیائے کوچک کی صلیبی مملکتوں میں ایک ہنگامہ سا برپا ہو گیا۔ شاہ یروشلم ریمنڈ اپنے سر کے بال نوچ رہا تھا اور فرینکس کے سالار آرنس کا نام لے کر مغلظات بک رہا تھا۔ کیونکہ اسی کے زور دینے پر صلح نامے کے ٹکڑے کر کے مصر بھیجے گئے تھے اور اپنی اسی توہین کا انتقام لینے کے لئے صلاح الدین ایوبی نے طرطوسہ پر قبضہ کیا تھا۔ فرینکس کی شکست فاش اور آرنس کی گرفتاری پر شروع میں تو ریمنڈ نے جشن کیف ونشاط منایا تھا کہ یہ زہریلا کانٹا ہمیشہ کے لئے اس کے راستے سے دور ہو گیا۔ مگر جب صلاح الدین ایوبی نے نئی صلح کی یہ شرط رکھی کہ ریمنڈ اپنے طرز عمل پر کھلے الفاظ میں معافی مانگے تو وہ پاگل سا ہو گیا۔ پھر ریمنڈ اسی بدحواسی کے عالم میں شہنشاہ بالڈون چہارم کے کمرے میں پہنچا جہاں خاندان شاہی کے دیگر افراد بھی جمع تھے۔

جب ریمنڈ نے شہنشاہ بالڈون کے سامنے صلاح الدین ایوبی کی شرط پیش کی تو بالڈون اور شاہی خاندان کے تمام افراد نے بیک زبان کہا۔ "چاہے تمہیں ہزار بار صلاح الدین ایوبی سے معافی مانگنی پڑے مگر سالار آرنس کی رہائی بہت ضروری ہے۔ وہ اور تمام صلیبی فدائین ہمارا سب سے قیمتی سرمایہ ہیں۔"

اک بار پھر ریمنڈ کو شاہی خاندان کے سامنے ذلیل وخوار ہونا پڑا۔ اگر اس میں ذرا بھی غیرت ہوتی تو وہ استعفیٰ دے کر یروشلم سے چلا جاتا لیکن ریمنڈ انتہائی درجے کا بے حیا انسان تھا۔ اقتدار سے چپٹے رہنے کی خواہش نے اسے صلاح الدین ایوبی سے معافی مانگنے پر مجبور کر دیا۔

سفارتی مہم جوئی ایک بار بری طرح ناکام ہو چکی تھی، اس کا دوبارہ آغاز کیا گیا۔ اب کی مرتبہ آرمینیا اور طرابلس کے قاصدوں کے ساتھ یروشلم کا سفیر بھی طرطوسہ پہنچا۔ پھر طویل مذاکرات کے بعد صلاح الدین ایوبی کے درمیان یہ بات طے پا گئی کہ تمام عیسائی ریاستیں مل کر سالار آئرس کے فدیے اور تاوان جنگ کے طور پر تیس لاکھ دینار ادا کریں گے۔ تمام عیسائی سفیروں نے صلاح الدین ایوبی کے مطالبات مان لئے اور پھر طے پایا کہ ''سمیساط'' کے مقام پر آرمینیا، طرابلس، الجزیرہ، موصل، حلب اور یروشلم کے حکمران جمع ہوں گے۔ اس کے بعد ایک نیا صلح نامہ تیار کیا جائے گا۔ یہ صلاح الدین ایوبی کی بڑی فتح تھی۔

عیسائی سفیر طرطوسہ سے واپس جا کر اس خصوصی اجلاس کی تیاری کر رہے تھے اور دوسری طرف صلاح الدین ایوبی کے حکم پر سالار آئرس کو قید خانے سے نکال کر طرطوسہ کے گلی کوچوں میں پھرایا جا رہا تھا۔ بڑا ہی رسوا کن اور عبرت ناک منظر تھا۔ سالار آئرس کا منہ کالا کر کے اسے ایک خچر پر بٹھا دیا گیا تھا۔ والیٔ مصر کے نقیب طرطوسہ کے ہر مسلمان گھر کے سامنے اعلان کرتے پھر رہے تھے۔

''لوگو آؤ! اور سالار آئرس سے اپنی ذلت و رسوائی کا انتقام لو۔''

نقیبوں کی صدائیں سن کر طرطوسہ کی مسلمان عورتیں، مرد، بوڑھے اور بچے اپنے اپنے گھروں سے نکل آئے تھے۔ سالار آئرس اپنے سیاہ چہرے کے ساتھ سر جھکائے ہوئے خچر کی پشت پر سوار تھا۔

اگر طرطوسہ کے مسلمانوں کا بس چلتا تو وہ اپنی عزت و آبرو کے قاتل کی اس طرح بوٹیاں کر دیتے جیسے گدھ، چیل اور کوے کسی مردہ جانور کا گوشت نوچ نوچ کر کھاتے ہیں...... لیکن صلاح الدین ایوبی کا حکم تھا کہ سالار آئرس کے جسم کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ ویسے طرطوسہ کے مسلمان جس طرح چاہیں اس سفید فام درندے کو ذلیل و رسوا کریں۔ نتیجتاً تمام عورتوں، بوڑھوں اور بچوں نے جی بھر کے سالار آئرس کے جسم پر تھوکا اور بار بار اس کے کالے چہرے پر جوتے مارے۔

سالار آئرس ہذیانی انداز میں چیخ رہا تھا۔ ''صلاح الدین! تجھ پر مقدس باپ اور بیٹا مل کر اپنا قہر نازل کریں۔ اگر تو مرد ہے تو مجھے شمشیر کے ایک وار میں قتل کیوں نہیں کر دیتا۔ میرے ساتھ یہ کیسا کھیل، کھیل رہا ہے؟''

جیسے ہی سالار آئرس کی بات مکمل ہوئی، صلاح الدین ایوبی کے ایک سپاہی نے صلیبی فدائین کے قائد کے منہ پر زوردار تھپڑ مارا جس کے نتیجے میں سالار آئرس خچر کی پشت سے نیچے گر پڑا۔ پھر فوراً ہی کچھ سپاہیوں نے اسے پکڑ کر دوبارہ خچر پر بٹھایا۔

''تو کیسا مرد ہے جو مسلسل ذلتیں برداشت کر رہا ہے؟'' اسی سپاہی نے چیخ کر کہا جس نے سالار آئرس کے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔ ''اگر تجھ میں ذرا بھی غیرت ہوتی تو قید خانے کی دیواروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر مر جاتا مگر اپنا منہ کالا نہیں ہونے دیتا۔''

''مجبور ہوں...... مجبور ہوں۔'' سالار آئرس نے پاگلوں کی طرح چیختے ہوئے کہا۔

سالار آئرس کی اس چیخ کے جواب میں طرطوسہ کے ایک مسلم نوجوان نے بلند آواز سے کہا۔

''اللہ تعالیٰ تجھے اتنا مجبور کر دے کہ تو دن رات اپنے مرنے کی دعائیں کرے اور موت بھی تجھے قبول نہ کرے۔''

پھر جب سالار آئرس کی رسوائی کا تماشا مکمل ہو چکا تو پھر اسے دوبارہ قید خانے میں پہنچا دیا گیا۔

اب صلاح الدین کے حکم پر سالار آئرس کے جسم کی تمام ہڈیاں توڑی جا رہی تھیں...... اور اس کی چیخوں سے فرینکس کی عشرت گاہ کے در و دیوار گونج رہے تھے۔

اور دوسری طرف عیسائی اور مسلم ریاستیں مل کر اس خصوصی اجلاس کی تیاریاں کر رہی تھیں جس میں صلاح الدین ایوبی کو شریک ہونا تھا اور شاہ یروشلم ریمنڈ کو والیٔ مصر سے اپنے گستاخانہ سلوک کی معافی مانگنی تھی۔

12 اکتوبر 1180ء ایشیائے کوچک کی تاریخ میں ایک یادگار دن تھا۔ دنیا بھر کے تمام غیر جانبدار مؤرخین اس دن کو ''صلاح الدین ایوبی کا دن'' قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ والیٔ مصر نے قبل از وقت اپنی شرائط منوانے کے بعد ہی اس خصوصی اجلاس میں شرکت کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

''سمیساط'' کا علاقہ اس وقت ایشیائے کوچک میں سیاسی سرگرمیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ دور دور تک یروشلم، حلب، موصل، الجزیرہ، طرابلس، آرمینیا اور قونیہ کے فوجی دستوں نے حفاظتی انتظامات کے تحت اس پورے علاقے کو گھیرے میں لے لیا تھا تاکہ اجلاس کے وقت کسی قسم کی بدنظمی اور انتشار کا امکان باقی نہ رہے۔ خود صلاح الدین ایوبی نے بھی اپنے حقیقی بھانجے فرخ شاہ کو لکھ بھیجا تھا کہ وہ ایک فوجی دستے کے ساتھ ''شام'' سے ''سمیساط'' پہنچ جائے۔ نتیجتاً فرخ شاہ اپنے دو ہزار منتخب شہسواروں کے ساتھ موجود تھا۔ اس نوجوان مجاہد سالار کو دیکھ کر موصل، حلب اور الجزیرہ کے مسلمان سپاہی بہت پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ کیونکہ فرخ شاہ نے انہیں کئی معرکوں میں شکست فاش سے دوچار کیا تھا۔ اور اب بڑے جاہ و جلال کے ساتھ شام پر حکومت کر رہا تھا۔

فرخ شاہ سے صلیبی سپاہی بھی خوش نہیں تھے۔ کیونکہ اسی نوجوان سالار نے کئی جنگوں میں عیسائیوں کو بھی میدان سے فرار ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ مگر فرخ شاہ حریفوں کے جذبات سے بے نیاز، اپنا پرچم بلند کئے اس عمارت کے قریب کھڑا تھا، جہاں کچھ دیر بعد خصوصی اجلاس شروع ہونے والا تھا۔

قونیہ کا سلطان، طرابلس کا حاکم ایڈم، موصل کا حکمران عزالدین مسعود اور شاہ آرمینیا سمیساط پہنچ کر اس خوبصورت عمارت میں داخل ہو چکے تھے جسے آج بطور خاص بالکل نئے انداز سے سجایا گیا تھا۔ جب یہ تمام عیسائی اور مسلمان حاکم عمارت کے قریب پہنچے تھے تو تمام سپاہیوں نے مل کر انتہائی پرجوش انداز میں نعرے لگائے تھے۔ مگر جب والیٔ شام فرخ شاہ یہاں پہنچا تھا تو کسی نعرے کی صدا بلند نہیں ہوئی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر فرخ شاہ کو شدید صدمہ پہنچا تھا کہ اسلامی ریاستوں کے سپاہی صلیبی فوجیوں کے ساتھ کھڑے تھے اور عیسائی حکمرانوں کی سلامتی کے لئے زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔ کچھ دیر تک فرخ شاہ اپنے گھوڑے کی پشت پر سوار یہ تکلیف دہ منظر دیکھتا رہا۔ پھر اس نے پوری

طاقت سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ اپنے سالار کے نعرے کے جواب میں شام کے دو ہزار سپاہیوں نے بھی اپنے اللہ کی کبریائی بیان کی۔ صلیبی تو نعرۂ تکبیر سے ہمیشہ خوفزدہ رہتے ہی تھے۔ کیونکہ عیسائی جنگی ماہرین کی رائے کے مطابق یہ نعرہ سن کر تو مردہ مسلمان سپاہی بھی دوبارہ جی اٹھتے تھے۔ مگر سب سے زیادہ افسوس کا مقام یہ تھا کہ موصل، حلب، الجزیرہ اور قونیہ کے مسلمان سپاہی بھی فرخ شاہ اور شامی شہسواروں کا یہ نعرہ سن کر خوش نہیں ہوئے تھے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ تمام اسلامی ریاستوں کے حکمرانوں نے صلاح الدین ایوبی سے شکست کھائی تھی۔ جو ابھی تک اجلاس میں شرکت کرنے کے لئے سمیساط نہیں پہنچا تھا۔

پھر وہ مرد مجاہد آیا اور بڑی شان سے آیا۔ صلاح الدین ایوبی کے چہرے سے غرور و تکبر کے بجائے غیر معمولی سنجیدگی، تحمل اور وقار جھلک رہا تھا۔ والئ مصر کے ہمراہ اس کا چھوٹا بھائی ملک عادل اور ایک ہزار کے قریب جانباز سپاہی تھے۔ جیسے ہی صلاح الدین ایوبی کا گھوڑا نمودار ہوا، فرخ شاہ اور شامی سپاہیوں نے دوبارہ نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ مصری سپاہیوں نے بھی شامیوں کی تقلید کی اور کچھ دیر تک سمیساط کی فضا اللہ اکبر کے نعروں سے گونجتی رہی۔ یہ آوازیں اس قدر تیز تھیں کہ عمارت کے اندر موجود عیسائی اور مسلمان حکمرانوں کو بھی اندازہ ہو گیا کہ صلاح الدین ایوبی آ پہنچا ہے۔

پھر جیسے ہی والئ مصر گھوڑے سے اترا، ملک عادل، فرخ شاہ اور دیگر جانبازوں نے اسے اپنے نرغے میں لے لیا۔

پھر جب صلاح الدین ایوبی اس طویل و عریض ہال کے دروازے میں داخل ہوا تو اجلاس میں شریک ہونے والے تمام حکمران احتراماً اپنی نشستوں سے کھڑے ہو گئے۔ اگرچہ احترام کا یہ مظاہرہ سراسر رسمی اور جبری تھا...... لیکن ایسا کرنے پر وہ سب کے سب مجبور تھے۔ کیونکہ یہ خصوصی اجلاس والئ مصر کی شرائط پر منعقد ہو رہا تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے خوشدلی کے ساتھ اجلاس کے شرکاء سے فرداً فرداً مصافحہ کیا۔ جب اس نے والئ موصل کی طرف ہاتھ بڑھایا تو عزالدین مسعود نے بڑی ناگواری کے ساتھ اپنے ہاتھ کو حرکت دی۔ اسے ایک غلام زادے سے مصافحہ کرتے ہوئے شدید ذلت کا احساس ہو رہا تھا۔ مگر یہ کیسی عجیب گردش وقت تھی کہ والئ موصل یہ ذلت گوارہ کرنے پر مجبور تھا۔

صلاح الدین ایوبی نے عزالدین مسعود کے چہرے سے اس کی دلی کیفیت کا اندازہ کر لیا تھا۔ پھر بھی والئ مصر نے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بآواز بلند کہا۔ ”میں اب بھی آپ کا احترام کرتا ہوں۔ اس لئے کہ آپ میرے محسن کے بھتیجے ہیں۔“

عزالدین مسعود صلاح الدین ایوبی سے اس قدر نفرت اور حسد کرتا تھا کہ اس نے صورت حال کی نزاکت کا احساس بھی نہیں کیا اور نہایت تند و تیز لہجے میں بولا۔ ”تمہیں میرا احترام کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں اول و آخر قابل احترام ہوں...... تم جس کام کے لئے یہاں آئے ہو، اسے جلد از جلد انجام دو...... اور میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔“

صلاح الدین ایوبی نے والئ موصل عزالدین مسعود کے اس تحقیر آمیز سلوک کو بڑی مشکل سے برداشت کیا اور ضبط و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ پھر بھی اس نے حاکم طرابلس ایڈم اور شاہ آرمینیا رہوپن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”اس اجلاس میں شرکت کرنے کے لئے مجھے آپ جیسے معزز حضرات کی طرف سے کئی دعوت نامے موصول ہوئے تھے۔ اس کے بعد میں سمیساط پہنچا ہوں۔ پھر بھی اگر شرکائے اجلاس کی نظر میں میری حیثیت بن بلائے مہمان جیسی ہے تو میں کوئی شکایت کئے بغیر طوسہ واپس جا رہا ہوں۔“

صلاح الدین ایوبی کی بات سن کر اجلاس میں موجود تمام حکمران اور سیاسی نمائندے گھبرا گئے۔ والئ موصل عزالدین مسعود کی بدتمیزی نے اجلاس کی ساری فضا ہی مکدر کر دی تھی۔

شاہ آرمینیا رہوپن انتہائی معذرت خواہانہ لہجے میں صلاح الدین ایوبی سے مخاطب ہوا۔ ”آپ کیسے واپس جا سکتے ہیں؟ اگر چلے گئے تو پھر اس اجلاس کی صدارت کون کرے گا؟“ یہ کہہ کر شاہ آرمینیا رہوپن مڑا اور والئ موصل سے مخاطب ہوا۔ ”عزالدین کیا آپ اپنے ہوش میں نہیں ہیں؟“ شاہ آرمینیا کا لہجہ تلخ بھی تھا اور تیز بھی...... ”اگر تم موصل واپس جانا چاہتے ہو تو اسی وقت چلے جاؤ...... مگر خدا کے لئے امن کی اس فضا کو برباد نہ کرو جسے سازگار بنانے کے لئے ہم نے کئی ماہ تک شب و روز محنت کی ہے۔“

والئ موصل واپس کیسے جاتا؟ وہ بھی دوسرے حکمرانوں کی طرح اس اجلاس میں شریک ہونے کے لئے مجبور تھا۔ اسے پہلے ہی صلاح الدین ایوبی کی طرف سے بے شمار اندیشے اور خطرات لاحق تھے۔ اس طرف سے وہ پرسکون نیند سو بھی نہیں سکتا تھا کہ کہیں کسی دن والئ مصر دمشق کی طرح موصل پر بھی قبضہ نہ کر لے۔ ان ہی وسوسوں سے نجات پانے کے لئے عزالدین مسعود ”سمیساط“ آیا تھا۔ مگر یہ اس کا خاندانی غرور اور جنون ہی تھا کہ وہ صلاح الدین ایوبی کو اتنے قریب پا کر بدحواس ہو گیا اور شرکائے اجلاس کے سامنے اپنی خاندانی برتری دکھانے کے لئے گستاخانہ لہجے میں والئ مصر سے مخاطب ہوا۔

بالآخر شاہ آرمینیا رہوپن اور حاکم طرابلس ایڈم کے اصرار پر عزالدین مسعود کو صلاح الدین ایوبی سے اپنے جارحانہ رویے کی معذرت کرنی پڑی۔ والئ موصل دو بار میدان جنگ میں صلاح الدین ایوبی کے مقابل ہوا تھا اور ذلت آمیز شکست کے بعد اسے فرار ہونا پڑا تھا۔ مگر آج کی شکست بڑی ہی شرمناک تھی کہ عزالدین مسعود کو کئی طاقتور حکمرانوں کے سامنے والئ مصر سے معافی مانگنی پڑی تھی۔

”سمیساط“ میں منعقد ہونے والے اس خصوصی اجلاس کا اہتمام اس طرح کیا گیا تھا کہ ایک بہت بڑی میز کمرے کے وسط میں رکھی گئی تھی اور اس کے چاروں طرف انتہائی قیمتی لکڑی سے بنی ہوئی کرسیاں بچھائی گئی تھیں، جن سے امیرانہ شان ظاہر ہوتی تھی۔ صلاح الدین ایوبی کی کرسی میز کے ایک سرے کے درمیان میں تھی...... جس پر بیٹھنے کے بعد بیک وقت تمام حاضرین مجلس پر نظر رکھی جا سکتی تھی۔

والئ موصل عزالدین مسعود کی جارحانہ گفتگو سے پیدا ہونے والی تلخی کو مٹانے کے لئے شاہ آرمینیا

رہوپن اور حاکم طرابلس ایڈم صلاح الدین ایوبی کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ پھر جب والیٔ مصر کرسیٔ صدارت پر بیٹھ گیا تو شاہ آرمینیا اور حاکم طرابلس بھی اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔

اجلاس کا آغاز صلاح الدین ایوبی نے چند آیات قرآنی سے کیا۔ جن سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور پیغمبر اسلام ﷺ کے رحمت عالم ہونے کا اظہار ہوتا تھا۔ ان مخصوص آیات مقدسہ کی تلاوت سے والیٔ مصر کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ عیسائی حکمرانوں تک اسلام کی صلح پسندی اور رواداری کا پیغام پہنچا سکے۔ اس دوران میں وسیع و عریض ہال کے در و دیوار پر گہرا سناٹا طاری رہا۔

پھر صلاح الدین ایوبی یکا یک اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا۔ والیٔ مصر کے اس طرز عمل سے تمام حاضرین مجلس حیرت زدہ تھے۔ پھر ان لوگوں نے دیکھا کہ صلاح الدین ایوبی نے اپنے پیرہن کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ تمام شرکائے اجلاس کی نظریں والیٔ مصر کے ہاتھ پر مرکوز تھیں۔ پھر جب صلاح الدین کا ہاتھ پیرہن کی جیب سے باہر آیا تو اس کی انگلیوں میں کاغذ کے کچھ ٹکڑے دبے ہوئے تھے۔ والیٔ مصر نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور کھڑے کھڑے شرکائے اجلاس سے مخاطب ہوا۔

"یہ اس صلح نامے کے ٹکڑے ہیں جو شاہ یروشلم ریمنڈ کی طرف سے مصر بھیجے گئے۔ آپ حضرات گواہ رہیں کہ سلامتی کی اس دستاویز کو میں نے چاک نہیں کیا ہے۔" یہ کہتے کہتے صلاح الدین ایوبی کی آواز بلند ہو گئی تھی اور اس کے لہجے سے جلال ایمانی جھلکنے لگا تھا۔ "طرطوسہ پر قبضہ میری ہوس ملک گیری یا توسیع پسندی کا حصہ نہیں...... میں تو شاہ یروشلم کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ اہلِ ایمان نے کسی کمزوری یا مجبوری کے سبب صلح اور امن و آشتی کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔ یہ تو صحیح العقیدہ مسلمانوں کی فطرت ہے کہ وہ فتنہ و شر سے اس وقت تک گریز کرتے ہیں، جب تک ان پر جنگ مسلط نہیں کر دی جاتی۔" اتنا کہہ کر صلاح الدین ایوبی دوبارہ اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔

والیٔ مصر کے بیٹھتے ہی شاہ یروشلم ریمنڈ کا نمائندہ خاص کھڑا ہوا۔ اس کے ہاتھ میں سنہری جلد کی ایک کتاب نما دستاویز تھی، یہ دستاویز دراصل وہ معذرت نامہ تھا جو ریمنڈ نے صلاح الدین ایوبی کے نام تحریر کیا تھا۔

"میں نگراں شاہ یروشلم ریمنڈ والیٔ مصر صلاح الدین ایوبی سے شرمندہ ہوں کہ میری ایک اضطراری حرکت سے صلح نامہ کی دستاویز کو نقصان پہنچا...... اور میں معاہدہ شکنی کا مرتکب ہوا۔ مجھے امید ہے کہ والیٔ مصر میری اس معذرت کو قبول کریں گے اور اپنے دل و دماغ سے غلط فہمیوں کے گرد و غبار کو دھو ڈالیں گے۔"

شاہ یروشلم ریمنڈ کے اس معذرت نامے کے پڑھے جانے کے بعد صلاح الدین ایوبی کے چہرے پر مسرت آمیز فاتحانہ رنگ ابھر آیا۔ پھر اس نے یروشلم کے نمائندۂ خاص سے سونے کی جلد میں لپٹا ہوا معذرت نامہ لے لیا اور اس کے اندر گزشتہ صلح نامے کے ٹکڑے رکھتے ہوئے اجلاس کے شرکاء سے مخاطب ہو کر بولا۔

"میں جانتا ہوں کہ شاہ یروشلم کو جب بھی موقع ملے گا وہ اپنے سارے عہد و پیمان بھول جائیں

گے۔ اس لئے میں ان کی تحریر کو اپنے پاس محفوظ کر رہا ہوں۔"

صلاح الدین ایوبی کی بات سن کر شاہ آرمینیا رہوپن، حاکم طرابلس ریمنڈ اور یروشلم کے نمائندے کے چہرے اتر گئے۔ والیٔ مصر نے بڑے شائستہ اور مہذب الفاظ میں عیسائی حکمرانوں کو وعدہ فراموش اور عہد شکن قرار دے دیا تھا۔ مگر وہ سب کے سب اس وقت شدید حالت جبر میں تھے اور صلاح الدین ایوبی کی ہر طعنہ زنی سننے کے لئے تیار تھے اور کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ برسر اجلاس اٹھ کر والیٔ مصر کی کسی بھی بات کی نفی کر سکے۔

بالآخر شاہ آرمینیا نے اپنی نشست سے اٹھ کر نئے صلح نامے کی دستاویز صلاح الدین ایوبی کے سامنے پیش کی۔ معاہدے کی ساری شرائط پہلے ہی سفارتی مذاکرات کے ذریعے طے ہو چکی تھیں۔ اس دستاویز میں انہیں صرف تحریری شکل دی گئی تھی۔ یہ صلح نامہ صرف دو سال کی مدت کے لئے تھا۔ تمام فریقین نے حلف کے انداز میں یہ اقرار کیا تھا کہ ان دو سالوں کے دوران مکمل امن و امان کی فضا کو بحال رکھا جائے گا۔ اس معاہدے میں یروشلم، طرابلس اور آرمینیا کے ساتھ قونیہ کے سلطان، حلب، موصل، الجزیرہ، مریدین، اربل اور کیفا کے شہزادے بھی شامل تھے۔

صلاح الدین ایوبی نے دیر تک دستاویز کے ایک ایک لفظ کو بغور پڑھا اور پھر شاہ آرمینیا رہوپن سے مخاطب ہوا۔ "اس معاہدے میں فرینکس کے سالار آرس کی رہائی کا ذکر تو موجود ہے۔ مگر اس رقم کا کوئی حوالہ نہیں جو آپ حضرات کو ادا کرنا ہے۔"

والیٔ مصر کا اعتراض سن کر ایک بار پھر شرکائے اجلاس کے چہرے اتر گئے۔

شاہ آرمینیا رہوپن جو اس معاہدے میں پیش پیش تھا، اس نے فوراً ہی اپنی خجالت مٹانے کے لئے کہا۔ "رقم کی ادائیگی اپنی جگہ ہے...... مگر کچھ سیاسی مجبوریوں کے تحت معاہدے میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ والیٔ مصر ہماری ان مجبوریوں کو سمجھ جائیں گے۔"

صلاح الدین ایوبی کچھ دیر تک شاہ آرمینیا رہوپن کے الفاظ پر غور کرتا رہا۔ پھر انتہائی باوقار لہجے میں بولا۔ "معاہدہ زبانی ہو یا تحریری...... صاحبان کردار کے نزدیک دونوں صورتیں یکساں ہیں۔ بہر حال میں شرط پوری ہونے کے بعد سالار آرس کو رہا کر دوں گا۔"

یروشلم، طرابلس اور آرمینیا کے عیسائی حکمرانوں نے مل کر یہ طے کیا تھا کہ معاہدے کی دستاویز میں رقم کی ادائیگی کا ذکر نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس طرح یہ بات ضبط تحریر میں آ جائے گی...... اور پھر ہمیشہ کے لئے ایک مثال بن کر رہ جائے گی کہ صلیبیوں نے مسلمانوں سے دب کر صلح کی تھی بلکہ انہیں تاوانِ جنگ بھی ادا کیا تھا۔

شاہ آرمینیا رہوپن کی زبانی یقین دہانی کے بعد والیٔ مصر صلاح الدین ایوبی نے سب سے پہلے اس دو سالہ معاہدۂ امن پر اپنی مہر ثبت کی۔ اس کے بعد ایک ایک کر کے تمام شرکائے اجلاس نے دستاویز پر دستخط کئے۔ پھر جب یہ دستاویز گردش کرتی ہوئی والیٔ موصل عزالدین مسعود کے سامنے پہنچی تو اس نے اس قدر ناگواری کے ساتھ معاہدے پر اپنی مہر ثبت کی کہ جیسے وہ دنیا کا بدترین کام انجام

دے رہا ہو۔ عزالدین مسعود کے قریب ہی حلب کا نمائندۂ خاص بیٹھا تھا۔ جب اس نے دستاویز پر حلب کی مہر ثبت کرنی چاہی تو صلاح الدین ایوبی نے بآواز بلند اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''اس اجلاس میں سلطان معظم کی غیر موجودگی ظاہر کر رہی ہے کہ خدانخواستہ والیٔ حلب کی طبیعت کچھ ناساز ہے؟'' صلاح الدین ایوبی کے لہجے سے فکر اور تشویش کا اظہار ہو رہا تھا۔

والیٔ مصر کی بات سن کر حلب کا نمائندہ خاص مہر لگاتے لگاتے رک گیا اور اس نے والیٔ مصر کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''تم نے ٹھیک ہی اندازہ کیا۔ واقعتاً سلطان معظم کی طبیعت ناساز ہے، ورنہ وہ بہ نفسِ نفیس اس اہم ترین اجلاس میں ضرور شرکت کرتے۔'' حلب کے نمائندۂ خاص کا لہجہ انتہائی رسمی اور خشک تھا۔ اس نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا تھا۔ سلطان ملک صالح قصداً ''سمیساط'' نہیں آیا تھا کہ وہ کسی ایسے اجلاس میں شریک ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ جس کی صدارت اس کا غلام صلاح الدین ایوبی کر رہا ہو۔ اس لئے سلطان ملک صالح نے بڑی ہوشیاری سے خود کو بیمار ظاہر کر کے اپنا دامن بچا لیا تھا۔

حلب کے نمائندۂ خاص کی زبانی سلطان ملک صالح کی علالت کی خبر سن کر صلاح الدین ایوبی اداس ہو گیا اور اس نے نہایت پُرسوز لہجے میں حلب کے نمائندۂ خاص سے کہا۔ ''جب تم واپس جاؤ تو سلطانِ معظم کے حضور میں بصد شوق و نیاز میرا اسلام عرض کرنا...... اور کہنا کہ یہ خادم ان کی صحت اور اقبال مندی کے لئے دن رات دعائیں کرتا ہے۔'' یہ صلاح الدین ایوبی کی احسان شناسی کا واضح ثبوت تھا کہ اس نے اجلاس میں شریک کئی حکمرانوں کے سامنے اپنے خادم ہونے کا اعتراف کیا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو والیٔ موصل اور حلب کے نمائندۂ خاص کے ساتھ ایک فاتح کی حیثیت سے انتہائی جارحانہ سلوک کرتا اور سیاسی اعتبار سے اس کا یہ طرز عمل جائز و مناسب قرار دیا جاتا..... لیکن سلطان نورالدین محمودؒ کے حوالے سے اسے خاندان زنگی کے ایک ایک فرد سے نہایت محبت و عقیدت تھی اور اس نے سمیساط کے اس اہم ترین اجلاس میں بڑی فراخ دلی کے ساتھ اپنے جذبات کا اظہار بھی کر دیا تھا۔ اگر عزالدین مسعود اور حلب کے نمائندۂ خاص کو ذرا بھی احساس ہوتا تو وہ صلاح الدین ایوبی کے اس طرز عمل کی دل سے قدر کرتے۔ کیونکہ سیاسی عقیدے کے مطابق کوئی فاتح اپنے ماضی کا حوالہ نہیں دیتا...... اور خود کو علی الاعلان کسی شخص کا خادم نہیں کہتا۔ مگر خاندان زنگی کا ہر چھوٹا بڑا فرد صلاح الدین ایوبی کو غاصب اور ظالم قرار دے کر اس کی تحقیر اور ذلت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا تھا اور آج سمیساط کے اجلاس میں بھی کئی بار اس کے مظاہرے کئے گئے تھے۔

دستاویز مکمل ہو جانے کے بعد اس کی ایک ایک نقل فریقین میں تقسیم کر دی گئی۔

اجلاس کی اختتامی تقریر کرتے ہوئے صلاح الدین ایوبی نے اپنی نشست سے کھڑے ہو کر حاضرین کو مخاطب کیا۔ ''میں حق تعالیٰ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ اس کے کرم سے اسی کی زمین کے ایک مخصوص علاقے پر امن قائم ہو گیا۔ اب یہ ہم ناشکر گزار انسانوں پر منحصر ہے کہ اس امن کو کتنی دیر قائم رکھتے ہیں۔ میں ایک مسلمان کی حیثیت سے تمام شرکائے اجلاس کو یقین دلاتا ہوں کہ معاہدہ شکنی

کا آغاز میری طرف سے نہیں ہوگا۔'' یہ کہہ کر والیٔ مصر چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گیا اور شرکائے اجلاس کے چہروں کا بغور جائزہ لینے لگا۔ پھر مختصر سے وقفۂ سکوت کے بعد صلاح الدین ایوبی نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''میرے پاس ایسی کئی مصدقہ اطلاعات موجود ہیں کہ عیسائی ریاستوں میں مسلمان اقلیتوں کو کسی قسم کا تحفظ حاصل نہیں۔'' یہ کہتے کہتے والیٔ مصر کی آواز سے شدید اذیت و کرب جھلکنے لگا تھا۔ ''مجھے تو یہاں تک بتایا گیا ہے کہ ان علاقوں میں میرے ہم مذہبوں کی حیثیت جانوروں سے بھی کم ہے۔''

ابھی صلاح الدین ایوبی کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ حاکم طرابلس ایڈم مشتعل ہو کر اپنی نشست سے کھڑا ہو گیا۔ ''والیٔ مصر کو دی جانے والی ساری اطلاعات من گھڑت افسانے اور بے [illegible] داستانیں ہیں۔'' ایڈم کا لہجہ انتہائی تند و تیز تھا۔

ایڈم کا یہ طرز گفتگو دیکھ کر صلاح الدین ایوبی کے جذبات بھی بے قابو ہونے لگے۔ مگر اس نے بے مثال ضبط و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے لہجے کو بگڑنے نہیں دیا۔ ''حاکم طرابلس یہ بات اس شخص سے کہہ رہے ہیں جس نے طرطوسہ میں ان ستم رسیدہ مسلمانوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جو فرینکس کے حیوانی تشدد کا شکار ہوئے۔ میں شاہ آرمینیا اور یروشلم کے نمائندۂ خاص کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ طرطوسہ تشریف لائیں اور بچشم خود ان دردناک مناظر کا مشاہدہ کریں، جنہیں دیکھ کر شاید حیوان بھی رو پڑیں۔ اگر آپ خود نہیں آ سکتے تو اپنے نمائندوں کو طرطوسہ بھیج دیں۔ مگر ایسے نمائندے جو روایتی جھوٹے نہ ہوں...... بلکہ سچ بولنے کی جرأت بھی رکھتے ہوں۔ طرطوسہ کے مسلمانوں کی عزت و آبرو کے آبگینوں کو توڑنے کے بعد ان کی مسجدیں بھی ڈھا دی گئی ہیں اور یہ سارے کارنامے اس مرد شجاع سالار آرتس نے انجام دیئے ہیں۔ جو آج کل میری قید میں ہے...... اور جسے چھڑانے کے لئے آپ سب لوگ یہاں جمع ہوئے ہیں۔'' صلاح الدین ایوبی کے ایک ایک لفظ سے دل کا درد جھلک رہا تھا۔ اگر کوئی دوسرا موقع ہوتا تو وہ عیسائی ریاستوں میں بسنے والے مسلمانوں کی حالت زار بیان کرتے ہوئے رو پڑتا۔

اجلاس میں موجود عیسائی حکمرانوں کے پاس صلاح الدین ایوبی کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس صورت حال کو بدلنے کے لئے شاہ آرمینیا رہوپن تیزی کے ساتھ اپنی نشست سے اٹھا اور عاجزانہ لہجے میں صلاح الدین ایوبی سے مخاطب ہوا۔

''ہم سب مل کر امن و سکون کی طرف قدم بڑھا رہے ہیں۔ اس لئے والیٔ مصر کو بھی چاہئے کہ وہ بھی ماضی کی تلخیوں کو فراموش کر دیں۔''

شاہ آرمینیا کی درخواست کے دوران صلاح الدین ایوبی نے اپنا زاویہ تبدیل نہیں کیا۔ وہ مسلسل حاکم طرابلس ایڈم کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ جب شاہ رہوپن خاموش ہو گیا تو صلاح الدین ایوبی انتہائی سخت لہجے میں ایڈم سے مخاطب ہوا۔

''حاکم طرابلس! آپ نے مجھے بہت مایوس کیا۔ میں اب تک ان تلخیوں کو بھلا دینے کی کوشش کر

رہا تھا۔ میرے پاس شاہ آرمینیا کے سوال کا ایک ہی جواب ہے کہ میں آخری بار ان دردناک واقعات کو فراموش کرنے کی کوشش کروں گا...... لیکن اگر آئندہ یہ صورت حال پیدا کی گئی اور میرے واپس جانے کے بعد طرطوسہ کے کسی مسلمان کو ستایا گیا تو سب سے پہلے پورے طرابلس کو آگ لگاؤں گا...... اور اس کے بعد میرا جذباتی ردعمل کیا ہوگا، میں اس کے بارے میں خود بھی نہیں جانتا۔"

پھر والیٔ مصر نے رسمی طور پر تمام شرکائے اجلاس سے ہاتھ ملایا اور تیزی کے ساتھ ہال کے دروازے کی طرف بڑھا...... باقی ریاستوں کے حکمراں اپنی اپنی نشستوں پر کھڑے رہے۔ بس شاہ آرمینیا رہوپن رخصتی آداب نبھانے کے لئے والیٔ مصر کے ساتھ ساتھ ہال سے باہر آیا اور اس وقت تک کھڑا رہا جب تک صلاح الدین ایوبی اپنے گھوڑے کی پشت پر سوار نہیں ہوگیا۔

ایک بار پھر سمیساط کی فضا نعرۂ تکبیر سے گونج اٹھی۔ صلاح الدین ایوبی انتہائی شاندار کامیابی کے ساتھ طرطوسہ کی طرف واپس جا رہا تھا اس نے اپنے بھانجے فرخ شاہ کو ہدایت کی تھی کہ وہ برق رفتاری کے ساتھ اپنے سپاہی لے کر واپس شام چلا جائے۔

......{☆}......

پھر جب شاہ آرمینیا رہوپن والیٔ مصر کو رخصت کرنے کے بعد ہال میں واپس آیا تو وہاں موجود ہر حاکم کا چہرہ بگڑا ہوا تھا۔ شاہ رہوپن نے بڑی حیرت سے شرکائے اجلاس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم لوگ اس معاہدۂ امن پر ناخوش ہو...... یا کوئی نیا واقعہ پیش آ گیا ہے؟"

"اس سے بڑا اور تکلیف دہ واقعہ کیا ہوگا کہ وہ غلام زادہ ہمیں ہمارے ہی گھر میں ذلیل کر کے چلا گیا...... اور ہم خاموشی کے ساتھ اس کا منہ دیکھتے رہے۔" والیٔ موصل عزالدین مسعود نے نہایت تحقیر آمیز لہجے میں جواب دیا۔

شاہ آرمینیا رہوپن کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھر آئی۔ "بے شک! صلاح الدین ایوبی ہمارا سیاسی حریف ہے، کھلا دشمن ہے مگر اس کے باوجود یہ بھی سچ ہے کہ وہ ایک نہایت اعلیٰ ظرف انسان ہے۔ میں نے کئی بار کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ تمہارے سامنے جھکا جا رہا تھا۔ اس کا طرزِ عمل یکسر خادمانہ تھا۔"

"صلاح الدین ایوبی ایسا کرنے پر مجبور تھا۔ اس لئے کہ وہ بچپن سے ہمارے خاندان کا غلام رہ چکا ہے۔" عزالدین مسعود کے اظہارِ نفرت میں مزید شدت آ گئی تھی۔

شاہ آرمینیا رہوپن بظاہر سنجیدہ ہوگیا تھا۔ مگر اس کی آنکھوں سے وہی طنزیہ اور استہزائیہ رنگ جھلک رہا تھا۔ "والیٔ موصل کو معلوم ہونا چاہئے کہ بچپن سے لے کر جوانی تک کے درمیان ایک طویل مدت حائل ہے۔ میری نظر میں اتنے عرصے تک اپنے آقا کے احسانات کو یاد رکھنا اور پھر برملا ان کا اظہار کرنا بہت ہی بڑے ظرف کی نشانی ہے...... ورنہ تو دنیا اس کا نام ہے کہ اکثر لوگ رات کی بات بھی یاد نہیں رکھتے۔ کیا تمہیں تاریخ کے وہ غلام یاد نہیں جو اپنے آقاؤں کو قتل کر کے اقتدار میں آئے ہیں؟"

والیٔ موصل کا غصہ کم ہونے کے بجائے کچھ اور بڑھ گیا۔ "میں دیکھ رہا ہوں شاہ رہوپن کہ تم حد سے زیادہ اس غلام زادے کی حمایت و وکالت کر رہے ہو...... تمہاری ہی وجہ سے مجھے معافی مانگنی پڑی۔"

عزالدین مسعود کی تند و تیز گفتگو سن کر شاہ آرمینیا رہوپن بھی برہم ہوگیا۔ "تو پھر تم نے اس سے کیوں معافی مانگی؟ ہمت تھی تو صلاح الدین ایوبی کے منہ پر تھوکتے اور اجلاس سے اٹھ کر چلے جاتے۔"

شاہ رہوپن کا یہ جارحانہ طرز گفتگو دیکھ کر والیٔ موصل سارا غصہ بھول گیا اور پریشان سا نظر آنے لگا۔

"میں تمہیں تمہارے دشمن کے طاقتور اور لمبے ہاتھوں سے محفوظ رکھنے کی تدبیریں کر رہا ہوں اور تم مجھ ہی کو ہدفِ ملامت بنا رہے ہو؟ کوئی زیادہ دیر نہیں گزری ہے...... ابھی صلاح الدین ایوبی مشکل سے ایک آدھ فرسنگ ہی گیا ہوگا...... تم اپنے کسی شہسوار کو بھیج کر والیٔ مصر کو معاہدہ توڑنے کی خبر دے سکتے ہو۔" شاہ آرمینیا رہوپن کے لہجے میں بے باکی کے ساتھ کسی قدر غصہ بھی شامل تھا۔

کم ہمت اور بزدل عزالدین مسعود معاہدہ تو کیا توڑتا کہ والیٔ مصر کے خوف سے وہ پرسکون نیند بھی نہیں سو سکتا تھا۔ یہ سارا تماشا تو محض اس لئے تھا کہ وہ شرکائے اجلاس کے سامنے جانے والی عزت کا بھرم رکھ سکے۔

والیٔ موصل عزالدین مسعود خاموش ہوا تو حاکم طرابلس ایڈم بول اٹھا۔ "آپ نے یہ نہیں سنا کہ وہ پورے طرابلس کو آگ لگانے کی دھمکی دے کر گیا ہے؟" ایڈم کا لہجہ بھی عزالدین مسعود ہی کی طرح تحقیر آمیز اور غضب ناک تھا۔

شاہ آرمینیا رہوپن نے ایک خاص انداز سے مسکراتے ہوئے اپنے ہم عقیدہ حکمراں ایڈم کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "میں نے اسی غرض سے معاہدۂ امن کی مدت دو سال رکھی ہے کہ تم اس عرصے میں طرابلس کے دفاعی انتظامات مضبوط تر کر لو۔ تاکہ اگر صلاح الدین ایوبی کی نیت میں فتور واقع ہو...... اور وہ آگ لگانے کے لئے تمہارے علاقے کی طرف بڑھے تو خود اس کے گرد آتشی حصار کھینچ دو...... اور پھر حملہ آور کے جل کر راکھ ہونے کا لذت انگیز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ سکو۔"

......{☆}......

صلاح الدین ایوبی نے طرطوسہ واپس پہنچ کر اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ مقامی مسلمانوں کے ساتھ مل کر از سرِ نو اس مسجد کی تعمیر شروع کریں جسے صلیبی فدائین فرینکس نے مسمار کر دیا تھا۔ والیٔ مصر نے مسجد کی بنیاد کے چند پتھر اپنے ہاتھ سے رکھے اور نہایت رقت آمیز لہجے میں اس طرح دعا کی۔

"اے حیّ قیوم! تیرے سوا دنیا کی ہر شے فانی ہے...... اپنی ان ہی صفات عالیہ کے صدقے میں ہمارے مردہ دلوں کو دوبارہ زندہ کر...... اور ہم ناتوانوں کی عاجزانہ کوششوں کو کامیابی سے ہمکنار فرما...... اور ہمارے گناہ گار ہاتھوں سے تعمیر کی جانے والی اس مسجد کو اس قدر وسیع و آباد کر دے کہ طرطوسہ کی فضاؤں میں صرف تیری ہی تسبیح و کبریائی کی صدائیں سنائی دیں...... تو ہی محافظ حقیقی اور نگہبان اعلیٰ ہے۔ اپنے نام لیواؤں کے گناہوں کو معاف فرما دے...... اور دوبارہ ان پر کوئی ایسا ظالم مسلط نہ کر کہ ان کا وجود ہی صفحۂ ہستی سے مٹ جائے۔ بیشک تو ہمارے اندازوں سے زیادہ رحیم و کریم

ہے۔ تیرے سوا کوئی کارساز اور مشکل کشا نہیں...... ہمیں دنیا و آخرت کے عذاب سے محفوظ رکھ۔"

صلاح الدین ایوبی کی یہ دعا اس قدر اثر انگیز تھی کہ سننے والے سپاہیوں کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ طرطوسہ کے برباد مسلمانوں کا تو یہ حال تھا کہ چیخیں مار کر رونے لگے۔

......}......☆......{......

پھر چند روز بعد ہی شاہ آرمینیا رہوپن کا سفیر اپنے چند سپاہیوں کی نگرانی میں تیس لاکھ دینار کی رقم لے کر طرطوسہ پہنچ گیا۔ صلاح الدین ایوبی نے آرمینیائی سفیر کو فرینکس کی عشرت گاہ میں ٹھہرایا۔ پھر والئ مصر کے کارندوں نے معاہدے میں طے پائی جانے والی رقم کا شمار کیا۔ اس کے بعد عشرت گاہ کے طویل و عریض ہال میں فرینکس کے سالار آرس کو لایا گیا۔ سالار آرس اس وقت ایک ہاتھ گاڑی پر لیٹا ہوا تھا اور دو مسلمان سپاہی اس گاڑی کو کھینچ رہے تھے...... آرمینیا کا سفیر یہ منظر دیکھ کر پریشان سا نظر آنے لگا۔

پھر وہ گاڑی والئ مصر کے قریب لا کر روک دی گئی۔ صلاح الدین ایوبی نے سالار آرس کو مخاطب کرتے ہوئے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا...... "آرس! اٹھ کر بیٹھو...... شاہ آرمینیا کے سفیر تمہیں اس قید خانے سے نکال کر آزاد فضاؤں میں لے جانے کے لئے آئے ہیں۔"

یہ سن کر آرس نے گاڑی پر لیٹے لیٹے آرمینیا کے سفیر کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

سالار آرس کی یہ حالت دیکھ کر آرمینیا کا سفیر اپنی نشست سے کھڑا ہو گیا۔ پھر وہ تیزی سے اس شخص کے پاس پہنچا جو صلیبی فدائین کا قائد تھا۔ اور ایشیائے کوچک کی تمام عیسائی ریاستیں اس کی بہادری اور جنگی صلاحیتوں پر ناز کرتی تھیں۔ "عظیم سالار! اب تم بہت جلد صحت یاب ہو جاؤ گے۔" آرمینیائی سفیر نے آرس کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "تمہیں نہیں معلوم کہ تمہاری گرفتاری کی خبر سن کر ہم سب لوگ کتنے پریشان تھے؟ اور تمہیں یہ بھی پتا نہیں کہ تمہاری رہائی کیلئے ہم کیسے کیسے مشکل مراحل سے گزرے ہیں؟"

آرمینیا کے سفیر کا خیال تھا کہ اس کی حوصلہ افزا باتیں سن کر سالار آرس کے چہرے سے رنج و الم کا سارا غبار ڈھل جائے گا۔ مگر خلاف توقع اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں میں تیزی آ گئی۔

"اب میرے لئے زنداں کا اندھیرا اور آزادی کا اجالا دونوں برابر ہیں۔ افسوس! تم اتنی دیر سے آئے کہ مجھ جیسے جانباز پر قیامت ٹوٹ پڑی اور میں زندہ درگور ہو گیا۔"

آرمینیائی سفیر نے چند قدم آگے بڑھ کر سالار آرس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان لے لیا۔ اور انتہائی محبت آمیز لہجے میں بولا۔ "تم کیسے ہلاک ہو سکتے ہو؟ بس چند دنوں کی بات ہے...... بہترین طبیب تمہارا علاج کریں گے اور تم صحت یاب ہو جاؤ گے۔"

"صحت مند تو میں اب بھی ہوں مگر دوسروں کا محتاج۔" یکایک سالار آرس کا لہجہ نہایت تلخ ہو گیا تھا۔ "نہ میں سہارے کے بغیر اٹھ کر بیٹھ سکتا ہوں۔ اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ کھا پی سکتا ہوں۔ میں دنیا

کا بدترین اپاہج ہوں۔ اور میرے ساتھ یہ ظالمانہ سلوک اس شخص نے کیا ہے جو تمہارے قریب بیٹھا ہے۔" سالار آرس نے اپنے ہاتھ سے صلاح الدین ایوبی کی طرف اشارہ کرنا چاہا۔ مگر وہ ہاتھ کو جنبش بھی نہ دے سکا اس لئے صلیبی فدائین کے قائد نے نفرت آمیز نگاہوں سے والئ مصر کی طرف دیکھا...... صلاح الدین نے سالار آرس کے مظالم کی بڑی عجیب اور دردناک سزا منتخب کی تھی۔ والئ مصر سالار آرس کو اذیتیں دے کر بھی مار سکتا تھا۔ مگر اس نے عقوبت کا نیا راستہ اختیار کیا۔ صلاح الدین ایوبی نے سالار آرس کے ٹخنوں، گھٹنوں، ہاتھوں، کلائیوں اور مونڈھوں کی ہڈیاں اس طرح تڑوا دیں کہ انہیں دوبارہ جوڑا نہیں جا سکتا تھا۔ پھر جب والئ مصر کے انتہائی فاضل طبیبوں نے یہ متفقہ فیصلہ دے دیا کہ سالار آرس کی شکستہ ہڈیوں کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے تو پھر سالار آرس کے سارے جسم پر ایسے مرہم لگائے گئے کہ ان کے اثر سے بہت جلد آرس کے تمام زخم بھر گئے۔ بظاہر فرینکس کا سالار ایک صحت مند انسان نظر آتا تھا لیکن اس کی معذوری اور بے چارگی ناقابل بیان تھی۔

سالار آرس کی زبانی اس کی روداد غم سن کر آرمینیا کا سفیر بھڑک اٹھا۔ اور نہایت تند و تیز لہجے میں صلاح الدین ایوبی سے مخاطب ہوا۔ "والئ مصر کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ معاہدۂ امن کی کھلی خلاف ورزی ہے۔"

"کیسی خلاف ورزی......؟" صلاح الدین ایوبی نے آرمینیائی سفیر کے جارحانہ طرز عمل پر کسی خاص رد عمل کا اظہار نہیں کیا بلکہ انتہائی پرسکون لہجے میں پوچھا۔

"یہی کہ آپ ہمارے عظیم سالار کو زندگی بھر کے لئے ناکارہ بنا دیں گے۔" آرمینیائی سفیر کے لہجے کی تلخی اور تیزی برقرار تھی۔

"آرمینیا کے سفیر کو اپنی زبان پر قابو رکھنا چاہئے۔" یکایک صلاح الدین ایوبی کا جلال ایمانی لوٹ آیا تھا۔ "ہم اہل اسلام تمہاری قوم کی طرح عہد شکن نہیں ہیں۔" میں نے "سمیساط" کے اجلاس میں اس بات کا اقرار کیا تھا کہ سالار آرس کو رہا کر دوں گا۔ اب یہ میری طرف سے آزاد ہے۔ تم اسے آرمینیا لے جاؤ یا طرابلس یا کہیں اور...... اگر کبھی تمہارے تاریک ذہنوں میں روشنی کی کوئی لہر ابھرے...... یا پتھر دلوں میں انسانیت کا ہلکا سا درد بھی جاگے تو اپنے اس بہادر اور عظیم سالار سے پوچھنا کہ اس نے اپنے دور اقتدار میں طرطوسہ کے بے دست و پا مسلمانوں پر کیسے کیسے حیا سوز مظالم ڈھائے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ اپنی عیار فطرت کے مطابق جھوٹ بولے گا...... اور تم لوگ بھی اپنی مکارانہ جبلت کے مطابق اسی کی باتوں پر اعتبار کرو گے۔ میں نے آرس کو نشان عبرت اس لئے بنایا ہے کہ تم اس سبق کو ہمیشہ یاد رکھو۔" یہ کہہ کر صلاح الدین ایوبی ہال سے نکل کر چلا گیا۔

پھر طرطوسہ کے عیسائیوں اور مسلمانوں نے یہ عبرت ناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آرمینیا کا سفیر سالار آرس کی زندہ لاش کو ایک گھوڑا گاڑی میں ڈال کر طرابلس کی طرف جا رہا تھا۔

......}......☆......{......

اس کے بعد صلاح الدین ایوبی نے تقریباً ایک ماہ تک طرطوسہ میں قیام کیا۔ اس دوران اس کے

سپاہیوں نے مسجد کی تعمیر کا کام مکمل کیا۔ اور پھر قرب و جوار سے لائے گئے ماہر کاریگروں نے خانۂ خدا کو رنگوں سے آراستہ کیا۔ پھر اسی مسجد میں صلاح الدین ایوبی نے نماز جمعہ کی امامت کی۔

اس کے بعد والیٔ مصر نے طرطوسہ کے تمام مسلمانوں کو فرینکس کی عشرت گاہ میں جمع کیا اور ''معاہدۂ سمیساط'' کے تحت حاصل کی جانے والی تیس لاکھ دینار کی تمام رقم طرطوسہ کے باشندوں میں تقسیم کردی۔ سب سے زیادہ رقم ان مسلمانوں کو دی گئی جن کی جوان بیٹیاں تھیں تاکہ وہ ان کی شادی کا انتظام کرسکیں۔ پھر ان لوگوں کو ترجیح دی گئی جن کے مالی حالات زیادہ خراب تھے۔ آخر میں والیٔ مصر نے فرینکس کی خوبصورت اور طویل و عریض عمارت کو مدرسے کے لئے وقف کردیا۔ جہاں طرطوسہ کے مسلمان اپنے بچوں کو مذہب کی تعلیم دلا سکتے تھے۔

پھر جب صلاح الدین ایوبی مصر واپسی کے لئے طرطوسہ کے ساحل پر پہنچا تو پوری بستی کے باشندے اسے رخصت کرنے کے لئے سمندر کے کنارے تک آئے ان میں وہ غریب عیسائی بھی شامل تھے جن کی والیٔ مصر نے مالی مدد کی تھی۔

بڑا سوگوار منظر تھا۔ عیسائیوں کی آنکھیں نم تھیں۔ اور طرطوسہ کے مسلمان چیخیں مار مار کر رو رہے تھے۔ ''اے ہمارے مسیحا! ہمیں چھوڑ کر کہاں جارہا ہے؟ اگر وہ درندے پھر لوٹ آئے تو ان کے خونی پنجوں سے ہمیں کون بچائے گا؟''

''حق تعالیٰ کارساز و بے نیاز ہے۔ وہ کسی دوسرے صلاح الدین کو تمہاری مدد کے لئے بھیج دے گا۔ بس اس ذات سے ڈرتے رہنا کہ اسی میں تمہاری نجات ہے۔''

اہل طرطوسہ سے آخری خطاب کر کے صلاح الدین جہاز پر سوار ہوگیا اور اس وقت تک عرشے پر کھڑا ساحل کی طرف دیکھتا رہا جہاں سینکڑوں اشکبار آنکھیں اسے رخصتی سلام پیش کررہی تھیں۔

......}☆{......

''معاہدۂ سمیساط'' اس معاہدے سے کہیں زیادہ شرمناک تھا جو چند ماہ پہلے شاہ یروشلم ریمنڈ اور صلاح الدین ایوبی کے درمیان قرار پایا تھا۔ معاہدۂ سمیساط کے تمام حریفوں کو نہ صرف صلاح الدین ایوبی سے معافی مانگنی پڑی تھی۔ بلکہ تاوان جنگ ادا کرنے کے سبب ان کا مالی نقصان بھی ہوا تھا۔ شاہ یروشلم ریمنڈ کو اس بات کا بہت دکھ تھا کہ صلاح الدین ایوبی اس کا تحریری معافی نامہ اپنے ساتھ مصر لے گیا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ریمنڈ کو یہ خوشی بھی تھی کہ اسے شاہی خاندان کے سامنے ذلیل کرنے والا سالار آرنس زندگی بھر کے لئے معذور ہوگیا تھا۔

آرنس اس وقت یروشلم کے محل میں مقیم تھا جہاں اس کی دیکھ بھال کے لئے دو خدمت گار مامور کر دیئے گئے تھے۔ سالار آرنس اپنی اس بے چارگی سے اس قدر چڑچڑا اور بدمزاج ہوگیا تھا کہ اگر کسی خدمت گار کو آنے میں چند لمحوں کی بھی دیر ہوجاتی تو وہ اسے غلیظ گالیاں سنانے لگتا۔ پھر جب یہ خبریں شاہی خاندان کے افراد تک پہنچیں تو انہوں نے سالار آرنس کے خلاف ایک جارحانہ فیصلہ کیا۔ اس کی جگہ ایک اور درندے ڈوڈن کو فرینکس کا نیا سالار مقرر کردیا گیا۔

پھر جب ڈوڈن نے آرنس کو اپنے سالار ہونے کی اطلاع دی تو وہ غصے سے پاگل ہوگیا۔ اور بے دریغ صلیبی فدائین کے نئے قائد کو گالیاں بکنے لگا۔ ڈوڈن نے صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا اور انتہائی نرم لہجے میں اپنے سابق سالار کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ''سالار! یہ تو رسم دنیا ہے کہ ایک جوان کو جلد یا بدیر بڑھاپے کے تحمل سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ اسی طرح ایک سالار کو بھی اپنی جسمانی طاقت کھو دینے کے بعد فوجی منصب سے دست بردار یا سبکدوش ہونا پڑتا ہے اب آپ اپنی زندگی کے باقی دن سکون سے گزاریں اور مجھے کامیابی کی دعائیں دیں۔ تاکہ میں فرینکس کے مقصد عظیم کو تکمیل تک پہنچا سکوں۔''

سالار آرنس کے پراگندہ دماغ نے اس زندہ اور روشن حقیقت کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور وہ ہذیانی انداز میں چیخنے لگا۔ ''میری زندگی میں سالاری کے منصب پر کوئی دوسرا فائز نہیں ہوسکتا۔''

یہ سن کر ڈوڈن خاموشی کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔ اور اس نے تمام صورتحال شاہی خاندان کے معتبر اور ذمہ دار افراد کے سامنے بیان کردی۔ آخر یروشلم کے بیمار شہنشاہ، اس کی بیوہ ماں ملکہ اریزونا اور خاندان کے دیگر تجربہ کار افراد نے نئے سالار ڈوڈن کو یہ اختیار دے دیا کہ وہ سالار آرنس کی قسمت کا فیصلہ کرسکتا ہے۔ انجام کار ڈوڈن رات کے اندھیرے میں سالار آرنس کے پاس پہنچا اپنے طاقت ور ہاتھوں سے سالار آرنس کی گردن دباتے ہوئے بولا...... ''خوش ہوجاؤ سالار کہ میں تمہیں ایک مستقل عذاب سے نجات دے رہا ہوں۔''

سالار آرنس ڈوڈن کے خونی پنجوں میں کچھ دیر تڑپا اور پھر اس کا معذور جسم ہمیشہ کیلئے ساکت ہوگیا۔

سالار آرنس کی موت کے چند ماہ بعد ہی صلاح الدین ایوبی کو ایک جانگداز واقعے کی خبر ملی جسے سن کر اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ والیٔ حلب سلطان ملک صالح پر درد قولنج کا شدید دورہ پڑا۔ اور وہ دنیا سے رخصت ہوگیا۔

انتقال کے وقت سلطان ملک صالح کی عمر بمشکل بائیس تیئس سال ہوگی۔ سلطان نورالدین زنگی کی وفات کے بعد جب ملک صالح تخت نشین ہوا تو وہ صرف گیارہ سال کا تھا۔ اس کا پورا نام اسماعیل الصالح تھا۔ اس جواں مرگ حکمران نے گیارہ بارہ سال اس طرح حکومت کی کہ وہ اپنے ہوس کار اور نمک حرام مشیروں کے ہاتھوں کی کٹھ پتلی بنا رہا۔ ان ہی بے ضمیر امراء نے سلطان ملک صالح کو شراب نوشی اور اوباشی کے دوسرے تباہ کن راستوں پر لگایا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ والیٔ حلب اور صلاح الدین ایوبی کے درمیان نفرت کی اتنی بلند اور مضبوط دیوار کھڑی کردی جو اس کے انتقال تک والیٔ مصر کی ہزار کوششوں کے باوجود نہ گرائی جاسکی۔ یہاں تک کہ فرشتۂ اجل نے اس کی سانسیں غضب کرلیں۔

سلطان ملک صالح کی موت کے بارے میں حلب کے باشندوں کی دو آراء تھیں۔ اکثریت کا خیال تھا کہ درد قولنج کا شدید دورہ پڑنے سے اس کا انتقال ہوا تھا۔ اور اس بیماری کا سبب کثرت شراب نوشی تھی۔ مگر کچھ باخبر لوگوں کا خیال تھا کہ سلطان ملک صالح کو کئی ماہ سے غذا کے ذریعے سست رفتاری کے ساتھ اثر کرنے والا زہر دیا جارہا تھا۔ جس نے آہستہ آہستہ سلطان ملک صالح کے دل و

جگر کا کام تمام کر ڈالا۔

موت سے ایک ہفتے پہلے اس پر بار بار غشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ خود سلطان ملک صالح کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ اب وہ جانبر نہ ہو سکے گا۔ اس لئے اس نے ایک تیز رفتار قاصد کو موصل روانہ کیا تا کہ وہ اپنے حقیقی چچازاد بھائی عزالدین مسعود سے آخری ملاقات کر سکے۔

پھر جب والیٔ موصل حلب پہنچا تو سلطان ملک صالح کو اس حالت میں دیکھ کر رونے لگا۔ حالانکہ یہ ایک ریاکار شخص کے آنسو تھے جو صرف نمائش کیلئے بہائے جا رہے تھے۔

عزالدین مسعود کی اشکبار آنکھیں دیکھ کر سلطان ملک صالح نے اپنا ہاتھ اٹھایا جو شدید نقاہت کے سبب کانپ رہا تھا۔ عزالدین مسعود نے فوراً ہی سلطان ملک صالح کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور اسے بوسہ دیتے ہوئے بولا۔ ''میرے بھائی! تم بہت جلد صحت یاب ہو جاؤ گے۔ میں تمہاری خاطر ساری دنیا کے ماہر طبیب حلب میں جمع کر دوں گا۔''

اگرچہ سلطان ملک صالح موت کے قدموں کی آہٹ سن رہا تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر خوف و ہراس کی کوئی علامت موجود نہیں تھی۔ کردار کی بہت سی خامیوں کے باوجود اس میں اپنے عظیم باپ کی شجاعت اور استقامت نظر آتی تھی۔ ''مجھے اپنی موت کا غم نہیں کہ دنیا میں آنے والا ہر انسان یہ دن دیکھنے پر مجبور ہے۔ بس اس کا قلق ہے کہ میں ایک غاصب سلطنت اور نمک حرام غلام زادے کی گردن اپنے قدموں پر جھکائے بغیر دنیا سے جا رہا ہوں۔'' شدید ضعف و ناتوانی کے باعث سلطان ملک صالح کی آواز لرز رہی تھی۔

عیار عزالدین مسعود کے بہتے ہوئے آنسوؤں میں کچھ اور تیزی آ گئی۔

''یہ رونے کا نہیں، ایفائے عہد کا وقت ہے تا کہ میں سکون سے مر سکوں۔'' یہ کہتے کہتے سلطان ملک صالح کے زرد اور بے جان ہوتے ہوئے چہرے پر نفرت اور غصے کا ہلکا سا سایہ ابھرا۔

''کیسا عہد میرے بھائی؟'' والیٔ موصل عزالدین مسعود نے کسی قدر حیرت سے کہا۔

''قسم کھاؤ کہ میں جس کام کو ادھورا چھوڑ کر دنیا سے جا رہا ہوں، تم اسے تکمیل تک پہنچاؤ گے۔'' سلطان ملک صالح کے لہجے سے وہی نفرت اور غصے کی کیفیت نمایاں تھی۔ ''تم صلاح الدین ایوبی سے اس وقت تک جنگ کرتے رہو گے، جب تک کہ وہ غلام زادہ ذلت آمیز شکست کے بعد اپنے حقیقی مقام پر واپس نہ آ جائے۔''

سلطان ملک صالح کی بات سن کر عزالدین مسعود گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اسے اپنی جان اور علاقے کا تحفظ کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ پھر وہ کس طرح اتنی بڑی ذمہ داری قبول کرنے کی قسم کھاتا؟

عزالدین مسعود کو ذہنی کشمکش میں مبتلا دیکھ کر سلطان ملک صالح نے سخت لہجے میں کہا۔ ''میرے بعد صرف تم ہی خاندان زنگی سے تعلق رکھنے والے سب سے معتبر شخص ہو۔ اگر تمہارے کاندھے امانت کے اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکتے تو میں کسی دوسرے امیر کو اس مقصد کی تکمیل کیلئے منتخب کر لوں گا۔''

یہ سنتے ہی والیٔ موصل عزالدین مسعود گھبرا گیا۔ سلطان ملک صالح نے کھلے الفاظ میں اپنا مدعا

بیان کر دیا تھا کہ اس کی موت کے بعد وہی شخص حلب کا حکمراں ہوگا جو صلاح الدین ایوبی سے انتقامی جنگ جاری رکھے گا۔ حلب پر حکمرانی کی خواہش عزالدین مسعود کے گھرانے کا پرانا خواب تھا۔ اس کا بڑا بھائی سیف الدین بھی یہی خواب دیکھتے دیکھتے قبر میں جا سویا تھا۔ سیف الدین کی موت کے بعد عزالدین مسعود نے یہ خواب دیکھنا شروع کیا۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ عزالدین مسعود ہی نے سلطان ملک صالح کے معالج خاص سے ساز باز کر کے وہ سست اثر زہر والیٔ حلب کو دلوایا تھا جس کے نتیجے میں سلطان ملک صالح اپنے انجام کے قریب تر پہنچ گیا تھا۔ والیٔ موصل کی یہی چال تھی کہ سلطان ملک صالح کا قصہ پاک ہوتے ہی وہ حلب جیسے زرخیز اور سرسبز و شاداب علاقے کا بھی بلا شرکت غیرے مالک ہو جائے گا۔ مگر یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ سلطان ملک صالح مرتے مرتے اس کے ساتھ بھی ایک چال چل جائے گا۔ حلب کی حکومت ہاتھ سے جاتے دیکھ کر عزالدین مسعود نے دل ہی دل میں سوچا۔

''وہ شخص جو چند گھڑیوں کا مہمان ہے، اگر اس کے سامنے جھوٹی قسم کھا لی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ادھر اس کی سانسوں کا شمار ختم ہوگا اور ادھر قسم توڑ دی جائے گی۔'' اس مکارانہ خیال کے آتے ہی عزالدین مسعود کا سارا اضطراب ختم ہو گیا۔

پھر والیٔ موصل نے انتہائی پرجوش لہجے میں دوبارہ سلطان ملک صالح کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر با آواز بلند قسم کھائی۔ ''میں اپنے خدا کو حاضر و ناظر جان کر قسم کھاتا ہوں کہ خاندان زنگی کی سربلندی کیلئے اپنی پوری زندگی وقف کر دوں گا۔ اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا، جب تک اس احسان فراموش اور محسن کش غلام زادے صلاح الدین ایوبی سے سلطان عادل کے ایک ایک مقبوضہ علاقے کو خالی نہیں کرا لوں گا۔''

اگرچہ سلطان ملک صالح شدید اذیت و کرب میں مبتلا تھا لیکن والیٔ موصل عزالدین مسعود کا بیان سن کر اس کے خشک ہونٹوں پر بے جان سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ اور پتھرائی ہوئی آنکھوں میں ہلکی سی چمک ابھری۔ جیسے دور کہیں سیاہ بادلوں کے درمیان ہلکی سی بجلی لہراتی ہے۔

سلطان ملک صالح کو مطمئن پا کر عزالدین مسعود نے نہایت شاطرانہ انداز میں والیٔ حلب کے ڈوبتے ہوئے دماغ پر ایک اور بھرپور ضرب لگائی۔ ''خداوند تعالیٰ اس ایفائے عہد کے ساتھ مجھے یہ توفیق بھی بخشے کہ میں اس غلام زادے کا سر کاٹ کر سلطان اعظم ملک صالح کی قبر پر بطور نذر پیش کر سکوں۔''

عزالدین مسعود کا یہ جذباتی بیان سن کر سلطان ملک صالح کی مردہ مسکراہٹ میں ایک لمحے کیلئے جان سی پڑ گئی۔ ''میری بھی یہی دلی خواہش تھی کہ میں اپنی زندگی میں ایک بار اس غلام زادے کا سر اپنے قدموں پر جھکا ہوا دیکھ لوں۔ مگر اس موذی پر اللہ کی لعنت ہو کہ اس نے مجھے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ پھر بھی اگر تم ایسا کر سکے تو میری بیقرار روح کو سکون مل جائے گا۔''

''ایسا ہی ہوگا سلطان اعظم! ایسا ہی ہوگا۔'' عیار عزالدین مسعود ایک جاں بلب انسان کو خوش

کرنے کیلئے بدترین خوشامد پر اتر آیا تھا۔ اور وہ اسماعیل الصالح کو سلطان کہنے کے بجائے "سلطان اعظم" کہہ کر مخاطب کر رہا تھا تاکہ ملک صالح اپنی وصیت میں تبدیلی نہ کر سکے۔

عزالدین مسعود کا خیال تھا کہ وہ بڑی آسانی کے ساتھ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا ہے۔ مگر سلطان ملک صالح نے اچانک ایک اور چال چلی۔ امیر طرطوس، امیر سنجاب، امیر جندل، امیر بہرام اور امیر عقرب، سلطان ملک صالح کے پانچ مقرب امراء تھے جو اس وقت اپنے حکمراں کے بستر کے قریب دست بستہ کھڑے تھے۔ سلطان ملک صالح نے ان پانچوں امراء کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اب تم حلف اٹھاؤ کہ میرے بعد دل و جان کے ساتھ والئ موصل کے وفادار رہو گے۔"

پانچوں امراء نے بیک زبان عزالدین مسعود کی وفاداری کا حلف اٹھایا۔ اب والئ موصل کو مکمل طور پر یقین آچکا تھا کہ وہ موصل کے ساتھ حلب کا بھی حاکم اعلیٰ بن چکا ہے۔ اس کی خوشی ناقابل بیان تھی۔ مگر وہ اپنے جذبات مسرت کو سینے میں دبائے ہوئے خاموش بیٹھا جھوٹے آنسو بہا رہا تھا۔

پھر اچانک عزالدین مسعود کو چونک جانا پڑا۔ سلطان ملک صالح اپنے امراء سے کہہ رہا تھا۔ "تم والئ موصل کی اطاعت و فرمانبرداری کے اس وقت تک پابند ہو، جب تک وہ اپنے حلف کے پابند ہیں۔ اگر تمہیں عہد شکنی کی کوئی صورت نظر آئے تو پھر تم لوگ بھی کسی جھجک یا رعایت کے بغیر مجھ سے کیا ہوا عہد توڑ سکتے ہو۔ دراصل حلب کے تخت کا حقیقی وارث وہی ہے جو میری خواہشات کا احترام کرے۔ بدقسمتی سے میری کوئی اولاد نہیں، اس لئے تم پانچوں میرے بیٹوں کے مانند ہو۔ اور تمہارا اولین فرض ہے کہ انتہائی فرمانبردار اولاد کی طرح اپنے باپ کے ہر حکم کی تعمیل کرو۔"

اس کے بعد سلطان ملک صالح پر غشی طاری ہوگئی۔ اور پھر اسی بے ہوشی کے عالم میں دنیا سے رخصت ہوگیا۔ یہ تھا اس جواں مرگ حکمراں کا انجام جو اپنے عظیم باپ کیلئے باعث رسوائی بھی تھا۔ اور ملت اسلامیہ کے اتحاد کو شدید نقصان پہنچانے والا بھی۔

......}......☆......{......

جب والئ مصر صلاح الدین ایوبی کو سلطان ملک صالح کے انتقال کی خبر پہنچی تو کچھ دیر کیلئے اسے یقین ہی نہیں آیا کہ ایک بائیس سالہ صحتمند نوجوان دفعتاً موت کے منہ میں کس طرح پہنچ سکتا ہے۔ جبکہ اسے قتل بھی نہ کیا گیا ہو۔ اور وہ کسی حادثے کا بھی شکار نہ ہوا ہو۔ برسوں دور رہنے کی وجہ سے صلاح الدین ایوبی اس راز سے بے خبر تھا کہ سلطان ملک صالح کو آنتوں کی ایک خوفناک بیماری لاحق ہے۔ بہرحال والئ مصر کو یقین کرنا پڑا کہ اس کا آقازادہ اب دنیا میں موجود نہیں ہے۔ یہ خیال آتے ہی صلاح الدین ایوبی کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے۔ اور اس کے ذہن میں ماضی کا وہ منظر ابھر آیا جب بہت سی دعاؤں کے بعد سلطان زنگی کا وارث دنیا میں آیا تھا۔ اس وقت سلطان نور الدین محمود زنگیؒ دوسری صلیبی جنگ میں عیسائی افواج کے ساتھ برسرپیکار تھے۔ پھر جب سلطان عادل کو میدان جنگ میں بیٹے کی پیدائش کی خبر دی گئی تو وہ اسی وقت مالک حقیقی کے سامنے سجدہ ریز ہوگئے۔ پھر نہایت پرسوز لہجے میں خلاق عالم کی اس عطائے خاص کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا۔

"کس کی زبان میں اتنی طاقت ہے کہ تیری رحمت بے کنار اور بے پایاں فضل و کرم کو بیان کر سکے۔ یہ تیری ہی عطائے خاص ہے کہ تو نے اپنے گناہگار اور عاجز بندے کو اس زمین پر لاوارث نہیں چھوڑا۔"

ملک صالح کی پیدائش کے کچھ دن بعد ہی سلطان نور الدین زنگیؒ نے عیسائیوں کے خلاف دوسری صلیبی جنگ میں عظیم الشان فتح حاصل کی۔ پھر جب اس تاریخی معرکہ آرائی میں سرخرو ہونے کے بعد سلطان عادل حلب واپس آئے اور اپنے نومولود بیٹے کا دلکش چہرہ دیکھا تو بے اختیار ان کی زبان سے یہ کلمات جاری ہوگئے۔

"سبحان اللہ...... اللہ اکبر۔"

اس کے بعد سلطان نور الدین محمود زنگیؒ نے بیٹے کی پیدائش کی خوشی میں بہت سے غریبوں اور محتاجوں کے دامن بھر دیئے۔

اگرچہ اس وقت صلاح الدین ایوبی کی عمر بھی گیارہ، بارہ سال کے قریب تھی۔ لیکن پھر بھی اس نے یہ سارے مسرت انگیز مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ اور اب وہ سلطان ملک صالح کی حقیقی بڑی بہن اور اپنی شریک حیات شمس النساء کے سامنے ان گزرے ہوئے مناظر کو بیان کرتے ہوئے زار و قطار رو رہا تھا۔ شمس النساء اپنے چھوٹے بھائی کی سنگدلانہ حرکتوں سے سخت بیزار اور نالاں تھی مگر خونی رشتے کے حوالے سے اس کے دل پر بھی شدید چوٹ لگی تھی اور پھر آنکھوں سے آنسوؤں کے آبشار جاری ہوگئے تھے۔

سلطان ملک صالح کی موت کے غم میں صلاح الدین ایوبی نے سات دن تک اپنا دربار آراستہ نہیں کیا۔ اور تمام سیاسی امور ملتوی کر دیئے۔ اس ایک ہفتے کے دوران والئ مصر نے غریبوں اور محتاجوں میں صدقات تقسیم کئے۔ اور مصر کے تمام علماء اور درویشوں کو جمع کر کے ان سے درخواست کی کہ وہ والئ حلب کی مغفرت کیلئے خصوصی دعا کریں۔

اس موقع پر بعض امراء نے دبے لہجے میں صلاح الدین ایوبی سے شکایت کرتے ہوئے کہا۔

"سلطان تو آپ کے خون کے پیاسے تھے۔ مرحوم نے آپ کی جان لینے اور حقیر کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔"

صلاح الدین ایوبی اپنے ہمدرد امراء کی شکایت کا مفہوم سمجھتا تھا مگر اس نے ان کے سلسلۂ کلام کو قطع کرتے ہوئے کہا۔ "وہ بہرحال میرے آقازادے تھے۔ میں ان کی تمام نادانیوں کو معاف کرتا ہوں۔ حق تعالیٰ بھی ان کی مغفرت فرمائے اور میری دل آزاریوں کے سلسلے میں سلطان مرحوم کی گرفت نہ کرے۔ تم لوگ بھی ماضی کی ان اذیت ناک یادوں پر خاک ڈال دو۔ ہمارے پاس پیچھے مڑ کر دیکھنے کیلئے ایک لمحہ بھی نہیں ہے۔ بے شمار مسائل کسی عفریت کے مانند منہ پھاڑے ہماری طرف بڑھ رہے ہیں۔ اگر گزرے زمانے کو یاد بھی کرو تو بس اتنا کہ ہم سے ماضی میں کیا غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔"

تمام امراء صلاح الدین ایوبی کی اس اعلیٰ ظرفی پر حیران رہ گئے۔

پھر ایک ہفتے بعد صلاح الدین ایوبی دمشق پہنچا۔ اور پھر مدرسۂ نوریہ میں داخل ہوا جہاں سلطان نورالدین محمود زنگی کا مزار ہے۔ اس وقت صلاح الدین ایوبی کا بھانجا فرخ شاہ بھی والیٔ مصر کے ہمراہ تھا۔ جو ماموں کے آنے کی خبر سن کر شام سے دمشق پہنچا تھا۔ فرخ شاہ کا بیان ہے کہ جب صلاح الدین ایوبی سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے مزار میں داخل ہوا تو شدت رنج والم سے اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ پھر وہ کچھ دیر دست بستہ سلطان عادل کے قدموں میں خاموش کھڑا رہا۔ مگر آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اس کے بعد صلاح الدین ایوبی نے سلطان نورالدین زنگیؒ کے حق میں دعائے مغفرت کی۔ پھر گریہ وزاری کے ساتھ عرض کرنے لگا۔

"سلطان عادل! اللہ حاضر وناظر ہے کہ میں نے آقازادے کے احترام میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے کہ وہ آخری سانس تک مجھ سے بدگمان رہے۔ میں آپ سے نہایت شرمندہ ہوں کہ ہزار کوششوں کے باوجود ان کی غلط فہمیاں دور نہ کر سکا۔ پھر بھی میں اپنے عہد پر قائم ہوں۔ کارساز عالم مجھے توفیق عطا کرے کہ میں دنیا کے سامنے آپ کے خواب کی تعبیر پیش کر سکوں۔" یہ کہتے کہتے والیٔ مصر بے حال ہو گیا اور سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کی قبر سے لپٹ کر اتنا رویا کہ اس کی ہچکی بندھ گئی۔

......}......☆......{......

حالانکہ ایشیائے کوچک کی عیسائی اور مسلمان ریاستوں کے درمیان دو سال کیلئے صلح اور امن کا معاہدہ ہو چکا تھا۔ مگر اس علاقے کی سیاست میں بڑی تیزی کے ساتھ تبدیلیاں آ رہی تھیں۔ سلطان ملک صالح کے انتقال کے بعد عزالدین مسعود موصل اور الجزیرہ کے ساتھ حلب کا مالک بھی بن بیٹھا تھا۔ بظاہر اس کی فوجی اور مالی طاقت میں بڑا اضافہ ہو چکا تھا۔ لیکن پھر بھی اسے سکون قلب میسر نہیں تھا اور اس بیقراری کی ایک ہی وجہ تھی کہ عزالدین مسعود نے سلطان ملک صالح سے عہد کیا تھا وہ صلاح الدین ایوبی کے ساتھ انتقامی جنگ جاری رکھے گا۔ اور والیٔ مصر کو سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے مقبوضات سے نکال باہر کرے گا۔ کہنے کو عزالدین مسعود نے سلطان ملک صالح اور اس کے پانچ مقرب امراء کے سامنے والیٔ مصر سے بدلہ لینے کی قسم کھائی تھی۔ مگر جاننے والے جانتے تھے کہ صلاح الدین ایوبی نے اسے دو جنگوں میں شکست فاش سے دوچار کیا تھا۔ اس لئے عزالدین مسعود کے دل میں اتنا خوف بیٹھ گیا تھا کہ وہ خواب میں بھی صلاح الدین ایوبی کے ساتھ جنگ کرنے کے متعلق نہیں سوچ سکتا تھا۔ عزالدین مسعود نے صرف حلب کا اقتدار حاصل کرنے کیلئے جھوٹی قسم کھائی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ سلطان ملک کے جنازے کے ساتھ یہ حلف نامہ بھی وقت کے غبار میں دفن ہو جائے گا اور کسی میں اتنی جرأت نہیں ہوگی کہ اس سے حساب طلب کر سکے۔

مگر عزالدین مسعود کے خیالات کا یہ پر فریب طلسم اس وقت بکھر گیا کہ جب سلطان ملک صالح کے سوگ کی رسمیں ادا ہونے کے بعد اس کے پانچوں مقرب امراء، امیر بہرام، امیر طرطوس، امیر سنجاب، امیر جندل اور امیر عقرب نے ایک انتہائی خفیہ اجلاس میں والیٔ حلب سے مطالبہ کرتے ہوئے

پرزور الفاظ میں کہا۔ "ہم سلطان مرحوم کا ماتم کر چکے۔ اب آپ پر لازم ہے کہ اپنے حلف کی پابندی کرتے ہوئے صلاح الدین ایوبی کے خلاف جارحانہ قدم اٹھائیں اور ہمیں اپنے جنگی منصوبے کی مکمل تفصیلات سے آگاہ کریں۔"

سلطان ملک صالح کے پانچوں امراء کا بیان سن کر کچھ دیر کیلئے عزالدین مسعود گھبرا گیا۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ سلطان مرحوم کے یہ امراء خاص اس قدر جلد اسے اس کا حلف یاد دلا دیں گے۔ اور والیٔ مصر صلاح الدین ایوبی سے جنگ کرنے کیلئے بے قرار ومضطرب نظر آئیں گے۔ عزالدین مسعود کے عیار ذہن نے فوراً ہی انہیں مطمئن کرنے کیلئے ایک نیا بہانہ تراشا۔

"میں سلطان عادل کا حقیقی بھتیجا اور خاندان زنگی کا ممتاز ترین رکن ہوں۔ صلاح الدین ایوبی سے شدید انتقام لینا میرا اولین فرض ہے۔ مگر میں احمق اور اندھے حکمرانوں کی طرح اپنے سپاہیوں کو جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں نہیں جھونکوں گا۔"

ابھی عزالدین مسعود کی بات مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ امیر عقرب درمیان ہی میں بول اٹھا۔
"ہماری فوجی طاقت صلاح الدین ایوبی سے کہیں زیادہ ہے۔ شام کے کئی شہروں کے حاکم اس شرط پر ہمارا ساتھ دینے کیلئے تیار ہیں کہ فوری طور پر والیٔ مصر سے جنگ چھیڑ دی جائے۔ پہلے اس کے بھانجے فرخ شاہ کو شام سے نکالا جائے۔ پھر آگے بڑھ کر دمشق پر قبضہ کر لیا جائے۔"

"کیا تم جنگی منصوبہ بندی کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتے ہو؟" عزالدین مسعود نے سلطان ملک صالح کے پانچوں امراء پر اپنا رعب قائم رکھنے کیلئے سخت لہجے میں کہا۔

"کم اور زیادہ جاننے کی بات نہیں ہے۔" امیر عقرب نے اونچی آواز میں جواب دیتے ہوئے کہا۔ "آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ حلب کے تخت پر وہی شخص بیٹھے گا جو ہر حالت میں صلاح الدین ایوبی کے ساتھ آمادۂ جنگ ہوگا۔" امیر عقرب نے کھلے الفاظ میں عزالدین مسعود کو یہ بات سمجھا دی تھی کہ اس کا اقتدار مشروط ہے۔ اور وہ صلاح الدین ایوبی کے سلسلے میں اپنی مرضی سے کوئی فیصلہ کرنے کیلئے آزاد نہیں ہے۔

امیر عقرب کی بات سن کر عزالدین مسعود کے دل میں نفرت وغضب کی ایک تند وتیز لہر اٹھی مگر اس نے اپنے ذہن کو مشتعل اور زبان کو بے قابو نہیں ہونے دیا۔ "بے شک! میں اپنے حلف کا پابند ہوں۔ اگر میں سلطان مرحوم سے کہے ہوئے الفاظ پر عمل نہ کر سکا تو حلب کا اقتدار چھوڑ کر موصل واپس چلا جاؤں گا۔" عزالدین مسعود نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "تم میں سے کسی شخص کو مجھے میرا عہد یاد دلانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ مگر اس وقت صلاح الدین ایوبی سے کسی قیمت پر جنگ نہیں چھیڑی جا سکتی۔ اس لئے کہ میرے دونوں ہاتھ بری طرح بندھے ہوئے ہیں۔ جس دن بھی یہ ہاتھ کھلیں گے، اسی روز میں اس غلام زادے کے خلاف تلوار اٹھا لوں گا۔ اور پھر ساری دنیا دیکھے گی کہ اہلِ وفا اپنا عہد کس طرح نبھاتے ہیں؟" یہ کہتے کہتے عزالدین مسعود کا چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہو گیا تھا۔

والیٔ موصل وحلب کی بات سن کر پانچوں امراء بری طرح چونک اٹھے۔

"وہ کون ہے جس نے آپ کے ہاتھ باندھ رکھے ہیں؟" امیر طرطوس نے تیز لہجے میں عزالدین مسعود سے سوال کیا۔

"میرے اور صلاح الدین ایوبی کے درمیان دو سال تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو چکا ہے۔" عزالدین مسعود نے ایک انتہائی معقول اور مضبوط دلیل پیش کرتے ہوئے کہا۔ "اس معاہدے کی دستاویز پر سلطان مرحوم کی مہر بھی موجود ہے۔" اگرچہ عزالدین مسعود اپنی کم ہمتی اور خوف کی وجہ سے والیٔ مصر کے ساتھ جنگ کرنے سے گریزاں تھا لیکن اس نے اپنی فطری عیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے "معاہدۂ سمیساط" کی پناہ ڈھونڈی۔ وہ فریب کاری اور عہد شکنی میں کسی طرح بھی عیسائیوں سے کم نہیں تھا۔ لیکن سلطان ملک صالح کے امراء کو مطمئن کرنے کیلئے وہ معاہدۂ امن کا سہارا تلاش کر رہا تھا۔

"کہاں کا معاہدہ...... اور کیسا عہد نامہ؟" عزالدین کا جواب سن کر امیر عقرب بھڑک اٹھا۔ "آپ اس شخص سے معاہدے کی بات کر رہے ہیں، جس نے احسان فراموشی کی آخری حد کو چھو لیا۔ اور اپنی گردن سے آقا کا طوقِ غلامی اتار پھینکا۔ ہمارے نزدیک ایسے نمک حرام انسان سے کئے جانے والے معاہدے کی کوئی حیثیت نہیں۔ بلا تاخیر اس دستاویز کی دھجیاں اڑا دیں۔ یہی ہم سب کے حق میں بہتر ہے۔" امیر عقرب نے در پردہ عزالدین مسعود کو تنبیہہ کر دی تھی۔ صلاح الدین ایوبی سے جنگ یا حلب کے اقتدار سے محرومی؟

امیر عقرب کی زبان سے معاہدۂ امن کی دھجیاں اڑانے کی بات سن کر عزالدین مسعود دل ہی دل میں لرز اٹھا۔ تقریباً ایک سال پہلے صلیبی فدائین فرینکس کے دباؤ میں آ کر شاہ یروشلم ریمنڈ نے صلح نامے کے ٹکڑے کر کے مصر بھیج دیئے تھے۔ جس کے نتیجے میں صلاح الدین ایوبی نے عیسائیوں کے ساحلی علاقے "طرطوسہ" پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور پھر "معاہدۂ سمیساط" عمل میں آیا تھا۔ آج عزالدین مسعود کو بھی ریمنڈ جیسی صورتحال کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اور سلطان ملک صالح کے پانچوں امراء اس کیلئے فرینکس بن گئے تھے۔ عزالدین مسعود نے بڑی شاطرانہ چالیں چلیں، الفاظ کے بڑے جال بچھائے۔ مگر وہ پانچوں امراء کسی طرح بھی اس کی پیچیدہ اور پرفریب باتوں میں نہیں آئے۔ آخر اس نے اس سنگین صورتحال کو ٹالنے کیلئے اقرار کر لیا کہ وہ "معاہدہ سمیساط" ختم کرنے کیلئے تیار ہے۔ اس کے ساتھ ہی عزالدین مسعود نے امیر عقرب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"یہ جنگ تمہاری نگرانی میں ایک جامع منصوبہ بندی کے ساتھ لڑی جائے گی۔ تم فوری طور پر شام کے ان حاکموں کو بھی طلب کر لو جو اس جنگ میں شریک ہونے کے خواہشمند ہیں۔ مگر......"

"مگر کیا؟" امیر عقرب نے کسی قدر تعجب کے ساتھ کہا۔

"میں کسی حاکم کے زبانی وعدوں پر اعتبار نہیں کروں گا۔" عزالدین مسعود نے بارعب لہجے میں کہا۔

تمام امراء نے استفہامیہ نظروں سے والیٔ حلب کی طرف دیکھا۔ "اعتبار اور بے اعتباری سے آپ کا کیا مفہوم ہے؟" اب کی بار امیر جندل نے مداخلت کی۔ "اپنی بات کی مکمل وضاحت کریں۔" امیر عقرب کی طرح امیر جندل کا لہجہ بھی تحکم آمیز تھا۔

ایک بار پھر عزالدین مسعود کے دل میں سلطان ملک صالح کے ان امراء کے خلاف نفرت اور غصے کی تیز لہر اٹھی۔ مگر اس نے سیاست کے روایتی ضبط و تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "میں نے صلاح الدین ایوبی کے ساتھ پچھلی دو جنگوں میں صرف اس لئے شکست کھائی تھی کہ عین موقع پر یروشلم اور حلب کی فوجوں نے میدان سے راہ فرار اختیار کی تھی۔ اور پھر تنہا مجھے تمام ذلتوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ میں اس بات سے خائف ہوں کہ کہیں اس بار بھی ماضی کی وہ شرمناک تاریخ نہ دہرائی جائے۔ اس لئے دانشمندی کا تقاضا ہے کہ پہلے اپنے سپاہیوں کی تعداد شمار کی جائے۔ پھر اسلحے کے ذخائر کا اندازہ کیا جائے۔ اور اس کے بعد اپنی صفیں مکمل طور پر درست کی جائیں۔ اور سب سے اہم بات یہ کہ اس جنگ کے منصوبے کو انتہائی خفیہ رکھا جائے۔ تاکہ بے خبری کے عالم میں کسی آفت ناگہانی کی طرح دشمن پر یلغار کی جا سکے۔"

"ہم بھی نسل در نسل سپاہی ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ دشمن کے ساتھ کب اور کیسے جنگ کی جاتی ہے؟" امیر عقرب کے لہجے سے انتہائی غرور جھلک رہا تھا۔ اس نے مبہم الفاظ میں عزالدین مسعود کو ایک ناکارہ سالار ثابت کر دیا تھا۔ "اس بار آپ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ میدان جنگ کا نقشہ کیا ہوتا ہے؟"

امیر عقرب کی بات سن کر عزالدین مسعود کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ ابھر آئی۔ "آپ سب کے سب نہایت ہوشیار اور تجربہ کار سالار ہیں۔ اسی لئے مجھے یقین ہے کہ اس بار بازی ہمارے ہاتھ رہے گی۔ مگر پھر بھی شدید احتیاط کی ضرورت ہے۔" یہ کہہ کر عزالدین مسعود اس خفیہ اجلاس سے چلا گیا۔

والیٔ حلب کے جاتے ہی امیر بہرام، امیر طرطوس، امیر سنجاب، امیر جندل او امیر عقرب نے مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

"اب سیدھے راستے پر آیا۔" یہ کہتے ہوئے امیر بہرام نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"اتنی زور سے مت ہنسو امیر بہرام کہ اسے ہم پر شک ہو جائے۔" امیر طرطوس نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر عزالدین مسعود کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"ہمیں سیاسی چالیں سکھا رہا ہے؟" امیر جندل کا لہجہ انتہائی نفرت آمیز تھا۔

"بساط ہماری ہے۔ اس لئے چالیں بھی ہم چلیں گے۔" امیر عقرب نے شدید طنزیہ لہجے میں ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "صلاح الدین ایوبی سے جنگ تو ہم بھی نہیں کر سکتے۔" یہ کہتے کہتے امیر عقرب کے ہونٹوں کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی تھی۔

کچھ دیر کیلئے کمرے کی فضا پر سناٹا چھا گیا۔ چاروں امراء سکتے کے سے عالم میں امیر عقرب کی طرف دیکھ رہے تھے۔

پھر اس سکوت کو امیر طرطوس نے توڑا۔ ''اگر ہم بھی صلاح الدین ایوبی سے جنگ نہیں کر سکتے تو پھر اس ساری تگ و دو کا کیا مفہوم ہے؟'' اگرچہ امیر طرطوس گفتگو کر رہا تھا لیکن پھر بھی سر سے پاؤں تک ایک مجسمۂ حیرت بنا ہوا تھا۔

امیر طرطوس کی بات سن کر امیر عقرب نے اپنے چاروں ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ پھر نہایت سرد لہجے میں بولا۔ ''ہم نے تمام عمر زنگی خاندان کی خدمت اس لئے نہیں کی ہے کہ صلاح الدین ایوبی یا کسی اور دشمن سے جنگ کریں۔ اور پھر ہمارے جسم اپنے ہی خون میں نہا کر زمین کی خوراک بن جائیں۔'' یہ کہہ کر امیر عقرب چند لمحوں کیلئے خاموش ہو گیا اور اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔

اس کے چاروں ساتھیوں امیر بہرام، امیر طرطوس، امیر سنجاب اور امیر جندل کی حیرت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ وہ چاروں اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے بھی تھے۔ اور مانتے بھی تھے کہ ذہانت اور تدبر میں امیر عقرب ان سے کہیں آگے تھا۔ اور اسی کی وساطت سے وہ چاروں سلطان ملک صالح مرحوم کی مقربین میں شامل ہوئے تھے۔ اس اعتبار سے امیر عقرب ''امیر الامراء'' تھا۔

امیر عقرب کچھ دیر تک نہایت صبر و سکون کے ساتھ کمرے میں ٹہلتا رہا۔ اور پھر ان چاروں کے قریب آ کر رک گیا۔ پھر سرگوشی کے انداز میں بولا۔ ''تمہیں نہیں معلوم کہ میں نے سلطان مرحوم کو کس طرح سمجھایا تھا۔ تب کہیں جا کر وہ اس وصیت کیلئے آمادہ ہوئے تھے۔ اگر میری تدبیر کارگر نہ ہوتی تو آج تم سب کے سب عزالدین مسعود کے سامنے غلاموں کی طرح ہاتھ باندھے کھڑے ہوتے۔ یہ میں ہی ہوں کہ جس نے تمہیں والئ حلب کے ساتھ اونچی آواز میں بات کرنے کی ہمت بخشی۔'' امیر عقرب کے ایک ایک لفظ سے انتہائی غرور اور نفرت کا رنگ جھلک رہا تھا۔

''اس میں کیا شک ہے امیر محترم؟'' چاروں امراء نے بیک زبان امیر عقرب کی بالادستی کا اعتراف کیا۔

''مگر یہ ہمارے سوال کا جواب نہیں ہے۔'' امیر طرطوس نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ ''اگر ہم صلاح الدین ایوبی سے جنگ نہیں کر سکتے تو پھر یہ ساری منصوبہ بندی کیا ہے۔ اور عزالدین مسعود پر جنگ چھیڑنے کیلئے اتنا دباؤ کیوں ہے؟ اس راز کو جلد از جلد ہم پر فاش کریں۔ کیونکہ ہمارے دماغ آپ کے فہم و فراست تک نہیں پہنچ سکتے۔''

امیر عقرب اپنے معتمد ساتھی کی بات سن کر مسکرایا۔ ''میں چند ہفتوں میں شام کے حاکموں کو لا کر عزالدین مسعود کے سامنے کھڑا کر دوں گا۔ جو اسے صلاح الدین ایوبی کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے پوری شدت کے ساتھ اکسائیں گے۔ پھر والئ حلب کیلئے کوئی راہ فرار باقی نہیں رہے گی۔ اور وہ ''معاہدۂ سمیساط'' چاک کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ نتیجتاً عزالدین مسعود اور صلاح الدین ایوبی کے اختلافات اتنے گہرے ہو جائیں گے کہ پھر دنیا کی کوئی طاقت ان اختلافات کو دور نہیں کرا سکے گی۔ ہو سکتا ہے کہ معاہدہ چاک کرنے کی صورت میں والئ مصر، موصل اور الجزیرہ پر حملہ کر دے۔ اس طرح ہمیشہ کیلئے اس کے اقتدار کا خاتمہ ہو جائے گا۔''

''موصل اور الجزیرہ پر صلاح الدین ایوبی کا قبضہ ہو جانے کے بعد حلب کی کوئی سیاسی حیثیت باقی نہیں رہے گی۔ اس طرح تو ہم اور بھی کمزور ہو جائیں گے۔ پھر صلاح الدین ایوبی کسی دن ہمیں بھی نگل جائے گا۔'' امیر جندل نے شدید فکرمندی اور تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ ہم اس جنگ کا ایندھن بننے کیلئے نہیں، عیش و سکون کے ساتھ حکومت کرنے کیلئے پیدا ہوئے ہیں۔'' امیر عقرب نے انتہائی شگفتہ مسکراہٹ کے ساتھ امیر جندل کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''جب موصل اور الجزیرہ پر صلاح الدین ایوبی کا قبضہ ہو جائے گا تو پھر ہم صلاح الدین ایوبی کی حاکمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے ساتھ امن کا نیا معاہدہ کر لیں گے۔ بہر حال ہمیں اقتدار میں رہنا ہے اس کیلئے ہم عیسائیوں کی بالادستی بھی قبول کر سکتے ہیں۔''

''ایسی خطرناک سیاسی چال صرف آپ ہی کا دماغ سوچ سکتا ہے۔'' امیر طرطوس نے مسکراتے ہوئے امیر الامراء کے سیاسی منصوبے کی تعریف کی۔ ''لیکن کچھ دیر کیلئے فرض کر لیں کہ اگر عزالدین مسعود معاہدۂ امن چاک نہیں کرتا۔ اور والئ مصر سے جنگ کرنے کیلئے حلب کی حدود سے باہر نہیں نکلتا تو پھر تمہارا ردعمل کیا ہو گا؟''

''حلف کے مطابق عزالدین مسعود کو حلب کے اقتدار سے محروم ہونا پڑے گا۔'' امیر عقرب نے اس طرح سرسری لہجے میں جواب دیا جیسے یہ کوئی معمولی سوال ہو۔

''اور اگر عزالدین مسعود نے اقتدار نہیں چھوڑا؟'' امیر بہرام نے ایک نیا سوال اٹھا دیا جو سیاسی اعتبار سے بہت زیادہ اہم تھا۔

''تو پھر اسے دنیا چھوڑنی پڑے گی۔'' امیر عقرب نے انتہائی سفاکانہ لہجے میں جواب دیا۔ اس کا چہرہ پتھر کی طرح سخت نظر آ رہا تھا۔

☆
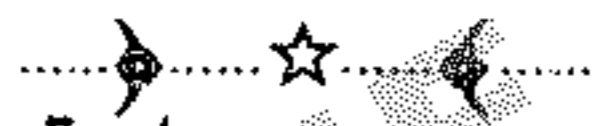
معاہدۂ سمیساط کے دوران ایک اور بڑی سیاسی تبدیلی واقع ہوئی تھی۔ ایک انتہائی متعصب اور خونخوار سپہ سالار ریجنالڈ کئی سال سے حلب کے قید خانے میں اسیری کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ معاہدہ ہوتے ہی شاہ یروشلم ریمنڈ، شاہ آرمینیا رہوپن اور حاکم طرابلس ایڈم نے سلطان ملک صالح پر ریجنالڈ کی رہائی کیلئے شدید دباؤ ڈالا تھا۔ حلب کے تمام امراء کو ریجنالڈ کی قید و بند یا آزادی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مگر پھر بھی خاندان زنگی کے چند وفادار امراء نے دبے لفظوں میں سلطان ملک صالح پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ ریجنالڈ ایک جابر و سفاک اور خوں آشام صلیبی ہے جو آزاد ہونے کے بعد بہر عنوان ملت اسلامیہ کو شدید نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ مگر سلطان ملک صالح جیسے خود غرض اور ہوس پرست حکمراں کو ملت اسلامیہ کے اجتماعی مفادات سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ اس نے اپنے وفادار امراء کے مشوروں کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے ریجنالڈ جیسے درندے کو خوشی سے آزاد کر دیا تھا۔

ریجنالڈ نے حلب کی قید سے رہا ہوتے ہی اپنی فطرت کے مطابق نئے گل کھلانے شروع کر دیئے۔ ریجنالڈ کی اسیری کے دوران عیسائی ریاست ''کرک'' کا حاکم ہمفری آف ٹورون انتقال

کر چکا تھا۔ ہمفری کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس لئے کرک پر اس کی ادھیڑ عمر بیوہ اسٹیفانیہ (STEPHANIA) حکومت کر رہی تھی۔ اسٹیفانیہ اپنے کردار کے اعتبار سے ایک ہوس کار عورت تھی۔ اس کی بے راہ روی کا یہ عالم تھا کہ وہ شراب پی کر دربار میں بیٹھا کرتی تھی۔ اور کبھی کبھی نشے کی حالت میں غلط فیصلے سنا دیا کرتی تھی۔ بعد میں جب اس کا خمار ٹوٹتا تھا تو وہ اپنے احکام واپس لے لیتی۔ تمام اراکین سلطنت اسٹیفانیہ کی ان بدمستیوں سے پریشان تھے۔ مگر ان کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں تھا۔

اسی دوران ریجنالڈ حلب کی قید سے رہا ہو کر "کرک" پہنچا۔ اسلام دشمنی کے سبب ریجنالڈ ایشیائے کوچک کی تمام عیسائی ریاستوں میں بے حد مقبول اور ہر دلعزیز تھا۔ وہ چالیس سالہ ایک دراز قامت، توانا جسم رکھنے والا خوبصورت مرد تھا۔ ملکہ اسٹیفانیہ نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ ریجنالڈ کا استقبال کیا۔ اسٹیفانیہ در پردہ اس وقت بھی ریجنالڈ سے محبت کرتی تھی جب اس کا شوہر زندہ تھا۔ اسٹیفانیہ نے ہمفری آف ٹورون کی موجودگی میں بھی ریجنالڈ سے خفیہ مراسم قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر ریجنالڈ ایک نہایت ذہین اور شاطر انسان تھا۔ اس نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ اس ہوس پرست عورت سے اپنا دامن بچالیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر یہ راز فاش ہو گیا تو کرک کا حکمراں ہمفری آف ٹورون اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ پوری عیسائی دنیا میں اس کی ساکھ متاثر ہو گی اور پھر وہ ایک بدنام شخصیت بن کر رہ جائے گا۔ مگر آج صورت بالکل یکسر بدلی ہوئی تھی۔ ہمفری آف ٹورون قبر میں سو رہا تھا۔ اور ملکہ اسٹیفانیہ اظہار عشق کیلئے آزاد تھی۔ اگرچہ ادھیڑ عمر ملکہ میں ریجنالڈ کیلئے کوئی جسمانی کشش نہیں تھی۔ مگر اس کا سب سے بڑا حسن یہ تھا کہ وہ ایک اہم ریاست کی مالک تھی۔ ریجنالڈ نے اپنے خوفناک عزائم کی تکمیل کیلئے فوراً ہی اسٹیفانیہ سے شادی کر لی اور اس طرح وہ "بحیرۂ مُردار" (DEAD SEA) کے تمام قلعوں کا مالک بن بیٹھا تھا۔ واضح رہے کہ یہ وہی علاقہ تھا جہاں حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے حضرت لوطؑ کی امت آباد تھی۔ جسے قدرت نے ایک خوفناک عذاب کے ذریعے تباہ کر دیا تھا۔

کرک کا اقتدار حاصل کرتے ہی ریجنالڈ نے اب مسلمانوں کے خلاف اپنی انتقامی مہم کا آغاز کر دیا۔ مسلمان سوداگروں کا قافلہ کرک کے علاقے سے گزر رہا تھا۔ ریجنالڈ کے سپاہیوں نے ان پر حملہ کر کے تمام تاجروں کو قتل کر دیا اور ان کا سارا مال واسباب لوٹ لیا۔

جب اس خوں رنگ اور لرزہ خیز واقعہ کی اطلاع مصر پہنچی تو صلاح الدین ایوبی جیسا آہنی اعصاب رکھنے والا انسان چیخ اٹھا۔ "یہ صرف معاہدۂ امن ہی کی خلاف ورزی نہیں ہے بلکہ سفاکی و درندگی کا بدترین مظاہرہ بھی ہے۔"

پھر اس نے ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر اپنے سفیر کو خط دے کر کرک روانہ کیا۔ جس میں والیٔ مصر نے ریجنالڈ کو مخاطب کرتے ہوئے صاف صاف تحریر کر دیا تھا۔ "ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے میں ان مقتول سوداگروں کا عزیز ہوں۔ اس لئے تم سے ان مقتولین کا قصاص طلب کرتا ہوں۔

قصاص کی ایک ہی صورت ہو گی کہ تم مسلم تاجروں کا لوٹا ہوا تمام مال مصر پہنچا دو۔ اور اس کے ساتھ ہی کرک کے علاقے سے اتنے ہی عیسائی تاجر میرے پاس بھیج دو تاکہ میں انہیں قتل کر کے اسلامی انصاف کے تقاضے پورے کر سکوں۔ اگر مقتول سوداگروں کے وارث مرنے والوں کا خون معاف کر دیں گے تو میں یقین دلاتا ہوں کہ تمہارے بھیجے ہوئے عیسائی تاجر پوری حفاظت کے ساتھ کرک پہنچا دوں گا۔ اگر میں معاہدۂ سمیساط کا پابند نہ ہوتا تو اپنے سفیر کو بھیجنے اور قلم اٹھانے کے بجائے خود تلوار اٹھاتا۔"

صلاح الدین ایوبی کا خط پڑھ کر ریجنالڈ نے ایک زوردار قہقہہ لگایا جس سے والیٔ مصر کیلئے انتہائی تضحیک و حقارت کا اظہار ہوتا تھا پھر اس نے چند سطری خط لکھ کر مصری سفیر کے حوالے کر دیا۔ "والیٔ مصر کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں معاہدۂ سمیساط میں شریک نہیں تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ میں صلح اور امن پر یقین نہیں رکھتا۔ میری زندگی کا مقصد اپنے دشمنوں کو مٹا دینا ہے یا خود مٹ جانا ہے۔ میرے سپاہیوں نے جن سوداگروں کو قتل کیا ہے۔ دراصل وہ تاجروں کے بھیس میں کسی مسلمان ریاست کے جاسوس تھے۔ اور دنیا کا ہر قانون جاسوسوں کو قتل کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ جب تمہارے ہاتھ معاہدہ کی زنجیر سے آزاد ہو جائیں پھر قلم کی جگہ شمشیر بھی اٹھالینا۔ میں بڑی شدت سے اس دن کا انتظار کروں گا۔"

کرک کے حاکم ریجنالڈ کا خط پڑھ کر صلاح الدین ایوبی کے چہرے پر ناگواری کا رنگ ابھر آیا۔ اور پھر وہ انتہائی تند و تیز لہجے میں بولا۔ "میں نے اپنی زندگی میں اتنا جھوٹا شخص نہیں دیکھا۔"

"امیر محترم! جھوٹا ہونا تو بہت چھوٹی چیز ہے۔ میں نے کرک کے باشندوں سے ریجنالڈ کے بارے میں جو کچھ سنا ہے، اس اعتبار سے تو وہ میری نظر میں دنیا کا سب سے برا اور لعنت زدہ انسان ہے۔" یہ کہتے وقت مصری سفیر کا چہرہ بھی غصے سے سرخ ہو گیا۔

"کیا سنا ہے تم نے ریجنالڈ کے بارے میں؟" صلاح الدین ایوبی نے چونک کر مصری سفیر کی طرف دیکھا۔

"معاذ اللہ...... معاذ اللہ......" یکایک مصری سفیر کے چہرے پر وحشت و خوف کے سائے لرزنے لگے۔ "امیر محترم! میری ناپاک زبان وہ بات کہنے سے قاصر ہے۔ میں ہزار بار اپنے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔"

مصری سفیر کی یہ اضطرابی کیفیت دیکھ کر تمام حاضرین دربار بھی پریشان نظر آنے لگے۔ صلاح الدین ایوبی پہلے ہی ریجنالڈ کا خط پڑھ کر غصہ میں بھرا بیٹھا تھا۔ اپنے سفیر کی یہ خوفزدہ حالت دیکھ کر اور بھی برہم ہو گیا۔ "جب تک تم بتاؤ گے نہیں تو پھر میں کیسے سمجھوں گا کہ اس کذاب نے کیا کہا ہے؟"

صلاح الدین ایوبی کا حکم سن کر مصری سفیر زبان کھولنے پر مجبور ہو گیا۔ "میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ کرک کے باشندے اس شیطان ریجنالڈ کو پرستش کی حد تک چاہتے ہیں۔ اور اس بے پناہ عزت و احترام کی ایک ہی وجہ ہے کہ اس مردود نے خانۂ کعبہ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے

روضۂ اطہر کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی قسم کھائی ہے۔'' یہ کہتے کہتے مصری سفیر کے چہرے پر دنیا بھر کی نفرتوں کا رنگ ابھر آیا تھا۔

یہ سن کر تمام حاضرین دربار جوشِ اضطراب میں اپنی نشستوں سے کھڑے ہو گئے اور پورا دربار ''انتقام...... انتقام'' کے شور سے گونج اٹھا۔

صلاح الدین ایوبی کے چہرے پر بھی ناقابلِ بیان اذیت و کرب کے سائے لرز رہے تھے۔ ''اگر ریجنالڈ ابرہہ بن گیا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اس وقت خانۂ کعبہ کی بہت ہی چھوٹے پرندے اللہ کے حکم سے اللہ کے گھر کی حفاظت کرنے آئے تھے۔ آج بھی اللہ ہی اپنے گھر کی حفاظت کرے گا۔ مشتعل ہونے کے بجائے یہ دعا کرو کہ ہم سب مل کر اس لعین کو بے نام و نشان کر دیں۔ ویسے میں اپنے طور پر قسم کھا چکا ہوں کہ میں اس شاتمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔ اہلِ دربار پر فرض ہے کہ وہ روزانہ مجھے میری قسم یاد دلاتے رہیں۔''

☆

اس علاقے کی سیاست میں دوسری بڑی تبدیلی یہ آئی کہ والئ حلب عزالدین مسعود نے بڑی صفائی اور خوبصورتی کے ساتھ سلطان ملک صالح کے پانچوں امراء سے پیچھا چھڑا لیا۔ اس سے پہلے کہ امیر بہرام، امیر طرطوس، امیر سنجاب، امیر جندل اور امیر عقرب عزالدین مسعود کو حلب کے اقتدار سے محروم کر کے خود عیش و نشاط کی زندگی بسر کرتے، عزالدین مسعود نے ایک انتہائی پرتکلف دعوت میں ان پانچوں کو زہر دے کر ہلاک کر ڈالا۔ اور پھر رات کی تاریکی میں محل کے ایک گوشے میں طویل و عریض گڑھا کھود کر سلطان ملک صالح کے مقربینِ خاص کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ بڑی عبرت ناک موت تھی۔ کہنے کو وہ سب کے سب مسلمان تھے مگر کسی کو نہ غسل دیا گیا، نہ کسی کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور نہ کسی گھر سے شورِ ماتم اٹھا۔ رات کے اندھیرے نے سب کچھ چھپا لیا۔ اور حلب کے باشندوں کو پتہ ہی نہیں چلا کہ وہ ''بادشاہ گر'' امراء اچانک کہاں روپوش ہو گئے؟

اگرچہ عزالدین مسعود نے ان بادشاہ گروں سے نجات حاصل کر لی تھی لیکن وہ صلاح الدین ایوبی سے اس قدر خوفزدہ تھا کہ اس نے حلب جیسا زرخیز اور سرسبز و شاداب علاقہ اپنے چھوٹے بھائی عماد الدین کے حوالے کر دیا اور اس کے بدلے میں عماد الدین کا بنجر علاقہ ''سنجار'' لے لیا۔ پھر فوراً ہی حلب چھوڑ کر موصل واپس چلا گیا۔

پھر جب یہ خبر صلاح الدین ایوبی کو پہنچی تو وہ اس تبدیلی پر حیرت زدہ رہ گیا۔ عزالدین مسعود کا چھوٹا بھائی عماد الدین نہایت فاسق و فاجر اور ظالم انسان تھا۔ اور صلاح الدین ایوبی حلب کی معصوم رعایا کو ایک درندہ صفت شخص کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

سلطان ملک صالح کی موت کی خبر سن کر صلاح الدین ایوبی نے طے کر لیا تھا کہ وہ حلب پر حملہ کر کے اپنی منزل کی طرف ایک اور اہم قدم بڑھائے گا...... حلب کے بعد موصل اس کا نشانہ تھا...... والئ مصر جس مضبوط اسلامی سلطنت کا خواب دیکھ رہا تھا، اس میں یہ دونوں علاقے بہت بڑی رکاوٹ تھے

...... اس کے علاوہ حلب سے صلاح الدین ایوبی کی خصوصی دلچسپی کی بنیادی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ گیارہ سال کی عمر میں یہاں آیا تھا...... یہیں اس کے لڑکپن کے کئی خوب صورت سال گزرے تھے...... یہیں اسے سلطان نور الدین زنگیؒ جیسے نیک سیرت حکمراں کی سرپرستی حاصل ہوئی تھی...... یہیں اس نے اپنے مشفق و مہربان استاد قاضی ابن عرسون کی درسگاہ میں تعلیم حاصل کی تھی...... اور یہیں ایک کنیز شاریہ نے اس سے بے پناہ محبت کی تھی...... سلطان عادل کی وفات اور مصر کے اقتدار نے صلاح الدین ایوبی کو دوبارہ حلب آنے کا موقع ہی نہیں دیا...... بس کبھی کبھی تنہائی میں اسے اس خوب صورت شہر کی یادیں ستایا کرتی تھیں...... شاہ یروشلم، حلب اور موصل کے ''اتحادِ ثلاثہ'' اور معاہدۂ سمیساط کے بعد صلاح الدین ایوبی ایک طاقتور حکمراں بن چکا تھا...... دمشق اور شام کے کچھ علاقوں پر قابض ہوتے ہوئے اس کے لیے حلب پر حملہ کر کے مثبت نتائج حاصل کرنا بہت آسان تھا...... مگر اس کی غیرت نے یہ کبھی گوارا نہیں کیا کہ جہاں اس کا آقا زادہ سلطان ملک صالح حکومت کرتا ہو، وہ اس سر زمین کو اپنے گھوڑے کے سُموں سے روند ڈالے......

اب جب کہ صلاح الدین ایوبی، سلطان ملک صالح کے احترام کی زنجیر سے آزاد ہو چکا تھا تو معاہدۂ سمیساط نے اخلاقی طور پر اسے چاروں طرف سے جکڑ لیا تھا۔ نتیجتاً وہ شدید خواہش کے باوجود حلب یا موصل پر یلغار نہیں کر سکتا تھا...... اگرچہ اس کے تمام حریف کئی بار شرمناک اور بدترین بدعہدی کے مرتکب ہوئے تھے...... لیکن صلاح الدین ایوب اوّل و آخر ایک مردِ مومن تھا...... اور ایک مومن کی شان یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے عہد کی پاسداری کرتا ہے...... کرک کے حاکم ریجنالڈ نے مسلمان سوداگروں کے ایک قافلے کو قتل کر کے معاہدۂ امن کی کھلی خلاف ورزی کی تھی...... اگر صلاح الدین ایوبی چاہتا تو اسی واقعے کو بنیاد بنا کر وہ بھی معاہدۂ سمیساط کے ٹکڑے کر کے ہوا میں اڑا دیتا...... لیکن اس نے بڑی سنگین ساعتوں میں غیر معمولی ضبط و تحمل کا مظاہرہ کیا...... ابھی معاہدۂ سمیساط کے ختم ہونے میں ایک سال کی مدت باقی تھی...... اور اپنے ایفائے عہد کے سبب اس کے لیے یہ طویل عرصہ بہت ہی صبر آزما تھا......

تاہم صلاح الدین ایوبی نے بہت غور و فکر کے بعد ایک نیا قدم اٹھا ہی لیا...... ایک دن والئ مصر نے اپنے امیروں، سالاروں اور دوسرے منصب داروں کا غیر معمولی اجلاس طلب کیا...... اور اپنی نشست پر کھڑے ہو کر ایک پراثر تقریر کی۔

''تمام تعریفیں اور بڑائیاں اُس ذاتِ پاک کے لیے ہیں جو اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے ...... میرے اور تمہارے درمیان بس یہی فرق ہے کہ تم اسلام کے سپاہی ہو اور میں تمہارا سالار...... اللہ نے یہ درجات اس لیے قائم کئے ہیں کہ دنیا کا نظام جاری و ساری رہے...... ہم سب ایک ہی منزل کے مسافر ہیں...... اور وہ منزل اِس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم اپنے آقا حضرت محمد ﷺ کے لائے ہوئے نظام کو اس زمین پر صحیح انداز میں نافذ کر سکیں...... اس طرح ایک مقصدِ عظیم کی تکمیل کے سلسلے میں ہم ایک دوسرے کے معاون ہیں...... یاد رکھو کہ تم مجھ سے چھوٹے ہو اور نہ میں تم سے بڑا ہوں'' ...... یہ

کہہ کر والیٔ مصر کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا...... اور اُس نے اپنے دربار کے آخری گوشے تک نظر ڈالی...... ہر امیر، سالار اور سپاہی اپنی جگہ ساکت بیٹھا تھا...... اور اُن کے چہرے بتا رہے تھے کہ اس تمہید کے بعد صلاح الدین کوئی بہت اہم اعلان کرنے والا ہے......

اور پھر ایسا ہی ہوا ...... ایک مختصر سے وقفہ سکوت کے بعد صلاح الدین ایوبی کی پُر جلال آواز دوبارہ گونجی...... ''اے اہلِ ایمان!...... اے سلطنتِ مصر کے معزز اراکین! میری بات بہت غور سے سنو...... یہاں موجود لوگ جو جانتے ہیں سو جانتے ہیں...... اور جو نہیں جانتے وہ جان لیں کہ میں سلطان عادل کا پروردہ ہوں...... اللہ سلطان عادل پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے...... اگر حق تعالیٰ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے ذریعے اہلِ ایمان کی مدد نہ کرتا تو آج ہم اپنی بے راہ روی کے سبب عیسائیوں کے غلام ہوتے...... یہ سلطان عادل کی ہمت عالی ہی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم نہایت عزت و آبرو کے ساتھ سرزمین مصر پر حکومت کر رہے ہیں...... اور یہ سلطان مرحوم و مغفور ہی کی جانبازیوں کا صدقہ ہے کہ آج دمشق، شام، موصل، حلب اور دیگر چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستیں صلیبیوں کے خونی پنجوں سے آزاد ہو کر آبرومندانہ زندگی بسر کر رہی ہیں...... تمہارے سامنے ان تمام باتوں کے بیان کرنے کا ایک ہی مقصد ہے کہ سلطان عادل نے اپنی وفات سے پہلے ایک حلف مجھ سے لیا تھا...... اُس حلف کے وقت کمرے میں سلطان عادل اور میرے علاوہ کوئی تیسرا فرد نہیں تھا......

اُس حلف کی نہ کوئی تحریری دستاویز موجود ہے اور نہ گواہ...... اگر کوئی گواہ ہے تو وہ ذات وحدہٗ لاشریک کہ ہم سب جس کی عبادت کرتے ہیں...... وہ حلف کیا ہے، قبل از وقت اُس کی تفصیلات آپ لوگوں کو نہیں بتائی جاسکتیں...... اگر میری زندگی میں وہ مبارک ساعت آ گئی تو وہ حلف جو میں نے سلطان نور الدین محمود زنگیؒ کے سامنے اٹھایا تھا، اُسے تمام مسلمانوں پر ظاہر کر دیا جائے گا فی الوقت میں تمہیں ایک اور اہم ترین راز سے باخبر کرنا چاہتا ہوں'' ...... یہ کہہ کر والیٔ مصر صلاح الدین ایوبی ایک بار پھر چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا...... حاضرین دربار جو پہلے ہی اِس خصوصی اجلاس کے طلب کیے جانے پر حیرت زدہ تھے...... صلاح الدین ایوبی کی بات سن کر ہمہ تن گوش بر آواز ہو گئے۔

''ہو سکتا ہے کہ میری بات سن کر تم شک میں پڑ جاؤ...... یا بے یقینی کی حالت کا شکار ہو جاؤ...... مگر حقیقت یہی ہے کہ سلطان عادل مجھے اپنی حقیقی اولاد سے زیادہ چاہتے تھے...... اس بات کا پہلا ثبوت یہ ہے کہ اُن ہی کی خواہش کے مطابق میری اور شمس النساءؒ کی شادی ہوئی تھی...... ہر چند کہ سلطان ملک صالح نے بارہا مجھے ذلیل و رسوا کیا یہاں تک کہ میرے قتل کے لیے عیسائیوں اور آدم خور حشیشان کو بھاری رقمیں ادا کیں...... مگر میں صرف سلطان عادل کے احترام میں خاموش رہا...... اب جبکہ سلطان ملک صالح دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں تو میں سلطان عادل کی عظیم میراث کو اُن کے اوباش بھتیجوں عز الدین مسعود اور عماد الدین کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا...... اہلِ دربار کو معلوم ہونا چاہیے کہ اب سلطان نور الدین زنگیؒ کا حقیقی جانشین میں ہوں...... اس لیے آج سے ''سلطان'' کا لقب اختیار کرتا ہوں...... یہ لقب غرور و فخر کی نشانی ہرگز نہیں ہے...... میں نے صرف اپنے آقا سلطان عادل

کی تقلید میں یہ روش اختیار کی ہے تاکہ تمام اسلامی ریاستوں کو آپس کے اختلاف و انتشار سے بچا کر ایک پرچم کے نیچے جمع کیا جا سکے'' ...... یہ کہہ کر صلاح الدین ایوبی خاموش ہو گیا......

سلطان کی تقریر ختم ہوتے ہی تمام امیر، سالار اور دیگر معززین دربار اپنی اپنی نشستوں سے کھڑے ہو گئے اور والیٔ مصر صلاح الدین ایوبی کو سلطان کا لقب اختیار کرنے پر پُر جوش مبارک باد پیش کی...... اُس کے ساتھ ہی...... اِس کارِ عظیم کو تکمیل کے آخری مرحلے تک پہنچانے کے سلسلے میں اپنی خدمات پیش کیں......

اُس کے بعد تمام سرکاری مہریں تبدیل کر دی گئیں...... اور نئی مہروں پر صلاح الدین کے ساتھ سلطان کا لفظ کندہ کر دیا گیا۔

......☆......
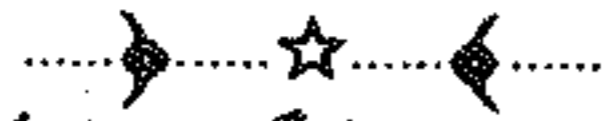
یہ رسم انتہائی سادہ اور باوقار طریقے سے ادا کی گئی...... نہ کوئی ہنگامہ رقص برپا ہوا...... اور نہ کوئی محفل سرور منعقد کی گئی...... کیوں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی ایک باکردار مسلمان حکمران تھا...... اور ان دونوں مشہور لعنتوں سے اُس کا دامن پاک تھا...... سلطان کا لقب اختیار کرتے ہی صلاح الدین ایوبی نے اس علاقے کے تمام عیسائی اور مسلمان حکمرانوں کو سفارتی سطح پر اس نئی تبدیلی سے باخبر کر دیا...... اور اس کے ساتھ ہی یہ تاکید بھی کر دی کہ آئندہ اُس کے نام کے ساتھ سلطان کا لفظ استعمال کیا جائے۔

والیٔ موصل عز الدین مسعود اور والیٔ حلب کے نام سلطان صلاح الدین ایوبی نے علیحدہ سے دو خصوصی خط تحریر کیے تھے...... عز الدین مسعود کو مخاطب کرتے ہوئے والیٔ مصر نے صاف صاف لکھ دیا تھا......

''میں اس راز سے بے خبر نہیں ہوں کہ تم نے حلب کا علاقہ اپنے چھوٹے بھائی عماد الدین کے حوالے کیوں کیا ہے...... کیا تم سمجھتے ہو کہ ''سنجار'' اور موصل کا علاقہ میری دسترس سے دور ہے؟ اگر میں ''معاہدۂ سمیساط'' کا پابند نہ ہوتا تو اب تک میرے گھوڑے تمہارے تخت و تاج کو پامال کر چکے ہوتے...... مگر میں پھر بھی تمہیں سلطان عادل کا بھتیجا ہونے کے سبب تمہیں ایک خاص مہلت اور رعایت دیتا ہوں کہ اگر تم میرے کارندے کی حیثیت سے موصل اور سنجار کے باشندوں کے حقوق کی حفاظت کر سکو تو پھر تمہارا اقتدار بھی محفوظ رہے گا...... اور میرا مقصد بھی پورا ہو جائے گا''......

سلطان صلاح الدین ایوبی نے والیٔ حلب کو خط لکھتے وقت انتہائی سخت اور جارحانہ لہجہ اختیار کیا تھا...... ''اگر تم نہیں جانتے تو اب اس حقیقت کو اچھی طرح جان لو کہ علاقہ بدل لینے سے انسانی تقدیر نہیں بدل جاتی...... میں تمہارے کردار سے بخوبی واقف ہوں...... اور تمہاری نیت کو بھی جانتا ہوں کہ تم سنجار کا علاقہ چھوڑ کر حلب کیوں آئے ہو...... میرے مشیروں کا کہنا ہے کہ تمہاری فطرت کبھی تبدیل نہیں ہو گی...... مگر میں اس دعوے پر یقین نہیں رکھتا کہ حق تعالیٰ ہر شے کو بدلنے اور بڑے سے بڑے گمراہ کو ہدایت دینے پر قادر ہے...... اگر تم اپنی اصلاح کرنے کی کوشش کرو تو میری تمام تر محبتیں

تمہارے ساتھ ہیں...... میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر تم رعایا کے حقوق کی پوری پوری حفاظت کرو تو حلب کا پورا علاقہ تمہارے ہی زیر اقتدار رہے گا...... اور اگر تم اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ حلب کا خزانہ تمہاری ہوس پرستیوں کی بھینٹ چڑھنے کے لیے ہے تو فوری طور پر اپنے اس دماغی خلل کو درست کر لو...... میں تمہیں اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا کہ تم حلب کے عوام کی عزت و آبرو سے کھیلو اور کسی وحشی درندے کی طرح بندگان خدا کے حقوق کا خون بہاؤ...... ہوشمند کے لیے یہ مبہم سا اشارہ کافی ہے...... ورنہ یاد رکھو کہ معاہدۂ امن کی ایک سالہ مدت بہت جلد ختم ہو جائے گی...... پھر میری شمشیر تم سے تمہارے ایک ایک ظلم کا حساب طلب کرے گی...... اور یہ حساب کس قدر سخت ہوگا، اس کا اندازہ خود مجھے بھی نہیں''......

اگرچہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا خط پڑھ کر عزالدین مسعود کا خون کھول اٹھا تھا لیکن وہ ایک عیار و شاطر انسان تھا اس لیے اس نے خاموش رہنے ہی میں عافیت سمجھی...... شاید اس کی وجہ اس کی فطری بزدلی ہو یا پھر وہ عیاری کہ جس کے تحت کینہ پرور لوگ اپنے دل کی بات دل میں رکھتے ہیں...... اور مناسب موقع ملنے پر دشمن سے شدید انتقام لیتے ہیں۔

اس کے برعکس عزالدین مسعود کا چھوٹا بھائی عمادالدین ایک سریع الغضب اور سنگ دل انسان تھا...... اس نے سلطان صلاح الدین ایوبی کا خط پڑھتے ہی تمام درباریوں کے سامنے اپنے غیظ و غضب کا مظاہرہ کیا...... اور والیٔ مصر کے مکتوب کے ٹکڑے کر کے انہیں ہوا میں اڑا دیا۔

''وقت کتنا بھی بدل جائے...... مگر ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ شاہی خاندان کے وارث ایک غلام زادے کو سلطان تسلیم کر لیں۔'' پھر اس نے مصری سفیر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا...... ''صلاح الدین سے کہہ دینا کہ ہم بھی معاہدے کی مدت ختم ہونے کا انتظار کر رہے ہیں...... پھر میدان کارزار گرم ہوگا اور جس کی شمشیر زیادہ آبدار ہوگی، وہی باقی رہ جائے گا۔''

......◆......☆......◆......
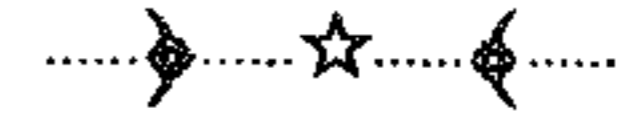
مصری سفیر نے واپس آنے کے بعد بڑے غمزدہ لہجے میں عمادالدین کے انتہائی گستاخانہ طرزِ عمل کی تفصیلات سنائیں تو تمام امرائے دربار برہم ہو گئے پھر سب کے سب بیک زبان والیٔ حلب کے اس تحقیر آمیز سلوک کا فوری جواب دینے کا مطالبہ کرنے لگے...... ان امرا میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے دونوں چھوٹے بھائی ملک عادل اور ملک تقی الدین عمر بھی شامل تھے۔

''پہلے ریجنالڈ نے انتہائی سفاکانہ انداز میں آپ کی صلح پسندی کا مذاق اڑایا...... اور اب عماد الدین نے نامۂ سلطانی کے ٹکڑے کر دیئے۔ کیا یہ دونوں واقعات اس کے لیے کافی نہیں کہ آپ بھی اپنا راستہ بدل دیں۔'' یہ کہتے وقت ملک عادل کا لہجہ انتہائی تلخ ہو گیا تھا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کو قدرت نے جہاں بے مثال شجاعت اور استقامت سے نوازا تھا وہاں انتہائی قوت برداشت بھی عطا کی تھی...... فضا کتنی بھی ناسازگار ہو...... وہ جذباتی لہروں کی زد میں آ کر مشتعل نہیں ہوتا تھا...... اس نے نہایت صبر و سکون کے ساتھ چھوٹے بھائی کی طرف دیکھا اور

باوقار لہجے میں بولا...... ''اگر تم بھی کسی کی گالیوں کے جواب میں اپنی زبان کو ناشائستہ کلمات سے آلودہ کر لو تو پھر تم میں اور اس شخص میں کیا فرق باقی رہ جائے گا...... میں چاہتا ہوں کہ میرے ساتھیوں کی پہچان اور شان ہر حال میں برقرار رہے۔''

سلطان کا جواب سن کر ملک عادل اپنی نشست پر بیٹھ گیا...... مگر اس کے چہرے کا غبار بتا رہا تھا کہ وہ بڑے بھائی کی بات سے مطمئن نہیں ہے۔

ملک عادل کے خاموش ہوتے ہی سلطان صلاح الدین ایوبی کا معتمد سالار دانیال اپنی نشست سے کھڑا ہوا اور بلند آواز میں والیٔ مصر کو مخاطب کرتے ہوئے بولا...... ''میں سلطان محترم کی قیادت پر مکمل یقین رکھتا ہوں مگر مجھے اس حکمت عملی سے شدید اختلاف ہے...... دشمن عہد کی اس پاسداری کو آپ کی کمزوری سمجھ کر مسلسل ناجائز فائدے اٹھا رہے ہیں۔ آخر صبر کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے''......

سالار دانیال کا لہجہ مؤدبانہ تھا...... مگر اس کے الفاظ سے شدید احتجاج جھلک رہا تھا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے حسب عادت مسکراتے ہوئے اپنے معتمد سالار کی طرف دیکھا......

''ہم اپنے عہد کی پاسداری حق تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے کر رہے ہیں...... ہماری طاقت کا حقیقی سرچشمہ اسی ذات پاک کا بے مثال فضل و کرم ہے...... مجھے یقین ہے کہ ہمارا صبر رائیگاں نہیں جائے گا......''

سلطان صلاح الدین ایوبی کی بات ختم ہوتے ہی اس کا سب سے زیادہ شجاع اور معتبر سالار عبداللہ قرشی اپنی نشست سے کھڑا ہوا اس سے پہلے کہ مصری افواج کا یہ سالار لب کشائی کرتا، صلاح الدین ایوبی مسکراتے ہوئے کہنے لگا...... ''شاید تمہیں بھی میری حکمت عملی سے اختلاف ہوگا؟''

''اختلاف رائے تو ایک اچھی علامت ہے سلطان محترم! اس طرح بحث و مباحثہ کے بعد کسی بھی سیاسی فیصلے کے تمام روشن و تاریک پہلو سامنے آ جاتے ہیں۔'' سالار عبداللہ قرشی نے باوقار لہجے میں کہا...... ''میں معاہدۂ امن کی پاسداری کے حق میں ہوں...... ایک حریف کی بدعہدی سے مشتعل ہو کر اپنی روش ترک کر دینا اہلِ ایمان کے شایان شان نہیں ہے...... میں اس معاہدے سے ہٹ کر فرنیکس کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں...... صلیبی فدائین کا یہ خونخوار گروہ کسی معاہدے میں شریک نہیں ہوتا...... میرا خیال ہے کہ عیسائی حکمراں خود بھی جان بوجھ کر اس فتنہ گر جماعت کو معاہدے میں شریک نہیں کرتے...... تاکہ بوقت ضرورت اسے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا جا سکے...... میں صورت حال کے اسی تناظر میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ حاکم کرک ریجنالڈ کی پشت پر بھی فرنیکس کا خونی ہاتھ ہے۔''

سالار عبداللہ قرشی کی بات سن کر سلطان صلاح الدین ایوبی چونک اُٹھا۔

''یہی میری درخواست بھی ہے اور تجویز بھی کہ جس طرح آپ نے انتہائی دانشمندی اور استقامت کے ساتھ آدم خور حشیشان سے پیچھا چھڑایا تھا اسی طرح فرنیکس کے خلاف بھی کوئی جارحانہ قدم اُٹھایا جائے تاکہ ہمیں اس فریب کار اور شب خون مارنے والی تنظیم سے نجات حاصل ہو سکے...... اور پھر ہم مکمل ارتکاز کے ساتھ اپنے کھلے دشمنوں کا مقابلہ کر سکیں......''

سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے سالار کی اس تجویز کو نہ صرف پسند کیا بلکہ عبداللہ قریشی کی دور اندیشی کی تعریف بھی کی۔

☆
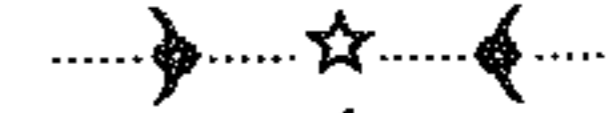
اور یہ امر واقعہ تھا کہ مجبوری کی حالت میں عیسائی حکمراں صلاح الدین ایوبی سے صلح کا معاہدہ کرلیا کرتے تھے...... اور پھر جب انہیں معاہدہ شکنی کی ضرورت پیش آتی تھی تو وہ جابر و سفاک فرینکس کو ہنگامہ آرائی کے لیے اشارہ کر دیا کرتے تھے...... جب تک آدم خور "حشیشان" زندہ رہے اُس وقت تک حلب اور موصل کے حکمراں انہیں صلاح الدین ایوبی کے خلاف استعمال کرتے رہے...... پھر جب والیٔ مصر نے حشیشان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا تو بے ضمیر مسلمان حکمرانوں نے حشیشان کے نعم البدل کی صورت میں فرینکس کو تلاش کرلیا۔

کچھ دن پہلے عماد الدین نے اہلِ دربار کے سامنے سلطان صلاح الدین ایوبی کا خط چاک کر دیا تھا ...... اور مصری سفیر کے ذریعے کھلے الفاظ میں اپنا پیغام پہنچا دیا تھا کہ وہ میدان جنگ میں صلاح الدین ایوبی کا انتظار کرے گا...... عماد الدین نے وہ سب کچھ اس لیے کیا تھا کہ حلب کے باشندوں کے دلوں پر اُس کا رُعب قائم ہو سکے...... مگر مصری سفیر کے واپس جاتے ہی عماد الدین اپنے اِس طرزِ عمل پر پریشان نظر آنے لگا تھا...... والیٔ حلب کو والیٔ مصر کی جنگی صلاحیتوں کا بخوبی اندازہ تھا...... صلاح الدین ایوبی نے کئی بار اپنے دو تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ دشمن کے بیس ہزار فوجیوں کو شکست فاش سے دوچار کیا تھا...... درباریوں کے سامنے اپنی جھوٹی شان دکھانے کے لیے عماد الدین نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو جنگ کی دھمکی بھی دے دی تھی...... مگر وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر والیٔ مصر نے حلب پر یلغار کی تو اُس کی فوجیں کھلے میدان میں چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتی تھیں...... نتیجتاً عماد الدین نے سیاست کا وہی کھیل جاری رکھا جو سلطان ملک صالح اور اُس کا بڑا بھائی سیف الدین کھیلا کرتے تھے...... عماد الدین نے فوری طور پر آرمینیا کا دورہ کیا...... اور شاہ رہوپن سے ملاقات کی...... اس ملاقات کے دوران عماد الدین نے بڑے احمقانہ انداز میں شاہ آرمینیا کے سامنے اعتراف کرلیا کہ حلب کا دفاع بہت کمزور ہے...... اور ریاست کے وجود کو سلطان صلاح الدین ایوبی سے شدید خطرہ لاحق ہے۔

شاہ آرمینیا رہوپن دوسرے عیسائی حکمرانوں کی طرح نہایت شاطر و عیار اور موقع پرست انسان تھا...... والیٔ حلب عماد الدین کی خوف اور اندیشوں سے بھری گفتگو سن کر شاہ آرمینیا نے مسکراتے ہوئے پوچھا......

"آخر والیٔ حلب مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟" اگرچہ شاہ رہوپن عماد الدین کی آمد کا مقصد بخوبی جانتا تھا مگر اُس نے سیاست کی رسمی کارروائی ادا کرتے ہوئے ایک عام سا سوال کر ڈالا تھا۔

کیسا عجیب وقت تھا کہ اپنے دینی بھائی سلطان صلاح الدین ایوبی کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کے بجائے والیٔ حلب عماد الدین شاہ آرمینیا رہوپن کے سامنے اپنا دامن پھیلا رہا تھا......

"آپ ہمارے پرانے دوست اور اتحادی ہیں...... میں اُسی اتحاد اور دوستی کی تجدید کرنے حاضر ہوا ہوں۔" عماد الدین کا لہجہ انتہائی خوشامدانہ تھا...... "مجھے یقین ہے کہ آپ اس نازک صورت حال میں ہمارا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔"

اگرچہ عماد الدین کے الفاظ مبہم تھے لیکن شاہِ آرمینیا رہوپن والیٔ حلب کی گفتگو کا مفہوم سمجھ چکا تھا ...... جس کے نتیجے میں اُس فریب کار عیسائی حکمراں کے ہونٹوں کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی......

"ہم عیسائیوں کی یہی شان ہے کہ جسے ایک بار دوست کہہ دیتے ہیں پھر اُسے دشمن نہیں کہتے تم اپنا مطلب وضاحت سے بیان کرو"...... شاہِ آرمینیا رہوپن نے بڑی بے حیائی کے ساتھ عیسائیوں کو سچا اور مسلمانوں کو جھوٹا قرار دے دیا تھا مگر بے غیرت عماد الدین اپنی ریاست کو بچانے کے لیے اسلام دشمنوں کی گالیاں سننے پر بھی مجبور تھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ آپ اور شاہِ یروشلم اپنی کچھ فوج میرے دفاع کے لیے حلب بھیج دیں...... اس خدمت کے صلے میں عیسائی سپاہیوں کو اُن کی توقعات سے بڑھ کر معاوضہ دیا جائے گا"...... عماد الدین نے کرائے کے سپاہی حاصل کرنے کے لیے بڑی فراخدلانہ پیش کش کی۔

عماد الدین کی بات سُن کر شاہِ آرمینیا رہوپن گہری سوچ میں ڈوب گیا...... پھر کچھ دیر بعد شاہ رہوپن تھکے تھکے سے لہجے میں بولا...... "میں دل کی گہرائیوں سے والیٔ حلب کے جذبات کی قدر کرتا ہوں ...... مگر کبھی کبھی زندگی میں ایسے نازک لمحات بھی آجاتے ہیں کہ ایک دردمند باپ اپنے حقیقی بیٹے کے لیے بھی کچھ نہیں کرسکتا...... اس وقت میں بھی کچھ ایسی ہی صورت حال سے گزر رہا ہوں"......

شاہ رہوپن کی بات سُن کر والیٔ حلب عماد الدین کا چہرہ اُتر گیا...... وہ ایک بڑی فوجی امداد کی توقع لے کر آرمینیا آیا تھا......

شاہ رہوپن نے اپنی مجبوریوں کی وضاحت کرتے ہوئے کہا...... "میں شاہ ریمنڈ سے فوجی تعاون کی درخواست اس لیے نہیں کرسکتا کہ یروشلم اپنے داخلی معاملات میں اُلجھا ہوا ہے...... رہا میرا ذاتی معاملہ تو میں تمہارے بڑے بھائی عزالدین مسعود سے فوجی تعاون کا معاہدہ کر چکا ہوں...... انہیں "الجزیرہ" میں کچھ سنگین نوعیت کے مسائل درپیش ہیں...... اگر اُن مسائل کو فوری طور پر حل نہیں کیا گیا تو موصل کے استحکام کو بھی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے...... اگر کچھ دن پہلے تمہاری طرف سے اِس خواہش کا اظہار ہوتا تو میں عزالدین مسعود کے بجائے تم سے معاہدہ کرلیتا"۔

شاہِ آرمینیا رہوپن کی زبانی یہ انکشاف سن کر والیٔ حلب عماد الدین کے چہرے پر فکرمندی اور پریشانی کے لرزنے والے سائے کچھ اور گہرے ہوگئے تھے۔ کچھ دیر تک کمرے کی فضا پر سناٹا سا طاری رہا...... اس دوران میں شاہ آرمینیا کی نظریں والیٔ حلب کی بدلتی ہوئی کیفیات کا جائزہ لیتی رہیں دراصل شاہ رہوپن اس بات کا اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ عماد الدین کس قدر ضرورت مند اور کتنا مجبور ہے؟

"کچھ تو کریں۔" آخر بہت دیر بعد والیٔ حلب نے زبان کھولی...... عماد الدین کا لہجہ تھکا تھکا سا تھا جس سے شدید مایوسی کا اظہار ہو رہا تھا...... "یہ ہمارے مشترکہ مفاد کا سوال ہے...... اگر حلب اور

موصل کو نقصان پہنچا تو یروشلم، طرابلس اور آرمینیا پر بھی اس کے منفی اثرات مرتب ہوں گے۔" عماد الدین نے تمام راستے بند پا کر نئی چال چلنے کی کوشش کی۔

شاہ رہوپن جیسا شاطر حکمراں پہلے ہی سے اس امکانی چال کے لیے تیار تھا...... وہ سیاست کے اس راز سے اچھی طرح باخبر تھا کہ حلب اور موصل پر عماد الدین اور عز الدین مسعود جیسے بے ضمیر انسانوں کی حکومت ضروری تھی...... اگر ان دونوں کی جگہ کوئی غیرت مند مسلمان ان علاقوں پر قابض ہو جاتا تو پھر یروشلم، آرمینیا اور طرابلس کے حکمراں بھی چین سے نہیں رہ سکتے تھے...... اور جبکہ صلاح الدین ایوبی جیسا سخت جان حریف ان کے مقابل ہو...... پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ عیسائی حکمراں حلب اور موصل کو بچانے کی فکر نہ کرتے...... اب تک شاہ رہوپن والیٔ حلب کے ساتھ ایک نہایت پیچیدہ سیاسی کھیل کھیل رہا تھا...... پھر جب اس نے عماد الدین کی مجبوریوں اور ضرورتوں کا صحیح اندازہ کر لیا تو وہ آہستہ آہستہ والیٔ حلب کے سامنے کھلنے لگا۔

"اب ایک ہی صورت ہے کہ ہم حاکم طرابلس سے فوجی مدد کی درخواست کریں۔" شاہ رہوپن نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"اس سلسلے میں حاکم طرابلس کیا کر سکتے ہیں؟" عماد الدین نے چونکتے ہوئے کہا...... "ایڈم کی تو اپنی فوج طرابلس کے دفاع کے لیے ناکافی ہے۔" والیٔ حلب شاہ آرمینیا کی تجویز سے مطمئن نظر نہیں آ رہا تھا۔

"تمہاری بات کسی حد تک درست ہے۔" شاہ رہوپن نے مسکراتے ہوئے کہا...... "مگر تم اس راز سے بے خبر ہو کہ حاکم طرابلس ایڈم کی اصل طاقت وہ ہزاروں فرینکس ہیں جو ہر وقت اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھرتے ہیں۔"

فرینکس کا نام سن کر عماد الدین کے چہرے پر اس طرح خوشی کا رنگ ابھر آیا جیسے اس نے کسی سخت معرکے میں سلطان صلاح الدین ایوبی کو شکست دے دی ہو۔

پھر والیٔ حلب نے آرمینیا میں اپنے قیام کی مدت بڑھا دی...... اس دوران شاہ رہوپن نے اپنے برق رفتار قاصد کے ذریعے حاکم طرابلس کو ایک خفیہ پیغام بھیجا جس میں اسے آرمینیا آنے کی دعوت دی گئی تھی۔

پھر جب حاکم طرابلس ایڈم آرمینیا پہنچا تو اس کے ہمراہ فرینکس کا نیا سالار ڈوڈی بھی تھا...... یہ وہی شخص تھا جس نے شاہ یروشلم بالڈون چہارم اور خاندان شاہی کے دیگر افراد کے کہنے پر اپاج سالار آرس کو گلا گھونٹ کر ہلاک کیا تھا...... اور اب خود سالاری کے اعلیٰ منصب پر فائز تھا۔

پھر والیٔ حلب، حاکم طرابلس، شاہ آرمینیا اور فرینکس کے نئے سالار ڈوڈی کے درمیان طویل مذاکرات شروع ہوئے...... شاہ آرمینیا کے خفیہ اشارے پر ایڈم اور سالار ڈوڈی نے فوجی تعاون کے لیے اتنی کڑی شرائط رکھیں کہ دنیا کا کوئی بھی خودمختار حکمراں انہیں تسلیم نہیں کر سکتا تھا مگر اس معاملے میں والیٔ حلب عماد الدین کی حیثیت ایک سوالی کی سی تھی...... اور کوئی سوالی بخشش و عطا کرنے والے کسی

شخص کو اپنی مرضی کا پابند نہیں بنا سکتا...... وہ جو بھی دے دے، مانگنے والا اسے قبول کر لیتا ہے...... عماد الدین کے ساتھ بھی یہی صورت حال تھی۔ وہ ہر موڑ پر ایڈم اور سالار ڈوڈی کے سامنے جھکتا ہی چلا گیا...... پھر ان تینوں کے درمیان ایک معاہدہ طے پا گیا۔

اس معاہدے کے مطابق سالار ڈوڈی اپنے پانچ ہزار فرینکس حلب بھیجنے پر رضامند ہو گیا تھا...... ان صلیبی فدائین کے تمام تر اخراجات کی ذمے داری عماد الدین کے سر تھی...... اس سے پہلے بھی سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف شاہ یروشلم ریمنڈ، والیٔ موصل عز الدین مسعود اور والیٔ حلب سلطان ملک صالح کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا...... جو ایشیائے کوچک کی تاریخ میں "اتحاد ثلاثہ" کے نام سے مشہور ہے...... اس معاہدے میں ریمنڈ نے فوجی اخراجات کے علاوہ سود کے طور پر دمشق کا علاقہ بھی طلب کیا تھا جو سلطان صلاح الدین ایوبی کے زیر اقتدار تھا...... مگر فرینکس اور عماد الدین کے درمیان ہونے والا معاہدہ پچھلے معاہدے سے بھی زیادہ شرمناک تھا...... اس معاہدے میں سالار ڈوڈی نے عماد الدین سے دمشق کے علاوہ شام کے کچھ علاقے بھی طلب کئے تھے...... بالفرض اگر فرینکس مطلوبہ علاقوں پر قابض ہو جاتے تو حلب بھی چاروں طرف سے محصور ہو کر رہ جاتا...... لیکن صلاح الدین دشمنی میں عماد الدین اندھا ہو رہا تھا...... اس نے اپنی زمین کے چھوٹے سے ٹکڑے کو بچانے کیلئے کئی مسلم ریاستوں کو اسلام کے بدترین دشمنوں کے حوالے کرنے پر اپنی آمادگی ظاہر کر دی تھی۔

......✧......☆......✧......

دوسری طرف عماد الدین کا بڑا بھائی عز الدین مسعود شاہ آرمینیا سے مل کر الجزیرہ کی چھوٹی چھوٹی مسلم ریاستوں پر قبضہ کرنے کی فکر میں تھا۔ ان ریاستوں میں "حران" اور "گنجان" نمایاں تھیں۔

ایک دن ریاست "حران" کا قاصد مصر پہنچا اور اس نے والیٔ حران کوکبری کا خط سلطان صلاح الدین ایوبی کی خدمت میں پیش کیا۔ کوکبری نے بڑے دردناک لہجے میں اپنی پریشانیوں کا نقشہ کھینچا تھا۔

"میں آپ کے حضور، اس لیے فریاد کر رہا ہوں کہ آپ ہی سلطان عادل کے صحیح وارث و جانشین ہیں...... آپ اس حقیقت سے بھی باخبر ہیں کہ میں سلطان نور الدین زنگیؒ کے وقت سے "حران" کا حاکم ہوں...... میں نے اب تک پوری دیانتداری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے ہیں اور ہر طرح حران کے باشندوں کے حقوق کی نگہبانی کی ہے...... مگر اب مجھ پر والیٔ موصل عز الدین مسعود کی طرف سے عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔ وہ دن رات اس فکر میں ہے کہ کسی نہ کسی طرح حران پر قبضہ کر لے...... اور میں اس کا خراج گزار بن کر رہ جاؤں...... اگر میں اس کی یہ شرط تسلیم نہیں کرتا تو وہ میرا خون بہا کر حران کو اپنے تصرف میں لے آئے گا۔ مجھے اس کا غم نہیں ہے کہ میں کل اقتدار میں نہیں رہوں گا۔ میں نے اپنی زندگی ایک عام سپاہی کی حیثیت سے شروع کی تھی پھر سلطان عادل کی تربیت اور عطائے خاص کے سبب امارت کے درجے تک پہنچا...... جب لوگوں کی شہنشاہیت باقی نہیں رہی تو پھر میری امارت کی کیا حقیقت ہے...... مگر افسوس اس بات کا ہے کہ سلطان عادل کے قائم کئے ہوئے

نظامِ حکومت کی بنیادیں کانپ رہی ہیں...... اگر آپ نے جلد حران کا رخ نہ کیا تو سلطان عادل کی وراثت کا یہ ٹکڑا صلیبیوں کے قبضے میں چلا جائے گا...... بظاہر لوگ یہی سمجھیں گے کہ حران عز الدین مسعود کے زیرِ اثر ہے مگر حقیقتاً اس مسلم ریاست پر شاہ آرمینیا کا قبضہ ہو جائے گا...... میں نہایت دکھ کے ساتھ یہ اذیت ناک حقیقت بھی آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں کہ عز الدین مسعود نے شاہ رہوپن کے ہاتھ اس پورے علاقے کا سودا کر لیا ہے...... وہ محض عیسائیوں کا آلۂ کار ہے...... اس کے سوا کچھ نہیں...... اگر آپ کو میری کسی بات پر ذرا بھی مبالغہ آمیزی یا جھوٹ کا گمان ہو تو اپنے کسی معتبر نمائندے کو فوری طور پر حران بھیج دیں...... تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ سکے کہ حران کے باشندے سلطان عادل کے مبارک دور کو یاد کر کے روتے ہیں اور بار بار بس ایک ہی دعا کرتے ہیں کہ خداوند ذوالجلال ان کے نجات دہندہ کو ان کی زندگی ہی میں بھیج دے۔"

والیٔ حران کوکبری کا خط اس قدر اثر انگیز تھا کہ اسے پڑھ کر سلطان صلاح الدین ایوبی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے...... پھر والیٔ مصر نے ایک مختصر خط تحریر کر کے حران کے قاصد کے حوالے کر دیا۔

"میں نے حران کے باشندوں کی فریادیں اور چیخیں سنیں...... اور انہیں اپنے دل کے ایک گوشے میں محفوظ کر لیا...... تم نے عز الدین مسعود کے بارے میں جو کچھ تحریر کیا وہ حرف بہ حرف درست ہے...... مگر میری مجبوری یہ ہے کہ میں والیٔ موصل کے ساتھ ایک معاہدۂ امن کا پابند ہوں جس کی مدت ختم ہونے میں ابھی چھ ماہ باقی ہیں۔ فی الوقت تمہارے لیے میرا مخلصانہ مشورہ یہی ہے کہ تم فوری طور پر عز الدین مسعود کی بالادستی قبول کر لو...... اور چند ماہ کے لیے اس کے خراج گزار بن جاؤ...... میں انشاء اللہ بہت جلد تمہارا یہ قرض ادا کر دوں گا اگر حق تعالیٰ نے مجھے زندگی بخشی تو میرا الجزیرہ پہنچنا اسی طرح اٹل ہے جیسے کسی انسان کی موت...... تمہارا بھائی صلاح الدین ایوبی"......

پھر کچھ دن بعد حران کی طرح اسی علاقے کی ایک اور چھوٹی سی مسلم ریاست "سنجان" کا قاصد قاہرہ (مصر) پہنچا...... والیٔ سنجان نور الدین نے بھی کم و بیش اسی انداز کا ایک خط سلطان صلاح الدین ایوبی کے نام تحریر کیا تھا...... والیٔ مصر نے سنجان کے امیر نور الدین کو بھی چند ماہ کے لیے ضبط و تحمل کا مظاہرہ کرنے کی تلقین کی...... اگرچہ سلطان صلاح الدین ایوبی اب تک جنگ و جدل سے اس لیے گریز کرتا رہا تھا کہ میدانِ کارزار میں مسلمانوں ہی کی تلواریں ہوں گی...... اور مسلمانوں ہی کی گردنیں...... دونوں طرف سے بہنے والا خون بھی اہلِ ایمان ہی کا ہو گا...... مگر اس کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں...... اور اس کا پیغامِ محبت صدا بہ صحرا ثابت ہوا...... آخر گردشِ وقت نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو اس منزل پر پہنچا دیا جہاں قتال و جدال ناگزیر ہو گیا تھا...... والیٔ مصر نے اپنے تمام سرکردہ امراء اور سالارانِ لشکر کو جمع کر کے اپنے مستقبل کے ارادے سے آگاہ کر دیا...... اور وہ ارادہ اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ معاہدۂ امن کی میعاد ختم ہوتے ہی "الجزیرہ" کا علاقہ اس کا پہلا ہدف ہو گا۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی نے ہمیشہ جنگ سے نفرت کی...... مگر اب وہ لمحہ آ گیا تھا کہ والیٔ مصر

معاہدۂ امن کے ختم ہونے کے لیے ایک ایک دن گن رہا تھا، انجام کار دنوں کا شمار ختم ہوا...... اور سلطان صلاح الدین ایوبی بیس ہزار لشکر کے ساتھ محاصرہ کا ساز و سامان لے کر دریائے فرات کی طرف بڑھا...... کوچ کرنے سے پہلے والیٔ مصر نے ایک برق رفتار قاصد کے ذریعے اپنی آمد کی اطلاع والیٔ حران کوکبری تک پہنچا دی تھی......

جب سلطان صلاح الدین ایوبی کا لشکر دریائے فرات کے عین وسط میں پہنچا تو اسے اپنے دائیں جانب دریا کے پار دوسرے کنارے پر کھڑے ہوئے سیکڑوں انسان نظر آئے جن کے ہاتھوں میں سبز پرچم تھے۔ وہ لوگ اپنے اپنے پرچم کو بڑی تیزی کے ساتھ ہوا میں لہرا رہے تھے...... سلطان صلاح الدین ایوبی نے دور ہی سے اندازہ کر لیا کہ پرچم لہرانے والے سپاہیوں کا تعلق والیٔ حران کوکبری سے ہے...... نتیجتاً اس نے اپنی کشتیوں کا رخ اسی طرف موڑ دیا...... کچھ دیر بعد والیٔ مصر کے بیس ہزار سپاہی فرات کے کنارے پر اتر گئے......

والیٔ حران کوکبری بنفسِ نفیس سلطان صلاح الدین ایوبی کے استقبال کے لیے حاضر ہوا تھا...... پھر جیسے ہی والیٔ مصر نے خشکی پر قدم رکھا۔ حران کے سپاہیوں نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ سلطان کو سلامی پیش کی...... والیٔ حران کوکبری دیوانہ وار آگے بڑھا اور اس طرح صلاح الدین ایوبی کے گلے لگ گیا کہ جیسے کوئی بچھڑا ہوا باپ اپنے بیٹے سے ملتا ہے...... کوکبری کی خوشی ناقابلِ بیان تھی...... پھر جب وہ سلطان صلاح الدین ایوبی سے الگ ہوا تو اس نے نہایت پرجوش لہجے میں کہا۔

"خداوند ذوالجلال سلطان کی عمر اور اقبال مندی میں اضافہ کرے...... آپ نے اہلِ ایمان کی طرح پورے خلوص کے ساتھ دردمندوں کی فریاد سنی...... اور بروقت ان کی مدد کو پہنچے۔"

"اسی کی ذات مشکل کشا ہے...... اور وہی تمہارے سارے رنج و الم دور کرے گا۔"...... والیٔ حران کوکبری کی بات کے جواب میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی شہادت کی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا...... پھر والیٔ مصر نے فرات کے ساحل پر نمازِ شکر ادا کی۔ اس کا یہی طریقہ خاص تھا کہ جب وہ کسی علاقے پر حملہ کرنے کی غرض سے اس کی حدود میں داخل ہوتا تھا تو سب سے پہلے دو رکعت نماز ادا کیا کرتا تھا...... پھر اس کے ہونٹوں پر یہ مخصوص دعا ہوتی تھی۔

"اے مالکِ بحر و بر! جس طرح تو نے اپنی بے پناہ اور لازوال قدرت کے ذریعے چاند ستاروں اور سورج کو انسانوں کے لیے مسخر کر دیا ہے، اسی طرح اس زمین کے ٹکڑے پر اپنے کمزور بندوں کو غلبہ عطا کر"......

بندگی کی یہ مخصوص رسم ادا کرنے کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی والیٔ حران کوکبری کی خواہش پر اپنے چند سپاہیوں کے ہمراہ شہر میں داخل ہوا جہاں اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے حران کی شاہراہوں، گلیوں اور کوچوں میں ہزاروں انسان جمع تھے جن کی آنکھوں میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے لیے عقیدت و محبت کا سیلاب موجزن تھا...... اور پوری فضا دعائیہ کلمات کے شور سے گونج رہی تھی۔

......{ ...... ☆ ......}......

سلطان صلاح الدین ایوبی نے جنگی منصوبہ بندی اس قدر خفیہ انداز میں کی تھی کہ عزالدین مسعود اور شاہ آرمینیا کو مصری افواج کی نقل و حرکت کا علم ہی نہ ہو سکا اور پتہ چلا تو اس وقت جب سلطان صلاح الدین ایوب حران میں داخل ہو چکا تھا...... اسی مقام پر والئ ''گنجان'' نورالدین بھی اپنی مختصر سی فوج کے ساتھ والئ مصر سے آملا...... پہلے ہی مرحلے میں صلاح الدین ایوبی نے بڑی آسانی کے ساتھ الجزیرہ کے دو شہر فتح کر لیے...... ابھی والئ مصر کی پیش قدمی جاری تھی کہ ''الرہا، سروج، رقہ، قارقیسیا اور نصیبین'' کے حاکموں نے خود ہی سلطان صلاح الدین ایوبی کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی اطاعت قبول کر لی۔

اسی دوران میں صلاح الدین ایوبی کے جاسوس دمشق سے ''رقہ'' پہنچا...... اس وقت والئ مصر، موصل کی طرف پیش قدمی کی منصوبہ بندی کر رہا تھا...... جاسوس نے سلطان کو اطلاع دی کہ والئ حلب عمادالدین کی فوج فرینکس کے ساتھ مل کر دمشق کے نواحی علاقے کو تاخت و تاراج کر رہی ہے ...... جاسوسوں کا خیال تھا کہ یہ فکر انگیز خبر سن کر سلطان صلاح الدین ایوبی پریشان ہو جائے گا اور اپنی جنگی حکمت عملی تبدیل کر کے یا تو واپس لوٹ جائے گا ...... یا پھر دمشق کے دفاع کے لیے نئے انتظامات کرے گا...... مگر اس وقت جاسوسوں کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، جب والئ مصر نے نہایت پُرسکون لہجے میں کہا......

''یہ فطرت کا اصول ہے کہ بڑے مقاصد حاصل کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ تو قربان کرنا ہی پڑتا ہے...... اگر عمادالدین اور فرینکس مل کر دیہاتوں پر قبضہ کر رہے ہیں تو ہم اس کے بدلے میں بڑے شہر فتح کر رہے ہیں...... ویسے عمادالدین کا احتسابی عمل شروع ہو چکا ہے...... انشاءاللہ اسے بہت جلد ان شرانگیزیوں کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی...... تم تیز رفتاری کے ساتھ واپس جاؤ اور دمشق کے حاکم سے کہو کہ وہ مضبوطی اور استقامت کے ساتھ شہر کا دفاع کرے...... اور نواحی علاقوں کی فکر چھوڑ دے''......

جاسوسوں کے واپس جاتے ہی سلطان صلاح الدین ایوبی نے موصل کی طرف پیش قدمی شروع کر دی...... حملے کی خبر سن کر عزالدین مسعود نے کسی خوف یا پریشانی کا اظہار نہیں کیا...... اس اطمینان اور بے پروائی کے دو اسباب تھے...... ایک یہ کہ اسے شاہ آرمینیا کی فوج کا تعاون حاصل تھا، دوسرے یہ کہ وہ ایک ایسے قلعہ کا مالک تھا جسے عام طور پر ناقابلِ تسخیر تصور کیا جاتا تھا۔

عزالدین مسعود کی فوج نے موصل کی سرحد پر صلاح الدین ایوبی کے لشکر کو روکنے کی کوشش کی ...... مگر والئ مصر کا حملہ اتنا شدید تھا کہ ایک ہی گھنٹے میں اس کے قدم میدان جنگ سے اکھڑ گئے اور وہ اپنے سیکڑوں ساتھیوں کی لاشیں چھوڑ کر قلعہ بند ہو گئی...... یہ پسپائی عزالدین کے لیے پریشان کن تھی ...... مگر قلعے کا استحکام اور دفاعی انتظامات اس قدر مکمل تھے کہ وہ خوفزدہ نہیں ہوا......

سلطان صلاح الدین ایوبی کے لشکر نے آگے بڑھ کر قلعے کا محاصرہ کر لیا...... قلعے کی خصوصیت یہ

تھی کہ اس کی دہری فصیلیں تھیں...... اگر کسی طرح ایک فصیل گر بھی جاتی تھی...... تو دوسری مضبوط فصیل دفاع کے لیے کافی تھی...... عزالدین مسعود جانتا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی ایک نہ ایک دن موصل کا رخ ضرور کرے گا...... اس لیے اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر قلعے میں سامان خورد و نوش کے بڑے بڑے ذخیرے جمع کر رکھے تھے...... اگر یہ محاصرہ ایک سال تک بھی جاری رہتا تو قلعے کے محصورین کو کھانے پینے کے سلسلے میں کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑتا......

سلطان صلاح الدین ایوبی نے قلعے کے سامنے اپنی بہترین منجنیقیں نصب کیں اور فصیل پر سنگ باری شروع کر دی...... اگرچہ عزالدین مسعود محفوظ چار دیواری کے اندر بیٹھا تھا...... لیکن پھر بھی وہ نفسیاتی طور پر صلاح الدین ایوبی سے اس قدر خوفزدہ تھا کہ کبھی کبھی اسے مضبوط ترین سنگی دیواریں بھی لکڑی کی نظر آنے لگتی تھیں...... اور کبھی یوں بھی ہوا کہ اس نے خواب کی حالت میں دیوار کو گرتے اور صلاح الدین ایوبی کے سپاہیوں کو قلعے میں داخل ہوتے دیکھا...... آخر اسی خوف کے زیر اثر عزالدین مسعود نے شاہ آرمینیا اور شاہ ایران کو درمیان میں ڈالا تاکہ والئ مصر کے ساتھ باعزت طور پر کوئی سمجھوتہ ہو سکے۔ اور سلطان صلاح الدین ایوبی محاصرہ اٹھا کر واپس چلا جائے...... اس خواہش کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ محاصرے کے باعث موصل کے شہری سخت عذاب میں مبتلا تھے...... مزدور پیشہ لوگوں کے کاروبار ختم ہو گئے تھے اور غریب رعایا پر فاقوں کی نوبت آ گئی تھی۔

پھر جب عزالدین مسعود کی کوششوں سے شاہ آرمینیا کا سفیر موصل پہنچ کر سلطان صلاح الدین ایوبی سے ملا اور اس نے شاہ رہوپن کی طرف سے مصالحت کا ذکر چھیڑا تو والئ مصر غضب ناک ہو گیا

...... ''میں ایسے جھوٹے، فریب کار اور عہد شکن لوگوں سے بات کرنا بھی اپنی توہین سمجھتا ہوں۔''

سلطان صلاح الدین ایوبی کے قہر آلود تیور دیکھ کر آرمینیا کا سفیر سہم گیا...... پھر جب وہ شدید مایوسی کی حالت میں واپس جانے لگا تو والئ مصر نے اسے مخاطب کر کے انتہائی سخت لہجے میں کہا......

''اپنے بادشاہ سے کہہ دینا کہ عنقریب اس کی بدعہدیوں اور مکاریوں کا حساب بھی چکا دیا جائے گا۔''

اس واقعے نے عزالدین مسعود کو بہت زیادہ خوفزدہ کر دیا تھا...... اس نے فوری طور پر شاہ ایران کو درمیان میں ڈالا...... سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایرانی سفیر کا پرتپاک خیر مقدم کیا...... اور اس کے سامنے واضح الفاظ میں اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے کہا...... ''عزالدین مسعود سے بس ایک ہی شرط پر صلح ہو سکتی ہے کہ وہ خاموشی سے موصل میرے حوالے کر دے یا پھر حلب...... میں قسم کھا چکا ہوں کہ ان دونوں علاقوں میں سے کسی ایک پر قبضہ کیے بغیر واپس نہیں جاؤں گا...... اور میں ان لوگوں میں سے بھی نہیں ہوں کہ قسم توڑ کر اس کا کفارہ ادا کروں...... اب اللہ بہتر جانتا ہے کہ میری قسم پوری ہوگی ...... یا پھر میرا سر جائے گا''......

ایرانی سفیر نے عزالدین مسعود کے سامنے سلطان صلاح الدین کا بیان حرف بہ حرف دہرا دیا...... جسے سن کر والئ موصل کے چہرے پر خوف و ہراس کے گہرے سائے لرزنے لگے...... اور اس نے

انتہائی شکستہ لہجے میں کہا...... ”مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ میں اپنے چھوٹے بھائی عماد الدین پر حلب چھوڑنے کے لیے دباؤ ڈال سکوں۔“ بالآخر صلح و امن کے مذاکرات بری طرح ناکام ہو گئے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی مسلسل ایک ماہ تک موصل کی فصیلوں پر سنگ باری کرتا رہا...... مگر اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا...... یہ محاصرہ 10/نومبر 1182ء کو شروع ہوا تھا...... 11/دسمبر کو والیٔ مصر محاصرہ اٹھا کر ”سنجار“ کی طرف بڑھا...... سلطان کا خیال تھا کہ اسی علاقے سے موصل کو سامان رسد حاصل ہوتا ہے...... نتیجتاً صلاح الدین ایوبی نے جی بھر کے سنجار کو لوٹا...... قلعے کے محافظ پندرہ دن تک قلعے کا دفاع کرتے رہے...... مگر 30/دسمبر 1182ء کو مجبور ہو کر قلعے کے دروازے کھول دیئے گئے اور آسانی کے ساتھ سنجار پر سلطان کا قبضہ ہو گیا۔

موصل کا محاصرہ ختم ہوتے ہی عزالدین مسعود نے نئی سازشیں شروع کر دیں...... اُدھر شاہ آرمینیا رہوپن بھی صلاح الدین ایوبی سے اس کے ذلت آمیز سلوک کا انتقام لینے کے لیے تڑپ رہا تھا...... آخر موصل، آرمینیا، مریدین اور حلب کی فوجوں کا اجتماع ”ہرزم“ کے میدان میں ہوا۔

جب صلاح الدین ایوبی نے اتحادی فوجوں کے اجتماع کی خبر سنی تو اس نے اپنے دو ہزار سپاہی قلعے کی حفاظت کے لیے سنجار میں چھوڑے اور باقی فوج لے کر ”ہرزم“ کی طرف بڑھا۔

عزالدین مسعود، شاہ آرمینیا اور مریدین کے حاکم کا خیال تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی اتنے بڑے فوجی اجتماع کی خبریں سن کر سنجار کا قبضہ چھوڑ دے گا...... اور ناکام و نامراد مصر کی طرف واپس لوٹ جائے گا...... مگر جب ان کے جاسوسوں نے یہ اطلاع دی کہ صلاح الدین ایوبی خود ہرزم کی طرف آ رہا ہے تو وہ تینوں گھبرا گئے...... والیٔ مصر نے ان کی چال ان ہی پر اُلٹ دی۔ نتیجتاً ان بزدل اور عیار حکمرانوں نے اپنی خفت اور شرمندگی مٹانے کے لیے ایک نئی چال چلی...... فوری طور پر ایک برق رفتار قاصد کو یہ پیغام دے کر بھیجا گیا کہ شاہ آرمینیا اور والیٔ موصل عزالدین مسعود سلطان الدین ایوبی کے ساتھ امن کا نیا معاہدہ کرنے کی شدید خواہش رکھتے ہیں۔

اتحادیوں کے سفیر کی بات سن کر صلاح الدین ایوبی نے انتہائی غضب ناک لہجے میں کہا......

”میں ان کی اس خواہش کا جواب ہرزم کے میدان میں دوں گا۔“

پھر جب والیٔ مصر ہرزم پہنچا تو میدان میں کسی دشمن سپاہی کا سایہ تک نہیں تھا......

اس واقعے کے بارے میں ایک انگریز مؤرخ نے لکھا ہے کہ اتحادی سپاہی مردوں کی طرح آئے تھے لیکن عورتوں کی طرح فرار ہو گئے...... اگرچہ اتحادی فوجوں کی تعداد سلطانی سپاہیوں کے مقابلے میں تین گنا زیادہ تھی۔

اب سلطان صلاح الدین ایوبی اپنی قسم پوری کرنے کے لیے حلب کی طرف بڑھ رہا تھا۔

”ہرزم“ کے میدان سے فرار ہونے کے بعد والیٔ موصل دوبارہ قلعہ بند ہو گیا۔ عزالدین مسعود کا خیال تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی اس کے تعاقب میں آئے گا۔ اور ایک بار پھر موصل کا محاصرہ

کرلے گا۔ مگر یہ اس کے اندازوں کی غلطی تھی۔ والیٔ مصر نے ”سنجار“ کے ضلع پر قبضہ کر کے بڑی حد تک اپنے سیاسی مقاصد حاصل کر لئے تھے۔ اور اب وہ عماد الدین پر فیصلہ کن ضرب لگانے کیلئے حلب کی طرف بڑھ رہا تھا۔

صلاح الدین ایوبی کے لشکر اور حلب کے درمیان ایک اور مضبوط قلعۂ عمید حائل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عماد الدین انتہائی اطمینان اور سکون کے ساتھ حلب میں بیٹھا تھا۔ جب اسے یہ خبر ملی کہ سنجار پر والیٔ مصر کا قبضہ ہو گیا ہے تو عماد الدین کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ ابھر آئی۔ اور اس نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے مشیروں سے کہا۔

”مجھے اندازہ تھا کہ یہ علاقے صلاح الدین ایوبی کی دراز دستی سے محفوظ نہیں رہیں گے۔ اسی لئے میں نے اپنے علاقے بھائی صاحب کے حوالے کر کے حلب کا انتخاب کر لیا تھا۔ اگر میری دور بیں آنکھیں بہت پہلے یہ منظر نہ دیکھ رہی ہوتیں تو آج میں اپنی جاگیر سے محروم ہو کر کسی خانہ بدوش کی طرح در بدر پھر رہا ہوتا۔“ یہ بے حسی اور خود غرضی کی انتہا تھی کہ ایک چھوٹا بھائی اپنے حقیقی بڑے بھائی کا گھر جل جانے پر خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔

بے ضمیر اور خوشامدی امراء نے بڑے پُرجوش لہجے میں عماد الدین کے تدبر اور فہم و فراست کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ ”جب تک زنگی خاندان میں آپ جیسا ذکی، فہیم اور عاقبت اندیش امیر موجود ہے، اس وقت تک وہ غلام زادہ صلاح الدین ایوبی اپنے مذموم ارادوں میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔“

عماد الدین نے اس خوشامدی امیر کی طرف مسکراتے ہوئے تعریفی نظروں سے دیکھا۔

”میں تو کہتا ہوں کہ اگر امیر عزالدین مسعود موصل بھی آپ کے حوالے کر دیں تو پھر صلاح الدین ایوبی کی طرف سے کوئی خطرہ ہی باقی نہیں رہے گا۔“ دوسرے خوشامدی امیر نے نئے انداز سے عماد الدین کی شان میں قصیدہ پڑھا۔

ابھی یہ بے غیرت امیر والیٔ حلب کی عظمت کے ترانے گا رہے تھے۔ اور عماد الدین شراب کے نشے میں بیٹھا جھوم رہا تھا کہ اچانک حلب کا ایک جاسوس کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے سے خوف و دہشت کا اظہار ہو رہا تھا۔

”امیر محترم ایک پریشان کن خبر یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے قلعۂ عمید کا محاصرہ کر لیا ہے۔“

یہ خبر سنتے ہی عماد الدین کا سارا نشہ اتر گیا۔ اور اس کے گرد بیٹھے ہوئے خوشامدی امراء کے چہرے خوف سے اس طرح زرد پڑ گئے کہ جیسے والیٔ مصر سلطان صلاح الدین ایوبی بے نیام شمشیر لئے ہوئے کمرے میں داخل ہو گیا ہے اور انہیں قتل کرنے والا ہے۔

عماد الدین چند لمحوں تک سکتے کی سی حالت میں اپنے جاسوس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں کہنے لگا۔ ”یہ کیسے ممکن ہے؟ کیا صلاح الدین نے موصل کا محاصرہ اٹھا لیا ہے؟“ عماد

الدین کی زبان سے الفاظ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے۔

"یہ تو میں نہیں جانتا؟" جاسوس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں نے تو صلاح الدین ایوبی کے لشکر کو قلعے کے سامنے خیمہ زن ہوتے دیکھا ہے۔ اور فوری طور پر یہ اطلاع دینے کیلئے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں۔"

"تیرے خیال میں صلاح الدین کے سپاہیوں کی تعداد کتنی ہوگی؟" عمادالدین کے چہرے سے شدید پریشانی کا اظہار ہو رہا تھا۔ حالانکہ وہ ایک ظالم و جابر حکمران مشہور تھا۔ مگر حقیقتاً مرد میدان نہیں تھا۔ صرف مجبور رعایا پر رعب و جلال قائم رکھنے کیلئے آئے دن مظالم ڈھاتا رہتا تھا۔ اس وجہ سے عمادالدین کے بارے میں عام تاثر یہی تھا کہ وہ ایک جنگجو اور بہادر شخص ہے۔

"صلاح الدین کے سپاہیوں کی تعداد کا صحیح اندازہ تو نہیں۔ مگر ہر طرف سر ہی سر نظر آ رہے تھے۔" جاسوس کے چہرے پر اب بھی خوف کی پرچھائیاں لرز رہی تھیں۔ "امیر محترم! میری ذاتی رائے یہی ہے کہ دشمن کو اتنا موقع نہ دیا جائے کہ قلعۂ "عمید" کا محاصرہ طول پکڑ جائے۔"

"پھر اس کا کیا حل ہے؟" والئ حلب نے گھبرائے ہوئے لہجے میں اپنے جاسوس سے سوال کیا۔ صلاح الدین ایوبی کے سپاہیوں کی کثرتِ تعداد کا ذکر سن کر عمادالدین پہلے سے زیادہ پریشان نظر آنے لگا تھا۔

"یہ محض ایک تجویز ہے۔ ہو سکتا ہے کہ امیر محترم اس سے اتفاق نہ کریں۔" جاسوس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ "اگر فوری طور پر صلاح الدین کی لشکر پر عقب سے ایک بھرپور حملہ کر دیا جائے۔ اور قلعۂ عمید کی نگراں فوج سامنے سے مقابل آ جائے تو والئ مصر کو شکست سے دوچار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر اس منصوبے پر تاخیر سے عمل کیا گیا اور دشمن کو قدم جمانے کیلئے زیادہ مہلت دی گئی تو اس کے منفی نتائج بھی ظاہر ہو سکتے ہیں۔" حلب کا جاسوس ارسلان ایک نہایت ذہین اور مدبر انسان تھا۔ اس نے مختصر الفاظ میں موجودہ جنگی صورتحال کا تجزیہ پیش کر دیا تھا۔

عمادالدین اور اس کے عیش پرست امراء بھی جاسوس ارسلان کی اس تجویز سے متفق تھے۔ "امیر محترم! یہی وہ موقع ہے جب ہم فرینکس کی فوجی طاقت کو صلاح الدین ایوبی کے خلاف استعمال کر سکتے ہیں۔" ایک امیر نے والئ حلب کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ "آپ بلا تاخیر سالار ڈوڈی اور اس کے سپاہیوں کو طلب کریں۔ اور صلاح الدین کے خیمہ زن لشکر پر عقب سے حملہ کرنے کا حکم دیں۔ اس طرح مصری اور عیسائی فوجی آپس میں الجھ جائیں گے۔ دونوں طرف سے دشمنوں کا خون بہے گا۔ پھر جب سالار ڈوڈی اور صلاح الدین ایوبی لڑتے لڑتے تھک جائیں گے تو حلب کی محفوظ فوج اس جنگ میں فیصلہ کن کردار ادا کرے گی۔"

اپنے امیر کا دانشمندانہ مشورہ سن کر عمادالدین کے بدحواس چہرے پر ایک بار پھر شادابی سی لوٹ آئی۔ اور اس نے فوری طور پر اپنے ہرکارے دمشق کی طرف دوڑا دیئے۔ یہاں سالار ڈوڈی صلیبی

فدائین (فرینکس) کے ساتھ نواحی علاقوں میں تباہی و بربادی کا بازار گرم کیئے ہوئے تھے۔ اب تک بہت سے باغات، کھیتوں اور مکانوں کو آگ لگائی جا چکی تھی۔ اور ہزاروں مسلمان تہہ تیغ کیئے جا چکے تھے۔ اور سیکڑوں عفت مآب مسلم دوشیزائیں بدکار فرینکس کی ہوس کا نشانہ بن چکی تھیں۔

پھر جب والئ حلب کے تیز رفتار ہرکارے سالار ڈوڈی کے پاس پہنچے۔ اور اسے عمادالدین کا حکم سنایا تو کچھ دیر کیلئے وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر بڑے عیارانہ انداز میں حلب کے نمائندوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "امیر محترم کی خدمت میں میرا سلام پیش کرنا۔ اور عرض کرنا کہ میں جس مقصد کے تحت دمشق آیا تھا، وہ تکمیل کے قریب تر ہے۔ اس لئے معذرت خواہ ہوں کہ اپنے کام کو ادھورا چھوڑ کر حلب نہیں آ سکتا۔"

عمادالدین کے نمائندوں نے فرینکس کے سالار ڈوڈی کو سمجھانے کی بہت کوشش کی۔ "آپ کو اندازہ نہیں کہ اس وقت امیر محترم کو کئی مشکلات کا سامنا ہے۔ اگر قلعۂ عمید کو فوری طور پر تازہ دم فوجی کمک نہ پہنچائی گئی تو کسی وقت بھی کوئی انتہائی ناخوشگوار واقعہ پیش آ سکتا ہے۔" حلب کے نمائندوں نے ڈھکے چھپے الفاظ میں سالار ڈوڈی پر یہ بات ظاہر کر دی تھی کہ عمید کے میدان میں فرینکس کی موجودگی نہایت ضروری ہے۔ ورنہ یہ قلعہ دشمن کے ہاتھوں میں جا سکتا ہے۔

سالار ڈوڈی جیسا عیار و شاطر انسان عمادالدین کے نمائندوں کے خوف زدہ چہرے دیکھ کر ہی سمجھ گیا تھا کہ عمید کے میدان میں والئ حلب عمادالدین کی سیاسی بساط لپیٹی جا چکی ہے۔ اور اس قلعے کے دن پورے ہو چکے ہیں اس لئے ڈوڈی نے نہایت مکاری کے ساتھ اپنا دامن بچا لیا۔

"میرے لئے عمید کے مقابلے میں دمشق اور شام زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔" سالار ڈوڈی کے الفاظ بظاہر مبہم تھے مگر عمادالدین کے نمائندوں نے واضح طور پر سمجھ لیا تھا کہ فرینکس کا سالار کسی بھی صورت میں حلب جانے کیلئے آمادہ نہیں ہے۔

بالآخر امیر عمادالدین کے ہرکارے شدید مایوسی کے عالم میں حلب کی طرف لوٹ گئے۔

نمائندوں کے جاتے ہی سالار ڈوڈی نے ایک شیطانی قہقہہ لگایا۔ اور اپنے نائب فرانبل سے مخاطب ہوا۔ "کیا امیر عمادالدین مجھے اتنا احمق سمجھتا ہے کہ میں اپنے فرینکس کو آنکھیں بند کر کے عمید کے جہنم میں جھونک دوں گا؟"

نائب سالار فرانبل بھی ڈوڈی کے قہقہوں میں شریک ہو گیا۔ پھر جب یہ قہقہے رکے تو فرانبل نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "ہرگز نہیں...... ہم اپنے سالار سے ایسی غیر دانشمندانہ حرکت کی توقع نہیں رکھتے۔"

"کیا عمادالدین بھول گیا کہ دو سال پہلے صلاح الدین ایوبی نے طرطوسہ میں مقدس فرینکس کا کیا حشر کیا تھا؟" یکایک سالار ڈوڈی کے چہرے سے نفرت و غضب کی چنگاریاں پھوٹنے لگیں۔
"کوئی مقدس فرینکس اپنی اس تباہی و بربادی کو اس وقت تک نہیں بھول سکتا جب تک صلاح الدین

ایوبی کے ساتھ ایک ایک مسلم حکمراں قبر میں نہ اتار دیا جائے۔ اور "مکہ و مدینہ" ہمارے قبضے میں نہ آ جائیں۔" سالار ڈوڈی کی طرح فرائیل کا چہرہ بھی نفرت و غصے کی آگ میں جل اٹھا تھا۔ بڑی عجیب بات یہ تھی کہ دنیا بھر کی تمام اخلاقی خرابیاں موجود ہوتے ہوئے بھی فرینکس خود کو مقدس تصور کرتے تھے۔ شاید اس لئے کہ وہ "کلیسا" کے محافظ تھے۔ اور اس اعزاز نے فرینکس کو تمام اخلاقی قیود سے آزاد کر دیا تھا۔

"میں طرطوسہ میں بہائے جانے والے فرینکس کے خون کے ایک ایک قطرے کا حساب دمشق اور شام کے مسلمانوں کا خون بہا کر لوں گا۔" سالار ڈوڈی نے اپنے نائب فرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اگر صلاح الدین نے قلعۂ عمید پر قبضہ کر لیا تو یقیناً اس کا رخ حلب کی طرف ہوگا۔ اگر ایسا ہوا تو پھر سمجھ لو کہ ہم اس علاقے میں زیادہ دن نہیں ٹھہر سکتے۔ اس لئے ضروری ہے کہ دمشق اور شام کے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ جانی اور مالی نقصان پہنچاؤ۔ اور اپنا سامان سفر تیار رکھو کہ ہمارا مقصد پورا ہو چکا ہے۔"

......}......☆......{......

اپنے نمائندوں کی زبانی سالار ڈوڈی کا جواب سن کر والئ حلب عماد الدین ہذیانی انداز میں چیخ اٹھا۔ "اتنا بڑا فریب...... اور ایسی بدعہدی؟"

عماد الدین کی یہ بیچارگی دیکھ کر ایک مخلص امیر طارق بن مروان نے والئ حلب کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ کو یاد نہیں کہ ان عیسائیوں نے سلطان ملک صالح اور آپ کے سب سے بڑے بھائی سیف الدین مرحوم کو بھی اسی طرح دھوکا دیا تھا۔ اب ایک ہی صورت ہے کہ آپ خود اپنی وفادار فوج کو لے کر صلاح الدین ایوبی کے مقابلے کے لئے حلب سے نکلیں۔ اگر خدانخواستہ قلعۂ عمید پر دشمن کا قبضہ ہو گیا تو پھر حلب کا دفاع اور استحکام بھی خطرے میں پڑ سکتا ہے۔"

والئ حلب کے اوباش اور بزدل امراء نے امیر طارق بن مروان کی اس تجویز کی شدید مخالفت کی۔ وہ سب کے سب اس قدر آرام طلب اور تن آسان ہو چکے تھے کہ ان کیلئے میدان جنگ میں خون بہانا تو بہت دور کی بات تھی، وہ تو پر تعیش سائبانوں سے نکل کر تیز دھوپ بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے اور اس میں ان امراء کا بھی کچھ زیادہ قصور نہیں تھا کہ جس ریاست کا حاکم بدکار اور عیش پرست ہو تو اس کے ماتحت کس طرح غیرت مند اور شجاع ہو سکتے ہیں؟ دن رات خوبصورت عورتوں کا ناچ دیکھنے والے میدان جنگ میں جا کر کس طرح رقص شمشیر دیکھ سکتے تھے۔ جن کے لرزتے ہاتھوں سے ساغر و صراحی کا بوجھ نہ اٹھتا ہو وہ کڑی کمانیں کیسے کھینچ سکتے تھے؟

آخر عماد الدین حلب کے محل میں بیٹھ کر محاصرے کے نتائج کا انتظار کرنے لگا۔

قلعۂ عمید کی محافظ فوج نے آٹھ دن تک جاسوسوں پر جاسوس بھیجے۔ اور عماد الدین سے تازہ دم فوجی کمک بھیجنے کی درخواست کی۔ جواب میں والئ حلب عمید کے قلعہ دار امیر طغرل کو بس ایک ہی

پیغام بھیجتا رہا۔ "تم جواں مردی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرتے رہو۔ میں بہت جلد ایک لشکر جرار کے ساتھ تمہاری مدد کو پہنچ رہا ہوں۔" یہ سب جھوٹے وعدے تھے۔ حقیقتاً عماد الدین میں اتنی ہمت ہی نہیں تھی کہ وہ کھلے میدان میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا مقابلہ کر سکے۔

سات دن تک حلب کی طرف سے آنے والی فوجی کمک کا انتظار کرنے کے بعد عمید کے قلعہ دار امیر طغرل نے والئ حلب عماد الدین کو آخری پیغام بھیجا۔ "جب مالک ہی کو اپنی جاگیر کی فکر نہ ہو تو اس کے ملازم اور نمک خوار کیا کر سکتے ہیں؟" امیر طغرل کے ایک ایک لفظ سے شدید مایوسی اور غصے کا اظہار ہو رہا تھا۔

اپنے قلعۂ دار کی اس شکستگی اور برہمی کو محسوس کرنے کے بجائے عماد الدین نے انتہائی غیظ و غضب کا مظاہرہ کرتے ہوئے امیر طغرل کے خط کے ٹکڑے کر ڈالے اور مغلظات بکنے لگا۔ "نمک حرام ابن نمک حرام ابن نمک حرام...... زندگی بھر میری روٹیاں کھائیں اور جب آزمائش کا وقت آیا تو خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر دشمن کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔"

امیر طغرل نے دو دن تک اپنے آخری خط کا انتظار کیا۔ اور جب حلب کا جاسوس عمید لوٹ کر واپس نہیں آیا تو امیر طغرل نے قلعے کا دروازہ کھولا اور تنہا سفید پرچم لئے ہوئے صلاح الدین ایوبی کے لشکر کی طرف بڑھا۔ امیر طغرل گھوڑے پر سوار تھا اور اس کا چہرہ چٹان کی طرح سخت نظر آ رہا تھا۔ پھر جب وہ مصری لشکر کے قریب پہنچا تو سلطان صلاح الدین ایوبی کے سپاہیوں نے روک کر اس سے پوچھا کہ وہ کس ارادے سے آیا ہے۔ حالانکہ امیر طغرل کے ہاتھ کا سفید پرچم واضح طور پر بتا رہا تھا کہ وہ صلح کا پیغام لے کر آیا ہے۔

"مجھے اپنے سلطان کے پاس لے چلو...... میں ان کیلئے ایک خاص پیغام لے کر آیا ہوں۔"

یہ سنتے ہی مصری سپاہیوں نے امیر طغرل کو گھوڑے سے اتار لیا۔ اور پھر اسے سلطان صلاح الدین کے خیمے میں پہنچا دیا۔

والئ مصر نے عمید کے قلعۂ دار امیر طغرل کو بہت غور سے دیکھا۔ اور باوقار لہجے میں کہا۔ "اپنے آنے کا مقصد بیان کرو۔"

"میں سلطان کو یہ بتانے کیلئے حاضر ہوا ہوں کہ ہم جیسے جانباز و وفادار اب تک اندھیرے میں بھٹک رہے تھے۔ بے شک ہمارا گناہ ناقابل معافی ہے کہ ہم نے ایک نفس پرست حکمراں کی خدمت کرتے ہوئے اپنی پوری عمر گزار دی۔ اب مجھے نہ شکست کا خوف ہے اور نہ موت کا ڈر۔" یہ کہہ کر امیر طغرل نے اپنا سفید پرچم سلطان صلاح الدین ایوبی کے قدموں میں رکھ دیا۔ "یہی پرچم میری شمشیر ہے اگر آپ مجھ پر اعتبار کریں تو گناہوں کی تلافی کا ایک موقع عنایت کریں۔"

امیر طغرل کا انداز گفتگو بڑا عجیب تھا۔ اس نے حیرت کے ساتھ عمید کے قلعہ دار سے پوچھا۔ "تم کس طرح اپنے گناہوں کی تلافی کر سکتے ہو؟"

"جس شمشیر نے ایک ہوس پرست حکمراں کی حفاظت کی، اب اگر اسی شمشیر کو ملت اسلامیہ کے مفاد میں اٹھایا جائے تو شاید ہمارے گناہ معاف ہو سکیں۔ اسی لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ مسلمانوں کے خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر قلعہ عمید آپ کے حوالے کر دیا جائے۔"

سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایک بار پھر امیر طغرل کی طرف بہت غور سے دیکھا تا کہ اس کے لہجے کی سچائی یا جھوٹ کا اندازہ کر سکے۔ "کیا یہ تمہاری انفرادی خواہش ہے؟" والیٔ مصر نے عمید کے قلعہ دار کو پُر جلال لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"پہلے یہ میری ذاتی خواہش تھی کہ میں تنہا آپ کے لشکر سے آملوں۔ مگر اس خیال سے کوئی قدم نہ اٹھا سکا کہ میرے ساتھی مجھ پر غداری کا الزام عائد کر دیں گے کہ موت کے خوف سے تلوار پھینک دی۔"

"کیا اب تمہارے ساتھی تم پر غداری کا الزام عائد نہیں کریں گے؟" سلطان صلاح الدین ایوبی نے امیر طغرل سے ایک اور سوال کیا۔

"اب قلعے کے دوسرے سپاہی بھی میرے ہمنوا ہیں۔ آپ بلا خوف و خطر قلعے میں داخل ہو جائیں۔" امیر طغرل نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "وہ ایک فاتح کی حیثیت سے والیٔ مصر کا والہانہ استقبال کریں گے۔ اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ عمید کا ایک ایک شہری اور ایک ایک سپاہی والیٔ حلب عماد الدین سے سخت نالاں ہے۔ اہل شہر سلطان عادل کے زمانے کو یاد کر کے بہت روتے ہیں۔ اگر آپ انہیں ان کا گمشدہ ماضی لوٹا دیں تو وہ دل و جان سے آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کریں گے۔ بس یہی وہ راز تھا جو میں آپ کو بتانا چاہتا تھا۔ شاید اس طرح میرے گناہوں کا کفارہ ادا ہو جائے۔" یہ کہہ کر عمید کا قلعہ دار امیر طغرل خاموش ہو گیا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کچھ دیر تک اس شخص کی طرف دیکھتا رہا جسے ایک عمر کے بعد اپنی گمراہی کا احساس ہوا تھا۔ اور پھر اس کے قدم اچانک سیدھے راستے کی طرف اٹھ گئے تھے۔ والیٔ مصر نے اپنی مجاہدانہ زندگی کے دوران مسلمانوں کے ہاتھوں بڑے فریب کھائے تھے۔ اس لئے اسے امیر طغرل کی گفتگو پر یقین کرنے میں کچھ دیر لگی۔

"اگر تم اور تمہارے ساتھی اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتے ہیں تو میں تمہیں تمہاری شمشیر واپس کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے پیروں میں رکھا ہوا سفید پرچم اٹھا کر امیر طغرل کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "کہ ایک مجاہد کو ہر حال میں مجاہد ہی رہنا چاہئے۔"

والیٔ مصر کا یہ طرز عمل دیکھ کر امیر طغرل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر اس نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھ کو بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ "بے شک! ملت اسلامیہ کی قیادت آپ ہی کو زیب دیتی ہے۔"

پھر سلطان صلاح الدین ایوبی کے لشکر نے امیر طغرل کو سفید پرچم لئے ہوئے قلعے کی طرف

واپس جاتے ہوئے دیکھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ عمید کے قلعہ دار اور والیٔ مصر کے درمیان کیا بات چیت ہوئی ہے۔ تمام سپاہی حیرت و استعجاب کے ساتھ امیر طغرل کو گھوڑے پر سوار واپس جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ سفید پرچم بدستور اس کے ہاتھ میں لہرا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے خیمے سے باہر آیا۔ پھر گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے محافظ فوجی دستے کے ساتھ اپنے لشکر کے قلب میں آیا۔ اور با آواز بلند اپنے جانباز سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"حق تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ ہمیں اپنے کسی دینی بھائی کا خون بہائے بغیر فتح حاصل ہوئی۔"

مصری سپاہیوں نے بڑی حیرت سے یہ مسرت انگیز خبر سنی۔ پھر فوجیوں کے ہجوم میں سے ایک سپاہی نے با آواز بلند کہا۔ "امیر محترم! کہیں یہ دشمن کی کوئی چال تو نہیں۔"

"کچھ دیر پہلے قلعہ دار امیر طغرل میرے پاس آیا تھا۔ اب وہ ہمارا دشمن نہیں بلکہ ایک سچا اور گہرا دوست ہے۔" سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے سپاہی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "اور اگر خدانخواستہ یہ کوئی مکارانہ چال ہوئی تو پھر ہماری شمشیریں آزاد ہیں۔"

اس مختصر تقریر کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا۔ اور باقی لشکر کو پیچھے آنے کا حکم دیا۔

کچھ دیر بعد سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے ہراول دستے کے ساتھ قلعے کے دروازے کے عین مقابل موجود تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے قلعۂ عمید کا دروازہ کھلا اور سب سے پہلے امیر طغرل باہر آیا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا۔ اس نے آتے ہی سپاہیانہ انداز میں سلطان صلاح الدین ایوبی کو سلامی پیش کی۔ پھر انتہائی گرمجوشی کے لہجے میں کہا۔ "سلطان محترم کو یہ شاندار فتح مبارک ہو۔ قلعے کے اندر تشریف لے چلیں کہ میرے سپاہی مجاہد اسلام کے دیدار کیلئے بے چین ہیں۔"

امیر طغرل کی بات ختم ہوتے ہی سلطان صلاح الدین ایوبی کا حفاظتی دستہ سب سے پہلے قلعۂ عمید کے دروازے میں داخل ہوا۔ والیٔ مصر اپنے سپاہیوں کے درمیان میں تھا۔ اس کے پیچھے باقی لشکر آہستہ روی کے ساتھ قلعے میں داخل ہو رہا تھا۔

وہ ایک عجیب منظر تھا۔ قلعے کے طویل و عریض میدان میں امیر طغرل کے پانچ ہزار سپاہی جمع تھے۔ جیسے ہی ان فوجیوں کی نظر سلطان صلاح الدین ایوبی کے چہرے پر پڑی، پورا قلعہ اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھا۔ جواب میں سلطان صلاح الدین ایوبی اور اس کے پورے لشکر نے اپنے اللہ کی کبریائی بیان کی۔

اس کے بعد امیر طغرل کی تمام فوج نے نہایت جوشِ عقیدت کے ساتھ سلطان صلاح الدین ایوبی کو سلامی پیش کی۔

......}......☆......{......

سلطان صلاح الدین ایوبی کو امیر طغرل کی مکمل وفاداری کا یقین اس وقت آیا جب عمید کے قلعہ دار نے والیٔ مصر کو ان خفیہ تہہ خانوں تک پہنچا دیا جو دینار و درہم، سیم و زر اور قیمتی جواہر سے بھرے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ جو سب سے نادر شے صلاح الدین ایوبی کے ہاتھ آئی۔ وہ دس لاکھ کتابوں پر مشتمل ایک عظیم الشان کتب خانہ تھا۔ والیٔ مصر نے یہ کتب خانہ اس وقت کے ایک بہت بڑے عالم قاضی الفاضل کے حوالے کر دیا۔ قاضی صاحب نے منتخب کتابیں ستر اونٹوں پر لدوا کر مصر بھجوا دیں۔

سارے انتظامات مکمل کرنے کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی نے عمید کا قلعہ اپنے جانباز اور وفادار حلیف بدرالدین کے سپرد کر دیا۔

بدرالدین ایک چھوٹی سی مسلم ریاست ''کیفا'' کا نوجوان شہزادہ تھا۔ نوعمری کے باوجود نہایت ذہین، مدبر اور شجاع تھا۔ اس کے علاوہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی قیادت پر دل و جان سے یقین رکھتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی والیٔ مصر نے امیر طغرل کو اپنے امراء خاص میں شامل کر لیا۔

اس دوران میں سلطان صلاح الدین ایوبی کو مسلسل خبریں مل رہی تھیں کہ فرینکس کا سالار ڈوڈی عمادالدین کی پشت پناہی کے سبب دمشق کے نواحی علاقے میں تباہی مچا رہا ہے۔ جب فرینکس کی خون ریزیوں کی اطلاعات سلطان صلاح الدین ایوبی تک پہنچتی تو وہ بہت دیر تک اداس رہا۔ ابھی تک دمشق کے حاکم نے بڑی جانبازی کے ساتھ شہری علاقے کا دفاع کیا تھا۔ اس عرصے میں کئی بار دمشق کے جاسوس سلطان صلاح الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور روز بروز بگڑتی ہوئی صورتحال سے والیٔ مصر کو باخبر کیا تھا۔ مگر سلطان صلاح الدین ایوبی کا ایک ہی جواب تھا۔ ''جب تک دمشق کا ایک سپاہی بھی زندہ ہے، فرینکس کا مقابلہ جاری رکھا جائے۔ میں فوری طور پر تمہاری مدد کیلئے تازہ دم فوج دمشق نہیں بھیج سکتا۔ اسلئے کہ میری تمام عسکری قوت حلب کے محاذ پر جمع ہے۔ اور حلب ہی فرینکس کے فتنے کی بنیاد ہے۔ میں جب تک اس بنیاد کو نہیں ڈھاؤں گا، اس وقت تک صلیبی فدائین کا فتنہ اسی طرح سر اٹھاتا رہے گا۔''

دمشق کے جاسوس کو واپس بھیجنے کے بعد صلاح الدین ایوبی نے ''بیرا'' کے مقام پر دریائے فرات کو عبور کیا۔ اب حلب تک پہنچنے میں صرف ایک چھوٹا سا قلعہ ''حطاب'' حائل تھا۔ یہاں کہ قلعہ دار نے سلطان صلاح الدین ایوبی کا لشکر دیکھتے ہی ہتھیار ڈال دیئے اور اپنی جانوں کی اماں طلب کر لی۔ والیٔ حلب عمادالدین کو اک اک لمحے کی خبریں مل رہی تھیں۔ اور اس کی حالت اس ڈوبتے ہوئے انسان کی طرح تھی جو حالات کے بھنور میں پھنس کر ہاتھ پاؤں مارنے کی بے سود کوششیں کر رہا ہو۔ عمادالدین نے حلب کے دفاع کیلئے فرینکس پر بے اندازہ دولت خرچ کی تھی مگر اب وہی ریاکار صلیبی فدائین اس کی بات تک سننے کیلئے آمادہ نہیں تھے۔ عمادالدین نے بدحواس ہو کر اپنے بڑے بھائی عزالدین مسعود کے پاس کئی قاصد بھیجے۔ اور ہنگامی طور پر فوجی امداد کی درخواست کی۔ مگر عزالدین مسعود نے یہ کہتے ہوئے صاف انکار کر دیا۔ ''میری اپنی فوج موصل کے دفاع کیلئے ناکافی ہے۔ میں اس وقت

تمہارے کسی کام نہیں آسکتا۔''

عزالدین مسعود کا جواب سن کر عمادالدین پاگل سا ہو گیا اور بڑے بھائی کی شان میں ناشائستہ کلمات ادا کرنے لگا۔ اپنے حکمراں کی یہ وحشیانہ حالت دیکھ کر حلب کے امراء اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ عمادالدین کے اقتدار کے دن پورے ہو چکے ہیں۔ اس لئے وہ اپنی جانیں بچانے کی غرض سے صلاح الدین کے لشکر میں شامل ہونے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔

قلعہ ''حطاب'' کو فتح کر کے سلطان صلاح الدین ایوبی تیز رفتاری کے ساتھ حلب کی طرف بڑھا۔ اب اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ زندگی سے محبت کرنے والا عیش پرست عمادالدین حلب کے قلعے میں محصور ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ اور اس کے قاصد مختلف عیسائی اور مسلمان ریاستوں میں جا جا کر فوجی مدد کی بھیک مانگ رہے تھے۔ مگر ہر حاکم نے عمادالدین کے گداگر قاصدوں پر اپنے دروازے بند کر لئے تھے۔ عمادالدین نے آخری کوشش کے طور پر شاہ آرمینیا رہوپن کے دربار میں یہ کہہ کر اپنا سفیر بھیجا تھا۔

''شاہ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے آپ ہی کے کہنے پر فرینکس کو منہ مانگی رقم ادا کی تھی۔ اب صورتحال یہ ہے کہ سالار ڈوڈی نے بدترین نمک حرامی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حلب کے دفاع کی طرف سے یکسر منہ موڑ لیا ہے۔ اس معاہدے میں آپ کی حیثیت ایک ثالث کی ہے۔ آپ ان پر اتنا دباؤ ڈالیں کہ وہ اپنے معاہدے کی پابندی کرنے پر مجبور ہو جائیں۔''

شاہ آرمینیا رہوپن نے والیٔ حلب عمادالدین کا خط پڑھا اور بڑے بے نیازانہ انداز میں چند سطری جواب تحریر کر دیا۔ ''صلاح الدین ایوبی کی یلغار کے سبب اس علاقے کے تمام راستے مخدوش ہو چکے ہیں۔ اسلئے فوری طور پر فرینکس سے رابطہ کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ ہاں جب یہ جنگی غبار چھٹ جائے گا اور فضا صاف ہو جائے گی تو میں سالار ڈوڈی سے بات کروں گا۔ اور اگر فرینکس کی طرف سے واقعتاً کوئی غفلت یا کوتاہی سرزد ہوئی ہے تو میرا وعدہ ہے کہ میں تمہاری ساری رقم واپس دلا دوں گا۔ فی الحال تم اکیلے ہی بہادری اور استقامت کے ساتھ حلب کا دفاع کرتے رہو۔ کبھی کبھی انسان پر ایسا وقت آجاتا ہے کہ اسے بیرونی امداد سے قطع نظر کرنا پڑتا ہے۔ اگر میں تمہارے بڑے بھائی عزالدین مسعود سے موصل کے دفاع کا معاہدہ نہ کر چکا ہوتا تو میں اپنی فوج لے کر بلا تاخیر حلب پہنچ جاتا۔ پھر بھی میری دلی ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں۔'' شاہ آرمینیا رہوپن نے بڑے شاطرانہ انداز میں فرینکس کو بھی بچا لیا تھا۔ اور اپنی طرف سے بھی عدم تعاون کی ایک معقول دلیل پیش کر دی تھی۔ ورنہ حقیقت یہ تھی کہ اگر شاہ آرمینیا والیٔ حلب کی مدد کرنا چاہتا بھی تو کسی بھی قیمت پر اس آگ میں نہ کودتا۔ کیونکہ شاہ رہوپن نے ''ہرزم'' کے میدان میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے غضبناک تیور دیکھے تھے۔ جب والیٔ مصر نے قسم کھائی تھی۔ ''حلب یا موصل؟ اس کے سوا کچھ نہیں۔'' اسی لئے شاہ آرمینیا اپنے فوجی مشیروں سے کہا کرتا تھا کہ حلب کی طرف دیکھنا چھوڑ دو۔ اب عمادالدین کے دن پورے

ہو چکے ہیں۔

اور واقعتاً عمادالدین کی قسمت کے فیصلے کا وقت آ چکا تھا۔ "حلاب" سے گزر کر 21 مئی 1184ء کو سلطان صلاح الدین ایوبی کا لشکر قلعۂ حلب کے سامنے طویل و عریض اور سبز و شاداب میدان میں خیمہ زن ہوا۔ قلعے کی فصیل سے عمادالدین نے یہ سخت اذیت ناک منظر دیکھا۔ جیسے مسلح قزاق کسی کے دروازے پر آ کر ٹھہر گئے ہوں اور مالک مکان میں اتنی طاقت نہ ہو کہ وہ اپنی چار دیواری کی حفاظت کر سکے۔

دوسری انتہائی دردناک صورتحال یہ تھی کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی آمد کی خبر سن کر حلب کے باشندے اس قدر خوش تھے کہ جوش جذبات میں رقص کرتے ہوئے اپنے گھروں سے نکل آئے تھے۔ اور اب ان کا رخ اس میدان کی طرف تھا جہاں والیٔ مصر کی فوج جمع تھی۔ حلب کے باشندوں کا یہ اژدہام دیکھ کر سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے خیمے سے باہر نکل آیا۔ پوری فضا "اللہ اکبر، ہمارا نجات دہندہ آ گیا" اور "صلاح الدین ایوبی زندہ باد" کے نعروں سے گونج رہی تھی۔ والیٔ مصر کے نمائندوں نے حلب کے مظلوم عوام تک اپنے امیر کے جذبات پہنچائے۔ "حق تعالیٰ کی کارسازی اور کرم فرمائی سے تمہارے آفات و مصائب کے دن پورے ہو چکے ہیں۔ تم اپنے گھروں کو واپس جا کر نماز شکر ادا کرو۔ انشاءاللہ تم پر دوبارہ کوئی ظالم حاکم مسلط نہیں ہوگا۔"

اپنے گھروں کو واپس جاتے وقت حلب کے باشندے قلعے کی دیوار کے نیچے جمع ہوئے اور "سلطان صلاح الدین ایوبی زندہ باد" کے اس قدر پرشور نعرے لگائے کہ فصیل پر کھڑے ہوئے عماد الدین کو قلعے کی مضبوط دیواریں لرزتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ والیٔ حلب نے انتہائی نفرت و غضب کے لہجے میں حلب کی رعایا کو نمک حرامی کے طعنے دیئے۔ اور جس قدر مغلظات ممکن تھیں، وہ سب اس کی زبان پر آ گئیں۔ مگر یہ عمادالدین کی بدقسمتی تھی کہ بلندی پر کھڑے ہونے کے باعث اس کی زبان سے ادا ہونے والے غلیظ کلمات حلب کے باشندوں تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اور اگر بالفرض پہنچ بھی جاتے تو عمادالدین کے اس نفرت و غضب کا ان پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا کیونکہ والیٔ حلب بیرونی اور اندرونی، دونوں محاذوں پر جنگ ہار چکا تھا۔ عمادالدین نے حکمرانی کے نشے میں کبھی اپنی رعایا کو اہمیت نہیں دی۔۔ وہ حلب کے عوام کو اپنا زرخرید غلام یا مویشی خانے کی چار دیواری میں قید جانوروں کا ایک ریوڑ سمجھتا تھا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ یہی حیوان ایک دن ساری بندشیں توڑ کر آزاد ہو جائیں گے۔ اور پھر اس طرح قلعے کے نیچے کھڑے ہو کر اس کا مذاق اڑائیں گے۔

عمادالدین کے امراء نے اسی میں عافیت جانی کہ قلعے سے نکل کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے لشکر سے جا ملیں۔ اور والیٔ مصر کی خوشامد کر کے اپنی سلامتی کیلئے ضمانت حاصل کر لیں۔

پھر جب یہ ہوس پرست اور بے ضمیر امراء قلعے سے نکل کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے خیمے میں پہنچے تو والیٔ مصر نے ان کے ساتھ بڑا عجیب سلوک کیا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے غضب ناک لہجے میں اپنے سپاہیوں کو حکم دیا۔ "ان تمام لوگوں کو گرفتار کر لو۔ اور اس وقت تک ان کی سخت حفاظت کرو۔ جب تک میرے اور عمادالدین کے درمیان کوئی فیصلہ نہ ہو جائے۔"

والیٔ مصر کا فرمان سن کر عمادالدین کے وہ تمام امراء بدحواس ہو گئے جو سلطان صلاح الدین ایوبی کی خدمت میں یہ امید لے کر حاضر ہوئے تھے کہ نہ صرف ان کو سیاسی پناہ مل جائے گی بلکہ مستقبل بھی محفوظ ہو جائے گا۔ "ہم تو سلطان محترم کی حمایت کا اعلان کرنے حاضر ہوئے تھے کہ ہمیں ظالم و جابر عمادالدین سے نجات دلائی جائے۔ پھر ہمیں کس جرم کی سزا دی جا رہی ہے۔" ایک امیر نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے رویے کے خلاف احتجاج کرنے کی کوشش کی۔

"مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی تم جیسے لوگوں سے حمایت طلب کی ہو۔" عمادالدین کے امیر کی گفتگو سن کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے لہجے کی سختی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ "اگر تم میں سے کسی کو یاد ہو تو وہ مجھے بتائے کہ تم لوگوں نے کبھی عمادالدین کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی؟ کسی نے اپنے عہدہ و منصب سے استعفیٰ دیا؟ اس سے پہلے تم میں سے کوئی شخص عمادالدین کے جبر و تشدد کی شکایت لے کر میرے پاس آیا؟" اگرچہ سلطان صلاح الدین ایوبی اپنی پناہ میں آئے ہوئے غیر مسلم دشمنوں سے بھی نرم سلوک کرتا تھا۔ مگر والیٔ حلب عمادالدین کے امراء کے ساتھ اس کا سلوک نہایت تحقیر آمیز تھا۔

"سلطان محترم! اس سے پہلے ہمیں آپ کی خدمت عالیہ تک پہنچنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔" دوسرے امیر نے نہایت ریاکارانہ لہجے میں اپنی مجبوری بیان کرتے ہوئے کہا۔ "ہم عمادالدین کے امراء نہیں، قیدی ہیں جو اپنی مرضی سے کہیں بھی آ جا نہیں سکتے۔"

اس جھوٹ پر سلطان صلاح الدین ایوبی اور بھی برہم ہو گیا۔ "پھر تم عمادالدین کی مرضی کے بغیر اس وقت میرے خیمے میں کیوں موجود ہو؟"

تیسرے امیر نے جھوٹ بول کر نیا عذر تراشنا چاہا۔ مگر والیٔ مصر نے اسے بری طرح جھڑک دیا۔

"آج تم سب کے سب مجبور ہو۔ اس لئے جان بچانے کی غرض سے میرے پاس چلے آئے ہو۔"

جب عمادالدین کے امراء نے اندازہ کر لیا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی ان کی کسی چال میں نہیں آئے گا۔ تو وہ براہِ راست والیٔ مصر سے اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگتے ہوئے رحم و کرم کی درخواست کرنے لگے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے بڑے جارحانہ انداز میں ان کی درخواست مسترد کرتے ہوئے کہا۔ "تم ہر اعتبار سے میرے نزدیک ناقابل معافی ہو۔ تمہارا پہلا جرم یہ ہے کہ تم اپنے امیر عماد الدین سے بھی مخلص نہیں ہو۔ ورنہ اسے اس مجبوری کی حالت میں تنہا چھوڑ کر صرف اپنی جانیں بچانے کیلئے میرے پاس نہ آتے۔ سپاہی وہ ہوتا ہے جو اپنے سالار کے حکم پر جان دے دے۔ میدان

جنگ میں پیٹھ دکھانے والے سپاہی کا ایک ہی انجام ہے کہ دشمن اسے قتل کر ڈالے یا پھر اس کا اپنا سالار اسے تمام عمر کیلئے زنداں کے حوالے کر دے۔" سلطان صلاح الدین ایوبی کے لہجے سے شدید نفرت و غضب کا اظہار ہو رہا تھا۔" تمہارا دوسرا جرم یہ ہے کہ تم نے عماد الدین کے ساتھ مل کر حلب کی معصوم رعایا پر بے پناہ مظالم ڈھائے ہیں۔ اگرچہ میرے اور تمہارے درمیان طویل فاصلے حائل تھے۔ لیکن میں تمہاری ایک ایک ظالمانہ حرکت کی پوری خبر رکھتا تھا۔ اس طرح تم حلب کی رعایا کے مجرم ہو۔ جنگ کا فیصلہ ہو جانے کے بعد میں تمہیں عوام کی عدالت میں پیش کروں گا۔ اگر حلب کے باشندے تمہاری بے گناہی پر اپنی گواہیاں پیش کر دیں گے تو یقین رکھو کہ میں تمہیں عزت و احترام کے ساتھ رہا کر دوں گا۔ ورنہ شدید ترین سزائیں تمہارا مقدر ہوں گی۔ تاکہ پھر کوئی ہوس کار امیر بندگانِ خدا کی عزت و آبرو کے ساتھ شرمناک کھیل نہ کھیل سکے۔"

سلطان صلاح الدین ایوبی نے عماد الدین کے امراء کی تقدیروں کا فیصلہ سنا دیا تھا۔ بس ایک وقت مقررہ پر اس فیصلے کا نفاذ باقی تھا۔ موت کے خوف سے کئی امراء والیٔ مصر کے قدموں پر گر پڑے اور زندگی کی بھیک مانگنے لگے۔ ان میں سے ایک امیر جس کا نام صندل تھا۔ اور جو اپنی شراب نوشی کیلئے بہت زیادہ مشہور تھا، موت کے خوف سے اس کے دل کی حرکت بند ہو گئی اور وہ سلطان صلاح الدین کے قدموں میں پڑے پڑے مر گیا۔ والیٔ مصر نے امیر صندل کی موت پر اپنے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"افسوس! اسے توبہ کی مہلت بھی میسر نہ آ سکی۔" پھر والیٔ مصر نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیتے ہوئے کہا۔" اس کی لاش عماد الدین کے پاس پہنچا دو۔ تاکہ مرحوم کے عزیز و اقارب اپنے ہاتھوں سے تجہیز و تکفین کی رسمیں ادا کر سکیں۔ اور عماد الدین سے یہ بھی کہہ دینا کہ امیر صندل پر کوئی تشدد نہیں کیا گیا۔ بلکہ وہ خود ہی اپنے خوف و دہشت کے سبب اس انجام کو پہنچا۔"

سلطان صلاح الدین ایوبی کے سپاہی امیر صندل کی لاش اٹھا کر حلب کے قلعے کی طرف چلے گئے۔ اور باقی امراء کو زنجیریں پہنا کر ایک مخصوص خیمے میں پہنچا دیا گیا۔ جس کی نگرانی کیلئے سو مسلح محافظ سپاہی متعین کر دیئے گئے تھے۔

......}......☆......{......

عماد الدین جنگ تو اسی وقت ہار گیا تھا، جب سلطان صلاح الدین ایوبی کا لشکر قلعے کے سامنے میدان میں خیمہ زن ہوا تھا۔ اور حلب کے باشندوں نے اپنے گھروں سے نکل کر انتہائی والہانہ انداز میں والیٔ مصر کا استقبال کیا تھا۔ عماد الدین تو بس ایک امید موہوم کے سہارے کسی غیبی مدد کا انتظار کر رہا تھا۔ مگر جب امیر صندل کی لاش اس کے سامنے لائی گئی۔ اور والیٔ حلب نے مصری سپاہیوں کی زبانی اپنے باقی امراء کا احوال سنا تو وہ امیدِ موہوم بھی اس کے دل و دماغ کے اندر دم توڑ گئی۔ پھر فوراً ہی والیٔ حلب نے اپنے ایک معتمد امیر سُرغام بن اسد کے ذریعے سلطان صلاح

الدین ایوبی کو صلح کا پیغام بھیجا۔

والیٔ مصر نے اس پیشکش کے جواب میں اپنے نمائندے کے ذریعے بس ایک ہی شرط پیش کی۔

" بلا تاخیر حلب کی حدود سے نکل جاؤ۔ اسی صورت میں تمہیں تمہارے جان و مال کی سلامتی کی ضمانت دی جا سکتی ہے۔ ورنہ تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے کہ اس جنگ میں کتنا انسانی خون بہے گا۔"

صورتحال واضح ہو گئی تھی۔ اور سلطان صلاح الدین ایوبی کے ارادے ظاہر ہو چکے تھے۔ آخر صلح و امن کے اس معاہدے کو تکمیل تک پہنچانے کیلئے والیٔ حلب عماد الدین خود صلاح الدین ایوبی کے خیمے میں داخل ہوا۔ والیٔ مصر نے خاندان زنگی کے حوالے سے خوشدلی کے ساتھ عماد الدین کا استقبال کیا۔ والیٔ حلب مکمل طور پر بازی ہار چکا تھا۔ اسلئے والیٔ مصر اسے بس ایک ہی رعایت دینا چاہتا تھا کہ وہ اپنے اہالیان خاندان اور ساز و سامان کے ساتھ حلب کی حدود سے نکل کر کسی محفوظ مقام پر چلا جائے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کی شرط سن کر عماد الدین نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"جب میرے قدموں کے نیچے میری زمین ہی نہیں ہو گی تو پھر میں ایک خانہ بدوش یا پناہ گزین کہلاؤں گا۔"

آخر کئی دن تک غور و فکر کرنے کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی ایک نتیجے پر پہنچ گیا۔ امیر عماد الدین نے والیٔ مصر کے سامنے معاہدے کی شرط پیش کرتے ہوئے کہا تھا۔" اگر مجھے سنجار، نصیبین، سروج اور رقہ کے علاقے واپس کر دیئے جائیں تو میں خوشی کے ساتھ حلب چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔"

یہ ایک نہایت مشکل مسئلہ تھا۔ جسے بہر حال سلطان صلاح الدین ایوبی کی ذہانت و فراست نے حل کر دیا۔ اور عماد الدین کی شرائط ماننے کیلئے اپنی بھی ایک شرط پیش کر دی۔" مجھے معلوم ہے کہ سلطان ملک صالح مرحوم کے بعد تم اور تمہارا بڑا بھائی عز الدین مسعود عیسائیوں کی طرح میرے سب سے بڑے دشمن ہو۔ اگر تمہیں قدرت یہ موقع فراہم کرتی تو تم دونوں بھائی مجھے زمین کے کسی حصے میں دفن کر چکے ہوتے۔ لیکن میں تمہیں اس لئے بے زمین کرنا نہیں چاہتا کہ تم میرے خون کے پیاسے ہی سہی۔ مگر سلطان عادل کے بھتیجے ہو۔ اگر تم میرے نمائندے کی حیثیت سے ان علاقوں کی نگرانی کرنے کیلئے تیار ہو تو میں تمہیں ایک موقع فراہم کرتا ہوں کہ تم اہلِ دنیا کی نظر میں بے زمین ہونے کی تہمت سے محفوظ رہو۔"

عماد الدین کے پاس اپنی جھوٹی عزت کا بھرم رکھنے کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اس نے انتہائی جبر کے عالم میں سلطان صلاح الدین ایوبی کی ایک ایسی شرط قبول کر لی جو کھلے طور پر اس کی اپنی حیثیت اور وجود کی نفی کر رہی تھی۔ پھر والیٔ مصر کے خیمے میں معاہدے کی دستاویز تیار کی گئی۔ جس پر سلطان صلاح الدین ایوبی اور عماد الدین کی مہریں ثبت کیں۔

معاہدے کی تکمیل کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی نے عماد الدین کو انتہائی سخت لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔" سوتے جاگتے بس ایک ہی بات یاد رکھنا کہ یہ وہ معاہدہ نہیں ہے۔ جسے

ماضی کی طرح چاک کر کے اس کے ٹکڑے ہوا میں اڑا دیئے جائیں۔ تم جب تک عہد کے پابند اور مخلوق خدا کے خدمت گار رہو گے اس وقت تک تمہارے لئے عزت و آبرو بھی ہے۔ اور جان کی سلامتی بھی۔ اگر تم نے ایفائے عہد سے دامن چھڑایا اور مخلوق خدا پر کوئی ستم ڈھایا تو اسی دن عہدہ و منصب کے ساتھ اپنی زندگی سے بھی محروم کر دیئے جاؤ گے۔'' یہ کہہ کر سلطان صلاح الدین ایوبی چند لمحوں کیلئے خاموش ہو گیا۔ اور گہری نظروں سے عماد الدین کے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔

عماد الدین کی عجیب حالت تھی۔ وہ جس شخص کو زندگی بھر غلام زادہ کہہ کر پکارتا رہا تھا، آج اسی غلام زادے نے اس کے پیروں میں اپنے حکم کی زنجیر ڈال دی تھی۔ اور وہ زنجیر اتنی بھاری تھی کہ عماد الدین، سلطان صلاح الدین ایوبی کی مرضی کے بغیر اپنی زبان اور قدموں کو جنبش بھی نہیں دے سکتا تھا۔ مجبوراً سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔ بے وفا زندگی سے ناجائز محبت کرنے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔

مختصر سے سکوت کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی دوبارہ عماد الدین سے مخاطب ہوا۔ ''اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ تم میری نظروں سے اوجھل ہو کر من مانی کر سکو گے۔ یا پھر اپنے بڑے بھائی عز الدین مسعود سے مل کر میری حکومت کے خلاف کوئی سازشی منصوبہ ترتیب دے سکو گے۔ میرے جاسوس سائے کی طرح تمہارے ساتھ لگے رہیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارا اپنا سایہ بھی میرا جاسوس ہو۔ اگر تم نے واپس جانے کے بعد سرکشی اختیار کی تو تمہارا انجام ظاہر ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ اور میرے وفادار تمہارا سر کاٹ کر میری خدمت میں پیش کر دیں گے۔''

دوسرے دن حلب کے قلعے کے دروازے کھل گئے اور عماد الدین کی فوج نے پورے جوش و خروش کے ساتھ سلطان صلاح الدین ایوبی کو سلامی پیش کی۔ وہ 12/جون 1184ء کا یادگار دن تھا کہ جب صلاح الدین ایوبی ایک فاتح حکمراں کی حیثیت سے حلب میں داخل ہوا۔ عوام کے ساتھ عمائدین شہر نے بھی زبردست جشن مسرت کا اہتمام کیا۔ ہر گلی کوچے میں لنگر خانے کھولے گئے اور ہر غریب کو کھانا کھلانے کے ساتھ کپڑے بھی فراہم کئے گئے۔ ایک طرف خوشی کا یہ سماں تھا اور دوسری طرف انتہائی عبرت ناک منظر...... حلب کے باشندے اپنے سابق حکمراں عماد الدین سے اس قدر نفرت کرتے تھے کہ جب وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا کارندہ بن کر اپنے اہل خانہ کے ساتھ سنجار واپس جا رہا تھا تو حلب کے بہت سے باشندے شاہراہ پر جمع ہو گئے تھے۔ جب عماد الدین کی سواری ان کے قریب سے گزری تو ایک پڑھے لکھے شخص نے انسانی ہجوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''ذرا اس گدھے کی طرف دیکھو جس نے ''تازہ دودھ'' چھوڑ کر ''پھٹا ہوا دودھ'' لے لیا۔'' اس شخص کا اشارہ عماد الدین کی طرف تھا۔ واضح رہے کہ عربی زبان میں تازہ دودھ کو ''حلب''...... اور پھٹے ہوئے دودھ کو ''سنجار'' کہتے ہیں۔ عماد الدین کی سواری ذرا اور آگے بڑھی تو کچھ لوگوں نے چیخ کر کہا۔ ''عماد الدین تم بادشاہت کے قابل تو کبھی نہ تھے۔ اب ہمارا مشورہ ہے کہ کپڑے دھونے کی مشق کرو۔ شاید تمہیں اسی کام کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔'' عماد الدین خون کے گھونٹ پیتا رہا۔ اور حلب کے باشندوں کے قہقہے

گونجتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ حلب کی حدود سے نکل گیا۔

......}......☆......}......

حلب کا اقتدار سنبھالنے اور عمائدین شہر سے خطاب کرنے کے بعد دوسرے دن سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے استاد گرامی قاضی ابن عرسون سے ملاقات کرنے کیلئے ان کی درسگاہ پہنچا۔ وہاں جا کر والیٔ مصر کو یہ المناک خبر ملی کہ قاضی ابن عرسون کا انتقال ہوئے پانچ سال گزر چکے ہیں۔ یہ سن کر سلطان صلاح الدین ایوبی کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ بہت دیر تک اپنے دور طالب علمی اور استاد گرامی کی صحبتوں کو یاد کر کے روتا رہا۔ پھر جب والیٔ مصر کی طبیعت کچھ سنبھلی تو اس نے درسگاہ کے منتظم سے پوچھا۔ ''استاد گرامی کی وفات کے بعد مدرسے کی نگرانی کون کرتا ہے؟ اور درسگاہ کے اخراجات کیسے پورے ہوتے ہیں؟''

منتظم نے افسردہ لہجے میں بتایا۔ ''قاضی صاحب کی شاگرد خاص محترمہ شاریہ بچوں کو تعلیم بھی دیتی ہیں۔ اور وہی اہل خیر حضرات کے گھر جا کر درسگاہ کیلئے چندہ جمع کرتی ہیں۔ جس سے درسگاہ کے اخراجات بمشکل پورے ہوتے ہیں۔ امیر عماد الدین کو تو علم سے کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی۔ وہ تو چاہتا تھا کہ حلب کی تمام درسگاہیں بند ہو جائیں۔ یہ تو محترمہ شاریہ ہی کا دم ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح اپنے استاد کی یادگار کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ حق تعالیٰ انہیں اجر عظیم دے کہ میری آنکھوں نے آج تک ایسا کوئی شاگرد نہیں دیکھا۔''

شاریہ کا نام سن کر سلطان صلاح الدین ایوبی بری طرح چونک اٹھا تھا۔ اور چند لمحوں میں والیٔ مصر کی آنکھوں کے سامنے اس کا پورا بچپن اور شاریہ کی جنونی محبت کے بے شمار مناظر ابھر آئے تھے۔

شاریہ کا نام سن کر سلطان صلاح الدین ایوبی کچھ دیر کیلئے ماضی کی یادوں میں گم ہو گیا۔ مدرسے کے منتظم نے والیٔ مصر کی یہ کیفیت دیکھ کر ادب کے ساتھ عرض کیا۔

''سلطان محترم! آپ انہیں جانتے نہیں۔ وہ بہت نیک، باہمت اور عالم و فاضل خاتون ہیں۔ قاضی صاحب انہیں اپنی بیٹی کی طرح چاہتے تھے۔''

منتظم کی بات سن کر سلطان صلاح الدین ایوبی خیالات کی دنیا سے نکل آیا۔ ''وہ اس وقت کہاں ہیں؟'' والیٔ مصر نے منتظم سے پوچھا۔

''وہ عموماً اپنے حجرے ہی میں رہتی ہیں۔'' منتظم نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''بس کبھی کبھی مدرسے کے انتظامات کے سلسلے میں باہر جاتی ہیں۔ ورنہ ان کا سارا وقت عبادت ہی میں گزرتا ہے۔''

''تو پھر جا کر کہو کہ صلاح الدین ایوبی ان سے ملنے کا خواہشمند ہے۔'' والیٔ مصر کے لہجے سے درخواست کا رنگ جھلک رہا تھا۔

''سلطان محترم کو ان سے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے؟'' مدرسے کے منتظم نے انتہائی حیرت زدہ لہجے میں کہا۔ ''وہ تو آپ کی رعایا ہیں۔ میں ابھی جا کر ان سے کہتا ہوں۔ وہ خود حاضر ہو جائیں

گی۔" یہ کہہ کر منتظم اٹھ کھڑا ہوا۔

"ان سے اجازت لینا بہت ضروری ہے کہ وہ میرے استاد محترم کی جانشین ہیں۔" سلطان صلاح الدین ایوبی نے پرجلال لہجے میں منتظم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

منتظم نے ایک بار پھر والیٔ مصر کو بڑی حیرت سے دیکھا۔ اور تیزی کے ساتھ اس کمرے سے نکل گیا جہاں کبھی قاضی ابنِ عرسون والیٔ مصر کو درس دیا کرتے تھے۔ صلاح الدین ایوبی نے نم ناک آنکھوں سے اس مسند کی طرف دیکھا جس پر اس کے استاد محترم جلوہ افروز ہوتے تھے۔ آج وہی مسند خالی تھی۔ اور اس کے قریب ایک اور چھوٹا سا تخت بچھا ہوا تھا جو اونچائی میں قاضی ابنِ عرسون کی مسند سے کم تھا۔ اور جس پر ایک عام سی سفید چادر تھی۔ صلاح الدین ایوبی سکوت اور غم کی کیفیت میں کمرے کے در و دیوار کو دیکھتا رہا۔ جن سے قاضی ابنِ عرسون کے علم و کردار کی روشنی پھوٹ رہی تھی۔

مدرسے کے منتظم نے شاریہ کے حجرے کے دروازے پر دستک دی۔ شاریہ اس وقت اپنے فرشی بستر پر دراز تھی اور کسی سوچ میں گم تھی۔ دستک کی آواز سن کر اٹھ بیٹھی۔ اور اپنے سر کی سفید چادر کو درست کرتے ہوئے بولی۔ "آجاؤ۔"

مدرسے کا منتظم گھبرایا ہوا حجرے میں داخل ہوا۔ اس کی ظاہری حالت دیکھ کر شاریہ پریشان ہو گئی اور اس سے پوچھنے لگی۔ "تم اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو۔"

"محترمہ! سلطان صلاح الدین ایوبی مدرسے میں تشریف لائے ہوئے ہیں۔ وہ آپ سے ملنے کے خواہشمند ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں سلطان محترم کو یہاں لے آؤں؟" منتظم کی زبان سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے۔ اور اس کی یہ بدحواسی اس لئے تھی کہ وہ اپنے مدرسے میں حاکم وقت کی آمد کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

صلاح الدین ایوبی کا نام سن کر جوش مسرت میں شاریہ کھڑی ہو گئی۔ "یوسف آیا ہے؟ میرا یوسف؟ کہاں ہے وہ؟" شاریہ وارفتہ سی ہو گئی تھی۔

منتظم نے شدید حیرت کے ساتھ شاریہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "محترمہ! کوئی یوسف نہیں آیا۔ سلطان معظم صلاح الدین ایوبی تشریف لائے ہیں۔"

"ہاں! ہاں! کہاں ہیں سلطان معظم؟" شاریہ کی خوشی ناقابل بیان تھی۔ "سلطان معظم کو کنیزوں سے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔ میں خود ان کے دیدار کو حاضر ہوتی ہوں۔" شاریہ کی خوشی اضطراب میں تبدیل ہو گئی تھی۔

"سلطان محترم قاضی صاحب کے کمرے میں تشریف فرما ہیں۔"

منتظم کی بات مکمل ہوتے ہی شاریہ تیزی کے ساتھ اپنے حجرے سے نکل گئی۔ مدرسے کا منتظم اس پراسرار صورتحال کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ اس لئے وہ بھی بہت تیزی سے شاریہ کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ پھر جب وہ قاضی ابنِ عرسون کے کمرے میں داخل ہوا تو اس کی آنکھوں کے سامنے ایک ناقابلِ یقین

منظر تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا اور انتہائی حیرت کے ساتھ شاریہ کو مسلسل دیکھے جا رہا تھا۔

"کیا دیکھ رہے ہو یوسف؟" شاریہ نے مسرت انگیز لہجے میں کہا۔

"یہ تم ہو شاریہ؟" اب صلاح الدین ایوبی کے لہجے میں حیرت کے ساتھ دکھ بھی شامل ہو گیا تھا۔

"میرے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔" شاریہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کئی سال بعد آئے ہو۔ شاید اسی لئے تمہیں میری شکل یاد نہیں رہی۔"

اس سے پہلے کہ صلاح الدین ایوبی اپنی حیرت کا سبب بیان کرتا، شاریہ نے محسوس کر لیا کہ مدرسے کا منتظم ان کی گفتگو سن رہا ہے۔ اس لئے اس نے بات کا رخ بدلتے ہوئے منتظم سے کہا۔ "سلطان معظم اتنی دیر سے ہمارے مدرسے میں تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اور تم نے ابھی تک ان کی کوئی خاطر مدارات نہیں کی۔"

یہ سنتے ہی منتظم قاضی ابنِ عرسون کے کمرے سے نکل گیا۔ اور شاریہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو لے کر اپنے حجرے میں چلی گئی۔

"اگر تم خود اپنا نام نہ بتاتیں تو میں تمہیں کبھی نہ پہچانتا۔" سلطان صلاح الدین ایوبی کے لہجے سے شدید اذیت و کرب کا اظہار ہو رہا تھا۔ والیٔ مصر کی حیرت اور دکھ کی بس ایک ہی وجہ تھی کہ شاریہ کی سرخ و سفید رنگت سیاہی مائل ہو گئی تھی۔ اور اس کا دلکش جسم ہڈیوں کے ڈھانچے میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اگرچہ وہ عمر میں صلاح الدین ایوبی سے کئی سال چھوٹی تھی لیکن اس وقت ایک ادھیڑ عمر عورت نظر آ رہی تھی۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وقت تمہیں اس قدر بدل ڈالے گا۔" سلطان صلاح الدین ایوبی نے انتہائی غم زدہ لہجے میں کہا۔

"وقت کی گرفت سے کوئی محفوظ نہیں رہتا یوسف۔" شاریہ کے مرجھائے ہوئے ہونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ "وقت انسانوں کو بدل بھی دیتا ہے اور بگاڑ بھی دیتا ہے۔ حق تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے میرے خد و خال تو بدل ڈالے۔ مگر مجھے بگاڑا نہیں۔ انسان کو کھو جانے والی چیزوں کا غم کرنے کے بجائے، ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہئے جو اسے حاصل ہیں۔"

شاریہ کا انداز گفتگو دیکھ کر سلطان صلاح الدین ایوبی کو چند لمحوں کیلئے یوں محسوس ہوا جیسے استاد گرامی قاضی ابنِ عرسون اس سے مخاطب ہوں۔

"مجھے ہمیشہ اس بات کا قلق رہے گا کہ میں اپنے استاد محترم کی کوئی خدمت نہ کر سکا۔" یہ کہتے کہتے سلطان صلاح الدین ایوبی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "میں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح حلب آ کر ان کا دیدار کر سکوں۔ مگر دشمنوں نے تمام راستے بند کر دیئے تھے۔"

"تمہیں تو ایک فاتح کی حیثیت سے حلب میں داخل ہونا تھا۔ پھر تم کیوں کسی کے احسان مند ہوتے؟" شاریہ نے ایک عجیب سی سرشاری کے لہجے میں کہا۔ "تم استاد محترم سے دور رہ کر بھی ان ہی

کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ استادِ گرامی نے آخری سانس تک تمہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ وہ یوسف ہے۔ وقت کا زنداں اسے کب تک اندھیروں میں قید رکھے گا۔ حق تعالیٰ نے بادشاہت اس کا مقدر کردی ہے۔"

شاریہ کی زبانی یہ انکشاف سن کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے بہتے ہوئے آنسوؤں میں کچھ اور تیزی آگئی۔ "حق تعالیٰ میرے استادِ محترم کے درجات بلند کرے اور انہیں اجرِ عظیم سے سرفراز فرمائے۔ بے شک! ان ہی کے فیضِ صحبت نے میرے دل و دماغ روشن کئے۔ اور ان ہی کی دعاؤں سے میرے اندر جذبۂ جہاد پیدا ہوا۔"

اس کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی اپنی پوری فوج کے ساتھ اس قبرستان میں حاضر ہوا جہاں ایک یگانۂ روزگار عالم ابدی نیند سو رہا تھا۔ جس نے منصبِ قضا پر فائز ہونے کے بعد کبھی کسی حاکم کا دباؤ قبول نہیں کیا۔ اور تمام فیصلے حق و انصاف کی روشنی میں کئے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی بہت دیر تک قاضی ابنِ عرسون کے قدموں میں کھڑا دعا کرتا رہا۔

پھر وہ تعزیت کی غرض سے قاضی ابنِ عرسون کی بیوہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کی گزر اوقات کیلئے ایک بڑا وظیفہ مقرر کیا۔ اور اس کے ساتھ ہی استادِ محترم کے تمام قریب و دور کے غریب رشتے داروں اور دوستوں کے وظائف مقرر کئے۔ مدرسے کیلئے ایک بڑی جاگیر وقف کی تاکہ نادار طالبِ علم مفت تعلیم حاصل کرسکیں۔

ان تمام انتظامات سے فارغ ہو کر سلطان صلاح الدین ایوبی دوبارہ شاریہ کے پاس پہنچا اور افسردہ لہجے میں بولا۔ "سیاسی ہنگامہ آرائیوں اور اپنی انتظامی مصروفیات کے سبب شاید میں دوبارہ حلب نہ آسکوں۔ اور پھر استادِ محترم بھی دنیا میں نہیں رہے۔ اس لئے میری خواہش ہے کہ تم میرے ساتھ دمشق چلو۔ تاکہ تمہاری تنہائی کا احساس مجھے بار بار پریشان نہ کرے۔"

شاریہ نے بڑی حیرت سے سلطان صلاح الدین ایوبی کی طرف دیکھا اور پھر باوقار مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "یوسف! میں کبھی تنہا نہیں رہتی مجھ پر تمہارا یہ احسان کافی ہے کہ تمہاری محبت نے مجھے عرفان کی منزل تک پہنچا دیا۔ اگر کبھی کبھی دنیا کی محبت غالب آتی ہے تو اس ذاتِ پاک کا کرم، ہوس کے گرداب سے نکال کر مجھے عافیت کے ساحل پر لے آتا ہے۔ میرے لئے بس یہی اعزاز کافی ہے کہ تم مجھے یاد رکھتے ہو۔ آج کے بعد تنہائی کا وہ احساس بھی ختم ہو جائے گا۔"

شاریہ کا جواب سن کر سلطان صلاح الدین ایوبی کچھ اور اُداس نظر آنے لگا۔

والیٔ مصر کی اس کیفیت کو شاریہ نے پوری شدت کے ساتھ محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "یوسف! تمہیں جس مقصدِ عظیم کیلئے پیدا کیا گیا ہے، اس کے سامنے ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ ابھی تمہیں بڑے نازک اور سنگین مراحل سے گزرنا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم تھک کر ہار جاؤ۔ بس اپنے مقصد کو سامنے رکھو۔ اور گرد و پیش کی ہر شے کو فراموش کر دو۔"

"تنہا تو میں اب بھی ہوں شاریہ!" سلطان صلاح الدین ایوبی نے بڑے جذباتی لہجے میں کہا۔ "میں نے اپنی زندگی میں خود غرضی اور نفس پرستی کے ایسے ایسے بے رحم مظاہرے دیکھے ہیں کہ انسانی رشتوں پر سے اعتبار ہی اٹھتا جا رہا ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم دمشق چلو۔ اگر کبھی ہجوم یاس سے گھبرا جاؤں تو تمہاری صورت دیکھ کر اعتبار آ جائے کہ ابھی اس دنیا میں صبر و ایثار کے پیکر موجود ہیں۔"

"تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے یوسف؟" یکایک شاریہ کا لہجہ بدل گیا تھا۔ "ہم جیسے غیر معتبر لوگ تو تمہیں دیکھ کر اعتبار حاصل کرتے ہیں۔ پھر تم کس کی تلاش میں ہو۔ اگر خود سورج روشنی کی جستجو کرنے لگے تو دیکھنے والے کیا کہیں گے۔ تمہارے دم سے تو ہمارے ظلمت کدے روشن ہیں۔"

شاریہ کے چہرے سے جلالِ روحانی کا اظہار ہونے لگا تھا۔ "استادِ محترم فرمایا کرتے تھے کہ میدانِ جنگ میں مردِ مجاہد کا ایک سجدہ ہماری سیکڑوں نمازوں سے افضل ہے۔ پھر تم ہم جیسے نکمے لوگوں کی طرف کیوں دیکھتے ہو۔ جو تھک ہار کر ایک گوشے میں پڑ گئے ہیں۔"

آخر سلطان صلاح الدین ایوبی لاجواب ہو گیا۔ اور کسی طرح بھی شاریہ کو دمشق چلنے پر آمادہ نہ کرسکا۔ پھر والیٔ مصر مایوسانہ انداز میں جانے کیلئے اٹھ کھڑا ہوا تو شاریہ اسے رخصت کرنے کیلئے مدرسے کے دروازے تک آئی۔ اور جب سلطان صلاح الدین ایوبی گھوڑے کی پشت پر سوار ہوا تو شاریہ نے بے اختیار اس مردِ مجاہد کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور نہایت رقت آمیز لہجے میں کہنے لگی۔ "سلطانِ معظم کو اس کا اندازہ نہیں کہ نافرمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کنیز کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ پھر بھی میرا وعدہ ہے کہ میں تمہارے پاس ضرور آؤں گی۔ مگر اس وقت جب یہ دنیا میرے اور تمہارے درمیان حائل نہیں رہے گی۔"

......}......☆......{......

حلب پر قبضہ ہو جانے کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی دنیائے اسلام کا سب سے طاقتور حکمراں بن گیا تھا۔ دریائے دجلہ سے دریائے نیل تک۔ اور افریقہ کے ساحل سے طرابلس تک بڑے بڑے شہر اور مختلف نسلوں کے لوگ اسی کے زیرنگیں آ گئے تھے۔ مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ سے لے کر الجزیرہ تک اس کی سلامتی اور کامیابی کیلئے دعائیں مانگی جاتی تھیں۔

سلطان صلاح الدین ایوبی دو ماہ تک حلب میں مقیم رہا۔ امورِ سلطنت کے انتظامات کے ساتھ تمام متعلقہ قلعوں کو مستحکم کیا۔ اہم عہدوں پر اپنے معتبر آدمیوں کو فائز کیا۔ اور شعبۂ جاسوسی کو پہلے سے زیادہ فعال بنایا۔ تاکہ دشمنوں کی فتنہ گری اور شر انگیزی سے اپنے علاقوں کو محفوظ رکھا جاسکے۔ اگرچہ بظاہر والیٔ موصل عزالدین مسعود نے گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔ لیکن پھر بھی اس کی طرف سے ہر وقت نئی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا خدشہ لگا رہتا تھا۔ اس لئے سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے سارے عمال (گورنرز) اور شعبۂ جاسوسی کو سختی کے ساتھ ہدایت کی تھی کہ عزالدین مسعود کی نقل و حرکت پر گہری نظر رکھی جائے۔

ابھی سلطان صلاح الدین ایوبی حلب کے انتظامی معاملات سے فارغ ہی ہوا تھا کہ اسے ایک اور جاں گداز صبر کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کا محبوب اور سرفروش بھانجا فرخ شاہ جو شام کے علاقے کا منتظم تھا، اچانک انتقال کر گیا۔ فرخ شاہ جواں سال بھی تھا۔ اور تندرست و توانا بھی۔ لیکن موت سے کس کو رستگاری ہے؟ اچانک تیز بخار آیا۔ سرسامی کیفیت طاری ہوئی اور وہ کڑیل جوان تین دن بے ہوش رہ کر دنیا سے رخصت ہو گیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کیلئے بھانجے کی موت کا صدمہ بہت گہرا تھا۔ کیونکہ فرخ شاہ بہترین منتظم ہی نہیں، نہایت شجاع اور ذہین سالار بھی تھا۔ جس نے صلیبیوں کے ساتھ کئی جنگوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ صلاح الدین ایوبی کو یہ صدمہ برداشت کرنے کیلئے غیر معمولی ضبط اور حوصلے کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر بھی وہ تنہائی میں فرخ شاہ کو یاد کر کے رونے لگتا تھا۔

فرخ شاہ جیسے منتظم اور سالار کی ناگہانی موت سے شام اور قرب و جوار کے دوسرے علاقوں میں شدید سیاسی عدم استحکام پیدا ہو گیا تھا۔ صلیبی فدائین فرینکس جو پہلے ہی سلطان صلاح الدین ایوبی کو موصل اور حلب کے جنگی محاذوں پر مصروف پا کر دمشق کے نواحی علاقے تاراج کر رہے تھے، فرخ شاہ کی موت سے اور بھی دلیر ہو گئے تھے۔ اب ان کے راستے میں مضبوط چٹان حائل نہیں رہی تھی۔ نتیجتاً فرینکس نے بوزرا، زورا اور ''درایا'' تک کے تمام مضافاتی علاقے تباہ و برباد کر ڈالے۔ کھڑی فصلوں اور باغات کو آگ لگا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ سیکڑوں دیہاتی مسلمانوں کو قتل کر کے ان کے مکانوں کو آگ لگا دی۔ اور نہایت وحشیانہ انداز میں مسلمان دوشیزاؤں کی بے آبروئی کی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ فرینکس نے ''سوہائت'' کے علاقے میں آگے بڑھ کر اس پہاڑی قلعے پر قبضہ کر لیا جو بہت زیادہ مضبوط اور مستحکم تھا۔

فرینکس کی طرف سے اٹھائے جانے والے قتل و غارت کے طوفان کی خبروں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے دل سے فرخ شاہ کی موت کا صدمہ وقتی طور پر فراموش کر دیا تھا۔ نتیجتاً وہ نہایت غیظ و غضب کے عالم میں اپنی فوج لے کر دمشق کی طرف بڑھا۔

ابھی سلطان صلاح الدین ایوبی نے دمشق پہنچ کر دم بھی نہیں لیا تھا کہ ایک اور دل ہلا دینے والی خبر اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اچانک ایک برق رفتار قاصد مصر سے دمشق پہنچا اور اس نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو اطلاع دیتے ہوئے کہا۔ ''کرک کا حاکم ریجنالڈ عرب پر حملہ کرنے کیلئے اپنے علاقے سے نکل کھڑا ہوا ہے۔''

یہ خبر سنتے ہی چند لمحوں کیلئے سلطان صلاح الدین ایوبی پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔ یہ وہی ریجنالڈ تھا جس نے پیغمبر اسلام ﷺ کی شان میں نہ صرف گستاخی کی تھی بلکہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا عہد بھی کیا تھا۔ جس کے جواب میں خود سلطان صلاح الدین ایوبی نے یہ قسم کھائی تھی کہ اگر حق تعالیٰ نے اسے ریجنالڈ کے جسم پر تصرف بخش دیا تو وہ اس مردود و ملعون کو اپنے ہاتھ سے قتل

کرے گا۔ اس کے ساتھ ہی سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے امراء کو بھی حکم دیا تھا کہ وہ وقتاً فوقتاً اسے اس کی قسم یاد دلاتے رہیں۔ آج جب مصری سفیر نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو ریجنالڈ کی جنگی مہم کی خبر دی تو والیٔ مصر پر سکوت غم کی لمحاتی کیفیت طاری ہو گئی۔ مگر وہ جلد ہی حالت جلال میں لوٹ آیا۔ پھر اس نے غائبانہ طور پر والیٔ کرک ریجنالڈ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''کیا معاذ اللہ! تمام جاں نثاران اسلام مر گئے جو تیرے دماغ میں یہ پاگل پن سمایا ہے؟''

پھر اسی وقت سلطان صلاح الدین ایوبی اپنی فوج کے ساتھ مصر کی طرف جا رہا تھا۔

......}......☆......{......

مصر پہنچتے ہی سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے بحری بیڑے کے سربراہ لولو کو طلب کیا اور مختصر طور پر والیٔ کرک ریجنالڈ کے شیطانی عزائم کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے اپنے ان دشمنوں کو بھی معاف کیا ہے جو میرے خون کے پیاسے رہے ہیں۔ لیکن ریجنالڈ کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنا میرا فرضِ عین ہے۔ تم اس بات سے میری نفرتوں کا اندازہ کر سکتے ہو۔ اس فتنہ گر کو روکو۔ چاہے اس مزاحمت میں پورا سمندر انسانی خون سے سرخ ہو جائے۔ بس میری زندگی میں اس کے ناپاک قدم مقامات مقدسہ تک نہ پہنچنے پائیں۔ ورنہ بروز حشر ہم سب کیلئے شرمندگی اور ذلت کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔''

امیر البحر لولو ایک فرض شناس فوجی افسر ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ذہین اور دیندار شخص بھی تھا۔ اب تک کئی بحری معرکوں میں اسی کی حکمت عملی نے نصرانیوں کو شکست فاش سے دوچار کیا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی زبانی ریجنالڈ کے شیطانی ارادوں کی تفصیل سن کر امیر البحر کے چہرے پر بھی نفرت و غضب کا رنگ ابھر آیا اور اس نے بہ آواز بلند کہا۔ ''اگر حق تعالیٰ کی تائید و نصرت ہمارے ساتھ رہی تو سلطان محترم بہت جلد سمندر کی تاریخ بھی بدلتے ہوئے دیکھیں گے۔''

پھر جب امیر البحر لولو اپنا بیڑا لے کر اس نئی جنگی مہم پر روانہ ہوا تو سلطان صلاح الدین ایوبی اسے رخصت کرنے کیلئے ساحل سمندر تک آیا۔ اور اس وقت تک کھڑا رہا، جب تک ایک ایک جہاز اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔ پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف دراز کر دیئے۔ اور نہایت رقت آمیز لہجے میں دعا کی۔ ''اے مالک بحر و بر...... پانی کی ان سرکش موجوں اور طوفانی ہواؤں کو اپنے نام لیواؤں کیلئے مسخر فرما دے۔ ہمارے بازوؤں کو طاقت اور شمشیروں کو کاٹ عطا کر۔ ہماری کمانوں کو ٹوٹنے سے محفوظ رکھ اور تیروں کو ان کے ہدف تک پہنچا دے کہ ہر شے تیرے ہی قبضۂ قدرت میں ہے۔ اور ہم گناہ گاروں کا شمار ان بندوں میں فرما جو تیرے اور تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی حفاظت کرنے والے ہوں۔ اے تمام جہانوں کے پالنے والے! ہمیں اس سعادت سے محروم نہ کر۔ اور دشمنوں پر غلبہ عطا فرما کہ تمام تعریفیں اور بڑائیاں تیرے ہی لئے ہیں۔'' سلطان صلاح الدین ایوبی کی پُر اثر دعا سن کر دوسرے امراء کی آنکھیں بھی نم ہو گئی تھیں۔

......}......☆......{......

والیٔ کرک ریجنالڈ نے اپنے بحری جہازوں کو دو حصوں میں تقسیم کر کے عسقلان کے راستے خلیج ''عقبہ'' تک پہنچایا۔ پھر اپنی جنگی حکمت عملی ترتیب دیتے ہوئے ''بحیرۂ قلزم'' کے افریقی ساحل پر دو جہاز پہنچا کر ''ایلہ'' کی ناکہ بندی کرادی۔ یہی وہ بندرگاہ تھی جس سے مصری بحری بیڑے کے حملے کے امکانات تھے۔ ''ایلہ'' کی ناکہ بندی کرنے کے بعد ریجنالڈ باقی جہاز لے کر ''عیذاب'' کی بندرگاہ کو تاراج کرنے کیلئے آگے بڑھا۔ اس سلسلے میں یہ روایت مشہور ہے کہ ریجنالڈ نے ساحلوں کے نگراں عرب بدوؤں کو بھاری رشوت دی تھی۔ اس لئے کسی دشواری کے بغیر اس کے جہاز بحیرۂ قلزم تک پہنچ گئے تھے۔ پھر اس نے ساحل پر لنگر انداز عربوں کے سولہ جہاز جلا ڈالے۔ جس سے مسلمانوں کا شدید جانی و مالی نقصان ہوا۔ اسی دوران میں جدہ کے قریب ایک جہاز نظر آیا۔ ریجنالڈ کے جہازوں نے تیز رفتاری کے ساتھ تعاقب کرتے ہوئے اس جہاز کو بھی پکڑ لیا۔ اس میں تمام حاجی سوار تھے۔ حاجیوں نے بہت منت وسماجت کی کہ ان کا سارا مال و اسباب لے لیا جائے۔ مگر جانیں بخش دی جائیں۔

حاجیوں کی التجا سن کر سفاک ریجنالڈ نے وحشیانہ انداز میں قہقہہ لگایا۔ ''مال و اسباب تو ویسے ہی مل جائے گا۔ مگر تمہارا خون بہا کر مجھے جو لذت حاصل ہوگی، اس کا بدل دنیا بھر کے خزانے بھی نہیں۔''

پھر کچھ دیر تک فضا میں مسلمان عورتوں اور مردوں کی چیخیں گونجتی رہیں۔ اور مسلمانوں کا خون بہتا دیکھ کر ریجنالڈ مسلسل قہقہے لگاتا رہا۔ یہاں تک کہ سمندر کی فضا پر گہرا سکوت چھا گیا۔ کیونکہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کیلئے جانے والا اس جہاز کا آخری مسافر بھی قتل ہو چکا تھا۔

اس کے بعد ریجنالڈ نے ''عیذاب'' کی بندرگاہ پر اپنے جہازوں کو لنگر انداز ہونے کا حکم دیا۔ وہ یہاں ٹھہر کر سمندری فضا کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ اسی دوران میں ''کوس'' کی طرف سے مسلمانوں کا ایک قافلہ آنکلا۔ ریجنالڈ کے بحری قزاقوں نے پورے قافلے کو پہلے گرفتار کیا۔ پھر ان کا سارا مال و اسباب لوٹ کر ایک ایک فرد کو قتل کر دیا۔ اور ان سب کی لاشیں سمندر میں پھینک دی گئیں۔

والیٔ کرک اپنی مسلسل کامیابیوں پر بہت خوش تھا۔ پھر جب اس نے لوٹے ہوئے غذائی سامان اور مال و زر کا جائزہ لیا تو بے اختیار ایک پُر جوش نعرہ لگایا۔ ''خداوند خدا کے کرم سے ہمارے پاس بہت سا سامان رسد جمع ہو گیا ہے۔ اب ہم طویل بحری جنگ لڑ سکتے ہیں۔ اور ہماری منزل زیادہ دور نہیں ہے۔''

مردود ریجنالڈ کی منزل اس کے سوا کوئی اور نہیں تھی کہ وہ مدینہ منورہ پہنچ کر (معاذ اللہ) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کو نقصان پہنچائے۔ عرب کے چند بے ضمیر بدوؤں نے سیم و زر کے بدلے اپنی مذہبی حمیت کو فروخت کر کے ریجنالڈ جیسے شیطان کو اور بھی بے باک بنا دیا تھا۔ اور وہ سمجھنے لگا تھا کہ کسی بھی مشکل کے وقت اتنی ہی آسانی سے دوسرے مسلمانوں کو بھی خریدا جا سکتا ہے۔

یہ والیٔ کرک ریجنالڈ کی خوش نصیبی تھی کہ دوسرے دن ہی یمن سے آنے والے دو جہاز بھی اس کے قبضے میں آ گئے۔ یہ دونوں جہاز مقامات مقدسہ کیلئے سامان لے کر جا رہے تھے۔ ریجنالڈ نے ان

دونوں جہازوں کو بھی اپنے بحری بیڑے میں شامل کر لیا۔ اور ان کے نگرانوں کو قتل کرا دیا۔

......}......☆......{......

امیر البحر لولو پچاس جہازوں کے ساتھ مصر سے رخصت ہوا تھا۔ اس کی بحری فوج میں بہترین تیراک اور ماہر تیر انداز شامل تھے۔ اس کے تمام جہاز راں جہاز چلانے کے فن میں بے مثال مہارت رکھتے تھے۔ جب وہ اپنا بیڑا لے کر ''ایلہ'' کی بندرگاہ کے قریب پہنچا تو اسے عیسائیوں کے دو جہاز نظر آئے۔ یہ وہی جہاز تھے جنہیں ریجنالڈ نے ''ایلہ'' کی ناکہ بندی کیلئے متعین کیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا تھا کہ مسلمانوں کے کسی جہاز کو بھی ادھر سے گزرنے نہ دیا جائے۔ مگر جب عیسائی جہاز رانوں نے مسلمانوں کا انتہائی طاقتور بحری بیڑہ دیکھا تو وہ خوفزدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس طوفان کو روکنا ان کے بس میں نہیں تھا۔ مسلمان جہاز راں بہت زیادہ پر جوش نظر آ رہے تھے۔ اگر وہ چاہتے تو مٹی کے تیل میں بھیگی ہوئی روئی کو آگ لگا کر ہلکی منجنیقوں کے ذریعے آتشی گولوں کی بارش کر کے دشمن کے جہازوں کو تباہ کر سکتے تھے۔ لیکن امیر البحر لولو نے اپنے تمام جہاز رانوں کو سختی کے ساتھ ایسا کرنے سے روک دیا تھا۔

''آج تمہاری برق رفتاری کا امتحان ہے۔ تمہیں ہر حال میں عیسائی جہاز رانوں کو گرفتار کرنا ہے۔''

اپنے امیر کا حکم سنتے ہی تمام جہاز راں طوفانی لہروں کی طرح آگے بڑھے۔ اور پھر تھوڑی دیر تعاقب کرنے کے بعد ریجنالڈ کے دونوں جہاز کو گھیر لیا۔ کچھ عیسائی تیر اندازوں نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی۔ لیکن مسلمان تیر اندازوں کی مہارت ان پر غالب آ گئی۔ پھر تمام عیسائی جہاز راں اور سپاہی گرفتار کر کے امیر البحر لولو کے سامنے پیش کر دیئے گئے۔

''تم نے کس کے حکم سے ''ایلہ'' کی ناکہ بندی کی تھی؟'' امیر البحر لولو کی آواز کا لہجہ انتہائی قہرناک تھا۔

امیر البحر کے اس سوال کے جواب میں عیسائی جہاز راں خاموش رہے۔

''میرے سزا دینے کا انداز دوسرے لوگوں سے بہت زیادہ مختلف ہے۔'' امیر البحر لولو کا لہجہ کچھ اور غضب ناک ہو گیا تھا۔ ''میں اپنے دشمن کو ایک وار میں قتل نہیں کرتا کہ وہ آسان موت مر سکے۔ مجھے سمندری مچھلیوں کی بھوک کا بھی خیال ہے۔ اس لئے میں تم سب کے ایک ایک عضو کو مرحلہ وار کاٹوں گا اور پھر اسے سمندر کے حوالے کروں گا۔''

اس دردناک سزا کا ذکر سن کر تمام عیسائی جہاز رانوں اور سپاہیوں نے حوصلے ہار دیئے۔ اور جان بخشی کی شرط کے ساتھ زبان کھولنے کیلئے آمادہ ہو گئے۔

پھر جب امیر البحر لولو نے صلیبیوں سے ان کی جانوں کے تحفظ کا وعدہ کر لیا تو ایک عیسائی نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ہمیں شاہ ریجنالڈ نے ''ایلہ'' کی ناکہ بندی کا حکم دیا تھا۔''

''ریجنالڈ اس وقت کہاں ہے؟'' امیر البحر لولو نے دوسرا سوال کیا۔ اس کا لہجہ بدستور غضبناک تھا۔

امیر البحر کے اس سوال پر تمام عیسائیوں کے چہروں پر سراسیمگی اور بدحواسی کے آثار نظر آنے لگے۔ جیسے وہ اس سوال کا جواب دینے سے گریزاں ہوں۔

امیر البحر لولو نے چند لمحے انتظار کیا اور پھر پوری طاقت سے چیخا۔ ”تمہاری جانوں کی سلامتی میرے ہر سوال کے تسلی بخش جواب سے مشروط ہے۔“ یہ کہہ کر امیر البحر نے اپنے سپاہیوں کی طرف دیکھا۔

دوسرے ہی لمحے تمام شمشیریں بے نیام ہوگئیں۔ تلواروں کی چمک دیکھ کر عیسائی قیدیوں کے چہروں پر موت کی سی زردی چھاگئی۔

”شاہ ریجنالڈ اپنے جہاز لے کر مدینے کی طرف گئے ہیں۔“ آخر ایک عیسائی جہاز راں نے موت کے خوف سے وہ راز کھول دیا جسے بہادر اور غیرت مند سپاہی اپنے سینے میں چھپائے ہوئے موت کو گلے لگا لیتا ہے۔

اس کے بعد امیر البحر لولو نے عیسائی قیدیوں سے کوئی سوال نہیں کیا۔ وعدے کے مطابق ان سب کو ”ایلہ“ کے ساحل پر اتار کر کھانے پینے کا سامان ان کے حوالے کر دیا گیا۔ اور عیسائیوں کے دونوں جہاز اپنے تصرف میں لے لئے۔ اپنی اگلی منزل کی طرف روانہ ہونے سے پہلے امیر البحر لولو ان عیسائیوں سے مخاطب ہوا جو ایلہ کے ساحل پر ناکام و نامراد کھڑے تھے۔

”جب تم لوگ اپنی قوم میں واپس جاؤ تو ان عہد شکنوں کو بتانا کہ ہم مسلمان اپنا وعدہ کس طرح وفا کرتے ہیں۔“

......}......☆......{......

لولو اپنے وقت کا سب سے بڑا امیر البحر تھا۔ ذہانت اور شجاعت کے ساتھ اس کی یہ صفت بھی سب سے زیادہ نمایاں تھی کہ وہ سمندری جغرافیئے کا بھی بھرپور علم رکھتا تھا۔ وہ خالی اور فرصت کے اوقات میں بھی اکثر سمندری سفر پر رہتا تھا۔ اس لئے کوئی بحری راستہ ایسا نہیں تھا جو اس کی نظروں سے پوشیدہ رہتا۔ اپنے اسی علم کی وسعت کے باعث امیر البحر لولو نے وہ راستہ اختیار کیا جو دوسرے جہاز رانوں کیلئے حیرانی کا سبب بن گیا۔ آخر ایک جہاز راں سے خاموش نہیں رہا گیا۔ اور اس نے اپنے امیر البحر سے یہ سوال کر ڈالا۔

”اس طرح تو ہم ریجنالڈ کا تعاقب نہیں کر سکیں گے۔“ جہاز راں کے لہجے اور چہرے سے شدید حیرت کا اظہار ہو رہا تھا۔ دوسرے الفاظ میں اس نے اپنے امیر البحر کے فیصلے سے اختلاف ظاہر کر دیا تھا۔

امیر البحر لولو نے بڑے ضبط و تحمل کے ساتھ اپنے جہاز راں کا اعتراض سنا اور انتہائی باوقار لہجے میں بولا۔ ”ریجنالڈ ہم سے بہت پہلے بحری سفر پر روانہ ہوا ہے۔ اس لئے اصولی طور پر ہم اس کا تعاقب کرنے کی حیثیت میں نہیں ہیں۔ اب صرف حق تعالیٰ ہی ہمارا کارساز و مددگار ہے کہ وہ ہمیں صحیح راستے پر ڈال دے۔ اور اس راستے کو ہمارے جہازوں کیلئے آسان و مختصر کر دے۔“

اب مصری بیڑا ایک ایسے بحری راستے سے آگے بڑھ رہا تھا۔ جس سے مسلمان جہاز راں بالکل ناواقف تھے۔ امیر البحر کے حکم پر جہازوں کی رفتار تقریباً دگنی کر دی گئی تھی۔ لولو کی بس ایک ہی کوشش تھی کہ وہ کم سے کم وقت میں اپنے ہدف پر پہنچ سکے۔ اس روز قدرت بھی مسلمانوں پر مہربان تھی۔ اور بحیرۂ قلزم میں دور تک کسی طوفان کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ مصری بیڑے کے پرجوش مسلمان جہاز رانوں نے اپنی فنی مہارت اور جسمانی طاقت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ یہاں تک کہ تمام جہاز امیر البحر کے طے شدہ وقت کے مطابق ”الحورا“ کی بندرگاہ پر پہنچ گئے۔ یہ بحیرۂ قلزم کی ایک چھوٹی سی غیر معروف بندرگاہ تھی۔ ”الحورا“ پہنچ کر امیر البحر لولو نے تمام جہازوں کو اسی سمندری مقام پر ٹھہر جانے کا حکم دیا۔ ایک بار پھر جہاز کے تمام عملے اور مسلمان سپاہیوں کو شدید حیرت ہوئی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ امیر البحر نے بحری بیڑے کے قیام کیلئے اس معمولی سی بندرگاہ کا انتخاب کیوں کیا ہے۔

جب آخری جہاز بھی ”الحورا“ پر آ کر ٹھہر گیا تو امیر البحر لولو اپنے جہاز سے نکل کر ساحل پر آیا اور ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد چند مقامی عرب اپنے اونٹوں پر سوار کچھ فاصلے سے جاتے ہوئے نظر آئے۔ امیر البحر لولو نے فوری طور پر اپنے چند سپاہیوں کو حکم دیا۔

”ان شتربانوں سے جا کر دریافت کرو کہ اس سمندری راستے سے کچھ جہاز تو نہیں گزرے ہیں؟ اور یہ بھی معلوم کرو کہ اس علاقے میں کوئی غیر معمولی واقعہ تو پیش نہیں آیا ہے؟“

پھر جب مصری سپاہیوں نے واپس آ کر امیر البحر کو بتایا کہ شتربانوں کے بیانات کے مطابق یہاں کی فضا مکمل طور پر پرسکون ہے تو لولو کا فکرمند چہرہ یکایک بے پناہ خوشی کے جذبات سے چمکنے لگا۔ اور بے اختیار اس کی زبان سے نکلا۔ ”حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم وقت سے پہلے گزر گئے۔“

مسلمان سپاہیوں اور جہاز رانوں کیلئے امیر البحر کی باتیں ناقابل فہم تھیں۔ پھر لولو نے اپنے سپاہیوں کو دوسرا حکم دیا کہ وہ قریب کی ساحلی بستی میں جا کر عرب بدوؤں سے منہ مانگے کرائے پر کم سے کم پچاس گھوڑے حاصل کریں۔

امیر البحر کا یہ حکم بھی مسلمان سپاہیوں کیلئے ناقابل فہم تھا۔ مجبوراً وہ لوگ حکم کی تعمیل میں قریب ہی ساحلی بستی کی طرف چلے گئے۔

سپاہیوں کو روانہ کرنے کے بعد امیر البحر لولو دوبارہ اپنے جہاز کے عرشے پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ اور بے چین نظروں سے اس بحری راستے کی طرف مستقل نظریں جمائے دیکھتا رہا، جدھر سے گزر کر اس کے جہاز ”الحورا“ کی بندرگاہ تک پہنچے تھے۔

کوئی نہیں جانتا تھا کہ امیر البحر لولو کی آنکھیں سمندر میں کس کو تلاش کر رہی ہیں۔ یہاں تک کہ شام کے آثار نظر آنے لگے۔ طویل دوڑ دھوپ اور جستجو کے بعد مصری سپاہی چالیس گھوڑے حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے تھے۔ امیر البحر لولو نے اپنی طرف سے کرایے کے علاوہ عرب بدوؤں کو مزید انعام دیتے ہوئے کہا۔

''تم نہیں جانتے کہ بہت جلد اس علاقے میں اسلام کے دشمن آنے والے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ زیادہ سے زیادہ گھوڑوں کا انتظام کیا جائے۔ تمہاری طرف سے یہ ایک مذہبی خدمت ہوگی۔ اور ہماری طرف سے تم لوگ بڑے انعام کے مستحق قرار پاؤ گے۔'' امیر البحر لولو نے انتہائی سادہ الفاظ میں ان پڑھ عربوں کو اپنا مفہوم سمجھا دیا۔

گھوڑوں کے مالک امیر البحر سے یہ وعدہ کر کے چلے گئے کہ وہ کل تک زیادہ سے زیادہ گھوڑے فراہم کرنے کی کوشش کریں گے۔

مسلمان سپاہیوں اور جہاز رانوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ امیر البحر کی حکمت عملی کیا ہے؟ پھر سب جہازوں کی روشنیاں بجھا دی گئیں اور تمام سپاہیوں کو باری باری پہرہ دینے پر مقرر کر دیا گیا۔

نماز فجر کے بعد امیر البحر لولو نے اپنے ایک جہاز کو الحورا کی بندرگاہ سے کھلے سمندر میں جانے کا حکم دیا۔ ''میرا خیال ہے کہ آج کسی نہ کسی وقت عیسائی جہاز اس طرف آئیں گے۔ ریجنالڈ کو سمندری راستوں کا علم نہیں۔ اسی لئے وہ طویل راستہ طے کر کے ''الحورا'' پہنچے گا۔ میں نے یہاں تک آنے کیلئے مختصر ترین راستہ اختیار کیا تھا۔ یہی وہ بندرگاہ ہے جہاں سے گزر کر مدینہ منورہ پہنچا جا سکتا ہے۔''

اس انکشاف پر تمام جہاز راں اور سپاہی حیرت زدہ رہ گئے۔ آج انہیں اندازہ ہوا کہ ان کا امیر کتنے دور کی سوچتا ہے؟

پھر امیر البحر لولو نے اس جہاز پر اپنے ماہر تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین کرتے ہوئے ہدایت دی۔ ''تمہیں جیسے ہی دشمن کے جہاز نظر آئیں، تم کچھ دور تک آگے بڑھو گے اور پھر اچانک اس طرح اپنے جہاز کا رخ موڑ دو گے کہ جیسے تم ان سے خوفزدہ ہو کر بھاگ رہے ہو۔ اگر خدانخواستہ کسی وجہ سے نرغے میں آ جاؤ تو پوری استقامت سے مقابلہ کرنا۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہے۔''

جہاز کو روانہ کرنے کے بعد امیر البحر عرب بدوؤں کا انتظار کرنے لگا جو نئے گھوڑے لانے کا وعدہ کر گئے تھے۔ بڑے انعام کی لالچ میں مقامی بدوؤں نے مزید پچاس گھوڑوں کا انتظام کر دیا تھا۔

اب امیر البحر کے پاس نوے عربی گھوڑے تھے۔ لولو نے وہ تمام گھوڑے اپنے بہترین شہسواروں کے حوالے کر دیئے۔ اس کے بعد امیر البحر نے اپنے باقی جہازوں کا رخ بھی اس طرف کر دیا جدھر کچھ دیر پہلے ایک جہاز روانہ کیا گیا تھا۔ ان جہازوں کی رفتار بہت سست تھی۔ جہازوں کے ساتھ ساتھ شہسوار بھی سمندر کے کنارے کنارے چل رہے تھے۔

......}......☆......{......

آخر امیر البحر لولو کا اندازہ درست نکلا۔ ابھی مصری جہاز نے سمندر میں دس پندرہ میل کا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ سامنے سے ریجنالڈ کا بحری بیڑا آتا ہوا نظر آیا جو بیس جہازوں پر مشتمل تھا۔ مصری جہاز اپنے امیر البحر کے حکم کے مطابق بے خوف و خطر آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کے اور عیسائی بیڑے کے درمیان دو فرلانگ کا فاصلہ رہ گیا۔ ریجنالڈ یہاں تک آتے آتے عربوں کے کئی جہاز تباہ کر چکا

تھا۔ ایک نئے جہاز کو اپنی طرف آتے دیکھ کر والی کرک نے خوشی کے جذبات سے بھرپور نعرہ لگایا۔

''ایک شکار اور...... اسے چاروں طرف سے گھیر لو۔ یہ بھی ہمارے بحری بیڑے کا حصہ بن جائے گا۔''

ابھی ریجنالڈ اپنے سپاہیوں کو ہدایت دے رہا تھا کہ یکایک مصری جہاز اپنے منصوبے کے مطابق واپس پلٹ پڑا۔ اس کی رفتار معمول سے بہت زیادہ تیز تھی۔ ریجنالڈ نے مصری جہاز کو بھاگتے دیکھ کر انتہائی سخت لہجے میں اپنے جہاز رانوں کو حکم دیا۔ ''یہ بچ کر نہ جانے پائے۔ برق رفتاری کے ساتھ اس کا تعاقب کرو۔ اگر یہ بچ کر نکل گیا تو ہو سکتا ہے کہ مقامی مسلمانوں کو ہمارے منصوبے سے آگاہ کر دے۔'' ریجنالڈ نے اپنے جہاز رانوں کو یہ حکم اس لئے دیا تھا کہ اب تک سمندر میں عربوں کے جتنے جہاز بھی نظر آئے تھے، انہیں یا تو جلا کر راکھ کر دیا گیا تھا یا پھر پکڑ کر اپنے بحری بیڑے میں شامل کر لیا تھا۔ اور جہاز رانوں کو قتل کر کے ان کی لاشیں سمندر میں پھینک دی گئی تھیں۔ اسی طرح ریجنالڈ نے حاجیوں کے جتنے قافلے لوٹے تھے، ان کے ایک ایک فرد کو بھی تہ تیغ کر ڈالا تھا۔ اور یہ سفاکی و درندگی محض اس پیش بندی کے طور پر تھی کہ کہیں کوئی مسلمان فرار ہو کر مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ نہ پہنچ جائے۔ اور ان دونوں مقامات مقدسہ کے نگرانوں کو صلیبیوں کے مذموم ارادوں سے باخبر نہ کر دے۔

ریجنالڈ اب تک اپنی تمام حیلہ سازیوں اور چالوں میں کامیاب رہا تھا۔ اس لئے اسے یقین تھا کہ اس کے جہاز راں مصری جہاز کو بھی آسانی کے ساتھ پکڑ لیں گے۔ کیونکہ ریجنالڈ اس خصوصی جہاز کو بھی ایک عام تجارتی جہاز سمجھا تھا۔ امیر البحر لولو نے اپنے اس جہاز کو روانہ کرتے وقت ایک اور چال چلی تھی کہ جہاز سے تمام جنگی آلات ہٹا لئے تھے تاکہ دشمنوں کو یہ ایک عام سا جہاز نظر آئے۔ اسی وجہ سے ریجنالڈ نے دھوکا کھایا اور پوری شدت کے ساتھ مصری جہاز کا تعاقب شروع کر دیا۔ مگر یہاں بھی وہ فریب نظر کا شکار ہوا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ جس جہاز کا تعاقب کیا جا رہا ہے اسے چلانے والا مصری بحری بیڑے کا سب سے ماہر جہاز راں خالد بن عباد ہے۔

مصری جہاز کو پکڑنے کے جوش میں ریجنالڈ اپنا ہوش کھو بیٹھا۔ اس کے جہاز رانوں نے اپنی پوری طاقت اور فنی مہارت صرف کر دی۔ مگر خالد بن عباد کا جہاز ان کے ہاتھ نہیں آیا۔ یہاں تک کہ اندھوں کی طرح مصری جہاز کا تعاقب کرتے کرتے ریجنالڈ کا بحری بیڑا سلطان صلاح الدین ایوبی کے بیڑے کے مقابل آ گیا۔ امیر البحر لولو کی جنگی چال کامیاب ہو گئی۔

اب ریجنالڈ کے پاس اتنا وقت بھی نہیں تھا کہ وہ اپنے جہازوں کو سلامتی کے ساتھ واپس لے جا سکے۔ نتیجتاً عیسائی جہاز راں اور سپاہی اپنے جہازوں سے نکل کر جانیں بچانے کیلئے ساحل کی طرف بھاگے۔ اور پہاڑوں میں گھس کر پناہ لی۔

ان فتنہ گر صلیبیوں کا کھلے میدان ہی میں خاتمہ ہو جاتا لیکن امیر البحر لولو کے شہسوار پیچھے رہ گئے تھے۔ پھر جب وہ نوے جانباز امیر البحر تک پہنچے تو ان پر صورتحال واضح ہوئی۔ اس کے بعد دیکھنے

والوں نے دیکھا کہ مصری شہسوار کمانوں سے چھوٹے تیروں کی طرح صلیبیوں کے تعاقب میں آگے بڑھے۔ اور ریجنالڈ کے ساتھ اس کے تمام سپاہیوں کو "ربوغ" کی گھاٹیوں میں گھیر لیا۔ پھر تھوڑی ہی دیر میں پوری گھاٹی صلیبیوں کی چیخوں سے گونج اٹھی۔ مصری جانباز پہلے ہی یہ خبر سن کر نفرت اور غضب کی آگ میں جل رہے تھے کہ ریجنالڈ کا بحری بیڑا مدینۂ منورہ پر حملہ کرنے کے ارادے سے آیا ہے۔ پھر جب شیطانوں کی یہ جماعت مجاہدین کی تلواروں کی زد پر آ گئی تو پھر انہوں نے دشمن سے کوئی رعایت نہیں برتی۔ مصری جانبازوں کے غیظ و غضب کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے ہر عیسائی سپاہی کو کئی ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا تھا مگر ابھی ریجنالڈ کے دن پورے نہیں ہوئے تھے۔ وہ کسی نہ کسی طرح "ربوغ" کی گھاٹی سے نکل کر فرار ہو گیا۔ مصری جانبازوں نے قصداً چند عیسائی سپاہیوں کو زندہ گرفتار کر لیا تھا۔ تاکہ انہیں عبرت کے طور پر سلطان صلاح الدین ایوبی کے سامنے پیش کیا جا سکے۔ امیر البحر لولو نے ریجنالڈ کے تمام جہازوں پر قبضہ کر کے انہیں اپنے بحری بیڑے میں شامل کر لیا۔

......}......☆......{......

پھر جب مصر کی بحری فوج ایک تاریخ ساز اور عظیم الشان فتح کے بعد اسکندریہ کے ساحل پر اتری تو مقامی مسلمانوں کا جوش و خروش قابل دید تھا۔ اسکندریہ کے باشندوں نے دور تک اپنے فوجیوں کے راستے میں پھولوں کے انبار لگا دیئے تھے۔ فرط جذبات میں ہر شہری ہر سپاہی کے ہاتھوں کو بوسہ دے رہا تھا۔ صرف اس لئے کہ ان سپاہیوں نے ریجنالڈ کے شیطانی منصوبے کو "ربوغ" کی گھاٹی میں دفن کر دیا تھا۔ پھر جب سب سے آخر میں عیسائی قیدی لائے گئے تو اہلِ ایمان کا مجمع اس قدر مشتعل ہوا کہ ان تمام اسیروں کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا۔ اگرچہ امیر البحر لولو نے اسکندریہ کے غضب ناک عوام کو روکنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہا۔

پھر جب امیر البحر لولو والیٔ مصر کو فتح کی نوید سنانے کیلئے قاہرہ کی طرف روانہ ہوا تو سلطان صلاح الدین ایوبی نے قاہرہ کی حدود سے نکل کر اپنے امیر البحر کا اس قدر والہانہ استقبال کیا کہ جوشِ جذبات میں اس کی پیشانی کو چوم لیا۔ اپنے تمام امراء کے سامنے بہ آواز بلند کہا۔ "حق تعالیٰ تمہیں دونوں جہان میں اجر عظیم عطا فرمائے کہ تم نے مجھے قیامت کے دن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچا لیا۔"

"شرمندہ تو میں اب بھی ہوں سلطان معظم۔" امیر البحر نے انتہائی غمزدہ لہجے میں کہا۔ "مجھے زندگی بھر اس کا شدید قلق رہے گا کہ میں مردود ریجنالڈ کو اس کے انجام تک نہ پہنچا سکا۔"

"تم کیوں اداس ہوتے ہو؟" سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے امیر البحر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اسے اس لئے زندہ چھوڑا گیا ہے کہ حق تعالیٰ میری قسم پوری کرنا چاہتا ہے۔ اب مجھے یقین آ گیا کہ ریجنالڈ میرے ہی ہاتھوں قتل ہو گا۔"

سلطان صلاح الدین ایوبی کو والیٔ کرک ریجنالڈ کے بچ نکلنے کا بے حد افسوس تھا۔ مگر پھر بھی یہ

احساس انتہائی مسرت اور سکون کا باعث تھا کہ مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ اس شیطان کے ناپاک منصوبے سے محفوظ رہے تھے۔ اس ہنگامہ آرائی سے فارغ ہوتے ہی والیٔ مصر دوبارہ فرینکس کی طرف متوجہ ہوا۔ حلب کے قیام کے دوران سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے تمام فوجیوں کو گھر جانے کی رخصت دے دی تھی۔ کیونکہ ایک طویل عرصے سے یہ جانباز اپنے اہلِ خانہ سے بچھڑے ہوئے تھے۔ مگر جب ریجنالڈ کی فتنہ انگیزی عروج کو پہنچ گئی تو اس نے اپنے تمام فوجیوں کی چھٹیاں منسوخ کر کے انہیں فوری طور پر قاہرہ کی مرکزی فوجی چھاؤنی میں جمع ہونے کا حکم دیا۔

ریجنالڈ اور فرینکس کی درندگی نے سلطان صلاح الدین ایوبی کی مزاجی کیفیت کو بڑی حد تک بدل ڈالا تھا۔ وہ عام صلح پسند عیسائیوں کیلئے اب بھی اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتا تھا۔ مگر تخریب کار اور جنگجو صلیبیوں کیلئے اس کا دل کسی چٹان کی طرح سخت ہو گیا تھا۔ نئی معرکہ آرائی کیلئے قاہرہ چھوڑنے سے پہلے سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے تمام سالاروں اور سپاہیوں کو ایک طویل و عریض میدان میں جمع کر کے نہایت معنی خیز تقریر کی جو والیٔ مصر کے بدلے ہوئے مزاج کی واضح اور بھرپور عکاسی کر رہی تھی۔

"اہلِ ایمان! تم سب پر اللہ کی سلامتی ہو۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں نے ملت اسلامیہ کے اتحاد کیلئے مسلمان حکمرانوں کو کس کس طرح آوازیں دیں اور کیسی جاں سوزی کے ساتھ ان سے اپنی صفیں درست رکھنے کیلئے التجائیں کیں۔ مگر چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حاکموں کے علاوہ کسی بڑے حاکم نے میری آواز پر لبیک نہیں کہا۔ بلکہ مجھے برباد کرنے کیلئے اسلام کے دشمنوں کو گلے لگا لیا۔ یہ اسی بے ضمیری کا نتیجہ تھا کہ عیسائیوں کی نظر میں مسلمان حکمراں ایک بکاؤ مال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دشمن نے ہمارے اسی انتشار سے فائدہ اٹھا کر مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ کی تباہی کے منصوبے بنائے۔ یہ تو حق تعالیٰ کا بے مثال کرم تھا کہ اس نے ہماری بے حسی اور بے خبری کے باوجود اس عذاب کو ہمارے سروں سے ٹال دیا۔ ورنہ اگر معاذ اللہ صلیبیوں کا یہ ناپاک منصوبہ کامیاب ہو جاتا تو ہم کہ جنہیں مسلمان ہونے کا دعویٰ ہے، دنیا اور آخرت میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے۔ میں نے اپنا فرض ادا کرتے ہوئے والیٔ موصل عزالدین مسعود کو ایک طویل خط تحریر کیا تھا۔ اور انہیں اس خوفناک ترین حقیقت سے آگاہ کر دیا تھا کہ انہوں نے جن عیسائی حکمرانوں سے فوجی اشتراک عمل کے معاہدے کئے ہیں، وہی لوگ (معاذ اللہ) ہمارے مقامات مقدسہ کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ اس لئے میرے نزدیک صلیبیوں کے ساتھ یہ اشتراک عمل کھلی اسلام دشمنی ہے۔ اور اسلام کا دشمن چاہے اس کا نام مسلمانوں جیسا ہی کیوں نہ ہو، اسلام کے دائرے سے خارج ہے۔ بلکہ شرعی اصطلاح کے مطابق وہ منافق ہے۔ اور منافق اللہ تعالیٰ کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ شخصیت ہے۔ اس صورتحال کے تناظر میں آپ کو لازم ہے کہ بلا تاخیر شاہ آرمینیا رہوپن سے دفاعی معاہدہ توڑ دیں۔ وہ عیار اور شاطر عیسائی حکمراں آپ کی عاقبت نااندیشی سے فائدہ اٹھا کر موصل پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔

در پردہ اس کی ساری ہمدردیاں عیسائیت اور صلیبی حکمرانوں کے ساتھ ہیں۔ اور یہ کوئی غیر فطری بات بھی نہیں کہ ایک عیسائی کو دوسرے عیسائی کا خیر خواہ اور مددگار ہونا ہی چاہئے۔ یہ تو ہم مسلمان ہی ہیں کہ ایک کلمہ گو دوسرے کلمہ گو کیلئے کوئی نیک جذبہ نہیں رکھتا۔ اور اپنی زمین کے چھوٹے سے ٹکڑے کو بچانے کیلئے مرکز کو تباہ و برباد دیکھنا چاہتا ہے۔ میں مسلمانوں کی اس بے حسی کو بے ضمیری اور بے غیرتی کی کون سی منزل قرار دوں کہ والیٔ کرک ریجنالڈ کے اس شیطانی منصوبے پر کسی مسلم ریاست سے صدائے احتجاج بلند نہیں ہوئی۔ میں دوسرے مسلمانوں کے بارے میں یہ رائے دینے کا حق نہیں رکھتا کہ وہ زندہ ہیں یا مرچکے ہیں۔ مگر اپنے بارے میں مجھے خوب اندازہ ہے کہ ابھی حق تعالیٰ نے مجھ پر موت طاری نہیں کی ہے۔ میں اسی کے نام پر زندہ ہوں۔ اور اسی کے نام پر آپ سے آخری بار درخواست کرتا ہوں کہ فوری طور پر شاہ آرمینیا سے تمام تعلقات ختم کر لیجئے۔ اگر میری طرف سے آپ کو کوئی خدشہ ہے تو میں حق تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ موصل کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھوں گا۔ اس کے ساتھ ہی آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر کسی عیسائی حکمراں نے موصل پر بری نظر ڈالی تو میں کسی بھی حال میں ہوں۔ مگر آپ کی مدد کو ضرور پہنچوں گا۔"

یہ کہہ کر سلطان صلاح الدین ایوبی کچھ دیر کیلئے خاموش ہوگیا۔ اور گہری نظروں سے اپنے سالاروں اور جانباز سپاہیوں کے چہروں سے ان کے جذباتی ردعمل کا جائزہ لینے لگا۔

یکایک میدان میں بہت سی آوازوں کا شور گونجنے لگا۔ "یہ سب اسلام دشمن ہیں۔ انہیں بدترین سزا دی جائے۔"

فوجی سالاروں سے لے کر ایک عام سپاہی تک ہر شخص نے اپنا ردعمل ظاہر کر دیا تھا۔

"میرے خط کے جواب میں والیٔ موصل عزالدین مسعود نے تحریر کیا ہے کہ وہ اپنی سیاسی ضرورتوں کے تحت شاہ آرمینیا سے کیا ہوا فوجی معاہدہ نہیں توڑ سکتے۔" مختصر سے سکوت کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی دوبارہ اپنے سپاہیوں سے مخاطب ہوا۔ "مجھے عزالدین مسعود کے اس جواب سے شدید مایوسی ہوئی۔ شاید ہی اہلِ ایمان پر اتنا کڑا وقت آیا ہو کہ ہم مسلمان اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر بھی ایک صف میں کھڑے نہیں ہوسکتے۔ تم لوگ گواہ ہو کہ میں کئی بار اتمام حجت کر چکا۔ مجھے اپنی اس غلطی کا اعتراف ہے کہ میں نے ان لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے کام لیا جو فطری طور پر بے رحم اور ناقابل اصلاح تھے۔ حق تعالیٰ میری ان کوتاہیوں اور غلطیوں کو معاف فرمائے۔ آج میں اپنے جانبازوں پر یہ حقیقت واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ وہ اس معرکہ آرائی میں بالکل تنہا ہیں۔ خدا وہ وقت نہ لائے کہ اس شدید آزمائش کے مرحلے میں ہمارے کچھ حلیف بھی ساتھ چھوڑ جائیں۔ یقیناً بدگمانی اچھی چیز نہیں۔ لیکن ماضی کے تجربات کی روشنی میں ہمیں ہر صورتحال کیلئے ہر وقت تیار رہنا چاہئے۔ بس ایک باری تعالیٰ کی ذات ہے۔ جس کا وعدہ سچا ہوتا ہے۔ اور جو کسی بھی حال میں اپنے نام لیواؤں کو تنہا نہیں چھوڑتا۔ ہمارے سامنے ایک دشوار ترین گھاٹی ہے جو زہریلے کانٹوں سے بھری ہوئی ہے۔

ایک خونخوار سمندر ہے جس کی ہر موج ہلاکت خیز ہے۔ ایک طویل صحرا ہے جس کے اندر میٹھے پانی کا کوئی چشمہ نہیں۔ ان تمام خطرناک رکاوٹوں کے پیچھے ہماری منزل مقصود ہے۔ اور ہمیں بہر عنوان اس منزل تک پہنچنا ہے۔ کیونکہ ہم نے اپنے پیدا کرنے والے سے وعدہ کیا ہے کہ ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں۔" یہ کہہ کر سلطان صلاح الدین ایوبی ایک بار پھر خاموش ہوگیا۔ اور طویل و عریض میدان کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاں دور تک اس کے سپاہیوں کے سر ہی سر نظر آرہے تھے۔ اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کھڑے ہوئے نقیب اپنے سلطان کا پیغام سپاہیوں تک پہنچا رہے تھے۔

مختصر سی خاموشی کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میں نہیں جانتا کہ اس منزل تک پہنچنے کیلئے ہمیں کن کن مرحلوں سے گزرنا پڑے گا؟ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ لوگ ساحل پر پہنچ کر ڈوب جاتے ہیں۔ اور مسافر منزل پر پہنچنے کے بعد دم توڑ دیتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ہم محاذ جنگ سے اپنے گھروں کی طرف واپس نہ لوٹ سکیں۔ اور دیار غیر میں ہماری قبریں بن جائیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ آخری بار اپنے اہلِ خانہ، عزیزوں اور دوستوں سے ملاقات کرلو۔ اور میری طرف سے تم لوگوں کو یہ اجازت بھی حاصل ہے کہ جو شخص میرا ساتھ چھوڑنا چاہتا ہے، وہ اسی وقت چلا جائے۔ مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ میں اس سفر میں صرف اسی شخص کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں جو موسم کی ہر سختی کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرے۔ اور آزمائش کی اس جھلسا دینے والی دھوپ میں کسی سائبان کا متلاشی نہ ہو۔" یہ کہہ کر سلطان صلاح الدین ایوبی اس اونچی مسند سے نیچے اتر آیا جس پر کھڑے ہو کر وہ اپنے فوجیوں سے خطاب کر رہا تھا۔ پھر میدان سے نکل کر محل کی طرف چلا گیا۔

سپاہیوں کے ہجوم پر بھی بہت دیر تک گہرے سکوت کی کیفیت طاری رہی۔ ان کا امیر ان کیلئے ایک اہم ترین سوال چھوڑ گیا تھا۔ جس کا جواب ہر فوجی پر قرض تھا۔

......}......☆......{......

فوجیوں سے اس خطاب کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی محل چھوڑ کر قاہرہ کی مرکزی فوجی چھاؤنی میں چلا گیا۔ اور ایک ہفتے تک نئی جنگ کی منصوبہ بندی کرتا رہا۔ اس دوران سلطان کے پاس ایک سپاہی بھی ایسا نہیں آیا جس نے سلطان کی جانثاری سے منہ موڑ کر اپنے گھر جانے کی کوشش کی ہو۔ تمام سپاہی ایک ایک کر کے سلطان صلاح الدین ایوبی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے امیر کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر قسم کھائی کہ وہ کڑی سے کڑی آزمائش کا سامنا کرنے کیلئے تیار ہیں۔

اکثر فوجیوں کی زبانوں پر ایک ہی جیسے کلمات تھے۔ "سلطان محترم! یوں سمجھ لیں کہ ہم اپنے گھروں کو آگ لگا کر آئے ہیں۔ اور ہمارے سارے عزیز و اقارب مر چکے ہیں۔ اب ہم کس کیلئے پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھیں گے۔"

اپنے سپاہیوں کے اس جانثارانہ جذبے اور عہد و پیمان کو دیکھ کر شدت جذبات سے سلطان صلاح الدین ایوبی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور چند لمحوں کیلئے اس کی نظروں کے سامنے تاریخ اسلام کا وہ سنہری ورق ابھر آیا، جب ماضی کے عظیم سالار طارق بن زیاد نے اندلس (اسپین) کے ساحل پر اتر کر اپنی ساری کشتیاں جلا ڈالی تھیں۔ اور سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

''میں نے ان کشتیوں کو اس لئے آگ لگائی ہے کہ تم میں سے کوئی شخص بھی واپسی کا تصور نہ کر سکے۔ اب ہمیں حق تعالیٰ کی تائید کے بھروسے پر آگے ہی بڑھنا ہے۔ وہ بھی ہمارا گھر تھا۔ اور یہ بھی ہمارا گھر ہے۔ بلکہ ہر گوشۂ زمین ہماری ملکیت ہے۔ اس لئے کہ پوری زمین اللہ کی ملکیت ہے۔ اور اس کے اطاعت شعار بندے ہی اس ملکیت کے وارث ہیں۔''

تاریخ اسلام کے اس عظیم الشان اور ناقابل فراموش باب کو اپنے ذہن میں تازہ کر کے سلطان صلاح الدین ایوبی نے ریگستان کے راستے سے جنوب کی طرف کوچ کیا۔ یہ اگست 1183ء کے آخر کا واقعہ ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے لشکر نے ''الغوار'' سے گزر کر دریائے ''اردن'' کو عبور کیا۔ دریا کے کنارے عیسائیوں کا ایک سرسبز و شاداب شہر ''غور'' آباد تھا۔ یہ علاقہ اناج، پھل اور کپاس پیدا کرنے کیلئے مشہور تھا۔ جس سے عیسائیوں کی معیشت کو استحکام ملتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی نئی سیاسی حکمت عملی کے سبب ''غور'' پر ایک بھرپور ضرب لگائی۔ ہری فصلوں کو گھوڑوں کے سموں سے پامال کر ڈالا اور پھلوں سے لدے ہوئے باغات کو آگ لگا دی۔ جس کے شعلے کئی دن تک دور دور دکھائی دیتے رہے۔ اس خوفناک آگ نے قریب کی عیسائی بستیوں میں شدید خوف و ہراس پھیلا دیا تھا۔ اس قہرناک صورتحال کے باوجود اپنے سپاہیوں کیلئے سلطان صلاح الدین ایوبی کی سخت ہدایت تھی کہ کسی شہری کی جان اور عزت و آبرو کو ذرا بھی نقصان نہ پہنچایا جائے۔ نتیجتاً غور کے تمام باشندے سارا ساز و سامان چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ پھر جب کسی مکان میں بھی کوئی مکین موجود نہیں رہا تو والیٔ مصر کے حکم پر مٹی کا تیل چھڑک کر تمام گھروں کو آگ لگا دی گئی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے اس جارحانہ اقدام پر تمام امراء اور سالار حیرت زدہ تھے۔ آخر والیٔ مصر کے چھوٹے بھائی ملک عادل سے خاموش نہ رہا گیا تو اس نے یہ سوال کر ہی ڈالا۔

''سلطان محترم! یہ سب کچھ کیا ہے؟''

''یہ فرینکس کی اس ظالمانہ کارروائی کا جواب ہے جو اس نے دمشق میں روا رکھی تھی۔'' یہ کہتے کہتے سلطان صلاح الدین ایوبی کے چہرے پر شدید نفرت و غضب کا رنگ ابھر آیا۔ ''میں دمشق کے معصوم باشندوں پر ڈھائی جانے والی قیامت کو بھولا نہیں ہوں۔ پھر بھی میں نے کسی عیسائی کو قتل نہیں کیا۔ بس میں اتنا ہی کر سکتا تھا۔ اس سے زیادہ میرے اختیار میں کچھ نہیں۔''

سلطان صلاح الدین ایوبی کا جواب سن کر تمام سالاروں اور امیروں نے اندازہ کر لیا کہ اس بار سلطان کے عزائم کچھ اور ہی ہیں۔

غور کے پورے علاقے کو تباہ و برباد کرنے کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی کا لشکر ''بیسان'' کی طرف بڑھا۔ بیسان غور کی طرح سرسبز و شاداب تو نہیں تھا لیکن پھر بھی یہاں کے رہنے والے عیسائی خوشحال زندگی گزار رہے تھے۔ بیسان کے باشندے غور کی تباہی کا حال سن چکے تھے اس لئے جیسے ہی انہیں یہ خبر ملی کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج بیسان کی طرف بڑھ رہی ہے تو وہ قبل از وقت ہی اپنے گھروں کو چھوڑ کر دوسرے علاقوں کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔

پھر جب مسلمانوں کا لشکر بیسان کی حدود میں داخل ہوا تو وہاں کسی انسان کا سایہ تک نہیں تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے ''بیسان'' کے ساتھ بھی ''غور'' جیسا سلوک کیا۔ والیٔ مصر نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

''اس شہر کو بھی جی بھر کے تاراج کرو۔ یہاں تک کہ اس بستی کو بسانے میں برسوں لگ جائیں۔'' سلطان صلاح الدین ایوبی کے قہر و غضب کی وہی کیفیت تھی جو غور کی تباہی کے وقت اس کے چہرے سے ظاہر ہوئی تھی۔

ہر سپاہی کے ہاتھ کھلے ہوئے تھے۔ نتیجتاً کوئی کھیت، کوئی باغ اور کوئی گھر ان کے غصے کی آگ سے محفوظ نہیں رہا۔ ہر طرف شعلے ہی شعلے اور دھواں ہی دھواں نظر آ رہا تھا۔ پھر جب سلطان صلاح الدین ایوبی کا لشکر بیسان کی حدود سے نکلا تو یہ آباد بستی راکھ اور انگاروں کا ڈھیر نظر آ رہی تھی۔

غور اور بیسان کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی کا لشکر ''وادیٔ جزریل'' میں داخل ہو گیا۔ یہ ایک خوبصورت وادی تھی۔ مگر جزریل کی کوئی جنگی اہمیت نہیں تھی۔ ورنہ یہاں بھی آگ کے شعلے اور دھوئیں کے بادل نظر آتے۔ پھر والیٔ مصر کا لشکر جزریل سے گزر کر ''گلبوا'' کے دامن میں اتر گیا۔ پھر چند میل کا فاصلہ طے کر کے سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے لشکر کو ''چاہ جالوت'' کے قریب خیمہ زن ہونے کا حکم دیا۔

کیفا کا شہزادہ نور الدین نہایت شجاع، ذہین و مدبر جوان تھا۔ اور اس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ہر وقت سلطان صلاح الدین ایوبی اور اس کے مقصد کی تکمیل پر جان دینے کیلئے تیار رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ والیٔ مصر نے شہزادہ نور الدین کو اپنے معتبر امراء کی فہرست میں بہت نمایاں مقام پر رکھا تھا۔ اور اس جنگ میں بھی شہزادہ نور الدین، سلطان صلاح الدین ایوبی کے دوش بدوش لڑ رہا تھا۔

والیٔ مصر کا باقی لشکر ''چاہِ جالوت'' پر خیمہ زن رہ کر آرام کرتا رہا۔ اور کیفا کا شہزادہ نور الدین اپنے تین ہزار سپاہی لے کر آگے بڑھا۔ بظاہر ان سپاہیوں کی تعداد کم تھی۔ مگر جنگی مہارت کے اعتبار سے ہر سپاہی دشمن کے پانچ سپاہیوں کے برابر تھا۔ شہزادہ نور الدین نے ''طبور'' اور ''نظارت'' کی تمام پہاڑیوں کو تاراج کر کے ''فرابیلا'' کو فتح کر لیا۔ فرابیلا عیسائیوں کی ایک مضبوط فوجی چھاؤنی تھی۔ شہزادہ نور الدین کے انتہائی تجربہ کار اور جانباز سپاہیوں نے فرابیلا کی فوجی چھاؤنی میں موجود سیکڑوں صلیبی سپاہیوں کو تہ تیغ کر ڈالا اور باقی فرار ہو گئے۔

شہزادہ نورالدین فرابیلا سے فرار ہونے والے عیسائی سپاہیوں کا تعاقب کر رہا تھا کہ اچانک اس کا سامنا فرینکس کے ایک فوجی دستے سے ہوگیا۔ یہ دستہ ''کرک'' سے ''صفوریہ'' کی مرکزی فوجی چھاؤنی کی طرف جا رہا تھا۔ اس دستے میں فرینکس کا سالار ڈوڈی بھی موجود تھا۔ صلیبی فدائین کے وحشیانہ مظالم نے اس قدر شہرت پائی تھی کہ ایک عام مسلمان بھی ان درندوں کے نام سے واقف تھا۔ اور اپنے دل میں فرینکس کیلئے شدید نفرت و انتقام کا جذبہ رکھتا تھا۔ شہزادہ نورالدین بھی اس حقیقت سے باخبر تھا کہ فرینکس نے سلطان صلاح الدین ایوبی کی غیر موجودگی میں دمشق کے بے گناہ مسلمانوں پر جو قیامت ڈھائی تھی، اسے کوئی حساس اور غیرت مند مسلمان آخری سانس تک فراموش نہیں کر سکتا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ فرینکس کے اس فوجی دستے کو دیکھ کر شہزادہ نورالدین پر جنون کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ پھر اس نے فرینکس پر اس قدر خوفناک حملہ کیا کہ چند صلیبی فدائین ہی مسلمانوں کی خوں آشام شمشیروں سے محفوظ رہ سکے۔ سالار ڈوڈی فرار ہونا چاہتا تھا۔ مگر شہزادہ نورالدین نے تن تنہا سالار ڈوڈی کا تعاقب کیا۔ اور قریب پہنچ کر اس پر کمند پھینکی۔ نتیجتاً سالار ڈوڈی گھوڑے سے گر پڑا۔

''اب تجھے اس بات کی شکایت نہیں ہونی چاہئے کہ تو اکیلا تھا۔ اور میرے بہت سے سپاہی تیرے تعاقب میں تھے۔'' شہزادہ نورالدین اپنے گھوڑے سے اتر کر سالار ڈوڈی کے قریب آیا جو کمند میں پھنسا ہوا زمین پر پڑا تھا۔ ''اور تیری زبان پر یہ حرف شکایت بھی نہیں ہونا چاہئے کہ ایک مسلمان نے تجھے فرار ہونے اور جان بچانے کا موقع نہیں دیا۔ اگر میں چاہتا تو اب تک میرے کئی تیر تیری پشت اور گردن میں پیوست ہو چکے ہوتے۔ اور ممکن تھا کہ تیری روح بھی پرواز کر چکی ہوتی۔ لیکن میں نے حق تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ وہ ذات پاک زندہ حالت میں مجھے تیرے جسم پر تصرف عطا کرے۔ سو میری دعا قبول ہوئی۔ میں نہیں بتا سکتا کہ تجھے اس حال میں دیکھ کر مجھے کیسی مسرت اور لذت محسوس ہو رہی ہے؟''

عیار و شاطر ڈوڈی نے شہزادہ نورالدین پر بھی عیسائیوں کا وہی پرانا حربہ آزمانے کی کوشش کی۔

''اے مرد شجاع! مجھے تیری اعلیٰ ظرفی سے امید ہے کہ تو فدیہ لے کر مجھے آزاد کر دے گا۔'' فرینکس کے سالار ڈوڈی کا لہجہ انتہائی عاجزانہ اور خوشامدانہ تھا۔

ڈوڈی کی بات سن کر شہزادہ نورالدین کچھ سوچنے لگا۔ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر ڈوڈی سمجھا کہ اس کا حریف نرم پڑ گیا ہے۔ اس نے فوراً ہی ایک اور چال چلی۔ ''فدیہ لے کر جنگی قیدیوں کو چھوڑ دینا تو تمہارے مذہب میں بھی جائز ہے۔''

عیاری اور مکاری کا یہ مظاہرہ دیکھ کر کیفا کا حاکم شہزادہ نورالدین طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ ''جب تم جیسے شیطان کسی عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو مذہبی قوانین کا حوالہ دیتے ہیں۔ اپنی جان بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ شاید تجھے یہ نہیں معلوم کہ آنکھ کے بدلے آنکھ، کان کے بدلے کان اور جان کے

بدلے جان لینا بھی اسلامی قانون کے مطابق ہے۔ اور عین انصاف ہے۔''

شہزادہ نورالدین کی بات سن کر فرینکس کا سالار ڈوڈی گھبرا گیا اور بدحواسی کے لہجے میں بولا۔

''میں تمہیں منہ مانگا فدیہ دوں گا۔ اس کے ساتھ ہی وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی مسلمانوں کے مقابل نہیں آؤں گا۔''

''میں نے تیری قوم سے زیادہ کسی دوسری قوم کو وعدہ شکن نہیں پایا۔ اس لئے میرے نزدیک تیرے کسی وعدے اور قسم کی کوئی حیثیت نہیں۔'' یہ کہتے کہتے شہزادہ نورالدین کے چہرے پر شدید نفرت کا رنگ ابھر آیا تھا۔ ''پھر بھی تیری جاں بخشی کی ایک صورت ہو سکتی ہے۔''

''جلدی بتاؤ...... میں تمہاری وہ شرط بھی پوری کرنے کو تیار ہوں۔'' سالار ڈوڈی کسی بھکاری کے انداز میں گڑگڑایا۔

''تو نے جن ہزاروں مسلمانوں کو دمشق میں قتل کیا ہے، اگر ان میں سے کسی ایک کو دوبارہ زندہ کر دے تو میں تجھے آزاد کر سکتا ہوں۔ اور یہ ایک مسلمان کا وعدہ ہے۔''

اپنی رہائی کی شرط سن کر سالار ڈوڈی کا سرخ و سفید چہرہ دھواں ہو گیا۔ اب اسے اپنی موت بہت قریب نظر آرہی تھی۔ پھر بھی اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''یہ تو ممکن نہیں کہ میں کسی مقتول کو دوبارہ زندہ کر سکوں۔''

''تو پھر یہ بھی ممکن نہیں کہ میں فدیہ لے کر تجھے رہا کر دوں۔'' شہزادہ نورالدین غضب ناک ہونے کے بجائے یکایک مسکرانے لگا۔ ''تو مجھے اپنی جان کے فدیئے میں کیا دے گا؟ زیادہ سے زیادہ لاکھ دو لاکھ دینار...... مگر یہ رقم تو بہت کم ہوگی۔ اگر تو دنیا بھر کی دولت بھی میرے قدموں میں ڈھیر کر دے، تب بھی میں تجھے رہائی نہیں بخشوں گا۔''

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی کو مسلسل فتوحات کی خبریں مل رہی تھیں۔ اور وہ شدت کے ساتھ خالق کائنات کا شکر ادا کر رہا تھا۔ مگر جب شہزادہ نورالدین سالار ڈوڈی کو لئے ہوئے سلطان صلاح الدین ایوبی کے خیمے میں داخل ہوا تو والیٔ مصر کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔

حسب عادت سالار ڈوڈی نے سلطان صلاح الدین ایوبی سے اپنی زندگی کی بھیک مانگی۔ مگر والیٔ مصر نے یہ کہہ کر ڈوڈی کی درخواست مسترد کر دی۔ ''کیا تو اپنے سالار آرنس کا انجام بھول گیا تھا۔ اور تجھے اس دن کا کوئی خوف نہیں رہا تھا۔ جب دنیا کا کوئی مجرم قدرت کی گرفت سے محفوظ نہیں رہے گا۔ میں ابھی تجھ سے کوئی وعدہ نہیں کرتا۔ ہو سکتا ہے کہ میں کسی دن تیری رہائی کے احکام بھی جاری کر دوں۔ مگر یہ آزادی سالار آرنس جیسی ہی ہوگی۔''

سلطان صلاح الدین ایوبی کے تیور دیکھ کر سالار ڈوڈی لرز اٹھا۔ اور اسے اپنے پیشرو سالار آرنس کی عبرت ناک حالت یاد آگئی۔

پھر سلطان صلاح الدین ایوبی نے سالار ڈوڈی پر سخت پہرہ بٹھا دیا۔ اور شہزادہ نورالدین پر اپنے انعام واکرام کی بارش کردی۔

فرار ہو جانے والے فرینکس نے یروشلم پہنچ کر سالار ڈوڈی کی گرفتاری اور عیسائی علاقوں کی تباہی و بربادی کا حال گائی آف لسگنن کو سنایا۔ جسے سنتے ہی یہ متعصب ترین عیسائی ہذیانی انداز میں چیخنے لگا۔

''خداوند خدا...... یہ کیسے ممکن ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟''

گائی آف لسگنن نہایت شاطر وعیار اور سیاسی جوڑ توڑ میں مہارت رکھنے والا انسان تھا۔ یروشلم کے کوڑھ زدہ شہنشاہ بالڈون چہارم کی بیماری کے سبب گائی آف لسگنن یروشلم کے نگران اعلیٰ بننے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ مگر طرابلس کے کاؤنٹ ریمنڈ کی قسمت نے زور مارا اور وہ یروشلم پر حکومت کرنے لگا۔ بظاہر گائی آف لسگنن کو شکست ہوگئی تھی۔ لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ اور وہ مسلسل ریمنڈ کی تاک میں لگا ہوا تھا۔ آخر جب کئی بار ریمنڈ کو سلطان صلاح الدین ایوبی کے مقابل شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا تو گائی آف لسگنن کا داؤ چل گیا۔ اس نے اپنی چرب زبانی سے یروشلم کی بوڑھی ملکہ اور شاہی خاندان کے دیگر افراد کو یقین دلا دیا کہ یروشلم کیلئے ریمنڈ کا وجود انتہائی نحس ہے۔ جب سے وہ نگران اعلیٰ مقرر ہوا ہے اسی دن سے سلطان صلاح الدین ایوبی طاقتور ہوتا جا رہا ہے۔ اور عیسائی ریاستیں مسلسل کمزور پڑتی جا رہی ہیں۔

آخر گائی آف لسگنن کی یہ دلیل کام کر گئی۔ اور ریمنڈ کو معزول کر کے ایک دوسرے متعصب عیسائی کو یروشلم کا نگران اعلیٰ مقرر کر دیا گیا۔

اس عظیم منصب پر فائز ہوتے ہی لسگنن نے بیک وقت کئی بری خبریں سنیں جن کے اثر سے کچھ دیر کیلئے اس پر بدحواسی طاری ہوگئی۔ پھر جب لسگنن کی وحشت کم ہوئی تو اس نے بھاگ کر آنے والے فرینکس سے تمام واقعات کی مکمل تفصیلات معلوم کیں۔ فرینکس نے اپنی شکست اور سالار ڈوڈی کی گرفتاری پر پردہ ڈالتے ہوئے گائی آف لسگنن کو بتایا۔ ''اس بار سلطان صلاح الدین ایوبی کے ارادے نہایت خطرناک ہیں۔ وہ بہت بڑے لشکر کے ساتھ عیسائی آبادیوں کو تباہ کرتا ہوا فلسطین کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اگر والئ مصر فلسطین پہنچ گیا تو یروشلم کتنی دور رہ جائے گا؟''

جیسے ہی فرینکس کی بات مکمل ہوئی گائی آف لسگنن کسی درندے کی طرح دھاڑا۔ ''مقدس باپ اور بیٹے کی قسم! چاہے زمین وآسمان ایک ہو جائیں۔ مگر میری زندگی میں تو یہ ممکن نہیں ہے۔''

پھر لسگنن نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اپنے برق رفتار قاصد تمام یورپ کے عیسائی بادشاہوں کی طرف دوڑا دیئے۔ یروشلم کے نگران اعلیٰ نے اپنے خطوط میں بہت مختصر اور ایک جیسی عبارت تحریر کی تھی۔

''خداوند خدا کے نام لیواؤ. اپنے سارے وسائل کے ساتھ یروشلم کی طرف دوڑو۔ بیت المقدس خطرے میں ہے۔ صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے۔ اور ایشیا نے

کوچک سے عیسائیت کا نام ونشان تک مٹا دینے کی قسم کھائی ہے۔''

اگرچہ یہ کھلا جھوٹ تھا لیکن لسگنن جیسا شاطر سیاستداں مبالغہ آرائی سے کام لینے کیلئے پوری عیسائی دنیا میں مشہور تھا۔ اس جھوٹ کے پیچھے اس کی یہ چال بھی پوشیدہ تھی کہ وہ کسی طرح محاذ جنگ پر سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج کو شکست دے دے۔ تاکہ اپنے اقتدار کو طول دینے میں کامیاب ہو جائے۔ اور اس کے سب سے بڑے سیاسی حریف ریمنڈ کی واپسی کے تمام امکانات ختم ہو جائیں۔

گائی آف لسگنن اپنی فوج لے کر یروشلم سے نکلا اور عیسائیوں کی مرکزی چھاؤنی ''صفوریہ'' پہنچ کر ٹھہر گیا۔ یروشلم کی ملکہ اور خاندان شاہی کے دوسرے معزز افراد کو متاثر کرنے کیلئے لسگنن یروشلم سے نکل تو آیا تھا۔ مگر اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ تنہا سلطان صلاح الدین ایوبی کا مقابلہ کر سکے۔ اس لئے صفوریہ میں ٹھہر کر اپنے ان خطوط کے جواب کا انتظار کرنے لگا جو اس نے یورپی حکمرانوں کے نام تحریر کئے تھے۔ تقریباً دو ہفتے کے بعد صلیبیوں کے حمایتی صفوریہ میں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ ان میں یورپ کے کئی بڑے حکمرانوں کے علاوہ تیرہ سو نائٹس (KNIGHTS) بھی شامل تھے۔ نائٹس بھی فرینکس کی طرح عیسائیت کے جانثار تھے۔ ان لوگوں نے کلیسا کی حفاظت کیلئے اپنی جانیں وقف کر دی تھیں۔ ''نائٹس'' کو سیاہ کلیسا۔ اور سیاہ یسوع کے. ناموں سے بھی پکارا جاتا تھا۔ عیسائیوں کی یہ مذہبی عسکری تنظیم بھی فرینکس کی طرح بے رحم اور مسلمانوں کے خون کی پیاسی تھی۔ بعض تاریخی روایات کے مطابق فلسطین کے علاقے میں اتنا بڑا فوجی اجتماع پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ عیسائی سپاہیوں کی تعداد پچیس ہزار سے بھی زیادہ تھی۔ اطالوی سوداگروں نے جب مقدس جنگ کا نام سنا تو وہ بھی مذہبی جوش جذبات میں صفوریہ پہنچ گئے۔ وینس، جنیوا اور لمبارڈی کے باشندے بھی ان عیسائی تاجروں کے ساتھ تھے۔ اس طرح صلیبیوں کی تعداد تیس اور چالیس ہزار کے درمیان پہنچ گئی تھی۔ پھر جب یروشلم کے نگران اعلیٰ گائی آف لسگنن نے ہر طرح صورتحال کا جائزہ لے لیا۔ اور اسے یقین آ گیا کہ اپنی کثرت تعداد کے سبب عیسائی فوجی مسلمانوں پر غالب رہیں گے تو اس نے صفوریہ سے کوچ کیا۔ اور نظارت کی پہاڑیاں عبور کر کے ''ایسڈریلان'' کے میدان میں پہنچا۔ راستے میں صلیبیوں کی فوج کو کسی قسم کی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اس لئے وہ یلغار کے انداز میں آگے بڑھتی ہی چلی گئی۔ پھر جب لسگنن ''الغولا'' کے قریب پہنچا تو اسے چاہِ جالوت پر سلطان صلاح الدین ایوبی کا لشکر خیمہ زن نظر آیا۔ لسگنن نے جالوت کے عین مقابل ''توبانیا'' کے مقام پر ڈیرے ڈال دیئے۔ دونوں لشکروں کے درمیان مشکل سے ایک میل کا فاصلہ ہوگا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کا خیال تھا کہ عیسائی فوج مدافعانہ جنگ لڑنے کے بجائے یلغار کرے گی۔ مگر خلاف توقع اس نے کوئی نقل وحرکت نہیں کی۔ صلیبیوں کی اس خاموشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سلطان صلاح الدین ایوبی نے آگے بڑھ کر اس میدانی راستے پر قبضہ کر لیا جہاں سے عیسائی فوج کو رسد پہنچنے کے امکانات تھے۔

اطالوی سوداگر اپنے جہاز ساحل پر چھوڑ کر "مقدس جنگ" میں شرکت کرنے کیلئے آنکھیں بند کر کے چلے آئے تھے۔ اور انہوں نے اس بات کا اندازہ نہیں کیا تھا کہ اگر جنگ طول کھینچ گئی تو غذائی صورتحال کیا ہوگی؟

آخر اطالوی سوداگروں اور دوسرے عیسائی مسافروں کی جذباتیت اور عاقبت نااندیشی رنگ لائی۔ یہ اکتوبر 1183ء کے وسط کا زمانہ تھا اور بہت جلد اس علاقے میں برسات کا موسم شروع ہونے والا تھا۔ پھر جب اطالوی سوداگروں کو غذائی قلت کا سامنا ہوا تو انہوں نے اس جنگ کے قائد گائی آف لسکنن سے اس مشکل کو دور کرنے کا مطالبہ کیا۔ یروشلم کے نگران اعلیٰ نے انہیں دلاسا دیا کہ بہت جلد سامان رسد پہنچ جائے گا۔ مگر یہ لسکنن کی خام خیالی اور ناقص جنگی منصوبہ بندی تھی۔ عیسائی فوج تک سامان رسد پہنچانے والے علاقے پر سلطان صلاح الدین ایوبی کا مکمل قبضہ تھا۔ پھر یہ سنگین مسئلہ کس طرح حل ہوتا۔ آخر عیسائی فوجیوں کو فاقوں کی نوبت آ گئی۔ اس نازک صورتحال سے گھبرا کر اطالوی سوداگروں نے صلیبیوں کا ساتھ چھوڑنا شروع کر دیا۔ اس سے عیسائی فوج میں بددلی اور بیزاری پھیلنے لگی۔ آخر کئی سالاروں نے شدید جھنجلاہٹ میں لسکنن سے کہا۔

"آخر صلاح الدین ایوبی کے لشکر پر حملہ کرنے میں کیا قباحت ہے؟ ہم اتنے دن سے کس بات کا انتظار کر رہے ہیں؟"

"کیا ہم اتنا طویل سفر طے کر کے صرف تماشا دیکھنے کیلئے آئے تھے؟" سیزریا کے حاکم ہنری ڈیوک نے انتہائی ناگوار لہجے میں کہا۔

"میں صلاح الدین ایوبی کی طرف سے حملے کا منتظر ہوں۔" لسکنن نے اس طرح ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا جیسے وہ بہت بڑا ماہر جنگ ہو۔ "اس جنگ میں جو پہل کرے گا، شکست اسی کا مقدر بنے گی۔"

"صلاح الدین تو جنگ کا آغاز کر چکا۔" سیڈون کے بادشاہ جوسلین نے انتہائی سخت لہجے میں لسکنن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اور وہ جنگ جیت بھی چکا۔"

"یہ تم کس طرح کہہ سکتے ہو؟" یروشلم کے نگران اعلیٰ کا لہجہ بھی سخت تھا۔ "ابھی ہمارا ایک سپاہی بھی اپنے خون میں نہیں نہایا ہے۔ اور تم دشمن کی فتح کا اعلان کر رہے ہو؟"

"ہمارے سپاہیوں کو خون میں نہانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔" لسکنن کا احمقانہ جواب سن کر سیڈون کا حاکم جوسلین بری طرح مشتعل ہو گیا۔ "کچھ دن بعد بھوک خود ہی ہمارے فوجیوں کا گلا گھونٹ کر مار ڈالے گی۔"

پھر بات یہاں تک بڑھی کہ جوسلین نے یروشلم کے نگران اعلیٰ کو نااہل ثابت کرتے ہوئے کہا۔
"جس شخص کو محاذ جنگ کے بارے میں اتنی سی بھی معلومات نہیں کہ اس کی فوج کیلئے سامان رسد کس راستے سے آئے گا، وہ کس طرح جنگ لڑ سکتا ہے؟ ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ ہم ایک ناکارہ اور بے عقل

سالار کی آواز پر اپنی جانیں گنوا دینے کیلئے چلے آئے ہیں۔" یہ کہہ کر جوسلین اپنے پانچ ہزار سپاہیوں کے ساتھ میدان جنگ چھوڑ کر چلا گیا۔

جوسلین کے جاتے ہی دوسرے عیسائی حکمران بھی اپنے اپنے سپاہیوں کو لے کر واپس جانے لگے۔ یہاں تک کہ گائی آف لسکنن یروشلم کے دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ تنہا رہ گیا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے عیسائی فوجیوں کی واپسی کا یہ منظر دیکھا تو اپنے تیر انداز دستے کو آگے بڑھ کر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ پھر جیسے ہی مسلمان تیر انداز اپنی کمانیں کھینچ کر آگے بڑھے تو بزدل لسکنن اپنے فوجیوں کے ہمراہ میدان جنگ سے فرار ہو گیا۔

ایک انگریز مورخ آرچر نے اس واقعے کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ کیسا عجیب وقت تھا کہ جب الغولا کے میدان میں چالیس ہزار صلیبی اس دعوے کے ساتھ جمع ہوئے تھے کہ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا نام ونشان تک مٹا ڈالیں گے۔ مگر آسمان کی آنکھ نے جو منظر دیکھا وہ اس طرح تھا کہ چالیس ہزار صلیبی ندامت کے پسینے میں نہائے ہوئے، جھکے ہوئے سروں کے ساتھ میدان جنگ سے ناکام ونامراد جا رہے تھے۔

......}......☆......{......

اس جنگ کا کوئی فیصلہ کن نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ پھر بھی عیسائیوں کے کئی سرسبز وشاداب علاقے تباہ وبرباد ہو گئے اور صلیبیوں کو شدید مالی نقصانات کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسری طرف سلطان صلاح الدین ایوبی کو نمایاں کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ ایک یہ کہ صلیبیوں کے دلوں پر والیٔ مصر کی دھاک بیٹھ گئی۔ دوسرے ایک ہزار کے قریب فرینکس قتل ہوئے۔ اور ان کا سالار ڈوڈی سلطان صلاح الدین ایوبی کی قید میں آ گیا۔ لسکنن نے یروشلم پہنچ کر اپنا ایک سفیر دمشق بھیجا۔ اور فرینکس کے سالار ڈوڈی کی رہائی کیلئے منہ مانگی رقم بطور فدیہ دینے کی پیشکش کی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے یروشلم کے نگران اعلیٰ کی اس درخواست کو بہت سختی کے ساتھ مسترد کرتے ہوئے کہا۔ "ڈوڈی کے معاملے پر نہ کوئی سودے بازی ہو سکتی ہے، نہ کسی قسم کی مصالحت۔ اور آئندہ اس معاملے میں کوئی بھی مراسلت میرے لئے ناقابل برداشت ہوگی۔"

یروشلم کا سفیر واپس گیا تو شاہ آرمینیا رہوپن کا قاصد سالار ڈوڈی کے سلسلے میں اسی قسم کی پیشکش لے کر دمشق پہنچا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے آرمینیا کے سفیر کو بھی اتنا ہی سخت جواب دیا۔

"ڈوڈی کا خیال اپنے دل سے نکال دو۔ وہ مر چکا ہے۔ اور ایک مردہ انسان پر گفتگو کرنا دانشمندوں کا فعل نہیں۔"

عیسائی سفیروں کو اس قسم کے جوابات دے کر دراصل سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے شدید غصے اور نفرت کا اظہار کیا تھا۔ ورنہ صورتحال یہ تھی کہ فرینکس کا سالار ڈوڈی زندہ تھا اور اس کے کمرے پر سخت حفاظتی پہرہ لگا ہوا تھا۔ والیٔ مصر دن میں ایک بار ضرور اس کے کمرے میں جاتا تھا۔ اور سلطان

کے سامنے سالار ڈوڈی کے جسم پر دس کوڑے لگائے جاتے تھے۔ جب ڈوڈی کوڑے کی ہر ضرب پر کسی ذبح ہونے والے جانور کی طرح چیختا تھا تو سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہونٹوں پر ایک آسودہ مسکراہٹ ابھر آتی تھی۔ اور وہ فرینکس کے سالار سے مخاطب ہو کر کہتا تھا۔ ”تیری چیخیں ان بے گناہ اور مجبور مسلمانوں کی چیخوں کا معاوضہ نہیں جو دمشق کے نواحی علاقوں میں تیرے ہاتھوں قتل کیے گئے۔ میں تو تجھے صرف اس لئے چیختا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں کہ اپنی مقتول دینی بھائیوں کی چیخوں کو اس وقت تک یاد رکھ سکوں جب تک ایک ایک فرینکس میرے سپاہیوں کے ہاتھوں قتل نہ ہو جائے۔“

......}......☆......{......

ذاتی طور پر سلطان صلاح الدین ایوبی ایک انتہائی فراخدل، اعلیٰ ظرف اور دشمنوں کے ساتھ بھی صلۂ رحمی کرنے والا انسان تھا۔ لیکن اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مسلمانوں کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں وہ ایک آہنی چٹان سے بھی زیادہ سخت تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ”معرکہ الغولا“ سے فارغ ہونے کے بعد اکتوبر 1183ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم ریجنالڈ کو اس کے ناقابل معافی گناہ کی سزا دینے کیلئے کرک کی طرف بڑھا۔ والیٔ مصر کی فوجوں نے کرک کے نواحی علاقے بڑی آسانی سے فتح کر لئے۔ یہاں تک کہ شہر پر بھی سلطانی فوج کا قبضہ ہو گیا۔ لیکن ریجنالڈ اور اس کے لشکر نے فرار ہو کر قلعے میں پناہ لی۔ اور دروازے بند کر لئے۔ کرک کا قلعہ اپنی مضبوطی کے باعث ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے سات منجنیقیں نصب کر کے ایک مہینے تک سنگ باری کرائی۔ مگر کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ قلعے کی مضبوط فصیلوں میں اتنا شگاف بھی نہ پڑ سکا کہ اس سے گزر کر ایک سپاہی بھی قلعے کے اندر داخل ہو سکتا۔ محاصرہ طول پکڑ جانے کے سبب دوسرے عیسائی حکمرانوں کو اتنا موقع مل گیا کہ وہ ریجنالڈ کی مدد کیلئے اپنی فوجیں روانہ کر سکیں۔ مجبوراً سلطان صلاح الدین ایوبی محاصرہ اٹھا کر واپس جانے لگا۔ مگر پھر بھی چلتے چلتے والیٔ مصر نے غائبانہ طور پر والیٔ کرک ریجنالڈ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”اے دنیا کے سب سے زیادہ لعنت زدہ انسان! میں دوبارہ آؤں گا۔ اور اس وقت تک آتا رہوں گا جب تک کہ حق تعالیٰ مجھے میری قسم پوری کرنے کی توفیق عطا نہیں فرما دیتا۔“ اور سلطان صلاح الدین ایوبی کی قسم یہ تھی کہ وہ اپنے ہاتھ سے ریجنالڈ کو قتل کرے گا۔

......}......☆......{......

کرک سے واپسی کے فوراً بعد سیاست نے ایک اور نئی کروٹ لی۔ اربل کا حکمراں بدرالدین اور الجزیرہ کا حاکم سنجر شاہ، سلطان صلاح الدین ایوبی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور دونوں نے والیٔ مصر کی اطاعت قبول کر لی۔ سنجر شاہ والیٔ موصل عزالدین مسعود کا حقیقی بھانجا تھا۔ جب عزالدین مسعود کو یہ خبر ملی تو اس نے سنجر شاہ کو تنہائی میں طلب کر کے بری طرح ڈانٹا۔ اور سلطان صلاح الدین ایوبی کے حلقۂ وفاداری سے نکل جانے کیلئے کہا۔ مگر سنجر شاہ نے ماموں کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اور یہ کہہ کر چلا گیا۔ ”سلطان صلاح الدین ایوبی معمار ملت ہیں۔ ان کا ساتھ دینے ہی میں ہم سب کی

عافیت ہے۔“

عزالدین مسعود نے اس وقت تو اپنے بھانجے کو کچھ نہیں کہا لیکن اربل کے حکمراں بدرالدین کو سخت سزا دینے کا فیصلہ کر لیا۔

بدرالدین نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اپنے برق رفتار قاصد کو دمشق روانہ کیا اور صلاح الدین ایوبی سے مدد کی درخواست کی۔

سلطان نے 15/اپریل 1185ء کو بیرا کے مقام پر دریائے فرات عبور کیا۔ یہاں صلاح الدین ایوبی کا معتبر اور جانباز حلیف کوکبری بھی اس سے آملا۔ ”راس العین“ کے مقام پر صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں نے خبر دی کہ مشرقی علاقے کے تمام حکمراں عزالدین مسعود کو فوجی امداد پہنچانے کیلئے متحد ہو گئے ہیں۔ مگر سلطان نے اس اہم ترین خبر کو ایک انتہائی معمولی بات سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔ اور اپنی فوج کے ساتھ ”مریدین“ کی پہاڑی کے دامن سے گزرتا ہوا ”دوعیسر“ جا پہنچا۔ یہ اس کے حلیف کا علاقہ تھا۔ نتیجتاً یہاں کی فوج بھی سلطان کے ہمراہ ہو گئی۔ پھر جون 1185ء کے وسط میں سلطان موصل کے نواحی علاقے میں پہنچ گیا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کی آمد کی خبر سن کر والیٔ موصل عزالدین مسعود بدحواس ہو گیا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ سلطان اس حد تک بھی قدم اٹھا سکتا ہے۔ والیٔ موصل میں صلاح الدین ایوبی سے جنگ کرنے کی نہ تو ہمت تھی، نہ صلاحیت۔ مجبوراً اس نے اپنی بوڑھی والدہ اور دو بیویوں کو صلح کی درخواست دے کر سلطان صلاح الدین ایوبی کی خدمت میں بھیجا۔ بادشاہوں کی طویل تاریخ میں شاذ و نادر ہی ایسے واقعات پیش آئے ہوں گے، جب مردوں کے بجائے عورتوں نے سفارت کے فرائض انجام دیئے ہوں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے خاندان زنگی کی معزز خواتین کا بے حد احترام کیا۔ لیکن صلح کے معاملے میں کوئی بات نہیں کی۔ مجبوراً وہ خواتین واپس چلی آئیں۔ اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایک بار پھر موصل کا محاصرہ کر لیا۔

موصل کا شمار مضبوط ترین قلعوں میں ہوتا تھا۔ اس لئے صلاح الدین ایوبی شدید سنگ باری کے باوجود اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ دوسرے برسات کا موسم بھی شروع ہو چکا تھا۔ مجبوراً والیٔ مصر محاصرہ اٹھا کر ”دیار بکر“ چلا گیا۔

پھر برسات کا موسم ختم ہوتے ہی اگست کے آخر میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے واپس آکر دوبارہ موصل کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت اس علاقے میں شدید ترین گرمی پڑ رہی تھی۔ جس کے اثر سے صلاح الدین ایوبی سخت بیمار ہو گیا۔ والیٔ مصر کو تیز بخار نے گھیر لیا تھا۔ عام دوائیں استعمال کی گئیں۔ مگر کئی دن تک بخار میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ آخر سالاروں نے تبدیلی آب و ہوا کا مشورہ دیتے ہوئے ”حران“ جانے کا مشورہ دیا۔ حران سلطان صلاح الدین ایوبی کے قابل اعتماد حلیف اور دوست کوکبری کا علاقہ تھا۔ وہاں سلطان کو آرام و سکون کے ساتھ بہتر طبی سہولتیں بھی میسر آسکتی تھیں۔ ایک ہفتے کے بخار نے صلاح الدین ایوبی کو ڈھا کر رکھ دیا تھا۔ اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو

بستر پر اٹھ کر بیٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔ مگر حق تعالیٰ نے صلاح الدین ایوبی کو غیر معمولی ہمت اور قوت ارادی عطا کی تھی۔ جب وہ حران جانے کیلئے بستر سے اٹھا تو ضعف ونقاہت سے اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ سلطان کی یہ حالت دیکھ کر کوکبری اور دو سالار اسے سہارا دینے کیلئے آگے بڑھے۔ مگر سلطان کی غیرت وشجاعت نے اسے گوارا نہیں کیا۔

"مجھے چھوڑ دو۔" سلطان صلاح الدین ایوبی نے تیز لہجے میں کہا۔ اور دونوں سالاروں کے ہاتھوں کو الگ کر دیا۔ جو اس کے بازو تھامے ہوئے تھے۔ "میں بفضل اللہ اپنے قدموں پر چل سکتا ہوں۔"

سالاروں نے مجبوراً سلطان کے دونوں بازو چھوڑ دیئے۔ تمام لوگ والیٔ مصر کی اس عادت سے واقف تھے کہ وہ مشاورت کو پسند کرتا تھا۔ مگر جب کسی کام کا ارادہ کر لیتا تھا تو اسے پورا کئے بغیر نہیں چھوڑتا تھا۔ چاہے اس کام کو انجام دینے میں اس کی جان ہی کیوں نہ چلی جاتی۔ پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ والیٔ مصر لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ اپنے گھوڑے تک پہنچا اور آہستہ آہستہ اس کی پشت پر سوار ہو گیا۔ یہ منظر دیکھ کر بعض سالاروں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بیماری نے سلطان کو اس قدر تھکا ڈالا تھا کہ گھوڑے پر سوار ہوتے وقت اس نے انتہائی سست روی کا مظاہرہ کیا۔ ورنہ آج سے پہلے صلاح الدین ایوبی ایک ایسا شہسوار تھا جو ہمیشہ اچھل کر گھوڑے کی پشت پر سوار ہوتا تھا۔ اور اسی صفت نے سلطان کو چوگان کا سب سے بڑا کھلاڑی بنایا تھا اور آج وہی عظیم شہسوار بہ مشکل اپنے گھوڑے کی لگامیں پکڑے "حران" کی طرف جا رہا تھا۔

اگرچہ سالاروں نے صلاح الدین ایوبی کی ضد کے آگے اپنے سر خم کر دیئے تھے۔ لیکن پھر بھی سلطان کو گھیرے میں لئے ہوئے چل رہے تھے۔ انہیں اندیشہ تھا کہ کسی بھی وقت سلطان کے ہاتھ سے گھوڑے کی لگامیں چھوٹ سکتی ہیں۔ مگر صلاح الدین ایوبی نے بے پناہ استقامت کا مظاہرہ کیا۔ کئی بار اس کے ہاتھ کانپے۔ لیکن گھوڑے کی لگامیں نہیں چھوٹیں۔ آخر طویل فاصلہ طے کر کے اپنے دوست کوکبری کے محل میں پہنچا اور بستر پر لیٹتے ہی بے ہوش ہو گیا۔

والیٔ حران کوکبری نے اپنی سلطنت کے تمام ماہر طبیبوں کو محل میں طلب کر لیا۔ ہر طبیب نے اپنی تشخیصی صلاحیت اور دوا آزما کر دیکھ لی۔ مگر سلطان صلاح الدین ایوبی کے مرض میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ حران کے تمام طبیبوں نے بیک زبان اعتراف کر لیا کہ ان کیلئے سلطان کی بیماری ناقابل فہم ہے۔ دوسرے الفاظ میں طبیبوں نے اس طرف ایک مبہم سا اشارہ کر دیا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کو کوئی لاعلاج مرض لاحق ہے۔

طبیبوں کی رائے سن کر والیٔ حران کوکبری گھبرا گیا اور اس نے ایک برق رفتار قاصد حلب کی طرف روانہ کیا۔ جہاں سلطان کا چھوٹا بھائی ملک عادل موجود تھا۔ ملک عادل کو بڑی رازداری کے ساتھ سلطان کی علالت کی خبر دی گئی۔ ملک عادل فوراً ہی حلب کے سب سے بڑے طبیب رازی کو لے کر تنہا حران کی طرف روانہ ہوا۔

اگرچہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی بیماری کو چھپانے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کی گئی تھی۔ لیکن پھر بھی

یہ افواہ عام ہو گئی کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا انتقال ہو گیا ہے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کے انتقال کی افواہ عام ہوتے ہی ہر طرف ایک ہلچل سی مچ گئی۔ ایشیائے کوچک کی صلیبی ریاستوں کے علاوہ پوری عیسائی دنیا میں ایک جشن کا سا سماں تھا۔ یروشلم کے عیسائی بیت المقدس میں جمع ہو کر اپنی بے پناہ مسرت کا اظہار کر رہے تھے۔ بے شمار صلیبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر مبارک کو آ کر بوسہ دیتے اور پھر بڑے والہانہ انداز میں چیخنے کے سے انداز میں کہتے۔

"مقدس بیٹے! تیرا نام سدا بلند رہے...... تیری دعاؤں سے خداوندِ خدا نے عیسائیت کے سب سے بڑے دشمن صلاح الدین ایوبی کو اُس کے انجام تک پہنچا دیا۔ تیرے ماننے والوں پر ہمیشہ اسی طرح تیری رحمت سایہ فگن رہے۔"

یہ تو صلاح الدین ایوبی کی موت کی خبر پر عام عیسائیوں کے تاثرات تھے۔ اس کے برعکس یروشلم کے محل میں ہنگامۂ کیف وطرب جاری تھا۔ تمام امراء اور شاہی خاندان کے تمام افراد شراب کے نشے میں غرق تھے۔ اور سیم تن رقاصاؤں کے ہوش ربا رقص سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

دوسری طرف مسلم ریاستیں بھی جشن طرب منانے میں صلیبیوں سے کسی طرح کم نہیں تھیں۔ والیٔ سنجار عماد الدین جو سلطان صلاح الدین ایوبی کا نگراں کارندہ تھا، سلطان کی موت کی خبر سنتے ہی خوشی سے چیخ اٹھا تھا۔ "آج اللہ کی عدالت میں میرے مقدمے کا فیصلہ ہو گیا اور ایک غاصب سب کچھ یہیں چھوڑ کر دنیا سے ناکام ونامراد چلا گیا۔" عماد الدین سلطان نور الدین محمود زنگی کا حقیقی بھتیجا تھا اور والیٔ موصل عز الدین مسعود کا چھوٹا بھائی...... زنگی خاندان کا ہر فرد سلطان صلاح الدین ایوبی کو "غاصب سلطنت" کہہ کر پکارتا تھا۔ پھر جب حلب کے محاذ پر عماد الدین نے والیٔ مصر سے بدترین شکست کھائی تو عماد الدین نے صلاح الدین ایوبی کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے اور اُس کی حاکمیت قبول کرنے پر رضامند ہو گیا۔ پھر جب اُس نے صلاح الدین ایوبی کی وفات کی خبر سنی تو فرطِ مسرت سے وارفتہ ہو گیا۔ اور ہذیانی انداز میں چیخنے لگا...... "اب میں آزاد ہوں۔"

اپنے چھوٹے بھائی سے زیادہ والیٔ موصل عز الدین مسعود خوش تھا۔ اُس نے سلطان صلاح الدین ایوبی کی موت کی خبر سن کر بے اختیار کہا تھا...... "اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ زہریلا کانٹا ہمیشہ کے لیے میرے راستے سے دور ہو گیا۔"

سلطان صلاح الدین ایوبی کے انتقال کی خبر پر یہ تو دشمنوں کے جذبات تھے۔ خود اُس کے اپنے عزیز واقارب اور دوستوں کا یہ حال تھا کہ وہ سلطان کی جانشینی کے خواب دیکھنے لگے تھے۔ اور "سلطنت ایوبی" کی تقسیم کے منصوبے بنا رہے تھے۔ پھر جب اس افواہ کی تردید ہو گئی کہ سلطان صلاح الدین ایوبی شدید بیمار ہے۔ اور ابھی فرشتۂ اجل نے اُس کی سانس غصب نہیں کی ہیں تو سارے دشمنوں اور دوستوں کے جذبوں پر اوس پڑ گئی۔ یروشلم کے عیسائی دوبارہ بیت المقدس میں جمع ہوئے اور سلطان صلاح الدین ایوبی کا نام لے کر دعائیں مانگنے لگے۔ "خداوندِ خدا...... یہ مردے

میں جان کیسے پڑ گئی؟ تجھے تیرے مقدس بیٹے کا واسطہ، اپنی اس زمین کو عیسائیت کے دشمنوں سے پاک کر دے۔"

والیٔ موصل عزالدین مسعود اور والیٔ سنجار عمادالدین کا بھی یہی حال تھا۔ وہ دونوں بھی اپنے خدا سے یہی شکوہ کر رہے تھے کہ اس غاصبِ سلطان کو اتنی مہلت کیوں دی ہے۔ جلد از جلد اُس کی سانسوں کا سلسلہ منقطع کر دے۔

اِدھر دشمنوں میں والیٔ مصر کی موت کی دعائیں کی جا رہی تھیں۔ دوستوں اور عزیزوں میں سلطنت کی تقسیم اور وراثت کے جھگڑے کھڑے ہو گئے تھے۔ اور اُدھر سلطان صلاح الدین ایوبی موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اسلامی ریاستوں کے تمام ماہر طبیب "حران" میں جمع تھے۔ اور اب تک بدل بدل کر سینکڑوں دوائیں دی جا چکی تھیں۔ مگر بخار ابھی تک نہیں اُترا تھا۔ بس اتنا فرق آیا تھا کہ یہ بخار ہلکا ہو گیا تھا۔ سلطان گھنٹوں بے ہوشی کے عالم میں پڑا رہتا۔ پھر جب ہوش میں آتا تو اپنے تیمارداروں سے کہتا کہ وہ اُسے اُٹھا کر بستر پر بٹھائیں۔ پھر جب سلطان کو کوئی آدمی اٹھا کر بٹھاتے تو وہ چند لمحوں سے زیادہ نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ مجبوراً اُسے دوبارہ لٹا دیا جاتا۔ نقاہت کا یہ عالم تھا کہ گفتگو کرتے وقت اُس کی آواز اتنی مدھم پڑ جاتی کہ بات سننے والوں کو اپنے کان سلطان کے ہونٹوں سے لگانے پڑتے۔ وہ بہت آہستہ آہستہ باتیں کرتا اور پھر بے ہوش ہو جاتا۔ تمام وفادار و معتبر امرأ، حران کا حاکم کوکبری اور کیفا کا شہزادہ نورالدین سلطان کے سرہانے ہر وقت جمع رہتے تھے۔ کیفا کے شہزادے کو سلطان صلاح الدین ایوبی سے اس قدر محبت تھی کہ وہ تمام امرأ کی موجودگی میں باآوازِ بلند دُعا مانگا کرتا تھا۔

"اے اللہ تو ہر شے پر قادر ہے۔ تو نے ہر ذی روح کی موت کا وقت مقرر فرما دیا ہے۔ اُسے ٹالنے والا کوئی نہیں۔ لیکن تیری ذات بے نیاز ہے۔ تو اپنے حکم کو خود ہی منسوخ کر سکتا ہے۔ ہم گناہ گار اس قابل نہیں کہ تیری بارگاہِ جلال میں کوئی نذر پیش کر سکیں۔ پھر بھی تو رحمان و رحیم ہے، مانگنے والوں کو اپنے در سے خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا۔ سلطان کے بدلے میری جان کا صدقہ قبول فرما لے۔ اور اپنے اس جاں باز سپاہی کو نئی زندگی بخش دے کہ ابھی دنیائے اسلام کو صلاح الدین ایوبی کی شدید ضرورت ہے۔"

کیفا کے شہزادے نورالدین کی دُعا اس قدر اثر انگیز ہوتی کہ وہاں موجود تمام لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے۔

بیماری اس قدر سنگین صورت اختیار کر گئی تھی کہ خود سلطان صلاح الدین ایوبی بھی اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا۔ پھر ایک دن اُس نے اپنے تمام بیٹوں اور بھائیوں کو اُس کمرے میں جمع کیا۔ پھر امرأ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میرے بیٹے جنگجو اور جانباز یقیناً ہیں۔ لیکن کم عمر ہیں۔ اس لیے دنیا کے نشیب و فراز سے بے خبر اور سلطنت کے انتظامی اُمور سے ناواقف ہیں۔ میں انہیں تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ آپ لوگوں نے جس طرح میرے مقصد کی تکمیل میں میرا ہاتھ بٹایا اور عہدِ وفا کو استوار

رکھا۔ اسی طرح میرے بیٹوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کے ساتھ پیش آنا۔ نوعمری اور بشری تقاضوں کے تحت سرزد ہونے والی کوتاہیوں کو نظر انداز کرنا۔" بے انتہا کمزوری کے سبب سلطان صلاح الدین ایوبی کی آواز کانپ رہی تھی۔ اور کبھی کبھی گفتگو کے دوران میں گم بھی ہو جاتی تھی۔

تمام امرأ نے قریب المرگ سلطان کے سامنے اُس کے بیٹوں کے لیے وفاداری کا حلف اُٹھایا۔

پھر سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے بیٹوں سے مخاطب ہوا۔ "یہ میرے وہ جانثار ہیں جنہوں نے آزمائش کی کڑی سے کڑی منزل میں بھی منہ نہیں موڑا۔ اور میرے عظیم مقصد کی تکمیل کے لیے ہمیشہ سربکف رہے۔ تم بھی انہیں اپنا بزرگ، رفیق اور غم گسار سمجھنا۔ ہر مشکل مرحلے میں اِن کے مشوروں پر عمل کرنا۔ مجھے حق تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ میرے یہ دیانت دار ساتھی تمہیں گمراہی سے بچا کر سیدھے راستے پر لے جائیں گے۔"

اس کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے اپنے معتبر امرأ کے ساتھ وفادار رہنے کا حلف اُٹھوایا۔ پھر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے رونے لگا۔ "اے مالک و ملک! اپنے عاجز و گناہ گار بندے صلاح الدین کو معاف فرما کہ وہ تجھ سے اور سلطان عادل سے کئے ہوئے عہد کو پورا نہ کر سکا۔" یہ کہتے کہتے والیٔ مصر کی حالت غیر ہو گئی۔ اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ یہ صورتحال دیکھ کر سلطان کے بیٹے، بھائی اور تمام امرأ رونے لگے۔

فوری طور پر طبیب خاص کو بلایا گیا۔ اُس نے صلاح الدین ایوبی کی نبض دیکھی جو بہت مدھم چل رہی تھی۔ پھر اُس نے مایوسی سے سر کو جنبش دی اور اُس کمرے میں موجود تمام لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "آج کی رات سلطانِ محترم پر بہت بھاری ہے۔"

یہ ایک طبیب کا اندازہ تھا۔ مگر حقیقتاً وہ صلاح الدین ایوبی کی بیماری کی آخری رات تھی۔ سلطان رات بھر بے ہوش رہا مگر اس عالم میں بھی اس کے ہونٹوں کو مسلسل جنبش ہوتی رہی۔ جیسے وہ کچھ کہہ رہا ہو۔ کمرے میں موجود تمام لوگوں نے جھک کر بہت قریب سے سلطان کی بات سننے کی کوشش کی۔ صلاح الدین ایوبی بار بار ایک ہی دعا مانگ رہا تھا۔

"اے اللہ...... ! مجھے تیری بارگاہِ جلال میں حاضر ہوتے ہوئے شرم آتی ہے کہ میں دنیا میں کس لے آیا تھا؟ اور کیا کر کے واپس جا رہا ہوں۔ اے مالک روز جزا...... تیرے سوا میرا دستگیر اور مشکل کشا کون ہے...... اے ارحم الرحمین! میں تجھ سے تیری بے مثال رحمت کا سوال کرتا ہوں۔ مجھے سرِ محشر اس شرمندگی سے بچا لے کہ تیرے سوا کوئی کارساز نہیں۔"

تمام لوگوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور طبیبِ خاص کا ہاتھ سلطان صلاح الدین ایوبی کی نبض پر تھا۔ نبض اسی طرح مدھم رفتار سے چل رہی تھی یہاں تک کہ رات کا سفر تمام ہوا۔ اور اذان فجر سنائی دینے لگی۔ یکایک سلطان صلاح الدین ایوبی نے آنکھیں کھول دیں۔ اور اس کے زرد چہرے پر کسی قدر سکون کے آثار نظر آنے لگے۔ طبیب خاص نے گھبرا کر والیٔ مصر کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر وہ مسرت انگیز حیرت کے ساتھ کمرے میں موجود لوگوں سے مخاطب ہوا۔ "شاید بخار اتر گیا۔"

واقعتاً بخار اتر گیا تھا۔ اور سلطان صلاح الدین ایوبی معجزانہ طور پر موت کے منہ میں جاتے جاتے زندگی کی طرف پلٹ آیا۔ پھر بھی وہ اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ کئی ماہ کی مسلسل نگہداشت کے بعد صرف چلنے پھرنے کے قابل ہو سکا۔

سلطان کی صحت یابی کی خبر اس کے دشمنوں پر برق بن کر ٹوٹی۔ اگرچہ صلاح الدین ایوبی ابھی اس قابل نہیں تھا کہ کسی جنگ میں حصہ لے سکے لیکن تمام حریفوں کو اس کا بخوبی اندازہ تھا کہ مکمل صحت یاب ہوتے ہی ایک بار پھر سلطان ان علاقوں کی طرف ضرور پلٹے گا جن کی شرانگیزیوں نے اسے بار بار ذہنی کرب اور قلبی اذیتیں پہنچائی تھیں۔ صلاح الدین ایوبی کی صحت یابی کی خبر نے سب سے زیادہ والیٔ موصل عزالدین مسعود کو متاثر کیا تھا۔ وہ اس قدر بدحواس تھا کہ اس کی راتوں کی نیندیں حرام ہو گئی تھیں۔ صلاح الدین ایوبی ابھی تک اپنے دوست کوکبری کے یہاں ''حران'' میں مقیم تھا۔ اور جسمانی کمزوری کے باعث طویل سفر طے کر کے اپنے دارالحکومت ''دمشق'' نہیں جا سکتا تھا۔

پھر بھی والیٔ موصل عزالدین مسعود پر اس قدر دہشت طاری تھی کہ اس نے اپنا ایک وفد حران بھیج دیا۔ وہ ہر حال میں صلاح الدین ایوبی سے صلح کرنا چاہتا تھا تاکہ اس کا علاقہ اور زندگی صلاح الدین ایوبی کے جانباز سپاہیوں سے محفوظ رہ سکے۔

مگر اس وقت عزالدین مسعود کی حیرت اور وحشت کی کوئی انتہا نہیں رہی، جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے موصل کے وفد کے ساتھ ملاقات کرنے سے انکار کر دیا۔ عزالدین مسعود والیٔ مصر کے انکار کے پیچھے کوئی اور ہی خوں ریز منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اپنا دوسرا وفد بغداد بھیجا اور خلیفہ سے التجا کی کہ وہ اس کے اور صلاح الدین کے درمیان صلح کرا دے۔

آخر خلیفۂ بغداد کی سفارش اور مداخلت سے سلطان صلاح الدین ایوبی عزالدین مسعود کے وفد سے ملاقات کرنے پر رضامند ہو گیا۔ پھر طویل مذاکرات کے بعد سلطان صلاح الدین اور والیٔ موصل عزالدین مسعود کے درمیان ایک معاہدہ طے پا گیا۔ اس معاہدے کے مطابق پورا شمالی الجزیرہ اور کردستان کا کچھ علاقہ صلاح الدین ایوبی کی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ دریائے فرات اور دجلہ کے درمیان کا تمام علاقہ عزالدین مسعود کے قبضے میں رہنے دیا گیا۔ اب والیٔ موصل سلطان صلاح الدین ایوبی کے ایک معزز کارندے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ عزالدین مسعود نے والیٔ مصر کے اقتدار کو کلی طور پر تسلیم کر لیا تھا اور سلطان کا نام، پڑھے جانے والوں خطبوں اور سکوں میں شامل کر لیا گیا تھا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی اور عزالدین مسعود کے درمیان ہونے والے اس معاہدے نے عیسائی ریاستوں خصوصاً آرمینیا، کرک اور یروشلم کے لیے ایک نیا لمحہ فکریہ پیدا کر دیا تھا۔ ان ریاستوں کی بقاء ہی اس بنیاد پر تھی کہ مسلمان آپس میں لڑتے رہیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی پہلے ہی ایشیائے کوچک کا سب سے بڑا حکمراں بن چکا تھا۔ اب اس نئے معاہدے نے اسے مزید طاقتور بنا دیا تھا۔ سیاسی صورت حال کی اس بڑی تبدیلی نے عیسائی حکمرانوں کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔ بالآخر اسی سلسلے میں عیسائی حکمرانوں کا ایک خفیہ اجلاس یروشلم میں ہوا جس کی صدارت یروشلم کے نگران اعلیٰ

گائی آف سگنن نے کی۔ طویل بحث و مباحثے کے بعد اس اجلاس میں طے پایا کہ فوری طور پر سلطان صلاح الدین ایوبی سے صلح کا معاہدہ کر لیا جائے۔ اور اس کے ساتھ ہی مسلم ریاستوں میں سازشوں کے نئے جال بچھا دیئے جائیں۔ دراصل یہ ایک سیاسی چال تھی کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو بے خبر رکھتے ہوئے نئے انداز میں فوجی تیاریاں کی جائیں۔ اور یورپ کے تمام بادشاہوں سے عسکری امداد لے کر والیٔ مصر پر ایک بھرپور حملہ کیا جائے۔ اور ہمیشہ کے لیے اس کا زور توڑ دیا جائے یا کم سے کم سلطان کو مصر تک محدود کر دیا جائے۔ اجلاس میں شریک ہونے والے تمام عیسائی حکمراں اس حقیقت کا ادراک کر چکے تھے کہ دمشق، حلب، شام اور موصل میں سلطان صلاح الدین ایوبی کی موجودگی صلیبیوں کے لیے نہایت ہی سنگین خطرہ تھی۔ اس موقع پر حضور اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے دنیا کے متعصب ترین عیسائی حکمراں ریجنالڈ نے کہا تھا۔

''ان علاقوں میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے لشکر کی موجودگی ایسی ہی ہے کہ جیسے ہم لوگ اپنی شہ رگ کے قریب ایک تیز اور زہریلا نشتر رکھ کر سو جائیں۔ پھر جب ہم نیند میں کروٹ لیں تو وہ نشتر خود بخود ہماری گردن میں اُتر جائے۔''

کرک کے حاکم ریجنالڈ نے بڑے پتے کی بات کہی تھی جس سے اجلاس میں شریک ہونے والے عیسائی حکمراں نے اتفاق کیا۔ پھر یروشلم کے نگران اعلیٰ گائی آف لسگنن نے اپنا ایک سفیر صلاح الدین ایوبی کے پاس روانہ کیا۔

سلطان اُس وقت اپنے دارالحکومت دمشق میں مقیم تھا۔ اور تقریباً مکمل صحت یاب ہو چکا تھا۔ یروشلم کے نگرانِ اعلیٰ نے صلاح الدین ایوبی کے نام ایک خط تحریر کیا تھا جس کی عبارت حسب ذیل تھی۔

''خون کے دریا اور بہت سی لاشیں دیکھنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جنگ و جدال سے قبرستان تو آباد ہو سکتے ہیں لیکن کوئی سبزہ زار یا دلکش عمارت تعمیر نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم فوری طور پر ایک دوسرے کے وجود کو تسلیم کر لیں۔ اور صلح و آشتی کے سائے میں بے خوف و خطر خوش حال زندگی گزاریں۔''

سلطان صلاح الدین ایوبی نے یروشلم کے سفیر کو عزت و تکریم کے ساتھ دمشق کے محل میں تین دن تک ٹھہرایا۔ اور گائی آف لسگنن کے تحریر کردہ خط کے ایک ایک لفظ پر غور کرتا رہا۔ والیٔ مصر نے عیسائیوں سے اتنے فریب کھائے تھے کہ اس قوم پر سے اُس کا اعتبار ہی اُٹھ گیا تھا۔ ماضی کے تجربات نے اُسے یہ راز اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ جب صلیبیوں پر بُرا وقت پڑتا ہے تو وہ مقابل کے پیروں پر سر رکھ کر زندگی کی بھیک مانگنے لگتے ہیں۔ پھر جب انہیں موقع ملتا ہے تو وہ اپنے اُسی محسن کو جس نے اُن کی جان بخشی تھی، بے دریغ قتل کر دیتے ہیں۔ اپنے مشاہدات کی اسی روشنی میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے اندازہ کر لیا تھا کہ گائی آف لسگنن کی یہ پیش کش بلا سبب نہیں تھی۔ صلیبی صلح کے بہانے بے خبری کے عالم میں اُس سے اپنی گزشتہ شکستوں کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ اِن تلخ حقائق

کے باوجود سلطان صلاح الدین ایوبی نے فراخ دلی سے کام لیتے ہوئے نہایت باوقار انداز میں خط کا جواب تحریر کیا۔

"شاہ یروشلم اور دنیا بھر کے تمام عیسائی حکمرانوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ روئے زمین پر مسلمانوں سے زیادہ صلح پسند کوئی دوسری قوم موجود نہیں ہے۔ میں آپ کی طرف سے پیش کیے جانے والے صلح و آشتی کے اس پیغام کا خیر مقدم کرتا ہوں اور اس کے ساتھ یہ عہد بھی کرتا ہوں کہ میری طرف سے بے سبب کسی عیسائی ریاست پر حملے میں پہل نہیں ہوگی۔ لیکن اگر کسی ایک عیسائی حکمراں کی طرف سے بھی اس معاہدے کی خلاف ورزی کی گئی تو میں نہیں جانتا کہ اس بدعہدی کا کیا انجام ہوگا؟" سلطان صلاح الدین ایوبی نے معاہدے پر اپنی آمادگی ظاہر کرتے ہوئے انتہائی شائستہ لہجے میں یروشلم کے نگرانِ اعلیٰ کو خطرناک دھمکی بھی دے دی تھی۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کا خط پڑھ کر گائی آف لسگنن مسکرایا۔ اُس عیار و شاطر انسان کی مسکراہٹ بڑی معنی خیز تھی۔ پھر یروشلم کا سفیر دوسری بار معاہدے کی دستاویز لے کر دمشق آیا۔ اس معاہدے پر یروشلم کی ملکہ، آرمیلیا کے شاہ رہوپن، والیٔ کرک ریجنالڈ اور حاکم طرابلس ایڈم کی مہریں ثبت تھیں۔ اور یہ معاہدۂ امن چار سال کی مدت کے لیے تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے معاہدے کی ایک ایک شرط اور ایک ایک لفظ کو بہت غور سے پڑھا۔ اور پھر صلح کی اُس دستاویز پر اپنی مہر بھی ثبت کر دی۔ پھر جب یروشلم کا سفیر واپس جانے لگا تو اُس کے چہرے سے خوشی کا گہرا رنگ نمایاں تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے عیسائی سفیر کی اس کیفیت کو محسوس کیا اور خود بھی مسکرانے لگا۔

......}......☆......{......

پھر وہی ہوا جس کا اندازہ صلاح الدین ایوبی بہت پہلے کر چکا تھا۔ سلطان کے جاسوسوں نے اُسے خبر دی کہ یورپ سے آنے والے سپاہی عیسائی ریاستوں میں جمع ہو رہے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی کے لیے یہ خبر غیر متوقع نہیں تھی۔ سلطان نے عیسائی حکمرانوں کے ساتھ کیے جانے والے چار سالہ معاہدۂ امن کے فوراً بعد ہی موصل، سنجار، الجزیرہ، اربیل اور حران کے علاقوں میں نئے سپاہیوں کی بھرتی شروع کر دی تھی۔ اور ایک خفیہ اجلاس میں اِن ریاستوں کے حاکموں اور جاگیرداروں کو جمع کر کے اُن سے واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا۔

"عیسائیوں کی طرف سے صلح اور امن کی یہ پیشکش محض ایک فریب ہے۔ عیسائی حاکموں نے چار سال کی مہلت اس لیے حاصل کی ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف ایک طاقتور ترین فوج جمع کر سکیں۔ اس لیے ہمیں بھی مسلسل جاگتے رہنا چاہیے۔ صلیبی کسی وقت بھی معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ہمارے علاقوں پر شب خون مار سکتے ہیں۔"

سلطان صلاح الدین ایوبی کی اس مختصر تقریر کے بعد اجلاس میں شریک تمام حاکموں اور جاگیرداروں نے حلف اُٹھانے کے انداز میں سلطان کو یقین دلاتے ہوئے کہا۔

"ہماری جانیں اور سارے مادّی وسائل اسلام کے لیے وقف ہیں۔ آپ جب بھی ہمیں پکاریں گے، ہم ایک ہی آواز پر دوڑے چلے آئیں گے۔ اور اُس وقت تک میدان نہیں چھوڑیں گے، جب تک ہمارے اور دشمن کے درمیان آخری فیصلہ نہیں ہو جائے گا۔"

اور پھر وہی ہوا...... ابھی معاہدۂ امن کو ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ دنیا کے متعصب ترین عیسائی اور کرک کے حاکم ریجنالڈ نے پہلی معاہدہ شکنی کی۔ معاہدۂ امن کے زمانے میں مصر اور شام کے درمیان تمام قافلے آزادانہ طور پر آتے جاتے تھے۔ کسی تاجر کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ "بحیرہ مردار" کا قلعہ اُس کے لیے تباہی و بربادی کا سبب بن جائے گا۔ یہ قلعہ ریجنالڈ کی مملکت میں شامل تھا۔ اور اس کا شمار عیسائیوں کی مضبوط چھاؤنیوں میں ہوتا تھا۔ ایک دن مسلمان تاجروں کا ایک بہت بڑا قافلہ اسی راستے سے گزر رہا تھا کہ اچانک "بحیرہ مردار" کے قلعے سے عیسائی فوجیوں کا ایک دستہ نمودار ہوا۔ اور اُس نے قزاقوں کی طرح مسلمان تاجروں کے قافلے پر حملہ کر دیا۔ اس فوجی دستے کی قیادت خود والیٔ کرک ریجنالڈ کر رہا تھا۔ یہ کوئی باقاعدہ جنگ نہیں تھی کہ ریجنالڈ بہ نفسِ نفیس اس جنگ میں شریک ہوتا۔ اگر وہ چاہتا تو اپنے سپاہیوں کو قافلہ لوٹنے کا حکم دیتا۔ اور خود آرام سے بحیرہ مردار کے قلعے میں بیٹھا رہتا۔ لیکن ریجنالڈ فطرتاً صرف ایک جنونی عیسائی ہی نہیں بلکہ نہایت جابر و سفاک انسان بھی تھا۔ پوری عیسائی دنیا میں اُس کے اس قول کو بڑی شہرت حاصل تھی وہ اکثر رقص و سرور کی محفلوں میں باآواز بلند کہا کرتا تھا۔

"بے شک! اس رقاصہ کا رقص بہت دلکش ہے۔ مگر میرے نزدیک دنیا کا سب سے دلکش رقص وہ ہے، جب ایک زخمی مسلمان زمین پر گر کر تڑپتا ہے۔"

ریجنالڈ کا یہ قول بھی بہت مشہور تھا۔ "مجھے شراب پینے سے بھی زیادہ لذت اُس وقت حاصل ہوتی ہے جب میں کسی مسلمانوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرتا ہوں۔ یہی میرا مقدس ترین مذہبی فریضہ ہے۔ اور یہی میری نجات کا راستہ۔"

اپنی اسی بہیمانہ فطرت سے مجبور ہو کر والیٔ کرک ریجنالڈ نے مسلمان تاجروں کے قافلے پر حملہ کر دیا۔ اتفاق سے اسی قافلے کے ساتھ سلطان صلاح الدین ایوبی کی ایک بہن بھی محمل میں سفر کر رہی تھی۔ جب قافلے کے مسافروں نے ریجنالڈ سے رحم کی درخواست کی تو اُس مردود حاکم نے نہایت تحقیر آمیز لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"تم مجھ سے رحم کی بھیک کیوں مانگ رہے ہو؟ تمہارا ایمان تو محمد ﷺ ہے۔ انہیں کو پکارو۔ وہی آکر تمہیں بچائیں گے۔"

پھر جب واپسی میں صلاح الدین ایوبی کی بہن نے اپنے بڑے بھائی کو یہ واقعہ سنایا تو کچھ دیر کے لیے سلطان کی حالت غیر ہو گئی۔ اُس کا چہرہ غصّے سے سرخ ہو گیا، ماتھے کی رگیں اُبھر آئیں اور پورا جسم کانپنے لگا۔ پھر اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور رونے لگا۔ دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے

صلاح الدین ایوبی کی قوت گویائی سلب ہو گئی ہے۔ کچھ دیر بعد جب سلطان کی حالت سنبھلی تو وہ انتہائی رقت آمیز لہجے میں بولا۔

"تو نے سچ کہا رینجنالڈ...... ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کی نسبتِ خاص ہی ہم مسلمانوں کو بچائے گی۔ حق تعالیٰ نے مجھے دوسری زندگی اسی لیے بخشی ہے کہ میں اپنی قسم پوری کر سکوں۔"

......}......☆......{......

پھر صلاح الدین ایوبی نے اپنا دربار آراستہ کیا۔ اپنے امرأ کے سامنے مختصر تقریر کی۔ اور پھر کھڑے ہو کر شمشیر بے نیام کرتے ہوئے پُر جوش نعرہ بلند کیا...... "الجہاد...... الجہاد"......

اپنے سلطان کی تقلید میں تمام امرأ اور فوجی سالار بھی کھڑے ہو گئے۔ اور سب نے اسی طرح اپنی شمشیریں بے نیام کیں اور جوابی نعرہ بلند کیا...... "الجہاد...... الجہاد"...... پورا دربار اہلِ ایمان کی آوازوں سے گونجنے لگا۔

پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے قاصد تمام مسلم ریاستوں کی طرف دوڑ رہے تھے۔ اور اُن کی زبانوں پر بھی صرف "الجہاد...... الجہاد"...... کے الفاظ تھے۔ وہ جس مسلمان بستی سے بھی گزرتے اسی نعرے کا شور سنائی دیتا۔ یہاں تک کہ عام مسلمانوں کے دلوں میں بھی جذبۂ جہاد اس طرح بیدار ہو گیا کہ جیسے بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے۔

پھر الجزیرہ، دیارِ بکر، شام اور مصر کی فوجیں دمشق میں جمع ہونا شروع ہو گئیں۔ اب سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس بارہ ہزار شہ سوار تھے۔ اس کے علاوہ بہت سے رضا کار فی سبیل اللہ فوج میں شامل ہو گئے تھے۔ پھر سلطان نے دمشق کے ایک طویل و عریض میدان میں اپنے سپاہیوں کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا کی۔ اس کے بعد اجتماعی دُعا کی گئی اور پھر سلطان اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ صلاح الدین ایوبی کا معمول تھا کہ وہ نمازِ جمعہ ادا کرنے کے بعد میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوتا تھا۔ یہ 26 رجون 1187ء کا دن تھا، جب سلطان نے صلیبیوں کے خلاف عام جہاد کا آغاز کیا۔

اسلامی لشکر نے پہلا پڑاؤ "اخوداتا" کے مقام پر ڈالا۔ یہاں سلطان کے جاسوسوں نے اُسے اطلاع دی کہ صلیبیوں کی ایک بہت بڑی فوج "صفوریہ" میں جمع ہے اور صلیب کی قسمیں کھائی جا رہی ہیں کہ یہ جنگ اُسی وقت ختم ہوگی جب مسلمانوں کی عسکری قوت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے گا۔

اپنے جاسوسوں کی اس اطلاع پر سلطان صلاح الدین ایوبی نے بلا تاخیر اپنے تمام سالاروں کا اجلاس طلب کر لیا۔ اور جنگی حکمت عملی طے کرنے کے سلسلے میں مشورے ہونے لگے۔ پھر صورتِ حال کا جائزہ لینے کے بعد اس امر پر اتفاق ہو گیا کہ دفاعی تدبیر اختیار کرنے کے بجائے آگے بڑھ کر جارحانہ جنگ کی جائے۔

مجلس شوریٰ کے اس فیصلے کی روشنی میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے لشکر نے یکم جولائی 1187ء کو سنبرا (Sinebra) کے مقام پر دریائے اردن کو عبور کیا۔ پھر سلطان صلاح الدین ایوبی

اپنی فوج "طبریہ" سے چھ میل جنوب مغرب کی سمت "کفار" (KAFAR) کی پہاڑیوں پر لے گیا۔ یہاں سے شہر کی سب سے بڑی شاہراہ صاف نظر آتی تھی۔ پھر اُس نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ نشیب میں اُتر کر "طبریہ" کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔

اسلامی لشکر آندھی کی طرح شہر کی طرف بڑھا اور "طبریہ" کو تاراج کرتا ہوا قلعے پر قابض ہو گیا۔ طبریہ ریمنڈ کا علاقہ تھا۔ جسے یروشلم کی ملکہ نے معزول کر دیا تھا۔ اور اُس کی جگہ گائی آف لسکنن نگراں شہنشاہ بن گیا تھا۔ اگرچہ لسکنن اور ریمنڈ کے درمیان پرانی دشمنی تھی۔ لیکن اس موقع پر دونوں اپنے اختلافات بھلا کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے متحد ہو گئے۔ پھر جب صلاح الدین ایوبی کے لشکر نے طبریہ کو تباہ و برباد کر ڈالا تو ریمنڈ نے گائی آف لسکنن سے مدد کی درخواست کی۔ یروشلم کا نگرانِ اعلیٰ اپنی فوج لے کر برق رفتاری کے ساتھ طبریہ کی طرف بڑھا۔

اس موقع پر صلیبی فدائین "فرینکس" سے بہت بڑی غلطی سرزد ہوئی کہ اُنہوں نے شدتِ جذبات سے مغلوب ہو کر دفاع کرنے کے بجائے آگے بڑھ کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے لشکر پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ریمنڈ نے جو اپنے علاقے کے ایک ایک گوشے سے واقف تھا، فرینکس کے اس فیصلے کی شدید مخالفت کرتے ہوئے کہا۔

"ہماری کامیابی اسی میں ہے کہ ہم اپنے علاقے میں محفوظ مقام پر رہ کر دفاعی تدبیر اختیار کریں۔ اور صلاح الدین ایوبی کے اگلے اقدام کا انتظار کریں۔ اس طرح دشمن کا جنگی منصوبہ بے نقاب ہو جائے۔"

ریمنڈ کا مشورہ انتہائی مدبرانہ تھا۔ مگر سالار ہنری نے اسے بڑی حقارت سے جھڑکتے ہوئے کہا۔ "یہ تمہاری دفاعی حکمت عملی ہی کا نتیجہ ہے کہ اپنا علاقہ طبریہ اتنی خاموشی سے دشمن کے حوالے کر دیا۔" ہنری ٹمپلرز کا سردار تھا۔ اور ٹمپلرز فرینکس کی طرح صلیبی فدائین تھے اُنہوں نے اپنی جانیں کلیسا کے نام وقف کر دی تھیں۔

ریمنڈ کو ٹمپلرز کے سالار ہنری کا یہ تحقیر آمیز لہجہ شدید گراں گزرا تھا۔ مگر وقت کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے وہ خون کا گھونٹ پی کر رہ گیا۔ "مجھے خداوند خدا نے جتنی عقل بخشی ہے، اسی کے مطابق یہ مشورہ دے رہا ہوں کہ اگر تم نے اس بے آب و گیاہ اور چٹیل میدان کو عبور کر کے "طبریہ" پہنچنے کی کوشش کی تو اپنا سب کچھ گنوا بیٹھو گے۔"

ابھی ریمنڈ کی بات مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ "ماسٹر آف ٹمپلرز" (Master of Templars) ہذیانی انداز میں چیخا۔ "تم پوری عیسائیت کے غدار ہو۔ طبریہ پر صلاح الدین ایوبی کی فوج نے قبضہ نہیں کیا ہے۔ بلکہ عیسائیوں کا یہ اہم ترین شہر تم نے خود اُسے ہیرے جواہرات کے طشت میں رکھ کر پیش کیا ہے۔"

ماسٹر آف ٹمپلرز کی اس طعنہ زنی کا بنیادی سبب یہ تھا کہ ایک زمانے میں ریمنڈ سلطان صلاح

الدین ایوبی کی اعلیٰ ظرفی سے اس قدر متاثر ہوا تھا کہ اس نے والیٔ مصر کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہوئے عہد کیا تھا کہ وہ آئندہ سلطان سے جنگ نہیں کرے گا۔ پھر جب گائی آف لسکگن اور ریمنڈ میں اقتدار کی جنگ چھڑ گئی اور ریمنڈ کو یروشلم چھوڑ کر اپنے علاقے طبریہ تک محدود ہونا پڑا تو یہ دشمنی اس قدر طول کھینچ گئی کہ لسکگن طبریہ پر قبضہ کر کے ریمانڈ کو ہمیشہ کے لیے سیاسی پیش منظر سے ہٹا دینا چاہتا تھا۔
جب ریمنڈ کی جان پر بن گئی تو اس نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو اپنی مدد کے لیے پکارا۔ مصری فوج بلا تاخیر طبریہ کے گرد و نواح میں پہنچ گئی۔ اور انتظار کرنے لگی کہ جیسے ہی لسکگن کی فوج ریمنڈ پر حملہ آور ہو، سلطان صلاح الدین ایوبی کا لشکر اسے منہ توڑ جواب دے۔ پھر دوسرے عیسائی حکمرانوں کی مداخلت سے یہ جنگ ٹل گئی اور عارضی طور پر لسکگن اور ریمنڈ میں صلح ہو گئی۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی مشہور ہو گئی تھی کہ اگر ریمنڈ کو پوری عیسائی دنیا کی لعنت وملامت کا خیال نہ ہوتا تو شاید وہ اب تک مسلمان ہو چکا ہوتا۔ ماضی کے ان ہی کچھ واقعات کی بنیاد پر ماسٹر آف ٹمپلرز ہنری نے ریمنڈ کو غداری کا طعنہ دیا تھا۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس تھی۔ ریمنڈ نے پوری استقامت اور سچائی کے ساتھ طبریہ کا دفاع کیا تھا...... مگر اسلامی لشکر کا حملہ اس سیلابی ریلے کی مانند تھا جس کے آگے بڑی بڑی مضبوط چٹانیں بہہ جاتی ہیں۔ البتہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے سپاہیوں کو یہ حکم ضرور دیا تھا کہ اس جنگ میں ریمنڈ اور اس کے خاندان کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ یہ سلطان کے اسی حکم کا نتیجہ تھا کہ ریمنڈ طبریہ کے قلعے سے نکلا اور سلامتی کے ساتھ گائی آف لسکگن کے لشکر سے جاملا۔
ماسٹر آف ٹمپلرز ہنری نے غدار کہہ کر ریمنڈ کو دنیا کی سب سے غلیظ گالی دی تھی۔ اس پر شدید احتجاج کرتے ہوئے ریمنڈ نے گائی آف لسکگن کی طرف دیکھا۔ ''شہنشاہ! آپ سن رہے ہیں؟''
ریمنڈ کے اس احتجاج کے جواب میں یروشلم کے نگرانِ اعلیٰ گائی آف لسکگن نے انتہائی غضب ناک لہجے میں کہا۔ ''میں کچھ نہیں سن رہا ہوں۔ صرف یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم نے طبریہ کو صلاح الدین کے حوالے کر کے ہمیں ایک نئے عذاب میں مبتلا کر دیا ہے۔''
''خداوند خدا کی قسم! میں تو اپنی پوری قوم کو آنے والے نئے عذاب سے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ کچھ دن یہیں ''صفوریہ'' میں ٹھہر کر انتظار کیجیے کہ آئندہ صلاح الدین ایوبی کی حکمت عملی کیا ہو گی؟''
''شہنشاہ! یہ غدار ہمیں پھر فریب دے رہا ہے۔'' ماسٹر آف ٹمپلرز ہنری اب براہ راست ریمنڈ کو گالیاں دے رہا تھا۔ ''مجھے حیرت ہے کہ ملکہ یروشلم نے طبریہ جیسے حساس علاقے کی نگرانی ایک نااہل اور ناکارہ شخص کے سپرد کیوں کی تھی؟''
''ماسٹر! اب اس بحث کا وقت نہیں۔'' گائی آف لسکگن نے ہنری کا غصہ کم کرنے کے لیے انتہائی نرم بلکہ کسی حد تک خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ وہ ''فرینکس'' اور ''ٹمپلرز'' میں سے کسی ایک کی بھی ناراضی مول نہیں لے سکتا تھا کیونکہ اس کے اقتدار کی بنیاد ان ہی دونوں مذہبی فوجی تنظیموں کے کاندھوں پر

رکھی ہوئی تھی۔ مزید یہ کہ ماسٹر آف ٹمپلرز ہنری جنگی نقشے ترتیب دینے اور سپاہیوں کو لڑانے میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔
''شہنشاہ! اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہمارا لشکر جارحانہ انداز میں آگے بڑھے۔ اور طبریہ پر حملہ کر کے صلاح الدین ایوبی کے لشکر کو پسپا ہونے پر مجبور کر دے۔ اگر ہم نے ذرا بھی سستی اور کاہلی سے کام لیتے ہوئے اسلامی لشکر کو مزید آگے بڑھنے کا موقع دیا تو دشمن کو فلسطین پہنچنے تک کوئی نہیں روک سکتا۔ اور فلسطین پہنچنے کا مطلب آپ سمجھتے ہیں؟'' ماسٹر آف ٹمپلرز ہنری نے جان بوجھ کر اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔ اور گائی آف لسکگن کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔
ہنری کی بات سن کر گائی آف لسکگن کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑنے لگیں۔ اور دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہوا جیسے یروشلم کے نگرانِ اعلیٰ کو ایک انجانے خوف نے گھیر لیا ہو۔
پھر ماسٹر آف ٹمپلرز ہنری نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا...... ''خداوندِ خدا...... مجھے اس دن کے لیے زندہ نہ رکھے کہ جب مسلمان ارض فلسطین میں داخل ہوں۔''
''خدا ہم میں سے بھی کسی کو زندہ نہ رکھے۔'' ہنری کی تقلید کرتے ہوئے والیٔ کرک ریجنالڈ نے بھی انتہائی پُر جوش لہجے میں یہی الفاظ دہرائے۔ دراصل فرینکس اور ٹمپلرز کی طرح ریجنالڈ بھی آگے بڑھ کر صلاح الدین ایوبی کے لشکر پر حملہ کرنے کے حق میں تھا بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ ریجنالڈ اس جنگ میں سب سے زیادہ پُر جوش نظر آ رہا تھا۔ اور اس کی ایک ہی وجہ تھی کہ وہ والیٔ مصر سے اپنی اس ذلت کا انتقام لینا چاہتا تھا، جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے پانچ بار کرک کے قلعے کا محاصرہ کیا تھا۔ اور ریجنالڈ اسلامی لشکر کا مقابلہ کرنے کے بجائے ہر بار کسی چوہے کی طرح اپنے سوراخ میں چھپا بیٹھا رہا تھا۔ آج اپنے ہمراہ صلیبیوں کا ایک عظیم لشکر دیکھ کر ریجنالڈ کے دل میں دبی ہوئی خواہش ابھر آئی تھی کہ وہ بھی کسی مقام پر سلطان صلاح الدین ایوبی کو محصور کر کے یہ لذت انگیز تماشا دیکھے اور خوب لطف اندوز ہو۔

......}......☆......{......

ریمنڈ کے تمام جنگی مشورے نہایت حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیئے گئے۔ اور بالآخر جمعہ 3 / جولائی 1187ء کو عیسائی فوج نے ''صفوریہ'' سے اپنے تمام خیمے اٹھا لیے اور ''طبریہ'' کی طرف کوچ شروع کر دیا۔
ابھی صلیبی فوج نے مشکل سے چند میل کا فاصلہ طے کیا ہو گا کہ مختلف پہاڑیوں میں چھپے ہوئے اسلامی لشکر کے چھوٹے چھوٹے فوجی دستوں نے اپنی کمیں گاہوں سے نکل کر عیسائی فوج کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی جنگی حکمت عملی یہ تھی کہ اس نے ''کفار'' (KAFAR) کی تمام پہاڑیوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ جہاں سے ''طبریہ'' جانے والی تمام شاہراہیں واضح طور پر نظر آتی تھیں۔ اور ان ہی شاہراہوں سے عیسائی لشکر گزر رہا تھا۔ یہ تمام شاہراہیں پتھریلی تھیں۔ اور دور دور

تک کسی درخت کا سایہ نہیں تھا۔ جب صلیبی سپاہی مسلمانوں کی زد میں آ جاتے تو کسی پہاڑی کی اوٹ میں چھپے ہوئے مسلمان تیرانداز دشمنوں پر تیروں کی بارش شروع کر دیتے صلیبی فوج کا ہراول دستہ ریمنڈ کی کمان میں تھا۔ اس کے بہت سے نائٹس (Knights) مسلمان تیراندازوں کے حملوں میں ہلاک ہو چکے تھے۔ اس علاقے میں پانی کا ایک قطرہ بھی میسر نہیں تھا۔ تیز دھوپ نے صلیبیوں کو جھلسا کر رکھ دیا تھا۔ ان کے سروں کے آہنی خول اس طرح تپ رہے تھے کہ جیسے ان میں انگارے بھرے ہوں۔ سورج کی تپش نے صلیبیوں کے سرخ وسفید چہروں پر سیاہی پھیر دی تھی۔ ان کے ہونٹ اور حلق خشک ہو گئے تھے۔ اور پیاس کی شدت سے زبانیں اکڑنے لگی تھیں۔

فرینکس اور ٹمپلرز کے دستے صلیبی فوج کے عقب میں چل رہے تھے۔ کہنے کو عیسائیوں کی یہ دونوں مذہبی فوجی تنظیمیں اپنی جاں بازی اور سرفروشی کے لیے بڑی شہرت رکھتی تھیں۔ مگر ان کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ یہ دونوں تنظیمیں صرف یورپ کے سرد موسم میں اپنے عسکری جوہر دکھا سکتی تھیں۔ ایشیائے کوچک میں موسم گرما ان کے لیے کسی عذاب سے کم نہ تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی جنگی مہارت اور ذہانت وفراست کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ والیٔ مصر نے شدید گرمی کے موسم میں جنگ کا آغاز کیا تھا۔ نتیجتاً سورج کی تمازت نے فرینکس اور ٹمپلرز کو بھی بے حال کر دیا تھا۔ اب یہ فوجی دستے اس قابل بھی نہیں رہے تھے کہ وہ اپنے بادشاہ گائی آف لسگنن کی مدد کو پہنچ سکتے جو لشکر کے عقب میں چل رہا تھا اور خود بھی پیاس کی شدت سے بدحواس تھا۔ جب اس نے فرینکس اور ٹمپلرز کا یہ حال دیکھا تو اسے یہ خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں یہ دونوں دستے فوج سے کٹ کر ہی نہ رہ جائیں۔ مجبوراً گائی آف لسگنن نے اپنے لشکر کو ٹھہر جانے کا حکم دیا۔ حالاں کہ ''طبریہ'' تک پہنچنے کے لیے صلیبیوں نے آدھا راستہ بھی طے نہیں کیا تھا۔ گائی آف لسگنن نے ماسٹر آف ٹمپلرز ہنری سے مشورہ کرنے کے بعد اپنے فوجیوں کو حکم دیا کہ وہ رات اسی مقام پر گزاریں۔ مگر ہتھیار نہ کھولیں۔

ریمنڈ فوج کے ہراول دستے سے کافی آگے نکل چکا تھا۔ اس کا زور صرف اس بات پر تھا کہ صلیبی فوج کسی نہ کسی طرح پانی کے کنوؤں تک پہنچ جائے تاکہ عیسائی سپاہی اپنی پیاس بجھا لیں۔ اور تازہ دم ہو کر اسلامی لشکر کا مقابلہ کر سکیں۔ اس سلسلے میں ریمنڈ کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔ تھکے ماندے اور پیاسے فرینکس میں ان مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں تھی جو پہاڑیوں پر صلیبی فوج کا راستہ روکے کھڑے تھے۔ پھر جب ریمنڈ کو معلوم ہوا کہ فوج کا عقبی دستہ بھی مصیبت میں پھنس گیا ہے اور گائی آف لسگنن نے ماریسکیشیا (Mareascaicia) کے مقام پر خیمے نصب کرنے کا حکم دے دیا ہے تو وہ بے اختیار چیخ اٹھا۔

''افسوس ہم جنگ ہار گئے۔ اب ہمارا شمار مُردوں میں ہے۔ حکومت ختم ہو گئی۔''

وہ صلیبیوں کے لیے ایک ناقابل فراموش رات تھی۔ سپاہی اور گھوڑے پیاس سے تڑپ رہے تھے۔ دوسری طرف مسلمانوں کے خیموں میں اللہ اکبر کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ اس موقع پر

سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایک اور عجیب چال چلی۔ اس کے حکم پر مسلمان سپاہیوں نے قریب کی تمام جھاڑیوں میں آگ لگا دی۔ یہ ایک نئی مصیبت تھی۔ آگ اور دھوئیں نے صلیبیوں کی پریشانی میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ اس صورتِ حال کو ایک مؤرخ نے بڑے عجیب انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

''اللہ نے صلیبیوں کو آنسوؤں کی روٹی کھلائی۔ اور پشیمانی کے پیالے میں پانی پلایا۔''

بڑی مشکل سے یہ رات گزری اور 4 / جولائی 1187ء کا سورج طلوع ہوا۔ صلیبی فوج میں شامل نائٹس (Knights) جلد ہی اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ لیکن پیادہ فوج کی طاقت ختم ہو چکی تھی۔ پیاس کی شدت سے ان کے منہ کھلے ہوئے تھے۔ اور قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ تمام کنوؤں پر مسلمانوں کا قبضہ تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے رات ہی میں کنوؤں پر اپنے سپاہی تعینات کر دیئے تھے اور انہیں ضرورت کے مطابق تیر فراہم کر دیئے تھے۔ تیروں سے لدے ہوئے 70 / اونٹ قریب ہی کھڑے ہوئے تھے تاکہ تیروں کی ترسیل میں کسی قسم کی تاخیر نہ ہو۔

آخر ''لوبیہ'' (Lubia) کے مقام پر دونوں فوجوں میں مقابلہ ہو گیا۔ ''کفار'' کی پہاڑی پر متعین فوج نے گائی آف لسگنن کو ''طبریہ'' کی شاہراہ پر مار بھگایا۔ یروشلم کا نگرانِ اعلیٰ بھاگ کر شمال کی طرف وادیٔ ''حمان'' کے کنوؤں پر پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ مسلمانوں نے گائی آف لسگنن کو آگے بڑھنے کا موقع دیا تاکہ سورج بلند ہو جائے تو دھوپ کی شدت صلیبیوں کو مزید تھکا ڈالے۔ پھر جب دوپہر کے وقت گائی آف لسگنن کنوؤں کے قریب پہنچا تو مسلمان تیراندازوں نے ان پر تیروں کی بارش کر دی۔ جس کے نتیجے میں سیکڑوں صلیبی سپاہی زمین پر گر کر تڑپنے لگے۔ ابھی گائی آف لسگنن اس آفت ناگہانی سے سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے دوسرا حملہ کر دیا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے دست بہ دست جنگ شروع ہو گئی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی ہر جگہ نظر آتا۔ ضرورت کے مطابق اپنے سپاہیوں کی ہمت بڑھاتا اور انہیں جوش دلاتا۔

فرینکس کا فوجی دستہ پیاس کی شدت سے اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا تھا۔ نتیجتاً نائٹس سے ان کا رابطہ ٹوٹ گیا اور صلیبی فوج بدترین انتشار کا شکار ہو گئی۔ فرینکس پاگلوں کی طرح پانی پینے کے لیے جھیل کی طرف دوڑے۔ مگر وہاں متعین مسلمان سپاہیوں نے ان سب کا کام تمام کر دیا۔

پھر پادری اسقف بھی مارا گیا جو ''صلیب الصلبوت'' اٹھائے چل رہا تھا اور عیسائیوں کا جوش بڑھا رہا تھا۔ ''صلیب الصلبوت'' وہ مخصوص صلیب تھی جسے عیسائی بہت مقدس سمجھتے تھے۔ اور ان کا عقیدہ تھا کہ جس میدان جنگ میں یہ مخصوص صلیب موجود ہو گی وہاں عیسائیوں کا پلہ بھاری رہے گا اور وہ فاتح قرار پائیں گے۔ اسقف کے مرتے ہی یہ صلیب بھی مسلمانوں کے قبضے میں آ گئی۔ یہ منظر دیکھ کر عیسائی سپاہی چیخنے لگے۔ ''اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ خداوندِ خدا نے بھی ہمارا ساتھ چھوڑ دیا۔''

پیاس کی شدت سے نڈھال اور گرمی سے تنگ آئے ہوئے عیسائی سپاہی گھوڑوں سے اتر پڑے

اور دھوپ کی تپش سے جھلسی ہوئی گھاس پر لیٹ گئے۔ دشمن کی یہ درماندہ حالت دیکھ کر مسلمان صلیبیوں پر ٹوٹ پڑے۔ اور عیسائی سپاہی خاموشی سے قتل ہوتے رہے۔

پھر جنگ ختم ہو گئی۔ یہ جنگ تاریخ میں ''معرکہ حطین'' کے نام سے مشہور ہے۔ صلیبی فوج کا یہ انجام دیکھ کر ریمنڈ میدان جنگ سے فرار ہو گیا۔ اور اس نے ''صور'' کے علاقے میں جا کر دم لیا۔ یروشلم کا نگران اعلیٰ گائی آف لسکفن، والئ کرک ریجنالڈ، ماسٹر آف ٹمپلرز ہنری اور بہت سے امرا گرفتار کر لیے گئے۔

بڑا عجیب منظر تھا۔ تن تنہا ایک مسلمان سپاہی تیس تیس عیسائی سپاہیوں کو ایک رسی میں باندھے کھینچے لیے جا رہا تھا۔ میدان میں لاشوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ ٹوٹی ہوئی صلیبیں، کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں اور سر، خربوزوں اور تربوزوں کی طرح ہر طرف زمین پر بکھرے پڑے تھے۔

''معرکہ حطین'' میں عظیم الشان فتح کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی نے میدان جنگ میں قیام کیا۔ دور تک امراء اور فوجی سالاروں کے خیمے نصب کئے گئے۔ عام عیسائی قیدیوں کی قسمت کا فیصلہ اسلامی لشکر کے سالار کر رہے تھے۔ مگر گرفتار ہونے والے صلیبی امراء کی تقدیروں کے فیصلے کا انحصار صلاح الدین ایوبی کی مرضی پر تھا۔ آخر سلطان نے اپنے سولہ سالہ بیٹے الافضل کو خیمے میں طلب کیا۔ الافضل ''معرکہ حطین'' میں باپ کے دوش بدوش بڑی شجاعت و ذہانت کے ساتھ لڑا تھا۔ بیٹے کی اعلیٰ کارکردگی دیکھ کر بہت تعریف کی تھی اور الافضل کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا تھا۔

''مکمل سپاہی وہی ہے جو شجاعت کے ساتھ تدبر اور ذہانت سے بھی کام لے۔''

پھر جب الافضل باپ کے خیمے میں داخل ہوا تو سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس سے پوچھا۔

''اسیران جنگ میں کون کون شامل ہے؟''

الافضل نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ یہ اس کی پہلی جنگ تھی جس میں وہ باقاعدہ شریک ہوا تھا اس لئے وہ عیسائی سالاروں اور امیروں سے ناواقف تھا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے الافضل کو اپنے خیمے میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ پھر خادم خاص کے ذریعے اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں ملک عادل اور ملک تقی الدین عمر کو حکم دیا کہ وہ بڑے بڑے صلیبی قیدیوں کو لے کر اس کے خیمے میں حاضر ہو جائیں۔

تھوڑی دیر بعد ہی پابہ زنجیر صلیبی امراء ندامت سے سروں کو جھکائے ہوئے سلطان صلاح الدین ایوبی کے خیمے میں حاضر ہوئے۔ سلطان ان لوگوں سے صورتاً واقف نہیں تھا، اس لئے جنگی قیدیوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

''تم لوگ اپنا تعارف کراؤ...... اور ایک گوشے میں چپ چاپ کھڑے ہو جاؤ۔''

تمام قیدی ایک ایک کر کے اپنا تعارف کراتے ہوئے سلطان صلاح الدین ایوبی کے سامنے سے گزرتے رہے۔ پھر جب ایک قیدی نے اپنا تعارف کراتے ہوئے یہ بتایا کہ وہ شاہ یروشلم گائی آف

لسکفن ہے تو سلطان نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس کے پیروں کی زنجیریں کھول دی جائیں۔ پھر صلاح الدین ایوبی نے گائی آف لسکفن کو اپنے برابر بٹھا لیا۔

ان جنگی قیدیوں میں کرک کا حاکم ریجنالڈ بھی شامل تھا۔ اور اسے یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ سلطان صلاح الدین ایوبی اسے اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کی قسم کھا چکا ہے۔ اس لئے ریجنالڈ نے اپنی جان بچانے کی خاطر جھوٹ بولا اور غلط نام بتا کر آگے بڑھ گیا۔ پھر جب تمام صلیبی امراء ایک ایک کر کے صلاح الدین ایوبی کی نظروں کے سامنے سے گزر گئے تو سلطان نے اپنے چھوٹے بھائی ملک عادل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''کیا ان قیدیوں میں کرک کا حاکم ریجنالڈ نہیں ہے؟''

''سلطان محترم! میں ریجنالڈ سے شکلاً واقف نہیں ہوں''۔ ملک عادل نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

ملک عادل کا جواب سن کر ریجنالڈ نے سکون کی سانس لی کہ وہ صلاح الدین ایوبی کو فریب دینے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

یکایک صلاح الدین ایوبی بہت زیادہ مضطرب نظر آنے لگا۔ ''میری اطلاعات کے مطابق ریجنالڈ میدان جنگ سے فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکا ہے۔ پھر وہ کہاں گیا؟ کیا وہ عام قیدیوں کے ساتھ کسی دوسرے خیمے میں موجود ہے۔ جاؤ اسے تلاش کرو۔ اور اگر وہ نہ مل سکے تو کرک کے کچھ سپاہیوں کو میرے خیمے میں لے کر آؤ''۔

سلطان کا حکم سنتے ہی ملک عادل تیزی کے ساتھ خیمے سے نکل گیا۔ اور سلطان صلاح الدین ایوبی شدید اضطراب کے عالم میں ٹہلنے لگا۔ اور ایک ایک قیدی کے قریب جا کر گہری نظروں سے اس کے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔ یہ تمام قیدی اپنے اپنے علاقوں کے حاکم یا معزز سردار تھے۔ ان اسیران جنگ میں سے صرف دو قیدی والئ کرک ریجنالڈ کو چہرے سے پہچانتے تھے۔ ایک یروشلم کا نگران اعلیٰ گائی آف لسکفن ...... کیونکہ ریجنالڈ اس کا چچا زاد بھائی تھا۔ دوسرا ماسٹر آف ٹمپلرز ہنری۔ ان دونوں نے مصلحت اور خاموشی سے کام لیا۔ انہیں یہ راز تو نہیں معلوم تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی ریجنالڈ کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کی قسم کھا چکا ہے، مگر سلطان کا غیر معمولی اضطراب دیکھ کر گائی آف لسکفن اور ماسٹر ٹمپلرز ہنری کو اندازہ ہو گیا تھا صلاح الدین ایوبی ریجنالڈ کی تلاش میں ہے۔

سلطان کے خیمے پر گہرا سکوت طاری تھا۔ مگر ہر قیدی کو اپنے دل کی دھڑکنیں سنائی دے رہی تھیں اور چہروں پر شدید خوف و ہراس کے سائے لرز رہے تھے۔ اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کی زندگی زنداں میں گزرے گی یا اسے مقتل میں لے جا کر قید حیات سے آزاد کر دیا جائے گا؟

آخر کچھ دیر بعد ملک عادل دو عیسائی سپاہیوں کو لے کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے خیمے میں داخل ہوا اور عرض کرنے لگا۔ ''کرک کے بہت سے سپاہی مارے گئے اور باقی میدان جنگ سے فرار ہو گئے۔ بس یہ دو گرفتار زندہ بچے ہیں''۔

کرک کے سپاہیوں کو سلطان کے خیمے میں موجود پا کر ریجنالڈ کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ اس نے اپنے ٹوٹتے ہوئے اعصاب پر قابو پانے کی بہت کوشش کی۔ مگر وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی عقابی نظروں سے اپنی اس بگڑتی ہوئی کیفیت کو پوشیدہ نہ رکھ سکا۔ تاہم سلطان نے اتمامِ حجت کیلئے کرک کے دونوں قیدی سپاہیوں سے پوچھا۔ ''مجھے بتاؤ کہ یہاں کھڑے ہوئے لوگوں میں سے تمہارا حکمراں ریجنالڈ کون ہے؟'' سپاہیوں سے سوال کرتے وقت سلطان صلاح الدین ایوبی کی پشت والئ کرک ریجنالڈ کی طرف تھی۔

سپاہیوں نے گھبرا کر اپنے حکمراں کی طرف دیکھا۔ ریجنالڈ نے اپنی آنکھ کے اشارے سے دونوں سپاہیوں کو خاموش رہنے کیلئے کہا۔ اس صورتحال کے پیشِ نظر یروشلم کا نگران اعلیٰ گائی آف لسگنن بھی گھبرایا ہوا تھا۔ اور اسے یقین ہو گیا تھا کہ اب ریجنالڈ کی شخصیت پردۂ راز میں نہ رہ سکے گی۔

''ان لوگوں میں سے کوئی بھی ہمارا بادشاہ نہیں ہے۔'' دونوں سپاہیوں نے بیک زبان پُر جوش لہجے میں کہا۔ ''جب ہمیں یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ ہم یہ جنگ ہار جائیں گے تو ہم نے اپنے آقا سے کہہ دیا تھا کہ میدانِ جنگ سے نکل جائیں۔ اب تک تو وہ بحفاظت کرک کے قلعے میں پہنچ چکے ہوں گے۔'' ریجنالڈ کے سپاہیوں نے بڑی صفائی کے ساتھ ایک من گھڑت کہانی سنا ڈالی تھی۔

کرک سپاہیوں کا جواب سن کر سلطان صلاح الدین ایوبی مسکرایا۔ ''بے شک! تم نے جھوٹ بولنے میں وہی مہارت دکھائی جو تمہاری قوم کی خاص عادت ہے۔ مگر پھر بھی تم سے اس دوران دو بڑی غلطیاں سرزد ہوئیں۔ ایک یہ کہ میرا سوال سنتے ہی تم نے گھبرا کر اپنے آقا ریجنالڈ کی طرف دیکھا تھا جو میرے پیچھے کھڑا ہے۔'' سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری دوسری غلطی یہ ہے کہ تم نے خیمے میں موجود تمام جنگی قیدیوں کا جائزہ نہیں لیا۔ صرف ایک شخص کے چہرے پر اپنی نظریں مرکوز کیے رہے۔ اس کا واضح مطلب ہے کہ تم نے خیمے میں داخل ہوتے ہی اپنے حکمراں کو پہچان لیا تھا۔ تم لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں اسی وقت ریجنالڈ تک پہنچ گیا تھا جب تمہاری طلبی سے پہلے اس کے چہرے پر وحشت و بدحواسی نمایاں ہو گئی تھی۔ اگرچہ میں تمہارے جھوٹ بولنے کے باوجود ریجنالڈ پر فردِ جرم عائد کر سکتا ہوں لیکن ہم اہلِ ایمان کا طریقہ یہ ہے کہ ٹھوس شواہد، دلائل اور گواہیوں کے بعد کسی مقدمے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جلد بازی میں ہمارے ہاتھوں کسی بے گناہ کو نقصان پہنچ جائے۔'' یہ کہہ کر سلطان صلاح الدین ایوبی چند لمحوں کیلئے مڑا اور والئ کرک کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھنے لگا۔ ریجنالڈ کا چہرہ موت کے خوف سے زرد ہو گیا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی پلٹ کر دوبارہ کرک سپاہیوں سے مخاطب ہوا۔ ''میں تمہیں سچ بولنے کا ایک اور موقع فراہم کرتا ہوں۔ اگر تم دونوں اس بات کی تصدیق کر دو کہ یہی تمہارا آقا ریجنالڈ ہے تو میں تمہاری زنجیریں کھول کر تمہیں آزاد کر دوں گا۔''

پھر جیسے ہی سلطان صلاح الدین ایوبی کی بات ختم ہوئی، دونوں کرک سپاہی شدتِ جذبات سے

بے قابو ہو کر چیخنے لگے۔ ''خداوندِ خدا کی قسم یہی ہمارے آقا ریجنالڈ ہیں۔''

کرک سپاہیوں کی گواہی مکمل ہوتے ہی سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے چھوٹے بھائی ملک عادل کو حکم دیا۔ ''ان دونوں کو رہا کرنے کے ساتھ ساتھ گھوڑے بھی فراہم کر دو تا کہ یہ آسانی سے اپنے گھروں کو واپس جا سکیں۔''

سلطان کا حکم سنتے ہی ملک عادل دونوں کرک سپاہیوں کو لے کر خیمے سے نکل گیا۔ صلاح الدین ایوبی کا بیٹا الافضل بڑی حیرت سے یہ ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے بابا والئ کرک ریجنالڈ کے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟

ملک عادل کے جاتے ہی سلطان صلاح الدین ایوبی تیزی کے ساتھ پلٹا۔ خیمے میں موجود تمام عیسائی جنگی قیدیوں نے دیکھا کہ یکا یک والئ مصر کی مزاجی کیفیت یکسر بدل گئی ہے۔ کچھ دیر پہلے جس شخص کے چہرے پر ٹھہراؤ اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی، اب اسی چہرے پر نفرت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اور آنکھوں سے قہر کے انگارے برس رہے تھے۔

یروشلم کا نگران اعلیٰ گائی آف لسگنن اور خیمے میں موجود دوسرے عیسائی امراء شدید حیرت و پریشانی میں مبتلا تھے کہ آخر سلطان صلاح الدین ایوبی والئ کرک ریجنالڈ پر اس قدر برہم کیوں ہے؟ ابھی وہ سب کے سب اسی ذہنی الجھن میں گرفتار تھے کہ اچانک ان کی آنکھوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے چند قدم آگے بڑھ کر ریجنالڈ کے منہ پر تین بار تھوکا۔ پھر والئ کرک کو مخاطب کر کے انتہائی غضب ناک لہجے میں کہا۔

''تجھ پر اللہ اور اس کے تمام فرشتوں کی ہزار بار لعنت ہو۔'' سلطان صلاح الدین ایوبی نے یہ الفاظ تین بار دہرائے۔

پورے خیمے پر سکوتِ مرگ طاری تھا۔ پھر والئ مصر تیزی سے مڑا اور دوسرے جنگی قیدیوں کو مخاطب کر کے بولا۔ ''یہ اس وقت میری نظر میں دنیا کا سب سے زیادہ ناپاک اور لعنت زدہ انسان ہے اس نے دو بار حجازِ مقدس کو تباہ و برباد کرنے کی قسم کھائی تھی۔ اور ایک بار قافلے کے لوٹے جانے والے مسلمانوں نے رحم کی درخواست کی تھی تو اس مردود نے کہا تھا کہ اب تمہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی آ کر بچائیں گے۔ یہ واقعہ سن کر میں نے بھی دو بار قسم کھائی تھی کہ اگر حق تعالیٰ نے مجھے اس ملعون کے جسم پر تصرف بخشا تو میں اسے اپنے ہاتھوں سے قتل کروں گا۔ سو خالقِ کائنات نے مجھے میری قسم پوری کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور اس شیطان کے ارادے کو خاک میں ملا دیا۔''

یہ کہہ کر سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی شمشیر بے نیام کی۔ موت کے خوف سے ریجنالڈ کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ اور اس کا پورا جسم اس کمزور شاخ کی طرح لرز رہا تھا جو آندھی کی زد میں ہو۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے ریجنالڈ سلطان صلاح الدین ایوبی کے قدموں پر گر پڑا اور اپنے گناہ کی معافی مانگنے لگا۔

"اگر میں تجھے معاف کردوں تو میری قسم کا کیا ہوگا؟" ریجنالڈ کی معافی کی درخواست کے جواب میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے انتہائی نفرت آمیز لہجے میں کہا۔ "تیرا گناہ وہ گناہ ہے جس کی معافی نہیں۔ اور میری قسم وہ قسم ہے جس کا کوئی کفارہ نہیں۔" یہ کہہ کر سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ریجنالڈ کی زنجیریں کھول دی جائیں۔ والیٔ کرک کا آخری وقت قریب آچکا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر دوسرے قیدی امراء کے چہرے بھی شدت خوف سے بے جان نظر آرہے تھے۔

یروشلم کا نگران اعلیٰ گائی آف لسگنن بھی اس مسند سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا جہاں سلطان صلاح الدین ایوبی نے اعزازی طور پر اپنے قریب بٹھایا تھا۔

مرنے سے پہلے ریجنالڈ نے ہر طرح زندگی کی بھیک مانگ لی۔ مگر سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی قسم پوری کی۔ اور تلوار اٹھانے سے پہلے شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میری ذاتی خواہش تو یہ تھی کہ تیرے جسم کے ایک ایک حصے کو الگ کروں اور تجھے تڑپا تڑپا کر کئی مہینوں میں تیرے انجام کو پہنچاؤں...... مگر میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمۃ اللعالمین ہیں، ان کی ایک حدیث مبارک ہے کہ کسی پاگل کتے کے جسم کے بھی ٹکڑے نہ کرو۔ اسے ایک ہی وار میں قتل کردو۔ بس یہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا صدقہ ہے کہ تو اذیت ناک موت سے بچ گیا۔"

پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی شمشیر فضا میں بلند ہوئی۔ اور دوسرے ہی لمحے ریجنالڈ کی کٹی ہوئی گردن زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ اور جسم تڑپ رہا تھا۔ پھر جب والیٔ کرک کی لاش ٹھنڈی ہوگئی تو صلاح الدین ایوبی نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیتے ہوئے کہا۔ "اس شیطان کو اٹھا کر کھلے میدان میں پھینک دو۔"

سلطان صلاح الدین ایوبی نے ریجنالڈ کا قصہ پاک کرکے گائی آف لسگنن کی طرف دیکھا۔

یروشلم کا نگران اعلیٰ شدت خوف سے لرز رہا تھا اور اس بات کا منتظر تھا کہ کچھ دیر بعد اس کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوگا۔ مگر خلاف توقع والیٔ مصر نے آگے بڑھ کر گائی آف لسگنن کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "بادشاہوں کو قتل کرنا بادشاہوں کا شیوہ نہیں ہوتا۔ ریجنالڈ تو حد سے گزر گیا تھا۔ اس لئے اپنے عبرت ناک انجام کو پہنچا۔ ابھی کچھ اور لوگ بھی ہیں جن کے ساتھ میں ایسا ہی سلوک کروں گا۔"

پھر سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایسے دوسو امراء کو قتل کرایا جو مذہبی جنون میں مبتلا تھے۔ ان میں ماسٹر آف ٹمپلرز ہنری بھی شامل تھا۔ ٹمپلرز کے بعد عیسائیوں کا دوسرا بڑا مذہبی جنونی گروہ "فرینکس" کا تھا۔ ریجنالڈ کو قتل کرنے کے ساتھ سلطان صلاح الدین ایوبی نے فرینکس کے قتل عام کی بھی قسم کھائی تھی۔ کیونکہ اس وحشی گروہ نے دمشق کے مجبور و معصوم عوام پر بڑے بڑے مظالم ڈھائے تھے۔ "طبریہ/حطین" کی جنگ میں بہت سے فرینکس لقمۂ اجل بن گئے تھے۔ پھر جو گرفتار ہوئے انہیں چن چن کر قتل کردیا گیا۔ فرینکس کے معاملے میں سلطان صلاح الدین ایوبی اس قدر حساس اور جذباتی ہوگیا تھا کہ وہ عیسائی قیدی بھی قتل کردیئے گئے جو حقیقتاً فرینکس کی جماعت میں شامل نہیں تھے۔ مگر ان پر

فرینکس ہونے کا شبہ تھا۔

یروشلم کے نگران اعلیٰ گائی آف لسگنن اور خاص خاص عیسائی امراء کے ساتھ نرمی کا سلوک کرتے ہوئے جنگی قیدیوں کی حیثیت سے ان سب کو دمشق بھجوا دیا گیا۔ قید خانے کے محافظوں کو سلطان صلاح الدین ایوبی کی خاص ہدایت تھی کہ گائی آف لسگنن کا پورا احترام کیا جائے۔

انگریز تاریخ نویسوں کے بقول "طبریہ/حطین" کے معرکے میں تیس ہزار سے زیادہ عیسائی کام آئے تھے۔ ایک عیسائی مؤرخ نے "طبریہ" کے میدان کا عبرت انگیز نقشہ کھینچتے ہوئے لکھا ہے۔

"ایک سال بعد تک انسانی ہڈیوں کے ڈھیر دور سے نظر آتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی وادیوں میں جنگلی جانوروں کی وحشت ناک رنگ رلیوں کی نشانیاں بکھری پڑی تھیں۔"

بعض مؤرخین کی روایتوں کے مطابق "حطین" وہی مقام ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو امن کی تلقین کی تھی۔

......}......☆......{......

سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی جنگی حکمت عملی کے سبب عیسائیوں کو اتنی مہلت نہ دی کہ وہ منتشر فوج کو دوبارہ جمع کرسکیں۔ 8/جولائی 1187ء کو یعنی "معرکۂ حطین" کے صرف چار دن بعد ہی والیٔ مصر "عکہ" کی فصیل کے سامنے موجود تھا۔ جمعے کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس مسجد میں نماز ادا کی جسے 90 سال پہلے عیسائیوں نے کلیسا (چرچ) میں تبدیل کردیا تھا۔ دور اول کے صلیبیوں کی آمد کے بعد سے فلسطین کے ساحل پر یہ پہلی نماز ادا ہوئی۔ "عکہ" میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے چار ہزار مسلمان قیدی آزاد کئے۔ "بحیرۂ روم" کی تجارتی منڈی کے خزانے اور ذخیرے سلطان کے ہاتھ آئے۔ جن سے سلطان کے جنگی وسائل میں بڑا اضافہ ہوا۔ اس کے ساتھ ہی صلاح الدین ایوبی نے اپنے دوسرے چھوٹے بھائی ملک تقی الدین عمر کو حکم بھیجا کہ وہ فوری طور پر اپنی فوج لے کر اس علاقے میں پہنچے۔ اور فلسطین کی تسخیر میں اس کی مدد کرے۔ اس کے ساتھ ہی سلطان صلاح الدین ایوبی کے چند فوجی دستوں نے آگے بڑھ کر نظارت، صفوریہ اور الغولا پر قبضہ کرلیا۔ دوسرے فوجی دستے ساحل سمندر پر "حیضہ" اور "قیساریہ" پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ ملک تقی الدین عمر نے قاہرہ سے آتے وقت "میرابیل" اور "جافا" کے قلعوں پر قبضہ کرلیا۔

خود صلاح الدین ایوبی نے "توروں" کا محاصرہ کرلیا۔ اور صرف چھ دن بعد 26/جولائی کو اسے بھی فتح کرلیا۔ پھر سلطان ساحل کی طرف بڑھا۔ اور سارافندا (Sarafenda) صیدون، بیروت اور جبیل کو اگست کے پہلے ہفتے میں فتح کرلیا۔ صرف بیروت کی فوجوں نے آٹھ دن تک مقابلہ کیا۔ اور پھر ہتھیار ڈال دیئے۔ ہر جگہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے عیسائی فوج اور شہر کے باشندوں کی باعزت شرائط منظور کرلیں اور انہیں اماں بخش دی۔ عیسائی عوام کو بھی اس بات کا تجربہ ہوگیا تھا کہ یہ مسلمان مرد مجاہد ہر طرح قابل اعتبار ہے۔

اب پورا فلسطین مسلمانوں کے زیر اقتدار آچکا تھا۔ صرف ساحل کے تین شہر صور، عسقلان اور یروشلم باقی تھے۔

......}......☆......{......

بالآخر سلطان صلاح الدین ایوبی نے 23 ر اگست کو آگے بڑھ کر "عسقلان" کا بھی محاصرہ کرلیا۔ اسی دوران سلطان کا چھوٹا بھائی ملک عادل بھی مصری فوج لے کر آپہنچا۔ نتیجتاً دونوں بھائیوں نے مل کر محاصرہ اس قدر تنگ کر دیا کہ عیسائی سپاہیوں اور شہری باشندوں کا سانس لینا بھی دشوار ہو گیا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے حسب معمول عسقلان کے سالار کو پیغام بھیجا کہ اگر وہ خاموشی سے ہتھیار ڈال دے گا تو تمام صلیبی فوجیوں اور شہری باشندوں کو سلامتی کے ساتھ عسقلان سے نکل جانے کا راستہ دے دیا جائے گا۔ اور اس صورت میں ان کے جان و مال کو کسی قسم کا کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔ مگر عسقلان کے فوجی سالار نے سلطان صلاح الدین ایوبی کی اس فراخدلانہ پیشکش کا مثبت جواب دینے کے بجائے وہی مضحکہ خیز دعویٰ کیا جو دوسرے صلیبی سالاروں کا شیوہ تھا۔ عسقلان کے سالار نے انتہائی متکبرانہ لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"یہ عسقلان ہے...... کوئی دوسری عیسائی ریاست نہیں کہ جس پر آسانی کے ساتھ کوئی کافر حکمراں قابض ہو جائے گا۔ ہم آخری سپاہی اور خون کے آخری قطرے تک عسقلان کی حفاظت کریں گے۔ پھر جب اس سرزمین پر خداوند خدا کا کوئی نام لیوا باقی نہیں رہے گا تو سلطان کو اختیار ہے کہ وہ ہماری لاشوں کے ساتھ جیسا چاہے سلوک کرے"۔ واضح رہے کہ عیسائی بادشاہ مسلمانوں کو "کافر" کہہ کر پکارتے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی پیشکش کے جواب میں عسقلان کے فوجی سالار نے بھی اسی بدترین مذہبی تعصب کا اظہار کیا تھا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی اپنی فطرت کے مطابق خونریزی اور جنگ و جدال سے حتی الامکان گریز کرتا تھا۔ عسقلان کے مسئلے کو حل کرنے کیلئے والیٔ مصر نے تدبر اور سیاست سے کام لیتے ہوئے دمشق سے گائی آف لسگنن کو عسقلان طلب کیا۔ اور اس سے کہا کہ وہ عسقلان کی فوج کو ہتھیار ڈالنے کی پیشکش کرے۔ اس کے بدلے میں عسقلان کے باشندوں کے ساتھ ساتھ یروشلم کے نگران اعلیٰ کو بھی رہائی دے دی جائے گی۔

گائی آف لسگنن نے عسقلان کے فوجی سالار کو سلطان کا پیغام بھیجا۔ مگر اس کے ارادے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

پندرہ دن تک عسقلان کی فوج نے سخت مزاحمت کی۔ مگر جب انہیں اندازہ ہو گیا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی اپنی اس فوجی مہم کو انجام تک پہنچائے بغیر کسی طرح بھی ٹلنے والا نہیں تو عسقلان کا ایک نمائندہ قلعے سے نکل کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے لشکر کی طرف بڑھا۔ یہ نمائندہ شاہ یروشلم گائی آف لسگنن کے نام اپنے سالار کا خصوصی پیغام لے کر آیا تھا۔ وہ پیغام یہ تھا کہ اگر شاہ یروشلم ہمارے

جان و مال کی سلامتی کی ضمانت دیں تو ہم عسقلان کا قلعہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے حوالے کرنے کیلئے تیار ہیں۔ یہ پیغام سن کر گائی آف لسگنن نے بڑی بیچارگی کے عالم میں صلاح الدین ایوبی کی طرف دیکھا۔ شاہ یروشلم تو خود سلطان کی قید میں تھا۔ اور والیٔ مصر کے رحم و کرم کے سہارے اب تک زندہ تھا پھر ایک قیدی دوسروں کے جان و مال کے تحفظ کی ضمانت کس طرح دیتا؟

صلاح الدین ایوبی نے گائی آف لسگنن کی آنکھوں میں چھائے ہوئے شکستگی اور مایوسی کے غبار کو دیکھا۔ پھر باوقار انداز میں مسکراتے ہوئے شاہ یروشلم سے مخاطب ہوا۔ "آپ عسقلان کے باشندوں کی سلامتی کا وعدہ کرلیں۔ انہیں ہر ممکنہ سہولت فراہم کی جائے گی اور یہ ایک مرد مومن کا وعدہ ہے"۔

آخر 4 ر ستمبر 1187ء کو جمعے کے دن عسقلان پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

عسقلان کے تمام باشندے اپنے ساز و سامان کے ساتھ بخیر و عافیت قلعے سے نکل گئے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے شاہ یروشلم گائی آف لسگنن کو دمشق سے اس لئے بلایا تھا کہ وہ عسقلان کی فوج سے مذاکرات کر کے قلعہ خالی کرا دے۔ اگر شاہ یروشلم اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اسے بھی آزاد کر دیا جائے گا۔ لیکن عسقلان کے سالار نے گائی آف لسگنن کی اس پیشکش کو مسترد کر دیا تھا۔ پھر جب وہ مجبور ہو گیا تو خود اس نے شاہ یروشلم سے درخواست کی کہ وہ سلطان سے عیسائیوں کی سلامتی کی ضمانت طلب کرے۔ اس طرح سلطان صلاح الدین ایوبی اور شاہ یروشلم کے درمیان ہونے والا معاہدہ ختم ہو چکا تھا۔ اگر والیٔ مصر چاہتا تو زندگی بھر گائی آف لسگنن کو اپنی قید میں رکھتا۔ لیکن سلطان فطری طور پر انتہائی اعلیٰ ظرف اور رحمدل انسان تھا۔ عسقلان کے قلعے پر قبضہ مکمل ہو جانے کے بعد سلطان نے شاہ یروشلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میری اس فتح میں تمہاری کسی کوشش یا تدبیر کو کوئی دخل نہیں۔ لیکن میں پھر بھی تمہیں آزاد کرتا ہوں۔ اگر تمہارے دل میں ذرہ برابر بھی سچائی اور دیانتداری موجود ہے تو یروشلم جا کر اپنی قوم کو بتانا کہ ہم مسلمان کس طرح ایفائے عہد کرتے ہیں"۔

اس کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی نے گائی آف لسگنن اور اس کے تمام امراء کو رہا کر دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی سفر کی تمام سہولتیں بھی فراہم کر دیں۔

......}......☆......{......

جس دن مسلمانوں کا عسقلان پر قبضہ ہوا اتفاق سے اسی روز مکمل سورج گرہن بھی ہوا تھا۔ جس کے نتیجے میں عین دوپہر کے وقت گہری سیاہی چھا گئی تھی۔ اور شہر کے بام و در تاریکی میں ڈوب گئے تھے۔ ایک انگریز مؤرخ کے بقول مشرق کے توہم پرست باشندے سورج گرہن کو برا شگون سمجھتے ہیں۔ لیکن حقیقتاً وہ سورج گرہن عیسائیوں کیلئے نحس ترین ثابت ہوا۔

عسقلان پر قبضہ ہوتے ہی یروشلم کے باشندوں کو یقین آ گیا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا اگلا ہدف یہی مقدس شہر ہوگا۔ اس لئے پیش بندی اور حفظ ماتقدم کے طور پر یروشلم کے معزز شہریوں کا

ایک وفد سلطان صلاح الدین ایوبی کی خدمت میں صلح کی درخواست لے کر حاضر ہوا۔

والئ مصر نے عیسائی وفد کی گفتگو بہت غور سے سنی۔ پھر انتہائی باوقار لہجے میں لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اصولی طور پر تم یہ جنگ ہار چکے ہو۔ اور ہارے ہوئے لوگ اپنا ہر اختیار اور استحقاق کھو بیٹھتے ہیں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم سکون و سلامتی کے ساتھ یروشلم خالی کر دو۔"

صلاح الدین ایوبی کی بات سن کر عیسائی وفد کے ایک رکن نے ناگوار اور تلخ لہجے میں کہا۔ "یہ سلطان کا خیال خام ہے کہ عیسائی جنگ ہار چکے ہیں۔ ہم اپنے اس شہر مقدس کی حفاظت کرنا خوب جانتے ہیں۔"

صلح کی درخواست کرنے والے اس عیسائی کی گرم گفتاری دیکھ کر سلطان صلاح الدین ایوبی مسکرایا۔ "بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ اول رہ چکا ہے۔ اس لئے یہ مقام ہمارے نزدیک اتنا ہی متبرک ہے جتنا کہ تم اسے مقدس تصور کرتے ہو۔ اس لئے میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اپنی مرضی سے نہ اس کا محاصرہ کروں گا۔ اور نہ حملے کی غرض سے میری فوجیں یلغار کریں گی۔ میں تمہیں ایک ماہ کی مہلت دیتا ہوں۔ اس عرصے میں تم اپنے شہر کو جس قدر مستحکم کر سکتے ہو، کر لو۔ اگر تمہیں کہیں سے فوجی امداد کی توقع ہو تو وہ بھی حاصل کر لو۔ اور اگر تم ایک ماہ تک اپنا دفاع کرنے کے قابل نہ ہو سکو تو پھر خاموشی کے ساتھ اس شہر کو چھوڑ دینا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم سب لوگوں کو تمہیں تمہارے مال و اسباب کے ساتھ بحفاظت عیسائی علاقے میں پہنچا دیا جائے گا۔"

یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی طرف سے اس قوم کیلئے انتہائی فراخدلانہ پیشکش تھی جو بار بار اپنا عہد توڑ کر سلطان کو سخت آزار پہنچاتی تھی۔ مگر اس موقع پر صلح کی درخواست کرنے والے عیسائی وفد نے بڑی عاقبت نااندیشی کا ثبوت دیا۔ وفد کے ایک رکن نے مذہبی جذبات سے مغلوب ہو کر پُر جوش لہجے میں کہا۔

"اگر خداوند خدا کو منظور ہے تو ہم یہ شہر ہرگز تمہارے حوالے نہیں کریں گے۔ کیونکہ اسی شہر میں ہمارے نجات دہندہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) نے ہماری ہی خاطر اپنی جان قربان کی تھی۔"

عیسائی وفد کے رکن کی بات سن کر سلطان صلاح الدین ایوبی نے انتہائی شگفتہ لہجے میں کہا۔ "میں تمہارے جذبات کی قدر کرتا ہوں۔ ہر شخص کو اپنے مذہبی پیشوا کے ساتھ اتنا ہی مخلص اور دیانتدار ہونا چاہئے۔ مگر واضح رہے کہ اس شہر مقدس کو میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی ایک نسبت خاص ہے۔ کیونکہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد اقصیٰ سے اپنا سفر معراج شروع کیا تھا۔ اس لئے میں یروشلم کو حاصل کئے بغیر سکون سے نہیں رہ سکتا۔ اگر تم امن و سلامتی کے ساتھ شہر خالی نہیں کر سکتے۔ تو میں قسم کھاتا ہوں کہ یروشلم کی حرمت کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر اسے فتح کر لوں گا۔"

عیسائی وفد غصے میں بھرا ہوا یہ کہہ کر چلا گیا۔ "دیکھنا ہے کہ خداوند خدا کس کا ساتھ دیتا ہے؟ جو سچا

ہے وہی باقی رہ جائے گا۔"

......}......☆......{......

20 ستمبر 1187ء کو سلطان صلاح الدین ایوبی یروشلم کی فصیلوں تک پہنچ گیا۔ 75 دن کی قلیل مدت میں اسلامی لشکر نے پوری صلیبی سلطنت کو مغلوب کر لیا تھا۔ بس ایک بیت المقدس باقی تھا جسے خونریزی کے بغیر فتح کرنے کی سلطان نے قسم کھائی تھی۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے سب سے پہلے باہر کی جانب "باب داؤد" کی درمیانی دیوار کے سامنے اپنے مورچے قائم کئے۔ مگر جب سلطان نے شہر کی فصیل پر نظر ڈالی تو اسے بڑا ہی عجیب منظر دکھائی دیا۔ پوری فصیل عیسائی محافظوں سے اس طرح بھری ہوئی تھی کہ جیسے یروشلم کے سارے مکانات اور عبادت گاہیں خالی ہو گئی ہوں۔ اور تمام عیسائی یروشلم کی حفاظت کیلئے فصیل پر جمع ہو گئے ہوں۔ سلطان کو جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ اس نے غلط جگہ کا انتخاب کیا ہے۔ کیونکہ اس کے قائم کئے ہوئے مورچے ان برجوں کی زد میں آتے تھے جہاں صلیبی تیراندازوں کا ہجوم تھا۔ اس کے علاوہ سورج کی شعاعیں بھی مسلمان سپاہیوں کی آنکھوں پر سیدھی پڑتی تھیں۔ جس کے باعث وہ تین پہر تک مسلسل جنگ جاری نہیں رکھ سکتے تھے۔ نتیجتاً سلطان صلاح الدین ایوبی نے شہر کے دوسرے حصوں کا جائزہ لیا۔ اور پھر پانچ دن کے بعد اپنی فوج مشرق کی طرف لے گیا۔ یہ مقام "وادئ قدران" کے قریب بلندی پر واقع تھا۔ اور یہاں فصیل کا حصہ بھی کمزور تھا۔

جب 25 ستمبر 1187ء کو یروشلم کے باشندوں نے اسلامی لشکر کو "باب داؤد" سے گزر کر مشرق کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو وہ یہی سمجھے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے ان کے سخت حفاظتی انتظامات دیکھ کر محاصرہ اٹھا لیا ہے۔ اور وہ ناکام و نامراد واپس جا رہا ہے۔

اس صورتحال کے پیش نظر عیسائیوں میں ناقابل بیان خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اور وہ فصیل سے اتر کر اپنی عبادت گاہوں میں شکر ادا کرنے کیلئے چلے گئے۔ اجتماعی طور پر انتہائی مسرت آمیز اور پرجوش نعرے لگائے گئے۔ ان نعروں کے شور سے پورا یروشلم گونج اٹھا۔

ہر عیسائی کی زبان پر ایک ہی مخصوص نعرہ تھا۔ "خداوند خدا نے مسلمانوں کو ذلت و رسوائی کے ساتھ ناکام و نامراد لوٹا دیا۔"

پھر دوسرے دن ہی یروشلم کے باشندوں کا یہ جشن طرب، گریہ وزاری اور ماتم میں تبدیل ہو گیا۔ اہل شہر نے ڈوبتے دلوں اور بجھتی آنکھوں کے ساتھ دیکھا کہ "جبل زیتون" پر اسلامی پرچم لہرا رہے تھے۔ چالیس منجنیقیں نصب کی جا چکی تھیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے نقب زنوں نے رات بھر میں فصیلوں کے اندر سرنگیں لگا لی تھیں۔ اور دس ہزار مسلمان سواروں نے "استیفن" اور "جوزافت" کے دروازوں کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اس طرح وہ عیسائی فوجیوں کے حملے روکتے رہے۔ اور سرنگ لگانے کا کام جاری رہا۔ یہاں تک کہ دو دن کے مختصر سے عرصے میں فصیل کے اندر پندرہ بیس گز لمبی سرنگ

لگالی گئی۔ یروشلم اپنے انجام کے قریب تر پہنچتا جا رہا تھا۔ یہ صورتحال دیکھ کر عیسائی نائٹس (KNIGHTS) نے نقب زنوں کو روکنے کیلئے بھر پور حملہ کیا۔ مگر سلطان صلاح الدین ایوبی کے جانبازوں نے انہیں مار بھگایا۔ عیسائی نائٹس کے فرار ہوتے ہی یروشلم کے باشندوں کو یقین آ گیا تھا کہ اب ان کی آزادی کے دن پورے ہو چکے ہیں۔ نتیجتاً پورا شہر ماتم کدہ بن گیا۔ ہر گلی کوچے سے "آہ و بکا" کی آوازیں ابھرنے لگیں لوگوں نے جوق در جوق کلیساؤں (گرجوں) کی طرف بھاگنا شروع کر دیا تا کہ خداوندِ خدا کے حضور اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر آفات و مصائب سے محفوظ رہ سکیں۔

کچھ عیسائی اس قدر بدحواس ہو گئے تھے کہ انہوں نے اپنے آپ کو پتھروں اور تازیانوں سے زخمی کر لیا تھا۔ اور بار بار آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر چیخ رہے تھے۔ "اے خداوندِ خدا...... ہمارے بہتے ہوئے خون کو دیکھ کہ ہم نے خود ہی اپنے گناہوں کی سزا تجویز کر لی ہے۔ بس ہمیں معاف فرما اور کافروں (مسلمانوں) کے حوالے نہ کر"۔

عیسائیوں کے خوف و دہشت کا یہ عالم تھا کہ ماؤں نے اپنی بیٹیوں کے سر کے بال کاٹ دیئے تھے۔ اور انہیں بے لباس کر کے ٹھنڈے پانی میں ڈال دیا تھا۔ شاید عیسائیوں کے نزدیک یہ کوئی شگون تھا کہ جس کے ذریعے بلاؤں کو ٹالا جا سکتا تھا۔

راہبوں اور پادریوں کی وحشت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ وہ صلیب بلند کئے اور توبہ و استغفار کرتے ہوئے ایک جلوس کی شکل میں یروشلم کی شاہراہوں سے گزر رہے تھے۔ ان مذہبی پیشواؤں کو یقین تھا کہ اس عمل سے خداوندِ خدا راضی ہو جائے گا۔ اور بیت المقدس کو مسلمانوں کے تسلط سے محفوظ رکھے گا۔ مگر ایک انگریز مؤرخ کے بقول اہلِ شہر کی بداعمالی اور بدکاری سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تنگ آ چکے تھے اور یہی وجہ تھی کہ گناہ گاروں کی دعائیں "بابِ قبولیت" تک نہیں پہنچ رہی تھیں۔

......}......☆......{......

مسلمان نقب زنوں کے ذریعے فصیل میں لگایا جانے والا شگاف بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ بس چند گھنٹوں کی بات تھی۔ اس کے بعد لشکرِ اسلام یروشلم میں داخل ہو جاتا اور پھر یہ مقدس شہر اہلِ ایمان کے رحم و کرم پر ہوتا۔ اس سنگین اور نازک صورتحال کو دیکھ کر یروشلم کے حکمرانوں نے عام اعلان کر دیا کہ جو سپاہی فصیل کے اس شگاف پر پہرہ دے گا اسے سو اشرفیاں بطور انعام دی جائیں گی۔ مگر عیسائیوں کی شکستگی اور مایوسی کا یہ عالم تھا کہ نہ تو شہرِ مقدس کی حفاظت کا نعرہ اور نہ اتنے بڑے انعام کا لالچ انہیں فصیل پر پہرہ دینے پر مجبور کر سکا۔ اب یروشلم کے عوام کا صرف ایک ہی مطالبہ تھا کہ خونریزی سے بچنے کیلئے ہتھیار ڈال دیئے جائیں۔ ایسی ہنگامہ خیز ساعتوں میں حکمرانوں اور فوجی سالاروں کے ذہن بھی ماؤف ہو چکے تھے۔ بالآخر انہوں نے فیصلہ کیا کہ ایک بار سب مل کر پوری شدت سے مسلمانوں پر حملہ کر دیں۔ اور سب کے سب کٹ کر مر جائیں۔ مگر بطریق اعظم (عیسائیوں کے سب سے بڑے پادری) ہرقولس نے اس فیصلے سے اختلاف کیا۔ اور یروشلم کے

حکمرانوں کے سامنے انتہائی جذباتی تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"بے شک! ہم سب کے سب صلیب کی عزت پر قربان ہو جائیں گے مگر جانتے ہو کہ اس کے بعد کیا ہوگا؟ ہماری عورتیں اور بیٹیاں دشمنوں کے تصرف میں آ جائیں گی اور معصوم بچے ہمیشہ کیلئے غلام بنا لئے جائیں گے"۔

بطریق اعظم ہرقولس کی دل ہلا دینے والی گفتگو سن کر یروشلم کے تمام حکمرانوں اور فوجی سالاروں کے چہروں پر فکر و پریشانی کے گہرے سائے لرزنے لگے۔ "پھر یہ آفت ہمارے سروں سے کیسے ٹلے گی؟" ایک فوجی سالار نے انتہائی جھنجلائے ہوئے لہجے میں بطریق اعظم سے سوال کیا۔

"ایک بار پھر صلاح الدین ایوبی کو صلح کا پیغام بھیجا جائے"۔ بطریق اعظم ہرقولس نے جواباً کہا۔ "ان خونریز لمحات کو کسی طرح ٹال دینا ہی ہم عیسائیوں کے حق میں ہے۔ زندہ بچے تو جینے کا کوئی اور راستہ ڈھونڈ لیں گے"۔ ہرقولس کی آنکھوں سے فریب و عیاری کا رنگ جھلک رہا تھا۔

"سلطان تو بزورِ شمشیر یروشلم کو فتح کرنے کی قسم کھا چکا ہے"۔ دوسرے سالار نے پریشان لہجے میں کہا۔ "پھر والیٔ مصر اپنی قسم کیوں توڑے گا۔ جبکہ وہ فتح کی منزل کے بہت قریب کھڑا ہے"۔

آخر طویل بحث و تمحیص کے بعد بالیان کو صلح کا پیغام لے جانے کیلئے منتخب کیا گیا۔ یہ وہ فریب کار شخص تھا جسے ایک بار سلطان نے رحم کھا کر معاف کر دیا تھا۔ پھر اسی مکار صلیبی نے بدترین عہد شکنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے صلاح الدین ایوبی کیلئے بڑی مشکلات پیدا کر دی تھیں۔ اس لئے وہ سلطان کے سامنے جانے سے خوفزدہ تھا کہ کہیں والیٔ مصر غصے میں آ کر اسے قتل ہی نہ کرا دیں۔ مگر جب ہرقولس اور دوسرے فوجی سالاروں نے مذہب کا واسطہ دیا تو بالیان صلح کا پیغام لے جانے کیلئے تیار ہو گیا۔

پھر جب بالیان سلطان صلاح الدین ایوبی کے خیمے میں پہنچا تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ مسلمان جانبازوں نے شگاف میں داخل ہو کر یروشلم کی فصیل پر اسلامی پرچم نصب کر دیا تھا۔

بالیان کو اپنے سامنے پا کر سلطان صلاح الدین ایوبی نے نہایت تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ "تم بھی بڑے عجیب لوگ ہو۔ جب ہار جاتے ہو تو پیروں پر سر رکھ کر زندگی کی بھیک مانگنے لگتے ہو۔ پھر جب تمہیں بخش دیا جاتا ہے تو اس بدترین احسان فراموشی کا مظاہرہ کرتے ہو کہ جس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ اب کونسا فریب کار منصوبہ لے کر میرے پاس آئے ہو؟"

بالیان نے ندامت سے سر جھکاتے ہوئے بڑے عاجزانہ لہجے میں کہا۔ "سلطان محترم! میں کل بھی اپنی قوم سے مجبور تھا اور آج بھی"۔

"میں تم سے تمہاری پچھلی مجبوریوں کا حساب طلب نہیں کرتا"۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بے نیازانہ کہا۔ "مگر آج کیا مجبوری ہے؟"

"میں اپنی قوم کے نمائندے کی حیثیت سے صلح کا پیغام لے کر آیا ہوں"۔ بالیان کی نظریں جھکی

ہوئی تھیں اور لہجہ بہت مدہم تھا۔

بالیان کی بات سن کر سلطان صلاح الدین ایوبی مسکرایا۔ "کیا تم نے اپنے شہر کی فصیل پر اسلامی پرچم لہراتے ہوئے نہیں دیکھا۔ کیا دنیا کی تاریخ میں کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ شکست کھا جانے کے بعد کسی قوم نے صلح کا پیغام بھیجا ہے؟ یہ تو جنگ کا فیصلہ ہونے سے پہلے کا مرحلہ ہے۔ اب ان باتوں کا وقت گزر چکا"۔

"میں جانتا ہوں کہ ان باتوں کا وقت گزر چکا۔ مگر پھر بھی یہ میرا فرض ہے کہ میں سلطان محترم کو اپنی قوم کے فیصلے سے آگاہ کر دوں"۔ عیار بالیان نے ایک نئی چال چلتے ہوئے کہا۔ "آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہم سپاہی محض اس امید پر جنگ کو ٹال رہے ہیں کہ آپ یروشلم کے باشندوں کے ساتھ بھی اسی نرمی اور شفقت کا سلوک کریں گے۔ جو دوسرے مفتوحہ علاقوں کے رہنے والوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ہمیں موت سے نفرت ہے اور زندگی کی شدید خواہش۔ جب ہماری تمام امیدیں ٹوٹ جائیں گی اور ہمیں اپنی موت کا یقین ہو جائے گا تو خداوند خدا کی قسم! ہم اپنی بیٹیوں اور عورتوں کو قتل کر دیں گے۔ دولت اور ساز و سامان کو آگ لگا دیں گے۔ اور آپ کے لوٹنے کیلئے نہ اشرفی چھوڑیں گے، نہ کوئی کھوٹا سکہ۔ غلام بنانے کیلئے نہ کوئی مرد چھوڑیں گے نہ کوئی عورت"۔ یہ کہہ کر مکار بالیان چند لمحوں کیلئے خاموش ہو گیا۔ اس کا چہرہ جوش جذبات سے سرخ ہو رہا تھا۔ پھر اس نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو آخری دھمکی دیتے ہوئے کہا۔ "خداوند خدا کی قسم! ہم مسجد اقصیٰ اور دوسرے مقامات مقدسہ کو منہدم کر دیں گے۔ ہمارے پاس پانچ ہزار مسلمان غلام ہیں۔ ہم ان سب کو ذبح کر ڈالیں گے اور ہر ایک جانور کی گردن پر چھری پھیر دیں گے۔ پھر ہم ایک ساتھ باہر نکل آئیں گے اور اپنی جانوں کی بازی لگا کر آپ سے مقابلہ کریں گے۔ ہر عیسائی اپنے مقابل کو مارے بغیر موت کا مزا نہیں چکھے گا۔ اور اس طرح یا تو ہم عزت کی موت حاصل کریں گے یا عظیم الشان فتح"۔

بالیان کی بات سن کر سلطان صلاح الدین ایوبی پریشان نظر آنے لگا۔ وہ یا اس کے سپاہی موت کے تصور سے خوفزدہ نہیں تھے بلکہ سلطان کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں بدعہد عیسائی مسجد اقصیٰ ہی کو شہید نہ کر ڈالیں۔ جو اسے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھی۔ سلطان نے فوری طور پر بالیان کو دوسرے خیمے میں ٹھہرایا۔ اور تنہائی میں علماء سے مشورے کرنے لگا کہ وہ کس طرح اپنی قسم پوری کر سکتا ہے۔ آخر طویل غور و خوض کے بعد علماء نے سلطان کو کچھ ایسے طریقے بتائے کہ جن پر عمل کرنے سے اس کی قسم بھی پوری ہو سکتی تھی اور مسجد اقصیٰ کو بھی عیسائیوں کے شر سے محفوظ رکھا جا سکتا تھا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے دوبارہ بالیان کو خیمے میں طلب کر کے اپنی شرائط پیش کر دیں۔

"اگر یروشلم کے سپاہی اس طرح ہتھیار ڈال دیں کہ جیسے یہ شہر حملے کے بعد فتح ہوا ہے تو میری قسم پوری ہو جائے گی۔ اس صورت میں شہریوں کو جنگی قیدی تصور کیا جائے گا۔ ہر مرد کو آزادی حاصل کرنے کیلئے دس، ہر عورت کو پانچ اور ہر بچے کو ایک اشرفی ادا کرنی ہو گی۔ ایسے مفلس عیسائی جن کے

پاس ایک اشرفی بھی نہ ہو وہ اس رقم کے بدلے میں آزاد کر دیئے جائیں گے جو یروشلم کے بادشاہ کے خزانے میں موجود ہے۔ شہر خالی کرنے اور فدیہ ادا کرنے کیلئے چالیس دن کی مہلت دی جائے گی۔ اس مدت کے بعد جو لوگ باقی رہ جائیں گے، وہ غلام شمار کئے جائیں گے"۔

بالیان نے واپس جا کر یروشلم کے حکمرانوں اور فوجی سالاروں کے سامنے سلطان صلاح الدین ایوبی کا شرائط نامہ پیش کر دیا۔ اگرچہ یہ شرائط نامہ غلامی کی کسی دستاویز سے کم نہیں تھا۔ لیکن صلیبیوں کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا کہ وہ سلطان کی پیش کردہ ایک ایک شرط کو قبول کر لیتے۔ بالآخر 2/اکتوبر 1187ء کو ہتھیار ڈال دینے کے شرائط نامے پر دستخط ہو گئے۔ اس معاہدے کے بارے میں کچھ انگریز مؤرخ تحریر کرتے ہیں۔ "یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس روز معاہدے پر دستخط ہوئے، اس دن رجب کی 27/تاریخ یعنی معراج کی رات تھی"۔ عیسائی مؤرخوں کے نزدیک یہ اتفاق عمل ہو سکتا ہے۔ مگر اہلِ ایمان اس راز سے باخبر ہیں کہ یہ قدرت کا ایک طے شدہ منصوبہ تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی معراج کی مقدس رات کو بیت المقدس میں داخل ہو۔ یہ سلطان کے جذبۂ صادق اور حسن نیت کا عظیم صلہ تھا جو اسے حق تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا۔

......}......☆......{......

جب اس معاہدے کی خبر یروشلم کے باشندوں کو ہوئی تو وہ دھاڑے مار مار کر رونے لگے۔ بار بار ان دیواروں کو بوسے دینے لگے جو انہیں پھر کبھی دیکھنا نصیب نہیں ہوں گی۔ ہزاروں عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مزار مبارک کے سامنے سر جھکا کر ارض مقدس کو اپنے آنسوؤں سے بھگونے لگے۔ دنیا کے متعصب ترین عیسائی بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس یادگار زمانہ فتح سے زیادہ کبھی اتنی فراخدلی کا ثبوت نہیں دیا۔ سلطان نے اپنے معتبر سرداروں کی قیادت میں فوجی دستے قدم قدم پر متعین کر دیئے تھے۔ ان سرداروں نے پورے شہر میں مکمل طور پر امن برقرار رکھا۔ اور کسی قسم کا تشدد اور کوئی توہین آمیز حرکت سرزد ہونے نہیں دی۔ بطریق اعظم (سب سے بڑا پادری) ہرقولس ایک بے ضمیر اور شقی القلب انسان تھا۔ اس نے گرجوں کے خزانے، مقامات مقدسہ کیلئے وقف شدہ قیمتی تبرکات اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مزار اقدس کا سونے کا طشت سمیٹ کر جانے لگا تو مسلمان سرداروں نے سلطان سے شکایت کی کہ اس بوڑھے اور مکار لیٹرے پادری کو روکا جائے تو سلطان نے بے اختیار جواب دیا۔

"یہ اس کے اپنے اعمال ہیں۔ مگر میں وعدہ شکنی نہیں کر سکتا"۔

یہ صلاح الدین ایوبی کا ایفائے عہد ہی تھا کہ جس کے طفیل بطریق اعظم ہرقولس جیسا ریاکار اور ہوس پرست پادری بھی عام شہریوں کی طرح دس اشرفیاں دے کر آزاد ہو گیا اور اس نے مفلس و نادار عیسائیوں کی طرف پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔

چالیس دن تک غمزدہ اور شکستہ عیسائیوں کا جلوس "باب داؤد" سے گزرتا رہا۔ سلطان کی طرف

سے دی گئی مہلت کی مدت ختم ہو چکی تھی۔ لیکن پھر بھی ہزاروں کے قریب عیسائی فدیئے کی رقم ادا نہ کرنے کے سبب وہیں رہ گئے۔ یروشلم میں اتنے مالدار اور آسودہ حال عیسائی موجود تھے کہ اگر وہ چاہتے تو زر فدیہ ادا کر کے اپنے تمام ہم مذہبوں کو آزاد کرا لیتے۔ مگر وہ فطری طور پر حرص وہوس کے غلام تھے۔ اسلئے ہزاروں عیسائیوں کو مسلمانوں کی غلامی کیلئے چھوڑ گئے۔ یہ منظر دیکھ کر سلطان کا چھوٹا بھائی ملک عادل حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا۔ ''میں بھی ہر معرکے میں آپ کا شریک کار رہا ہوں۔ اس لئے میری درخواست ہے کہ مجھے اس کارکردگی کے صلے میں ایک ہزار غلام بخش دیئے جائیں''۔

سلطان صلاح الدین ایوبی۔ نے بڑی حیرت کے ساتھ ملک عادل سے پوچھا۔ ''تم ان غلاموں کا کیا کرو گے؟''

''اسے میری مرضی پر چھوڑ دیجئے''۔ ملک عادل نے مؤدبانہ عرض کیا۔

پھر جب سلطان نے اپنے چھوٹے بھائی کو ایک ہزار عیسائی غلام بخش دیئے تو ملک عادل نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اے اللہ میں بھی تیرا بندہ ہوں۔ اور تیری ہی رضا کی خاطر تیرے بندوں کو آزاد کرتا ہوں''۔

ملک عادل کے بعد مکار بالیان بھی اسی طرح کی درخواست لے کر سلطان صلاح الدین ایوبی کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا۔ ''جب آپ اپنے چھوٹے بھائی کو ایک ہزار عیسائی غلام عنایت کر سکتے ہیں تو پھر مجھے اس بخشش خاص سے کیوں محروم رکھا جا رہا ہے؟''

بالیان کا یہ ریاکارانہ انداز اور چرب زبانی کا رنگ دیکھ کر سلطان صلاح الدین مسکرایا۔ ''تم ان غلاموں کا کیا کرو گے؟''

''میں بھی انہیں خداوندِ خدا کی راہ میں آزاد کروں گا۔ تاکہ عیسائی قوم کی نظروں میں میرا کچھ تو بھرم رہ جائے۔'' بالیان نے اپنی عرضداشت کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی بالیان کی بات سن کر مسکرایا۔ ''تم تو یروشلم کے امراء میں شمار کئے جاتے ہو۔ اور تمہاری مالی حیثیت اتنی ہے کہ تم اپنی جیب خاص سے زر فدیہ ادا کر کے ایک ہزار کے بجائے پانچ ہزار غلام بھی آزاد کرا سکتے ہو۔''

''سلطان محترم نے ہمیں امراء کی صف میں کھڑے رہنے کے قابل کب چھوڑا؟'' بالیان کے ایک ایک لفظ سے شدید طنز کا اظہار ہو رہا تھا۔ ''اب تو ہمارا شمار خانہ بدوشوں میں ہوتا ہے۔''

سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہونٹوں پر ابھرنے والی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔ ''بالیان! اب تک تو میں سمجھتا تھا کہ عیاری اور مکاری تجھ پر ختم ہے۔ لیکن آج اندازہ ہوا کہ سنگ دلی اور کنجوسی کا خاتمہ بھی تیری ہی ذات پر ہو گیا ہے۔''

ابھی سلطان صلاح الدین ایوبی کی بات ختم ہونے بھی نہیں پائی تھی کہ بالیان درمیان ہی میں بول اٹھا۔ ''لیکن مجھے بھی آج اس حقیقت کا علم ہو گیا کہ فیاضی، سخاوت اور دریا دلی جیسے الفاظ سلطان محترم

ہی کے لئے ایجاد کئے گئے تھے۔'' بالیان نے اپنی چرب زبانی کا ایک اور مظاہرہ کیا۔

''میں نہیں، میرا مذہب فیاض، سخی اور دریا دل ہے۔ تو اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ میں تیری یا دوسرے عیسائی امراء کی خوشامدانہ چالوں میں آ کر لطف و کرم کی بارش کر رہا ہوں۔ بلکہ میں نے تو اپنے بزرگوں کی رسموں کی تجدید کی ہے جو مجھ سے کہیں زیادہ فیاض اور رحم دل تھے۔ جاؤ! تم بھی قوم کے سامنے اپنا بھرم رکھ لو۔''

پھر جب بالیان بھی ایک ہزار عیسائی غلاموں کو آزاد کر چکا تو سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے تمام سالاروں کو جمع کر کے کہا۔ ''ملک عادل اپنے حصے کی خیرات دے چکا اور بالیان اپنے حصے کی۔ اب میری باری ہے۔ تم لوگ یروشلم کے گلی کوچے میں منادی کر دو کہ جو عیسائی زر فدیہ ادا کرنے سے قاصر ہے وہ اپنے آپ کو آزاد تصور کرے اور جہاں جانا چاہے چلا جائے۔''

سلطان کے اس اعلان عام کے بعد سینٹ لازارس (ST-LAZARUS) کے بغلی دروازے سے نکلنے والے عیسائیوں کا تانتا بندھ گیا۔ اگرچہ عیسائیوں کو ارض مقدس چھوڑنے کا شدید غم تھا لیکن پھر بھی یروشلم کے مفلس و نادار عیسائی سلطان صلاح الدین ایوبی کو دل سے دعائیں دے رہے تھے کہ اسی کی بے مثال عنایت و نوازش کے باعث انہیں آزادی جیسی نعمت میسر آئی تھی۔

جب سلطان صلاح الدین ایوبی کے لطف و کرم کا شہرہ عام ہوا تو عیسائی خواتین کی ایک جماعت والئ مصر کی خدمت میں حاصر ہوئی۔ یہ معزز خواتین ان نائٹس (KNIGHTS) کی بیگمات یا بیٹیاں تھیں جن کے شوہر اور باپ طبریہ اور عسقلان کے خونریز معرکوں میں قتل ہو گئے تھے یا انہیں جنگی قیدی بنا کر آہنی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا گیا تھا۔ جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے ان عیسائی خواتین سے پوچھا کہ وہ کیا چاہتی ہیں تو نائٹس کی بیویاں اور بیٹیاں زار و قطار رونے لگیں۔

''ہمارے شوہر جنگ میں مارے گئے یا انہیں گرفتار کر لیا گیا۔'' ایک نائٹ کی بیوی نے جس کا شوہر صلاح الدین ایوبی کی قید میں تھا، گریہ و زاری کرتے ہوئے کہا۔ ''ہماری جاگیریں تم نے ضبط کر لیں۔ پھر بتاؤ کہ ہم بے سہارا عورتیں کہاں جائیں۔'' عیسائی خاتون کی فریاد سن کر سلطان صلاح الدین ایوبی بہت اداس نظر آنے لگا۔ پھر اس نے انتہائی غمزدہ لہجے میں نائٹس کی بیویوں اور بیٹیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''اس پر میرا کوئی اختیار نہیں۔ ہمیشہ جنگ کا ایک ہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ کوئی قاتل ٹھہرتا ہے اور کوئی مقتول۔''

''جنگ کے نتائج پر تو تمہارا اختیار نہیں تھا۔'' ایک نائٹ کی بیوہ نے جگر شگاف لہجے میں کہا۔ ''مگر یہ تو تمہارے قبضۂ قدرت میں ہے کہ تم ہم سب کو بھی قتل کرا دو۔ اس اذیت ناک زندگی سے نجات تو دے سکتے ہو جس کا ہر گزرنے والا لمحہ ایک جان لیوا عذاب سے کم نہیں۔''

عیسائی خواتین کی ماتمی فریادوں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو بھی رلا دیا۔ پھر اس نے فوراً ہی اپنے سپاہیوں کو مختلف مقامات کی طرف روانہ کر دیا جہاں نائٹس کے قید ہونے کے امکانات

تھے۔ آخر کئی دن کی تلاش کے بعد سو کے قریب نائٹس کو سلطان صلاح الدین ایوبی کے خیمے میں لایا گیا۔ سلطان نے ان کی بیویوں اور بیٹیوں کے سامنے انہیں زنجیروں سے آزاد کر دیا۔ پھر ان عیسائی خواتین سے مخاطب ہوا جن کے شوہر میدان جنگ میں مارے جا چکے تھے۔

"میرے اختیار میں بس اتنا ہی تھا کہ زندہ انسانوں کے پیروں کی زنجیریں کاٹ دوں۔ اگر اس پر قادر ہوتا تو تمہارے مقتول شوہروں اور باپوں کو بھی واپس لے آتا۔" یہ کہتے وقت صلاح الدین ایوبی کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

پھر سلطان نے مقتول نائٹس کی بیویوں اور بیٹیوں کو حکومت کے خزانے سے اتنی کثیر رقم دی کہ وہ بے سہارا خواتین اپنے علاقوں میں واپس جا کر پرسکون اور آسودہ زندگی گزار سکیں۔ جب وہ خواتین سلطان کے سپاہیوں کی حفاظت میں یروشلم سے جا رہی تھیں تو ان کی آنکھوں سے تشکر کے آنسو رواں تھے۔ اور سب عورتوں کی زبان پر ایک ہی جیسے کلمات جاری تھے۔

"بے شک! تم عظیم ہو بلکہ عظیم تر اور ہمارے عیسائی حکمران ذلیل ہیں بلکہ ذلیل تر۔"

عیسائی خواتین نے سلطان صلاح الدین ایوبی کا بے مثال حسن سلوک دیکھ کر اس واقعے کی طرف اشارہ کیا تھا جب 1099ء میں صلیبیوں نے وحشیانہ طور پر یروشلم فتح کیا تھا۔ اس وقت عیسائی سالار گارڈ فری اور ٹینکرڈ اس شہر مقدس کے گلی کوچوں سے گزرے تھے جو مسلمانوں کی لاشوں اور نیم جاں جسموں سے پٹے پڑے تھے۔ بے کس و مجبور مسلمانوں کو اتنی اذیتیں دی گئیں کہ اس درندگی کی مثالیں تاریخ انسانی میں بہت کم ملیں گی۔

اہل ایمان کو زندہ جلایا گیا۔ اور انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مزار مبارک کی چھت پر لے جا کر ذبح کیا گیا۔ جب عیسائی خواتین واپس جا رہی تھیں تو ان کے کانوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کے الفاظ گونج رہے تھے۔ ایک بار اسی مقام پر برگزیدہ رسول نے فرمایا تھا۔

"مبارک ہیں رحم دل ہستیاں کیونکہ ان پر بھی رحم کیا جائے گا۔"

صلیبیوں نے اپنے پیغمبر کے ان الفاظ کو فراموش کر دیا تھا۔ مگر پھر بھی وہ خوش قسمت ثابت ہوئے کہ ایک مسلمان سلطان نے ان پر رحم کیا۔

......}☆{......

جب یروشلم سے تمام مسیحی چلے گئے اور صرف وہ عیسائی رہ گئے جنہوں نے زر فدیہ ادا کر کے وہاں رہنے کی اجازت حاصل کر لی تھی تو سلطان صلاح الدین ایوبی نے مقامات مقدسہ کی تطہیر کا حکم جاری کر دیا۔ "صخرۂ مقدس" کی گنبد سے سنہری صلیب اتار دی گئی۔ اور مسجد اقصیٰ کے قرب و جوار سے جہاں "مسجد عمرؓ" موجود تھی، ٹمپلرز کی بنائی ہوئی عمارتوں کے تمام نشانات مٹا دیے گئے۔ تطہیر کی خبر سن کر دور دراز کے علماء بھی یروشلم پہنچ گئے تھے جنہوں نے پورے ذوق و شوق کے ساتھ اس کار مقدس میں حصہ لیا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی ابھی تک شہر سے باہر خیمہ زن تھا۔ دوسرے علاقوں سے آنے والے مسلمان علماء کے وفود یہیں ٹھہرتے۔ تلاوت قرآن پاک اور حمد و نعت کی محفلیں آراستہ ہوتیں۔ اور شاعر اسلام کی سربلندی کیلئے ولولہ انگیز نظمیں پڑھتے جن میں صلاح الدین ایوبی کے اس تاریخ ساز کارنامے کی تعریف بھی شامل ہوتی۔

پھر جب یروشلم کی تطہیر کا کام مکمل ہو گیا تو جمعہ 9/اکتوبر 1187ء کو سلطان صلاح ایوبی نے اہلِ ایمان کی ایک عظیم جمعیت کے ساتھ مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کی۔ قاضی القضاۃ نے خطبہ پڑھا۔ جس میں دین متین کی فتح اور خانہ خدا کی تطہیر پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا گیا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر درود و سلام بھیجا گیا۔ اس کے بعد حلب کے قاضی القضاۃ نے انتہائی پُرسوز لہجے میں مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اے اہلِ ایمان! اللہ عزوجل تمہارے اعمال سے بہت خوش ہوا ہے۔ اور ایک مسلمان کی خواہش کی یہی معراج ہوتی ہے۔ وہ بڑی شان و قدرت والا ہے کہ اس نے ایک بھٹکے ہوئے اونٹ کی مہار غلط ہاتھوں سے نکال کر تمہارے ہاتھ میں دے دی اور اسے دوبارہ اسلامی اخوت کے دائرے میں داخل کرنے کیلئے تمہاری مدد کی۔ عیسائیوں نے اس مقام مقدس پر تقریباً ایک صدی تک قبضہ جمائے رکھا۔ پاک ہے وہ ذات جس نے تمہارے ذریعے ان کی دنیاوی شان و شوکت کا زور توڑ کر انہیں اس شہر سے بے دخل کر دیا۔ اہلِ ایمان تمہیں اس محترم گھر کی تطہیر پر ناز کرنا چاہئے۔ اس خانۂ مقدس کو اللہ تعالیٰ نے تعمیر کرایا اور اس کی بنیاد خدائے واحد کی دین پر رکھی گئی۔ اور یہی بہترین بنیاد ہو سکتی ہے۔ اس کی دیواریں حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کی خاطر تعمیر ہوئیں۔ اور زمانہ قدیم سے لیکر آج تک زہد و تقویٰ پر قائم ہیں۔ اگر تم دنیا کے شور میں اپنے اس سبق کو بھول گئے ہو تو دوبارہ یاد کر لو کہ یہ تمہارے دینی باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قیام گاہ تھی۔ اور یہیں سے تمہارے عظیم و جلیل پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تھے۔ یہی اسلام کا اولین قبلہ ہے جس کی طرف منہ کر کے تم نماز پڑھا کرتے تھے اور یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور انہیں رسالت کے منصب عظیم سے سرفراز کیا گیا۔ مگر مخلوق کے مرتبے سے نہیں بڑھایا (یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آج بھی دنیا کے تمام عیسائی حضرت مسیح ابن مریم کو خدا کا بیٹا تصور کرتے ہیں) اگر تم اس کے برگزیدہ بندوں میں سے نہ ہوتے تو وہ تم پر یہ برکت نازل نہ کرتا۔ اس میں نہ کوئی تمہارا ثانی ہو سکتا ہے اور نہ کوئی دوسرا اس کی تکمیل میں تمہارا حصہ دار بن سکتا ہے۔ تم نے اسلام کی عظمت و سربلندی کی خاطر قادسیہ، یرموک، خیبر اور حضرت خالد بن ولیدؓ کی شاندار روایتوں کی یاد تازہ کر دی۔ خداوند کریم تمہیں اجر عظیم عطا فرمائے۔ اور اس خون کی قربانی کو قبول کرلے جو تم نے اس کی راہ میں بہایا ہے اور جنت الفردوس کو ہمیشہ کیلئے تمہارا مقدر بنا دے۔" حلب کے قاضی القضاۃ کا یہ خطبہ اس قدر اثر انگیز تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ نماز جمعہ میں شریک تمام اہل ایمان

زار و قطار رو رہے تھے۔

اس کے بعد قاضی القضاۃ نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے حق میں اس طرح دعا کی۔

"یارب العالمین! اپنے ممنون احسان بندے، اپنی بخشش و عطا کے شکر گزار بندے، حامیٔ دین، محافظ ارض مقدس، امیر المومنین، ابوالمظفر صلاح الدین یوسف ابن ایوب کی سلطنت میں اضافہ فرما۔ فرشتے اس کے جھنڈوں کے گرد جمع رہیں۔ اسلام کی بہتری اور بہبود کے لئے اس کی عمر دراز عطا فرما۔ اس کی اور اس کے اہلِ وعیال کی حفاظت فرما۔ تو نے اس کے ذریعے اسلام کو ایک مستقل فائدہ بخشا ہے، اسے سالہا سال تک قائم رکھ۔ اسے ابدی سلطنت عطا کر۔ اور اس کی دعائیں قبول فرما۔"

قاضی القضاۃ کے خطبے کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے سپاہیوں سے ایک انتہائی خوشنما نقش و نگار والا منبر منگوایا اور اپنے ہاتھ سے مسجد اقصیٰ میں اس مقام پر رکھا جہاں کھڑے ہو کر امام خطبہ دیا کرتا تھا۔ یہ وہی نادرِ روزگار منبر تھا جسے مسجد اقصیٰ کے لئے سلطان نور الدین محمود زنگیؒ نے بیس سال پہلے بطور خاص بنوایا تھا۔ سلطان عادل کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ وہ مسجد اقصیٰ میں نماز جمعہ پڑھیں۔ اور اس منبر پر کھڑے ہو کر اہلِ ایمان سے خطاب کریں۔ مگر وقت نے ان کو اتنی مہلت نہ دی۔ پھر انتقال سے پہلے سلطان عادل نے صلاح الدین ایوبی سے وعدہ لیا کہ وہ اس منبر کو مسجد اقصیٰ میں اپنے ہاتھوں سے نصب کرے گا۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ مسلمان ایک فاتح کی حیثیت سے بیت المقدس میں داخل ہو جائیں۔ بالآخر اللہ جل جلالہ نے اپنے بے مثال کرم سے مسلمانوں کو یہ تاریخ ساز دن دکھایا۔ اور سلطان صلاح الدین نے اپنے ہاتھوں سے منبر نصب کر کے بارگاہ رب العزت میں دعا کیلئے ہاتھ پھیلا دیئے۔

"اے اللہ! میری زبان تیرا شکر ادا کرنے سے قاصر ہے کہ تو نے مجھ جیسے گناہ گار اور کمزور بندے کو ایفائے عہد کی توفیق عطا فرمائی۔ تو میرے آقا سلطان نور الدین زنگیؒ پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرما کہ وہ زندگی بھر اسلام کی سربلندی کیلئے کوشاں رہے۔"

اس دعا میں سلطان کے ساتھ قاضی القضاۃ اور دوسرے نمازی بھی شریک تھے۔ بہت دیر تک اہلِ ایمان کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے اور ان کی پُرسوز آوازیں مسجد اقصیٰ کی فضا میں گونجتی رہیں۔

اس کے بعد بہترین خطاط کا تحریر کردہ خوبصورت کتبہ مسجدِ اقصیٰ کے دروازے پر نصب کیا گیا جس کی عبارت حسب ذیل ہے۔

"بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ...... اللہ کے بندے صلاح الدین یوسف ابن ایوب نے اس محراب مقدس کی مرمت اور مسجد اقصیٰ کی تجدید کا حکم دیا۔ جبکہ اللہ نے اسے فتح مند کیا۔ اس کی دعا ہے کہ حق تعالیٰ اسے اپنے احسانات کا شکر ادا کرنے کی توفیق دے اور اپنے رحم و کرم سے اس کے گناہ معاف فرمائے۔"

......}......☆......{......

اس تاریخ ساز فتح کے بعد سلطان ایک ماہ تک بیت المقدس میں مقیم رہ کر انتظامی امور درست کرتا رہا۔ اب صلیبیوں کے مشہور اور مضبوط مقامات میں سے "صور" کا قلعہ عیسائیوں کے قبضے میں رہ گیا تھا۔ سلطان اسے فتح کرنے کے ارادے سے 25/شعبان جمعہ کے دن بیت المقدس سے روانہ ہو کر 9/رمضان بروز جمعہ وہاں پہنچ گیا اور صور کا محاصرہ شروع کر دیا۔ مگر شوال کے مہینے میں شدید سردی کے باعث سلطان کو محاصرہ اٹھا لینا پڑا۔ مگر اس عرصے میں صلاح الدین ایوبی "ہونین" کا قلعہ فتح کر چکا تھا۔ 584 ہجری کے آغاز یعنی محرم کے وسط میں سلطان نے "عکہ" سے گزر کر "حصن کوکب" کا محاصرہ کر لیا۔ مگر سیاسی اعتبار سے یہ محاصرہ سودمند ثابت نہیں ہوا۔ نتیجتاً صلاح الدین ایوبی محاصرہ اٹھا کر دمشق کی طرف روانہ ہو گیا اور 6/ربیع الاول کو وہاں پہنچا۔ سلطان پورے چودہ ماہ بعد اپنے دارالحکومت واپس آیا تھا۔ وہ یہاں کچھ دن ٹھہر کر ذہنی یکسوئی کے ساتھ صلیبیوں کے خلاف ایک جامع منصوبہ بندی کرنا چاہتا تھا۔ مگر پانچویں دن ہی اسے اطلاع ملی کہ عیسائیوں نے "جبیل" کا محاصرہ کر لیا ہے۔ سلطان نے فوراً ہی اپنے تمام فوجی سالاروں کو اس نئی صورتحال سے آگاہ کیا۔ اور خود تیز رفتاری کے ساتھ "جبیل" کی طرف روانہ ہو گیا۔ مگر ابھی سلطان راستے ہی میں تھا کہ اس کی آمد کی خبر سن کر عیسائی لشکر فرار ہو گیا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے ہتھیاروں کو تیز رکھنے اور دشمن کو خوفزدہ کرنے کیلئے واپسی میں "طرابلس" پر ایک بھرپور حملہ کیا اور اسے تاخت و تاراج کر ڈالا۔ پھر وہ عیسائیوں کے ایک اور مضبوط قلعے "حصن الاکراد" کی طرف بڑھا۔ اس مضبوط قلعے کا چند دنوں میں تسخیر کرنا آسان نہیں تھا۔ اس لئے سلطان گردونواح کے قلعے فتح کرتا رہا۔ پھر اس نے 6/جمادی الاول کو "انطرطوس" کا قلعہ بھی فتح کر لیا۔ اس کے بعد وہ "جبلہ" کی طرف بڑھا اور آسانی کے ساتھ شہر پر قبضہ کر لیا۔ مگر اہلِ قلعہ مقابلے پر آمادہ رہے۔ پھر 19/جمادی الاول کو عیسائیوں نے عاجز آ کر ہتھیار ڈال دیئے۔ اور صلاح الدین ایوبی سے اماں طلب کی۔ سلطان نے صلیبیوں کی جاں بخشی کا حکم دیکر "جبلہ" کے قلعے پر قبضہ کر لیا۔

پھر 23/جمادی الاول کو سلطان نے "لاذقیہ" کی طرف کوچ کیا اور رات تک اس علاقے میں پہنچ گیا۔ صبح عیسائی سپاہیوں نے صلاح الدین ایوبی کی آمد کی خبر سنتے ہی قلعہ بند ہونا شروع کر دیا۔ "لاذقیہ" میں تین قلعے کافی بلندی پر واقع تھے۔ اسلامی لشکر نے کسی تاخیر کے بغیر نقب لگانا شروع کر دی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے تینوں قلعوں کی بنیادیں ہلا ڈالیں۔ سلطان کے جارحانہ عزائم دیکھ کر تیسرے دن ہی لاذقیہ کے سپاہیوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیئے کہ وہ شہر چھوڑ کر چلے جائیں گے یا پھر سلطان کو جزیہ ادا کریں گے۔ صلاح الدین ایوبی اپنی اسلامی روایت کے ساتھ شہر میں داخل ہوا اور یہاں کے عیسائی باشندوں کے ساتھ نہایت شفقت او مہربانی کا سلوک کیا۔ لاذقیہ ایک نہایت خوبصورت اور آباد شہر تھا۔ جس کی عمارتیں پختہ اور شاندار تھیں۔ نواح میں انتہائی سرسبز و شاداب

باغات تھے اور چاروں طرف نہریں بہہ رہی تھیں۔ یہاں بڑے عالیشان کلیسا (گرجے) تعمیر کئے گئے تھے۔ جن کی دیواریں سنگ مرمر کی تھیں اور ان پر مختلف تصاویر نقش کی گئی تھیں۔ مسلمانوں نے وہ تمام تصاویر مٹا ڈالیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے ایک سالار سیف الاسلام کو ایک خط لکھتے ہوئے اس علاقے کی نقشہ کشی اس طرح کی ہے۔

"لاذقیہ ایک خوبصورت شہر ہے جو باغات اور نہروں کے درمیان گھرا ہوا ہے۔ تمام ساحلی شہروں میں اس سے خوبصورت بندرگاہ کوئی دوسری نہیں ہے۔ یہ مقام جہازوں کے ٹھہرنے کیلئے نہایت موزوں ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ یہ شہر "بہشت" تھا جس میں "جہنمی" رہتے تھے۔ مگر بفضلِ خدا اسلام کے آجانے سے "لاذقیہ" دوبارہ بہشت ہوگیا ہے۔"

"27 رجمادی الاول کو سلطان نے لاذقیہ سے "صیہون" کی طرف کوچ کیا اور 29 رتاریخ کو وہاں پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ شروع کر دیا۔ صیہون کا قلعہ اس قدر مضبوط اور بلند تھا کہ آسمان سے باتیں کرتا ہوا نظر آتا تھا۔ اس کے چاروں طرف بہت گہری اور ہیبت ناک خندق تھی۔ جس کی چوڑائی ایک سو بیس گز تھی۔ تین مضبوط فصیلوں نے شہر کو پناہ دے رکھی تھی۔ اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ قلعہ طویل محاصرے کے بعد بڑی مشکل سے فتح ہوگا۔ مگر جب سلطان کے ماہر سپاہیوں نے اپنی منجنیقوں سے سنگ باری شروع کی تو فصیل کا ایک بڑا حصہ گر پڑا اور اندر جانے کا راستہ پیدا ہوگیا۔ سلطان نے خود پیش قدمی کی اور سپاہیوں نے نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے فصیل پر چڑھنا شروع کر دیا۔ پھر اہلِ ایمان اس جانبازی کے ساتھ لڑے کہ ایک ہی دن میں عیسائیوں کی ہمتیں پست ہوگئیں اور وہ صلاح الدین ایوبی سے اماں طلب کرنے لگے۔ سلطان نے یروشلم کی شرائط پر "صیہون" کے سپاہیوں اور باشندوں کو اماں بخش دی۔ یعنی ہر عیسائی زرفدیہ ادا کرے اور شہر چھوڑ کر چلا جائے۔

صیہون پر مکمل قبضہ کرنے کے بعد صلاح الدین ایوبی نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور پھر اسی طرح بکاس، اشغر اور سرمانیہ کے قلعے بھی فتح کر لئے۔ ایک مورخ کے بقول یہ بڑی عجیب بات ہے کہ "جبلہ" سے "سرمانیہ" تک کے تمام قلعے جمعے ہی کے دن فتح ہوئے۔

اپنی ان جنگی مہمات سے فارغ ہو کر سلطان "حصن برزیہ" کی طرف بڑھا۔ یہ ایک نہایت مضبوط قلعہ تھا جو ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر تعمیر کیا گیا تھا۔ "حصن برزیہ" کے بارے میں عیسائیوں کا دعویٰ تھا کہ اس قلعے کو فتح کرنا ناممکنات میں سے ہے۔ مگر سلطان صلاح الدین ایوبی نے تائید حق کے سبب اسے بھی ممکن کر دکھایا اور قلعے پر قبضہ کرلیا۔ پھر جب جنگی قیدیوں کو سلطان کے سامنے لایا گیا تو یہ راز فاش ہوا کہ اس قلعے پر والئ انطاکیہ کی بیوی حکومت کر رہی تھی۔ صلاح الدین ایوبی نے اسے، اس کی بیٹیوں اور خاندان کی دوسری خواتین کو عزت و احترام کے ساتھ انطاکیہ روانہ کر دیا۔ اس کے بعد سلطان نے "دربساک" اور "بغراس" کے قلعے بھی فتح کر لئے۔ یہ آخری دو قلعے تھے جو انطاکیہ کے نواح میں واقع تھے۔ ان کے فتح ہو جانے کے بعد انطاکیہ اپنے دفاع کیلئے اکیلا رہ گیا تھا۔ گویا اس

کے اعضاء کٹ گئے تھے۔ اور وہ بہت کمزور و ناتواں نظر آرہا تھا۔

سلطان نے اس صورتحال سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور وہ اپنے لشکر کے ساتھ انطاکیہ کی فصیل کے نیچے جا پہنچا۔ زیادہ سے زیادہ پندرہ دن کے محاصرے کے بعد اس عیسائی ریاست کا حکمراں بھی سلطان کے آگے گھٹنے ٹیک دیتا۔ مگر صلاح الدین ایوبی کے بہت سے سپاہی طویل معرکہ آرائیوں سے کچھ اکتا سے گئے تھے۔ اور انہیں مسلسل اپنے گھروں کی یادیں ستا رہی تھیں۔ اسی دوران میں والئ انطاکیہ کی طرف سے صلح کا پیغام بھی آگیا۔ مصلحتاً سلطان نے آٹھ ماہ کیلئے اس شرط پر صلح کر لی کہ تمام مسلمان قیدی جو انطاکیہ میں موجود ہیں، انہیں رہا کر دیا جائے۔

پھر جب صلاح الدین ایوبی انطاکیہ کا محاصرہ اٹھا کر اپنے دارالحکومت دمشق کی طرف واپس جا رہا تھا کہ راستے میں اسے ایک اور بہت بڑی خوش خبری ملی سلطان، شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم ریجنالڈ کو "معرکہ حطین" میں اپنے ہاتھ سے قتل کر چکا تھا۔ مگر اس کا علاقہ کرک ابھی تک مسلمانوں کی دسترس سے محفوظ تھا۔ اس محاذ پر صلاح الدین ایوبی کا چھوٹا بھائی ملک عادل بہت دنوں سے سرگرم عمل تھا۔ بالآخر طویل و شدید جدوجہد کے بعد اس نے عیسائیوں کو شکست فاش دی اور کرک کے قلعے پر قبضہ کرلیا۔

فتح کرک کے بعد عیسائیوں کے دو مضبوط قلعے "صفد" اور "کوکب" باقی رہ گئے تھے۔ سلطان نے رمضان المبارک کے مہینے میں آرام کرنے کے بجائے جہاد کو ترجیح دی اور عیسائیوں کے ان دونوں مضبوط قلعوں کو فتح کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ صلاح الدین ایوبی رمضان المبارک کے شروع میں دمشق سے "صفد" روانہ ہوا۔ یہ قلعہ بہت بلندی پر واقع تھا اور گہری خندقوں سے گھرا ہوا تھا۔ مزید یہ کہ اس علاقے میں شدید بارش ہو رہی تھی۔ جس کی وجہ سے محاصرہ کرنے میں بہت سی دشواریاں حائل تھیں۔ خیموں کے چاروں طرف پانی بھر گیا تھا۔ مسلمان سپاہی بڑی مشکل سے کیچڑ اور دلدل میں آگے بڑھتے تھے۔ مگر سلطان نے ہمت نہیں ہاری۔ وہ دن بھر فوج کے ساتھ حملہ کرنے میں شریک رہتا تھا۔ اور رات کو منجنیقیں نصب کرنے کے کام کو اپنی ہر وقت کھلی رہنے والی آنکھوں سے دیکھتا تھا۔ "صفد" کی مدد کیلئے عیسائیوں نے "صور" سے بھی کچھ فوج بھیجی تھی۔ جو گھاٹیوں میں چھپی ہوئی تھی۔ اتفاق سے ایک دن ایک مسلمان امیر شکار کھیلنے کیلئے گیا تو اس خفیہ فوج کا سراغ بھی لے آیا۔ پھر مسلمان سپاہیوں نے حملہ کر کے ان سب کو گرفتار کرلیا۔ اور شکار کئے جانے والے جانوروں کی طرح ہانکتے ہوئے سلطان کے پاس لے آئے۔ صلاح الدین ایوبی نے حسب عادت ان عیسائی سپاہیوں کو معاف کر دیا کیونکہ وہ سلطان سے اس کے رحم و کرم کی بھیک مانگ رہے تھے۔ "صور" سے آنے والے سپاہیوں کی گرفتاری کے بعد "قلعہ صفد" کے محافظ سپاہیوں نے بھی ہتھیار ڈال دیئے۔ اور شدید ناسازگار موسم کے باوجود سلطان فاتح ٹھہرا۔

"صفد" کی تسخیر کے بعد سلطان "قلعہ کوکب" کی طرف متوجہ ہوا۔ کوکب عربی زبان میں

ستارے کو کہتے ہیں۔ یہ قلعہ اپنی بلندی میں کسی ستارے ہی کی طرح تھا۔ عرب مؤرخین قلعۂ کوکب کو "عنقا کا آشیانہ" اور "چاند کی منزل" سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ مگر آج کوئی بلندی، بلندی نہیں تھی۔ ساری بلندیاں صلاح الدین ایوبی کے قدم چومنے کیلئے تھیں۔ کچھ دن بعد "قلعۂ کوکب" نے بھی جھک کر سلطان کے پیروں کو بوسہ دیا۔ فتح کوکب نے اسلامی فتوحات کے تمام سلسلے کو آپس میں جوڑ دیا۔ اب "صور" کے سوا کوئی جگہ غیر مفتوح نہیں رہی تھی۔

......}......☆......{......

عیسائی مورخین کے بقول مسلمانوں کے ہاتھوں فتح بیت المقدس کی خبر یورپ میں اکتوبر 1187ء کے اختتام پر پہنچی۔ اس المناک اور جانگداز خبر کو سن کر عیسائیوں پر کیا گزری، اس جذباتی کیفیت کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ہر عیسائی کی آنکھ میں دنیا تاریک ہوگئی تھی۔ صلیبیوں کے مقدس روحانی پیشوا پوپ اربن ثالث کے بارے میں مشہور ہے کہ سقوطِ یروشلم کی خبر سنتے ہی اس نے ایک جگر شگاف چیخ ماری اور مر گیا۔ ایک فرانسیسی مورخ کے بقول دنیا بھر کے عیسائیوں نے تمام ذاتی رنج والم فراموش کر دیئے اور اپنی آنکھوں کو بیت المقدس پر آنسو بہانے کیلئے وقف کر دیا۔ گھر گھر ماتمی مجلسیں منعقد ہوتیں اور ان عیسائی دوشیزاؤں کے مصائب بیان کئے جاتے جنہیں مسلمان سپاہیوں نے بے آبرو کیا تھا۔ حالانکہ یہ دنیا کی سب سے بڑی تہمت تھی جو مسلمان سپاہیوں پر لگائی گئی تھی۔ بہت سے پادری شہر بہ شہر ایسی تصویریں لئے گھوم رہے تھے جن میں حضرت عیسیٰؑ کی قبر کو مسلمانوں کے گھوڑے کے سم روندر ہے تھے۔ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مسیح کو زمین پر گرا دیا تھا۔ (معاذ اللہ)۔ ماضی میں ایسا جھوٹ کبھی نہیں بولا گیا اور شاید آئندہ بھی نہیں بولا جا سکے گا۔ پورا یورپ بے سروپا اور مہمل قہقہوں کے شور سے گونج رہا تھا۔ ایک انگریز مورخ لکھتا ہے کہ جس روز صلاح الدین ایوبی بیت المقدس میں داخل ہوا اسی دن "کیٹون" کے عیسائی فقیروں نے چاند کو آسمان سے اترتے اور پھر آسمان پر واپس جاتے دیکھا۔ دوسرا عیسائی مؤرخ لکھتا ہے کہ جس روز عیسائیوں کو یروشلم کے محاذ پر شکست ہوئی، اسی دن بہت سے گرجوں کی دیواروں پر لگی ہوئی عیسائی درویشوں کی تصویروں سے خون کے آنسو ٹپکنے لگے۔ اور یہ دل ہلا دینے والا منظر ہزاروں عیسائی پجاریوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

سقوطِ یروشلم کے بعد عیسائیوں کا بہت بڑا پادری ولیم آرچ بشپ مشرق سے یورپ پہنچا۔ تاکہ عیسائی شہنشاہوں سے صلیبیوں کے لئے امداد طلب کرے۔ اس وقت فرانس اور انگلستان باہمی جنگ میں الجھے ہوئے تھے۔ پادری ولیم نے ایک بہت بڑی مجلس میں صلاح الدین ایوبی کی فتح المقدس کا بیان اس قدر اثر انگیز لہجے میں کیا کہ حاضرین پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور ہر گوشے سے ماتمی آوازیں ابھرنے لگیں۔ اس کے بعد ولیم آرچ بشپ نے ایسی ہی کئی مجلسیں منعقد کیں اور اپنی پرجوش تقریروں میں عیسائیوں کے آفات و مصائب بیان کئے۔ نتیجتاً ہر عیسائی کے دل میں مسلمانوں کے

خلاف شدید نفرت و انتقام کے جذبات ابھر آئے۔ اور اس نے صلیبیوں کے دماغوں میں دوبارہ وہی جنگی جنون پیدا کر دیا جو دوسری صلیبی جنگ میں نمایاں تھا۔ ولیم آرچ بشپ کے ان زہریلے خطبات نے حیرت انگیز اثر دکھایا۔ انگلستان کا بادشاہ ہنری دوم اور شہنشاہ فرانس فلپ آگسٹس جو ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ گلے مل کر بہت دیر تک روتے رہے۔ اور دونوں نے آپس کے تمام اختلافات فراموش کر دیئے۔ یہ عیسائیوں کے لئے ایک بہت ہی نیک شگون تھا۔ اس کے ساتھ ہی انگلستان اور فرانس کے بڑے بڑے سرداروں، جاگیرداروں، پادریوں اور نائٹس نے بیت المقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے چھڑانے کی قسم کھائی۔

اس منصوبہ بندی کو "مقدس مہم" کا نام دیا گیا جس کیلئے دولت کے بہت بڑے ذخیرے اور دیگر وسائل کی ضرورت تھی۔ نتیجتاً حصول دولت کیلئے ایک بہت بڑی مجلس منعقد کی گئی جس میں دونوں ممالک کے بادشاہ، صاحب حیثیت امراء اور ممتاز پادری شریک ہوئے۔ طویل غور و خوض اور مشاورت کے بعد مجلس کے اراکین نے اتفاق رائے کے ساتھ فیصلہ کیا گیا کہ جو عیسائی "تیسری صلیبی جنگ" میں شریک نہ ہوں وہ اپنی آمدنی اور ہر قسم کی جائداد کا دسواں حصہ جنگی اخراجات کے لئے ادا کریں۔ اور اس ٹیکس کو "صلاح الدین ٹیکس" کے نام سے موسوم کیا گیا۔ مجلس نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ "صلاح الدین ٹیکس" کی عدم ادائیگی کے سلسلے میں کوئی معذرت قبول نہیں کی جائے گی۔ بلکہ نادہندہ کو فوری طور پر عیسائی مذہب اور برادری سے خارج کر دیا جائے گا۔ مجلس کے اس فیصلے سے بہت سے پادریوں نے انحراف کیا۔ انہیں حضرت عیسیٰؑ کے نام سے زیادہ اپنی دولت عزیز تھی۔ جب اراکین مجلس نے ان پادریوں سے "صلاح الدین ٹیکس" ادا نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بڑے بارعب لہجے میں کہا۔ "ہمیں ٹیکس دینے کی کیا ضرورت ہے کہ تمہاری فتح کیلئے ہماری دعائیں ہی کافی ہیں۔" سادہ لوح اور معصوم عوام کے مال پر عیش کرنیوالے پادریوں نے بڑے بہانے تراشے لیکن مجلس کے اراکین نے انہیں صلاح الدین ٹیکس ادا کرنے پر مجبور کر دیا۔

ابھی صلاح الدین ٹیکس کی وصولی کی مہم اپنے اختتام کو نہیں پہنچی تھی کہ ایک بار پھر انگلستان اور فرانس کے بادشاہوں کے درمیان جنگی چھڑ گئی اور صلاح الدین ٹیکس کا ایک بڑا حصہ اس جنگ کی نذر ہوگیا۔ اسی تنازع کے باعث شاہ انگلستان ہنری دوم اور اس کے ضدی بیٹے رچرڈ میں سخت جھگڑا ہوگیا۔ واضح رہے کہ ہنری دوم کی بیوی ملکہ ایلزا ایک اوباش عورت تھی۔ بعض غیر جانبدار انگریز مؤرخین نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ملکہ ایلزا ایک وجیہہ و شکیل ترک مسلمان پر عاشق تھی اور رچرڈ اسی ترک کا بیٹا تھا۔ پھر باپ بیٹے کے جھگڑے نے طول کھینچا۔ یہاں تک کہ شاہ ہنری دوم شدید بیمار پڑ گیا اور رچرڈ کو بددعائیں دیتا ہوا دنیا سے رخصت ہوگیا۔

......}......☆......{......

انگلستان کے تخت پر بیٹھتے ہی رچرڈ کو بیت المقدس آزاد کرانے کی اپنی قسم یاد آئی۔ اب وہ مکمل

طور پر بااختیار تھا۔ اس لئے اس نے اس "مقدس مہم" کو تیز تر کر دیا۔ جس طرح آج دنیا کی دولت کے بڑے ذخائر پر یہودیوں کا قبضہ ہے، اسی طرح آٹھ سو سال پہلے بھی یہی قوم سب سے زیادہ مالدار شمار کی جاتی تھی۔ رچرڈ نے تمام مالدار یہودیوں کو اپنے دربار میں طلب کیا اور ان سے کہا کہ وہ اس مقدس مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ مگر یہودی خود دنیا کی سب سے بڑی سود خور قوم ہے، اس لئے وہ خسارے کی تجارت میں حصہ نہیں لے سکتی تھی۔ دوسرے یہ کہ خود یہودیوں ہی نے حضرت عیسیٰ کو صلیب پر چڑھایا تھا۔ اس لئے انہیں صلیبی جنگ سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ نتیجتاً "لندن اور یارک" کے یہودیوں نے بہانہ سازی سے کام لیتے ہوئے راہِ فرار اختیار کرنے کی کوشش کی۔ رچرڈ نے غصے میں آکر سیکڑوں مالدار یہودیوں کو قتل کرا دیا اور ان کا سارا سرمایہ لوٹ لیا۔ اسی طرح "صلاح الدین ٹیکس" بھی انتہائی جبر و تشدد کے ساتھ وصول کیا جاتا تھا۔ پھر بھی رچرڈ کی خواہش کے مطابق دولت جمع نہیں ہوئی تو اس نے انگلستان کی بڑی بڑی جاگیریں بیچ دیں اور سلطنت کے تمام بڑے بڑے عہدے فروخت کر ڈالے۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا۔

"اگر کوئی خریدار مل جائے تو میں اس مقدس مہم کی تکمیل کیلئے لندن کو بھی بیچ دوں۔" رچرڈ کے ان الفاظ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ بیت المقدس کے حوالے سے کس وحشت و جنون میں مبتلا تھا۔ یہودیوں کا مال لوٹنے اور انگلستان کی جاگیریں فروخت کرنے کے بعد رچرڈ سب سے دولت مند صوبے "نارمنڈی" پہنچا اور بہت بڑی رقم جمع کی۔

پھر جب سارے انتظامات مکمل ہو چکے تو شاہ فرانس فلپ اور شاہ انگلستان رچرڈ نے ایک طویل ملاقات کی اور سمندر کے راستے سفر کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی سپاہیوں کیلئے کچھ قواعد مقرر کئے۔ اور جرائم کے سلسلے میں خاص سزائیں تجویز کیں۔ دوسری صلیبی جنگ میں عورتوں کی شمولیت سے بڑی خرابیاں پیدا ہوئی تھیں۔ اس لئے اس بار عورتوں کو ساتھ لے جانا ممنوع قرار دیا گیا۔ اور سپاہیوں کے جوا کھیلنے پر سخت پابندی عائد کر دی گئی۔

دوسری طرف متعصب ترین پادری ولیم آرچ بشپ مسلمانوں کے خلاف نفرت و انتقام کی آگ بھڑکاتا پھر رہا تھا۔ وہ انگلستان سے نکل کر فرانس پہنچا اور پھر فرانس میں اپنا کام ختم کر کے شہنشاہ جرمنی فریڈرک کے دربار میں اس طرح داخل ہوا کہ ولیم کا گریبان چاک تھا۔ داڑھی اور سر کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اور ہاتھ میں صلیب مقدس تھی۔ شاہِ جرمنی فریڈرک نے ولیم آرچ بشپ کا یہ حال دیکھا تو گھبرا کر تخت سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور ولیم کو اپنے قریب بٹھا کر اس سے اس حالتِ زار کا سبب پوچھنے لگا۔ ولیم آرچ بشپ ایک ہی مکار تھا۔ کچھ دیر تک ہچکیوں کے ساتھ روتا رہا۔ اس دوران اس کی زبان سے بس چند مخصوص کلمات ہی ادا ہوتے رہے۔

"شہنشاہ! فریاد ہے، فریاد ہے، مسیح ہمیں مدد کیلئے پکار رہے ہیں۔ اگر ہم جلد یروشلم نہ پہنچے۔ اور قبر مسیح کو کافروں کے قبضے سے آزاد نہیں کرایا تو یہ نیلگوں آسمان ٹوٹ کر ہم پر گر پڑے گا اور پھر دنیا میں

ہم مسیحوں کا مرثیہ پڑھنے والا بھی نہیں ہوگا۔" ولیم آرچ بشپ پر عیاری و مکاری تو ختم تھی ہی...... مگر اس کے ساتھ وہ ایک شعلہ بیان واعظ بھی تھا۔ اس نے اپنی اثر انگیز تقریر سے تمام درباریوں کے سینے میں ایک آگ سی لگا دی۔ شہنشاہِ فریڈرک کے تمام درباری اپنی اپنی نشستوں پر کھڑے ہو گئے اور جوش جذبات سے مغلوب ہو کر چیخنے لگے۔ "انتقام...... انتقام...... صرف انتقام......"

اپنے درباریوں کی یہ ہیجانی کیفیت دیکھ کر شہنشاہِ فریڈرک نے ولیم آرچ بشپ سے پوچھا۔

"مقدس پیشوا...... آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔"

ولیم آرچ بشپ اپنے ہاتھ کی صلیب شہنشاہ جرمنی کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "میرے کمزور و ناتواں ہاتھ صلیب مقدس کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ خداوند نے آپ کو بے شمار ہاتھ عطا کئے ہیں، جن میں تیر بھی ہیں اور تلواریں بھی، اب آپ ہی اس کی حفاظت کر سکتے ہیں۔"

شہنشاہ جرمنی فریڈرک اگرچہ ایک سن رسیدہ حکمراں تھا لیکن شجاعت و جانبازی کے سبب تمام یورپ میں اسے بڑی شہرت حاصل تھی۔ اس نے اب تک چالیس جنگیں لڑی تھیں۔ اور ان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ شہنشاہ فریڈرک نے ولیم آرچ بشپ کے ہاتھ سے صلیب لے لی اور انتہائی پر جوش لہجے میں بہ آواز بلند کہا۔

"خداوندِ خدا کی قسم! میں اپنے دل و جان کے ساتھ اس کی حفاظت کروں گا۔"

شہنشاہ فریڈرک کے اس اعلان کے فوراً بعد ہی انگلستان کی طرح ایک بڑی مجلس منعقد کی گئی جہاں جرمنی کے شہنشاہ کے ساتھ بڑے بڑے امراء پادری اور گرد و نواح کی چھوٹی چھوٹی عیسائی ریاستوں کے حاکم جمع ہوئے۔ اور سب نے شہنشاہِ انگلستان رچرڈ کی طرح بیت المقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے آزاد کرانے کی بلند بانگ قسمیں کھائیں۔ بعض انگریز مورخین کے مطابق ولیم آرچ بشپ کی زہریلی تقریروں نے جرمنی کے عوام میں اس قدر آگ لگا دی تھی کہ اس کا ٹھنڈا کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ بیت المقدس جانے والوں کا اتنا ہجوم تھا کہ شہنشاہ فریڈرک نے بڑی مشکل سے کارآمد لوگوں کا انتخاب کیا۔ اور ان تمام آوارہ گردوں کو خارج کر دیا جو سیر و تفریح اور مہم جوئی کے لئے یروشلم جانا چاہتے تھے۔ اس کے بعد شاہ جرمنی فریڈرک نے ایک سیاسی چال چلتے ہوئے اپنا ایک سفیر دمشق بھیجا۔ اور مسلمانوں پر عیسائیوں کی ہیبت طاری کرنے کیلئے سلطان صلاح الدین ایوبی کے نام ایک مختصر خط تحریر کیا۔

"ہماری بے خبری کے باعث تم چوروں کی طرح یروشلم میں داخل ہوئے۔ اگر ہمیں بروقت تمہارے شیطانی ارادوں کا پتہ چل جاتا تو یہ حادثہ کبھی رونما نہ ہوتا۔ جو آسمان نے اپنی خونبار آنکھوں سے دیکھا۔ اب ہمیں معلوم ہوا کہ تم نے ارض مقدس کو ناپاک کر دیا ہے۔ تمہاری پچھلی تمام خطاؤں سے چشم پوشی کی جا سکتی۔ مگر یہ گناہ ناقابل معافی ہے۔ اگر تم عبرتناک سزاؤں سے بچنا چاہتے ہو تو ہم شاہان یورپ جو تمہارے اندازوں سے زیادہ بااختیار اور طاقتور ہیں، تمہیں ایک سال کی مہلت دیتے

ہیں کہ خاموشی سے بیت المقدس خالی کردو۔ اور اس کے ساتھ ہی ان نقصانات کا ازالہ بھی کرو جو تمہارے ہاتھوں عیسائیوں کو پہنچے ہیں۔ اگر اس مدت میں شاہان یورپ کے حکم پر عمل نہیں کیا گیا تو یاد رکھو کہ پورا ایشیائے کوچک خون کے سیلاب میں غرق ہوجائے گا۔ اور جب وہ سیلاب اترے گا تو تمہارے انجام پر رونے کیلئے ایک مسلمان بھی باقی نہیں بچے گا۔"

انتہائی لاف زنی، غرور و نمائش اور فرعونی دعوؤں سے بھرا ہوا خط پڑھ کر سلطان صلاح الدین ایوبی مسکرایا۔ پھر اس نے شاہ جرمنی فریڈرک کے خط کے جواب میں صرف دو سطریں تحریر کیں۔ "ہمارا اللہ زبردست طاقت و قدرت اور حکمت کا مالک ہے۔ ہم اسی کے کرم کے بھروسے پر تمہیں حکم دیتے ہیں کہ جو دو چار علاقے عیسائیوں کے قبضے میں رہ گئے ہیں، وہ بھی جلد از جلد خالی کردیں۔ تاکہ تمہاری قوم آنے والی تباہی سے محروم رہ سکے۔"

شاہ جرمنی فریڈرک نے یہ تنبیہہ آمیز خط اس لئے لکھا تھا کہ مسلمانوں پر شاہان یورپ کے جاہ و جلال کا بہت گہرا اثر ہوگا۔ اور وہ نفسیاتی طور پر مرعوب ہوجائیں گے۔ جس کا فائدہ میدان جنگ میں عیسائی لشکر کو پہنچے گا۔ مگر سلطان صلاح الدین ایوبی کے دوسطری جواب نے اس کا منصوبہ ہی پلٹ دیا...... پھر فریڈرک غصے میں بھرا ہوا ایک لاکھ منتخب سپاہی لے کر "مقدس مہم" پر روانہ ہوا۔ اس نے "ہنگری" اور "بلگیریا" سے گزر کر یونانی علاقے کو اپنی گزرگاہ بنایا۔ پھر وہ "کوہ طور" کو عبور کر کے شام کی طرف روانہ ہوا ابھی شہنشاہ فریڈرک "دریائے سالف" (SALEF) کو عبور کر رہا تھا کہ اچانک فریڈرک کا گھوڑا غوطے کھانے لگا۔ خوف و دہشت کے سبب فریڈرک کے ہاتھوں سے گھوڑے کی لگامیں چھوٹ گئیں اور وہ خود غوطے کھانے لگا۔ اپنے شہنشاہ کی یہ حالت دیکھ کر دوسرے غوطہ خور سپاہی دریا میں کود پڑے۔ اور جب فریڈرک کو باہر نکالا اس وقت تک وہ نیم جاں ہوچکا تھا۔ اس کے پھیپھڑوں میں پانی بھر چکا تھا۔ جس کے باعث فریڈرک کو سانس لینے میں سخت دشواری پیش آرہی تھی۔ پھر بھی اس نے لڑکھڑاتی زبان میں اپنی وصیت مکمل کردی کہ اس کی لاش کو بیت المقدس میں دفن کیا جائے۔ جرمنی فوج اپنے شہنشاہ کی لاش لئے آگے بڑھتی رہی۔ مگر سخت موسم کی وجہ سے فریڈرک کی لاش دوسرے دن ہی سڑنے لگی۔ مجبوراً اسے راستے ہی میں دفن کردینا پڑا۔ فریڈرک نے صلاح الدین ایوبی کو خط لکھتے وقت بڑا متکبرانہ لہجہ اختیار کیا تھا۔ اس لئے اس کا انجام بھی فرعون جیسا ہوا۔ پھر فریڈرک کی فوج کو ایک نامعلوم بیماری نے گھیر لیا۔ جس کے نتیجے میں 95 ہزار جرمن سپاہی ہلاک ہوگئے۔ فریڈرک کا بیٹا ڈیوک آف سوابیا باپ کی موت کا ماتم کرتا ہوا اپنے باقی ماندہ پانچ ہزار سپاہی لے کر "عکہ" کی طرف روانہ ہوا۔ جہاں دنیا بھر کے عیسائی جمع ہو رہے تھے۔

......}......☆......{......

"عکہ" بحیرۂ روم کے ساحل پر ایک نہایت اہم بندرگاہ تھی۔ یہ مقام تین طرف سے بلند پہاڑیوں سے گھرا ہوا تھا۔ یورپ کی تجارت اسی بحری راستے سے ہوتی تھی۔ بیت المقدس کے بعد سلطان

صلاح الدین ایوبی نے "عکہ" کو بھی فتح کرلیا تھا۔ اور نئے سرے سے مرمت کر کے اسے بہت زیادہ مضبوط بنادیا تھا۔ یورپ سے عیسائی فوجیں مسلسل اسی بندرگاہ پر پہنچ رہی تھیں۔ فرانس اور انگلستان کے بعد جنیوا، وینس اور اٹلی کی فوجیں عکہ میں جمع ہوئیں۔ اس وقت عیسائی سپاہیوں کی تعداد 80 ہزار سے زیادہ تھی۔ ڈیوک آف آسٹریا کے سپاہی بھی پابہ رکاب تھے۔ ان کے علاوہ ڈنمارک اور ناروے کے بحری بیڑے بھی عکہ کی طرف روانہ ہوچکے تھے۔ ان دونوں ممالک کے جہاز راں جنگی مہارت میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ مختصراً یہ کہ بیت المقدس کی بازیابی کیلئے پورا یورپ ایشیاء پر ٹوٹ پڑا تھا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے تیسری صلیبی جنگ کا آغاز ہوا۔ اور عیسائی فوجوں نے عکہ کا محاصرہ شروع کردیا۔ ابتداء میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ مگر جب صلیبیوں نے مکمل طور پر شہر کا محاصرہ کرلیا اور مسلمانوں کی آمد و رفت کے تمام راستے بند کردیئے تو سلطان نے یکم شعبان 585 ہجری کو نماز جمعہ کے بعد پوری طاقت سے عیسائی لشکر پر حملہ کیا جس میں سات ہزار سے زیادہ صلیبی قتل ہوئے۔ اور جو عیسائی فرار ہوتے وقت سمندر میں ڈوبے ان کی تعداد بھی ہزاروں سے کم نہیں تھی۔ اس شکست کے بعد عیسائیوں میں اتنی ہمت باقی نہیں رہی تھی کہ وہ "عکہ" کے محاصرے کے بارے میں سوچ بھی سکیں۔ مجاہدین اسلام دو مہینے سے مسلسل ہتھیار باندھے ہوئے تھے۔ اس لئے سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے سپاہیوں کو آرام دینے کی غرض سے شکست خوردہ عیسائیوں کا تعاقب نہیں کیا اور اپنے لشکر کو ہٹالیا۔

اسلامی لشکر کے ہٹ جانے سے عیسائیوں کو فراغت اور سکون میسر آیا۔ اور انہوں نے نئے سرے سے جنگی تیاریاں شروع کردیں۔ اسی مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صلیبیوں نے تین بڑے برج تیار کئے جو پہاڑ کی طرح بلند تھے اور جن کی اونچائی شہر کی فصیل سے بھی زیادہ تھی۔ اس کے ساتھ ہی عیسائیوں نے نئی منجنیقیں بھی تیار کیں۔ جس سے سنگ باری کر کے وہ اہلِ شہر کو نقصان پہنچاتے رہتے تھے۔

یہ ایک انتہائی خطرناک صورتحال تھی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی ان برجوں کو گرانے کیلئے مسلسل تدبیریں کرتا رہتا تھا مگر اب تک کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی تھی۔ بالآخر سلطان نے اعلان عام کیا کہ جو شخص بھی ان برجوں کو مسمار کرے گا اسے بہت بڑے انعام سے سرفراز کیا جائے گا۔ پھر ایک عام سے نوجوان علی بن عریف نے رال اور دوسرے مرکبات کو ملا کر ایک چھوٹی سی دیگچی میں بند کیا۔ پھر اس دیگچی کو آگ لگا کر منجنیق کے ذریعے ایک برج کی طرف پھینکا۔ پھر اس وقت سلطان کے ساتھ تمام سپاہی حیرت زدہ رہ گئے جب اس چھوٹی سی دیگچی نے برج میں ایسی آگ لگائی کہ جس کے شعلے آسمان کو چھونے لگے۔ پھر اسی طرح اس مسلم نوجوان نے دوسرے اور تیسرے برج کو بھی جلا ڈالا۔ ہر طرف آگ ہی آگ تھی جسے دیکھ کر عیسائیوں پر خوف و دہشت طاری ہوگئی۔ مسلمانوں کی طرف سے پھینکے جانے والے تین آتشی گولوں نے صلیبیوں کی طویل دفاعی جدوجہد کو چند لمحوں میں غارت کر

کے رکھ دیا تھا۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر بہت سے عیسائی سپاہی یورپ واپس لوٹ گئے۔ جاتے وقت ان کی زبانوں پر بس یہی کلمات تھے۔

"آج کل خداوندِ خدا عیسائیوں کے معاملات کی حفاظت اور حمایت نہیں کر رہا ہے۔"

اسی دوران صلیبیوں کا ایک بڑا بحری بیڑہ "عکہ" پہنچ گیا جس میں فرانسیسی، انگریزی، اطالوی سپاہیوں کی کثیر تعداد تھی۔ اس فوجی دستے کی قیادت ہنری کاؤنٹ آف شیمپن کر رہا تھا۔ اس تازہ دم فوجی کمک سے شکست خوردہ عیسائیوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔

عیسائی فوجیں مسلسل دو سال تک "عکہ" کا محاصرہ کیے رہیں۔ مگر یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا تدبر حسن انتظام تھا کہ اس نے اس طویل عرصے میں سامانِ رسد کا سلسلہ ٹوٹنے نہیں دیا۔ اور اس کی وجہ وہ برج تھا جو سلطان نے بندرگاہ کے دہانے پر تعمیر کرایا تھا۔ یہ برج "ذبان" کے نام سے مشہور ہے۔ بہت غور و فکر کے بعد عیسائی اس نتیجے پر پہنچے کہ جب تک "برجِ ذبان" کو مسمار نہیں کیا جائے گا اس وقت تک مسلمانوں کی رسد کا سلسلہ ختم نہیں ہوگا۔ بالآخر عیسائی سالاروں اور جہاز رانوں نے "برجِ ذبان" کو تباہ کرنے کیلئے ایک خوفناک منصوبہ تیار کیا۔ سب سے پہلے انہوں نے "برجِ ذبان" کی اونچائی کے برابر اپنے جہاز پر ایک برج بنایا۔ جس میں بارود اور ایندھن بھرا ہوا تھا۔ عیسائیوں کا منصوبہ یہ تھا کہ اپنے جہاز کو "برجِ ذبان" کے قریب جا کر اس میں آگ لگا دیں اور جلتے ہوئے جہاز کو برجِ ذبان سے ٹکرا دیں۔ تاکہ برج اور اس کے محافظ سپاہی جل کر راکھ ہو جائیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک دوسرے جہاز میں بھی ایندھن بھرا گیا۔ تاکہ برجِ ذبان کی حفاظت کے لئے آنے والے مسلمانوں کے جہازوں پر بھی حملہ کیا جا سکے۔ پھر جب ایک دن ہوا کو موافق پایا تو یہ دونوں جہاز "برجِ ذبان" کو تباہ کرنے کیلئے روانہ ہو گئے۔ مطلوبہ ہدف کے قریب پہنچ کر عیسائی سپاہیوں نے اپنے جہاز پر بنے ہوئے برج کو آگ لگا دی۔ پھر اس سے پہلے کہ صلیبی اپنے جہاز کو "برجِ ذبان" سے ٹکرا کر خود سمندر میں کود جاتے کہ اچانک ہوا کا رخ بدل گیا اور اس نے آندھی کی شکل اختیار کر لی۔ انجام کار عیسائیوں کی لگائی ہوئی آگ ان ہی کے جہازوں پر آ پڑی۔ اور دوسرا جہاز جو ایندھن سے بھرا ہوا تھا وہ بھی آگ کی لپیٹ میں آ گیا۔ اس بلائے ناگہانی سے خوفزدہ ہو کر تمام صلیبی جنگجو سمندر میں کود پڑے جنہیں پانی کی خونخوار موجوں نے نگل لیا۔ بس ڈیوک آف آسٹریا ہی اس آفت سے محفوظ رہ سکا۔ یہ ایک دوسرا حادثہ تھا جس نے بہت سے عیسائیوں کو سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ خداوند خدا ان سے ناراض ہو گیا ہے۔

......}......☆......{......

اس واقعے کے فوراً بعد عیسائیوں پر ایک اور افتاد پڑی کہ انہیں خوفناک قحط نے گھیر لیا۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ صلیبی اپنے گھوڑے ذبح کر کے کھانے پر مجبور ہو گئے۔ پھر جب گھوڑے بھی ختم ہو گئے تو سوکھے ہوئے چمڑے اور پرانی کھالیں کھانے لگے۔ بہت سے عیسائیوں نے فاقہ کشی سے

تنگ آ کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس جا کر پناہ لی۔ اور کچھ صلیبیوں نے بے کسی کی موت سے بچنے کیلئے مذہب اسلام اختیار کر لیا۔ بہت سے عیسائی بھوک سے تڑپ تڑپ کر مر گئے اور ان کی لاشیں سڑتی رہیں۔ پھر برسات کا موسم آ گیا۔ اور سڑی ہوئی لاشوں کی وجہ سے ہیضے کی وباء پھوٹ پڑی جس سے دو تین سو عیسائی روزانہ مرنے لگے۔ اب صلیبیوں کے خیمے میں بھوک اور مرنے والوں کے ماتم کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اسی وباء میں شہنشاہ جرمنی فریڈرک کا بیٹا ڈیوک آف سوابیا بھی مر گیا۔ جس کی لاش خیمے میں پڑی سڑتی رہی۔ مغرور باپ اور بیٹے کا یکساں انجام ہوا کہ دونوں کو اپنے وطن میں قبریں بھی میسر نہ آ سکیں۔ صلیبیوں نے جس مقدس مہم کیلئے اپنے گھر چھوڑے تھے، وہ پے در پے مصائب و صدمات برداشت نہ کر سکے اور شدید مایوسی کے عالم میں مغرب کی طرف لوٹ گئے۔

صلیبیوں کی واپسی سے عام مسلمان سمجھے کہ ان کے سروں سے آفت ٹل گئی ہے۔ مگر کچھ دن بعد ہی شاہ فرانس فلپ اور شاہ انگلستان رچرڈ اپنی تین لاکھ فوج کے ساتھ "عکہ" پہنچ گئے۔

انگلستان کے باشندے اپنے شہنشاہ رچرڈ کو "شیر دل" کے لقب سے پکارتے تھے۔ یہ لقب رچرڈ کی شجاعت و مردانگی کے سبب نہیں تھا بلکہ اس کی فطرت درندوں جیسی تھی۔ جس طرح جنگلی درندے جانوروں کا شکار کر کے ان کے گوشت سے اپنی بھوک مٹاتے ہیں، اسی طرح رچرڈ کمزور انسانوں کا خون بہا کر لذت و سرور حاصل کرتا تھا۔ "عکہ" کے ساحل پر لنگر انداز ہوتے ہی اس نے اپنی وحشت و درندگی کا پہلا مظاہرہ کرتے ہوئے سلطان صلاح الدین ایوبی کے نام ایک خط تحریر کیا۔ جس کا انداز اور لہجہ نہایت تحقیر آمیز تھا۔

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ بیت المقدس کی فتح اور دیگر عیسائی علاقوں پر قبضہ تمہاری ذاتی صلاحیتوں کا نتیجہ نہیں بلکہ تمہیں جو کچھ حاصل ہوا وہ عیسائی سالاروں کی ناتجربہ کاری اور نااہلی کے سبب ہوا۔ اگر اس وقت میرے سر پر تاج شاہی رکھ دیا گیا ہوتا تو میں تمہیں بتاتا کہ جنگ کس طرح کی جاتی ہے؟ بہرحال میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو بیتے دنوں کا ماتم کر کے اپنی آئندہ زندگی کو مجہول اور ناکارہ بنا دیتے ہیں۔ میں نے یہ دشوار ترین سفر اس لئے طے کیا ہے کہ بیت المقدس کو مسلمانوں کے پنجہ ستم سے آزاد کراؤں۔ اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم اپنی قوم کو بے نام و نشان یا غلام ہوتے ہوئے دیکھتے ہو یا صلح و آشتی کے ساتھ یروشلم کو خالی کر کے چپ چاپ اپنے علاقوں کی طرف لوٹ جاتے ہو؟ میرا خیال ہے کہ تمہارے حق میں یہی صورت بہتر رہے گی۔ ورنہ یاد رکھو کہ میں پورے ایشیائے کوچک کو خون میں غرق کیے بغیر انگلستان واپس نہیں جاؤں گا۔ تین لاکھ عیسائی سپاہی پابہ رکاب ہیں اور ان کے ہاتھوں میں گھوڑوں کی لگامیں ہیں اور تمام صلیبی جانباز میرے ایک اشارے کے منتظر ہیں۔ مگر میں تمہارے جواب کا منتظر ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تم عیسائیوں کی بے پناہ طاقت کا اندازہ کرتے ہوئے کسی احمقانہ حرکت کا ارتکاب نہیں کرو گے۔"

شاہ انگلستان شیر دل رچرڈ نے بھی شاہ جرمنی فریڈرک کی طرح انتہائی متکبرانہ روش اختیار کی تھی۔

سلطان صلاح الدین ایوبی رچرڈ کا خط پڑھ کر مسکرایا اور اس نے چند سطری جواب لکھ کر رچرڈ کو بھیج دیا۔

"تم جیسے بدکار لوگ خدا کے مقدس گھر کی حفاظت کرنے کے اہل نہیں ہو سکتے۔ بالفرض اگر تم پاکباز بھی ہوتے، تب بھی ہم بیت المقدس کو تمہارے حوالے نہ کرتے۔ حق تعالیٰ نے یہ عظیم امانت ہمارے سپرد کی ہے۔ ہم اس امانت سے اس وقت تک دست بردار نہیں ہونگے جب تک کے ایک بھی مسلمان کے کاندھوں پر اس کا سر موجود ہے۔"

سلطان صلاح الدین ایوبی کا خط پڑھ کر شیر دل رچرڈ غضب ناک ہو گیا۔ اور کسی درندے کی طرح دھاڑا اور سلطان کے خط کے ٹکڑے کر کے ہوا میں اڑا دیئے۔ اور آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"خداوند خدا، میں یہی چاہتا تھا کہ مسلمان اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی گردنیں کاٹ لیں۔ تیرا ہزار بار شکر ہے کہ ان احمقوں نے ایسا ہی کیا۔"

"اس کے بعد رچرڈ اور شاہ فرانس فلپ نے اپنے تین لاکھ سپاہیوں کے ساتھ پورے شہر کا محاصرہ کر لیا اور جہازوں کی کثرت کے باعث "بندرگاہ عکہ" کی مکمل ناکہ بندی کر دی۔ اس وقت مسلمان سپاہیوں کی تعداد صرف چھ ہزار تھی اور وہ مسلسل تین سال سے شہر کا دفاع کر رہے تھے۔ اس طویل عرصے میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان شہر کی فصیل کے سامنے 100 سے زیادہ لڑائیاں اور 9 بڑی جنگیں ہوئیں۔ ان معرکہ آرائیوں میں بے شمار عیسائی اور ان کے بڑے بڑے نامور سردار مارے گئے تھے۔ خندقوں کے پار مٹی کے ٹیلوں پر حد نظر تک عیسائیوں کی قبریں نظر آ رہی تھیں۔ اور ان قبروں پر نصب شدہ صلیبوں کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کسی صحرا میں دور تک سنگ ریزے بکھرے ہوں۔ مسلمانوں کی بے مثال جانبازی اور استقامت کو دیکھ کر بعض انگریز مؤرخین نے لکھا ہے۔

"عکہ کے محصور مسلمان حیرت انگیز جرأت اور حوصلے کے مالک ہیں۔ وہ اعلیٰ جنگی ہنر جانتے ہیں اور بے پناہ خوددار و غیرت مند ہیں۔ اگر وہ کافر نہ ہوتے تو ہم یہ کہتے کہ ان سے بہتر انسان دنیا میں موجود نہیں۔"

مگر یہ حوصلہ مندی، شجاعت اور استقامت کب تک برقرار رہتی؟ تین لاکھ عیسائی فوج کے اس خوفناک محاصرے کی وجہ سے ذخیرۂ اناج کے ساتھ سامان جنگ بھی ختم ہو چکا تھا۔ مجبوراً شہریوں نے صلیبیوں سے صلح کرنی چاہی۔ جس کے جواب میں شاہ انگلستان رچرڈ نے یہ شرائط پیش کیں کہ مسلمان دو لاکھ طلائی دینار تاوان جنگ کے طور پر ادا کریں۔ تمام عیسائی قیدیوں کو رہائی دی جائے۔ اور "صلیب الصلبوت" (سب سے بڑی صلیب) صلیبیوں کے حوالے کی جائے۔ یہ وہی صلیب تھی جس پر فتح بیت المقدس کے وقت صلاح الدین ایوبی نے قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی "عکہ" کے تمام لوگ شرائط کی تکمیل تک عیسائی فوج کے پاس یرغمال رہیں گے۔

جب رچرڈ کی پیش کردہ ان شرائط کا حال سلطان صلاح الدین ایوبی کو معلوم ہوا تو وہ غصے سے بھڑک اٹھا اور وہ شہر کو عیسائیوں کے تسلط سے بچانے کیلئے آخری کوشش کے طور پر اپنا لشکر لے کر "عکہ" کی طرف روانہ ہوا۔ مگر جب سلطان شہر کے قریب پہنچا تو غمزدہ کر دینے والا ایک منظر اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ فصیل پر صلیبی پرچم لہرا رہا تھا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے عکہ کے شہریوں کو بچانے کیلئے تمام عیسائی قیدی دمشق سے بلوا کر آزاد کر دیئے۔ مگر رچرڈ نے دوسرے عیسائی حکمرانوں کی طرح بدترین عہد شکنی کا مظاہرہ کیا۔ اس کے حکم پر تمام مسلمان جنگی قیدیوں کو رسیوں میں باندھ کر ایک کھلے میدان میں اس طرح لے جایا گیا جیسے بھیڑ بکریوں اور گائے بھینسوں کو مذبح خانے کی طرف لے جایا جاتا تھا۔ پھر رچرڈ نے اپنی شمشیر بے نیام کی اور ایک مسلمان قیدی کو اپنے ہاتھ سے تہہ تیغ کر کے اس قتل عام کی رسم کا افتتاح کیا۔ اس کے بعد شاہ انگلستان نے اپنی خون آلود شمشیر فضا میں لہرائی اور دیکھتے ہی دیکھتے عیسائی سپاہیوں نے پانچ ہزار مسلمان قیدیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

آج بھی تمام عیسائی یورپ رچرڈ کو اپنا ہیرو تسلیم کرتا ہے۔ تاریخی حقائق کی روشنی میں تیسری صلیبی جنگ کے حوالے سے اس "شیر دل" کا بس یہ ایک کارنامہ ہے کہ اس نے تاریخِ عالم کی ناقابل فراموش بدعہدی کے ساتھ بے دست و پا پانچ ہزار مسلمانوں کا قتل عام کیا تھا۔

......}......☆......{......

"عکہ" پر عیسائیوں کے قبضے کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی ساحل کے شہروں کو بچانے اور بیت المقدس کے دفاع کو مضبوط تر کرنے کے ارادے سے روانہ ہو چکا تھا۔ مگر جب اسے شاہ انگلستان رچرڈ کی بدعہدی اور مسلمان قیدیوں کے قتل عام کی خبر ملی تو وہ پلٹ پڑا اور اس نے صلیبی لشکر پر حملہ کر دیا۔ رات تک کشت و خون کا بازار گرم رہا۔ پھر جب صبح ہوئی تو سلطان نے صلیبیوں کو اپنے مقتولین کی لاشوں پر ماتم کرتے دیکھا تو اس نے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔ "یہ ان معصوم مسلمانوں کی لاشوں کا حساب ہے جن سے شہر عکہ کا مقتل سجایا گیا۔ اب اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنے قبرستان اور بنیں گے۔ اور اس خونِ ناحق کا حساب کب برابر ہوگا؟"

اس مختصر سی جنگ کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی ساحلی شہروں کے حفاظتی انتظامات کے احکام جاری کر کے آگے بڑھ گیا اور اس راستے میں خیمہ زن ہوا جدھر سے صلیبی لشکر کے گزرنے کے امکانات تھے۔ سلطان کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ جب عیسائی فوج "قیساریہ" پر قبضہ کرنے کی نیت سے ساحل کی طرف بڑھی تو سلطانی لشکر نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور پھر جب بھی موقع ملتا تھا مسلمان سپاہی عیسائی فوجیوں پر اس طرح حملہ کرتے تھے جیسے بھوکا شیر اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی خود تیر اندازوں کی صفوں میں کھڑا ہو کر انہیں ہدایات دیتا تھا۔ اگرچہ عیسائی فوج کی کثرت اور صلیبیوں کے آہنی لباسوں کی وجہ سے تیر و تلوار بہت کم اثر کرتے تھے۔ لیکن پھر بھی سلطان نے اپنی جنگی حکمت عملی سے عیسائی لشکر کو آزادانہ طور پر آگے بڑھنے نہیں دیا تھا۔ کبھی ان پر عقب سے حملہ کرتا تھا۔ کبھی ہراول دستے پر اور کبھی ان کے دائیں بائیں بازو پر ٹوٹ پڑتا تھا۔

اور کبھی یوں بھی ہوتا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی عیسائی لشکر سے آگے نکل جاتا اور پلٹ کر صلیبیوں پر حملہ آور ہوتا۔ جو عیسائی سپاہی اپنے لشکر سے بچھڑ جاتے انہیں سلطان کے حکم کے مطابق گرفتار کر کے فوراً قتل کر دیا جاتا۔

"قیساریہ" مکہ سے صرف بارہ فرسنگ (میل) کے فاصلے پر تھا۔ لیکن عیسائی لشکر نے یہ معمولی فاصلہ چھ دن میں طے کیا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بہت کم فوج کے ساتھ ایک عظیم لشکر کے سامنے کیسی کیسی رکاوٹیں کھڑی کر دی تھیں۔ ان دشواریوں نے بہت جلد شیر دل رچرڈ کے حوصلے پست کر دیئے۔ نتیجتاً شاہ انگلستان نے خبر رساں چوکیوں کے افسر اعلیٰ عزالدین ابراہیم ابنِ مقدم سے صلح کی گفتگو شروع کی تو مسلمان فوجی افسر نے شیر دل رچرڈ کو بہت ہی مختصر جواب دیا۔

"جنگ اور صرف جنگ...... اس کے سوا کچھ نہیں۔"

ابنِ مقدم کا انتہائی بے باکانہ جواب سن کر رچرڈ نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے چھوٹے بھائی ملک عادل سے تنہائی میں ملاقات کی خواہش ظاہر کی بالآخر سلطان صلاح الدین ایوبی نے ملک عادل کو شاہ انگلستان سے ملنے کی اجازت دے دی۔ پھر جب ملک عادل رچرڈ کے خیمے میں پہنچا تو شاہ انگلستان نے بڑے ریاکارانہ انداز میں اس کا پُرجوش استقبال کیا۔ پھر صلح کی گفتگو چھیڑ دی۔

"اس سے بہتر اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ اللہ کی زمین انسانی خون سے سرخ نہ ہو۔ بلکہ اس پر خوشنما باغات اور سبزہ زار لہلہاتے رہیں۔" ملک عادل نے انتہائی باوقار لہجے میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر آپ صفائی قلب اور جذبوں کی گہرائی کے ساتھ صلح چاہتے ہیں تو ہم آپ کو ایک عظیم مہمان کی طرح رخصت کریں گے۔"

"مگر ہم خالی ہاتھ جانا نہیں چاہتے۔" رچرڈ نے شاہانہ جاہ و جلال کا مظاہرہ کرتے ہوئے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔ "اگر تم لوگ یروشلم اور دیگر ساحلی علاقے واپس کر دو تو میں مسلمانوں کے خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر یورپ واپس چلا جاؤں گا۔"

رچرڈ کی شرائط سن کر ملک عادل کے چہرے پر انتہائی ناگواری کا رنگ ابھر آیا اور وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "اس قسم کی شرائط تو صرف فاتح پیش کرتے ہیں۔" ملک عادل کے ایک ایک لفظ سے شدید طنز جھلک رہا تھا۔

"فاتح تو میں ہوں۔" رچرڈ کے چہرے کی کرختگی اور لہجے کی سختی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ "کیا تم لوگوں نے اب تک عکہ کی شکست فاش سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔"

واضح رہے کہ عیسائی فوجوں نے تین سال تک عکہ کا محاصرہ جاری رکھا تھا۔ اور صرف چھ ہزار مسلمان سپاہی شہر کا دفاع کر رہے تھے۔ پھر شاہ انگلستان اور شاہ فرانس نے تین لاکھ فوج اور بے حساب سامانِ حرب و ضرب کے ساتھ مسلمانوں کی انتہائی قلیل تعداد پر غلبہ حاصل کیا۔ اب اسی فتح کو

رچرڈ ملک عادل کے سامنے اپنے ایک عظیم الشان کارنامے کے طور پر بیان کر رہا تھا۔

"میں اس موضوع پر مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔" رچرڈ کے جارحانہ انداز کے جواب میں ملک عادل کا لہجہ بھی انتہائی تند و تیز ہو گیا تھا۔ "اگر تمہاری طرف سے صلح کی یہی شرائط ہیں تو میں انہیں سننا بھی گوارہ نہیں کرتا۔ اور اپنی پوری فوج کی طرف سے یہ فیصلہ سنائے دیتا ہوں کہ جب تک ایک مسلمان سپاہی بھی زندہ ہے تم لوگ اس وقت تک ارضِ مقدس میں داخل نہیں ہو سکتے۔"

ملک عادل کا جواب سن کر رچرڈ کی فطری وحشت و درندگی لوٹ آئی۔ اور اس نے ہذیانی انداز میں چیخ کر کہا۔ "خداوند خدا کی قسم! تم لوگ جس چیز کو صلح و امن کے ساتھ دینے سے انکار کر رہے ہو، میں اسی شے کو خون کے دریا بہا کر بزورِ شمشیر حاصل کر لوں گا۔"

جواباً ملک عادل نے بھی قسم کھاتے ہوئے کہا۔ "اب دیکھنا ہے کہ تمہارے تین خدا مل کر تمہاری قسم پوری کرتے ہیں یا مسلمانوں کا ایک خدا اپنے نام لیواؤں کی عزت و آبرو رکھتا ہے۔" یہ کہہ کر ملک عادل انتہائی باوقار انداز میں چلتا ہوا شاہ انگلستان کے خیمے سے نکل گیا۔ اور رچرڈ شدید غضب ناک حالت میں اپنے سر کے بال نوچنے لگا۔

واضح رہے کہ آج بھی تمام عیسائی تین خداؤں کو مانتے ہیں۔ یعنی باپ (خدا) بیٹا (حضرت عیسیٰ) اور روح القدس (حضرت جبریلؑ) یہی نظریہ تثلیث کہلاتا ہے۔ اور ملک عادل نے اسی طرف اشارہ کیا تھا۔

......}......☆......{......

صلح کے مذاکرات کی ناکامی کے بعد عیسائی فوج "ارسوف" کی طرف روانہ ہوئی۔ سلطانی سپاہیوں کے چھوٹے چھوٹے دستے کمین گاہوں سے نکل کر صلیبی لشکر پر چھاپے مار کر جانی نقصان پہنچاتے رہے۔ جس کی وجہ سے عیسائیوں کو "ارسوف" پہنچنے میں بڑی دشواری پیش آئی۔ رچرڈ اور فلپ (شاہ فرانس) کا خیال تھا کہ ان چھوٹی موٹی جھڑپوں کے بعد جب وہ "ارسوف" پہنچیں گے تو انہیں تمام گزرگاہیں صاف نظر آئیں گی مگر جب عیسائی لشکر اس شہر کے قریب پہنچا تو رچرڈ اور فلپ دونوں حیرت زدہ رہ گئے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا لشکر عیسائی فوج کا راستہ روکے کھڑا تھا۔ پھر دونوں فوجوں میں ایسا گھمسان کا رن پڑا کہ میدان لاشوں سے پٹ گیا۔ اس جنگ کے متعلق تاریخوں میں مختلف روایات ملتی ہیں۔ عیسائی مؤرخین کا دعویٰ ہے کہ "جنگ ارسوف" میں انہیں عظیم الشان فتح حاصل ہوئی۔ اس کے برعکس عرب مؤرخین کہتے ہیں کہ اس جنگ میں صلیبیوں کو شدید جانی نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ غیر جانب دار تاریخ نویسوں کا تجزیہ ہے کہ دونوں میں سے کسی لشکر کو فتح حاصل نہیں ہوئی تھی۔ پھر بھی عیسائیوں کو بڑی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ہلاک ہونے والے صلیبیوں کی تعداد کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا مگر صلاح الدین ایوبی کا بیان ہے کہ اس جنگ میں عیسائیوں کے ایک ہزار گھوڑے موت کے گھاٹ اتارے گئے تھے۔

جنگ ارسوف کے حوالے سے آج تک عیسائی دنیا میں ایک بے سروپا اور مہمل افسانہ مشہور ہے۔

عیسائی مؤرخین کے دعوے کے مطابق یہ وہی میدان تھا جہاں سلطان صلاح الدین ایوبی اور شاہ رچرڈ ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے۔ اور پھر دونوں کے درمیان دست بہ دست لڑائی ہوئی تھی۔ دونوں طرف کی فوجیں محض تماشائی تھیں۔ دونوں بادشاہوں میں مقابلے سے پہلے یہ شرط طے پائی تھی کہ اس جنگ میں جو بھی جیت جائے گا اس کے ساتھ اس کی فوج بھی فاتح قرار پائے گی۔ اور جو ہار جائے گا اس کے ساتھ ہی اس کی فوج بھی شکست تسلیم کر لے گی۔ عیسائی مؤرخوں کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ اس انفرادی جنگ میں شاہ انگلستان رچرڈ کا پلہ بھاری رہا تھا۔ اور سلطان صلاح الدین ایوبی کو پسپائی اختیار کرنی پڑی تھی۔ اس من گھڑت قصے کے جھوٹ ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس فرضی جنگ کے بعد دونوں حکمران زندہ اور محفوظ رہے۔ بالفرض اگر شاہ رچرڈ سلطان پر ذرا بھی غالب آ جاتا تو وہ صلاح الدین ایوبی کو ہرگز زندہ نہ چھوڑتا۔ عیسائی مؤرخوں نے یہ طلسمی یا دیو مالائی قسم کی کہانی اس لئے تحریر کی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح اپنے شیر دل رچرڈ کی ندامت اور ناکامی پر پردہ ڈال سکیں۔

"جنگِ ارسوف" میں انگلستان کے مشہور سالار جیقولیس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹ گیا تھا۔ جس کے نتیجے میں اس کی موت واقع ہوگئی۔ مرتے وقت اس نے چیخ کر کہا تھا "شہنشاہ! مسلمانوں سے میری موت کا شدید انتقام لینا۔"

جیقولیس کو انگلستان کا سب سے بڑا بہادر تصور کیا جاتا تھا۔ اس کی لاش دیکھ کر عیسائی دھاڑیں مار کر روئے تھے۔ رچرڈ نے بھی اپنے عظیم سالار کی موت کا بدلہ لینے کیلئے پوری فوج کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ لیکن جب اسلامی لشکر کے ایک منتخب دستے نے صلیبیوں پر عقب سے حملہ کر دیا تو رچرڈ کو پسپا ہونا پڑا۔ اور عیسائی لشکر ارسوف سے نکل کر "یافا" کی طرف روانہ ہوگیا۔ مگر صلاح الدین ایوبی پہلے ہی اپنی جنگی حکمت عملی ترتیب دے چکا تھا۔ جب رچرڈ اور شاہ فرانس فلپ اپنی فوجیں لے کر "یافا" پہنچے تو ان کی آنکھوں کے سامنے ایک عجیب حیران کن منظر تھا شہر کی فصیل گرائی جا چکی تھی اور شہری "یافا" چھوڑ کر کہیں جا چکے تھے۔ سلطان نے یہاں بھی عیسائی شہنشاہوں اور ماہرین جنگ کو شکست دے دی تھی۔

ابھی رچرڈ اور فلپ حیرت و پریشانی میں مبتلا تھے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی اپنا لشکر لے کر برق رفتاری کے ساتھ "عسقلان" پہنچ گیا۔ "عکہ" کی شکست کے بعد سلطان کو ایک ہی فکر تھی کہ بیت المقدس کے دفاع کو مضبوط تر بنایا جائے اور "عسقلان" وہ شہر تھا کہ جس پر قابض ہونے کے بعد عیسائی فوج کو بہت زیادہ استحکام مل سکتا تھا۔ اسی صورتحال کے پیش نظر سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس خوبصورت شہر کو مسمار کرنے کا حکم دے دیا۔ اس کے ساتھ ہی سلطان نے عسقلان کی مضبوط فصیل کو بھی ڈھا دینے کے لئے اپنے سپاہی مامور کر دیئے۔ مزید یہ کہ حکومت کے پاس جس قدر ذخیرۂ اناج تھا۔ اس کے دروازے کھول دیئے گئے۔ اور شہر میں اعلانِ عام کرا دیا کہ ہر شخص اپنی ضرورت کے مطابق غلہ لے جائے اور جلد از جلد شہر خالی کر دے۔ پھر جب عسقلان کی فصیل ٹکڑے ٹکڑے

ہو کر گر رہی تھی تو سلطان صلاح الدین ایوبی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ انتہائی غمزدہ لہجے میں اپنے سپاہیوں کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

"یہ خوبصورت شہر مجھے اپنے بچوں کی طرح عزیز ہے۔ اس پر ہتھوڑے برس رہے ہیں اور مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے کچھ نادیدہ ہاتھ میرے بیٹوں کی پیٹھ پر تازیانے لگا رہے ہیں۔ مگر کیا کیا جائے۔ ملک و ملت کے عظیم تر مفادات میں اولاد کا دکھ بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔"

دوسری طرف "یافا" کی ناکامی کے بعد رچرڈ اور شاہ فرانس فلپ نے "عسقلان" کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور اپنی فوجوں کے ساتھ پیش قدمی شروع کر دی۔ عسقلان کی فصیل اس قدر مضبوط تھی کہ اسے کم وقت میں مکمل طور پر منہدم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پھر جب سلطان نے صلیبی فوج کے آگے بڑھنے کی خبر سنی تو اس نے فوری طور پر حکم جاری کر دیا کہ مٹی کا تیل چھڑک کر فصیل کے ساتھ پورے عسقلان کو آگ لگا دی جائے۔ یہ احکام جاری کر کے خود صلاح الدین ایوبی "نظرون" کے قلعے کی طرف چلا گیا۔ کیونکہ اسے بیت المقدس کی حفاظت کیلئے مزید دفاعی انتظامات کرنے تھے۔

پھر جب رچرڈ اور فلپ عسقلان کے نواح میں داخل ہوئے تو انہیں دور سے بلند ہوتے ہوئے آگ کے شعلے اور اٹھتے ہوئے سیاہ دھویں کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ دونوں عیسائی شہنشاہوں کو اس بات پر بڑی حیرت تھی کہ "یافا" اور "عسقلان" کے درمیانی راستے میں سلطانی فوج نے کہیں کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔ بلکہ انہیں قرب و جوار میں مسلمان سپاہیوں کا عکس تک نظر نہیں آیا تھا۔ پھر جیسے جیسے فاصلہ ختم ہوتا گیا۔ صلیبی فوج پر یہ حقیقت واضح ہوتی چلی گئی کہ پورا عسقلان شعلوں کی لپیٹ میں ہے۔ عیسائی فوج آگے بڑھنے کے بجائے کئی دن تک اس ہولناک آگ کے بجھنے کا انتظار کرتی رہی۔ اگرچہ صلیبیوں کی تعداد تین لاکھ کے قریب تھی لیکن وہ اس آگ کو بجھانے کی کوئی تدبیر نہ کر سکے۔ کیونکہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے سپاہیوں نے قرب و جوار کے تمام کنوؤں اور تالابوں کو اینٹوں اور پتھروں سے پاٹ دیا تھا۔ مجبوراً تمام عیسائی سپاہی محض خاموش تماشائی بنے بیٹھے رہے۔ پھر جب جلنے کے لئے کوئی شے باقی نہ رہی تو سلطان صلاح الدین ایوبی کی لگائی ہوئی آگ خود ہی بجھ گئی۔ عسقلان جیسے خوبصورت شہر کی تباہی پر تمام صلیبی بہت اداس نظر آ رہے تھے۔ شاہ انگلستان رچرڈ کچھ دیر تک غمزدہ نظروں سے جلے ہوئے پتھروں کے ڈھیر کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے ہذیانی انداز میں چیختے ہوئے کہا۔

"خداوندِ خدا کی قسم! میں تیرے ہر منصوبے کو تجھ ہی پر الٹ دوں گا۔" شاہ رچرڈ غائبانہ طور پر صلاح الدین ایوبی سے مخاطب تھا۔ "عسقلان تو دوبارہ تعمیر ہو جائے گا۔ مگر میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا، جب تک تیرے آباد شہروں دمشق، موصل اور پورے مصر کو آگ نہ لگا دوں۔"

شہنشاہ رچرڈ نے ایک اور قسم کھائی۔ پھر اس نے اپنے تمام سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ کم سے کم وقت میں عسقلان کی تعمیر نو کریں۔ وہ بڑا عجیب منظر تھا جب دیکھنے والوں نے دیکھا کہ جو صلیبی بیت المقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے آزاد کرانے آئے تھے۔ وہ اپنا مقصدِ عظیم فراموش کر کے ایک جلے ہوئے

تباہ شدہ شہر کی دیواریں دوبارہ اٹھا رہے تھے۔

شاہ فرانس فلپ خاموشی سے یہ منظر دیکھتا رہا۔ پھر اس نے خیمے میں اپنے اہم فوجی سالاروں کو طلب کیا۔ اور ان سے مشورہ کرتے ہوئے بولا۔ ''عیسائیوں نے تین سال تک ایک چھوٹے سے شہر ''عکہ'' کا محاصرہ جاری رکھا۔ پھر فرانس اور انگلستان کی تین لاکھ فوجیوں نے صرف چھ ہزار مسلمان سپاہیوں پر قابو پایا۔ کیا تم اسے فتح قرار دے سکتے ہو؟'' شاہ فلپ نے اپنے سالاروں سے ایک عجیب سوال کر ڈالا تھا۔

''یہ فتح تو ہے۔ مگر اس شخص کے مانند ہے جس کا چہرہ بہت دلکش ہو مگر لنگڑا کر چلتا ہو۔'' فرانس کے تمام فوجی ماہرین نے بیک زبان کہا اور اس کے ساتھ ہی فلپ سے خود ایک سوال کر ڈالا۔ ''آخر شہنشاہ ایسا کیوں سوچ رہے ہیں؟''

شہنشاہ فرانس کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''جب مسلمان ایک طویل عرصے تک بہت چھوٹے سے شہر کا کامیاب دفاع کر سکتے ہیں، جب وہ عسقلان جیسے حسین شہر کو آگ لگا کر اسے راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر سکتے ہیں تو کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم اتنی آسانی سے بیت المقدس پر قبضہ کر لیں گے؟''

تمام فرانسیسی سالار حیرت و پریشانی کے ساتھ اپنے شہنشاہ کا منہ دیکھنے لگے۔ ان کے پاس فلپ کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ شہنشاہ فرانس نے اپنے عسکری ماہرین کو خاموش پا کر خود ہی اس سوال کا جواب دے دیا۔ ''شہنشاہ جرمنی فریڈرک، اس کا بیٹا اور پوری ایک لاکھ فوج نہایت بے کسی کے عالم میں اپنے وطن سے دور دفن ہو گئی۔ ہم بھی اب تک اپنے ہزاروں جانبازوں سے محروم ہو چکے ہیں۔ اور منزل اتنی دور ہے کہ فاصلے کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ بہتر یہی ہے کہ مزید جانبازوں کو ہلاکت سے بچا لیا جائے جو حقیقتاً فرانس کا سب سے قیمتی سرمایہ ہیں۔'' شہنشاہ فلپ نے مبہم الفاظ میں اپنے وطن لوٹ جانے کا اشارہ کر دیا تھا۔

فرانسیسی سالاروں نے بڑی حیرت سے شہنشاہ کی بات سنی۔ مگر کسی نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔

شہنشاہ فرانس کچھ دیر تک خاموشی سے اپنے سالاروں کے چہروں کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اس جنگ کے حوالے سے ایک اور نازک سوال اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''ہم نے صرف بیت المقدس کی خاطر اتنی اذیتیں برداشت کی ہیں اور شاہ انگلستان سے فی الوقت تمام سیاسی اختلافات بھلا دیئے۔ مگر شہنشاہ رچرڈ ہمارے ان مذہبی جذبات سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے صلیبی جنگ کا قائد بن بیٹھا ہے۔ ہماری غیرت یہ کبھی گوارہ نہیں کرے گی کہ فرانسیسی قوم انگریزوں کی کمان میں رہ کر ثانوی حیثیت اختیار کر جائے۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یروشلم پر بھی رچرڈ ہی حکومت کرے گا۔''
دراصل شاہ فرانس بھی اسی خیال سے یہ تمام صعوبتیں برداشت کر رہا تھا کہ مسلمانوں کی شکست کے بعد یروشلم کا اقتدار اسے مل جائے گا۔ مگر جب فلپ نے میدان جنگ میں رچرڈ کے تیور دیکھے تو اس پر

یہ تلخ و ناگوار حقیقت واضح ہو گئی کہ فرانسیسی فوج عیسائی لشکر کا آلہ کار بن کر رہ گئی ہے۔ شہنشاہ فلپ کے اس انکشاف پر فرانسیسی سالار بھی پریشان نظر آنے لگے۔ پھر انہوں نے اپنے حکمراں کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ ''یہ بات ابھی طے ہو جانا چاہیئے کہ آئندہ یروشلم پر حکومت کون کرے گا۔ اگر بیت المقدس رچرڈ کے زیر انتظام آ جاتا ہے تو پھر انگلستان کو پوری عیسائی دنیا پر برتری حاصل ہو جائے گی۔''
فرانسیسی سالار بھی اپنے حکمراں ہی کے انداز میں سوچ رہے تھے۔

فوجی سالاروں کو اپنا ہم خیال پا کر شہنشاہ فلپ نے شاہ انگلستان رچرڈ کے سامنے یروشلم کے اقتدار کا نازک ترین مسئلہ چھیڑ دیا۔ رچرڈ ایک ہی عیار انسان تھا۔ اس نے فوراً ہی اندازہ کر لیا کہ فلپ کی نیت خراب ہو چکی ہے اور اس کی حریصانہ نظریں یروشلم پر جمی ہوئی ہیں تاکہ وہ عیسائیوں کے روحانی مرکز کا منتظم اعلیٰ بن کر یورپ کے ساتھ ایشیائے کوچک پر بھی حکومت کرے۔ رچرڈ نے ایک لمحہ ضائع کے بغیر بڑے بے نیازانہ لہجے میں کہا۔ ''ہم یہ کام مجلس مشاورت کے حوالے کئے دیتے ہیں اس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا۔ اور ہم سب اس فیصلے کو پوری دیانت، سچائی اور دل کی گہرائیوں سے قبول کریں گے۔''

شہنشاہ فلپ نے رچرڈ کی پیش کردہ اس تجویز کو فوراً ہی منظور کر لیا۔ اس کا خیال تھا کہ فرانس کی فوجی طاقت کو دیکھتے ہوئے مجلس مشاورت کے بیشتر اراکین اسی کے حق میں فیصلہ دیں گے۔ مگر رچرڈ نے بڑی ریاکاری سے کام لیا۔ اور مجلس مشاورت کے اراکین سے خفیہ ملاقاتیں کیں پھر ان کی اکثریت کو اس پر راضی کر لیا کہ وہ یروشلم کے سابق نگران اعلیٰ گائی آف لسگنن کے حق میں فیصلہ دے دیں۔ دوسری طرف رچرڈ نے گائی آف لسگنن کو اپنی دھمکیوں سے اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ کچھ دن تک یروشلم پر حکومت کرے گا۔ اور پھر استعفیٰ دے کر رچرڈ کے حق میں دست بردار ہو جائے گا۔

مجلس مشاورت کے تمام اراکین ایک خیمے میں جمع ہوئے اور رچرڈ کے منصوبے کے مطابق گائی آف لسگنن کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ یہ فیصلہ سن کر شہنشاہ فلپ سکتے کی سی کیفیت میں خاموش بیٹھا رہا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مجلس مشاورت کا ایک رکن بھی اس کی حمایت نہیں کرے گا۔ پھر جب شہنشاہ فرانس فلپ کی صدماتی اور تحیراتی کیفیت زائل ہوئی تو اس نے مجلس مشاورت کے اراکین کو انتہائی سخت لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''کیا آپ حضرات کی عقل خبط ہو گئی ہے کہ اسی ناکارہ شخص کو دوبارہ یروشلم کا بادشاہ بنا رہے ہیں جس نے اپنی بزدلی اور نااہلی کے سبب ارض مقدس کو مسلمانوں کے حوالے کیا تھا۔'' شہنشاہ فلپ نے بڑی حقارت کے ساتھ گائی آف لسگنن کی طرف اشارہ کیا جو مجلس مشاورت کے فیصلے سے بہت زیادہ خوش نظر آ رہا تھا۔

گائی آف لسگنن وہی بے غیرت انسان تھا جو معرکۂ ''حطین'' میں مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا تھا۔ اور صلاح الدین ایوبی نے اسے بہت دنوں تک دمشق میں قید رکھا تھا۔ پھر جب گائی آف لسگنن نے 'انجیل مقدس' پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ وہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائے گا تو

سلطان نے اسے رہا کر دیا۔ صلاح الدین ایوبی نے اپنی فطری نرم دلی اور ''انجیل مقدس'' کے احترام سے مجبور ہو کر گائی آف لسگنن جیسے بدکار، احسان فراموش اور کذاب کو آزاد کر دیا تھا۔ مگر یہ سلطان کی ایک بڑی سیاسی غلطی تھی۔ گائی آف لسگنن دمشق سے نکل کر ''صور'' چلا گیا جہاں ابھی تک عیسائیوں کی حکومت تھی۔ پھر اس ذلیل فطرت انسان نے ''صور'' میں بیٹھ کر شہنشاہ جرمنی فریڈرک، شہنشاہ فرانس فلپ اور شہنشاہ انگلستان رچرڈ سے خط و کتابت کی۔ سقوط یروشلم کے حوالے سے ان کے مذہبی جذبات کو بھڑکایا۔ پھر انہیں اس علاقے کے جنگی نقشے بھیج کر ''عکہ'' میں جمع کیا۔ اگر سلطان صلاح الدین ایوبی یروشلم کے باشندوں کو اس طرح آزاد نہ کرتا کہ وہ اپنے ساز و سامان کے ساتھ ہتھیار بھی لے گئے تھے، تو وہ ایک مقام پر جمع ہو کر دوبارہ مسلمانوں کے خلاف صف آرا نہ ہوتے۔ اور پھر شاید یہ مشکل صورت حال بھی پیش نہ آتی جس سے اس وقت اسلامی لشکر دوچار تھا۔ بہر حال وقت گزر چکا تھا۔ اور سلطان صلاح الدین ایوبی بڑی جرأت و استقامت کے ساتھ اپنی سیاسی غلطیوں کے ازالے کی کوششیں کر رہا تھا۔

پھر جب فلپ نے مجلس مشاورت کے فیصلے پر بڑی جارحانہ تنقید کی۔ اور گائی آف لسگنن کو لعنت و ملامت کا ہدف بنایا تو شہنشاہ رچرڈ نے انتہائی تند و تیز لہجے میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''فیصلہ ہو چکا۔ اور تم اس فیصلے کو تسلیم کرنے کا اقرار کر چکے ہو۔''

''میں سچے لوگوں کے فیصلوں کا احترام کرتا ہوں۔ مگر ان جھوٹے اور فریب کار انسانوں کی رائے میری نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اس لئے میں فرانس واپس جا رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر شہنشاہ فلپ خیمے سے نکلنے لگا تو رچرڈ نے آگے بڑھ کر اسے روکا۔ فلپ کے اس فیصلے سے پوری مجلس مشاورت میں اک طوفان سا آ گیا تھا۔ فرانسیسی فوج کی واپسی سے شہنشاہ رچرڈ اس خوفناک محاذ جنگ پر تنہا رہ جاتا۔ آخر اس عیار انسان نے ایک اور چال چلنے کی کوشش کی۔

''اس مسئلے پر دوبارہ غور کیا جا سکتا ہے۔'' اچانک رچرڈ کا لہجہ خوشامدانہ ہو گیا تھا۔

''تم سب لوگوں کی نیتیں اور ارادے بے نقاب ہو چکے ہیں۔'' شہنشاہ فلپ نے اسی غضبناک لہجے میں جواب دیا۔ ''آزمائے ہوئے کو دوبارہ آزمانا سب سے بڑا جہل ہے۔''

رچرڈ نے فلپ کو کئی مراعات دینے کا وعدہ کیا۔ مجلس مشاورت میں شامل کئی محترم پادریوں نے بیت المقدس کی عزت و ناموس کا واسطہ دیا مگر شہنشاہ فلپ نے کسی کی ایک نہیں سنی۔ دراصل وہ اس بے نتیجہ جنگ سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ اور بہت دن سے واپسی کے بہانے سوچ رہا تھا مگر کوئی معقول جواز اس کے ہاتھ نہیں آتا تھا۔ مگر آج گائی آف لسگنن کے انتخاب نے شہنشاہ فلپ کی مشکل آسان کر دی تھی۔ نتیجتاً وہ مجلس مشاورت کے غلط فیصلے کو بہانہ بنا کر اپنے لشکر کے ساتھ رخصت ہو گیا۔

جب شہنشاہ فلپ واپس جا رہا تھا تو رچرڈ نے انتہائی نفرت و غضب کے لہجے میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا ''تم مسیحیت کے غدار اور منافق ہو۔ خداوند خدا کی قسم! میں بیت المقدس کی

آزادی کیلئے تنہا لڑوں گا۔ پھر جب یروشلم پر صلیبی پرچم لہرا رہا ہوگا۔ اس وقت تمہاری حالت اک لعنت زدہ انسان سے زیادہ نہیں ہوگی۔ یسوع مسیح کے تمام نام لیوا تم پر تھوکیں گے۔ اور تمہیں عیسائیت سے خارج کر دیں گے۔'' رچرڈ شائستہ زبان میں جس قدر گالیاں اور طعنے فلپ کو دے سکتا تھا، وہ سب دے ڈالے۔ مگر شہنشاہ فرانس پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ دل ہی دل میں خداوند کا شکر ادا کرتا ہوا گھوڑے پر سوار ہو گیا کہ اسے ایک بڑے عذاب سے نجات مل گئی۔

عیار رچرڈ اطالوی اور آسٹریائی سپاہیوں کو رعب و جلال دکھانے کے لئے بلند بانگ دعوے کر رہا تھا۔ ورنہ فرانسیسی فوج کی واپسی سے اس کے حوصلے مزید پست ہو گئے تھے۔ ابھی وہ عسقلان میں ٹھہرا ہوا اگلا قدم اٹھانے کے لئے منصوبہ بندی کر ہی رہا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایک نئی جنگی چال چلی۔ اور اپنے سب سے چھوٹے بھائی ملک تقی الدین عمر کو منتخب شہ سواروں پر مشتمل فوج دیکر ''یافا'' کی طرف روانہ کر دیا۔ چند ماہ پہلے سلطان نے جنگی مصلحت کے تحت ''یافا'' خالی کر دیا تھا۔ اس مدت میں عیسائیوں نے شہر ''یافا'' کو نئے پیمانے پر وسعت و ترقی دی تھی۔ ''صور'' کے علاقے سے خوبصورت انگریز عورتیں یافا پہنچ کر عیسائی سپاہیوں کو داد عیش دے رہی تھیں۔ اور پورا شہر کیف و مستی کے طوفان میں ڈوبا ہوا تھا۔ آخر اسی بے خودی اور بے خبری کے عالم میں ملک تقی الدین عمر نے ''یافا'' پر انتہائی جارحانہ انداز میں حملہ کیا۔ اور پانچ ہزار عیسائی سپاہیوں کو قتل کر ڈالا جو شہر کی حفاظت پر مامور تھے۔ کچھ صلیبی فرار ہو کر عسقلان پہنچے۔ اور رچرڈ کو مسلمانوں کے نئے حملے کی خبر دی۔ یہ اطلاع شاہ انگلستان کے لئے اتنی حیران کن تھی کہ اسے کچھ دیر کیلئے سکتہ سا ہو گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مسلمان پلٹ کر ''یافا'' پر دوبارہ حملہ کر دیں گے۔ پھر جب رچرڈ اپنی فوج لے کر یافا پہنچا تو پورا شہر آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے یہاں بھی اپنی اسی جنگ حکمت عملی کا اعادہ کیا تھا۔ اور عسقلان کی طرح یافا کو بھی جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا تھا۔ رچرڈ نے ایک بار پھر اپنے سپاہیوں کو دکھانے کیلئے سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف اپنے نفرت و غضب کا شدید مظاہرہ کیا۔ جس کے جواب میں اس برباد شدہ شہر کی فضا عیسائی سپاہیوں کے شور سے گونجنے لگی۔

''جس طرح سلطان نے ہمارے دو خوبصورت شہروں کو آگ لگائی ہے، اسی طرح ہم بھی دمشق اور موصل کو انگاروں سے بھر دیں گے۔''

رچرڈ نے آتش انتقام میں جلتے ہوئے اپنے سپاہیوں کو صبر و ضبط کی تلقین کی۔ اور دوبارہ عسقلان لوٹ آیا۔ اب اسے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ یروشلم کو آزاد کرانے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ اب رچرڈ کے پاس اپنی عزت بچانے کا ایک ہی راستہ تھا کہ کسی طرح سلطان صلاح الدین ایوبی کو آبرومندانہ صلح کیلئے راضی کر لے۔ ابھی وہ معاہدۂ امن کیلئے نئی تدبیریں سوچ ہی رہا تھا کہ اطالوی اور آسٹریائی فوجوں نے جوش جذبات میں شہنشاہ رچرڈ سے آگے بڑھ کر یروشلم پر حملہ کرنے کا مطالبہ کر دیا۔ اس مطالبے میں انگلستان کے سپاہی اور پادری بھی پیش پیش تھے۔ ان سب کا ایک ہی بیان تھا۔

"ہمیں اپنا وطن چھوڑے ہوئے تقریباً ایک سال کا عرصہ ہوگیا ہے۔ مگر اس طویل مدت میں ہم نے صرف ایک چھوٹے سے شہر "عکہ" پر قبضہ کیا ہے۔ اور اس کے بدلے میں ڈیڑھ لاکھ سپاہیوں کی جانیں گنوانے کے ساتھ عیسائیوں کے دو بڑے شہروں کو اپنی آنکھوں سے برباد ہوتے دیکھا ہے۔ کیا ہم اسی مقصد کیلئے گھر سے بے گھر ہوئے ہیں؟ آخر عسقلان اور یروشلم کے درمیان ایسی کون سی رکاوٹ ہے جو ہماری پیش قدمی کو روک رہی ہے؟" اطالوی، آسٹریائی اور بہت سے انگلستانی سپاہی بھی شہنشاہ فرانس فلپ کے انداز میں سوچ رہے تھے جو اس جنگ کو بے مقصد اور بے نتیجہ سمجھ کر بڑی ہوشیاری کے ساتھ اپنے ملک واپس چلا گیا تھا۔ انگریز سپاہی تو اپنے شہنشاہ رچرڈ کی وجہ سے خاموش رہے۔ مگر اطالوی اور آسٹریائی فوجوں نے رچرڈ سے صاف صاف کہہ دیا۔

"اگر فوری طور پر بیت المقدس کی طرف پیش قدمی نہیں کی گئی۔ اور سلطان کے حملوں کا بھرپور جواب نہیں دیا گیا تو ہم بھی اپنے وطن واپس چلے جائیں گے۔ ہمیں دیارِ غیر میں آوارہ کتوں کی موت مرنا منظور نہیں۔"

اس دھمکی نے شیر دل رچرڈ کے ہوش وحواس اڑا دیئے تھے۔ مگر وہ جنگجو سپاہی کے بجائے حیلہ باز اور شاطر سیاست داں تھا۔ اس نے فوراً ہی سپاہیوں کے بھڑکے ہوئے جذبات کو سرد کرنے کیلئے اطالوی اور آسٹریائی سالاروں کے سامنے یروشلم اور گردونواح کے علاقوں کے نقشے بچھا دیئے اور اپنی تلوار کی نوک سے ان نقشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"غور سے دیکھو۔ اس مقام سے آگے پانی کے تمام ذرائع برباد کر دیئے گئے ہیں۔ اور شہر کے قریب پانی ناپید ہے۔ ہمارے گھوڑے اپنی پیاس کس طرح بجھائیں گے؟ جنگ کی تمام تر کامیابی کا انحصار سوار فوج پر ہے۔ اس حالت میں ہمارے پیاسے گھوڑے کس طرح دشمن پر جھپٹیں گے؟"

شہنشاہ رچرڈ کی اس دلیل کے جواب میں ایک اطالوی سالار نے کہا۔ "ہم تکواندی" سے پانی حاصل کر سکتے ہیں۔ جو یروشلم سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر بہتی ہے۔"

اطالوی سالار کا جواب سن کر رچرڈ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ اور اس نے ناگوار لہجے میں کہا۔ "ہم وہاں اپنے گھوڑوں کو پانی کس طرح پلائیں گے۔"

اطالوی سالار نے اپنی تجویز کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "ہم اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں گے۔ پہلے ایک حصہ سوار ہو کر اپنے گھوڑوں کو ندی کے گھاٹ پر پانی پلائے گا۔ اور فوج کا دوسرا حصہ شہر کا محاصرہ جاری رکھے گا۔ اس طرح لشکر کے دونوں حصے باری باری دن میں ایک مرتبہ ندی پر جا کر اپنی اور گھوڑوں کی پیاس بجھایا کریں گے اس طرح محاصرے کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے گا۔"

شہنشاہ رچرڈ میں فریب وریاکاری کے علاوہ یہ خرابیاں بھی بدرجہ اتم موجود تھیں کہ وہ نہایت متکبر اور خود پسند انسان تھا۔ وہ کسی بھی حال میں اپنی بات کی تردید گوارہ نہیں کرتا تھا۔ اس کے علاوہ رچرڈ کو خطرناک حد تک یہ غلط فہمی بھی تھی کہ وہ دنیا کا سب سے بڑا ماہر جنگ ہے۔ اطالوی سالار کی حجت سن

کر شہنشاہ انگلستان بھڑک اٹھا۔ "کیا تم مجھ سے بہتر نقشہ جنگ ترتیب دے سکتے ہو؟"

اطالوی سالار کو رچرڈ کا یہ اندازِ گفتگو بہت ناگوار گزرا تھا۔ مگر اس نے مصلحتاً اپنے آپ کو قابو میں رکھتے ہوئے کہا۔ "شہنشاہ! اس وقت یہ سوال نہیں ہے کہ کون بہتر ہے اور کون بدتر؟" قوت برداشت کا مظاہرہ کرنے کے باوجود اطالوی سالار کے لہجے سے شدید طنز نمایاں تھا۔ "ہمیں تو ہر حال میں اپنے ہدف تک پہنچنا ہے۔"

"اس سے بڑی حماقت کیا ہوگی کہ ہم اپنی فوج کے ایک حصے کو دریا کی طرف روانہ کر دیں اور پھر ہماری عسکری قوت آدھی رہ جائے۔" رچرڈ نے تحقیر آمیز لہجے میں اطالوی سالار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "پھر سلطان صلاح الدین ایوبی قلعے سے نکل کر ہماری فوج کے دوسرے حصے کو تباہ کر ڈالے۔ یہ کیسی احمقانہ تجویز ہے کہ ہم اپنے ہی ہاتھوں اپنی گردنیں کاٹ لیں۔"

دراصل رچرڈ کے حوصلے پست ہوگئے تھے اور وہ بھی شاہ فرانس فلپ کی طرح انگلستان جانے کا بہانہ ڈھونڈ رہا تھا۔ مگر اس کی ہوشیاری یہ تھی کہ وہ اپنی کم ہمتی کو کسی پر ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر تمام پادری اور عیسائی سپاہی پیش قدمی کر کے یروشلم کا محاصرہ کرنے کیلئے بضد تھے۔ بالآخر اس الجھے ہوئے مسئلے کو حل کرنے کیلئے تین سو نامور لوگوں کی ایک کونسل بنائی گئی۔ اس کونسل نے تین ماہرین جنگ کو اس بات کا اختیار دے دیا کہ وہ جس امر کا فیصلہ کریں گے وہ تمام صلیبیوں کے لئے قابل قبول ہوگا۔

اس سہ رکنی کونسل کے قائم ہوتے ہی شہنشاہ رچرڈ نے ایک اور چال چلی۔ "ہم سمندر سے بہت دور ہیں۔ اگر ہم اور آگے بڑھے تو ترک سپاہی ہمارے رسد کے سارے وسائل منقطع کر دیں گے۔ شہر کا طول وعرض اتنا ہے کہ محاصرے کے لئے بے شمار فوج درکار ہوگی پھر بھی ہم ترکوں کے حملے کو نہیں روک سکیں گے۔ تمہاری نظریں صرف یروشلم پر مرکوز ہیں۔ مگر میری آنکھیں پورے یورپ کو دیکھ رہی ہیں۔ فوجی کونسل کا ہر فیصلہ میرے سر آنکھوں پر۔ مگر واضح رہے کہ اگر بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کا فیصلہ کیا گیا تو میں ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے اس جنگ میں شرکت کروں گا۔" یہ کہہ کر شہنشاہ رچرڈ نے صلیبی جنگ کی قیادت سے استعفیٰ دے دیا۔

اس فوجی کونسل کے تین سو ممبران میں "ٹمپلرز" اور "ہاسپٹلرز" کی اکثریت تھی۔ جو عیسائیوں کی انتہا پسند، جنونی مذہبی عسکری تنظیمیں تھیں۔ رچرڈ کے استعفے کی بات سن کر فوجی کونسل کے ایک رکن نے انتہائی جذباتی لہجے میں کہا۔ "ہماری نظر میں اس صلیبی جنگ کی قیادت کے لئے آپ سے زیادہ موزوں کوئی دوسرا شخص نہیں ہے۔"

"میں اس حسن ظن کے لئے آپ لوگوں کا بے حد شکر گزار ہوں۔" رچرڈ نے انتہائی جذباتی لہجے میں کہا۔ "مگر میں ایک قائد کی حیثیت سے یروشلم کی طرف پیش قدمی کر کے اپنی دنیا اور آخرت برباد کرنا نہیں چاہتا۔"

"شہنشاہ آپ اس بات کی وضاحت فرمائیں۔" فوجی کونسل کے دوسرے رکن نے رچرڈ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اس مقدس مہم کے حوالے سے جینا یا مرنا تو ہر عیسائی کیلئے سب سے بڑی

سعادت اور اعزاز ہے۔"

"آپ حضرات نے حرف بہ حرف سچ کہا۔ مگر میں ایک قائد کی حیثیت سے ارضِ مقدس کی طرف پیش قدمی نہیں کر سکتا۔ خداوند خدا اہلِ صلیب پر ہمیشہ مہربان رہے۔ لیکن اگر اس راستے میں مجھے ہزیمت اٹھانا پڑی تو میرا سارا نامۂ اعمال برباد ہو جائے گا۔ اور رہتی دنیا تک عیسائی مجھ پر لعنت بھیجیں گے۔" جابر و سفاک رچرڈ اس وقت اپنے آپ کو ایک انتہائی پرہیزگار اور خدا ترس انسان ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ورنہ حقیقت یہ تھی کہ "عسقلان" اور "یافا" کی ہولناک تباہی کے بعد شاہ انگلستان میں اتنی ہمت باقی نہیں رہی تھی کہ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا مقابلہ کر سکے۔

رچرڈ کے اس فیصلے سے کونسل کے تمام ممبران شدید پریشانی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ وہ ساری رات آئندہ کا لائحہ عمل طے کرنے کیلئے آپس میں مشورے کرتے رہے۔ مگر انہیں نجات اور کامیابی کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

پھر آنے والی صبح نے تیسری صلیبی جنگ کا فیصلہ کر دیا۔ شہنشاہ رچرڈ کو اطلاع دی گئی کہ "فرینکس" بھی اپنا پڑاؤ چھوڑ کر "رملہ" کی طرف واپس چلے گئے ہیں۔ یہ خبر اتنی پریشان کن تھی کہ اس نے رچرڈ کے ساتھ کونسل کے تین سو ممبران کے بھی ہوش و حواس اڑا دیئے تھے۔ اس واقعے کے بارے میں مشہور انگریز مورخ اور رچرڈ کا ذاتی سوانح نگار ایمبر وز بے باکانہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"سلطان صلاح الدین ایوبی اس جنگ میں فتح یاب ہوا۔ اور رچرڈ لڑے بغیر ہار گیا۔"

فرینکس کی واپسی کے بعد جو صلیبیوں کا سب سے جانباز اور جنونی دستہ تھا۔ فوجی کونسل بھی انتہائی بے یقینی اور تذبذب کا شکار ہو گئی۔ بالآخر اس نے تمام معاملات رچرڈ پر چھوڑ دیئے۔

رچرڈ نے اپنی عزت بچانے کیلئے ایک اور چال چلی۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ صلح کیلئے کون مجبور ہوا۔ وہ تو بس یہ چاہتا تھا کہ تیسری صلیبی جنگ برابری پر چھوٹ جائے۔ تاکہ وہ یورپ کے دوسرے ممالک اور اپنی رعایا کے سامنے منہ دکھانے کے قابل رہے۔ اپنی اسی حکمت عملی کے پیش نظر شیر دل رچرڈ نے صلح کیلئے نئے شرائط نامے کے ساتھ اپنا ایک وفد سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس بھیجا۔ اس نئے شرائط نامے کی تفصیل اس طرح تھی۔

رچرڈ کی بہن جین اور سلطان کے چھوٹے بھائی ملک عادل کی شادی کر دی جائے تاکہ عیسائی اور مسلمان مل کر یروشلم کی نگرانی کر سکیں۔ اس کے ساتھ ہی سلطان عسقلان اور ساحل کے دوسرے شہر اپنی بھاوج کو شادی کے تحفے کے طور پر دے دے۔ اس کے ساتھ ہی صلاح الدین ایوبی "صلیب الصلبوت" (سب سے مقدس صلیب) عیسائیوں کے حوالے کر دے۔

رچرڈ کی طرف سے بھیجا گیا شرائط نامہ پڑھ کر سلطان صلاح الدین ایوبی مسکرایا۔ پھر اس نے مختصراً رچرڈ کے خط کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "جین اور ملک عادل کی شادی ایسی ہی ہے کہ جیسے میں اپنی شہ رگ کے قریب ایک زہر آلود خنجر رکھ کر بھول جاؤں۔ اور پھر جوں ہی اس خنجر کو موقع ملے وہ میرا کام تمام کر ڈالے۔ مجھے تم جیسے ذہین انسان سے ایسی احمقانہ پیش کش کی توقع ہرگز نہیں تھی۔" سلطان

صلاح الدین ایوبی نے انتہائی شائستہ اور مہذب لہجے میں شاہ انگلستان کو ذلیل کر دیا تھا۔

سلطان کا خط پڑھ کر رچرڈ ایک بار پھر غضب ناک ہو گیا۔ مگر اس کا یہ غصہ "قہر درویش برجان درویش" کے مصداق تھا۔ یعنی ایک کمزور مجبور انسان بس اپنی ذات ہی پر غصہ کر سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی جب پادریوں کو یہ خبر پہنچی کہ رچرڈ اپنی بہن جین کی شادی ملک عادل سے کر رہا ہے تو وہ سب کے سب شاہ انگلستان کے پاس پہنچے۔ اور رچرڈ کو انتہائی سخت لہجے میں تنبیہہ کرتے ہوئے کہنے لگے۔

"شہنشاہ۔ اگر یہ شادی ہوئی تو یاد رکھیں کہ دنیا کے ہر گرجے میں وہ طوفان آئے گا جسے آپ کی پوری فوج بھی نہیں روک سکتی۔"

رچرڈ کی بہن جین ایک نہایت دلکش خدوخال رکھنے والی بیوہ تھی۔ جس کا شوہر "صقلیہ" کا حکمران تھا۔ اور چند ماہ پہلے اس کی موت واقع ہو گئی تھی۔ اب رچرڈ کو اپنی احمقانہ چال کا اندازہ ہوا کہ جس کی وجہ سے وہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان یکساں طور پر رسوا ہو گیا تھا۔ پھر اس نے اپنی خفت مٹانے کے لئے دوسرا وفد سلطان کے پاس بھیجا اور کھلے الفاظ میں دھمکی دی۔

"میں نے صرف یروشلم اور ایشیائے کوچک میں امن قائم کرنے کیلئے اپنی بہن اور ملک عادل کی شادی کی تجویز پیش کی تھی۔ لیکن تمہارے جواب سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان خونریزی کے سوا کسی دوسرے راستے کو پسند نہیں کرتے۔ بہرحال میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ پھر بھی تمہیں ایک ماہ کی مزید مہلت دی جاتی ہے۔ اس دوران میں یروشلم خالی کر دو۔ ورنہ دو لاکھ تازہ دم صلیبی فوج بہت جلد "عکہ" کے ساحل پر اترنے والی ہے۔ پھر میں نہیں جانتا کہ تم ظالموں پر خداوند خدا کا قہر کس انداز میں نازل ہوگا۔"

سلطان صلاح الدین ایوبی نے انتہائی باوقار لہجے میں عیسائی وفد کو جواب دیتے ہوئے کہا۔ "ہم اہلِ ایمان پوری دنیا میں سب سے زیادہ امن پسند انسان ہیں۔ اپنے شہنشاہ کو بتا دو کہ مسلمان اسلحے اور سپاہیوں کی کثرت کے بجائے تائیدِ حق پر یقین رکھتے ہیں۔ پورے یورپ کی فوجیں تو آ چکیں۔ اب تم ایسا کرو کہ اپنے تمام شہریوں کو جنگی تربیت دو۔ پھر سب مل کر ارضِ مقدس کا رخ کرو۔ مگر یہ امر طے شدہ ہے کہ میں اپنی زندگی میں بیت المقدس خالی نہیں کروں گا۔ میرے بعد کیا ہوگا، یہ اللہ بہتر جانتا ہے۔"

رچرڈ کی یہ تدبیر بھی ناکام ہو گئی۔ اس نے دو لاکھ تازہ دم صلیبی افواج کی آمد کی افواہ اس لئے اڑائی تھی کہ اسے حقیقت سمجھ کر سلطان متاثر ہو جائے گا اور پھر عزت مندانہ صلح کا کوئی راستہ نکل آئے گا۔ جس کے لئے شیر دل رچرڈ دن رات تڑپ رہا تھا۔ سلطان کی طرف سے سخت ترین جواب پا کر شاہ انگلستان نے گھٹنے ٹیک دیئے اور تیسرا وفد صلاح الدین ایوبی کی خدمت میں بھیجا۔ اب وہ صلح کی ساری شرائط بھول کر صرف اس درخواست پر اتر آیا تھا کہ صلاح الدین ایوبی "صلیب الصلبوت" اس کے حوالے کر دے تاکہ واپس جا کر وہ اپنی قوم کے سامنے یہ کارنامہ بیان کر سکے کہ اس نے عیسائیوں کی "مقدس ترین نشانی" سلطان سے بزورِ شمشیر حاصل کی ہے۔

عیسائی وفد کی درخواست سن کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے چہرے پر رنگ جلال ابھر آیا اور اس نے عیسائی وفد کو انتہائی سخت لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''تم سے پہلے ''جارجیا'' اور ''قسطنطنیہ'' کے بادشاہ بھی مجھے اس صلیب کے بدلے میں بڑی بڑی رقموں کی پیشکش کر چکے ہیں۔ اب تم واپس جا کر اپنے شہنشاہ کو بتا دینا کہ میں بتوں اور شرک پرستی کی نشانیوں کی تجارت نہیں کرتا۔''

پھر رچرڈ کی طرف سے چوتھا وفد یہ درخواست لے کر حاضر ہوا کہ عیسائی زائرین کو بیت المقدس کی زیارت کی اجازت دے دی جائے۔ سلطان نے جواباً کہا۔ ''شاید رچرڈ کو معلوم نہیں کہ عیسائی زائرین پر بیت المقدس کے حوالے سے کوئی پابندی عائد نہیں ہے۔ وہ جب چاہیں اپنے مقامات مقدسہ کی زیارت کیلئے یروشلم آ سکتے ہیں۔'' پھر بھی سلطان نے اس سلسلے میں ایک تحریری دستاویز لکھ کر عیسائی وفد کے حوالے کر دی۔

پھر وہ بڑا عجیب وقت تھا جب شہنشاہ رچرڈ انگلستان جانے کیلئے گھوڑے پر سوار ہوا اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے زار و قطار رویا اور انتہائی رقت آمیز لہجے میں بولا۔ ''اے ارض پاک! مرا انتظار کرنا۔ میں تجھے کافروں کے پنجۂ ستم سے چھڑانے کیلئے بہت جلد واپس آؤں گا۔''

رچرڈ کے یہ آنسو بھی محض ایک فریب تھے۔ وہ اپنے سپاہیوں کو متاثر کرنے اور خود کو عیسائیت کا سب سے بڑا علم بردار ثابت کرنے کیلئے آنسو بہا رہا تھا۔ اگر وہ سچا ہوتا تو یقیناً لوٹ کر آتا، چاہے بحیرۂ روم میں غرق ہی کیوں نہ ہو جاتا۔ لیکن وہ گیا تو ایسا گیا کہ پھر اس نے بیت المقدس کی طرف پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔ یہ تھا وہ ''شیر دل'' رچرڈ جس کی شجاعت و مردانگی کے مہمل اور بے سروپا افسانے آج بھی عیسائی دنیا میں مشہور ہیں۔

تیسری صلیبی جنگ کے خاتمے پر ایک فرانسیسی مؤرخ لکھتا ہے۔ ''اس جنگ میں مغرب کی تمام مسلح طاقتوں کو ''عکہ'' کی فتح اور ''عسقلان'' کی بربادی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اسی جنگ میں جرمنی نے کچھ حاصل کئے بغیر اپنا سب سے بڑا شہنشاہ فریڈرک گنوا دیا۔ اور اپنی فوجوں میں سے سب سے بہتر فوج صحرا کی وسعتوں میں کھو دی۔''

عرب مؤرخین کے مطابق ''عکہ'' کے سامنے چھ لاکھ صلیبی آئے اور ان میں سے بمشکل ایک لاکھ سپاہی اپنے گھروں کو واپس جا سکے۔

پھر جب عیسائیوں کا ناکام و نامراد لشکر عسقلان چھوڑ کر عکہ کی طرف جا رہا تھا تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی اس مقام پر اپنے اللہ کے آگے سجدہ ریز تھا۔ جہاں بیت المقدس میں داخل ہونے کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے پہلی نماز ادا کی تھی۔ (ختم شد)